شرح

مسند امام اعظم

علامہ مولانا حافظ محمد احمد بخش غوثوی مہاروی

فیض گنج بخش بک سنٹر

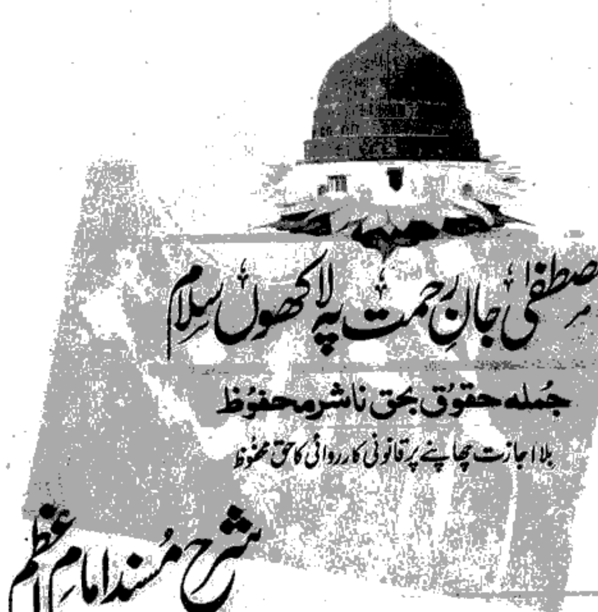
شرح

مسند امام اعظم

شارح

علامہ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی

فیض گنج بخش بک سنٹر
دربار مارکیٹ داتا دربار لاہور
0321 4021 314



مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

نام کتاب: شرح مسند امامِ اعظم

شارح: علامہ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی

تاریخ اشاعت: جنوری 2013

مطبع: پرنٹ یارڈ لاہور

ناشر: صاحبزادہ غلام محی الدین رضا

قیمت:

فیض گنج بخش بک سنٹر

دربار مارکیٹ داتا دربار لاہور

0321 4021 314



بیاد

حضرت شیخ سید علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہٗ العزیز جنہوں نے برصغیر ہند میں ۱۰۴۱ تا ۱۰۷۱ عیسوی میں اسلامی تعلیمات کو پھیلایا۔ ان کا درِ فیض آج بھی کھلا ہوا ہے۔ نیاز مندانِ داتا گنج بخش اپنے دامن میں گوہر مراد بھر کر لے جاتے ہیں اور اپنی زبان قال و حال سے یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

بفیضِ نظر

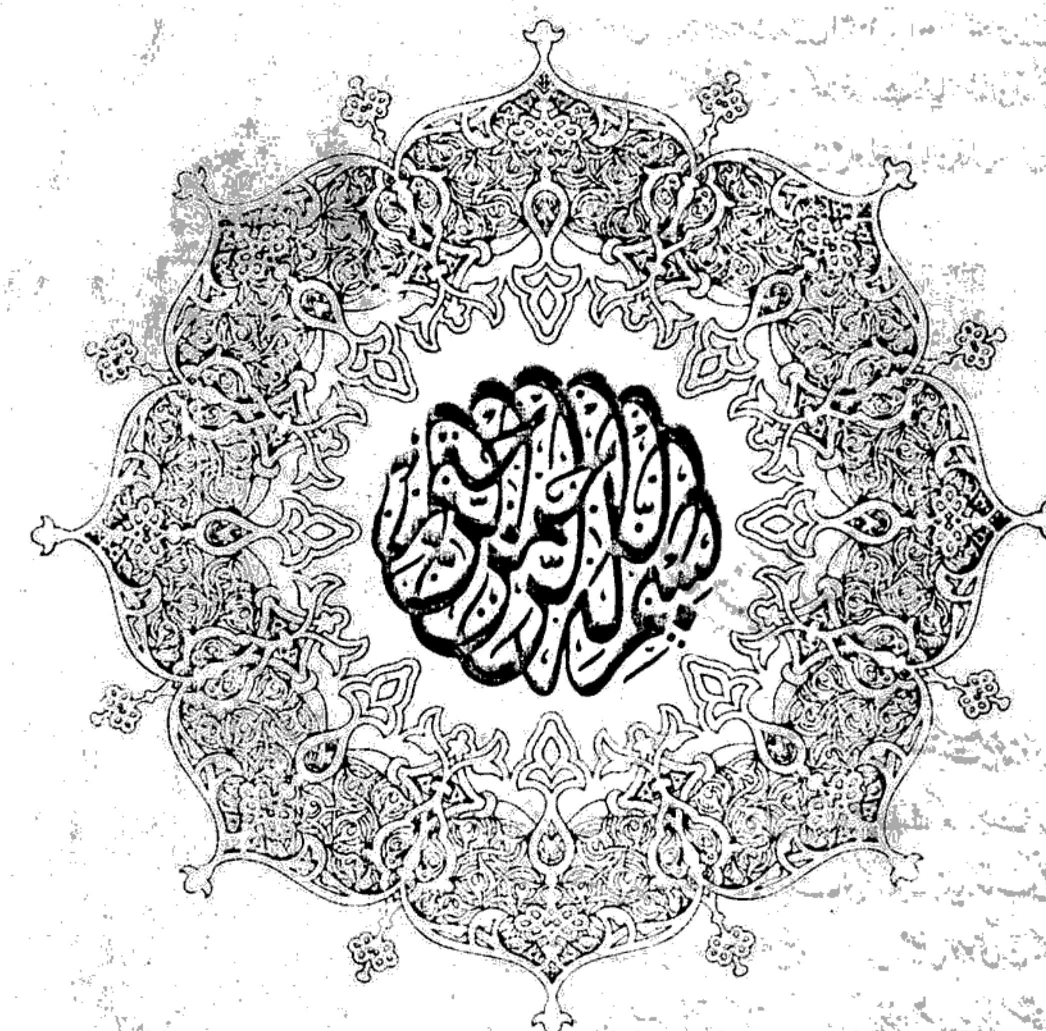
لاہور کے مستور الحال درویش حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے عشق رسول کا علم تھامے رکھا، محبت رسول کی شمع کو روشن رکھا، فکر رضا کو ایک عالمی تحریک بنایا، کتاب کی خوشبو کو پھیلا کر علم و عرفان کو عوام و خواص تک پہنچایا۔ فیض موسوی آج بھی جاری ہے۔ تلاش و جستجو کے متوالے ان کے مخزن علم سے برابر مستفید ہو رہے ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

شرح مسند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ



عرضِ ناشر

فیض گنج بخش بک سنٹر جس مشن کولیکر میدان عمل میں اترا تھا وہ اپنی پوری رفتار اور اصل روح سے جاری ہے۔ بلاشبہ قارئین کی حوصلہ افزائی کے بغیر اس مشن کی تکمیل ناممکن تھی۔ حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب ''انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ'' نے مختصر ترین عرصے میں جو پذیرائی حاصل کی وہ قابل تعریف ہے۔ چونکہ ادارے کا سب سے اہم مقصد وقت کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے مذہبی و نظریاتی کتب کی اشاعت ہے اس لئے مسند امام اعظم کی شرح قارئین کے ذوق مطالعہ کی نذر کی جارہی ہے۔

امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ کی مسند کو کتب احادیث میں ایک ممتاز اور امتیازی مقام حاصل ہے۔ مسند امام اعظم تو ایک عرصے سے موجود تھی مگر اس کی شرح جو کہ وقت کی اہم ضرورت اور عام قاری سے لیکر ہر مکتبہ ہائے فکر کے لئے ضروری تھی، کی کمی محسوس کی جا رہی تھی۔ اس اہم کام کو پورا کرنے کے لئے ادارے نے شرح مسند امام اعظم پر کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ علامہ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی کی شبانہ روز محنت سے یہ عظیم کام ممکن ہوا اور الحمد للہ اہل سنت و جماعت کی پہلی شرح مسند امام اعظم کو مکمل کرلیا گیا۔ اس طرح فیض گنج بخش بک سنٹر کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ مسند امام اعظم کی پہلی شرح آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

شارح نے اس کتاب کو نہایت آسان زبان میں تحریر کیا ہے، ایک عام قاری اسے آسانی سے سمجھ سکے گا۔ اس کتاب میں امام اعظم امام ابوحنیفہ کے حالات، تخریج، جابجا حوالہ جات اور ضروری مقامات پر وضاحتی نوٹس نے اسے مزید سہل کر دیا ہے۔ یوں تو کتاب کی اشاعت میں نہایت احتیاط سے کام لیا گیا ہے مگر بتقاضائے بشریت اگر کسی مقام پر کوئی کمی بیشی نظر آئے تو برائے کرم مطلع فرمادیں تا کہ ازالہ کیا جاسکے۔

کتاب کی اشاعت میں جن احباب کی مدد اور قیمتی مشورے جابجا رہنمائی کرتے رہے ان میں سید محسن اعجاز کا بے حد مشکور ہوں۔ انکی خصوصی شفقت سے کتاب کی اشاعت ممکن ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کام کا اجر عظیم، صحت کاملہ اور ہمیں اس کتاب کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

غلام معین الدین
Qadri@live.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سیرت امام ابوحنیفہ

نام ونسب

نعمان نام' ابوحنیفہ کنیت' امام اعظم لقب' شجرۂ نسب یہ ہے: نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ' شجرۂ نسب سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب عجمی النسل تھے۔ تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی نے امام صاحب کے پوتے اسماعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں' ہم لوگ نسل فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارے دادا ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے' ثابت بچپن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے' انہوں نے ان کے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی' ہم کو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں رہی۔ (تاریخ بغداد' خطیب بغدادی' ترجمہ امام ابوحنیفہ)

امام صاحب کے پوتے اسماعیل نے اپنے پردادا کا نام نعمان بتایا اور سگڑ دادا کا نام مرزبان۔ عام طور پر زوطی اور ماہ مشہور ہیں۔ غالباً جب زوطی ایمان لائے تو ان کا نام زوطی سے نعمان میں بدل گیا اور اسماعیل نے سلسلۂ نسب کے بیان میں زوطی کا وہی اسلامی نام لیا اور حمیتِ اسلامی کا مقتضا بھی یہی تھا۔ زوطی کے والد کا نام غالباً کچھ اور ہوگا' اور ماہ اور مرزبان لقب ہوں گے' کیونکہ اسماعیل کی روایت سے اس قدر اور بھی ثابت ہے کہ ان کا خاندان فارس کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا۔ فارسی میں رئیس شہر کو مرزبان کہتے ہیں' اس لیے نہایت قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں نہ کہ نام' حافظ ابوالمحاسن نے قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہوں گے' انہوں نے قیاسا کہا: کیوں کہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے' لیکن یہ یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان ہم معنی لفظ ہیں۔ ماہ دراصل وہی مہ ہے' جس کے معنی بزرگ اور سردار کے ہیں۔

امام صاحب کے دادا غلام نہ تھے

عام طور پر دشمنوں نے امام صاحب کے متعلق یہ مشہور کر رکھا ہے کہ وہ غلام تھے' حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے' کیوں کہ امام صاحب نے وہ شہرت دوام حاصل کی' جس سے جریدۂ عالم پر ان کی زندگی نقش ہوگئی' جیسا کہ مشہور ہے: ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما۔

بعض مؤرخین امام صاحب کے دادا زوطی جن کا اسلامی نام نعمان تھا' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور انہیں قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خرید لیا۔ کچھ دنوں غلامی میں رہے' پھر آزاد کر دیے گئے' اسی لیے امام صاحب کا خاندان موليٰ بنی تیم اللہ کہلاتا ہے۔ اوّل تو یہ ایک تاریخی غلطی ہے' جس کو بعض مؤرخین نے امام صاحب کے حسد میں خوب اچھالا' لیکن اگر درست بھی ہو تو یہ کوئی عیب نہیں' اگر ہم صحابہ کرام میں سے چوٹی کے فقہاء اور مفسرین کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ان میں سے اکثر غلام تھے' ان مقتدر حضرات کے ناموں کی فہرست ملاحظہ فرمائیں کہ یہ سب غلام تھے' لیکن ان کا نام' ان کا تذکرہ باعثِ ثواب وعزت ہے' ان کے وسیلے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں' انہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے۔ ان بزرگوں میں سے چند یہ ہیں: امام حسن بصری' ابن سیرین' طاؤس' عطاء بن یسار' نافع' عکرمہ' مکحول' یہ جید علماء اور فقہاء تھے' جو غلام تھے تو اگر امام صاحب غلام ہوئے بھی تو کیا عیب ہے؟

صرف یہی نہیں بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کئی سال مصر میں غلامی کی زندگی گزاری ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں قرآن کہتا ہے: ''اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ O (الصافات:۱۴۰)'' ترجمہ: (جب کہ بھری کشتی کی طرف نکل گیا O) تو ثابت ہوا کہ غلام ہونا کوئی عیب نہیں۔ رہا یہ سوال کہ امام صاحب کی دادا سے ولا کیسے مشہور ہوئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عرب میں دستور ہے کہ جب کسی سے تعلق جوڑتے ہیں یا کسی کو امن دیتے ہیں تو موليٰ مشہور کر دیتے ہیں اور اس جگہ ''ھذا مولای'' کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ قوی امکان ہے کہ امام صاحب کے دادا نے بھی عرب کے کسی قبیلے سے اپنا تعلق استوار کیا ہو اور اس تعلق کی وجہ سے موليٰ مشہور ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ خیال عام ہو گیا اور مؤرخین نے جن کی عادت ہوتی ہے کہ بات کی تحقیق کیے بغیر اسے قبول کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیل کو اپنے بیان میں خاص طور پر یہ کہنا پڑا کہ ہم غلام نہیں ہیں' اور نہ کبھی غلام ہوئے۔ اسماعیل کی روایت کئی وجوہ سے قابلِ قبول ہے' کیونکہ یہ نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے۔ قاضی صمیری نے اس کی تصریح کی ہے کہ زوطی بنی تیم اللہ کے حلیف تھے۔ زوطی کی نسبت یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان کا خاص شہر کون سا تھا۔ مختلف مؤرخین نے کئی ایک شہروں کے نام لیے ہیں' جن میں سے کسی ایک کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ یقینی طور پر صرف اس قدر قبول کیا جا سکتا ہے کہ اقلیم فارس کے کسی شہر کے باشندے تھے۔ یہ اقلیم اس زمانے میں اسلامی اثر قبول کر چکے تھے۔ اسلام کی اس اثر پذیری کی وجہ سے بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کر چکے تھے۔ غالباً زوطی اسی زمانے میں اسلام لائے ہوں گے اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے تمام خاندان کی ناراضگی مول لی' جس کی وجہ سے اقلیم فارس سے ہجرت کر کے عرب کا رخ کیا۔ (سیرت النعمان' شبلی نعمانی ص ۲۹)

اس زمانے میں امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی' جب زوطی نے ہجرت کی اور کوفہ کو اسلامی دار الحکومت ہونے کا شرف حاصل تھا زوطی نے بھی کوفہ ہی میں سکونت اختیار کی' کبھی کبھار زوطی امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوتے اور خلوصِ عقیدت سے قدم بوسی کا شرف حاصل کرتے۔ ایک بار پارسیوں کے عید کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں محبت وعقیدت کا اظہار کرنے کے لیے فالودہ بھیجا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نو روز نا کل الیوم'' یعنی ہمارے ہاں ہر روز عید ہے۔ امام ابوحنیفہ کے والد ''ثابت'' کوفہ ہی میں پیدا ہوئے' زوطی نے اپنے نیک بخت لڑکے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر کیا' آپ رضی اللہ عنہ نے بزرگانہ شفقت سے دعائے خیر فرمائی' جو اللہ نے قبول فرمائی اور اللہ نے اس خاندان کی عظمت قیامت تک کے لیے باقی رکھی۔

امام صاحب کے والد ثابت کوئی ایسی مشہور شخصیت نہ تھے کہ جس سے ان کے حالات ضبط تحریر میں لائے جاتے' لہٰذا مؤرخین نے ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشغلۂ حیات تجارت تھا۔ جب عمر عزیز چالیس کے قریب ہوئی تو اللہ نے وہ عظیم فرزند عطاء کیا جس کے نام کو اللہ نے رہتی دنیا تک زندہ وتابندہ رکھا۔ امام صاحب کی پیدائش کے وقت عبدالملک بن مروان کی حکومت تھی' جو دولت مروانیہ کا دوسرا حکمران تھا۔ اس مبارک دور میں کچھ ایسے خوش قسمت لوگ موجود تھے' جن کی آنکھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا دیدار کیا تھا اور ان خوش قسمت انسانوں میں سے کچھ امام ابوحنیفہ کے عہدِ شباب تک زندہ تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا انتقال ۹۱ھ میں ہوا اور ابوطفیل عامر بن واثلہ پہلی صدی ہجری تک حیات تھے۔ امام ابوحنیفہ نے ان بزرگوں میں سے کسی ایک سے بھی روایت نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امام ابوحنیفہ اس وقت امام ابوحنیفہ نہیں تھے' بلکہ ایک عام تاجر کے بیٹے تھے۔

جوانی اور تعلیم

امام صاحب چونکہ ایک تاجر گھرانے میں پیدا ہوئے' لہٰذا ان کی ساری توجہ اپنے اس آبائی پیشہ کی طرف تھی' البتہ خاندانی

وجاہت وعزت ایسی تھی کہ بے علم بھی نہ رہے۔ اس دور کے لوگوں کی طرح کچھ نہ کچھ سیکھتے رہے۔ لیکن اتنا نہیں کہ ہم اسے خاص طور پر تعلیم سے متعلق سمجھیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اللہ نے جس کام کے لیے ان کو پیدا فرمایا تھا' اس کے آثار امام صاحب کی روشن پیشانی میں صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ چنانچہ شبلی نعمانی نے امام ابوحنیفہ کے علم دین کی طرف تحریک کے بارے میں ایک بہت عمدہ بات لکھی ہے' فرماتے ہیں:

ایک دن بازار جا رہے تھے' امام شعبی جو کوفہ کے مشہور امام تھے' ان کا مکان راہ میں تھا' سامنے سے نکلے تو انہوں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے' پاس بلایا اور پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے ایک سوداگر کا نام لیا' امام شعبی نے کہا: میرا مطلب یہ تھا کہ تم پڑھتے کس سے ہو؟ انہوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ کسی سے بھی نہیں' شعبی نے کہا: مجھ کو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں' تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو' اس نصیحت نے ان کے دل میں گھر کر لیا اور نہایت اہتمام سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے۔ اس وقت کے مروّجہ علوم ادب' انساب' ایام العرب' فقہ' حدیث اور علم الکلام تھے۔ (سیرت النعمان' شبلی نعمانی)

امام صاحب کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں ایک اور روایت ہے' جس کا سلسلۂ سند خطیب بغدادی نے امام صاحب تک پہنچایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ امام صاحب کہتے ہیں کہ جب تحصیل علم کی طرف توجہ کی تو بہت سے علوم میرے سامنے تھے اور میں کشمکش میں تھا کہ ان علوم مروّجہ میں سے کس کو اختیار کروں؟ سب سے پہلے علمِ کلام کا خیال آیا' ساتھ ہی دل میں یہ خطرہ گزرا کہ وہ کوہ کندن و کاہ برآوردن ہے۔ ایک مدت کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ اس کا اظہار نہیں کر سکتے کہ لوگ الحاد کی تہمت نہ لگا دیں۔ ادب اور قراءت کا اس کے سوا کوئی فائدہ نظر نہ آیا کہ مکتب میں بیٹھ کر پڑھائیں' شعر و شاعری میں سوائے جھوٹی مدح سرائی اور ہجوگوئی کے کیا دھرا ہے؟ حدیث کے لیے اوّلاً ایک عمر چاہیے اور اس کے بعد کمسنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر سوار رہتی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ نہ بنائیں۔ آخر فقہ پر نظر پڑی اور دنیا و دین کی ضرورتیں اس سے وابستہ نظر آئیں۔ (تاریخ بغداد' خطیب بغدادی' ترجمہ امام ابوحنیفہ)

اس روایت پر علامہ شبلی نعمانی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ روایت محض غلط ہے' تمام معتمد روایتیں اس کے خلاف ہیں' جو ریمارک امام صاحب کی طرف منسوب کیے گئے ہیں' ایسے جاہلانہ ریمارک ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی منسوب نہیں کیے جا سکتے' اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑے گا کہ حدیث و کلام کی طرف امام صاحب نے توجہ ہی نہیں کی' حالانکہ ان فنون میں امام ابوحنیفہ کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کسی فن کو اپنا خاص فن بنائیں اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں' اسی کو ترجیح دی' یہی بات طرزِ بیان کی رنگ آمیزیوں سے اس حد تک پہنچ گئی۔ (سیرت النعمان' شبلی نعمانی' ص ۴۲)

حماد کی خدمت میں

حماد کوفہ کے مشہور امام اور استاذِ وقت تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفش بردار اور خادمِ خاص تھے' سے حدیث کی سماعت کی تھی اور بڑے بڑے تابعین کے فیضِ صحبت سے مستفید ہوئے تھے' اس وقت کوفہ میں انہیں کا مدرسہ مرجع عام تھا۔ معمر و شعبہ نے جو ائمہ فن خیال کیے گئے ہیں' انہی کے حلقۂ درس میں تعلیم پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو فقہ کا سلسلہ چلا آتا تھا' اس کا مدار انہیں پر رہ گیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ زمانے نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا' یعنی دولت مند اور فارغ البال تھے۔ اللہ نے انہیں فکرِ معاش سے آزاد کر رکھا تھا' اس وجہ سے نہایت اطمینان و دلجمعی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے' ان وجوہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم فقہ پڑھنا چاہا تو استادی کے لیے انہی کو منتخب کیا۔ اس وقت درس کا طریقہ یہ تھا کہ استاذ کسی خاص مسئلے پر

زبانی گفتگو کرتا تھا جس کو شاگرد یاد کر لیتے اور کبھی لکھ لیا کرتے تھے' امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے دن بائیں صف میں بیٹھے' کیونکہ مبتدیوں کے لیے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا' لیکن چند روز کے بعد جب حماد کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں ان کا ہمسر نہیں ہے' تو حکم دیا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سب سے آگے بیٹھا کریں۔ (امام ابوحنیفہ' ابوزہرہ مصری)

خود امام صاحب کا بیان ہے کہ میں حضرت حماد کے درس میں دو برس تک رہا۔ پھر خیال ہوا کہ خود درس قائم کروں لیکن استاد کا ادب مانع آیا۔ اتفاق سے انہیں دنوں حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہا کرتا تھا' انتقال کر گیا' حماد کے سوا اور کوئی اس کا وارث نہ تھا' اس ضرورت سے ان کو بصرہ جانا پڑا' چونکہ مجھے اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے اس لیے تلامذہ اور اربابِ حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ حماد کی غیر حاضری میں بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں ان سے میں نے کوئی روایت نہیں سنی تھی' اس لیے اپنے اجتہاد سے جواب دیے اور احتیاطاً ایک یادداشت لکھتا گیا' دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے' میں نے وہ یادداشت خدمت میں پیش کی' کل ساٹھ مسئلے تھے' ان میں سے بیس میں غلطیاں نکالیں' باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں' میں نے دل میں عہد کیا کہ حماد جب تک زندہ ہیں' ان سے شاگردی کا تعلق نہ چھوڑوں گا۔

امام حماد کا انتقال ایک سو بیس ہجری (۱۲۰ھ) میں ہوا' امام ابوحنیفہ نے اگرچہ اور فقہائے کرام سے بھی تحصیل فقہ کی تھی' لیکن فی الحقیقت فقہ میں ان کے اوّل و آخر استاد حماد ہی تھے۔

امام اعظم اور علمِ حدیث

حضرت حماد کی زندگی ہی میں امام صاحب نے علمِ حدیث کی طرف توجہ کی' کیوں کہ تفقہ فی الدین علمِ حدیث سے مکمل آگہی کے بغیر ناممکن تھی۔ اس وقت تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے زور و شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ سند اور روایت کے درس کھلے ہوئے تھے' صحابہ جن کی تعداد کم از کم دس ہزار تھی' تمام ممالک میں پہنچ گئے تھے اور اس کی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا' لوگ جہاں کسی صحابی کا نام سن پاتے تھے' ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سنیں یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کریں' اس طرح تابعین کا جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے' بے شمار گروہ پیدا ہو گیا تھا' جن کے سلسلے تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے' جن شہروں میں صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا' وہ دار العلم کے لقب سے ممتاز تھے۔ ان میں مکہ معظمہ' مدینہ منورہ' یمن' بصرہ اور کوفہ کو خاص امتیاز تھا کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان مذکورہ مقامات کا ہم سر نہ تھا۔

کوفہ

کوفہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہی شہر امام ابوحنیفہ کا مسکن و مولد تھا' اسلام کی تمدنی زندگی کا سب سے اہم گہوارہ یہی شہر تھا۔ اس شہر کی بنیاد کی وجہ مؤرخین نے یہ لکھی ہے کہ حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص کو جو اس وقت حکومت کسریٰ کا خاتمہ کر کے مدائن میں سکونت پذیر تھے' خط لکھا کہ مسلمانوں کے لیے ایک ایسا شہر بساؤ جو ان کا دار الہجرت اور قرارگاہ ہو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی زمین پسند کی' ۱۷ھ میں اس شہر کی بنیاد رکھی گئی۔ اوّل اوّل معمولی قسم کی عمارتیں تعمیر ہوئیں' اسی طرف سے اطراف و اکناف سے لوگ آ کر یہاں آباد ہونے لگے۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ شہر علم و فن کی درسگاہ اور تہذیب و تمدنِ اسلامی کا گہوارہ بن گیا۔ کچھ مدت کے بعد یہ حالت ہوئی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل شہر کو رمح اللہ' کنز الایمان اور جمجمۃ العرب جیسے القاب سے نوازا۔ بعد میں اس کی وسعت اور کشادگی دیکھ کر چند ملکی مصلحتوں کی بناء پر امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی شہر کو دار الخلافہ مقرر کیا۔ نیک اور پاکیزہ صحابہ کی اقامت

سے یہاں ہر طرف ''قال اللّٰہ'' اور ''قال الرسول'' کی صدائیں آنے لگیں' یہاں تک کہ کوفہ کا ہر گھر حدیث و روایت کی درس گاہ بن گیا۔

بصرہ

بصرہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے آباد ہوا۔ یہ شہر بھی وسعت علم اور اشاعتِ حدیث کے لحاظ سے کوفہ کا ہمسر تھا۔ کوفہ و بصرہ' مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرح علومِ اسلامی کے دارالعلم خیال کیے جاتے تھے۔

تذکرۃ الحفاظ میں علامہ ذہبی نے مسروق بن الاجدع' عبیدہ بن عمر' اسود بن یزید' ابوعمر النخعی' زر بن حبیش' ربیع بن خثیم' عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ' ابوعبدالرحمٰن سلمی' شریح بن الحارث' شریح بن ہانی' ابووائل' شقیق ابن سلمہ' قیس بن حازم' محمد بن سیرین' حسن بصری' شعبہ بن حجاج' قتادہ بن دعامہ کا تذکرہ لکھا ہے اور ان سب کو حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے۔ یہ سب انہیں دونوں شہروں کے باشندے تھے۔ سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں سے ہیں' کوفہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مناسک کے لیے مکہ' قراءت کے لیے مدینہ اور حلال و حرام' یعنی تفقہ کے لیے کوفہ ہے۔

فقہ میں امام صاحب نے زیادہ تر حماد کا حلقۂ درس کافی سمجھا تھا' لیکن حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی' یہاں صرف ذہانت اور اجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ درایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی' حدیثیں اس وقت نہایت پریشان اور غیر مرتب حالت میں تھیں' یہاں تک کہ بڑے بڑے اساتذہ دو چار سو احادیث سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے' یہ تعداد ضرورت کے لیے بھی ناکافی تھی' اس کے علاوہ طرق روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طرق سے نہ معلوم ہو' اس کے مفہوم و تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا۔ امام ابوحنیفہ کو حماد کی صحبت اور پختگی عمر نے ان ضرورتوں سے اچھی طرح واقف کرا دیا تھا اس لیے نہایت سعی و اہتمام سے حدیثوں کے بہم پہنچانے پر توجہ کی' کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا' جس کے سامنے امام صاحب نے زانوئے شاگردی تہہ نہ کیا ہو اور حدیثیں نہ سیکھی ہوں' اکثر مؤرخین نے ان کے اساتذہ کی تعداد ترانوے بتلائی ہے' ان اساتذہ میں سے اکثر تابعی تھے۔

ہم یہاں مختصراً ان محدثین کرام کے حالاتِ زندگی درج کرتے ہیں کہ جس سے بہ آسانی یہ اندازہ ہو جائے گا کہ امام صاحب فن حدیث میں کس پایہ کے عالم تھے۔

امام شعبی

یہی بزرگ ہیں جنہوں نے امام صاحب کو علم دین کی تحصیل کی ترغیب دی تھی' ان کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے پانچ سو صحابہ کو دیکھا تھا۔ عراق' عرب اور شام میں چار اشخاص اُستاذِ کامل تسلیم کیے جاتے تھے' ان میں سے ایک یہ تھے۔ امام زہری کہا کرتے تھے کہ عالم صرف چار ہیں' مدینہ میں ابن المسیب' بصرہ میں حسن' شام میں مکحول' کوفہ میں شعبی رحمۃ اللہ علیہم۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو ایک بار مغازی کا درس دیتے دیکھا تو فرمایا: واللہ! یہ شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے' ایک مدت تک منصب قضاء پر مامور رہے۔ خلفاء اور اعیانِ سلطنت ان کا نہایت احترام کرتے۔ ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ھ میں علمِ حدیث کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ (سیر تابعین)

سلمہ بن کہیل

مشہور محدث اور تابعی تھے۔ جندب بن عبداللہ' ابن ابی اوفیٰ' ابوالطفیل اور اُن کے علاوہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ ابن سعد نے ان کو کثیر الحدیث لکھا ہے۔ سفیان بن عیینہ فرماتے تھے کہ سلمہ بن کہیل ارکان میں سے ایک رکن ہیں۔ ابن مہدی

کا قول ہے کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایہ تھے: منصور' سلمہ' عمرو بن مرہ اور ابوحصین۔

ابواسحاق سبعی

کبار تابعین میں سے تھے' حضرت عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن عمر' ابن زبیر' نعمان بن بشیر' زید بن ارقم رضی اللہ عنہم اور بہت سے صحابہ سے جن کے نام علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں تفصیل سے لکھے ہیں' احادیث کی سماعت کی۔ عجلی نے کہا ہے کہ ۳۸ صحابہ سے ان کو بالمشافہ روایت حاصل ہے' علی بن المدینی جو حدیث میں امام بخاری کے استاد تھے' کا قول ہے کہ ابواسحاق کے شیوخ حدیث میں نے شمار کیے تو کم و بیش تین سو ٹھہرے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

حضرت سماک بن حرب

سماک بن حرب بہت بڑے محدث تھے اور حدیث میں امام ابوحنیفہ کے استاد تھے۔ امام سفیان ثوری نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ سماک نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی' خود سماک کا بیان ہے کہ میں اسّی صحابہ سے ملا ہوں۔

حضرت محارث بن دثار

محارث بن دثار نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی' امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی زاہد کو نہیں دیکھا جس کو محارث پر ترجیح دوں۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجۃ ہیں۔ یحییٰ ابن معین' ابوزرعہ' دارقطنی' ابوحاتم' یعقوب ابن سفیان اور نسائی نے ان کو ثقہ تسلیم کیا ہے' کوفہ میں منصب قضاء پر مامور تھے۔ ۱۱۶ھ میں وفات فرمائی۔ عون بن عبداللہ بن عیینہ بن مسعود' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیثیں روایت کیں' نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

حضرت ہشام بن عروہ

ہشام بن عروہ' معزز و مشہور تابعی تھے' بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری' امام مالک' سفیان بن عیینہ کے شاگرد تھے۔ ابوجعفر منصور کے زمانے میں ان سے حدیثیں روایت کیں۔ خلیفہ منصور ان کا بہت احترام کرتا تھا' ایک بار ایک لاکھ درہم ان کو عطاء کیے' ان کی جنازہ کی نماز بھی منصور ہی نے پڑھائی تھی۔ صاحب طبقات ابن سعد نے لکھا ہے کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ابوحاتم نے ان کو امام الحدیث کہا ہے۔

حضرت سلیمان بن مہران

سلیمان بن مہران المعروف بہ اعمش کوفہ کے مشہور امام تھے' صحابہ میں سے حضرت انس بن مالک سے ملے تھے اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے حدیث سنی تھی' سفیان ثوری اور شعبہ ان کے شاگرد ہیں۔

امام ابوحنیفہ کی تحصیل حدیث کا دوسرا مدرسہ بصرہ تھا' جو امام حسن بصری' شعبہ و قتادہ کے فیض تعلیم سے مالا مال تھا۔ تعجب ہے کہ حسن بصری باوجود یہ کہ ایک سو دس ہجری (۱۱۰ھ) تک زندہ رہے' لیکن امام صاحب کا ان کے درس سے مستفید ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ قتادہ کی شاگردی کا ذکر عام محدثین نے کیا ہے اور تاریخ و سیر کی مختلف کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے شعبہ سے روایتِ حدیث کی اجازت بھی لے لی تھی۔

حضرت قتادہ

قتادہ بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے۔ حضرت انس بن مالک' عبداللہ بن سرخس اور ابوالطفیل رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ سے

حدیثیں روایت کیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دو شاگرد جو نہایت نامور ہیں' ان میں سے ایک حضرت قتادہ ہیں۔ اس خصوصیت میں ان کو اللہ نے نہایت شہرت دی تھی۔ حدیث کو بعینہٖ ادا کرتے تھے' یعنی الفاظ و معانی میں بالکل فرق نہیں ہوتا تھا۔ ان کی قوتِ حافظہ کی ایک عجیب حکایت لکھی ہے۔ عمرو بن عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ مدینہ میں سعید بن المسیب سے فقہ و حدیث پڑھتے تھے۔ ایک دن انہوں نے فرمایا کہ تم ہر روز بہت سی باتیں پوچھتے ہو' کیا تمہیں ان میں سے کچھ یاد بھی ہیں؟ انہوں نے کہا: ایک ایک حرف محفوظ ہے' چنانچہ جس قدر ان سے سنا تھا' بقید تاریخ اور دن بیان کرنا شروع کر دیا' وہ نہایت متعجب ہوئے اور کہا: خدا نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کیے ہیں' اسی بناء پر لوگ انہیں احفظ الناس کہا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے ان کے تفقہ و واقفیت' اختلاف و تفسیر دانی کی نہایت مدح کی ہے کہ کوئی شخص ان باتوں میں ان کے برابر ہو تو ہو' مگر ان سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں ان کا حال تفصیل سے لکھا ہے' جس سے ان کی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت شعبہ

شعبہ بھی بڑے مرتبہ کے محدث تھے' دو ہزار حدیثیں ان کو ازبر تھیں۔ سفیان ثوری نے فن حدیث میں ان کو امیر المؤمنین مانا ہے۔ عراق میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جرح و تعدیل کے مراتب مقرر کیے۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا۔ ۱۶۰ھ میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ شعبہ اور امام ابوحنیفہ کا آپس میں بہت گہرا تعلق تھا' ان کی غیر موجودگی میں ان کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دورانِ تذکرہ فرمانے لگے کہ جس طرح میں یہ جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے' اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ساتھ ساتھ ہیں۔ یحییٰ بن معین سے جو امام بخاری کے استاد تھے کسی نے پوچھا کہ آپ ابوحنیفہ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں؟ فرمایا: اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے ان کو حدیث و روایات کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں۔ بصرہ کے اور شیوخ جن سے امام صاحب نے حدیثیں روایت کیں' ان میں عبدالکریم بن امیہ اور عاصم بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہیں۔

حرمین کی طرف

امام ابوحنیفہ کو اگرچہ ان درس گاہوں سے حدیث کا بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لیے حرمین جانا ضروری تھا' جو علومِ مذہبی کے اصلی مرکز تھے۔ تاریخوں سے یہ پتا نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سن میں واقع ہوا' تاہم ظنِ غالب ہے کہ جب انہوں نے حرمین کا سفر کیا تو تحصیل کا آغاز تھا۔ مؤرخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وکیع نے خود امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ حج میں ایک حجام نے جس سے میں نے بال منڈوائے تھے' کئی باتوں سے مجھ پر گرفت کی' میں نے اُجرت پوچھی تو بولا: مناسک چکائے نہیں جاتے' چپ ہو کر اصلاح بنوانے لگا' اس نے پھر ٹوکا کہ حج میں چپکا نہیں رہنا چاہیے' تکبیر کہے جاؤ۔ حجامت سے فارغ ہو کر گھر چلا تو اس نے کہا: پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو' پھر کہیں جانا۔ میں نے متعجب ہو کر پوچھا: یہ مسائل تو نے کہاں سے سیکھے؟ بولا: عطاء بن ابی رباح کا فیض ہے۔ اس واقعہ سے زیادہ قرینِ قیاس یہ ہو سکتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ تھا' جس زمانہ میں امام ابوحنیفہ مکہ معظمہ پہنچے' درس و تدریس کا نہایت زور تھا۔ متعدد اساتذہ نے جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے اور اکثر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے' الگ الگ درسگاہ قائم کی تھی' ان میں عطاء بن ابی رباح کا حلقہ درس سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔ عطاء مشہور تابعی تھے' اکثر صحابہ کی خدمت میں رہے تھے اور ان کے فیضِ صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سائب' عقیل' ابن عمر' ابن زبیر' اسامہ بن زید' جابر بن عبداللہ' زید بن ارقم' رافع' ابو درداء' ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں سنی تھیں۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں دو

بزرگوں سے ملا ہوں' جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ مجتہدین صحابہ ان کے علم و فضل کے بہت معترف تھے۔ عبداللہ بن عمر جو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے فرزند اور صاحب افتاء تھے' اکثر فرماتے تھے کہ عطاء بن ابی رباح کے ہوتے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں؟ حج کے زمانہ میں ہمیشہ سلطنت کی طرف سے ایک منادی مقرر ہوتا تھا کہ عطاء کے سوا کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہیں ہے' بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی' زہری' عمرو بن دینار' انہیں کے حلقۂ درس سے نکل کر استاد کہلائے۔

امام ابوحنیفہ استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے احتیاط کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا تو امام نے کہا: میں اسلاف کو بُرا نہیں کہتا' گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا' قضاء و قدر کا قائل ہوں۔ عطاء نے اجازت دی کہ حلقہ درس میں شریک ہوا کریں۔ روز بروز ان کی ذہانت و طباعی کے جواہر کھلنے لگے اور اس کے ساتھ استاد کی نظر میں ان کا وقار بھی بڑھتا گیا' یہاں تک کہ جب حلقۂ درس میں جاتے' عطاء اوروں کو ہٹا کر ان کو اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔

عطاء ۱۱۵ھ تک زندہ رہے' اس مدت میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو جب مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوتا تو ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور مستفید ہوتے۔

عطاء کے سوا مکہ معظمہ کے اور محدثین' جن سے امام صاحب نے حدیث کی سند لی' ان میں عکرمہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ عکرمہ' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام اور شاگرد تھے' انہوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے ان کی تربیت کی تھی' یہاں تک کہ اپنی زندگی ہی میں اجتہاد و فتویٰ کا مجاز کر دیا تھا۔ عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ مثلاً حضرت علی' ابوہریرہ' عبداللہ بن عمر' عقبہ بن عمر' صفوان' جابر' ابوقتادہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حدیثیں سنی تھیں اور فقہی مسائل تحقیق کیے تھے۔ کم و بیش ستر مشہور تابعین علماء حدیث و تفسیر ان کے شاگرد ہیں۔ امام شعبی کہا کرتے تھے کہ قرآن جاننے والا عکرمہ سے بڑھ کر نہیں رہا۔ سعید بن جبیر جو کہ تابعین کے سردار تھے' ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سے بڑھ کر کوئی عالم ہے؟ فرمایا: ہاں! عکرمہ۔

مدینہ کی طرف

اسی عہد میں یعنی ۱۰۲ھ سے پہلے امام ابوحنیفہ نے مدینہ کا رخ کیا' مقصد یہ تھا کہ اس جگہ سے حدیث کا علم حاصل کیا جائے جو حدیث کا منبع اور مخزن تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم فقہ و حدیث کے مرجع بن گئے تھے اور مسائل شرعیہ میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے بڑے بڑے صحابہ کے دامنِ فیض میں تعلیم پائی تھی اور یہ مرتبہ حاصل کیا تھا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں واسطہ در واسطہ ان کے درس کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ لوگ ہم عصر تھے اور ایک مشترکہ مجلسِ افتاء کے ذریعے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے۔ مدینہ کی فقہ جس کی تدوین امام مالک نے کی اس کی بنیاد زیادہ تر انہی کے فتووں پر ہے' امام ابوحنیفہ جب مدینہ پہنچے تو ان بزرگوں میں دو شخص زندہ تھے' سلیمان اور سالم بن عبداللہ' سلیمان حضرت میمونہ' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں تھیں' کے غلام تھے اور فقہائے سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے ان کا دوسرا نمبر تھا۔ سالم' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابوحنیفہ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے حدیثیں روایت کیں۔

امام ابوحنیفہ کی طالب علمی کی ساخت اگرچہ مدینہ تک محدود ہے' تاہم تعلیم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا' اکثر حرمین جاتے اور مہینوں وہاں قیام کرتے' حج کی تقریب میں ممالک اسلامیہ کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہلِ کمال مکہ آ کر جمع ہو جاتے تھے' جن کا مقصد حج کے ساتھ افادہ اور استفادہ بھی ہوتا تھا' امام صاحب اکثر ان لوگوں سے ملتے اور مستفید ہوتے۔ امام اوزاعی اور مکحول شامی کہ

شام کے امام المذہب کہلاتے تھے امام ابوحنیفہ نے مکہ ہی میں ان لوگوں سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب کی ذہانت واجتہاد کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی تھی' یہاں تک کہ ظاہر بینوں نے ان کو قیاس مشہور کر دیا تھا' انہیں دنوں میں عبداللہ بن مبارک نے جو امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں' بیروت کا سفر کیا کہ امام اوزاعی سے فن حدیث کی تکمیل کریں' پہلی ہی ملاقات میں امام اوزاعی نے ان سے پوچھا کہ کوفہ میں ابوحنیفہ کون شخص پیدا ہوا ہے؟ جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلے آئے۔ دو تین دن کے بعد پھر گئے تو کچھ اجزاء ساتھ لیتے گئے۔ امام اوزاعی نے ان کے ہاتھ سے اجزاء لے لیے سر نامہ پر لکھا تھا: ''قال نعمان بن ثابت'' دیر تک غور سے دیکھتے رہے' پھر عبداللہ سے پوچھا: نعمان کون بزرگ ہیں؟ انہوں نے کہا: عراق کے ایک شخص ہیں' جن کی صحبت میں میں رہا ہوں۔ فرمایا: بڑے پایہ کا شخص ہے؟ عبداللہ نے عرض کی: یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جن کو آپ مبتدع بتاتے تھے۔ (تاریخ بغداد' خطیب بغدادی' ترجمہ امام ابوحنیفہ)

امام اوزاعی کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا' حج کی تقریب پر امام اوزاعی مکہ گئے تو امام ابوحنیفہ سے ملاقات ہوئی' اتفاق سے عبداللہ بن المبارک بھی موجود تھے' ان کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ امام اوزاعی حیران رہ گئے' امام ابوحنیفہ کے جانے کے بعد مجھ سے کہا کہ اس شخص کے کمال نے تو اس کو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے' بے شبہ میری بدگمانی غلط تھی' جس کا مجھے بہت افسوس ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فنِ حدیث میں امام اوزاعی کی شاگردی کی ہے' غالباً یہی وہ زمانہ ہوگا۔

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ جو اپنے زمانے کے محدث' فقیہ اور بڑے متقی صحابی تھے' سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات کا تذکرہ مؤرخین نے کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک بار امام ابوحنیفہ مدینہ گئے تو امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا کہ یہ امام ابوحنیفہ ہیں۔ انہوں نے امام سے مخاطب ہو کر فرمایا: ہاں! تم ہی قیاس کی بناء پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے ممانعت کرتے ہو؟ انہوں نے نہایت ادب سے کہا: ''العیاذ باللّٰہ'' حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے' آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں' پھر مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی:

ابوحنیفہ: مرد ضعیف ہے یا عورت؟

امام باقر: عورت۔

ابوحنیفہ: وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟

امام باقر: مرد کا۔

ابوحنیفہ: اگر میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے' کیوں کہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بناء پر زیادہ ملنا چاہیے' پھر پوچھا: نماز افضل ہے یا روزہ؟

امام باقر: نماز۔

ابوحنیفہ: اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہیے نہ روزہ کی' حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں۔ امام باقر اس قدر خوش ہوئے کہ اُٹھ کر پیشانی چوم لی۔ حضرت ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ وحدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں' شیعہ وسنی دونوں نے تسلیم کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا۔

امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فیضِ صحبت سے بڑا فائدہ اُٹھایا۔ فن حدیث کی تحصیل میں امام صاحب کو ایک بہت اونچا مقام حاصل تھا' کیوں کہ ان کے شیوخِ حدیث لاتعداد تھے۔ ابوحفص عمر نے دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحب نے کم از کم چار ہزار شیوخ سے احادیث کی روایت کی۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں' جہاں ان کے شیوخ کے نام شمار کیے ہیں' وہیں آخر میں لکھ دیا ہے: ''خلق کثیر''۔

امام ابوحنیفہ کی احتیاط و تحقیق

امام صاحب روایت میں بے حد محتاط تھے اور اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایت میں جس قدر واسطے زیادہ ہوتے ہیں' اسی قدر تغیر وتبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے' یہی بات ہے کہ ان کے اساتذہ اکثر تابعین ہیں' جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک صرف ایک واسطہ ہے' یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے' اور علم وفضل' دیانت وپرہیزگاری کے نمونہ خیال کیے جاتے تھے۔ ان دو قسموں کے سوا اگر ہیں تو شاذ ہیں۔ ان کی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالب علموں سے الگ تھا۔ بحث واجتہاد کی شروع سے عادت تھی اور اس باب میں وہ استادوں کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے۔

ایک بار حضرت حماد کے ساتھ اعمش کی مشایعت کو نکلے' چلتے چلتے مغرب کا وقت آ گیا' وضو کے لیے پانی کی تلاش ہوئی مگر کہیں نہ مل سکا۔ حضرت حماد نے تیمم کا فتویٰ دیا' امام صاحب نے مخالفت کی کہ اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہیے۔ اتفاق یہ کہ کچھ دور چل کر پانی مل گیا اور سب نے وضو سے نماز ادا کی' کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ آپ نے استاد کی مخالفت کی۔ امام شعبی اور ان کے استاد قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں' ایک دفعہ استاد شاگرد کشتی میں سوار جا رہے تھے' اس مسئلہ کا ذکر آیا' انہوں نے کہا: ضرور معصیت میں کفارہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظہار میں کفارہ مقرر کیا ہے اور اس آیت ''وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا'' (المجادلہ:۲) ترجمہ: اور بے شک وہ بری اور نری جھوٹ بات کہتے ہیں۔ میں تصریح کر دی ہے کہ ظہار معصیت ہے۔ امام شعبی کچھ جواب نہ دے سکے۔ عطاء بن ابی رباح سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے: ''وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ'' (الانبیاء:۸۴) ترجمہ: اور ہم نے انہیں دوگنا اہل وعیال عطا فرمائے۔ عطاء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب کی آل اولاد جو مر گئی تھی' زندہ کر دی اور ان کے ساتھ اور نئی پیدا کر دی۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: جو شخص کسی کی صلب سے نہ پیدا ہوا وہ اس کی اولاد کیوں کر ہو سکتا ہے۔

تدوین فقہ

امام صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ فقہ اسلامی کی تدوین ہے۔ بلاشبہ امام صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ اسلامی کو باقاعدہ منظم طریقے سے مدون کیا۔ فقہ کے لغوی معنی سمجھ کے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں اعمالِ شرعیہ کے مسائل فقہ کہلاتے ہیں۔ اس سے زیادہ جامع تعریف یہ ہے کہ فقہ شریعت کے ان فروعی احکام کے علم کو کہتے ہیں جو احکام کے مفصل دلائل سے حاصل ہوئے ہوں۔

فقہ کے مآخذ

علماء نے فقہ کے چار مآخذ بیان کیے ہیں:

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۳) اجماع' صحابہ وائمہ مجتہدین (۴) قیاس

اسلامی شریعت میں قرآن کریم کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ملکی قوانین میں دستور کی ہوتی ہے۔ قرآن دورِ نبوی علیہ السلام اور آپ کے بعد قیامت تک ساری امت کے لیے رہنما اور پیشوا ہے' قرآن کی وہی حیثیت اور صفت ہے جو ایک دستور کی ہوتی ہے' یعنی اس

میں مخصوص احکام کا مجمل بیان ہے اور یہی بیانِ الٰہی شریعت کا ماخذ اوّل ہے' اسلامی شریعت کا دوسرا ماخذ سنت رسول ہے' لفظ سنت کا اطلاق ہر اس قول' فعل یا تقریر پر ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہو اور آپ سے منقول ہو کر ہم تک پہنچا ہو' اس معنی کی رو سے سنت لفظ حدیث کے مترادف ہے۔

تیسرا ماخذ جو اجماع کہلاتا ہے' کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اس عالم سے تشریف لے گئے تو بعد میں ایسے شرعی مسائل میں صحابہ کو باہمی مشاورت کی ضرورت پڑی ہو جو یا تو مجمل تھے یا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ایک ہی عمل کے بارے میں مختلف روایتیں جمع ہو گئیں' تو ان مختلف فیہ روایتوں میں صحابہ کا جو متفقہ فیصلہ ہوتا' اسی کو اجماع کہا جاتا ہے۔ فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے' کسی امر کا جو شرعی حکم ہے وہی حکم علت مشترکہ کی وجہ سے کسی دوسرے امر کا قرار دینا قیاس کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں' کوئی چیز شریعت میں کسی علت کی وجہ سے حرام ہے تو اگر وہی علت کسی دوسری چیز میں پائی جائے گی تو از روئے قیاس اس کو بھی حرام قرار دیا جائے گا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ''وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً'' (بنی اسرائیل:۳۲) یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ کہ بے شک وہ بے حیائی ہے۔ اب زنا اس لیے حرام ہے کہ یہ بے حیائی ہے' اس کی حرمت کی علت بے حیائی ہے' پس ہر وہ کام جس میں بے حیائی ہو گی' حرام قرار دیا جائے گا' لیکن بے حیائی اور فحش کی اپنی تعریف ہے' جس کام کا بھی فحش پر اطلاق کیا جائے گا' حرام ہو گا۔

تدوین فقہ کی ابتداء دوسری صدی ہجری کے ربع دوم میں ہوئی' اس وقت سے لے کر موجودہ دور تک فقہ اسلامی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

دوسری صدی کا ربع اوّل ختم ہو چکا تھا' اسلامی مملکت کے حدود بہت زیادہ پھیل چکے تھے' جب اسلام کی سادہ تعلیمات کو دنیا کی مختلف اور رنگارنگ تہذیبوں سے سابقہ پڑا تو نت نئے مسائل سامنے آئے۔ اسی دور میں اللہ نے امام ابوحنیفہ کو وہ استطاعت وقوت عطاء فرمائی کہ وہ اپنی مجتہدانہ فطرت و ذہانت سے ان مسائل کا حل دریافت کریں' چنانچہ امام ابوحنیفہ ایک سو اکیس ہجری (۱۲۱ھ) میں تدوین فقہ کی طرف پورے طور سے متوجہ ہوئے۔

فقہ کی تدوین کا بنیادی مقصد تو یہ تھا کہ عملی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے متفرق مسائل کو منظم اور مرتب کر دیا جائے اور اس کی ایسی آخری اور فیصلہ کن صورت معین کر دی جائے' جس پر مسلمان سہولت کے ساتھ کما حقہ عمل کر سکیں مگر شریعت اسلامی کیوں کہ کسی خاص دور اور معین قوم اور علاقہ کے لیے نہ تھی' بلکہ اسے قیامت تک کے لیے جاری اور نافذ رہنا تھا' اس لیے ضروری تھا کہ اس کی تدوین کی جائے اور بوقت تدوین دو باتوں کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے: اوّل یہ کہ وہ شخصی رائے اور اجتہاد پر منحصر نہ ہو۔ اس کی ترتیب و تدوین میں مختلف علوم و فنون کے ماہرین اور اساتذہ فن شامل ہوں' جن کا علم و فضل مسلم اور ان کا زہد و تقویٰ اللہ کو مقبول ہو۔ دوسرے اس اہم کام کی انجام دہی کے لیے کسی ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے جو نہ صرف مختلف علوم و فنون کا گہوارہ ہو بلکہ قدیم و جدید' عربی و عجمی تہذیب کا سنگم بھی ہو۔ امام ابوحنیفہ نے ان دونوں باتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا اور اس کے لیے کوفہ کا انتخاب کیا۔ یہی وہ خاص شہر تھا جہاں عرب و عجم کی تہذیبیں گلے مل رہی تھیں۔

امام ابوحنیفہ نے مسائل کی ترتیب اور اُصول و ضوابط کی تدوین اپنی ذات تک محدود نہیں رکھی' بلکہ چالیس علماء اور ائمہ کی ایک مجلس قائم کی۔ اس مجلس میں تمام علوم کے ماہر اور ائمہ جمع کیے گئے' جن کی تدوین فقہ میں ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ ان ائمہ فن کی تعداد چالیس تھی جیسا کہ امام طحاوی نے امام مالک کے شاگرد اسد بن فرات کا قول نقل کیا ہے کہ:

ابوحنیفہ کی مجلس تدوین فقہ کے اراکین چالیس تھے۔ یہ سب کے سب فقہ میں درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے' ان میں دس ممتاز ترین اہلِ علم پر مشتمل ایک مجلس خاص تھی' جس کے ارکان ابو یوسف' داؤد طائی' اسد بن عمر' یوسف بن خالد اور یحییٰ بن ابی زائدہ تھے۔

امام ابوحنیفہ کی مجلس تدوینِ فقہ کے متعلق مشہور محدث وکیع بن الجراح کی رائے ہے:

امام ابوحنیفہ کے کام میں غلطی کیسے رہ سکتی تھی' جب کہ واقعہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ ابو یوسف' زفر اور محمد جیسے قیاس و اجتہاد کے ماہر موجود تھے اور حدیث کے باب میں یحییٰ بن زکریا' ابن زائدہ' حفص بن غیاث' حبان اور مندل جیسے ماہرین حدیث' قاسم بن معن جیسے لغت عرب کے ماہر' داؤد بن نصیر طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد و تقویٰ کے مجسمے ان کے شریک کار تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے جامع کمالات و فضائل رفقاء اور مشیروں کی موجودگی میں غلطی کیسے رہ سکتی ہے۔ (ملخص از جامع المسانید' ص ۳۳)

امام ابوحنیفہ کا طریقہ استنباط یہ تھا کہ پہلے ہر مسئلہ کو کتاب اللہ سے مستنبط کرتے' اگر کامیابی ہو جاتی تو اس کو معین فرما دیتے' اگر کسی طور کتاب اللہ سے براہِ راست کوئی سراغ نہ ملتا تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس مسئلہ کی تلاش و جستجو کی جاتی۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ خاص بات پیش نظر رہتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری عمل اور آخری رائے کیا تھی' آپ ہمیشہ اس کو اختیار فرماتے' اگر حجازی اور عراقی صحابہ کی مرفوع حدیثوں میں اختلاف ہوتا تو بناء بر فقہ راوی' فقہ کی روایت کو ترجیح دیتے۔ اگر احادیثِ طیبہ سے بھی کوئی فیصلہ نہ ہوتا تو پھر اہلِ فتویٰ صحابہ اور فقہاء تابعین کے فیصلے اور اقوال تلاش کرتے اور جس امر پر فقہاء صحابہ کا اجماع ہوتا' اس کو اختیار کر لیتے' اگر یہاں بھی کوئی جواب نہ پاتے تو پھر چوتھے مرحلے پر قیاس اور استحسان کی طرف آتے اور ان کی روشنی میں مسائل کو حل کرتے۔ مسئلہ پر غور کرتے وقت یہ بھی دیکھتے تھے کہ مسئلہ سے متعلق نصوص کی حیثیت تشریعی ہے یا غیر تشریعی۔ اس ضمن میں مسائل کے طے کرنے کی بھی ضرورت پڑتی تھی' نصوص میں ضابطۂ کلیہ اور واقعاتِ جزئیہ میں اگر تعارض ہوتا تو ضابطہ نص کو ترجیح دیتے اور واقعۂ جزئیہ کی توجیہ کر لیتے۔

امام ابوحنیفہ کے ترتیب و تدوین فقہ کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے فقہاء اور محدثین کسی مسئلے کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے اس مسئلے پر حکم لگانے کے بارے میں غور و خوض کو معیوب سمجھتے تھے' مگر امام ابوحنیفہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس رجحان کے خلاف عمل کیا' چنانچہ فرماتے ہیں:

اہلِ علم کو چاہیے کہ جن باتوں میں لوگوں کے مبتلا ہونے کا امکان ہے' ان پر غور و فکر کریں تا کہ اگر وہ کسی وقت وقوع پذیر ہوں تو لوگوں کے لیے نئی اور انوکھی بات نہ ہو' بلکہ یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ان اُمور میں کسی نہ کسی وقت مبتلا ہونا ہی پڑے گا تو ابتلاء کے وقت شریعت نے کیا راہ معین کی ہے' بہتر ہے کہ ابھی سے سوچ کر رکھ لیں۔

مشہور محدث قیس بن ربیع نے بڑے مختصر الفاظ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس معاملے میں امام ابوحنیفہ کی فوقیت و اوّلیت کا واضح طور پر اعتراف کیا ہے' کہتے ہیں: امام ابوحنیفہ ان مسائل کو جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے' سب لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔ اس بناء پر ابوحنیفہ نے ان تمام فقہی مسائل پر بالتفصیل غور و فکر شروع کیا' جو اگرچہ ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے تھے' مگر ایک نہ ایک دن ان کا وقوع متوقع اور ممکن تھا۔ مجلس تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ امام صاحب کے گرد تمام اراکینِ مجلس بیٹھ جاتے۔ امام صاحب ایک ایک مسئلہ کو بصورتِ سوال پیش کرتے' لوگوں کے خیالات معلوم کرتے' جو کچھ اراکین مجلس کی آراء ہوتیں ان کو بغور سنتے' اگر تمام اراکین جوابِ مسئلہ میں متفق ہو جاتے تو وہ فیصلہ اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا۔ اختلاف کی صورت میں نہایت آزادی کے ساتھ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر بحث و تمحیص ہوتی' بسا اوقات یہ بحث ہفتوں جاری رہتی' سب کی بحثیں سننے کے بعد امام صاحب اپنی رائے اور فیصلہ کا اظہار کرتے' آپ کی رائے اتنی جچی تلی ہوتی کہ سب لوگ اسے بلا تامل قبول کر لیتے اور مسئلہ کا ایک رخ معین ہو جاتا' کبھی ایسا ہوتا کہ

بعض اراکینِ مجلس امام صاحب کی رائے سے اختلاف کرتے تو اُن کی اختلافی رائے بھی فوراً لکھ لی جاتی' جب کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ طویل بحث ونظر کے بعد اتفاقِ رائے سے طے پاتا تو اراکینِ شوریٰ بے اختیار اللہ اکبر پکار اُٹھتے۔

تقریباً بائیس سال کی اس شبانہ روز سخت کاوش کے بعد امام صاحب کی مجلس تدوینِ فقہ کا مجموعۂ فقہی تیار ہو کر اہلِ علم کے ہاتھوں میں آیا' یہ مجموعہ تراسی ہزار دفعات پر مشتمل تھا جس میں اڑتیس ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے اور باقی پینتالیس ہزار کا تعلق معاملات اور عقوبات سے تھا' اس میں انسان کے دنیوی کاروبار کے متعلق آئین وضوابط اور معاشیات وسیاسیات کے بارہ میں تمام بنیادی واجتماعی اُمور موجود تھے۔ یہ مجموعہ ۱۴۴ھ سے پہلے مکمل ہو چکا تھا' مگر بعد میں اس میں اضافے ہوتے رہے' امام صاحب کے ایامِ اسیری میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا' حضرت عبداللہ ابن مبارک کا قول ہے:

میں نے ابوحنیفہ کی کتابوں کو متعدد بار لکھا' ان میں اضافے بھی ہوتے رہے' ان اضافوں کو بھی لکھ لیا کرو۔

اس مجموعے نے امام صاحب کے زمانے میں قبولِ عام حاصل کیا' اس مجموعہ کی تکمیل کے بعد امام ابوحنیفہ نے اپنے تلامذہ کو جمع ہونے کا حکم دیا' کوفہ کی جامع مسجد میں ایک ہزار اہلِ علم شاگرد جمع ہوئے' جن میں وہ چالیس علماء بھی موجود تھے جو ابوحنیفہ کی مجلس تدوینِ فقہ کے رکن تھے' امام صاحب نے ان تمام اہلِ علم سے مخاطب ہو کر کہا:

میری دلی مسرتوں کا سرمایہ صرف تم لوگ ہو' تمہارے وجود میں میرے غم واندوہ کا مداوا ہے۔ میں نے فقہ اسلامی کی زین تمہارے لیے تیار کر دی ہے' اب تمہارا جب اور جس وقت دل چاہے اس پر سوار ہو سکتے ہو' میں نے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی ہے کہ لوگ تمہارے نقش پا تلاش کریں گے اور اسی چیز پر چلنے کی کوشش کریں گے' میں نے گردنوں کو تمہارے لیے جھکا دیا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم سب علم کی حفاظت میں میری مدد کرو' تم میں چالیس آدمی ایسے ہیں جو قاضیوں کی تربیت وتادیب کا کام بخوبی سرانجام دے سکتے ہیں۔ میں تم سب کو اللہ کی قسم اور اس علم کا واسطہ دیتا ہوں جو تم کو ملا ہے کہ اس علم کو کبھی ذلیل نہ کرو' اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچانا' اگر تم لوگوں سے کسی کو عہدۂ قضا کی ذمہ داری سونپی جائے تو ایسی کمزوریوں کا اپنے فیصلوں میں ہرگز لحاظ نہ کرنا جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوں۔ قضا کا عہدہ اس وقت تک درست ہے جب تک قاضی کا ظاہر وباطن ایک ہو۔ تم میں سے جو اس عہدہ کو قبول کرے وہ اپنے اور عوام کے درمیان رکاوٹیں قائم نہ کرے۔ ہر حاجت مند کی تم تک رسائی ہونی چاہیے' پانچ وقت کی نمازیں مسجد میں پڑھے' مسلمانوں کا امیر اگر مخلوقِ اللہ کے ساتھ غلط رویہ اختیار کرے تو وہ اس سے باز پرس کریں۔

(معجم المصنفین' ج ۲ ص ۵۵)

ابوحنیفہ کی اس تقریر کے بعد مجموعۂ فقہی کی حیثیت واضح ہو گئی۔ غالباً اس کی تشہیر کے بعد خلیفہ منصور نے امام صاحب کو بغداد طلب کیا اور عہدۂ قضا کی پیش کش کی' مگر امام صاحب نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

امام ابوحنیفہ کے اس مرتب مدون کردہ فقہ کا نام فقہ حنفی ہوا جو عالم اسلام کے مشرق ومغرب میں پھیل گیا۔

وفات حسرت آیات

۱۴۶ھ میں منصور نے امام صاحب کو قید کر دیا' لیکن قید کرنے کے باوجود اسے امام صاحب کی طرف سے خطرہ لاحق تھا۔ بغداد دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے علوم وفنون کا مرکز بن گیا تھا۔ طالبانِ کمال اسلامی ملکوں کے گوشے گوشے سے اُٹھ کر بغداد کا رخ کرتے تھے۔ امام صاحب کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی' قید کی حالت نے ان کے اثر اور قبولِ عام کو بجائے کم کرنے کے اور زیادہ کر دیا تھا۔ بعد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت کچھ اثر تھا' ان کے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی' ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے ان کو گو نظر بند

کر رکھا تھا لیکن کوئی امیر ان کے ادب وتعظیم کے خلاف نہ کر سکتا تھا' قید خانہ میں ان کا سلسلۂ تعلیم وتدریس بھی برابر قائم رہا۔ امام محمد نے جو کہ فقہ حنفی کے دست وبازو ہیں قید خانہ ہی میں تعلیم پائی' ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا' وہ قید خانہ کی حالت میں باقی رہا' جس کی آخری تدبیر یہ تھی کہ امام صاحب کو بے خبری میں زہر دلوا دیا۔ جب آپ کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

آپ کی وفات کی خبر بہت جلد تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد اُمڈ آیا۔ حسن بن عمارہ نے جو شہر کے قاضی تھے' غسل دیا' نہلاتے جاتے اور کہتے تھے: واللہ واللہ! تم سب سے بڑے فقیہ' بڑے عابد' بڑے زاہد تھے' تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں' تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں۔ غسل سے فارغ ہوتے ہی لوگوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ پہلی بار نمازِ جنازہ میں کم وبیش پچاس ہزار کا مجمع تھا' اس پر آنے والوں کا سلسلہ قائم تھا' یہاں تک کہ چھ بار نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور عصر کے قریب جا کر تدفین ہو سکی۔ امام صاحب نے وصیت کی تھی کہ خیزران کے مقبرے میں دفن کیے جائیں' کیونکہ یہ جگہ ان کے خیال میں غصب شدہ نہیں تھی' اس وصیت کے موافق خیزران کے مشرقی جانب آپ کا مقبرہ تیار ہوا۔ مؤرخ خطیب نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ آپ کے جنازہ کی نماز پڑھتے رہے جو قبولِ عام امام صاحب کو اس وقت حاصل تھا' وہ کسی کو کب حاصل ہو سکتا ہے۔

امام صاحب کے اخلاق وعادات

امام صاحب کا حلیہ اور اخلاق بیان کرنے میں مؤرخین نے بہت کچھ مبالغہ سے کام لیا ہے' لیکن صحت کے سب سے زیادہ قریب امام ابویوسف کا قول ہے۔ آیئے! ہم دیکھیں کہ یہ شاگرد رشید اپنے پیارے اور محترم استاد کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ یہ وہ تقریر ہے جو انہوں نے خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے کی تھی۔ دراصل ہوا یہ کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار امام ابویوسف سے کہا کہ امام ابوحنیفہ کے کچھ اوصاف بیان کرو!

اُنہوں نے کہا کہ جہاں تک میں جانتا ہوں ابوحنیفہ کے اخلاق وعادات یہ تھے کہ نہایت پرہیزگار تھے' منہیات سے بچتے تھے' اکثر چپ رہ کر سوچا کرتے تھے' کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور ان کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ چپ رہتے' نہایت سخی اور فیاض تھے' کسی کے آگے حاجت نہ لے جاتے' انہیں اہلِ دنیا سے احتراز تھا۔ دنیاوی جاہ وعزت کو حقیر سمجھتے تھے' غیبت سے بہت بچتے تھے' جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے' بہت بڑے عالم تھے۔ مال کی طرح علم صرف کرنے میں بھی بڑے فیاض تھے۔ ہارون الرشید نے یہ سن کر کہا: صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں۔

حلیہ اور گفتگو

امام صاحب کو اللہ تعالیٰ نے حسنِ سیرت کے ساتھ جمالِ صورت بھی دیا تھا۔ میانہ قد' خوش رو اور موزوں اندام تھے' گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی۔ کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہوتا' نہایت فصاحت اور صفائی سے ادا کر دیتے تھے۔

امام صاحب کی اولاد

کسی مؤرخ نے بھی تفصیل سے امام صاحب کی اولاد کے بارے نہیں بتلایا' البتہ عام طور پر مؤرخین کے ہاں یہ بات لکھی گئی ہے کہ وفات کے وقت حماد کے سوا ان کے کوئی اولاد موجود نہ تھی۔ حماد بڑے رتبے کے عالم فاضل آدمی تھے۔ بچپن میں ان کی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تھی۔ چنانچہ جب الحمد ختم کی تو ان کے پدر بزرگوار نے اس تقریب میں معلم کو پانچ سو درہم نذر کیے' بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی' علم وفضل کے ساتھ بے نیازی و پرہیزگاری میں بھی باپ کے خلف الرشید تھے۔ امام

صاحب نے جب انتقال کیا تو ان کے گھر میں لوگوں کا بہت سا مال و اسباب امانت رکھا تھا' انہوں نے قاضی شہر کے پاس حاضر کیا کہ جن کی امانتیں ہیں ان کو پہنچا دی جائیں' قاضی نے کہا کہ ابھی اپنے ہی پاس رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہے گا' انہوں نے کہا کہ آپ ان کی جانچ کر لیں کہ میرے باپ کا ذمہ بَری ہو جائے' غرض تمام مال و اسباب قاضی کے سپرد کر کے خود روپوش ہو گئے اور اس وقت ظاہر ہوئے جبکہ وہ چیزیں کسی اور کے اہتمام میں دے دی گئیں' تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا۔ ذی قعدہ ۱۷۶ھ میں اس دنیائے فانی سے آخرت کی طرف کوچ کیا' چار بیٹے چھوڑے جن کے نام عمر' اسماعیل' ابوحیان اور عثمان ہیں۔ اسماعیل نے نہایت شہرت حاصل کی' چنانچہ مامون الرشید نے ان کو عہدۂ قضا پر مامور کیا' جس کو انہوں نے اس دیانتداری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر ان کی مشائعت کو نکلا' سب لوگ ان کی جان و مال کو دعائیں دیتے تھے۔

تصنیفات

امام اعظم کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں' ان کے نام یہ ہیں:

(۱) فقہ اکبر: یہ عقائد کے بارے میں ایک مختصر سا رسالہ ہے' مسائل اور ترتیب وہی ہے جو عقائد نسفی وغیرہ کی ہے۔ یہ رسالہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے اور عام طور پر آسانی سے دستیاب ہے' جس طرح عقائد نسفی کی شرحیں لکھی گئی ہیں اس طرح اس مختصر رسالہ کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن جس طرح کی شہرت عقائد نسفی کو حاصل ہے' اس طرح کی فقہ اکبر کو حاصل نہیں' پھر بھی یہ ایک عمدہ رسالہ ہے' اس کتاب کے شارحین کے نام درج ذیل ہیں:

(ا) محی الدین محمد بن بہاء الدین' متوفی ۹۳۵ھ

(ب) مولیٰ الیاس بن ابراہیم السینوبی

(ج) مولیٰ احمد بن محمد المعتساری

(د) حکیم اسحاق' اس شرح کا ایک منظوم نسخہ ابوالبقا احمدی کا نظم کیا ہوا بھی موجود ہے۔

(ہ) شیخ اکمل الدین

(و) ملا علی قاری' ملا علی قاری کی یہ شرح بہت اعلیٰ پایہ کی اور متداول ہے۔

(۲) العالم والمتعلم: سوال و جواب کے طرز پر ایک مختصر سا رسالہ ہے۔

(۳) مسند: اس وقت تک دنیا میں مسند امام اعظم کے متعدد نسخے ہیں۔ ان نسخوں کے جامع ابوالمؤید محمد بن محمد الخوارزمی متوفی ۶۶۵ھ ہیں۔ ابوالمؤید اس مرتبہ نسخے کے دیباچہ میں لکھتے ہیں: بلادِ شام میں بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ امام ابوحنیفہ کو فن حدیث میں چنداں دخل نہ تھا اور اسی وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی کتاب نہیں ہے' اس پر مجھ کو حمیت مذہبی کا جوش ہوا اور میں نے چاہا کہ ان تمام مسندوں کو یکجا کر دوں جو علماء نے امام ابوحنیفہ کی حدیثوں سے مرتب کیے ہیں اور جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) مسند حافظ ابومحمد عبداللہ بن محمد یعقوب الحارثی البخاری' المعروف بہ عبداللہ الدنیا

(۲) مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد

(۳) حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ

(۴) مسند حافظ ابونعیم اصفہانی صاحب حلیہ

(۵) مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی محمد الانصاری

(۶) مسند امام ابوبکر احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی

(۷) مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی

(۸) مسند ابویوسف قاضی

(۹) مسند ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی

(۱۰) مسند امام محمد

(۱۱) مسند حماد بن امام ابوحنیفہ

(۱۲) مسند امام ابوالقاسم عبداللہ بن ابی العوام العدی

(۱۳) مسند حافظ حسنین بن خسرو بلخی

(۱۴) مسند علامہ حصکفی' اس مسند کی شرح علامہ ملا علی قاری نے کی ہے اور یہی مسند بہ روایت حصکفی علامہ شیخ محمد عابد سندھی نے جمع کی' جس کا اُردو ترجمہ اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

(۱۵) مسند ماوردی

(۱۶) مسند ابن عبدالبزازی

ان مسندوں میں بعض کی نہایت عمدہ شرحیں بھی لکھی گئی ہیں' جن کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں نہایت صراحت سے کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

امابعد! قارئین کرام بخوبی آگاہ ہوں گے کہ قرآن مجید اور حدیث شریف رشد و ہدایت کا سرچشمہ اور اسلامی شریعت میں قابل سند و حجت ہیں مگر منکرینِ حدیث مسلمانوں کا تعلق حدیثِ نبوی سے ختم کرنے کی غرض سے یہ شک وشبہ وارد کرتے ہیں کہ حدیث شریف تو حضور اکرم ﷺ کے وصال کے اڑھائی سو سال بعد معرضِ وجود میں آئی ہے' اس لیے یہ قابلِ سند و حجت نہیں ہے اور اسی طرح حاسدینِ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ ساری زندگی اسلامی فقہ کی خدمت میں مشغول رہے' اس لیے انہیں علم حدیث میں عبور حاصل نہیں تھا بلکہ انہیں صرف چند حدیثیں یاد تھیں' سو مسند امام اعظم کے ترجمہ و تشریح کے متعلق چند ضروری معروضات پیش کرنے سے پہلے حدیث کی حفاظت واہمیت اور کتابت و تدوین اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی محدثانہ شان بیان کی جاتی ہے:

قرآن وحدیث کی حفاظت واہمیت

اسلامی احکام کا بنیادی اور سب سے پہلا ماخذ قرآن مجید ہے' یہی رشد و ہدایت کا پہلا سرچشمہ ہے جس کے ذریعے شریعت کے احکام ومسائل معلوم کیے جاتے ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور قیامت تک کے لیے تمام انسانوں اور زمانوں کے لیے مکمل ضابطۂ حیات ہے اور یہ جس طرح حضور سرورِ عالم ﷺ پر نازل ہوا تھا' بالکل اسی طرح بعینہٖ محفوظ آج بھی ہمارے سامنے موجود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (الحجر:۹) بے شک ہم نے اس نصیحت کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں○

اور اسلامی احکام کا دوسرا ماخذ اور اہم ذریعہ حدیث شریف ہے کیونکہ اسلامی احکام کی تفصیلات کا جاننا اور قرآنی آیات کے منشاء اور مراد کا سمجھنا حدیث شریف کے بغیر ممکن نہیں ہے' اس لیے کہ حدیث مبارکہ قرآن مجید کی وہ قولی اور عملی تفسیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم فرمائی اور سکھائی ہے' پس حضور نبی اکرم ﷺ نے جو کچھ فرمایا اور جو کچھ عمل کر کے بتایا اور جو کچھ آپ کے سامنے ہوا' جسے آپ نے پسند فرمایا اور اس پر خاموشی اختیار فرمائی' ان تینوں چیزوں کو حدیث کہتے ہیں' آپ کے ارشادات (یعنی اقوال) کا نام قولی حدیث ہے' آپ کے اعمال وافعال کا نام فعلی حدیث ہے اور آپ نے اپنے سامنے ہونے والے جن اعمال واقوال پر خاموشی اختیار فرمائی' ان کا نام حدیث تقریری ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ اہتمام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال وافعال اور احوال کو یاد رکھنے اور اس کے تحفظ کا کیا گیا' کیونکہ صحابہ کرام جو کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار نفوس پر

مشتمل تھے' وہ سب کے سب حضور کی احادیث مبارکہ کو غور سے سنتے اور آپ کے اعمال وافعال کو غور سے دیکھتے اور انہیں یاد کر کے محفوظ کر لیتے تھے اور وہ آپ سے جو احکام وہدایات حاصل کرتے' انہیں بڑی محنت کے ساتھ یاد کرتے' دوسروں کو سناتے اور دوسرے سننے والوں سے مقابلہ ومذاکرہ کر کے بار بار تصحیح کرتے تھے۔

حدیث شریف کی کتابت وتدوین

احادیث مبارکہ کو لکھنے اور محفوظ کرنے کا کام عہد رسالت میں شروع ہو گیا تھا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان' حضور سیّد عالم ﷺ کے ارشادات وفرمودات اور آپ کے افعال واحوال کو لکھ کر قلمبند کر لیا کرتے تھے' چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' حضور ﷺ کے ملفوظات اور آپ کے فیصلے وغیرہ لکھا کرتے تھے' اس کا ایک مجموعہ ان کے پاس آخر تک موجود رہا' حضرت عبداللہ عمرو بن العاص' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر ارشاد کو لکھ لیا کرتے' حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور سے جو کچھ سنا تھا وہ لکھ رکھا تھا' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پہلے زبانی یاد کرتے رہے' پھر تمام مرویات کو لکھوا کر محفوظ کر لیا تھا' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ سے جو کچھ سنا تھا اسے لکھ لیا تھا' اس طرح احادیث مبارکہ کے متعدد مجموعات خود حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں جمع ہو چکے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مجموعہ' حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا مجموعہ' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مجموعہ اور اس طرح کے متعدد مجموعوں کا ذکر موجود ہے' ان کے دیکھنے والوں کی شہادتیں موجود ہیں' نیز عہد رسالت کے بعد جن صحابہ کرام نے مجموعے مرتب کیے' ان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مجموعہ' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا مجموعہ' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مجموعہ اور حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا مجموعہ' ان کے علاوہ بھی متعدد مجموعوں کا ذکر ملتا ہے اور یہ مجموعے دو چار احادیث کے مجموعے نہیں تھے بلکہ ان صحابہ کرام کی جملہ مرویات کے مجموعے تھے' گویا یوں سمجھئے کہ دس ہزار سے کم متصل السند حدیثوں کا جو سرمایہ آج موجود ہے' وہ تمام تر کتابی شکل میں خود صحابہ کرام ہی کے ہاتھوں مدوّن ہو چکا تھا' غرضیکہ صحابہ کرام نے احادیث مبارکہ سن کر زبانی بھی یاد کر لیا تھا اور لکھ بھی لیا تھا' چنانچہ ان ہی صحابہ سے تابعین اور تابعین سے تبع تابعین نے حدیثیں سنیں اور اکثر وبیشتر نے لکھ کر محفوظ کر لیں' یہی وہ دفتر تھا جس سے دوسری اور تیسری صدی کے محدثین نے حدیث کی کتابیں مدوّن کیں اور عہد تابعین میں تو بیسیوں کتابیں مدوّن ہوئیں اور ان کے متعدد نسخے اب بھی کہیں کہیں مل جاتے ہیں' اس لیے یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ احادیث کی تدوین کتابی صورت میں تیسری صدی میں ہوئی' کیونکہ حسب ذیل کتب تو بہرحال تیسری صدی سے پہلے ہی مرتب و مدوّن ہو چکی تھیں: (۱) مسندِ امام ابی حنیفہ متوفی ۱۵۰ھ (۲) مؤطا امام مالک متوفی ۱۷۹ھ (۳) کتاب الزھد والرقائق امام عبداللہ بن المبارک ۱۸۱ھ (۴) مسند امام ابی یوسف قاضی ۱۸۲ھ (۵) کتاب الآثار بروایۃ امام محمد بن الحسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ (۶) مصنف امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ (۷) مسند امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ (۸) مسند امام ابن راھویہ متوفی ۲۳۸ھ۔ (ماخوذ از: مقدمۃ الادب المفرد' مطبوعہ نفیس اکیڈمی' کراچی)

مرویات امام اعظم کی تعداد

چونکہ بعض اہل ھوا یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں' اس لیے ہم ذرا تفصیل سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام اعظم کے پاس احادیث کا وافر ذخیرہ تھا۔ حضرت علامہ ملا علی قاری امام محمد بن سماعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ان الامام ذکر فی تصانیفہ بضع وسبعین الف حدیث وانتخب الآثار من اربعین الف حدیث. امام ابوحنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔

(مناقب علی القاری بذیل الجواھر ج ۲ ص ۴۷۴)

اورصدر الائمہ امام موفق بن احمد تحریر فرماتے ہیں:

وانتخب ابو حنیفۃ الآثار من اربعین الف حدیث. (مناقب موافق ج ا ص ۹۵)

امام ابوحنیفہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار حدیثوں سے کیا ہے۔

ان حوالوں سے امام اعظم کا جو علم حدیث میں تبحر ظاہر ہو رہا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔

روایتِ حدیث میں امام اعظم کا مقام

ممکن ہے کوئی شخص کہہ دے کہ ستر ہزار احادیث کو بیان کرنا اور کتاب الآثار کا چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کرنا چنداں کمال کی بات نہیں ہے' امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ یاد تھیں اور انہوں نے صحیح بخاری کا انتخاب چھ لاکھ حدیثوں سے کیا تھا' پس فن حدیث میں امام بخاری کے مقابلہ میں امام اعظم کا مقام بہت کم معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ احادیث کی کثرت اور قلت درحقیقت طرق اور اسانید کی قلت اور کثرت سے عبارت ہے۔ ایک ہی متنِ حدیث اگر سو مختلف طرق اور سندوں سے روایت کیا جائے تو محدثین کی اصطلاح میں ان کو سو احادیث قرار دیا جائے گا حالانکہ ان تمام احادیث کا متن واحد ہوگا۔ منکرینِ حدیث انکارِ حدیث کے سلسلے میں یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ تمام کتب حدیث کی روایات کو اگر جمع کیا جائے تو یہ تعداد کروڑوں کے لگ بھگ ہوگی اور حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری رسالت کے زندگی کے شب و روز پر ان کو تقسیم کی جائے تو یہ احادیث حضور کی حیات مبارکہ سے بڑھ جائیں گی' پس اس صورت میں احادیث کی صحت کیونکر قابل تسلیم ہوگی لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ روایات کی یہ کثرت دراصل اسانید کی کثرت ہے ورنہ نفس احادیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زیادہ نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ امیر یمانی لکھتے ہیں:

ان جملۃ الاحادیث المسندۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی الصحیحۃ بلا تکرار اربعۃ الاف واربع مائۃ. (توضیح الافکار ص ۶۳)

بلاشبہ وہ تمام مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں' ان کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت ۸۰ھ ہے' اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ان دونوں کے درمیان ایک سو چودہ سال کا طویل عرصہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں کثرتِ اسناد کے ساتھ احادیث شائع ہو چکی تھیں اور ایک ایک حدیث کو سینکڑوں بلکہ ہزاروں اشخاص نے روایت کرنا شروع کر دیا تھا۔ امام اعظم کے زمانہ میں راویوں کا اتنا شیوع اور عموم نہیں تھا' اس لیے امام اعظم اور امام بخاری کے درمیان جو روایات کی تعداد کا فرق ہے' وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے' نفس روایات کا نہیں ہے ورنہ اگر نفس احادیث کا لحاظ کیا جائے تو امام اعظم کی مرویات امام بخاری سے کہیں زیادہ ہیں۔ امام مکی بن ابراہیم' امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ تھے اور امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم کی سند سے روایت کی ہیں۔ امام صدر الائمہ موفق بن احمد ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولزم ابا حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ وسمع منه الحدیث. (مناقب موفق)

اور انہوں نے اپنے اوپر سماع حدیث کے لیے امام ابوحنیفہ کے درس کو لازم کر لیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ ثلاثیات درج کرنے کا جو شرف و اعزاز حاصل ہے' وہ دراصل امام اعظم کے تلامذہ کا صدقہ ہے اور یہ صرف ایک امام مکی بن ابراہیم کی بات نہیں ہے' امام بخاری کی اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں'

ان حوالوں سے یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ امام اعظم علمِ حدیث میں مرجع خلائق تھے' ائمہ فن نے آپ سے حدیث کا سماع کیا اور جن شیوخ کے وجود سے صحاح ستہ کی عمارت قائم ہے' ان میں اکثر حضرات آپ کے علم حدیث میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں۔

حدیث میں امام اعظم کی تصانیف

متقدمین میں تصنیف و تالیف کے لیے آج کل کا مروّجہ طریقہ معمول نہیں تھا بلکہ ان کی تصانیف املاء کہ تصانیف کی صورت میں ہوتی تھیں جن کو ان کے لائق اور قابل فخر تلامذہ اپنے شیوخ کی تعلیم و تدریس کے وقت تحریر میں لے آتے تھے اور پھر وہ تصانیف ان شیوخ کی طرف ہی منسوب کی جاتی تھیں' چنانچہ "احکام الاحکام جو ابن دقیق الصید" کی تصنیف قرار دی جاتی ہے' اصل میں ان کی تصنیف نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس کو اپنے تلمیذِ رشید قاضی اسماعیل سے املاء کرایا تھا۔ اسی طرح امام اعظم درسِ حدیث کے وقت جو احادیث بیان کرتے' ان کے لائق و فائق اور قابل صد افتخار تلامذہ قاضی امام ابو یوسف' امام محمد بن حسن شیبانی' امام زفر بن ھذیل اور امام حسن بن زیاد ان روایات کو حدثنا اور اخبرنا کے صیغوں کے ساتھ قید تحریر میں لے آتے تھے۔ امام اعظم نے اپنی بیان کردہ احادیث کو املاء کرانے کے بعد اس مجموعہ کا نام "کتاب الآثار" رکھا۔ امام اعظم کے تلامذہ چونکہ کثیر التعداد تھے' اس لیے کتاب الآثار کے نسخے بھی بہت زیادہ ہوئے' لیکن مشہور نسخے چار ہیں: (۱) کتاب الآثار بروایۃ امام ابو یوسف (۲) کتاب الآثار بروایت امام محمد (۳) کتاب الآثار بروایت امام زفر (۴) کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیاد' لیکن ان تمام نسخوں میں سے زیادہ مقبولیت اور شہرت امام محمد کے نسخہ کو حاصل ہوئی ہے۔ (ماخوذ از: تذکرۃ المحدثین ص ۸۰۔۸۱۔۸۴۔۸۵' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور)

مسانید امام اعظم

امام اعظم ابوحنیفہ کی مرویات کو آپ کے بہت سے تلامذہ مسند امام ابوحنیفہ کے نام سے جمع کرتے رہے' ان کی تعداد پندرہ تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ قاضی القضاۃ ابوالمؤید محمد بن محمود الخوارزمی نے اپنی تالیف جامع مسانید امام اعظم کے خطبہ کے شروع میں لکھا ہے کہ میں نے ملک شام میں بعض جہلاء سے سنا کہ وہ امام اعظم کی تنقیص کرتے ہیں اور انہیں کم تر خیال کرتے ہیں جبکہ ان کے مقابلہ میں دوسروں کو عظیم تر خیال کرتے ہیں اور آپ کو قلت روایتِ حدیث کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور وہ مسند امام شافعی اور مؤطا امام مالک کے ذریعہ اپنے مؤقف پر استدلال کرتے ہیں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی کوئی مسند نہیں ہے' وہ تو صرف چند احادیث روایت کرتے ہیں' پس یہ باتیں سن کر میری غیرتِ ایمانی اور حمیت دینی نے جوش مارا' میرے اندر ایک تحریک پیدا ہوئی اور میں نے چاہا کہ میں ان تمام پندرہ مسانید کو ایک جگہ جمع کر دوں جن کو جید علماء حدیث نے مرتب کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) مسند الحافظ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی المعروف بالاستاذ

(۲) مسند الحافظ ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد العدل

(۳) مسند الحافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن محمد

(۴) مسند الحافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق اصبہانی

(۵) مسند الشیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی بن محمد الانصاری

(۶) مسند الحافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی

(۷) مسند الامام [illegible] حسن الشیبانی

(۸) مسند الامام ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی

(۹) مسند الامام ابو یوسف القاضی یعقوب بن ابراہیم الانصاری تسمی نسخۃ امام ابی یوسف

(۱۰) مسند الامام محمد بن حسن الشیبانی تسمی نسخۃ امام محمد

(۱۱) مسند حماد بن امام ابوحنیفہ

(۱۲) مسند الامام محمد بن حسن الشیبانی المسمی کتاب الآثار

(۱۳) مسند الحافظ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن ابی العوام السعدی

(۱۴) مسند الحافظ ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی

(۱۵) مسند الامام الماوردی۔ (مقدمہ تنسیق النظام ص ۴-۵)

آج کل ہمارے ہاں جو نسخہ متداول ہے' وہ امام حارثی کا جمع کردہ ہے اور یہی لوگوں میں مشہور و معروف ہے' امام حارثی نے اسے امام ابوحنیفہ سے متعدد واسطوں سے نقل کیا ہے' لیکن اس کی ترتیب مسانید کی طرز پر ہے' سو اس لیے اس میں انام اعظم کی مرویات کو بغیر فقہی ترتیب کے محض صحابہ کی ترتیب کے موافق جمع کیا گیا ہے' جس کی وجہ سے اس میں تکرار بھی ہے اس لیے علامہ حصکفی نے اس کا تکرار حذف کر کے اس کو مختصر کیا' لیکن اس کو امام اعظم کے شیوخ کے اسماء گرامی پر حسب روایت ترتیب دیا' جس کی وجہ سے حدیث کو تلاش کرنا بہت مشکل ہو گیا' خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو مطلوبہ حدیث میں اسماء شیوخ سے ناواقف ہوتے ہیں' اس لیے علامہ محمد عابد بن احمد علی سندھی انصاری نے اس مسند کو فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب کر دیا تاکہ اس میں سے مطلوبہ حدیث کو تلاش کرنا آسان ہو جائے۔

مسند امام اعظم کے ترجمہ اور تشریح وغیرہ کے متعلق چند معروضات

قرآن مجید اور تفسیر مدارک التنزیل کے ترجمہ اور اس کے حسب ضرورت حواشی لکھنے کے آخری مراحل میں دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ قرآن مجید کے بعد حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی جائے' چنانچہ تفسیر مدارک سے فراغت کے بعد میرے محترم و مکرم کرم فرما جناب سید محسن اعجاز شاہ صاحب دام اقبالہ نے مجھے مسند امام اعظم کا ترجمہ اور تشریح کرنے کا حکم دیا تو قلبی تمنا کی تکمیل حاصل ہونے پر فوراً حامی بھر لی۔

قارئین کرام! مسند امام اعظم کے ترجمہ اور تشریح میں چند اُمور کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے:

(۱) ترجمہ بامحاورہ' عام فہم اور آسان اُردو میں تحریر کیا گیا ہے۔

(۲) مسند امام اعظم کے عنوانات زیادہ سے زیادہ قائم کیے گئے ہیں۔

(۳) تمام احادیث مبارکہ کی تشریح شروع کرنے سے پہلے بھی مختلف جدید عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔

(۴) ہماری اس شرح میں جن کتب سے تشریح پیش کی گئی ہے' ان کے نام' جلد' صفحہ اور مطبوعہ بھی ذکر کیا گیا ہے' تاکہ اصل مرجع کی طرف رجوع اور حوالہ تلاش کرنے میں آسانی ہو جائے۔

(۵) مسند امام اعظم کی احادیث مبارکہ جن دیگر کتب حدیث میں روایت کی گئی ہیں' تقریباً ہر حدیث کی تشریح میں ان کا ذکر کر دیا گیا ہے کہ اس حدیث کو فلاں فلاں محدثین نے اپنی فلاں فلاں کتب میں روایت کیا ہے' علاوہ ازیں بعض احباب کی خواہش پر مزید تین اُمور کا اضافہ بھی کیا گیا ہے' ایک یہ کہ رُوات کی تعداد کے اعتبار سے سند کی جو اقسام بنتی ہیں' ہر حدیث کے ترجمہ کے بعد

اس کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ راوی (محدث و مؤلف کتاب) اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اگر صرف ایک (صحابی کا) واسطہ ہو تو محدثین کی اصطلاح میں ایسی روایات کو وحدانیات کہا جاتا ہے اور اگر محدث اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان دو واسطے ہوں تو ایسی روایات کو ثنائیات کہا جاتا ہے اور اگر اسی طرح تین واسطے ہوں تو ایسی روایات کو ثلاثیات کہا جاتا ہے اور اگر چار واسطے ہوں تو ان روایات کو رباعیات کہا جاتا ہے اور اگر پانچ واسطے ہوں تو انہیں خماسیات اور اگر چھ واسطے ہوں تو ان روایات کو سداسیات کہا جاتا ہے۔ ان اقسام میں سب سے عالی اور اصح وحدانیات کی قسم ہے' پھر ثنائیات' پھر ثلاثیات اور بعد ازاں رباعیات وغیرہ' غرضیکہ جس قدر واسطے کم ہوں گے' اسی قدر احادیث مبارکہ زیادہ معتبر و مستند اور زیادہ صحیح ہوں گی اور جس قدر واسطے زیادہ ہوں گے' اسی قدر احادیث کمزور ہوں گی۔

مسند امام اعظم کی ایک اہم خصوصیت

مسند امام اعظم کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کئی احادیث مبارکہ وحدانیات کے درجہ کی ہیں' یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور حضور نبی اکرم رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان صرف صحابی کا ایک واسطہ ہے اور یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو دیگر محدثین میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے بلکہ ائمہ اربعہ کو بھی یہ فضیلت و خصوصیت حاصل نہیں ہے' اس کے بعد ثنائیات کا درجہ آتا ہے' اس میں بھی آپ کے ساتھ صرف امام مالک شریک ہیں' جبکہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل سمیت صحاح ستہ کے مؤلفین وغیرہم میں سے کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے' پھر اس کے بعد ثلاثیات کا درجہ ہے جو صحاح ستہ کے مؤلفین اور دیگر محدثین کے نزدیک سند کا پہلا اور عالی اہم ترین درجہ ہے کیونکہ ان کی کتب میں وحدانیات اور ثنائیات کی روایات نہیں ہیں' پھر اس کے بعد رباعیات کا درجہ آتا ہے' چنانچہ مسند امام اعظم میں تقریباً یہی چار اقسام کی روایات منقول ہیں' اس کے بعد خماسیات وغیرہ کی روایات شاذ و نادر ہی مروی ہوں گی۔

دوسرا یہ کہ ''حل لغات'' کا عنوان دے کر اس کے تحت مشکل الفاظ کے معانی اور مختصر عربی گرائمر بیان کی گئی ہے تاکہ علومِ شرقیہ کے متعلمین کے لیے عربی تلفظ اور اس کے معانی سمجھنا آسان ہو جائیں۔ ان دو اُمور کے بعد حدیث مبارکہ کی تشریح بیان کی گئی ہے' جس میں قرآن مجید' احادیث نبوی' آثارِ صحابہ اور اقوالِ اکابر علماء کی روشنی میں مختلف کتب سے مکمل حوالہ جات کے ساتھ آراستہ تشریح پیش کی گئی ہے۔

اہل علم قارئین کرام کی خدمت اقدس میں عاجزانہ گزارش ہے کہ اس کتاب میں جہاں کہیں غلطی محسوس فرمائیں تو ناشر ادارہ کے مالک کے ذریعہ آگاہ فرما دیں تاکہ اس کی اصلاح کی جائے۔

طالب دعائے مغفرت

حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الخطبة

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ اٰلِهٖ اَيِمَّةِ الدِّيْنِ وَصَحْبِهٖ سُرُجِ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ. اَمَّا بَعْدُ! فَيَقُوْلُ اَضْعَفُ عِبَادِ اللّٰهِ الْغَنِيِّ مُحَمَّدُ عَابِدُ بْنُ اَحْمَدَ عَلِيِّ بْنِ الْقَاضِيْ مُحَمَّدٍ مُرَادِ الْوَاعِظُ السِّنْدِيُّ الْاَنْصَارِيُّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ لِمَا كَانَ مُسْنَدُ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ وَالْهُمَامِ الْاَقْدَمِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ رِوَايَةِ الْخَصْفَكِيِّ مُرَتَّبًا عَلٰى اَسْمَاءِ شُيُوْخِهٖ بِحَسْبِ مَا رَوٰى عَنْهُمْ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَكَانَ اسْتِخْرَاجُ الْحَدِيْثِ مِنْهُ مُشْكَلًا خُصُوْصًا لِمَنْ لَّا يَدْرِيْ شَيْخَ الْاِمَامِ فِيْ ذٰلِكَ الْحَدِيْثِ اَرَدْتُّ اَنْ اُرَتِّبَهٗ عَلَى الْاَبْوَابِ الْفِقْهِيَّةِ لِيَسْهَلَ الْبَحْثُ فِيْهِ مُسْتَعِيْنًا بِاللّٰهِ اِنَّهٗ مُفِيْضُ الْخَيْرِ وَالْجُوْدِ.

خطبہ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور تمام رسولوں کے سردار پر درود وسلام ہو اور ان کی آل پر جو دین کے پیشوا ہیں اور ان کے صحابہ پر جو اسلام اور اہل اسلام کے لیے روشنی کا مینار ہیں۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد۔ اللہ تعالیٰ جو سب سے بے نیاز ہے کے بندوں میں سے ضعیف ترین بندہ محمد عابد بن احمد علی بن قاضی محمد مراد واعظ سندھی انصاری (اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد مہربان ہے) عرض گزار ہے کہ جب عالی ہمت بلند قدر اور (ائمہ اربعہ میں) سب سے پہلے امام امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تصنیف: ''مسند امام اعظم'' جو علامہ محمد علاؤ الدین خصفکی[1] کی روایت میں امام صاحب کے شیوخ کے اسمائے گرامی کی ترتیب پر مرتب کی گئی ہے جن کے مطابق امام صاحب نے اپنے مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا تھا اور اس کتاب میں سے حدیث مبارکہ نکالنا اور تلاش کرنا بہت مشکل کام تھا۔ خصوصاً اس شخص کے لیے جو اس حدیث مبارکہ (کی روایت کرنے) میں امام صاحب کے شیخ کو نہیں جانتا۔ سو میں نے اس کتاب کو فقہی ابواب پر ترتیب دینے کا ارادہ کیا تا کہ اس میں بحث کرنا آسان ہو جائے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے کیونکہ وہی خیر وبھلائی اور جود وسخا کا فیضان عطاء فرمانے والا ہے۔

[1]..... واضح رہے کہ علامہ ابن عابد بن شامی نے ردالمحتار میں حاء مہملہ مفتوحہ اور صاد مہملہ ساکنہ اور کاف مفتوحہ کے ساتھ حصکفی بیان کیا ہے جو دیار بکر کے شہر حصن کیفا کی طرف منسوب ہے (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱: ص ۱۱ مطبوعہ مکتبہ احیاء التراث العربی بیروت) جبکہ اس خطبہ میں خاء معجمہ مفتوحہ اور صاد مہملہ ساکنہ اور فاء مفتوحہ پھر آخر میں کاف اور یاء کے ساتھ خصفکی لکھا ہے:

ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری نے: ''شرح مسند امام اعظم'' میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے شیخ مولانا عبداللہ سندھی کی مضبوط تحریر میں خاء معجمہ مفتوحہ صاد مہملہ ساکنہ اور فاء مفتوحہ کے ساتھ خصفکی (اس میں بھی کاف اور یاء آخر میں ہے) لکھا دیکھا ہے لیکن علامہ شیخ عبدالقادر قرشی کی کتاب: ''جواہر المضیۃ فی طبقات

۰۰۰- بَابُ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

اعمال کا مدار نیتوں پر ہے

١- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ يَّحْيٰى عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيِّ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَلِكُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمام اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہوگا جس کی اس نے نیت کی سو جس شخص کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے معتبر ہوگی (جس پر اسے اجر وثواب ملے گا) اور جس شخص کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی کی طرف معتبر ہوگی جس کی طرف اس نے ہجرت کی نیت کی۔

بخاری(۰ ٥٤-٢٥٢٩-٣٨٩٨-٥٠٧٠-٦٦٨٩-٦٩٥٣)مسلم(٤٩٠٤)ابوداؤد(٢٢٠١)ترمذی(١٦٤٧)نسائی(٧٥-٣٤٣٧-٣٨٠٣)ابن ماجہ(٤٢٢٧)

حل لغات

اعمال عمل کی جمع ہے۔ عمل کا معنی ہے: محنت کرنا' کام کرنا اور کوشش کرنا۔ نِيَّات' نِيَّةٌ کی جمع ہے نِيَّة کا معنی ہے: کسی چیز کا قصد کرنا' کسی کام کا ارادہ کرنا' نَوٰی باب: ضَرَبَ يَضْرِبُ سے واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے: کسی چیز کا قصد کرنا' کسی کام کا ارادہ' حفاظت کرنا۔ هجرة کا لغوی معنی ہے: ترک کرنا' اور چھوڑ دینا جبکہ ہجرت کے شرعی معنی دو ہیں:

(۱) کفار کے علاقہ کو چھوڑ کر مسلمانوں کے علاقہ میں چلے جانا۔

(۲) کفر وشرک کو ترک کر کے اسلام میں داخل ہو جانا یا گناہوں کو چھوڑ کر نیکیوں کی طرف منتقل ہو جانا: يُصِيْبُ باب افعال سے صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف ہے۔ اس کا معنی ہے: پانا' حاصل کرنا' درست کرنا' تکلیف دینا اور مصیبت میں ڈالنا۔

کتب احادیث میں سب سے پہلے ''الاعمال بالنیات'' ذکر کرنے کی وجوہات

محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ عموماً اپنی کتب احادیث کے آغاز میں دیگر تمام احادیث مبارکہ سے پہلے اس حدیث مبارکہ کو اس لیے نقل کرتے ہیں:

(۱) تمام اعمال میں اصل چیز نیت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ [الاحزاب:۵]

اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو تم سے نادانستہ صادر ہوا لیکن گناہ وہ ہے جو تم نے دل کے قصد اور ارادہ سے کیا۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ

اللہ تعالیٰ تمہاری ان قسموں میں گرفت نہیں فرمائے گا جو بغیر

الحنفیۃ'' میں حاء مہملہ مفتوحہ صاد مہملہ ساکنہ اور کاف مفتوحہ کے ساتھ (جس میں فاء اور یاء آخر میں ہے) حصکفی لکھا ہے جو دیار بکر کے شہر حصن کیفا کی طرف منسوب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب: (غوثوی مہاروی)

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ. ارادہ زبان سے نکل جائیں مگر وہ اس کام پر تمہیں ضرور پکڑے گا جو تم نے دل کے ارادے سے کیا۔ [البقرۃ:۲۲۵]

(۲) یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تمام اعمال میں نیت واخلاص سب سے زیادہ اہم ترین چیز ہے' جس کے بغیر ہر عمل بے کار و بے ثمر اور بے فائدہ ہوتا ہے۔

(۳) جو عمل نیت واخلاص کے بغیر کیا جائے اس پر اجر وثواب مرتب نہیں ہوتا۔

(۴) اس میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اعمال حسنہ شروع کرنے سے پہلے حسن نیت کا ہونا قبولیت اعمال کے لیے ضروری ہے۔

(۵) اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ نیک اعمال کی خیریت اور بہتری حسن نیت پر موقوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام اپنی تصانیف کے آغاز میں اس حدیث مبارکہ کو روایت کر کے اپنے اخلاص اور حسن نیت کا اظہار کرتے ہیں۔

(۶) تمام مصنفین اور مؤلفین کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اپنی کتب کی تصنیف وتالیف میں حسن نیت پر کاربند رہیں۔

نیت کی اہمیت وفضیلت

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ. مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔

[رقم الحدیث:۷۲۳۳' کنز العمال ج ۳' ص ۴۱۹]

(۲) حضرت سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ وَعَمَلُ الْمُنَافِقِ خَيْرٌ مِّنْ نِيَّتِهٖ وَكُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى نِيَّتِهٖ فَاِذَا عَمِلَ الْمُؤْمِنُ عَمَلًا نَارَ فِيْ قَلْبِهٖ نُوْرٌ. [کنز العمال ج ۳' رقم الحدیث:۷۲۳۴' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان]

مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے بہتر ہوتا ہے اور ہر کوئی اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے' پھر جب مومن کوئی عمل کرتا ہے تو اس کے دل میں نور ایمان مزید روشن ہو جاتا ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَفْضَلُ الْعَمَلِ النِّيَّةُ الصَّادِقَةُ. سب سے بہتر عمل سچی نیت ہے۔

[کنز العمال ج ۳' رقم الحدیث:۷۲۳۵]

(۴) حضرت جابر بن عتیک انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَوْقَعَ اَجْرَهٗ عَلٰى نِيَّتِهٖ. بے شک اللہ تعالیٰ آدمی کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ عطا فرماتا ہے۔

[کنز العمال ج ۳' رقم الحدیث:۷۲۳۶]

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعْطِي الدُّنْيَا عَلٰى نِيَّةِ الْاٰخِرَةِ وَاَبٰى اَنْ يُّعْطِيَ الْاٰخِرَةَ عَلٰى نِيَّةِ الدُّنْيَا. بے شک اللہ تعالیٰ آخرت کی نیت پر دنیا بھی عطا کر دیتا ہے لیکن دنیا کی نیت پر آخرت کی نعمتیں عطا نہیں فرماتا۔

[کنز العمال ج ۳' رقم الحدیث:۷۲۳۷]

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا يُبْعَثُ النَّاسُ عَلٰى نِيَّاتِهِمْ. بے شک لوگوں کو ان کی نیتوں پر اٹھایا جائے گا۔

[کنز العمال ج ۳' رقم الحدیث:۷۲۴۰]

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلنِّيَّةُ الْحَسَنَةُ تُدْخِلُ صَاحِبَهَا الْجَنَّةَ. نیک نیت آدمی کو جنت میں لے جائے گی۔

[کنز العمال ج ۳' رقم الحدیث:۷۲۴۵]

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلنِّيَّةُ الصَّادِقَةُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ فَاِذَا صَدَّقَ الْعَبْدُ نِيَّتَهٗ تَحَرَّكَ الْعَرْشُ فَيُغْفَرُ لَهٗ. [کنز العمال ج ۳' رقم الحدیث:۷۲۴۶]

سچی نیت عرش کے ساتھ معلق رہتی ہے' پھر جب آدمی اپنی نیت کو (عمل کر کے) سچا ثابت کر دیتا ہے تو عرش جھوم جاتا ہے اور اس آدمی کو بخش دیا جاتا ہے۔

(۹) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا ظَهَرَ السُّوْءُ فِي الْاَرْضِ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَاْسَهٗ بِاَهْلِ الْاَرْضِ وَاِنْ كَانَ فِيْهِمْ قَوْمٌ صَالِحُوْنَ يُصِيْبُهُمْ مَا اَصَابَ النَّاسَ ثُمَّ يَرْجِعُوْنَ اِلٰى رَحْمَةِ اللّٰهِ وَ مَغْفِرَتِهٖ. [کنز العمال ج ۳' رقم الحدیث:۷۲۵۲]

جب روئے زمین پر برائی پھیل کر عام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ وہاں کے رہنے والوں پر اپنا عذاب نازل کر دیتا ہے' اگر چہ ان میں نیک لوگ بھی موجود ہوں' انہیں بھی وہی عذاب پہنچتا ہے جو برے لوگوں کو پہنچتا ہے' پھر ان (نیک لوگوں) کو اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔

(۱۰) یحییٰ بن ابی کثیر نے مرسل روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا اِلٰى اَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ فَمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ صَالِحٌ تَحَنَّنَ اللّٰهُ عَلَيْهِ.

بے شک اللہ تعالیٰ نہ تو تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہارے مال و دولت کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے' سو جس شخص کا دل نیک ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ مہربانی کرتا ہے۔

[کنز العمال ج ۳' رقم الحدیث:۷۲۵۴]

(۱۱) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ وَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَيُعْطِي الْعَبْدَ عَلٰى نِيَّتِهٖ مَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى عَمَلِهٖ وَذٰلِكَ اَنَّ النِّيَّةَ لَا رِيَاءَ فِيْهَا وَالْعَمَلُ يُخَالِطُهُ الرِّيَاءُ. [کنز العمال ج ۳' رقم الحدیث:۷۲۶۷]

مسلمان کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے اور بے شک اللہ عزوجل بندے کو اس کی نیت پر اس قدر زیادہ اجر وثواب عطا فرماتا ہے جس قدر اس کے عمل پر عطا نہیں فرماتا اور یہ اس لیے کہ نیت میں ریاکاری اور دکھاوا نہیں ہوتا جبکہ عمل میں ریاکاری اور دکھاوا شامل ہو جاتا ہے۔

عمل کے مقابلہ میں نیت کی فضیلت واہمیت

حضرت علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی عمل کے مقابلے میں نیت کی فضیلت واہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) نیت عمل کے بغیر تنہا بھی عبادت ہے کیونکہ نیکی کی صرف نیت کرنے پر اجر وثواب ملتا ہے جبکہ جوارح کے عمل کا عبادت ہونا اور

اس پر ثواب کا ملنا نیت پر موقوف ہے اور حدیث مبارکہ میں وارد ہے کہ نیکی کی صرف نیت اور قصد کرنے پر فرشتے ایک کامل نیکی لکھ لیتے ہیں' چنانچہ اگر کوئی شخص رات کو سوتے وقت یہ نیت کر لے کہ وہ سحری کے وقت اٹھ کر نماز تہجد پڑھے گا تو اس پر اس شخص کے لیے نماز تہجد کا ثواب لکھا جائے گا' اگر چہ غلبۂ نیند کی وجہ سے وہ صبح تک سوتا رہے اور نماز تہجد اس سے فوت ہو جائے۔

(۲) نیت کا محل قلب و دل ہے اور دل معرفت الٰہی کا مرکز و منبع ہے' چنانچہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ کے ہاں عرش سے لے کر فرش تک کوئی مکان اور کوئی جگہ بندۂ مومن کے دل سے زیادہ عزیز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت سے زیادہ عزیز کوئی کرامت مخلوق کو عطا نہیں فرمائی۔

(۳) نیت عمل سے اس لیے بھی بہتر ہے کہ نیت پائیدار اور باقی ہے جبکہ عمل ناپائیدار اور فانی ہے کیونکہ بہشت میں رہنے والے جنتی اور دوزخ میں رہنے والے دوزخی نیت کی وجہ سے ہمیشہ رہیں گے' اس لیے کہ جنتیوں کی نیت ہمیشہ زندگی بھر ایمان و توحید کی حامل رہی جبکہ دوزخیوں کی نیت ہمیشہ کفر و شرک کی حامل رہی اور اگر جنتی اپنے اعمال کی مقدار کے مطابق جنت میں رہتے اور دوزخی اپنے اعمال کی مقدار کے مطابق دوزخ میں رہتے تو پھر جنتی جنت میں صرف اتنے سال رہتے جتنے سال وہ دنیا میں نیک اعمال کرتے رہے اور دوزخی دوزخ میں صرف اتنے سال رہتے جتنے سال وہ دنیا میں بد اعمال کرتے رہے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ عمل میں ریاء اور دکھاوا شامل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ عمل بے فائدہ ہو جاتا ہے بہ خلاف نیت خیر کے کیونکہ یہ باطن میں اور دل کے اندر ہوتی ہے جس میں ریاکاری اور دکھاوا داخل نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ روایات میں مذکور ہے کہ جب فرشتے بندوں کے اعمال آسمان پر لے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بعض فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اے فرشتو! تم فلاں فلاں اعمال نامے پھینک دو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے اللہ! تیرے بندے نے خیر کی بات کہی ہے اور ہم نے خود سنا ہے اور اس نے نیک عمل کیا ہے اور ہم نے خود دیکھا ہے اور اسے نیکیوں کے دیوان میں لکھ لیا ہے اب ہم اسے کیوں پھینک دیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس بندے نے میری رضا اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یہ عمل نہیں کیا (بلکہ لوگوں کے دکھاوے اور ریاکاری کے لیے کیا ہے) اور اللہ تعالیٰ بعض فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اے فرشتو! فلاں آدمی کے اعمال نامہ میں فلاں فلاں نیکیاں لکھ لو۔

فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس بندے نے یہ نیکیاں نہیں کیں تو ہم انہیں کیوں کر لکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس بندے نے ان نیکیوں کی نیت اور ارادہ کر لیا تھا۔

(۵) پانچویں وجہ یہ ہے کہ نیک اعمال بے حساب و بے شمار ہیں اور مسلمان کی نیت تمام اعمال سے وابستہ ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ ان تمام نیک اعمال کو بجا لائے لیکن وہ تمام نیک اعمال کر نہیں سکتا البتہ بے شمار نیک اعمال کی نیت پر اسے بے حساب و بے حد اجر و ثواب ضرور ملے گا کیونکہ حسنات و عبادات اور اعمال صالحہ اس کی نیت میں محدود نہیں ہیں' چنانچہ اسی قیاس پر (روایت میں) مذکور ہے کہ:

نِيَّةُ الْكَافِرِ شَرٌّ مِّنْ عَمَلِهٖ. کافر کی نیت اس کے عمل سے بدتر ہوتی ہے۔

کیونکہ اس کی نیت تمام گناہوں اور تمام برائیوں کو اپنانے کی ہوتی ہے لیکن اس کے اعمال محدود ہوتے ہیں۔ بعض مشائخ اور صوفیاء نے اسی طرح فرمایا ہے۔ [اشعۃ اللمعات (فارسی) ج ا' ص ۳۶ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر]

ایک عمل خیر میں متعدد ثواب حاصل کرنے کا طریقہ

عمل کے مقابلہ میں نیت کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ آدمی ایک عمل خیر میں متعدد نیات جمع کر کے متعدد ثواب حاصل کر سکتا ہے' چنانچہ علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:
مسجد میں بیٹھنا ایک عمل ہے لیکن اگر کوئی آدمی اس میں متعدد نیتیں جمع کر لے تو وہ بہت سے ثواب حاصل کر لے گا مثلاً:

(۱) ایک یہ کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے' لہٰذا جو آدمی مسجد میں آئے گا وہ گویا اللہ تعالیٰ کی زیارت اور ملاقات کرنے والا ہو گا اور اللہ تعالیٰ نہایت کریم و رحیم اور بے حد مہربان ذات ہے اور کریم میزبان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنے زائر مہمان کی ضیافت کرے' پس یہ آدمی بھی خانہ خدا میں بیٹھنے کی نیت کی وجہ سے زیارت حق تعالیٰ کی فضیلت و کرامت حاصل کر لے گا۔

(۲) نماز باجماعت پڑھنے کی نیت کر کے اس کا انتظار کرنا' کیونکہ صحیح حدیث مبارکہ میں ہے کہ جو شخص نماز کا انتظار کرتا ہے وہ گویا نماز میں ہے' پس یہ آدمی بھی انتظار کی برکت سے نماز کا ثواب حاصل کر لے گا اور نیز حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ ایک نماز ادا کرنے کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا گناہوں کا کفارہ' خطاؤں کے مٹانے اور درجات کی بلندی کا سبب ہے۔

(۳) آدمی مسجد میں محض بیٹھنے کی وجہ سے اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں اور دیگر تمام اعضاء کو ان گناہوں اور محرمات سے محفوظ رکھتا ہے جو بازاروں اور کوچوں میں وقوع پذیر ہو جاتے ہیں' پس وہ ان سے بچنے کی نیت کرنے کی وجہ سے ڈھیروں ثواب حاصل کر لے گا۔

(۴) آدمی مسجد میں اعتکاف کی نیت کر لے کیونکہ علماء دین فرماتے ہیں کہ آدمی جب بھی مسجد میں آئے اعتکاف کی نیت کر لے تو جب تک وہ مسجد میں رہے گا اعتکاف کا ثواب پائے گا اور بعض علماء دین نے فرمایا کہ عبادت کی نیت سے ایک لحہ مسجد میں ٹھہر جانا اعتکاف کی کم از کم مدت کے لیے کافی ہے۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام پڑھنے کی نیت اور قصد کرنا اور مسجد میں آنے جانے کے مسنون آداب بجا لانے کی نیت کرنا کہ ان پر بے شمار اجر و ثواب ملتا ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تلاوت قرآن مجید کرنے یا سننے کے لیے خلوت و تجرد کی نیت کرنا یا مسجد میں آنے والوں کے لیے تذکیر و ترغیب کی نیت کرنا کیونکہ احادیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ جو شخص مسجد میں ذکر و فکر' وعظ و نصیحت اور تذکیر و ترغیب کی خاطر جاتا ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں ذکر اور تلاوت قرآن کے لیے جمع ہوتی ہے تو فرشتے انہیں رحمت کے ساتھ ڈھانپ لیتے ہیں۔

(۷) مسجد میں حج اور عمرہ کا ثواب حاصل کرنے کا قصد اور ارادہ کرنا کیونکہ ایک روایت میں مذکور ہے کہ جو شخص وضو کر کے مسجد میں آئے اور نماز ادا کرے تو اس کو حج اور عمرہ کا ثواب ملتا ہے خصوصاً مسجد نبوی شریف میں۔

(۸) مسجد میں آنے والے لوگوں کے اجتماع میں نیکی کرنے کا حکم دینے اور برائی سے روکنے اور علم دین کے افادہ اور استفادہ کا قصد و ارادہ کرنا۔

(۹) اسلامی بھائیوں کی زیارت و ملاقات کرنے اور راہ خدا میں ان کی مدد کرنے کی نیت کرنا۔

(۱۰) مسجد میں موجود یا اس میں آنے والے ہر مسلمان کو سلام کرنے اور اس کے دکھ درد بانٹنے کی نیت کرنا۔

(۱۱) تفکر، مراقبہ اور امورِ آخرت میں قوتِ فکریہ کو استعمال کرنے کی نیت کرنا اور اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرنے کی نیت کرنا۔

(۱۲) حضورِ باطن، تسکینِ قلب، مشاہدۂ حق کے ذریعہ وصال پانے اور ذاتِ حق تعالیٰ کے شہود میں استغراق کی نیت کرنا اور مسجد کی روحانیت سے نورانیت اور ذوق کے حصول کی نیت کرنا کیونکہ مسجد انوارِ الٰہی کی تجلی گاہ ہے۔

[اشعۃ اللمعات ج ۱، ص ۳۴، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر]

حدیث "الاعمال بالنیات" کا پس منظر

محدثین نے اس حدیث مبارکہ کا سبب اور پس منظر یہ بیان کیا ہے:

(۱) ایک آدمی کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا جسے ام قیس کہا جاتا تھا اور یہ عورت مغنیہ (گلوکارہ) تھی، جب یہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئی تو وہ آدمی بھی مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلا گیا تاکہ وہ ام قیس سے نکاح کر سکے، چنانچہ جب اس آدمی کی ہجرت کا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عرض کیا گیا تو اس موقع پر آپ نے یہ حدیث مبارکہ بیان فرمائی اور اس کے بعد لوگ اس آدمی کو مہاجر ام قیس کہتے تھے۔

(۲) صحیح بخاری کے بعض شارحین نے کہا ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں عورت کے ذکر کرنے کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگ اپنی عربی عورتیں عجمیوں کے نکاح میں نہیں دیتے تھے کیونکہ وہ نسب میں کفو اور قومیت کا بہت لحاظ رکھتے تھے اور وہ اس سلسلہ میں بہت متعصب تھے، پھر جب دین اسلام کا بابرکت دور آیا تو عرب میں قومی عصبیت و نخوت کم ہو گئی اور عقدِ نکاح کے لیے تقویٰ اور صالحیت کی اہمیت بڑھ گئی اور تمام مسلمانوں میں قومی تفاخر اور نسبی برتری ختم ہو گئی اور مسلمانوں کے دلوں میں مساواتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جذبہ صادقہ موجزن ہو گیا تو بہت سے لوگ عورتوں سے شادی کرنے کے لالچ میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے لگے، سو ایسے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بیان فرمایا (اور ہر عمل خیر میں خلوص نیت کو لازمی قرار دے دیا) اور یہ وجہ عقل کے زیادہ قریب ہے اور یہ قابل ترجیح اور زیادہ وزنی ہے جبکہ مہاجر ام قیس کے قصہ کی صحت میں تنقیدی گفتگو ممکن ہے جیسا کہ فتح الباری شرح بخاری میں علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی کے کلام سے ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

[اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱، ص ۳۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر]

حدیث "الاعمال بالنیات" کی فضیلت واہمیت

(۱) امام شافعی متوفی ۱۵۰ھ سے اس حدیث مبارکہ کی فضیلت میں مروی ہے کہ یہ نصف علم پر مشتمل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نیت قلب کی بندگی ہے اور عمل جسم کی بندگی ہے یا یہ نصف دین پر مشتمل ہے کیونکہ دین کا ایک تعلق ظاہر کے ساتھ ہے اور وہ اعمال ہیں (جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ) اور دین کا دوسرا تعلق باطن کے ساتھ ہے اور وہ نیت اور اسلامی عقائد ہیں (توحید و رسالت، یوم آخرت، حساب و کتاب، انبیائے کرام، ملائکہ اور تقدیر پر ایمان لانا) جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ فَإِنَّهَا نِصْفُ الْعِلْمِ. تم وراثت کے مسائل و فرائض سیکھو، بے شک یہ نصف علم ہے۔

کیونکہ ان مسائل کا تعلق موت کے ساتھ ہے جو حیات کے مقابل ہے۔

(۲) اور امام شافعی سے ہی دوسری روایت میں اس طرح مروی ہے کہ یہ حدیث مبارکہ چوتھائی علم پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

عُمْدَةُ الْخَيْرِ عِنْدَنَا كَلِمَاتٌ ... اَرْبَعٌ قَالَهُنَّ خَيْرُ الْبَرِيَّة

اِتَّقِ الشُّبُهَاتِ وَازْهَدَنْ مَا ... لَيْسَ يَعْنِيْكَ وَاعْمَلْ بِنِيَّة

ہمارے پاس چار کلمات سب سے بہتر ہیں جنہیں تمام مخلوقات میں سے بہترین ہستی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بیان فرمایا ہے۔

(۱) شک و شبہ کی چیزوں سے پرہیز کرو۔ (۲) اور غیر ضروری چیزوں کو ترک کرو۔ (۳) اور اپنی بے مقصد چیزوں کو چھوڑ دو۔ (۴) اور خالص نیت پر عمل کرو۔

واضح ہو کہ اشعار میں چار احادیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، گویا برائیوں سے پرہیز کرنے اور مباحات میں زہد و تقویٰ اختیار کرنے اور فضولیات کو ترک کرنے اور تمام حالات میں خلوص نیت پر عمل کرنے کو معتبر و مستند قرار دیا گیا ہے۔

(۳) امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سے مروی ہے کہ یہ حدیث مبارکہ ایک تہائی اسلام یا ایک تہائی علم پر مشتمل ہے اور امام بیہقی نے اس کی وجہ بیان کی ہے کہ بندے کے کسب کا تعلق یا دل کے ساتھ ہوگا جیسے نیت و قصد کرنا یا اس کی زبان کے ساتھ ہوگا یا اس کے دیگر اعضاء کے ساتھ ہوگا، سو ان تینوں میں پہلا ایک تہائی ہوا بلکہ ان سے زیادہ راجح اور وزنی ہے کیونکہ نیت ایک منفرد عبادت ہے اور اسی وجہ سے حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی نیت پر اس قدر زیادہ اجر و ثواب عطا فرماتا ہے جس قدر اس کے عمل پر عطا نہیں فرماتا اور یہ اس لیے کہ نیت میں ریاکاری کو دخل نہیں جبکہ عمل میں ریاکاری کی آمیزش ہو جاتی ہے اور یہ روایت بہت سے ضعیف طریقوں سے بیان کی گئی ہے جن کے مجموعہ سے یہ روایت قوی اور معتبر ہو جاتی ہے۔

[مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱، ص ۴۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان]

(۴) امام شافعی نے فرمایا:

یہ حدیث مبارکہ دین کے ابواب میں سے ستر ابواب پر مشتمل ہے اگرچہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصد محض کثرت و مبالغہ ہے تخصیص و حصر نہیں کیونکہ یہ عدد مبالغہ کے بارے میں معروف و مشہور ہے لیکن یہ حدیث مبارکہ بہت سے مسائل و احکام پر مشتمل ہے کیونکہ تمام اقسام خواہ عبادات ہوں خواہ معاملات ہوں یا عادات ہوں بے شمار ہیں اور نیت کو ہر جگہ دخل حاصل ہے۔

تمام علمائے دین اس حدیث مبارکہ کے صحیح ہونے پر متفق ہیں اور بعض علماء نے اسے متواتر بھی کہا ہے۔

[اشعۃ اللمعات ج ۱، ص ۳۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر]

(۵) امام ابوداؤد سجستانی متوفی ۲۷۵ھ نے کہا:

فقہ کا مدار پانچ احادیث مبارکہ پر ہے: (۱) اعمال کا مدار نیات پر ہے (۲) حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے (۳) میں نے تمہیں جس کام سے منع کیا ہے اس سے پرہیز کرو اور میں نے تمہیں جس کام کا حکم دیا ہے اس پر جہاں تک ہو سکے عمل کرو (۴) تم کسی کو ضرر نہ پہنچاؤ اور تم ایک دوسرے کو باہم ضرر و نقصان نہ دو (۵) دین خیر خواہی ہے، امام ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے کہ چار احادیث مبارکہ ایسی ہیں جو انسان کے دین کے لیے کافی ہیں:

(۱) اعمال کا مقدار نیات پر ہے (۲) حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے (۳) کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ بے مقصد باتوں کو ترک کر دے (۴) کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اسی چیز کو پسند کرے جس کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

[ماخوذ از نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری بحوالہ کشف المشکل لابن الجوزی ج ۱، ص ۱۷-۱۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۲۴ھ]

’’الاعمال بالنیات‘‘ کے مختلف الفاظ کی روایات کا تذکرہ

علامہ ابن الھمام نے کہا کہ یہ حدیث مبارکہ مشہور ہے اور اس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے لیکن اس کے ابتدائی کلمات مختلف مروی ہے:

(ا) اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (۲) اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (۳) اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّۃِ (۴) اَلْعَمَلُ بِالنِّیَّۃِ.

امام ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں اور امام حاکم نے اربعین (اور امام بیہقی نے المعرفۃ میں) ’’اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ‘‘ بیان کیا ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور مسند امام اعظم میں بھی اسی طرح مروی ہے اور ابن الجارود نے ’’المنتقیٰ‘‘ میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ (مرقات المفاتیح ج ا ص ۴۲ مکتبہ امدادیہ ملتان)

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا کہ ان روایات میں سب سے زیادہ مشہور روایت: ’’اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ‘‘ ہے۔
[اشعۃ اللمعات ج ا ص ۳۳ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر]

اعمال کی تقسیم اور نیت کے معانی

اعمال کی دو قسمیں ہیں: (ا) اعمال مقصودہ (۲) اعمال غیر مقصودہ‘ اعمال مقصودہ سے وہ عبادات مراد ہیں جو شریعت اسلامی میں مقصود بالذات ہیں جیسے نماز‘ روزہ‘ زکوٰۃ اور حج ہے۔ یہ اعمال نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتے اور نہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہوتے ہیں اور ’’اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ‘‘ سے یہی اعمال مقصودہ مراد ہیں اور اگر ان اعمال کی ادائیگی کے وقت نیت نہ کی جائے تو یہ اعمال صحیح اور درست نہیں ہوں گے اور ان پر اجر وثواب مرتب نہیں ہوگا۔

دوسری قسم اعمال غیر مقصودہ کی ہے اور یہ وہ اعمال ہیں جو اعمال مقصودہ کی صحت کے لیے شرط اور وسیلہ ہیں جیسے وضو اور غسل وغیرہ۔ یہ اعمال نیت کے بغیر صحیح اور درست ادا ہو جاتے ہیں مثلاً تقرب اور رضائے الٰہی کی نیت کی بجائے محض اعضائے وضو کی صفائی کے لیے وضو کیا جائے یا محض ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کیا جائے تو وضو اور غسل صحیح اور درست ہوں گے لیکن نیت نہ کرنے کی وجہ سے ان اعمال پر اجر وثواب نہیں ملے گا اور اگر نیت کر لی جائے تو صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ ان پر اجر وثواب بھی ملے گا۔ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی موقف ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ کے اس موقف پر خود یہی حدیث مبارکہ بھی ایک قوی اور مضبوط دلیل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث مبارکہ میں دنیا حاصل کرنے یا عورت سے نکاح کرنے کی نیت اور ارادہ سے ہجرت کرنے والے آدمی کو مہاجر قرار دیا کیونکہ آپ نے فرمایا:

جو شخص دنیا حاصل کرنے یا عورت سے نکاح کرنے کی نیت سے ہجرت کرے تو اس کی ہجرت اس کی طرف معتبر ہوگی جس کی طرف اس ہجرت کی نیت کی تھی‘ نیز لغت میں نیت کا معنی ہے:

دل میں کسی کام کا قصد اور ارادہ کرنا اور یہ معنی اس شخص میں پایا جاتا ہے جبکہ شریعت میں نیت کا معنی ہے:

اللہ تعالیٰ کے تقرب اور رضا اور اس کے حکم کی تعمیل کے قصد اور ارادہ سے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف ہجرت کرنا‘ چونکہ کفار مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے تھے اس لیے اس وقت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا فرض بھی تھا اور عبادت بھی اس لیے اس میں شرعی نیت واجب تھی لیکن مہاجر قرار دینے سے واضح ہو گیا کہ تمام اعمال کے صحیح ہونے کے لیے شرعی نیت لازم نہیں ہے۔

اور اس کا دوسرا جواب وہ ہے جو محقق عصر حاضر حضرت علامہ استاذی المکرم قبلہ سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے لکھا

ہے:

(۲) فقہائے احناف کی دلیل یہ ہے کہ ہر عمل شرعی میں عبادت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ قرض ادا کرنا‘ امانتوں کا واپس کرنا‘ اذان دینا‘ تلاوت قرآن مجید کرنا‘ وعظ ونصیحت کرنا‘ راستہ دکھانا‘ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا یہ سب کام عبادات ہیں اور اس پر سب کا اجماع ہے کہ یہ سب کام عبادت کی نیت کے بغیر صحیح ہیں‘ لہٰذا غسل اور وضو بھی عبادت کی نیت کے بغیر صحیح ہونے چاہئیں۔

(۳) فقہاء احناف کی دلیل یہ حدیث بھی ہے:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (فقراء) صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: مالدار تو اجر وثواب لے گئے وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور اپنے زائد اموال کو صدقہ کرتے ہیں‘ آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے صدقات نہیں رکھے! ہر تسبیح کرنا صدقہ ہے اور ہر تکبیر پڑھنا صدقہ ہے اور ہر حمد صدقہ ہے اور ہر مرتبہ ’’لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ‘‘ پڑھنا صدقہ ہے اور نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور ہر برائی سے روکنا صدقہ ہے اور تمہارا اپنی بیویوں سے جماع کرنا صدقہ ہے‘ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے اپنی بیوی سے جماع کرے تو اس میں بھی اجر وثواب ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر وہ اپنی شہوت حرام طریقہ سے پوری کرتا تو اس میں اس کے اوپر گناہ ہوتا یا نہیں؟ پس اسی طرح جب وہ اپنی شہوت حلال طریقہ سے پوری کرے گا تو اس کے لیے اجر وثواب ہوگا‘ (دوسری روایت میں فرمایا: کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ صرف برے کاموں میں تمہارا حساب ہوگا اور اچھے کاموں میں تمہارا حساب نہیں ہوگا)۔

[صحیح مسلم: ۱۰۰۶‘ الادب المفرد: ۲۲۷‘ شرح السنۃ: ۱۶۴۴‘ صحیح ابن حبان: ۸۳۸‘ مسند البزار: ۳۹۱۸‘ مسند امام احمد ج ۵ ص ۱۶۷ طبع قدیم‘ مسند امام احمد: ۲۱۴۷۳‘ ج ۵ ص ۲۷۶۳‘ موسسۃ الرسالۃ‘ بیروت‘ ۱۴۲۰ھ]

اس حدیث مبارکہ میں یہ واضح تصریح ہے کہ اگر کسی جائز اور صحیح کام میں عبادت کی نیت نہ بھی کی جائے تب بھی اس پر اجر وثواب ملتا ہے۔ [ماخوذ از نعمۃ الباری شرح البخاری ج ا ص ۱۲۰]

ہجرت کی فضیلت واہمیت

ہجرت کی فضیلت واہمیت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ۝ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ	بے شک فرشتوں نے جن لوگوں کی روحیں اس حال میں قبض کیں کہ وہ اپنی جانوں پر (ہجرت نہ کر کے) ظلم کرنے والے تھے فرشتوں نے کہا: تم کس حال میں تھے‘ انہوں نے کہا: ہم زمین میں کمزور تھے۔ فرشتوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے‘ سو یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانہ ہے ۝ مگر جو (واقعی) کمزور ہوں مردوں‘ عورتوں اور بچوں میں سے جو کسی خفیہ تدبیر پر قدرت نہ رکھتے ہوں اور نہ وہ راستہ جانتے ہوں ۝ سو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ان سے درگزر فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا نہایت بخشنے والا ہے ۝ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی

بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا O [النساء:۹۷-۱۰۰]

راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے' پھر اس کو موت پالے تو بے شک اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ثابت ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے O

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جس ملک یا شہر میں مسلمانوں کو دین اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی آزادی نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے اور یہ کہ ابتدا میں مکہ کے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض تھا اور مکہ فتح ہونے کے بعد جب مکہ دارالسلام بن گیا تو یہ ہجرت منسوخ ہو گئی اور ان آیات مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مرد' عورتیں اور بچے کمزور ہوں یا بیمار ہوں اور ان کو ہجرت کرنے کی کوئی تدبیر معلوم نہ ہو' نہ راستے کا علم ہو ان کے ہجرت نہ کرنے کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا اور ان آیات مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی مسلمان نیک نیتی سے کوئی عبادت شروع کرے اور اس کو مکمل کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو اس نیک کام کا پورا پورا اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی فرضیت کے اسباب

ابتدائے اسلام میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے حسب ذیل اسباب تھے:

(۱) مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وقتاً فوقتاً احکام شرعیہ نازل ہو رہے تھے اور دین کی مکمل تعلیم حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ مسلمان ہر طرف سے اس مرکز علم کی طرف آئیں' اسی طرح اب بھی اگر کوئی مسلمان کسی علاقہ میں رہتا ہو جہاں علماءِ دین نہ ہوں تو اس پر واجب ہے کہ وہ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اس علاقہ کی طرف ہجرت کرے جہاں علماءِ دین رہتے ہوں اور وہاں ان سے علم دین حاصل کرے۔

(۲) مدینہ طیبہ میں مسلمان آزادی سے احکام شرعیہ اور شعائر اسلام پر عمل کرتے تھے جبکہ فتح مکہ سے پہلے مکہ میں شعائر اسلام پر عمل نہیں کیا جا سکتا تھا' سو اب بھی اگر کسی ملک میں کوئی مسلمان اسلام کے شعائر پر آزادی اور امن سے عمل نہ کر سکے تو اس پر اس علاقہ سے ہجرت کرنا فرض ہے۔

(۳) مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی فرضیت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہ بتلایا جائے کہ اسلام میں وطن کی اہمیت نہیں ہے بلکہ دین کی اہمیت ہے اور دین اسلام کی خاطر ملک اور وطن کو چھوڑ دیا جائے گا اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور اتباع مسلمانوں پر فرض ہے اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر لی تو آپ کی اتباع میں مسلمانوں پر بھی ہجرت فرض کر دی گئی اور اس لیے بھی کہ مدینہ منورہ اسلام کی پہلی ریاست تھی' سو اس ریاست کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے وہاں مسلمانوں کی عددی قوت بڑھانا ضروری تھا اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا جب مسلمان مدینہ منورہ میں جمع ہو جائیں۔

ہجرت کے معانی اور اس کی اقسام

ہجرت کا لغوی معنی ہے: ترک کرنا اور چھوڑ دینا جبکہ ہجرت کے شرعی معنی دو ہیں:

(۱) کفار کے علاقہ کو چھوڑ کر مسلمانوں کے علاقہ میں چلے جانا' یا دارالخوف سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں چلے جانا۔

(۲) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرتے ہوئے کفر و شرک کو ترک کر کے اسلام میں داخل ہو جانا' یا برائیوں اور گناہوں کو ترک کر کے نیکیوں کی طرف منتقل ہو جانا۔

پہلی ہجرت کو ترک مکانی اور دوسری ہجرت کو ترک معاصی کہا جاتا ہے' پھر ہجرت مکانی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) دفع ضرر کے لیے ہجرت کرنا (۲) حصول نفع کے لیے ہجرت کرنا۔

دفع ضرر کے لیے ہجرت کی اقسام

(۱) دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا' اور یہ ہجرت (خطرہ کی صورت میں فرض اور امن و امان کی صورت میں مستحب ہے) قیامت تک جاری رہے گی۔

(۲) جس علاقہ میں اہل بدعت اور بدعقیدہ لوگوں کا غلبہ ہو اور وہاں سلف صالحین (یعنی بزرگان دین) پر تبرا کیا جاتا ہو اور نیک مسلمان اپنی قوت سے اس بدعت کو مٹانے پر قادر نہ ہوں تو وہاں کے مسلمانوں کے لیے اس علاقہ سے ہجرت کرنا واجب ہے۔

(۳) جس سرزمین پر حرام کاموں کا غلبہ ہو اور انہیں مٹانے کی بجائے فروغ دیا جا رہا ہو تو اس سرزمین سے ہجرت کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ رزق حلال طلب کرنا اور حرام کاموں سے بچنا مسلمانوں پر واجب ہے۔

(۴) جس علاقہ میں مسلمان کو اپنی جان کا خطرہ ہو اس پر واجب ہے کہ وہ وہاں سے کسی محفوظ علاقہ میں چلا جائے جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا اپنے علاقوں سے ہجرت کرنا۔

(۵) جس شہر میں کوئی متعدی مرض پھیلا ہوا ہو اس شہر سے ایسی جگہ چلا جائے جہاں وہ متعدی وبا نہ ہو' اس قاعدہ سے صرف طاعون کا مرض مستثنیٰ ہے۔

(۶) جس علاقہ میں مسلمان کو اپنے مال کے ضائع ہونے یا مالی نقصان کا یقینی خطرہ ہو اس جگہ سے انسان کسی پرامن علاقہ میں چلا جائے۔

(۷) اسی طرح جس جگہ انسان کی عزت اور ناموس کو یقینی خطرہ ہو اس علاقہ سے نکلنا بھی واجب ہے کیونکہ مسلمان پر اپنی جان' عزت اور مال کی حفاظت کرنا فرض ہے۔

حصول نفع کے لیے ہجرت کی اقسام

(۱) کسی علاقہ کے آثار عذاب سے عبرت حاصل کرنے کے لیے اپنے ملک سے دوسرے ملک جانا۔ قرآن مجید میں ہے:

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ؕ [یوسف:۱۰۹]

کیا یہ لوگ زمین میں سفر نہیں کرتے تا کہ یہ دیکھیں کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا۔

اس نوع کی قرآن مجید میں بہت آیتیں ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ذوالقرنین نے زمین میں اس لیے سفر کیا تھا کہ وہ زمین کے عجائبات دیکھے اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے باطل کو مٹانے اور حق کو نافذ کرنے کے لیے زمین میں سفر کیا تھا۔

(۲) حج کرنے کے لیے سفر کرنا' یہ سفر زندگی میں ایک بار بہ شرط استطاعت فرض ہے اور بار بار مستحب ہے۔

(۳) جہاد کرنے کے لیے سفر کرنا' اگر دشمن اسلامی ملک کی سرحد پر حملہ آور ہو تو سربراہ ملک جن لوگوں کو جہاد کے لیے بلائے ان کا جانا فرض عین ہے اور تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے لیکن یہ بھی امام یا امیر کی دعوت پر موقوف ہے۔

(۴) اگر رزق حلال اور معاش کا حصول اپنے شہر میں متعذر اور مشکل ہو اور کسی دوسرے شہر میں رزق حلال کے ذرائع حاصل ہوں تو اس شہر میں جانا اس پر فرض ہے کیونکہ رزق حلال طلب کرنا فرض ہے۔

(۵) تجارت کے لیے سفر کرنا اور ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں تجارت کے لیے جانا۔ اللہ تعالیٰ نے سفر حج میں بھی تجارت کرنے

کی اجازت دی ہے۔

(٦) علم دین اور علم نافع کی طلب کے لیے سفر کرنا۔

(٧) متبرک مقامات کی زیارت کرنے کے لیے سفر کرنا۔

(٨) اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے سفر کرنا اور دین کے دشمنوں سے مقابلے کے لیے مجاہدین کا جمع ہونا۔

(٩) ماں باپ کی زیارت کے لیے سفر کرنا' رشتہ داروں اور بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے سفر کرنا۔

(١٠) ملک کا نظم ونسق چلانے اور انتظامی امور کے لیے سفر کرنا۔[ماخوذ مع الاختصار از تفسیر تبیان القرآن ج ٢' ص ٧٧٥۔٧٧٩]

گناہوں سے نیکیوں کی طرف ہجرت

یعنی برے کاموں کو ترک کرنا اور نیک کاموں کو اپنانا۔

چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(١) مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے منع کیے ہوئے کاموں سے ہجرت کرے۔[صحیح البخاری' رقم الحدیث:٩]

(٢) مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں سے ہجرت کرے۔[سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٣٩٣٤]

(٣) مہاجر وہ ہے جو برائیوں سے ہجرت کرے۔[مسند امام احمد' ج ٢' ص ٢٠٦]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

١- كِتَابُ الْاِيْمَانِ وَالْاِسْلَامِ وَالْقَدْرِ وَالشَّفَاعَةِ

ایمان' اسلام' تقدیر اور شفاعت کا بیان

٢- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ يَّحْيَى بْنِ يَعْمُرَ قَالَ بَيْنَا مَعَ صَاحِبٍ لِّيْ بِمَدِيْنَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ بَصُرْنَا بِعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ فَقُلْتُ لِصَاحِبِيْ هَلْ لَّكَ اَنْ نَّاتِيَهٗ فَنَسْاَلَهٗ عَنِ الْقَدْرِ قَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ دَعْنِيْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَنَا الَّذِيْ اَسْاَلُهٗ فَاِنِّيْ اَعْرِفُ بِهٖ مِنْكَ قَالَ فَانْتَهَيْنَا اِلٰى عَبْدِاللّٰهِ فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اِنَّا نَتَقَلَّبُ فِيْ هٰذِهِ الْاَرْضِ فَرُبَّمَا قَدِمْنَا الْبَلْدَةَ بِهَا قَوْمٌ يَّقُوْلُوْنَ لَا قَدْرَ فَبِمَا نَرُدُّ عَلَيْهِمْ قَالَ اَبْلِغْهُمْ مِنِّيْ اَنِّيْ مِنْهُمْ بَرِيٌّ وَّلَوْ اَنِّيْ وَجَدْتُّ اَعْوَانًا لَجَاهَدْتُّهُمْ ثُمَّ اَنْشَاَ يُحَدِّثُنَا قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهٗ رَهْطٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ اِذْ اَقْبَلَ شَابٌّ جَمِيْلٌ اَبْيَضُ حَسَنُ اللِّمَّةِ طَيِّبُ الرِّيْحِ عَلَيْهِ ثِيَابٌ

امام ابوحنیفہ نے حضرت علقمہ سے اور انہوں نے حضرت یحییٰ بن یعمر سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے شہر مدینہ منورہ میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ تھا کہ اچانک ہم نے حضرت عبداللہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم ان کے پاس چلیں اور ان سے تقدیر کے بارے میں سوال کریں۔ اس نے کہا: ہاں! تو میں نے کہا: آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں ان سے یہ سوال کروں کیونکہ میں انہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں' حضرت یحییٰ نے کہا کہ پھر ہم حضرت عبداللہ کے پاس پہنچے تو میں نے کہا: اے ابوعبدالرحمان! (یہ حضرت عبداللہ کی کنیت ہے) ہم اس سرزمین میں چلتے پھرتے ہیں اور کبھی ہمارا ایسے شہر میں آنا جانا ہوتا ہے جس میں رہنے والے لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے تو ہم انہیں کیا جواب دیں؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ تم ان کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ بے شک میں ان سے بیزار اور ان سے بری ہوں اور اگر میں کچھ

بِيْضٌ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ قَالَ فَرَدَّ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَدَدْنَا مَعَهٗ فَقَالَ اَدْنُوْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اُدْنُ فَدَنَا دَنْوَةً اَوْ دَنْوَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ مُوَقِّرًا لَّهٗ ثُمَّ قَالَ اَدْنُوْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اُدْنُهْ فَدَنَا حَتّٰى اَلْصَقَ رُكْبَتَهٗ بِرُكْبَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَلِقَائِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ فَقَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا مِنْ تَصْدِيْقِهٖ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْلِهٖ صَدَقْتَ كَاَنَّهٗ يَعْلَمُ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنْ شَرَائِعِ الْاِسْلَامِ مَاهِيَ قَالَ اِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَحَجُّ الْبَيْتِ لِمَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَّ صَوْمُ رَمَضَانَ وَالْاِغْتِسَالُ مِنَ الْجَنَابَةِ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لِقَوْلِهٖ صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ مَا هُوَ قَالَ الْاِحْسَانُ اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ فَاِذَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ فَاَنَا مُحْسِنٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ مَتٰى هِيَ قَالَ مَا الْمَسْؤُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰكِنْ لَّهَا شَرَائِطُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَّمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ O(لقمان:٣٤) قَالَ صَدَقْتَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَنَحْنُ نَرَاهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ بِالرَّجُلِ فَقُمْنَا فِيْ اَثَرِهٖ فَمَا نَدْرِيْ اَيْنَ تَوَجَّهَ وَلَا رَاَيْنَا شَيْئًا فَذَكَرْنَا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هٰذَا جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ مَّعَالِمَ دِيْنِكُمْ وَاللّٰهِ مَا اَتَانِيْ بِصُوْرَةٍ اِلَّا

معاونین اور مددگار حاصل کر لیتا تو ان سے میں ضرور جہاد کرتا' پھر وہ ہمیں یہ حدیث بیان کرنے لگے۔ کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھے اور آپ کے پاس آپ کے صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی موجود تھی کہ اچانک ایک حسین وجمیل گورے رنگ کا سفید لباس میں ملبوس نوجوان جس کی خوبصورت زلفیں کاندھوں پر لٹکی ہوئی تھیں اور وہ خوشبو میں مہکا ہوا تھا' حاضر ہوا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو اور (اے صحابہ!) تم پر بھی سلام ہو۔ حضرت عبداللہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے سلام کا جواب دیا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ اسے اسلام کا جواب دیا تو اس نے کہا: یارسول اللہ! میں (آپ کے) قریب ہو جاؤں' آپ نے فرمایا: قریب آ جا تو وہ ایک یا دو قدم قریب آ گیا' پھر وہ آپ کی تعظیم کرنے کے لیے کھڑا رہا پھر اس نے کہا کہ یارسول اللہ! میں اور قریب ہو جاؤں' آپ نے فرمایا: قریب آ جا تو وہ (آپ کے بالکل) قریب ہو گیا یہاں تک کہ اس نے اپنے گھٹنے رسول اللہ ﷺ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا دیئے اور آپ سے عرض کیا کہ آپ مجھے ایمان کے بارے میں بتائیں۔ آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' اس کی ملاقات پر' آخرت کے دن پر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لاؤ' سو اس جوان نے کہا: آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: ہمیں اس کے صدقت کہنے اور رسول اللہ کی تصدیق کرنے پر بہت تعجب ہوا' گویا وہ جانتا ہے' پھر اس نے آپ سے عرض کیا کہ آپ مجھے ارکان اسلام کے بارے میں بتائیں وہ کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا: نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' بیت اللہ شریف کا حج کرنا ہر اس شخص کے لیے واجب ہے جو وہاں تک جانے کی طاقت رکھتا ہے اور رمضان کے روزے رکھنا اور جنابت سے غسل کرنا۔ اس نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا ہے' ہمیں اس کے صدقت کہنے پر بہت تعجب ہوا' پھر اس نے عرض کیا کہ آپ مجھے احسان کے بارے میں بتائیں وہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تو اپنا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے لیے اس تصور سے کرنے لگے کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے حاضر دیکھ رہا ہے' سو اگر تو اسے اس طرح نہ دیکھ سکے تو یہ تصور

وَاَنَا اَعْرِفُهٗ فِيْهَا اِلَّا هٰذِهِ الصُّوْرَةِ.

بخاری(٥٠-٤٧٧٧) مسلم(٩٣) ترمذی(٢٦١٠) نسائی (٤٩٩٣-٤٩٩٤) ابن ماجہ(٦٣-٦٤)

کر لینا کہ بے شک وہ تجھے ضرور دیکھ رہا ہے۔ اس جوان نے کہا: جب میں اس طرح عمل کرنے لگوں تو میں محسن ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: آپ نے بالکل سچ فرمایا' پھر اس نے عرض کیا کہ آپ مجھے قیامت کے بارے میں بتائیں کہ وہ کب وقوع پذیر ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ جس سے سوال کیا جا رہا ہے وہ (اس کے مخفی رکھنے کے راز کو) سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا (بلکہ اس کے مخفی رکھنے کے راز کو دونوں یکساں جانتے ہیں) لیکن اس کی کچھ علامات اور نشانیاں ہیں (جن کے بتانے کی مجھے اجازت ہے) پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی: بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کس سرزمین پر مرے گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا خوب بتانے والا ہے O اس (جوان) نے کہا: آپ نے سچ فرمایا ہے' پھر وہ واپس چلا گیا اور ہم اسے دیکھ رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس آدمی کو میرے پاس بلا لاؤ' چنانچہ ہم اس کے تعاقب میں جانے کے لیے کھڑے ہو گئے لیکن ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس طرف چلا گیا ہے اور نہ ہم اس کا کچھ نشان پا سکے' سو ہم نے یہ بات نبی کریم ﷺ سے ذکر کی تو آپ نے فرمایا: یہ (جوان) جبریل علیہ السلام تھے' وہ تمہیں تمہارے دین کے احکام سکھانے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم وہ جس شکل وصورت میں بھی میرے پاس آئے میں نے انہیں پہچان لیا ماسوا اس شکل وصورت کے۔

حل لغات

''بَصُرْنَا'' صیغہ جمع متکلم برائے مذکر ومؤنث فعل ماضی معروف ہے' اس کا معنی ہے: دیکھنا'' القدر '' کا لغوی معنی ہے: کسی پر قدرت وغلبہ پانا' کسی معاملہ کی تدبیر کرنا' اندازہ کرنا' معین کرنا' کسی چیز کا فیصلہ کرنا' تنگی کرنا' جمع کرنا لیکن یہاں اس سے تقدیر الٰہی مراد ہے جس میں پوری انسانی زندگی کے متعلق فیصلہ جات درج ہوتے ہیں۔ ''نعم'' کا معنی ہے: ہاں نون' عین اور میم ساکن ہے اگر نون مکسور اور عین ساکن اور میم مفتوح ہو تو پھر اس کا معنی اچھا ہوتا ہے۔ ''دعنی'' میں ''دع'' صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف باب: ''فَتَحَ يَفْتَحُ'' ہے۔ اس میں نون وقایہ کی ہے اور یاء متکلم کی ضمیر ہے' اس کا معنی ہے: مجھے چھوڑ دے' مجھے اجازت دے۔ ''اِنْتَهَيْنَا'' صیغہ جمع متکلم فعل ماضی معروف باب افتعال ہے' اس کا معنی ہے: ہم پہنچے ''نَتَقَلَّبُ'' صیغہ جمع متکلم فعل مضارع معروف باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے: ہم آتے جاتے ہیں۔ ''اَبْلِغْ'' فعل امر معروف واحد مذکر حاضر ہے' اس کا معنی ہے: پہنچا دو

''اَعْوَانًا'' عون کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: معاونین اور مددگار۔ ''رَهْطٌ'' کا معنی ہے: گروہ' اس کا اطلاق تین سے دس تک ہوتا ہے۔ ''شابٌّ''، جوان ''حَسَنُ اللِّمَّةِ'' خوبصورت زلفیں'' طیب الریح '' پاکیزہ اور عمدہ خوشبو والا۔ ''ثِيَابٌ'' کپڑے'' بیض '' سفید۔ ''رَدَّ'' واحد مذکر غائب اور'' رددنا'' جمع متکلم دونوں باب: نَصَرَ يَنْصُرُ سے فعل ماضی معروف ہیں۔ یہاں ان کا معنی ہے: سلام کا جواب دینا۔ ''اَدْنُوْ'' واحد متکلم فعل مضارع معروف ہے' اس کا معنی ہے: قریب ہونا یعنی میں نزدیک ہو جاؤں۔ ''اُدْنُ'' صیغہ واحد مذکر فعل امر حاضر باب ''نَصَرَ يَنْصُرُ'' معنی قریب ہو جا۔ ''مُوَقِّرًا'' تعظیم وتوقیر کرنے والا۔ ''اَلْصَقَ'' باب افعال صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف الصاق سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے: ملانا ''رُكْبَةٌ'' بہ معنی گھٹنا ہے۔ ''شَرَائِع '' یہ شریعۃ کی جمع ہے' شریعت کا معنی ہے: اسلامی قانون' خدائی احکام کا مجموعہ' ضابطہ حیات' دہلیز' چوکھٹ اور دریا کے کنارے پر بسنے والوں کا گھاٹ' یہاں شرائع الاسلام سے اسلام کے ارکان اور فرائض مراد ہیں۔ ''شَرَائِطُ، شَرِيْطَةٌ'' کی جمع ہے بہ معنی علامات اور نشانیاں۔ ''اَلْغَيْثُ'' بارش'' غَدًا'' آنے والا کل۔

''اَثَرٌ'' قدم کے نشان۔ ''مَعَالِمُ'' یہ ''مَعْلَمٌ'' کی جمع ہے'' مَعْلَمٌ'' کا معنی ہے: راہ کی نشانی۔ کسی چیز کے پائے جانے کی جگہ' معالم دین سے اسلام کے ارکان وفرائض اور احکام مراد ہیں۔

اس عنوان کے تحت مذکورہ حدیث مبارکہ میں ایمان' اسلام' تقدیر اور شفاعت کا ثبوت اور اس کی وضاحت بیان کی گئی ہے۔ ایمان کسے کہتے ہیں' اسلام کیا چیز ہے' اسلام میں تقدیر کی کیا اہمیت ہے اور شفاعت کن لوگوں کے لیے ہوگی۔

ایمان اور اسلام کی توضیح

اگرچہ عرف شرع میں ایمان اور اسلام مترادف ہیں اور اصطلاحی معنی میں باہم متحد ہیں کیونکہ ایمان کے عقائد پر اسلام کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اسی طرح اسلام کے ارکان پر ایمان لانا بھی واجب ہے' یہی وجہ ہے کہ ایمان اور اسلام ایک دوسرے کے معنی پر بولے جاتے ہیں اور اپنے الگ الگ معنی پر بھی بولے جاتے ہیں' لہٰذا ہر مؤمن مسلم ہے اور اسی طرح ہر مسلم مؤمن ہے لیکن لغوی معنی کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے:

(١) ایمان دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے اور اسلام زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ [الحجرات:١٤]

دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے' آپ فرمائیے کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن تم کہو: ہم اسلام لائے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

(٢) ایمان اسلامی عقائد کو ماننے کا نام ہے اور اسلام ارکان اسلام پر عمل کرنے کا نام ہے جیسا کہ اس حدیث مبارکہ اور آئندہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایمان تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' اس کی ملاقات پر' آخرت کے دن پر اور اللہ تعالیٰ کی اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانا یعنی ان تمام عقائد کی دل سے تصدیق کرنا اور ماننا جبکہ اسلام یہ ہے کہ نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' بیت اللہ شریف کا حج کرنا' ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور جنابت سے غسل کرنا۔

(٣) ایمان باطنی اطاعت (قلبی تصدیق) کا نام ہے اور اسلام ظاہری اطاعت کا نام ہے۔

(٤) ایمان کا تعلق قلب [illegible] دل اور دماغ کے ساتھ ہے اور اسلام کا تعلق زبان اور دیگر اعضاء کے ساتھ ہے۔

احسان کی توضیح و تقسیم

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں احسان کی بہت تاکید و توصیف بیان فرمائی' چنانچہ ارشاد ہے:

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۔ [یونس:۲۶] جن لوگوں نے نیکیاں کیں ان کے لیے جنت ہے اور زائد (دیدار الٰہی) بھی۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ○ [الرحمٰن:۶۰] نیکی کا بدلہ صرف نیکی ہے ○

وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ [البقرہ:۱۹۵] اور تم نیکی کرو' بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ○

وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ [القصص:۷۷] اور احسان کر جیسا اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا۔

ان آیات مقدسہ سے وہ اعمال' اخلاق اور احوال مراد ہیں جن پر ایمان اور اسلام مشتمل ہیں اور اس حدیث مبارکہ میں مخصوص معنی مراد ہے اور وہ ہے: اخلاص کیونکہ ایمان اور اسلام کے صحیح ہونے کے لیے اخلاص شرط ہے۔

[مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۱' ص ۵۹' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

احسان کا معنی ہے: نیکی کرنا اور یہ دو طرح ہوتا ہے: ایک یہ کہ لوگوں پر انعام و اکرام کر کے ان کے ساتھ نیکی کرنا اور دوسرا یہ کہ کسی عمل خیر کو مکمل' عمدہ اور بہترین طریقہ سے صحیح ادا کرنا جیسا کہ اس کو ادا کرنے کا حق ہے گویا اس حدیث مبارکہ میں مذکور احسان سے مراد اپنے آپ پر احسان کرنا ہے اور اس کے برعکس اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے اور احسان کا مطلب یہ ہے کہ ہر عبادت اور ہر عمل خیر کو اخلاص' خشوع وخضوع' حضور قلب اور پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر ادا کیا جائے۔

درحقیقت کمال ایمان اور کمال اسلام کے لیے اخلاص شرط ہے بلکہ ان دونوں کے صحیح ہونے کی علامت اور نشانی ہے' اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنَّكَ تَرَاهُ'' تم اللہ تعالیٰ کے لیے اس طرح عمل کرو گویا تم اسے اپنے سامنے (حاضر و ناظر) دیکھ رہے ہو اور مشہور روایت میں ''اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ'' ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے اپنے سامنے دیکھ رہے ہو' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب آدمی اس حال میں ہو تو وہ خشوع وخضوع' شوق و ذوق محبت و جذب اور حیا سے سرشار ہو کر اللہ تعالیٰ کے اجلال و ہیبت' تعظیم و تکریم اور اس کے انوار تجلیات میں منہمک و مستغرق ہو جاتا ہے اور اسی مقام کو مشاہدہ اور مکاشفہ کہتے ہیں اور یہ احسان کا اعلیٰ درجہ ہے۔ آگے ارشاد فرمایا:

''فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ'' سو اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو یہ خیال کرو کہ وہ تمہیں یقیناً دیکھ رہا ہے' چنانچہ جب عبادت کرتے وقت آدمی کا یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر حال میں دیکھ رہا ہے' تو پھر بھی اس کے دل میں خوف و خشیت' خشوع وخضوع' حرکات و سکنات میں احتیاط' افعال و احوال میں نظم و ضبط اور اطمینان و یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے اور اسی مقام کو مراقبہ اور مجاہدہ کہتے ہیں جو احسان کا دوسرا درجہ ہے اور سردار عابداں' امام عارفاں ﷺ کا ارشاد ہے:

''جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ'' میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ یہ احسان کے پہلے درجہ میں فرمایا گیا ہے

کیونکہ یہ سب سے اعلیٰ اور کامل ترین مقام ہے۔ [ماخوذ از اشعۃ اللمعات ج ۱' ص ۴۱' مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

مخلوق سے علوم خمسہ کی نفی کا مطلب

تحقیق یہ ہے کہ بعض فرشتوں' نبیوں اور خصوصاً سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے ان پانچ میں سے چار چیزوں کا علم ثابت اور واقع ہے (آپ کے لیے علم قیامت کا ثبوت آگے آ رہا ہے) اس لیے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بغیر تعلیم کے اور بغیر کسی واسطے کے ان پانچ چیزوں کا علم اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے اور جن احادیث میں مخلوق سے ان پانچ چیزوں کے علم کی نفی کی گئی ہے ان کا بھی یہی مطلب ہے اور جن احادیث میں ان پانچ چیزوں کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے' سو مفاتیح الغیب سے مراد ہے: ان پانچ چیزوں کا کلی علم بایں طور کہ ان پانچ چیزوں کی ہر ہر جزئی کا علم ہو اور ان پانچ چیزوں کی کوئی جزی بھی اس علم سے خارج نہ ہو مثلاً ابتداء تخلیق سے قیامت تک تمام ہونے والی بارشوں کا علم ہو اور تمام انسانوں' حیوانوں' چرندوں' پرندوں اور حشرات الارض کی ماداؤں کے پیٹ میں کیا ہے اس کا علم ہو اور ہر جان دار کے متعلق علم ہو کہ وہ کل کیا کرے گا اور ہر جان دار کے متعلق علم ہو کہ وہ کس جگہ مرے گا۔ ایسا علم محیط صرف اللہ عزوجل کو ہے اور یہ علم کسی مخلوق کو نہیں دیا گیا اور نبی کریم ﷺ نے جو فرمایا: مجھے ان پانچ چیزوں کے سوا ہر چیز کی چابیاں دی گئی ہیں' اسی طرح حضرت ابن مسعود نے جو فرمایا: پانچ چیزوں کے سوا تمہارے نبی کو ہر چیز دی گئی ہے اس کا یہی مطلب ہے اور ان پانچ چیزوں کی چابیوں سے یعنی ان پانچ چیزوں کے علم کلی سے بعض جزئیات کا علم مخلوق کو بھی عطا کیا گیا ہے اور جس مخلوق کا جتنا زیادہ مرتبہ ہے اس کو اتنی زیادہ جزئیات کا علم دیا گیا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو سب سے زیادہ جزئیات کا علم دیا گیا ہے۔

بارش کے نزول کا علم

اس آیت مبارکہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بارش کب ہوگی اس کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' اس کا بھی یہی معنی ہے کہ اس کا کلی علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بارش نازل ہونے کی خبر دی ہے۔

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ○ [یوسف:۴۹] پھر اس کے بعد جو سال آئے گا اس میں لوگوں پر خوب بارش نازل کی جائے گی اور وہ اسی سال انگوروں کا رس بھی خوب نچوڑیں گے ○

اور ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی بارش کے نزول کی خبریں دی ہیں۔

امام شافعی نے کتاب الام میں اور امام ابن ابی الدنیا نے کتاب المطر میں مطلب بن حطب سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رات اور دن کی ہر ساعت میں بارش نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے اس بارش کو لے جاتا ہے۔

[مسند امام شافعی' بیروت ص ۸۲' الدر المنثور ج ۱' ص ۷۹' دار احیاء التراث العربی۔ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۵۹۰]

حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کوئی سال دوسرے سال سے زیادہ بارش والا نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس بارش کو جہاں چاہتا ہے' لے جاتا ہے اور بارش کے ساتھ فلاں فلاں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ کہاں بارش ہو رہی ہے اور کس کو رزق مل رہا ہے اور اس کے قطروں سے کیا نکل رہا ہے۔ (یہ حدیث ہر چند کہ صراحۃً موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے)۔ [المستدرک ج ۲' ص ۴۰۳' الدر المنثور ج ۱' ص ۷۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۱۳]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت واقع نہیں ہوگی جب تک اتنی زبردست بارش نہ ہو جس سے کوئی پختہ بنا ہوا گھر محفوظ رہے گا نہ خیمہ۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

[مسند امام احمد ج ۲ 'ص ۲۶۲ طبع قدیم' مسند امام احمد رقم الحدیث: ۷۵۵۴' مجمع الزوائد ج ۷ 'ص ۳۳۱]

ماؤں کے رحموں کا علم

قرآن مجید میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق کی بشارت دی اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ میں لڑکے کی خوشخبری دی۔

قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ○ [الذاریات:۲۸]

فرشتوں نے کہا: آپ مت ڈریں اور انہوں نے ان کو علم والے لڑکے کی خوشخبری دی○

اس بشارت کا ذکر سورۃ الحجر: ۵۳ میں بھی ہے۔

اسی طرح فرشتوں نے حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی بشارت دی' قرآن مجید میں ہے:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى . [آل عمران:۳۹]

پس فرشتوں نے زکریا کو ندا کی جبکہ وہ حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔

اور حضرت جبریل نے حضرت مریم کو پاکیزہ لڑکے کی بشارت دی اور انہوں نے یہ خبر دی کہ ان کے پیٹ میں کیا ہے:

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا○ [مریم:۱۹]

جبریل نے کہا: میں صرف آپ کے رب کا فرستادہ ہوں تا کہ میں آپ کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں○

اور فرشتوں کو بتلا دیا جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور فرشتے ماں کے پیٹ میں لکھ دیتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے رحم میں ایک فرشتہ مقرر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: اے رب! یہ نطفہ ہے' اے رب! یہ جما ہوا خون ہے' اے رب! یہ گوشت کا لوتھڑا ہے' پھر جب اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتہ پوچھتا ہے: یہ مذکر ہے یا مؤنث؟ یہ بدبخت ہے یا نیک بخت؟ اس کا رزق کتنا ہے؟ اس کی مدت حیات کتنی ہے؟ پھر وہ ماں کے پیٹ میں (یہ چیزیں) لکھ دیتا ہے۔ [صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۶]

اسی طرح ہمارے محترم و مکرم نبی سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے خبر دی کہ سیدتنا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔

حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے آج رات ایک خوف ناک خواب دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ کون سا خواب ہے' بیان کرو۔ عرض کیا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے جسم اقدس سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے کیونکہ ان شاء اللہ میری بیٹی فاطمہ ایک لڑکا جنے گی جو تیری گود میں آئے گا' چنانچہ حضرت فاطمہ کے ہاں حضرت حسین پیدا ہوئے اور میری گود میں دیئے گئے جیسا کہ آپ نے فرمایا: پھر ایک روز میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور امام حسین کو آپ کی گود میں دے دیا' پھر میری توجہ آپ سے ہٹ گئی تو اچانک رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے' سو میں نے دیکھ کر عرض کیا: یا نبی اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کو کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس ابھی جبریل علیہ السلام آئے ہیں اور انہوں نے مجھے خبر دی کہ میری امت میرے اس بیٹے کو شہید کر دے گی۔ میں نے عرض کیا کہ اس (بیٹے حسین) کو؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور جبریل نے میرے پاس حسین کے مقتل (کرب و بلا) کی سرخ مٹی میں سے کچھ مٹی لا کر مجھے دی ہے۔ [مشکوٰۃ المصابیح' ص ۵۷۲ مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

کل اور آئندہ ہونے والے واقعات کا علم

حضرت یوسف علیہ السلام نے آئندہ پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں بتایا کہ مصر والے پہلے سات سال کاشت کر کے بہت سا غلہ جمع کریں' پھر اس کے بعد سات سال قحط و خشک سالی کے آئیں گے' ان میں جمع شدہ غلہ کام میں لائیں گے' قرآن مجید میں ہے:

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ○ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ○ [یوسف:۴۸-۴۷]

یوسف نے کہا: تم لگاتار سات سال معمول کے مطابق کاشت کاری کرنا اور فصل کاٹ کر اس کو خوشوں میں رہنے دینا سوائے اپنے کھانے کی تھوڑی سی چیزوں کے○ اس کے بعد سات سال سخت قحط کے آئیں گے وہ ذخیرہ کیے ہوئے غلہ کو کھا جائیں گے سوا اس تھوڑے سے غلہ کے جس کی تم حفاظت کرو گے○

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے صرف کل کی نہیں بلکہ چودہ سال کی پہلے سے خبر دے دی تھی۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے کے دو ساتھیوں کو ان کے انجام کے متعلق پہلے ہی بتا دیا تھا' قرآن مجید میں ہے:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ○ [یوسف:۴۱]

اے میرے قید خانہ کے دو ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا اور رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا سر نوچ کر کھائیں گے' تم دونوں جس چیز کے متعلق سوال کر رہے تھے اس کا فیصلہ کیا جا چکا ہے○

اس آیت کریمہ میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں کے مستقبل کی خبر دے دی اور ہمارے نبی کریم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے تو قیامت تک بلکہ دخول جنت اور دخول دوزخ تک کے واقعات کی خبر دے دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک مقام پر کھڑے ہوئے اور ہمیں ابتدائے تخلیق سے خبریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ اہل جنت اپنی منازل میں داخل ہو گئے اور اہل نار اپنی منازل میں داخل ہو گئے' سو جس نے یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے بھلا دیا اسے بھول گیا۔ [صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲]

اور بالخصوص کل کی خبر دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ.

کل میں جھنڈا اس کو عطا کروں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح کرے گا۔

[صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۰۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۱۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰۶]

مرنے کی جگہ کا علم

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قید کے ایک ساتھی سے فرمایا تھا کہ تمہیں سولی دی جائے گی۔ [یوسف:۴۱] اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے بتا دیا کہ تمہیں پھانسی کے تختہ پر موت آئے گی' اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے مرنے کی جگہ کا علم تھا۔

نیز حضرت عزرائیل علیہ السلام انسانوں کی روح قبض کرتے ہیں' سو ان کو علم ہوتا ہے کہ انہوں نے کس شخص کی روح کس جگہ قبض کرنی ہے۔

اور ہمارے نبی کریم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے بدر میں قتل ہونے والے کفار کے متعلق جنگ سے پہلے فرما دیا تھا کہ:

هٰكَذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ غَدًا. ان شاء اللہ کل فلاں کافر اس جگہ پر گرے گا اور یہ کل فلاں کے گرنے کی جگہ ہے۔

[صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۰۷۳]

اور آپ نے فرمایا:

مَنْزِلُنَا غَدًا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِخَيْفِ بَنِيْ كِنَانَةَ. کل ان شاء اللہ ہماری منزل خیف بنی کنانہ میں ہوگی۔

[صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۸۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۱۱]

نیز آپ نے فرمایا:

حضرت عیسیٰ ابن مریم زمین کی طرف اتریں گے اور شادی کریں گے' ان کی اولاد ہوگی اور پینتالیس سال قیام کریں گے پھر وفات پائیں گے۔ میرے ساتھ میرے مقبرے میں دفن کیے جائیں گے' سو میں اور عیسیٰ ابن مریم ابوبکر وعمر کے درمیان ایک مقبرے سے اٹھیں گے۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۰ مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

قیامت کا علم

نبی کریم ﷺ نے قیامت کی علامات بتائیں کہ قرب قیامت میں امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ [سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۹۰]

اور فرمایا: قیامت سے پہلے دھواں نکلے گا' دجال کا خروج ہوگا' دآبۃ الارض (زمین سے ایک جانور) کا ظہور ہوگا۔ سورج مغرب سے طلوع ہوگا' حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا' یاجوج ماجوج کا ظہور ہوگا' ایک بار مشرق کی زمین دھنسے گی' ایک بار مغرب کی زمین دھنسے گی اور ایک بار جزیرۃ العرب کی زمین دھنسے گی اور آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانک کر محشر کی طرف لے جائے گی۔ [صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۱] اور آپ نے فرمایا: محرم کی دس تاریخ کو قیامت واقع ہوگی۔ [فضائل الاوقات للبیہقی' رقم الحدیث: ۲۲۷' ص ۴۴۱] اور یہ بھی فرمایا کہ جمعۃ المبارک کے دن قیام آئے گی۔ [صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۴] اور یہ بھی بتا دیا کہ جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان قیامت آئے گی۔ [الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۸۳]

آپ نے قیامت کے وقت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا صرف سن نہیں بتایا کیونکہ اگر آپ سن بھی بتا دیتے تو ہمیں آج معلوم ہوتا کہ قیامت کے آنے میں اتنے سال رہ گئے ہیں اور قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَأْتِيْكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ط [الاعراف: ۱۸۷] قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔

فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ O [الشعراء: ۲۰۲] ان کے سروں پر قیامت اچانک آ جائے گی اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہوگا O ۔

اگر نبی کریم ﷺ قیامت کا سن بھی بتا دیتے تو قیامت کا آنا اچانک نہ رہتا اور قرآن مجید جھوٹا ہو جاتا اور نبی کریم ﷺ قرآن مجید کے مصدق (تصدیق کرنے والے) بن کر آئے تھے اس کے مکذب (جھٹلانے والے) بن کر نہیں آئے تھے' سو آپ نے قرآن کریم کی تصدیق کے لیے قیامت کا سن نہیں بتایا اور اپنے علم کے اظہار کے لیے وقوع قیامت کی تمام نشانیاں مہینہ' تاریخ' دن اور دن کا مخصوص وقت سب کچھ بتا دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کا بالذات' بلاواسطہ اور از خود علم تو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور ان پانچ چیزوں کا کلی علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کے بتانے سے ان کی جزئیات کا علم فرشتوں اور نبیوں اور رسولوں کو بھی ہے اور اولیاء اللہ کو بھی ہے اور جس کا جتنا مرتبہ زیادہ ہے اس کو اتنا زیادہ علم ہے اور سب سے زیادہ ان کی جزئیات کا علم ہمارے نبی کریم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہے۔ [ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۹' ص ۲۹۱-۲۸۶]

فوائد حدیث

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے منکرین تقدیر کے بارے میں یہ فرمایا کہ "أَبْلِغْهُمْ مِنِّيْ أَنِّيْ بَرِيْءٌ مِّنْهُمْ" انہیں میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دو کہ بے شک میں ان سے بری اور بیزار ہوں۔

یہ فرمان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صحابی کا قول حجت ہے جیسا کہ خود آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِأَيِّهِمِ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ" میرے تمام صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس صحابی کی پیروی کرو گے ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔ [شرح مسند امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ لملاعلی قاری رحمہ اللہ الباری ص ۳۲۸]

(۲) ایمان درحقیقت صرف دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے اور رہا اقرار تو وہ اسلامی احکام کے اجراء کے لیے شرط ایمان ہے جزو ایمان نہیں اور اعمال صالحہ ایمان کامل کے لیے شرط ہیں جن کے بغیر ایمان ناقص ہوتا ہے۔

(۳) اس حدیث مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ اچھی بری تقدیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماننا اور اس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کے لیے ضروری اور فرض ہے جس کو برحق تسلیم کرنا ایمانیات میں شامل ہے۔

(۴) ایمان اور اعمال صالحہ کے لیے اخلاص شرط ہے کیونکہ ایمان اخلاص کے بغیر نفاق میں تبدیل ہو جاتا ہے جبکہ اعمال صالحہ اخلاص کے بغیر ریاکاری اور دکھاوا بن جاتے ہیں' یہ فائدہ احسان کی تعلیم سے حاصل ہوا ہے۔

(۵) جس طرح سورۂ فاتحہ کو ام القرآن اور ام الکتاب کہا جاتا ہے کہ یہ سورت قرآن مجید کے تمام معانی ومقاصد اور مضامین پر مشتمل ہے اور تمام معانی قرآن کی جامع ہے اسی طرح اس حدیث مبارکہ (جسے حدیث جبریل کہا جاتا ہے) کو ام الاحادیث اور ام الجوامع کہا جاتا ہے کیونکہ یہ حدیث ان تمام علوم پر مشتمل اور ان کی جامع ہے جو دیگر احادیث مبارکہ سے حاصل ہوتے ہیں اور تمام محدثین ائمہ اس حدیث کے صحیح ہونے پر متفق ہیں اور بخاری ومسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے اس حدیث کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مختلف طریقوں پر روایت کیا ہے۔

(۶) دین اسلام کی بنا تین چیزوں پر ہے: (۱) فقہ (۲) کلام (۳) تصوف اور اس حدیث میں یہ تینوں بیان کیے گئے ہیں کیونکہ اسلام سے فقہ کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ فقہ اسلامی اعمال اور احکام شریعہ کے تفصیلی بیان پر مشتمل ہے اور ایمان سے اعتقادات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہی اصول کلام کے مسائل ہیں اور احسان سے اصل تصوف کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تصوف کا مطلب یہی ہے کہ خلوص قلب اور صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا اور مشائخ طریقت نے تصوف کے جتنے معانی بیان کیے ہیں سب کا خلاصہ یہی معنی ہے اور یہ تینوں آپس میں باہم لازم وملزوم ہیں کوئی ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں اور اسی وجہ سے امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ جس نے تصوف حاصل کیا اور علم فقہ حاصل نہ کیا تو وہ یقیناً بے دین ہو گیا اور جس نے علم فقہ حاصل کیا اور تصوف نہ سیکھا تو وہ یقین

تَحَقَّقَ . فاسق ہوگیا اور جس نے ان دونوں کو جمع کرلیا تو وہ کامیاب ہوگیا۔

[اشعۃ اللمعات' ج ١' ص ٤٢-٤٧' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر]

(٧) آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بواسطہ وحی الٰہی قیامت کا علم حاصل تھا لیکن اس کے وقوع کے سن کو مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس لیے (الف) اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو قیامت کے وقوع کا علم دریافت کرنے کے لیے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھیجا۔ اگر آپ کو علم نہ ہوتو یہ بھیجنا بے فائدہ ہوگا۔ (ب) حضرت جبریل کا وقوع قیامت کے متعلق دریافت کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کو وقوع قیامت کا علم تھا ورنہ دریافت نہ کیا جاتا (ج) پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں لااعلم نہیں فرمایا بلکہ اپنے آپ سے اضافہ کی نفی فرمائی کہ وقوع قیامت کے مخفی رکھنے کے راز کو مسؤل سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ اس میں آپ نے مطلق علم قیامت کی نفی نہیں فرمائی (د) کسی اہل علم کا اپنے سے بڑے اہل علم سے اس لیے دینی احکام اور مسائل دریافت کرنا تاکہ دوسرے مسلمان ان احکام ومسائل سے آگاہ ہوجائیں' حضرت جبریل علیہ السلام کی سنت ہے۔

نبی کریم ﷺ کو وقوع قیامت کے وقت کو مخفی رکھنے کا حکم

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

(١) بعض علماء نے کہا کہ (بنی اسرآئیل) کی آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا بلکہ احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع کیا ہو اور آپ کو اس کی اطلاع دینے کا حکم نہ دیا ہو اور قیامت کے متعلق بھی علماء نے اسی طرح کہا ہے۔ واللہ اعلم [فتح الباری ج ٨' ص ٤٠٣]

علامہ احمد قسطلانی شافعی نے بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔ [ارشاد الساری ج ٧' ص ٢٠٣]

(٢) علامہ زرقانی ''المواہب'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

علم قیامت اور باقی ان پانچ چیزوں کے متعلق جن کا سورۂ لقمان کی آخری آیت میں ذکر ہے' علماء نے یہی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے اور آپ کو انہیں مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ [شرح المواہب اللدنیہ ج ١' ص ٢٦٥]

(٣) علامہ جلال الدین سیوطی شافعی لکھتے ہیں:

اور بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو امور خمسہ کا علم دیا گیا ہے اور وقوع قیامت کا اور روح کی حقیقت کا بھی علم دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

[شرح الصدور' ص ١١٩ مطبوعہ بیروت' الخصائص الکبریٰ' ج ٢' ص ٣٣٥' بیروت ١٤٠٥ھ]

(٤) عارف باللہ علامہ احمد صاوی مالکی لکھتے ہیں:

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دنیا سے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کے علوم پر مطلع نہیں فرمایا لیکن آپ کو ان علوم کے مخفی رکھنے کا حکم فرمایا۔ [تفسیر صاوی' ج ٣' ص ٢١٥]

(٥) علامہ سید محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر اس چیز کا علم نہیں دے دیا جس کا علم دینا ممکن تھا۔ [تفسیر روح المعانی ج ١٥' ص ١٥٤]

نیز علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کو وقوع قیامت کے وقت پر مکمل اطلاع دے دی ہو مگر اس طریقہ پر نہیں کہ اس سے علم الٰہی کا اشتباہ ہوالا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ پر اس کا اخفاء واجب کردیا ہو اور یہ علم رسول اللہ ﷺ کے خواص میں سے ہو لیکن مجھے اس پر کوئی قطعی دلیل حاصل نہیں ہوئی۔ [روح المعانی' ج ٢١' ص ١١٣]

(٦) امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے' وہ اپنے مخصوص غیب یعنی قیامت قائم ہونے کے وقت پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔ البتہ ان کو مطلع فرماتا ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ [تفسیر کبیر ج ١٠' ص ٦٧٨]

نوٹ: یہاں چند حوالہ جات اردو میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اس مسئلہ پر عربی متن کے ساتھ مکمل تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔

[تفسیر تبیان القرآن ج ٩' ص ٢٩٦-٢٩٢]

٣- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ جِبْرِیْلُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ صُوْرَةِ شَابٍّ عَلَیْهِ ثِیَابٌ بَیَاضٌ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَدْنُوْ فَقَالَ اُدْنُهْ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِیْمَانُ فَقَالَ الْاِیْمَانُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لِقَوْلِهٖ صَدَقْتَ كَاَنَّهٗ یَدْرِیْ ثُمَّ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا شَرَائِعُ الْاِسْلَامِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَغُسْلُ الْجَنَابَةِ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لِقَوْلِهٖ صَدَقْتَ كَاَنَّهٗ یَدْرِیْ ثُمَّ قَالَ فَمَا الْاِحْسَانُ قَالَ اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَمَتٰی قِیَامُ السَّاعَةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ فَقَفّٰی فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَیَّ بِالرَّجُلِ فَطَلَبْنَا فَلَمْ نَرَلَهٗ اَثَرًا فَاَخْبَرْنَا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذٰلِكَ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ جَاءَكُمْ یُعَلِّمُكُمْ مَعَالِمَ دِیْنِكُمْ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک نوجوان کی شکل وصورت میں سفید لباس میں ملبوس ہوکر نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ'' اے اللہ تعالیٰ کے رسول! آپ پر سلام ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''وَعَلَیْكَ السَّلَامُ'' تجھ پر بھی سلام ہو' سو اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ کے قریب آجاؤں؟ آپ نے فرمایا: میرے قریب آجا (تو وہ قریب آگیا اور) وہ کہنے لگا: یارسول اللہ! ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر اور اس کی اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانا۔ اس نے کہا: آپ نے بالکل سچ فرمایا' سو ہمیں اس کے ''صدقت'' کہنے پر تعجب ہوا گویا وہ جانتا ہے' پھر اس نے کہا: یارسول اللہ! اسلام کے ارکان کیا ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور غسل جنابت کرنا۔ اس نے کہا: آپ نے بالکل سچ فرمایا' سو ہمیں اس کے ''صدقت'' کہنے پر تعجب ہوا کہ گویا وہ جانتا ہے' پھر اس نے عرض کیا کہ احسان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے لیے اس طرح عمل کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو' سو اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو (یہ تصور کرو کہ) وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا ہے' پھر اس نے عرض کیا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس سے قیامت کے قیام کے متعلق سوال کیا جارہا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا' پھر وہ جوان واپس چلا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس آدمی کو

بخاری(۵۰-۴۷۷۷)مسلم(۹۳)ترمذی(۲۶۱۰)
نسائی(۴۹۹۳-۴۹۹۴)ابن ماجہ(۶۳-۶۴)

بلالاؤ' سو ہم نے اسے تلاش کیا لیکن ہم نے اس کا کوئی نشان وغیرہ نہ پایا' پس ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے نہ ملنے کی خبر سنائی تو آپ نے فرمایا: یہ (حضرت) جبرئیل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارے دین کے احکام سکھانے آئے تھے۔

حل لغات

یہ حدیث پچھلی حدیث کا تسلسل ہے جس کے تحت حل لغات میں الفاظ ومعانی بیان کر دیئے گئے ہیں' یہاں صرف تین الفاظ کے معانی بیان کیے جاتے ہیں۔ ''یَدْرِیْ'' فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' یہ درایۃ سے ماخوذ ہے جس کا لغوی معنی ہے: حیلہ اور قیاس واندازہ سے کسی چیز کو جاننا لیکن یہاں یہ ''یعلم'' کے معنی میں ہے کہ وہ جانتا ہے۔ ''قَفّٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی کے پیچھے چلانا لیکن یہاں ''وَلّٰی'' کے معنی میں ہے یعنی واپس پیچھے مڑ گیا۔ ''علی'' یہ اسمائے افعال میں سے اسم فعل ہے۔ یہ ''ائت'' کے معنی میں ہے یعنی لاؤ' بلاؤ۔

یہ حدیث بھی تقریباً پہلی حدیث کے الفاظ اور مضامین پر مشتمل ہے' اس کو مکرر اس لیے ذکر کیا گیا ہے تا کہ حدیث کا متن ایک اور سند کی وجہ سے مستحکم وقوی اور محفوظ ہو جائے اور اس کے مضامین کے بارے میں یقین کامل حاصل ہو جائے کیونکہ اس سے پہلے حدیث کی سند میں امام ابوحنیفہ سے پہلے حضرت علقمہ بن مرثد' حضرت یحیٰ بن یعمر اور حضرت عبداللہ بن عمر راوی ہیں جبکہ اس حدیث کی سند میں امام ابوحنیفہ سے پہلے حضرت حماد بن مسلم' حضرت ابراہیم نخعی' حضرت علقمہ بن قیس کوفی اور حضرت عبداللہ بن مسعود راوی ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری لکھتے ہیں:

شرائع اسلام کی اکثر روایات میں سب سے پہلے توحید ورسالت کی گواہی دینے کا ذکر ہے' پھر نماز قائم کرنے' زکوٰۃ ادا کرنے' ماہ رمضان کے روزے رکھنے اور بیت اللہ شریف کا حج کرنے کا ذکر ہے لیکن یہاں ان دونوں روایتوں میں توحید ورسالت کی گواہی دینے کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ یہ ایمان شرعی میں داخل ہے اس لیے اس کا الگ ذکر نہیں کیا گیا البتہ اس سے پہلی حدیث میں حج کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اس روایت میں حج کا ذکر بھی نہیں کیا گیا۔ شاید یہ روایت حج کے فرض ہونے سے پہلے کی ہو۔

[شرح مسند امام اعظم مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

ان دونوں احادیث مبارکہ میں غسل جنابت کا ذکر کیا گیا ہے' یا تو غسل جنابت کی اہمیت وعظمت اور اس کی رفعت شان کی وجہ سے اس کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ طہارت کا ذریعہ ہے جو تمام عبادات کے لیے شرط ہے یا پھر اس وقت اسلام میں اسی قدر فرض ہوا ہوگا اور غسل جنابت کی فرضیت کا ثبوت قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ط [المآئدۃ:۶] — اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو خوب طہارت حاصل کرو۔

۱- بَابُ التَّوْحِيْدِ وَالرِّسَالَةِ

توحید اور رسالت کا بیان

۴- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ اَنَّ رِجَالًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثُوْهُ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ كَانَتْ لَهُ رَاعِيَةٌ تَتَعَاهَدُ غَنَمَهُ وَاَنَّهُ اَمَرَهَا

تَتَعَاهَدُ شَاةً فَتَعَاهَدَتْهَا حَتّٰى سَمُنَتِ الشَّاةُ وَاشْتَغَلَتِ الرَّاعِيَةُ بِبَعْضِ الْغَنَمِ فَجَاءَ الذِّئْبُ فَاخْتَلَسَ الشَّاةَ وَقَتَلَهَا فَجَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ وَفَقَدَ الشَّاةَ فَاَخْبَرَتْهُ الرَّاعِيَةُ بِاَمْرِهَا فَلَطَمَهَا ثُمَّ نَدِمَ عَلٰى ذٰلِكَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ وَقَالَ ضَرَبْتَ وَجْهَ مُؤْمِنَةٍ فَقَالَ سَوْدَاءُ لَا عِلْمَ لَهَا فَاَرْسَلَ اِلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهَا اَيْنَ اللّٰهُ فَقَالَتْ فِي السَّمَآءِ قَالَ فَمَنْ اَنَا قَالَتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ فَاَعْتِقْهَا فَاَعْتَقَهَا.

مسلم(۱۱۹۹)ابن خزیمہ(۸۵۹)ابن حبان(۲۲۴۷) مسند احمد(۲۴۱۶۵-۲۴۱۶۹-۲۴۱۷۴)

حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ کرام نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چرواہی لڑکی خادمہ تھی جو ان کی بکریوں کو چرایا کرتی اور ان کی دیکھ بھال کرتی تھی اور حضرت عبداللہ نے اسے ایک اور بکری دی اور اسے حکم دیا کہ وہ اس بکری کی دیکھ بھال کرتی رہے اور اس کا خیال رکھے' چنانچہ وہ اس بکری کی خوب دیکھ بھال کرتی اور اس کا پورا خیال رکھتی یہاں تک کہ وہ خوب موٹی تازی ہو گئی اور ایک دن وہ لڑکی دوسری بکریوں کی نگرانی میں مشغول ہو گئی' اتنے میں اچانک ایک بھیڑیا آیا اور اس موٹی تازی بکری کو پکڑ کر لے گیا اور اسے مار ڈالا' جب حضرت عبداللہ تشریف لائے اور اس بکری کو نہ پایا تو اس چرواہی خادمہ نے آپ کو اس بکری کا سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عبداللہ نے غصہ میں آ کر اس کو ایک طمانچہ مارا' پھر اس پر نادم وپشیمان ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات بہت گراں گزری اور آپ کو بہت دکھ ہوا اور آپ نے فرمایا کہ تم نے ایک ایمان دار لڑکی کے چہرے پر طمانچہ مار دیا۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ وہ ایک حبشن لڑکی ہے' اسے ایمان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی بھیج کر اس کو اپنے پاس بلوایا اور اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں ہے' پھر آپ نے فرمایا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ تو مسلمان ہے' پس تم اس کو آزاد کر دو تو حضرت عبداللہ نے اسے آزاد کر دیا۔

حل لغات

''تَتَعَاهَدُ'' صیغہ واحد مؤنث غائب ہے اور باب تفاعل سے فعل مضارع معروف ہے' اس کا معنی ہے: حفاظت کرنا اور کسی چیز کی دیکھ بھال کرنا۔ ''غَنَمٌ'' اور ''شَاةٌ'' معنی کے اعتبار سے مترادف ہیں لیکن عدد کے اعتبار سے ''غَنَمٌ'' مصدر ہے اور جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ''شاۃ'' واحد کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے ''غنم'' کا معنی ہے بکریاں یا بکریوں کا ریوڑ جبکہ شاۃ کا معنی ہے بکری۔ ''رَاعِيَةٌ'' صیغہ واحد مؤنث اسم فاعل باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بکریوں کو چرانے والی' بکریوں کی حفاظت کرنے والی اور ان کی نگہبان۔ ''سمنت'' یہ باب کرم یکرم اور باب سَمِعَ یَسْمَعُ دونوں سے آتا ہے اور یہ صیغہ واحد مونث غائب فعل ماضی معروف ہے' اس کا معنی ہے: فربہ اور موٹا ہونا۔ ''اشتغلت'' یہ صیغہ واحد مونث غائب فعل ماضی معروف باب افتعال سے ہے جس کا معنی ہے: کسی کام میں مشغول ومعروف ہو جانا۔ ''اَلذِّئْبُ'' کا معنی ہے: بھیڑیا اور اس کی جمع ''ذئاب'' آتی ہے۔ ''اِخْتَلَسَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افتعال ہے' اس کا معنی ہے: اچک لینا' جھپٹا مار کر چھین لینا اور اچانک پکڑ لینا۔ ''فقد'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ یَضْرِبُ ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کو گم پانا۔ ''فَلَطَمَهَا'' میں ''لطم'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب فَتَحَ یَفْتَحُ ہے' اس کا معنی ہے: تھپڑ مارنا' طمانچہ رسید کرنا۔ ''عَظَّمَ'' صیغہ

واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعیل ہے' اس کا معنی ہے: گراں گزرنا۔ ''فَاَعْتِقْهَا'' اس میں پہلا صیغہ فعل امر حاضر واحد مذکر ہے اور دوسرا صیغہ فعل ماضی معروف واحد مذکر غائب ہے' دونوں باب افعال سے ہیں' ان کا معنی ہے: آزاد کرنا۔

غلاموں اور نوکروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم

مسلم اقوام کے تمام افراد کے لیے شریعت نے یہ لازمی قرار دے دیا ہے کہ وہ اپنے غلاموں اور ملازمین ونوکروں کے ساتھ اچھے اور بہترین تعلقات قائم کریں اور ان سے حسن سلوک کریں اس طرح کہ وہ ان پر احسان واکرام اور نرمی کریں اور ان کے ساتھ تکبر وغرور سے پیش نہ آئیں اور نہ ان کو حقیر ورذیل اور انتہائی گھٹیا خیال کریں اور نہ ان پر بے جا تشدد وسختی کریں' چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کے بارے میں خصوصی نصیحت اور تاکید کرتے ہوئے فرمایا: تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت بنایا ہے' پس جو کچھ تم خود کھاتے ہو انہیں بھی کھلاؤ اور جو کچھ تم خود پہنتے ہو انہیں بھی پہناؤ اور تم انہیں کسی ایسی چیز یا کسی ایسے کام کی تکلیف نہ دو جس کے اٹھانے کی ان میں استطاعت وہمت اور طاقت نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اپنی بکری کی ہلاکت پر غصہ میں آ کر اپنی لونڈی کو طمانچہ مارا تو بعد میں فوراً نادم وپشیمان ہوئے اور اس زیادتی پر بہت پچھتائے کیونکہ دوسری بکریوں کی دیکھ بھال کرنے اور ان کی نگرانی میں مشغول ہونے کی بنا پر لڑکی سے غفلت ہوئی تھی لیکن اس نے ایسا جان بوجھ کر نہیں کیا تھا اس لیے وہ قصوروار نہیں تھی' پھر ان کے پیش نظر یہ ارشاد نبوی بھی تھا ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ'' مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں۔ [مشکوٰۃ المصابیح' ص ۱۲ مطبوعہ اصح المطابع' دہلی] نیز صحابہ کرام براہِ راست آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت واخلاق سے فیض یاب ہوئے تھے اس لیے صحابہ کرام بھی آپ کے توسل سے اخلاق حمیدہ کے بلند درجہ پر فائز تھے اور آپس میں شیر وشکر ہو کر رہتے تھے اور باہم ایک دوسرے سے درگزر کرتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی ہے:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ. [الفتح:۲۹] وہ کافروں پر بڑے سخت تھے آپس میں بہت مہربان تھے۔

بہرحال حضرت عبداللہ بن رواحہ بہت پریشان ہو کر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا اور اس کا حل بھی دریافت کیا۔ یہ واقعہ سن کر آپ کو بہت افسوس ہوا اور آپ نے حضرت عبداللہ کو حکم دیا کہ تم اپنی اس لونڈی کو آزاد کر دو اسے سزا دینے کا یہی کفارہ ہے' چنانچہ حضرت عبداللہ نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور اسے آزاد کر دیا۔ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی غصہ میں آ کر کسی پر ظلم وزیادتی کرلے تو اس پر لازم ہے کہ وہ مظلوم پر کوئی احسان کر کے اس کی دادرسی کرے' نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ صحابہ کرام آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخلص اور کامل اطاعت گزار تھے کہ آپ نے جیسے ہی استحبابی حکم فرمایا تو حضرت عبداللہ نے فوراً عمل کرتے ہوئے لونڈی کو آزاد کر دیا' نیز اس سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ ایمان کی حقیقت محض توحید و رسالت کی تصدیق ہے' باقی رہے اعمال صالحہ تو وہ حقیقت ایمان سے خارج ہیں اور کمال ایمان کے لیے شرط ہیں۔

۵- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِاَصْحَابِهٖ اِنْهَضُوْا بِنَا نَعُوْدُ جَارَنَا الْيَهُوْدِيَّ قَالَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَوَجَدَهٗ فِي الْمَوْتِ فَسَاَلَهٗ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ اٹھو ہم اپنے ایک یہودی پڑوسی کی بیمار پرسی کریں۔ حضرت بریدہ نے فرمایا کہ جب آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس کے پاس پہنچے تو آپ نے اس کو سکرات موت

رَسُوْلُ اللّٰهِ فَنَظَرَ اِلٰى اَبِيْهِ فَلَمْ يُكَلِّمْهُ اَبُوْهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْهَدْ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَنَظَرَ اِلٰى اَبِيْهِ فَقَالَ اَبُوْهُ اِشْهَدْ لَهٗ فَقَالَ الْفَتٰى اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْقَذَنِيْ نَسَمَةً مِّنَ النَّارِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ لِاَصْحَابِهٖ اِنْهَضُوْا بِنَا نَعُوْدُ جَارَنَا الْيَهُوْدِيَّ قَالَ فَوَجَدَهٗ فِي الْمَوْتِ فَقَالَ اَتَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ فَنَظَرَ الرَّجُلُ اِلٰى اَبِيْهِ قَالَ فَاَعَادَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَصَفَ الْحَدِيْثَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ اِلٰى اٰخِرِهٖ عَلٰى هٰذِهِ الْهَيْاَةِ اِلٰى قَوْلِهٖ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْقَذَنِيْ نَسَمَةً مِّنَ النَّارِ.

بخاری(۱۳۵۶-۵۶۵۷)ابوداؤد(۳۰۹۵)

میں پایا' سو آپ نے اس سے اس کا حال پوچھا' پھر فرمایا کہ تو اس بات کی گواہی دے دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ یہ بات سن کر اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا لیکن اس کے باپ نے اس سے کوئی بات نہ کی (اور خاموش رہا) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دوبارہ فرمایا کہ تو اس بات کی گواہی دے دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ یہودی نے دوبارہ اپنے باپ کی طرف دیکھا تو اس کے باپ نے کہا کہ تو کلمہ شہادت پڑھ لے' چنانچہ اس جوان نے کہا: ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے جس نے میری وجہ سے ایک آدمی کو دوزخ کی آگ سے بچالیا' اور دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ ایک دن آپ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا: تم اٹھو ہمارے ساتھ چلو ہم اپنے پڑوسی یہودی کی بیمار پرسی کریں۔ حضرت بریدہ بن حصیب نے کہا کہ جب آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس کے پاس پہنچے تو آپ نے اس کو حالت نزع میں پایا اور فرمایا: کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں؟ اس آدمی نے اپنے باپ کی طرف دیکھا' راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد کو دوبارہ دہرایا اور آپ نے اسی طرح تین مرتبہ اپنا ارشاد دہرایا یہاں تک کہ اس نے کہا: ''اشهد انك رسول اللّٰه'' میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ اس نے میرے سبب ایک انسان کو دوزخی آگ سے بچالیا۔

حل لغات

''جُلُوْسٌ''، ''جَالِسٌ'' کی جمع مکسر ہے' اس کا معنی ہے: بیٹھنے والے۔ ''اِنْهَضُوْا'' یہ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف ہے۔ اس کا معنی ہے: اٹھنا' کھڑا ہونا۔ ''نَعُوْدُ'' صیغہ جمع متکلم فعل مضارع معروف ہے' اس کا معنی ہے: عیادت کرنا اور بیمار پرسی کرنا۔ ''جَارٌ'' بمعنی پڑوسی ہے۔ ''اَشْهَدُ'' پہلے تین صیغے فعل امر حاضر معروف واحد مذکر حاضر کے ہیں اور چوتھا صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف

ہے'ان کا معنی ہے: گواہی دینا۔ یہ باب سمع یسمع سے ہے۔ ''اَنْقَذَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افعال ہے'اس کا معنی ہے: نجات دینا' بچانا اور چھوڑانا۔ ''نَسَمَةً'' اس کا معنی ہے: روح' جان' نفس۔ ''اَعَادَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افعال ہے'اس کا معنی ہے: دوبارہ دہرانا' لوٹانا اور کسی بات کا تکرار کرنا۔ ''الهياة'' حالت۔

پڑوسی کے حقوق

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بزار' ابوشیخ اور امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے:

پڑوسی تین قسم کے ہیں: ایک وہ پڑوسی جس کا صرف ایک حق ہے اور دوسرا وہ پڑوسی جس کے دو حقوق ہیں اور تیسرا وہ پڑوسی جس کے تین حقوق ہیں۔ (۱) کافر پڑوسی جس کا صرف ایک حق ہے اور وہ ہے اس کے پڑوسی ہونے کا حق (۲) مسلمان پڑوسی جس کے دو حقوق ہیں' ایک حق اسلام اور دوسرا پڑوسی ہونے کا حق (۳) قرابت دار مسلمان پڑوسی جس کے تین حقوق ہیں' ایک حق اسلام اور دوسرا صلہ رحمی کا حق اور تیسرا پڑوسی ہونے کا حق۔ [شرح مسند امام اعظم ص۳۳۶-۳۳۵ مطبوعہ بیروت]

اسلامی معاشرہ میں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے حسن سلوک کرے اور پڑوسیوں کا احترام کرے۔ ان پر احسان واکرام کرے اور کسی پڑوسی کو اذیت وتکلیف نہ دے اور نہ ہی اس کو گالی گلوچ دے اور نہ اسے برا کہے اور نہ اس کی بے عزتی و بے ادبی کرے کیونکہ سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کسی شخص کی اصلاح اور نیکیوں کی تلقین کے دوران اور اس کے رشتہ داروں سے بھلائی کی تاکید کے وقت اپنے اردگرد کے پڑوسیوں سے حسن سلوک کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے اور اگر کسی شخص کے متعلق دریافت کرنا ہو تو اس کے پڑوسیوں سے دریافت کر لیا جائے' اگر وہ اس کی اچھی اور بہتر تعریف وثناء کریں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص اہل خیر میں سے ہے اور اس کا تعلق اور رشتہ ان لوگوں سے ہے جو سنتوں کی اقتداء اور پیروی کرتے ہیں اور حسن خلق کو مضبوطی سے تھامنے والے ہیں لیکن ایسے شخص میں کوئی بھلائی اور خیر نہیں ہے جس کو اس کے پڑوسی ناپسند اور مکروہ خیال کرتے ہوں۔

(۱) حضرت محمد بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ایک طویل مرفوع حدیث بیان کی ہے جس میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهٗ. [کنز العمال رقم الحدیث:۲۵۶۰۲' ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان]

جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کی عزت واحترام کرے۔

(۲) حضرت بھز بن حکیم اپنے والد حکیم کی وساطت سے اپنے دادا سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے پڑوسی کا مجھ پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر وہ بیمار ہو جائے تو تو اس کی بیمار پرسی کر اور اگر وہ فوت ہو جائے تو تو اس کے جنازہ کے پیچھے جا اور اگر وہ تجھ سے قرض مانگے تو تو اس کو قرض دے اور اگر وہ برہنہ ہو تو اس کی ستر پوشی کر اور اگر اسے کوئی خیر وبھلائی پہنچے تو تو اس کو مبارک دے اور اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس کی تعزیت کر اور تو اس کی عمارت سے زیادہ بلند اپنی عمارت نہ بنا جس کی وجہ سے اس کی طرف ہوا جانے سے رک جائے اور تو اپنی ہنڈیا کی خوشبو سے اس کو اذیت وتکلیف نہ پہنچا مگر یہ کہ تو اپنے سالن میں سے کچھ اسے بھی دے دے۔

[کنز العمال:۲۵۶۰۳ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان شریف]

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ فلاں عورت رات بھر عبادت کرتی ہے اور دن بھر روزے

رکھتی ہے اور نیک کام بہت کرتی ہے اور وہ صدقہ خیرات بھی خوب کرتی ہے لیکن وہ اپنی زبان درازی کے سبب اپنے پڑوسیوں کو اذیت وتکلیف پہنچاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ وہ دوزخیوں میں سے ہے' پھر عرض کیا گیا: فلاں عورت صرف پنجگانہ فرض نمازیں ادا کرتی ہے اور تھوڑا بہت صدقہ خیرات بھی کرتی ہے لیکن وہ کسی کو تکلیف نہیں دیتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ عورت اہل جنت میں سے ہے۔

[کنز العمال ج۹' رقم الحدیث:۲۵۶۱۰ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان]

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (حضرت) جبرائیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے حق میں مسلسل وصیت وتلقین کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ اسے وارث قرار دے دیں گے اور جبریل علیہ السلام غلام کے حق میں بھی مسلسل مجھے وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کر لیا کہ اس کے لیے کوئی مدت یا وقت مقرر کر دیں گے' جب وہ غلام اس مدت یا وقت کو پہنچے گا تو ہر حال میں آزاد کر دیا جائے گا۔ [کنز العمال:۲۴۸۷۴]

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے پڑوسی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

[کنز العمال:۲۴۸۸۱]

عیادت مریض کی اہمیت وفضیلت

کسی بیمار آدمی کے پاس جا کر اس کا حال اور طبیعت کی کیفیت دریافت کرنا عیادت مریض کہلاتا ہے اور یہ بڑا اہم اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے' اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جب کوئی رشتہ دار' عزیز یا دوست یا کوئی ہمسایہ یا کوئی اور تعلق دار بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت و بیمار پرسی کرے' نیز یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے کیونکہ جب کوئی صحابی بیمار ہو جاتا تو آپ اس کی عیادت کرنے کے لیے تشریف لے جاتے اور اس کے لیے دعائیہ کلمات استعمال فرماتے اور اس کو شفایاب ہونے کی تسلی دیتے۔ بعض اوقات آپ نہ صرف مسلمان کی بلکہ کسی دوسرے غیر مسلم کی بھی عیادت فرماتے جیسا کہ حضرت بریدہ بن حصیب کی اس حدیث مبارکہ میں ہے کہ آپ ایک یہودی پڑوسی کی بیمار پرسی کے لیے اس کے پاس تشریف لے گئے۔ مریض کی عیادت کی اہمیت کے پیش نظر یہاں چند احادیث مبارکہ بیان کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی مریض کی عیادت کے لیے اس کے پاس پہنچو تو اس کے لیے درازی عمر کی دعا کرو اور اسے تسلی دو کیونکہ یہ دعا کسی چیز کو ٹال تو نہیں سکتی لیکن یہ مریض کے دل کو خوش کرے گی۔ [کنز العمال: رقم الحدیث:۲۵۱۱۹' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان]

(۲) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مسلمان صبح کے وقت کسی مریض کی عیادت و بیمار پرسی کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے صبح سے شام تک سارا دن اس کے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور جب کوئی مسلمان شام کے وقت کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام سے لے کر صبح ہونے تک ساری رات اس کے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں ایک باغ مقرر کیا جاتا ہے۔

[کنز العمال: رقم الحدیث:۲۵۱۲۴ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان]

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے خوب اچھی طرح وضو کیا اور حصول ثواب کی

نیت سے اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کی تو اس سے دوزخ کو ستر سال پیدل مسافت کے برابر دور کر دیا جائے گا۔

[کنز العمال رقم الحدیث:۲۵۱۲۶]

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا میں کسی مسلمان بھائی سے ملاقات کرتا ہے یا کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو (ایک فرشتہ) پکارنے والا اسے پکار کر کہتا ہے کہ تجھے بشارت ہو اور تیرا چلنا اچھا اور مبارک رہا اور تو نے اپنے لیے جنت میں بہت بڑا مکان بنالیا ہے۔[کنز العمال رقم الحدیث:۲۵۱۲۹]

(۵) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی آدمی کسی بیمار کی بیمار پرسی کرے تو اسے چاہیے کہ وہ یہ کہے "اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ فُلَانًا يَنْكَأُ لَكَ عَدُوًّا اَوْ يَمْشِيْ اِلَى الصَّلٰوةِ" اے اللہ! اپنے اس بندے کو شفا عطا فرما کہ یہ تیری خوشنودی کے لیے دشمن کو سزا دے یا یہ نماز پڑھنے چلا جائے۔[کنز العمال رقم الحدیث:۲۵۱۳۰]

(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی مریض کی عیادت و بیمار پرسی کرنے کے لیے اس کے پاس جاؤ تو اس سے کہو کہ وہ تمہارے لیے دعا کرے کیونکہ اس کی دعا (خالص اور مقبول ہونے میں) فرشتوں کی دعا کی طرح ہوتی ہے۔[کنز العمال ج۹ رقم الحدیث:۲۵۱۳۱]

(۷) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیمار کی عیادت کرنے والا جنت کے باغ کی سیر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ واپس لوٹ آئے۔[کنز العمال:۲۵۱۳۵]

(۸) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیمار کی عیادت کیا کرو اور جنازہ کے ساتھ جایا کرو تمہیں آخرت یاد رہے گی۔[کنز العمال:۲۵۱۳۸]

(۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو وہ یقیناً رحمت میں غوطے لگاتا ہے پھر جب وہ بیمار کے پاس کے بیٹھتا ہے تو اسے رحمت گھیر لیتی ہے[کنز العمال:۲۵۱۴۰]

(۱۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیماروں کی عیادت کیا کرو اور انہیں حکم دیا کرو کہ وہ تمہارے لیے دعا کریں کیونکہ بیمار کی دعا مستجاب (یعنی مقبول) ہوتی ہے اور اس کے گناہ مغفور (یعنی بخش دیئے گئے) ہوتے ہیں۔

[کنز العمال رقم الحدیث:۲۵۱۴۲]

۲- بَابُ التَّوَقُّفِ فِيْ ذِرَارِي الْمُشْرِكِيْنَ

مشرکین کی اولاد کے بارے میں توقف اختیار کرنے کا بیان

۶- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ وَيُنَصِّرَانِهٖ قِيْلَ فَمَنْ مَّاتَ صَغِيْرًا يَّارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر پیدا ہونے والا بچہ اصل میں دینِ حق پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی (یا مجوسی) بنا لیتے ہیں۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! جو بچہ بچپن میں فوت ہو جائے (تو اس کا کیا حکم ہے) آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں کیا کرنے والے تھے۔

بخاری(۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۸۵-٤٧٧٥-٦٥٩٩)مسلم(٦٧٥٥)ابوداؤد(٤٧١٤)ترمذی(۲۱۳۸)الطیالسی(۲۳۵۹)

حل لغات

"مَوْلُوْدٌ" صیغہ واحد مذکر اسم مفعول باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اور "يُوْلَدُ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول اسی باب سے ہے ان کا معنی ہے: پیدا ہونا۔ "اَلْفِطْرَةُ" طبعی حالت دین سنت طریقہ پیدائش اور وہ اصلی وصف جس کے ساتھ ہر موجود ہونے والا انس وجن اپنی ابتدائے پیدائش میں متصف ہوتا ہے۔ "يُهَوِّدَانِهٖ" صیغہ تثنیہ مذکر غائب فعل مضارع معروف باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کو یہودی بنانا خوشی میں ڈالنا لہو ولعب میں مشغول کرنا آہستہ آہستہ چلنا "يُنَصِّرَانِهٖ" صیغہ تثنیہ مذکر غائب فعل مضارع معروف باب تفعیل سے ہے۔ اس کا معنی ہے: کسی کو نصرانی بنانا۔

فطرۃ کی تحقیق

فطرت کا لغوی معنی ہے: پھاڑنا ایجاد کرنا اور وہ صفت کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ اپنی ابتدائی پیدائش میں اس کے ساتھ متصف ہوتا ہے اور یہاں اس کی اصلی اور پیدائشی حالت مراد ہے یعنی (۱) فطری ایمان مراد ہے کہ جب عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے نکال کر فکر صحیح اور عقل سلیم عطا فرما کر دریافت فرمایا تھا: "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو تمام بنی آدم نے "بَلٰى" کہہ کر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا اور اس پر ایمان لے آئے تھے اور اسی ایمان پر ہر پیدا ہونے والا بچہ پیدا ہوتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ "فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا" [الروم:۳۰] سے یہی مراد ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم تمام باطل ادیان سے الگ رہ کر صرف اپنے اس قدیم ایمان پر ثابت قدم رہو جو یوم الست کے موقع پر عالم ارواح میں تم سے صادر ہوا تھا اور سنن ترمذی وغیرہ کی روایت بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس میں الفطرۃ کی بجائے الملۃ ہے اور ان دونوں کا مصداق ایک ہے (یعنی پیدائشی دین وایمان) چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ○" [الانعام:۱۶۱] ٹھیک اور درست دین ابراہیم کی ملت ہے جو تمام باطل ادیان سے جدا تھے اور مشرکوں میں سے نہیں تھے ○ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ملت دین سے زیادہ خاص ہے اور اسی لیے یہ کہا گیا ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین ایک ہے اور وہ دین اسلام اور توحید ہے اور ان کی ملتیں مختلف تھیں کیونکہ شریعتیں الگ الگ تھیں اور اسی معنی میں یہ حدیث قدسی ہے کہ "خَلَقْتُ عِبَادِيْ حُنَفَآءَ كُلَّهُمْ" میں نے اپنے تمام بندوں کو توحید پر پیدا فرمایا ہے پھر شیاطین ان کے پاس آئے اور انہوں نے ان کو توحید کے دین سے ہٹا کر گمراہ کر دیا۔

(۲) فطرت سے مراد یہ ہے کہ اصلی اور پیدائشی حالت میں ہر انسان کو رشد وہدایت اور دین حق قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت پر پیدا کیا جاتا ہے چنانچہ اگر اس کو اصلی تخلیقی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور اسے کفر وشرک کی طرف راغب نہ کیا جائے اور وہ مشرکانہ ماحول سے دور رہے تو وہ بالغ ہو کر بھی رشد وہدایت اور دین اسلام پر قائم رہے گا اور بغیر کسی دباؤ کے اس کو چھوڑ کر کسی باطل دین کو ہرگز اختیار نہیں کرے گا۔

اور اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى"۔[البقرۃ:۱۶] یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خرید لیا۔

اس آیت مبارکہ میں ہدایت کو راس المال (اصل سرمایہ) قرار دیا گیا جو ان کو فطری طور پر حاصل تھی پھر انہوں نے دنیا میں رہ کر اور کفر وشرک کے ماحول میں آلودہ ہو کر ہدایت کو فروخت کر کے اس کے بدلے میں گمراہی کو خرید لیا جو ان سے بہت دور تھی اور یہ بھی یاد رہے کہ دنیا میں اسلامی احکام کے اجرا اور نفاذ کے لیے فطری ایمان معتبر نہیں بلکہ دنیا میں از سرِ نو شرعی ایمان لانا معتبر ہے جو

قصد وارادہ کے ساتھ دین اسلام قبول کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

[مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج۱'ص ۱۶۲-۱۶۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ'ملتان]

چونکہ ہر بچہ فطری طور پر اقرار ربوبیت کی وجہ سے فطری ایمان اور توحید وعرفان' نیز قبول ہدایت کی استعداد وصلاحیت پر پیدا ہوتا ہے اس لیے ہر انسان اقرار کرتا ہے کہ تمام مخلوقات ومصنوعات کا خالق وصانع صرف اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ وہ غیر اللہ کو الٰہ قرار دیتا ہو۔

جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ[العنکبوت:۶۱]

اور اگر آپ ان (مشرکین) سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کس نے کام میں لگا رکھا ہے تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ تعالیٰ نے۔

اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے موافق ہے کہ ہر مکلّف (عاقل وبالغ) پر واجب ہے کہ وہ محض اپنی عقل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت وپہچان حاصل کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کی تصدیق کرے خواہ اسے دعوت اسلام نہ پہنچی ہو اور وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت سے واقف نہ ہو۔

[۵ماخوذ از شرح مسند امام اعظم ص ۲۲۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ'بیروت' تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۸ مکتبہ رحمانیہ'لاہور]

کفار کی نابالغ اولاد کے انجام کی بحث

اس حدیث مبارکہ کے دوسرے حصہ میں صحابہ کرام کے عرض کرنے پر کہ کفار کے جو بچے بلوغت سے پہلے بچپن میں فوت ہو جاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ بہتر جانتا ہے کہ وہ (بالغ ہو کر) آئندہ زندگی میں کیا کرنے والے تھے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذِرَارِي الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مشرکین کی نابالغ اولاد کا کیا حکم ہے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ بہتر جانتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں کیا کرنے والے تھے۔

[مشکوٰۃ المصابیح باب الایمان بالقدر' ص ۲۱' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

دراصل اس مسئلہ میں مختلف روایات وارد ہیں اس لیے اس کے متعلق علمائے اسلام کے اقوال بھی مختلف ہیں جن کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) وہ اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر ان کے ساتھ دوزخ میں رہیں گے جیسا کہ وہ دنیا میں احکام کفر میں اپنے ماں باپ کے تابع تھے۔

(۲) وہ جنتی ہیں کیونکہ ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

(۳) وہ اہل جنت کے خدام بن کر ان کے ساتھ جنت میں رہیں گے۔

(۴) وہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایسی جگہ میں رہیں گے جہاں وہ نہ تو انعامات پائیں گے اور نہ وہ عذاب جھیلیں گے۔

ملا علی قاری نے اس قول کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ جنت اور دوزخ کی دو منزلوں کے علاوہ کوئی تیسری منزل کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے اور رہا اہل اعراف کا معاملہ تو ان کا انجام آخر کار جنت ہے۔

(۵) کفار کے جن بچوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو ایمان لاتے اور ایمان پر ہی مرتے تو ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا اور جن بچوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو وہ کفر اختیار کرتے اور کفر پر ہی مرتے تو ان کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالے گا۔

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی نے اس قول کو رد کر دیا ہے اور فرمایا ہے کہ کفار کے جو بچے بچپن میں فوت ہو جاتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو قطعی اور یقینی علم ہوتا ہے کہ وہ بچپن میں فوت ہو گئے تو پھر ان کا حد بلوغت تک زندہ رہنا اور ایمان یا کفر اختیار کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور اس کو فرض کرنے کا کیا فائدہ' نیز دین وشریعت کے اصول کے مطابق اللہ تعالیٰ گنہگاروں کے گناہوں پر اس لیے مؤاخذہ کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں طویل و دراز عمر دی جس میں انہوں نے گناہ کیے جبکہ یہ اصول کفار کے بچوں میں مفقود ہے۔

(۶) توقف اختیار کرنا یعنی کفار کے بچوں کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا جیسا کہ مسند امام اعظم کی اور مشکوٰۃ شریف کی مذکورہ بالا حدیثوں میں توقف بیان کیا گیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ان کے انجام کے بارے میں کوئی قطعی اور یقینی حدیث وارد نہیں ہوئی اور امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مؤقف ہے اور اہل سنت کی اکثریت اسی پر قائم ہے۔ [مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج۱' ص ۱۶۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۷ ۲۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' اشعۃ اللمعات ج۱' ص ۹۸ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر' تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۹' حاشیہ ۷]

۳- بَابُ اَصْلُ الْاِسْلَامِ الشَّهَادَةُ

اسلام کی بنیاد توحید ورسالت کی گواہی ہے

۷- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ اقرار کرتے ہوئے یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) پھر جب وہ کلمہ کہہ لیں گے تو وہ اپنی جانیں اور اپنے اموال مجھ سے محفوظ کر لیں گے ماسوا اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ تبارک تعالیٰ پر ہے۔

بخاری(۲۵-۱۳۳۵-۲۷۸۶)مسلم(۳۲-۳۸)ابوداؤد(۱۵۵۶--۲٦٤٠)نسائی(۲٦٠٦-۲٦٠٧-۳۳٤۱)ابن ماجہ(۲۹۲۷)
نسائی(۵۰٦)عبدالرزاق(٦۹۱٦-۱۰۰۲۰-۱۸۷۱۸)

حل لغات

''اُمِرْتُ'' صیغہ واحد متکلم فعل ماضی مجہول باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: حکم دینا۔ ''اُقَاتِلُ'' صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی کے ساتھ باہم قتال کرنا' جنگ کرنا اور لڑائی کرنا۔ ''عَصَمُوْا'' صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: محفوظ رکھنا' بچانا۔ ''اَلنَّاسُ'' کا معنی ہے: لوگ' انسان لیکن یہاں صرف کفار مراد ہیں۔

اسلام قبول کرنے کا فائدہ

اس حدیث مبارکہ میں اگرچہ صرف کلمۂ توحید ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے اقرار کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اس سے پورا کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' مراد ہے کیونکہ صرف توحید کی گواہی سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک توحید کے ساتھ رسالت کی گواہی نہ دے' چنانچہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں اور امام مسلم نے صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی روایت نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. [شرح مسند امام اعظم ص ۱۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' تنسیق النظام فی مسند الامام ص ۹' حاشیہ ۹' ۸]

یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے (آخری) رسول ہیں۔

اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کافر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے تو پھر اس کی جان اور مال سے تعرض نہیں کیا جائے گا کیونکہ اسلام قبول کر لینے کے بعد اس کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو گئی اور اس کے علاوہ دوسری صورت یہ بھی ہے کہ اگر کوئی کافر مسلمان تو نہ ہو لیکن اسلامی حکومت سے صلح کر کے اس کا اطاعت گزار ہو جائے اور اسلامی ملک کی شہریت حاصل کر کے جزیہ قبول کر لے (جزیہ وہ ٹیکس ہے جو غیر مسلم کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے عوض اس سے لیا جاتا ہے) تو پھر بھی اس سے جنگ و قتال نہیں کیا جائے گا بلکہ اس صورت میں اگر اسے کوئی قتل کر دے گا تو اس کے قاتل سے قصاص (خون بہا) لیا جائے گا قاتل خواہ مسلمان ہو یا کافر ہو۔ [ماخوذ از تنسیق النظام فی مسند الامام حاشیہ ۹' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

اور ''اِلَّا بِحَقِّهَا'' کا مطلب ہے کہ حق اسلام اور حکم شریعت کی خلاف ورزی کی صورت میں سزا ملے گی' اگر کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو یا کسی کے ناحق اعضاء کاٹ دیئے ہوں تو اس سے قصاص لیا جائے گا یا زنا کیا تو شادی شدہ ہونے کی صورت میں سنگسار کر کے قتل کیا جائے گا یا کسی کا مال چوری کر لیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور چوری شدہ مال واپس لیا جائے گا وغیرہ وغیرہ اور ''حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کافر زبان سے اقرار کر کے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے اور وہ ریاکاری کر کے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے مگر دل میں نفاق اور کفر کو چھپائے رکھتا ہے تو ہم اس کے ظاہری اور زبانی اقرار اسلام کی وجہ سے اسے مسلمان قرار دیں گے اور ہم اس سے جنگ و قتال نہیں کریں گے اور اس کی قلبی اور باطنی حالت کی تفتیش نہیں کریں گے بلکہ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں گے' وہی اس کی ریاکاری اور منافقت اختیار کرنے پر اس سے مواخذہ فرمائے گا' چنانچہ علامہ شیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ ملحد و زندیق اور منافق کی توبہ قبول کرنے پر یہ حدیث مبارکہ دلیل ہے' لہٰذا اگر کوئی ملحد و زندیق یا منافق ہمارے پاس آ جائے اور بہ ظاہر توبہ کر لے تو ہم اس کی توبہ قبول کر لیں گے اور اس کے دل اور باطن کے حال کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیں گے۔

[اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱' ص ۵۰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

٤- بَابُ لَا يُكَفَّرُ مُرْتَكِبُ الْكَبِيْرَةِ

گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا

٨- اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ قَالَ قُلْتُ لِجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَا كُنْتُمْ تَعُدُّوْنَ الذُّنُوْبَ شِرْكًا قَالَ لَا قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ فِىْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ ذَنْبٌ يَبْلُغُ الْكُفْرَ قَالَ لَا اِلَّا الشِّرْكُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى. مسند الحارثی (۳۵)

حضرت ابوزبیر انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے کہا کہ کیا تم (کبیرہ) گناہوں کو شرک شمار کرتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ ہم کسی گناہ کو شرک و کفر شمار نہیں کرتے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اس امت میں کوئی ایسا گناہ ہے جو کفر تک پہنچتا ہو؟ آپ نے فرمایا: نہیں! ماسوا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے۔

حل لغات

''مَا كُنْتُمْ تَعُدُّوْنَ'' میں حرف ''مَا'' استفہامیہ ہے بہ معنی ''اَیُّ شَیْءٍ'' یعنی کیا تم قتل' چوری اور شراب نوشی وغیرہم کو شرک شمار کرتے ہو؟ یا یہ ''ما'' نافیہ ہے اور اس سے پہلے حرف استفہام مقدر ہے کیونکہ جواب سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ ''كُنْتُمْ تَعُدُّوْنَ'' فعل ماضی استمراری ہے جس میں ''كُنْتُمْ'' صیغہ جمع مذکر حاضر فعل ماضی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے بہ معنی ہونا اور ''تَعُدُّوْنَ'' صیغہ جمع مذکر مخاطب فعل مضارع معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: شمار کرنا' گنتی کرنا' ''اَلذُّنُوْبُ'' ذنب کی جمع ہے' اس کا معنی گناہ ہے۔ ''يَبْلُغُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: پہنچنا۔ ''اَلْكُفْرُ'' بہ معنی چھپانا اور انکار کرنا۔ ''اَلشِّرْكُ'' بہ معنی ملانا یعنی کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذات' صفات اور احکام و افعال میں مساوی اور برابر قرار دینا یا اس کے لیے بیوی یا بیٹا وغیرہ ثابت کرنا۔

نافرمان کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ

اہل سنت کے نزدیک مسلمان کسی گناہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوتا سوائے شرک کے البتہ مسلمان گناہ کے ارتکاب سے فاسق و فاجر اور نافرمان ہو جاتا ہے اور گناہ کبیرہ (بڑا گناہ جیسے قتل و غارت' شراب نوشی' چوری و ڈاکہ' زناکاری' والدین کی نافرمانی' سود خوری' رشوت خوری اور نماز' روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ ترک کرنا) کا مرتکب اللہ تعالیٰ کے عفو و درگزر' اس کی مغفرت و بخشش اور اس کے فضل و کرم سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے یا پھر جرم و گناہ کے مطابق عذاب میں مبتلا رہنے کے بعد آخر کار جنت میں داخل ہوگا اور ایک فرقہ کا نام ہے معتزلہ جو یہ کہتا ہے کہ مسلمان گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے مسلمان نہیں رہتا اور نہ ہی کافر ہوتا ہے بلکہ فاسق و فاجر ہو جاتا ہے اور دائمی عذاب دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے کیونکہ اس فرقہ کے نزدیک اعمال ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں حالانکہ حدیث شریف میں صرف توحید و رسالت کی گواہی دینے کو ایمان کی حقیقت قرار دیا گیا ہے اور ایک فرقہ کا نام خوارج ہے جو یہ کہتا ہے کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کفر ہے اور اس کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے اور دائمی عذاب دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے لیکن اس حدیث مبارکہ سے اہل سنت کا عقیدہ سچا ثابت ہو گیا ہے کہ ماسوا شرک کے باقی کوئی گناہ کفر نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام ماسوا شرک کے کسی گناہ کو کفر شمار نہیں کرتے تھے اور نہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوائے شرک کے کسی گناہ کو کفر قرار دیا ہے بلکہ آپ نے نفی فرما دی ہے' لہٰذا معتزلہ کا یہ کہنا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان نہیں رہتا غلط ثابت ہو گیا اور اسی طرح خوارج کا یہ کہنا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کفر ہے اور اس کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے یہ بھی غلط ثابت ہو گیا' بہرحال اس حدیث مبارکہ سے ان دونوں فرقوں کی تردید ہو گئی اور اہل سنت کا عقیدہ سچا ثابت ہو گیا۔ فالحمدللّٰه علٰى ذٰلك. [اشعۃ اللمعات ج ۱' ص ۵۹ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

اس وضاحت کے بعد اب اہل سنت کے مؤقف کے ثبوت میں چند آیات اور چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

(۱) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ [سورۃ النساء: آیت ۴۸] بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک و کفر کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ جو کفر پر مر جائے اس کی بخشش نہیں اس کے لیے ہمیشگی کا عذاب ہے اور جس نے کفر نہ کیا ہو وہ خواہ کتنا ہی گنہگار مرتکب کبائر ہو اور بے توبہ بھی مر جائے تو اس کے لیے خلود و دوام نہیں ہے' اس کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے چاہے

معاف فرمائے یا اس کے گناہوں پر عذاب کرے پھر اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے۔

[خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص ۱۵۵ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور]

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوگیا کہ شرک وکفر کے علاوہ سب گناہ خواہ کبائر (بڑے) ہوں یا صغائر (چھوٹے) ہوں قابل مغفرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف فرما دے اس سے خوارج اور معتزلہ کا رد ہوگیا کیونکہ اگر کوئی مسلمان کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہوکر دائمی عذاب کا مستحق ہو جاتا تو پھر اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ تمام گناہوں کی مغفرت کا ذکر نہ کرتا۔

(۲) وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ؕ [الحجرات:۹] اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو تم ان دونوں میں صلح کرادو۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ گناہ کفر نہیں کیونکہ جنگ وجدال گناہ ہے مگر اس کے باوجود دونوں فریقوں کو مومن فرمایا گیا ہے اس سے خوارج ومعتزلہ کی تردید ہوگئی کہ مسلمان گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

(۳) قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ O [الزمر:۵۳] (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے O

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کفر وشرک کے علاوہ تمام گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی لہٰذا اگر کسی گناہ کی وجہ سے دائمی عذاب ملتا جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کی مغفرت کا اعلان نہ کرتا۔

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان کی بنیاد تین چیزیں ہیں: (۱) جو شخص کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے اس سے اپنی زبان روکنا اور کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر نہ کہنا اور کسی برے عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج نہ جاننا (۲) اور جہاد کرنا جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے تب سے جہاد جاری وساری ہے اور اس امت کی آخری جماعت تک جاری رہے گا جو دجال کے ساتھ جہاد کرے گی اس جہاد کو کسی ظالم کا ظلم نہیں مٹا سکے گا اور نہ عادل کا عدل (۳) اور تقدیر پر ایمان رکھنا۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۔۱۷ مطبوعہ اصح المطابع دہلی]

اس حدیث سے خوارج کی تردید ہوگئی ہے جو کہتے ہیں کہ آدمی گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر ہو جاتا ہے حالانکہ اس حدیث میں کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنے سے منع کیا گیا ہے اور اسی طرح معتزلہ کی بھی تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے نہ مسلمان رہتا ہے اور نہ کافر حالانکہ اس حدیث میں کسی عمل کی وجہ سے مسلمان کو اسلام سے خارج کرنے سے روکا گیا ہے۔

(۵) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ سفید لباس پہن کر سو رہے تھے۔ کچھ دیر بعد پھر میں آپ کے پاس آیا تو آپ جاگ چکے تھے سو آپ نے فرمایا: جو شخص کلمہ پڑھ کر اس پر قائم رہے یہاں تک کہ پھر اسی پر فوت ہو جائے تو وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ میں نے کہا: وہ اگرچہ زنا اور چوری کرے۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے۔ میں نے کہا: اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے۔ میں نے کہا: اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے ابوذر کی ناک رگڑتے ہوئے اور حضرت

ابوذر جب بھی یہ حدیث بیان کرتے تو کہتے کہ اگرچہ ابوذر کی ناک رگڑ جائے۔ (متفق علیہ)

[مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴ مطبوعہ اصح المطابع دہلی]

اس حدیث مبارکہ سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوگیا کہ مسلمان بڑے سے بڑے گناہ کے ارتکاب کے باوجود کافر نہیں ہو جاتا اور نہ اسلام سے خارج ہوتا ہے جیسا کہ خوارج اور معتزلہ نے کہا۔

(۶) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے ہیں: جو شخص یہ گواہی دے دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور بے شک (حضرت) محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔ رواہ مسلم [مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵ مطبوعہ اصح المطابع دہلی]

اس حدیث مبارکہ سے بھی روز روشن کی طرح ثابت ہو رہا ہے کہ کوئی شخص کسی کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر ہو کر دائمی عذاب کا سزاوار نہیں ہو جاتا جیسا کہ خوارج کا قول ہے اور اسی طرح نہ کوئی کسی کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہو کر کافر ہوتا ہے اور نہ وہ مسلمان رہتا ہے بلکہ وہ فاسق ہو کر دائمی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے جیسا کہ معتزلہ کا قول ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف شہادتین کی گواہی دینے والے شخص پر دوزخ کی آگ حرام ہونے کی خبر نہ سناتے۔

۵- بَابُ مُرْتَكِبُ الْكَبِيْرَةِ لَا يَخْرُجُ مِنَ الْاِيْمَانِ

گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج نہیں ہوتا

۹- اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ ابْنِ اَبِي الْمُخَارِقِ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى ابْنِ عُمَرَ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَرَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَكْسِرُوْنَ اَغْلَاقَنَا وَيَنْقُبُوْنَ بُيُوْتَنَا وَ يُغِيْرُوْنَ عَلٰى اَمْتِعَتِنَا اَكَفَرُوْا قَالَ لَا قَالَ اَرَاَيْتَ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَتَاَوَّلُوْنَ عَلَيْنَا وَيَسْفِكُوْنَ دِمَاءَنَا اَكَفَرُوْا قَالَ لَا حَتّٰى يَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ شَيْئًا قَالَ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلٰى اِصْبَعِ ابْنِ عُمَرَ وَهُوَ يُحَرِّكُهَا وَيَقُوْلُ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ رَوَاهُ جَمَاعَةٌ فَرَفَعُوْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. بخاری (٤٦٥٨)

حضرت طاؤس بن کیسان الخولانی الہمدانی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ایک آدمی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور آپ سے سوال کیا کہ اے ابوعبدالرحمان! یہ بتائیں جو لوگ ہمارے تالے توڑ دیتے ہیں اور ہمارے گھروں میں نقب لگاتے ہیں اور ہمارا مال و اسباب اور سامان لوٹ لیتے ہیں کیا وہ کافر ہو گئے؟ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ اس نے کہا اچھا یہ بتائیں کہ جو لوگ تاویلیں کرتے ہیں اور ہمارا خون بہاتے ہیں کیا وہ کافر ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا لیں۔ حضرت طاؤس نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت ابن عمر اپنی انگلی کو حرکت دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی یہی سنت ہے اور اس حدیث مبارکہ کو ایک بہت بڑی جماعت نے رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

حل لغات

"يَكْسِرُوْنَ" صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: توڑنا۔ "اَغْلَاقٌ" غلق کی جمع ہے اس کا معنی ہے: تالا۔ "يَنْقُبُوْنَ" صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی

ہے: دیوار میں سوراخ کرنا' نقب زنی کرنا' نقب لگانا۔ ''بُیُوْتٌ'' بیت کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: گھر۔ ''یُغِیْرُوْنَ'' صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف باب افعال سے ہے' غارت گری کرنا' لوٹ مار کرنا' تاخت وتاراج کرنا۔ ''اَمْتِعَتِنَا'' میں ''اَمْتِعَۃٌ'' متاع کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: ساز وسامان' مال ومتاع' اسباب گھر۔ ''اَکَفَرُوْا'' میں اَ ہمزہ استفہامیہ ہے اور ''کَفَرُوْا'' صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: انکار کرنا' نہ ماننا' کفر کرنا۔ ''یَتَاَوَّلُوْنَ'' صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے: تاویل کرنا' کلام کی تفسیر کرنا' کسی بات کا مطلب بیان کرنا۔ ''یَسْفِکُوْنَ'' صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: خون بہانا' خون ریزی کرنا۔ ''اِصْبَعٌ'' کا معنی ہے: انگلی' اس کی جمع ''اَصَابِعُ'' ہے۔

کفر وشرک کے علاوہ کسی گناہ کی وجہ سے مسلمان اسلام سے خارج نہیں ہوتا

یہ حدیث مبارکہ گزشتہ حدیث کی توضیح اور تشریح ہے کہ شرک کے علاوہ کسی گناہ کبیرہ (یعنی بڑے گناہ) کی وجہ سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہوتا اور اس حدیث میں بھی چند کبیرہ (یعنی بڑے) گناہوں کا ذکر کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ چوری' نقب زنی' لوٹ مار' قتل و غارت گری اور خون ریزی جیسے کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے کوئی مومن کافر نہیں ہوتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرے' نیز صحاح ستہ اور دیگر سنن کی کتب اس طرح کی احادیث مبارکہ سے بھری پڑی ہیں جن میں سے تین احادیث مبارکہ پچھلی حدیث کی تشریح میں ذکر کر دی گئی ہیں۔ چند مزید احادیث یہ ہیں:

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے' اس پر اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے' سو تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ کو نہ توڑو۔ (بخاری)

(۲) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اردگرد موجود صحابہ کرام کی جماعت سے فرمایا کہ تم اس بات پر مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور نہ تم چوری کرو گے اور نہ زنا کاری کرو گے اور نہ اپنی اولاد کو مار ڈالو گے اور نہ تم اپنے سامنے بہتان تراشی کرو گے اور کسی اچھی بات میں تم میری نافرمانی نہیں کرو گے' سو تم میں سے جو شخص یہ عہد پورا کرے گا اس کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرے اور اس کے بدلے میں اسے دنیا میں سزا دی جائے تو یہ سزا اس کے لیے کفارہ ہے اور جو شخص ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرے' پھر اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اگر وہ چاہے تو معاف کر دے اور اگر وہ چاہے تو سزا دے دے' سو ہم سب نے اس پر آپ سے بیعت کر لی۔ (مسلم وبخاری)

(۳) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بندوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب نہ دے۔

(۴) انہیں سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص سچے دل سے یہ گواہی دے دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔

(مسلم وبخاری)

(۵) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بھی مرفوع حدیث بیان کی کہ جو شخص یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے

لائق نہیں اور بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دے گا۔ (مسلم)

(۶) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً بیان فرمایا: جو شخص یہ جانتا (یعنی مانتا) ہو اور اسی حال پر وہ فوت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) تو وہ جنت میں جائے گا۔ [مسلم]

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: دو چیزیں واجب کرنے والی ہیں۔ کسی آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دو چیزیں کیا واجب کرنے والی ہیں۔ آپ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہوا فوت ہوگا وہ دوزخ میں داخل ہوگا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتا ہوا فوت ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ [مسلم] گویا شرک دوزخ کو واجب کرتا ہے اور توحید جنت کو واجب کرتی ہے۔

(ماخوذ از تنسیق النظام فی مسند الامام حاشیہ ۵' مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵-۱۲ مطبوعہ اصح المطابع' دہلی)

نوٹ: خوارج اور معتزلہ کو ان احادیث مبارکہ سے مغالطہ ہوا جن سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے مومن ایمان سے نکل جاتا ہے اور جب وہ ایمان سے نکل گیا تو مسلمان نہ رہا' لہٰذا ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان ایمان سے خارج ہو کر دوزخ کے دائمی عذاب کا سزاوار ہو جاتا ہے۔

ایمان کے کامل اور ناقص ہونے کی بحث

اعتراضات: (۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب زانی زنا کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا اور جب چور چوری کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا اور جب شرابی شراب پیتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا اور جب ڈاکو ڈاکہ ڈالتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا جبکہ لوگ اپنے مال کو ترستی نگاہیں اٹھا کر حسرت سے دیکھتے رہ جاتے ہیں اور جب خائن خیانت کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا' سو تم ان برائیوں سے بچو ان سے بچو۔ [متفق علیہ]

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ زنا کاری کرتا ہے تو ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے سر پر سائبان کی طرح ہو جاتا ہے' پھر جب بندہ اس عمل سے الگ ہوتا ہے تو ایمان بھی اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔

[ترمذی' ابوداؤد] [ماخوذ از مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸' ۱۷ مطبوعہ اصح المطابع دہلی]

جوابات: (۱) اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس سے ایمان کامل مراد ہے یعنی جب یہ گناہ کرتا ہے تو اس سے کامل ایمان نکل جاتا ہے اس لیے وہ اس حالت میں کامل مومن نہیں رہتا کیونکہ اصل ایمان' نفس ایمان اور حقیقت ایمان اپنی جگہ اسی طرح قائم ودائم رہتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل ایمان صرف توحید ورسالت کی شہادت وتصدیق اور اقرار واعتراف سے حاصل ہوتا ہے اور چونکہ گناہ کے وقت یہ اقرار قائم رہتا ہے اس لیے اصل ایمان بھی قائم رہتا ہے' البتہ نیک اعمال کرنے سے اصل ایمان مزید مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے اور کمال ایمان بڑھ جاتا ہے جبکہ برے اعمال کی وجہ سے ایمان کا کمال نکل جاتا ہے اس لیے ایمان کمزور اور ناقص ہو جاتا ہے' لہٰذا گناہ کے وقت آدمی کامل مومن کی بجائے ناقص مومن ہو جاتا ہے' یہی وجہ ہے کہ فساق و فجار ذاتی اور دنیاوی مفادات کی خاطر ایمان فروخت کر دیتے ہیں کیونکہ ان کا ایمان ناقص وکمزور ہوتا ہے جبکہ نیک آدمی ہر قسم کا نقصان برداشت کر لیتا ہے لیکن ایمان کا سودا نہیں کرتا کیونکہ اس کا ایمان بہت مضبوط ہوتا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا. اور جب ان (مومنین) پر اس (اللہ تعالیٰ) کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے۔ [الانفال:۲]

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت کی برکت سے مومنوں کا ایمان اور زیادہ کامل ہو جاتا ہے۔

هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِىْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ [الفتح:٤]

وہی (اللہ) ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں امن وسکون نازل کیا تاکہ ان کے (اصل) ایمان کے ساتھ (کمال) ایمان زیادہ ہو جائے۔

وَ يَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا .[المدثر:٣١]

اور ایمان والوں کا ایمان زیادہ ہو جائے۔

یعنی اہل ایمان فرشتوں کی تعداد پر بغیر تامل ایمان لائیں جس سے ان کا ایمان اور کامل ہو جائے۔

اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا . [التوبۃ:١٢٤]

(منافقین نے کہا:) اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کر دیا؟ سو جو ایمان دار ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو زیادہ کر دیا۔

یعنی قرآنی سورتوں کے نزول سے ایمان داروں کا ایمان اور زیادہ کامل اور مضبوط ہو جاتا ہے لیکن منافقوں کے خبث ونفاق میں اضافہ ہوتا ہے۔

(٢) اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ

گناہ کے ارتکاب کے وقت مومن کا اصل ایمان خارج نہیں ہوتا بلکہ نور ایمان اس سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ اعتراض میں بیان کردہ دوسری حدیث میں ہے کہ زناکاری کے وقت مومن کا ایمان اس سے نکل کر اس کے سر پر سائبان کی طرح (سایہ فگن) ہو جاتا ہے جیسے خیمہ، شامیانہ یا چھت ہوتی ہے، پس سائبان کے ساتھ ایمان کی تمثیل وتشبیہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مومن اگرچہ گناہ کے سبب ایمان کے حکم اور ایمان کی نورانیت سے خارج ہو جاتا ہے لیکن اب بھی اس حالت بدی میں ایمان کی پناہ اور اس کے سایہ حمایت میں ہوتا ہے اور اس کا ایمان اس کے سر پر سایہ بن کر اس پر قائم ہوتا ہے اور اس کا ایمان مطلقاً اور بالکل اس سے جدا نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے ایمان کا نور اس سے جدا ہو جاتا ہے ورنہ سائبان کی طرح فرمانا بے فائدہ ہوگا۔

[ماخوذ از اشعۃ اللمعات ج ١ ص ٧٨ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر]

(٣) اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں مومن ''ذُوْ اَمْنٍ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ'' کے معنی میں ہے (کیونکہ مومن کا مجرد مادہ امن ہے) یعنی مومن بدکاری اور گناہ کے وقت اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امن والا نہیں رہتا اور نہ اس کے عذاب سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

(٤) یہاں مومن مطیع کے معنی میں ہے کیونکہ عرب میں جب کوئی شخص کسی آدمی کا مطیع اور فرماں بردار ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے: ''آمَنَ لَهٗ'' یعنی فلاں شخص فلاں آدمی کا مطیع اور فرماں بردار ہو گیا ہے۔ سو اب حدیث مبارکہ کا مفہوم ومعنی یہ ہوگا کہ جب زناکار زنا کرتا ہے، شرابی شراب پیتا ہے، چور چوری کرتا ہے یا ڈاکو ڈاکہ وغیرہ ڈالتا ہے تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرماں بردار نہیں رہتا بلکہ نافرمان ہو جاتا ہے۔

(٥) اس کا معنی ایمان سے خارج ہونا نہیں بلکہ زجر وتوبیخ کرنا، شدید وعید وڈرا وا دینا اور سخت انداز میں انتباہ کرنا ہے کہ ان بدترین کبیرہ گناہوں کے مرتکب کا انجام برا ہوتا ہے اور اس کے بارے میں کفر کا اندیشہ ہوتا ہے تاکہ مومن اس قسم کی شدید وعید سن کر لرز اٹھے اور ڈر جائے، پھر کبھی اس کو ان گناہوں کی جرات نہ ہو بلکہ اسے ایسے بدترین گناہوں سے نفرت ہو جائے۔

(٦) یہاں مومن مستحیی کے معنی میں ہے کیونکہ حدیث میں ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ حیا ایمان کا حصہ ہے یعنی

مسلمان گناہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے حیادار نہیں رہتا، سو اگر وہ اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کرتا اور یہ اعتقاد رکھتا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے تو وہ اتنے بدترین گناہ ہرگز نہ کرتا۔ [مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ١ ص ١٢٤ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

٦- بَابُ شَهَادَةُ التَّوْحِيْدِ مُوْجِبُ الْجَنَّةِ

توحید کی گواہی جنت کا سبب ہے

١٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَبِيْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الدَّرْدَآءِ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا اَنَا رَدِيْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اَبَا الدَّرْدَآءِ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّىْ سَاعَةً ثُمَّ سَارَ سَاعَةً فَقَالَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّىْ سَاعَةً ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قَالَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ وَاِنْ رَّغِمَ اَنْفُ اَبِى الدَّرْدَآءِ قَالَ فَكَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى اِصْبَعِ اَبِى الدَّرْدَآءِ السَّبَّابَةِ يُوْمِىْ اِلٰى اَرْنَبَتِهٖ. بخاری(٥٨٢٧) مسلم (١٥٤-٢٧٣) ترمذی (٢٦٤٤)

حضرت عبداللہ بن حبیبہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھا تو آپ نے فرمایا: اے ابودرداء! جو شخص یہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ میں نے کہا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ حضرت ابودرداء نے کہا کہ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کچھ دیر خاموش رہے اور کچھ دیر چلتے رہے، پھر فرمایا: جو شخص یہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ حضرت ابودرداء نے کہا کہ میں نے عرض کیا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے اور اگرچہ ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو۔ حضرت عبداللہ نے کہا: پس میں گویا حضرت ابودرداء کی شہادت کی انگلی کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنے ناک کے بانسہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

حل لغات

''رَدِيْفٌ'' ایک سواری پر بیٹھنے والے دو سواروں میں سے پیچھے بیٹھنے والے سوار کو ''رَدِيْفٌ'' کہتے ہیں۔ ''شَهِدَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب سَمِعَ يَسْمَعُ اور باب كَرُمَ يَكْرُمُ سے بھی آتا ہے۔ اس کا معنی ہے: مجلس میں حاضر ہونا، کسی چیز کا معائنہ کرنا اور گواہی دینا۔ ''وَجَبَتْ'' صیغہ واحد مونث غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے۔ اس کا معنی ہے: ثابت ہونا اور لازم ہونا۔ ''زَنٰى'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے، اس کا معنی ہے: زناکاری اور بدکاری کرنا۔ ''سَرَقَ'' یہ بھی صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے، اس کا معنی چوری کرنا ہے۔ ''سَكَتَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے بہ معنی خاموش ہونا۔ ''سار'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے بہ معنی چلنا، سفر کرنا، جانا۔ ''رَغِمَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ اور سَمِعَ دونوں سے بہ معنی خاک آلود ہونا، ذلیل ہونا، پست ہونا۔ ''اَنْفٌ'' کا معنی ناک ہے۔ ''اَرْنَبَةٌ'' کا معنی ہے: ناک کا بانسہ۔

گنہگار مسلمان کے جنت میں جانے کی بحث

اس حدیث مبارکہ سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہو گیا کہ خوارج اور معتزلہ کا نظریہ اور اعتقاد باطل ولغو ہے کیونکہ خوارج کہتے ہیں کہ مسلمان کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے جبکہ معتزلہ کا یہ اعتقاد ہے کہ مسلمان کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے کافر تو نہیں ہوتا لیکن وہ مسلمان بھی نہیں رہتا بلکہ فاسق و فاجر ہو جاتا ہے حالانکہ اس حدیث میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ جو شخص سچے دل سے توحید و رسالت کا اقرار و اعتراف کر لے وہ خواہ کتنا ہی گنہگار ہو لیکن وہ مسلمان ہی رہتا ہے اور وہ جنت کا حق دار ہو جاتا ہے' البتہ گنہگار مسلمان کے لیے ابتداء ہی میں جنت کا حق دار ہونے اور اس میں جانے کی صرف تین صورتیں ہیں: (۱) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کی وجہ سے (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت و مہربانی سے اس کی مغفرت و بخشش فرما دے اور اسے کوئی سزا نہ دے۔ (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں تمام گناہوں سے سچے دل سے توبہ کر لے اور آئندہ زندگی میں مرتے دم تک گناہ نہ کرے اور تمام فرائض و حقوق ادا کرتا رہے ورنہ جنت تو اس کے لیے ضرور ثابت ہے لیکن شروع میں نہیں بلکہ شریعت کے اصول کے مطابق وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا۔

(۱) امام طبرانی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو مختصر روایت کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو پکار کر فرمایا: جس نے (سچے دل سے) کہا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ جنت میں داخل ہو گیا (یعنی وہ جنتی ہو گیا) اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے' ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو جائے۔

(۲) امام احمد' امام ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے حضرت ابودرداء سے جن الفاظ میں روایت بیان کی ہے ان کا ترجمہ یہ ہے کہ جو شخص یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ جنت میں داخل ہو گیا' اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کر لے اور اگرچہ ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو جائے۔

(۳) امام احمد' امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جس بندے نے (صدق دل سے اقرار کرتے ہوئے) کہا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' پھر وہ اسی عقیدہ پر قائم رہ کر فوت ہو گیا تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ حضرت ابودرداء نے کہا: میں نے عرض کیا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ (تین مرتبہ سوال و جواب کے بعد) چوتھی مرتبہ آپ نے فرمایا: اور اگرچہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو جائے۔

(۴) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے امام احمد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ جس شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ حضرت ابودرداء نے تین مرتبہ کہا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے تو آپ نے تیسری مرتبہ فرمایا: ابودرداء کی ناک خاک آلود ہونے پر۔

(۵) امام طبرانی نے اوسط میں حضرت سلمہ بن نعیم اشجعی سے روایت کیا کہ جس شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ جنت میں داخل ہو گیا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔

(۶) امام احمد' امام ترمذی' امام نسائی' امام ابن حبان اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی' (نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:) میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: آپ اپنی امت کو خوشخبری سنا دیں کہ جو شخص اس حال میں فوت ہوا ہو کہ وہ زندگی بھر کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراتا رہا ہو تو وہ جنتی ہو گیا۔ میں نے کہا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ (حضرت) جبریل نے کہا: جی ہاں! میں نے کہا: اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ (حضرت)

جبریل نے کہا: جی ہاں! اگرچہ وہ شراب پیتا ہو۔

(۷) امام بزار نے اس حدیث کا پہلا حصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جس شخص نے یہ گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (دوسرا حصہ) یعنی بے شک حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

(۸) امام احمد' امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت بیان کی: جس شخص نے یہ گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی' سو دوزخ کی آگ اہل توحید پر ہمیشہ کے لیے حرام کر دی گئی ہے۔

(۹) امام احمد اور امام ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! جو شخص سچے دل سے یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔ حضرت معاذ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں یہ بات لوگوں کو بتا نہ دوں۔ آپ نے فرمایا: پھر تو لوگ اسی پر بھروسہ کر لیں گے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل نے علم چھپانے کے گناہ کے ارتکاب سے بچنے کے لیے اپنی موت کے وقت یہ حدیث بیان فرمائی۔ [ماخوذ از شرح مسند امام اعظم لملا علی القاری ص ۱۳-۳۱۲-۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

۷- بَابٌ اَلشَّكُّ فِي الْاِيْمَانِ كُفْرٌ

ایمان میں شک کرنا کفر ہے

۱۱- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** 'عَنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِیْ مُسْلِمِ الْخَوْلَانِيِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَ مُعَاذٌ حِمْصَ اَتَاهُ رَجُلٌ شَابٌّ فَقَالَ مَا تَرٰى فِيْ رَجُلٍ وَصَلَ الرَّحِمَ وَبَرَّ وَصَدَقَ الْحَدِيْثَ وَاَدَّى الْاَمَانَةَ وَعَفَّ بَطْنَهٗ وَ فَرْجَهٗ وَعَمِلَ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ خَيْرٍ غَيْرَ اَنَّهٗ شَكَّ فِي اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قَالَ اِنَّهَا تُحْبَطُ مَا كَانَ مَعَهَا مِنَ الْاَعْمَالِ قَالَ فَمَا تَرٰى فِيْ رَجُلٍ رَكِبَ الْمَعَاصِيْ وَسَفَكَ الدِّمَآءَ وَاسْتَحَلَّ الْفُرُوْجَ وَالْاَمْوَالَ غَيْرَ اَنَّهٗ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ مُخْلِصًا قَالَ مُعَاذٌ اَرْجُوْ وَاَخَافُ عَلَيْهِ قَالَ الْفَتٰى وَاللّٰهِ اِنْ كَانَتْ هِيَ الَّتِيْ اَحْبَطَتْ مَا مَعَهَا مِنْ عَمَلٍ مَا تَضُرُّ هٰذِهٖ مَا عَمِلَ مَعَهَا ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ مُعَاذٌ مَا اَزْعَمُ اَنَّ رَجُلًا اَفْقَهُ بِالسُّنَّةِ مِنْ هٰذَا. مسند الحارثی (۷۲۳)

حضرت ابومسلم الخولانی سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (مملکت شام کے شہر) حمص میں تشریف لائے تو آپ کے پاس ایک جوان آدمی حاضر ہوا اور اس نے کہا: آپ کا اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جس نے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی اور لوگوں کے ساتھ نیکی کی اور سچ بولا اور امانت ادا کی اور اس نے اپنے پیٹ کو حرام خوری سے اور اپنی شرمگاہ کو حرام کاری سے بچا لیا اور اس نے جہاں تک ہو سکا نیک کام کیے مگر اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بارے میں شک کیا۔ حضرت معاذ بن جبل نے فرمایا: بے شک اس کا شک و شبہ اور تردد اس کے تمام اعمال صالحہ کو تباہ اور ضائع کر دے گا' پھر اس جوان آدمی نے کہا: اس آدمی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ جس نے گناہوں کا ارتکاب کیا اور ناحق خون بہایا اور اس نے زنا کاری اور غصب مال کا اس طرح ارتکاب کیا جس طرح ان کو حلال جاننے والا کرتا ہے مگر اس نے خلوص دل سے یہ گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے خاص بندے اور اس کے (آخری)

رسول ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل نے فرمایا: میں امید بھی رکھتا ہوں (کہ وہ ایمان کی بناپر نجات پائے) اور میں اس کے متعلق خوف بھی رکھتا ہوں (کہ وہ گناہوں کی بناپر عذاب الٰہی میں مبتلا ہو)' اس جوان نے کہا: اگر اس کے شک (کفر) نے اس کے اعمال حسنہ کو تباہ و برباد کر دیا ہے تو اس کے اعمال سیۂ اس کے پرخلوص ایمان کو ہرگز نقصان نہیں پہنچائیں گے' پھر وہ واپس چلا گیا اور حضرت معاذ نے فرمایا: میرا خیال یہ ہے کہ اس جوان سے زیادہ سنت (شریعت) کو جاننے والا کوئی آدمی نہیں ہے۔

حل لغات

''شَابٌ'' نوجوان۔ ''وَصَلَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: جوڑنا' ملانا۔ ''بَرَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ یَضْرِبُ اور نَصَرَ یَنْصُرُ دونوں سے آتا ہے' اس کا معنی ہے: نیک کام کرنا اور حسن سلوک کرنا۔ ''صَدَقَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: سچ بولنا۔ ''اَدّٰی'' یہ صیغہ بھی واحد مذکر غائب فعل معروف ہے اور باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: ادا کرنا۔ ''عَفَّ'' صیغہ مذکورہ باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: حرام و ناجائز کام سے بچنا' پاک دامن ہونا' باز رہنا اور پاک باز ہونا۔ ''بَطْنٌ'' کا معنی ہے: پیٹ' اس کی جمع بطون آتی ہے' اس کا معنی ہے: پوشیدہ ہونا' کسی کام کی تہہ تک پہنچنا بھی آتا ہے۔ ''اِسْتَطَاعَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: استطاعت' طاقت و قوت رکھنا۔ ''شَكَّ'' شک کرنا' یہ فعل ماضی معروف واحد مذکر غائب باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے۔ ''تُحْبِطُ'' صیغہ واحد مونث غائب فعل مضارع معروف باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: ضائع کرنا' مٹانا' ''رَكِبَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: سوار ہونا۔ ''مَعَاصِیَ'' جمع ہے' اس کا واحد ''مَعْصِيَةٌ'' ہے' اس کا معنی ہے: گناہوں کا ارتکاب کرنا۔ ''سَفَكَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بہانا' گرانا' ''دِمَاءٌ' دَمٌ'' کی جمع ہے بہ معنی خون۔ ''فُرُوْجٌ فَرْجٌ'' کی جمع ہے بہ معنی شرمگاہ۔ ''اَرْجُوْ'' نیز ''اَخَافُ'' دونوں فعل واحد متکلم ہیں مگر پہلا باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے جبکہ دوسرا سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' ''اَرْجُوْ'' کا معنی ہے: امید رکھنا جبکہ ''اَخَافُ'' بہ معنی ڈرنا ہے۔

تردد و شک کا نقصان اور یقین و اخلاص کا فائدہ

اس حدیث مبارکہ میں دو اہم ترین مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جو تمام نیک اعمال کرتا ہے وہ نمازیں پڑھتا ہے' روزے رکھتا ہے' زکوٰۃ ادا کرتا ہے' حج ادا کیا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے' امانت دار و دیانت دار بھی ہے' لوگوں سے حسن سلوک کرتا ہے اور صدقات و خیرات کرتا ہے۔ نیز وہ تمام برے اعمال جیسے زنا کاری' حرام خوری' شراب نوشی' رشوت ستانی' جھوٹ' چوری' بغاوت و سرکشی' ظلم و ستم' قتل و غارت اور لواطت وغیرہ سے بچتا ہے لیکن وہ شخص توحید الٰہی' انبیاء و رسل کی نبوت و رسالت' کتب سماوی اور تمام ضروریات دین کی تصدیق و تائید نہیں کرتا بلکہ ان میں شک کرتا ہے تو ایسے شخص کا حکم یہ ہے کہ اس کے تمام اعمال ضائع اور تباہ و برباد ہو گئے کیونکہ کفر کے ہوتے ہوئے تمام نیک اعمال اور تمام فلاح و بہبود کے معاملات و کارنامے شریعت اسلامیہ میں غیر

مقبول و غیر مفید اور باطل ہیں۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ O [آل عمران:٢٢]

یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو گئے دنیا و آخرت میں اور ان کا کوئی مددگار نہیں O

یعنی ان کفار کی دو سزائیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی نیکیاں اور فلاحی کارنامے دنیا و آخرت میں برباد ہو گئے۔ اب نہ تو نیکیوں کی برکت سے ان کی دنیاوی مصیبتیں دفع ہوں (جیسے غار والے تین مسلمانوں کی مصیبتیں ان کی نیکیوں کی برکت سے دور ہوئیں) اور نہ آخرت میں انہیں اجر و ثواب ملے۔ دوسری سزا یہ ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی مددگار (سفارشی) نہیں ہوگا۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا O [الفرقان:٢٣]

اور انہوں نے جس قدر عمل کیے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا جو روشن دان کی دھوپ میں نظر آتے ہیں O

یعنی کفار کے نیک اعمال جیسے صدقات و خیرات' مہمانوں کی مہمان نوازی' عزیز و اقارب سے حسن سلوک' مسافروں کی مدد' غریبوں' مسکینوں اور ناداروں کی خبر گیری اور یتیموں اور بیواؤں کی پرورش سب نیکیاں برباد ہو جائیں گی کیونکہ نیکیوں کی قبولیت کے لیے ایمان اسی طرح شرط ہے جس طرح نماز کے لیے طہارت شرط ہے' البتہ ان کے گناہ باقی رکھے جائیں گے تاکہ ان پر انہیں سزا دی جائے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا O [الکہف:١٠٥]

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے انکار کر دیا' سو ان کے اعمال برباد ہو گئے' پس ہم قیامت کے دن ان کے لیے میزان قائم نہیں کریں گے O

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کفار کی نیکیاں برباد ہیں کیونکہ کفر نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے جس طرح پیشاب کا قطرہ دودھ کو خراب کر دیتا ہے اور جس طرح زہر کھانا خراب کر دیتی ہے۔

دوسرا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جس نے توحید و رسالت کی گواہی دی اور تمام ضروریات دین کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لایا لیکن اس نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا' خون بہایا' حرام کاری کی اور چوری و ڈکیتی کی تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ مومن ہے یا وہ ان برے اعمال کے سبب مومن نہیں رہا اور آیا برے اعمال ایمان و تصدیق کو اس طرح تباہ و برباد اور ضائع کر دیتے ہیں جس طرح کفر نیک اور فلاحی اعمال کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کا یہ جواب دیا ہے کہ برے اعمال اگرچہ کبائر (بڑے گناہوں) میں سے ہی کیوں نہ ہوں لیکن وہ ایمان اور اسلام کو نہیں مٹا سکتے اور نہ ہی کفر کو واجب کر سکتے ہیں بلکہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہی رہتا ہے اگرچہ گنہگار اور ناقص مسلمان ہو جاتا ہے' البتہ وہ ایمان کی بنا پر دوزخ کے دائمی عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کی نجات کی امید رکھی جاتی ہے اور گناہوں کی بنا پر اس کے متعلق عذاب کا اندیشہ ہوتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو معاف فرما دے یا وہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام' علمائے کاملین' شہداء اسلام' صالحین' قرآن کریم' ماہ رمضان کے روزوں اور نابالغ فوت ہو جانے والے بچوں کی شفاعت کے سبب عذاب دوزخ سے نجات پا جائے یا پھر وہ تمام گناہوں سے سچی پکی توبہ کر لے۔ [تنسیق النظام فی مسند الامام ص ١١١ حاشیہ ٣ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

اشتباہ: یہاں یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ اس جوان آدمی کے کلام سے مذہب مرجئہ کا اظہار ہوتا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان کے ساتھ جرم و گناہ مسلمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا جس طرح عبادات و نیک اعمال کفر کے ساتھ کافر کو کوئی فائدہ اور نفع نہیں پہنچاتے اور ان کا خیال یہ ہے کہ جب کوئی آدمی ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' سچے دل سے پڑھ لیتا ہے تو اس کے بعد وہ تمام جرائم کے ارتکاب کے باوجود کبھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔

اور اس مسئلہ کی تحقیق کی تفصیل شرح فقہ اکبر میں بیان کر دی گئی ہے اور اس میں یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ ہمارے امام جو ائمہ اربعہ میں سب سے پہلے بلند ہمت اور عالی شان امام اعظم ہیں وہ اہل السنۃ والجماعۃ سے تعلق رکھتے ہیں' سو اب یہ وہم کرنا مناسب نہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس جوان آدمی کے اس کلام (کے اس معنی) سے راضی تھے اور انہیں یہ پسند تھا (ہرگز نہیں)۔

جواب: اس جوان آدمی کے کلام کی تاویل (یعنی اس کا مطلب) یہ ہے کہ جرم و گناہ مسلمان کو کلی نقصان نہیں پہنچاتا جس سے وہ ہمیشہ کے لیے دوزخی ہو جائے اور وہ کبھی جنت میں نہ جا سکے (بلکہ جزوی نقصان پہنچاتا ہے کہ بہ قدر جرم وہ دوزخ کے عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے) کیونکہ صحابہ کرام میں سے کسی صحابی نے اس قول کا اظہار نہیں کیا بلکہ سب سے پہلے حسن بن محمد بن حنفیہ نے یہ کہا جیسا کہ علامہ دلجی نے شرح شفا میں اس کا ذکر کیا ہے۔[شرح مسند امام اعظم' ص ۵۴ ۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

۸- بَابٌ يَدْرُسُ الْاِسْلَامُ

قرب قیامت میں اسلام مٹ جائے گا

۱۲- **حَمَّادٌ** عَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ يَدْرُسُ الْاِسْلَامُ كَمَا يَدْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ وَلَا يَبْقٰى اِلَّا شَيْخٌ كَبِيْرٌ اَوْ عَجُوْزٌ فَانِيَةٌ يَقُوْلُوْنَ قَدْ كَانَ قَوْمٌ يَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَهُمْ لَا يَقُوْلُوْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ فَقَالَ صِلَةُ بْنُ زُيَدٍ فَمَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ يَا عَبْدَاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَهُمْ لَا يَصُوْمُوْنَ وَلَا يُصَلُّوْنَ وَلَا يَحُجُّوْنَ وَلَا يَتَصَدَّقُوْنَ قَالَ يَنْجُوْنَ بِهَا مِنَ النَّارِ.

حضرت ربعی بن حراش کی وساطت سے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ نے فرمایا: اسلام کے آثار اس طرح مٹ جائیں گے جس طرح کپڑے کے نقوش مٹ جاتے ہیں اور راسلام کا کوئی نشان باقی نہیں بچے گا ماسوا ایک بوڑھے بزرگ کے یا ایک انتہائی بوڑھی عورت کے۔ وہ کہیں گے کہ (گزشتہ زمانہ میں مسلمانوں کی) ایک قوم تھی جو ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہتی تھی اور وہ (یہ بات کہنے والے) خود ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' نہیں کہیں گے تو (حاضرین مجلس میں سے) صلہ بن زید نے کہا: اے اللہ تعالیٰ کے بندے! کیا ان کو ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہنا نفع دے گا؟ حالانکہ نہ وہ روزے رکھتے ہوں اور نہ وہ نمازیں پڑھتے ہوں اور نہ وہ حج ادا کرتے ہوں اور نہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہوں۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ وہ صرف اس کلمہ کے اقرار کے سبب دوزخ کی آگ سے نجات پالیں گے۔

حل لغات

''يَدْرُسُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کا نام و نشان مٹ جانا۔ ''وَشْيٌ'' کا معنی ہے: نقش و نگار ''عَجُوْزٌ فَانِيَةٌ'' کا معنی ہے: بہت بوڑھی عورت۔ ''لَا يَصُوْمُوْنَ وَلَا يُصَلُّوْنَ وَلَا يَحُجُّوْنَ وَلَا يَتَصَدَّقُوْنَ'' یہ چاروں صیغے جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف منفی کے ہیں۔ ان کے حسب ترتیب یہ معنی ہیں: نہ وہ روزہ رکھتے ہوں' نہ وہ نماز پڑھتے ہوں' نہ وہ حج کرتے ہوں اور نہ وہ صدقہ خیرات (یعنی زکوٰۃ) دیتے ہوں' ان میں پہلا اور تیسرا

باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہیں اور دوسرا باب تفعیل سے اور آخری باب افتعال سے ہے۔ ''يَنْجُوْنَ'' صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: نجات پانا' خلاصی پانا اور چھٹکارا حاصل کرنا۔

اس حدیث مبارکہ میں ایک تو وہی مسئلہ بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل گزشتہ احادیث نو' دس اور گیارہ کی تشریح میں گزر چکی ہے کہ محض توحید و رسالت کی تصدیق اور اقرار کرنے پر دائمی عذاب سے نجات اور جنت میں دخول کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے۔ یہاں صرف حصول برکت کے لیے دو حدیث مبارکہ کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) امام مسلم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
جس شخص نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس کے خاص بندے اور اس کے (آخری) رسول ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور اس کی لونڈی کے بیٹے ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جس کو حضرت مریم میں ڈالا اور اس کی طرف سے روح (یعنی رحمت) ہیں اور جنت برحق ہے اور دوزخ برحق ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس دروازے سے وہ چاہے گا' داخل کر دے گا۔

(۲) امام مسلم نے دوسری حدیث بھی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
جس شخص نے یہ گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔[صحیح مسلم ج ۱' ص ۴۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب' کراچی]

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قیامت کا وقوع بدترین لوگوں پر ہوگا اور اس سلسلہ میں بہت سی مشہور احادیث مروی ہیں۔

(۱) امام احمد' امام مسلم اور امام زہری (تنسیق النظام میں امام ترمذی لکھا ہے) نے حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ قیامت تب قائم ہوگی جب روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں رہے گا۔

(۲) امام احمد اور امام مسلم کی ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت صرف بدترین لوگوں پر قائم ہوگی اور اس کو ائمہ ستہ نے روایت کیا ہے۔

(۳) امام حاکم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ قیامت تب قائم ہوگی جب کوئی حج کرنے والا نہیں رہے گا۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۵۶۴- ۵۶۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۱ حاشیہ ۵ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۹- بَابُ مُرْتَكِبُ الْكَبِيْرَةِ لَا يُكَفَّرُ

گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر نہیں کہا جائے گا

۱۳- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** وَالْمِسْعَرُ عَنْ يَزِيْدَ قَالَ كُنْتُ اَرٰى رَاْىَ الْخَوَارِجِ فَسَاَلْتُ بَعْضَ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَنِىْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِخِلَافِ مَا كُنْتُ اَقُوْلُ فَاَنْقَذَنِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ. مسند الحارثی (۸۱٦)

حضرت یزید سے روایت ہے' انہوں نے کہا: میں پہلے خوارج کی رائے کو صحیح خیال کرتا تھا (کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا)' پھر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان سے پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے برعکس فرمایا ہے (کہ مسلمان گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے کے بعد بھی مسلمان ہی رہتا ہے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ میں بھی نہیں رہے گا) جو میں کہا کرتا تھا' سو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس برے عقیدہ سے بچا لیا۔

حل لغات

''اَرٰی'': صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: دیکھنا مگر یہاں رائے قائم کرنا مراد ہے۔ ''اَلْخَوَارِجُ'' اس کا واحد ''خارجۃ'' ہے' اس کا معنی ہے: نکلنے والی اور جدا ہونے والی' خوارج سے وہ گروہ مراد ہے جو اہل سنت سے جدا ہو کر باغی ہو گیا۔ ''اَنْقَذَنِیْ'' میں ''اَنْقَذَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افعال ہے' اس کا معنی ہے: بچانا' چھڑانا' اس کے آخر میں نون وقایہ کی ہے اور یا ضمیر متکلم ہے۔

خوارج کے ایک باطل عقیدہ کی تردید

اس حدیث مبارکہ سے صراحت کے ساتھ واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ خوارج کا عقیدہ باطل و بے بنیاد اور غلط ہے کیونکہ یہ فاسد عقیدہ قرآن مجید اور احادیث نبوی اور اقوال صحابہ کرام کے خلاف ہے' البتہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ صحیح اور مبنی برحق ہے کیونکہ وہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ اور اقوال صحابہ کرام کے عین مطابق ہے جیسا کہ خود اس حدیث مبارکہ میں یہ تصریح ہے کہ خوارج کا عقیدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کے خلاف ہے اس لیے حضرت یزید بن صہیب نے صحابہ کرام کی رہنمائی کرنے پر خوارج کے باطل و بے بنیاد اور غلط عقیدہ کو ترک کر دیا اور صحابہ کرام کے عقیدہ کی طرف رجوع کر لیا جو اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے اور پھر انہوں نے اعتراف کیا کہ اس میں میرا کوئی ذاتی کمال نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی خصوصی مہربانی ہے کہ اس نے مجھ پر کرم فرمایا اور مجھے خوارج کے اس بدترین عقیدہ سے نجات عطا فرمائی' پس ہمیں بھی چاہیے کہ ہر قسم کی خیر و بھلائی ملنے پر اللہ تعالیٰ کے مرہون منت رہیں اور اس پر اس کا شکر ادا کریں تا کہ مزید نعمتیں ملتی رہیں۔

١٠- بَابٌ لَّا يُقَالُ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

١٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ عَلْقَمَةَ وَعَطَاءِ بْنِ اَبِىْ رِبَاحٍ فَسَاَلَهٗ عَلْقَمَةُ فَقَالَ لَهٗ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ اِنَّ بِبِلَادِنَا قَوْمًا لَّا يُثْبِتُوْنَ لِاَنْفُسِهِمُ الْاِيْمَانَ وَيَكْرَهُوْنَ اَنْ يَّقُوْلُوْا اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ بَلْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَقَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يَقُوْلُوْنَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ اِذَا اَثْبَتْنَا لِاَنْفُسِنَا الْاِيْمَانَ جَعَلْنَا لِاَنْفُسِنَا الْجَنَّةَ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ هٰذَا مِنْ خُدَعِ الشَّيْطَانِ وَحَبَائِلِهٖ وَحِيَلِهٖ اَلْجَاَهُمْ اِلٰى اَنْ دَفَعُوْا اَعْظَمَ مِنَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ وَهُوَ الْاِسْلَامُ وَخَالَفُوْا سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَضِىَ عَنْهُمْ يُثْبِتُوْنَ الْاِيْمَانَ لِاَنْفُسِهِمْ وَيَذْكُرُوْنَ

یہ نہ کہا جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم مومن ہیں

امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ ہم حضرت علقمہ اور حضرت عطاء بن رباح کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت علقمہ نے حضرت عطاء بن رباح سے پوچھا کہ اے ابومحمد! ہمارے شہروں (کوفہ اور عراق کے باقی شہروں) میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے لیے ایمان کو یقین کے ساتھ ثابت نہیں کرتے اور وہ یہ کہنا ہرگز پسند نہیں کرتے کہ ہم بلاشک وشبہ یقینی طور پر مسلمان ہیں بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم مومن اور مسلمان ہیں' سو حضرت عطاء بن رباح نے (تعجب سے) فرمایا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا نہیں کہتے (کہ ہم یقیناً مومن اور مسلمان ہیں)' حضرت علقمہ نے جواب دیا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے اپنے آپ کے لیے ایمان ثابت کیا تو ہم نے گویا اپنے جنتی ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت عطاء نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ تو شیطان کا مکر و فریب' حیلہ سازی اور دھوکہ ہے کہ اس نے ان کو مجبور کیا کہ وہ اللہ

ذٰلِكَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ وَلَا يَقُوْلُوْنَ اِنَّا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَوْ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوٰتِهٖ وَاَهْلَ اَرْضِهٖ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ فَقَالَ لَهٗ عَلْقَمَةُ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَوْ عَذَّبَ الْمَلَائِكَةَ الَّذِيْنَ لَمْ يَعْصُوْهُ طَرْفَةَ عَيْنٍ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ قَالَ نَعَمْ قَالَ هٰذَا عِنْدَنَا عَظِيْمٌ فَكَيْفَ نَعْرِفُ هٰذَا فَقَالَ لَهٗ يَا ابْنَ اَخِىْ مِنْ هٰهُنَا ضَلَّ اَهْلُ الْقَدْرِ فَاِيَّاكَ اَنْ تَقُوْلَ بِقَوْلِهِمْ فَاِنَّهُمْ اَعْدَاءُ اللّٰهِ تَعَالٰى الرَّادُّوْنَ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَلَيْسَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ O (الانعام:١٥٠) فَقَالَ لَهٗ عَلْقَمَةُ اِشْرَحْ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ شَرْحًا يُذْهِبُ عَنْ قُلُوْبِنَا هٰذِهِ الشُّبْهَةَ فَقَالَ اَلَيْسَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى دَلَّ الْمَلَائِكَةَ عَلٰى تِلْكَ الطَّاعَةِ وَاَلْهَمَهُمْ اِيَّاهَا وَعَزَمَهُمْ عَلَيْهَا وَجَبَرَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ نَعَمْ فَقَالَ وَهٰذِهٖ نِعَمٌ اَنْعَمَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهَا عَلَيْهِمْ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَوْ طَالَبَهُمْ بِشُكْرِ هٰذِهِ النِّعَمِ مَا قَدَرُوْا عَلٰى ذٰلِكَ وَقَصَرُوْا وَكَانَ لَهٗ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِتَقْصِيْرِ الشُّكْرِ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ. ابن ماجہ(٧٧) ابوداؤد(٤٦٩٩)

تعالیٰ کے سب سے بڑے احسان کو نہ مانیں اور وہ بڑا احسان مذہب اسلام ہے اور انہوں نے درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو دیکھا ہے وہ تو اپنے لیے ایمان کو ثابت کرتے ہیں اور وہ اس مسئلہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بیان کرتے ہیں' پھر حضرت عطاء نے فرمایا کہ صحابہ کرام تو صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم یقیناً مومن ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ ہم (ہر حال میں) جنتی ہیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں تمام رہنے والوں کو عذاب دے دے تو وہ ان پر ظالم نہیں ہوگا (اس لیے کہ وہ سب کا مالک ہے)' اس پر حضرت علقمہ نے ان سے کہا: اے ابومحمد! اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو عذاب دے جنہوں نے آنکھ جھپکنے کے برابر لمحہ بھر بھی اس کی نافرمانی نہیں کی تو کیا وہ ان پر ظالم نہیں ہوگا؟ حضرت عطاء بن رباح نے فرمایا جی ہاں! (وہ بالکل ظالم نہیں ہوگا' مالک جو چاہے کرے)' حضرت علقمہ نے کہا کہ یہ تو ہمارے نزدیک بہت بڑی (عجیب و غریب) بات ہے' سو ہم اس کو کس طرح جانیں۔ حضرت عطاء نے ان سے فرمایا: اے میرے بھتیجے! اسی وجہ سے تو معتزلہ (اور دیگر بدعتی فرقے) گمراہ ہوئے ہیں' سو تم ان کی طرح بات کہنے سے بچو کیونکہ وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔ نیز وہ اللہ تعالیٰ کی بات کو رد کرنے والے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں فرماتا: ''قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ O'' (اے محبوب!) فرما دیجئے: پس سب سے بڑی (اور مکمل ترین) حجت تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے' سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ضرور ہدایت عطا کر دیتا O حضرت علقمہ نے ان سے عرض کیا: اے ابومحمد! آپ اس کو اس طرح تفصیل سے بیان فرمائیں کہ یہ شک وشبہ ہمارے دلوں سے بالکل زائل ہو جائے۔ حضرت عطاء نے فرمایا کہ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس عبادت و اطاعت پر فرشتوں کی رہنمائی نہیں فرمائی؟ اور کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی توفیق عطا نہیں فرمائی؟ اور کیا ان کو اس پر مہارت و مضبوطی اور پختگی عطا نہیں فرمائی؟ اور کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس پر زبردست قائم دائم نہیں فرمایا؟ حضرت علقمہ نے جواب میں عرض کیا: جی ہاں! بالکل صحیح ہے۔ حضرت عطاء نے فرمایا کہ یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ

نے ان پر احسان فرمایا۔ حضرت علقمہ نے عرض کیا: جی ہاں! بالکل درست ہے۔ حضرت عطاء نے فرمایا: سو اگر اللہ تعالیٰ ان سے ان نعمتوں کے شکر کا مطالبہ کرے تو وہ ان نعمتوں کے شکر ادا کرنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے اور وہ قاصر و عاجز رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کو شکر کی کوتاہی پر ان کو عذاب دینے کا حق حاصل ہو جائے گا اور وہ ان پر ظالم نہیں ہوگا۔

حل لغات

''خُدَعٌ''، ''خَدْعَۃٌ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: دھوکے یا دھوکے بازیاں۔ ''حَبَائِلُ'' یہ ''حَبَالَۃٌ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: پھندا' رسی باندھنے کا آلہ۔ ''حِیَلٌ'' (حا' مہملہ مکسور اور یا' مفتوح ہے) یہ حیلۃ کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: سازش کرنا' خفیہ تدبیر کرنا' خفیہ چال چلنا' مکر و فریب کرنا۔ ''اَلْجَأَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افعال ہے' اس کا معنی ہے: کوئی چیز کسی کے سپرد کرنا یا کوئی معاملہ کسی کے حوالے کرنا' کسی کو بچانا' حفاظت کرنا اور کسی کو مجبور کر دینا۔ ''اَلْهَمَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افعال ہے' اس کا معنی ہے: دل میں کوئی بات ڈالنا' وحی کرنا یعنی خفیہ پیغام پہنچانا' توفیق دینا' سکھانا' الہام کرنا' ''نِعَمٌ'' نون مکسور اور عین مفتوح کے ساتھ ''نِعْمَۃٌ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: احسان' مہربانیاں' انعامات۔

ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ نہ کہنے کے دلائل

اس حدیث مبارکہ میں دو مسائل کی وضاحت کی گئی ہے:

(۱) ایک یہ کہ ''اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ'' (اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں مومن ہوں) کہنا صحیح ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کہنا غلط ہے' اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے ایسا کبھی کہا ہو بلکہ اس حدیث میں حضرت عطاء نے صراحت کے ساتھ وضاحت کر دی ہے کہ صحابہ کرام اپنے لیے پورے یقین کے ساتھ ایمان کو ثابت کرتے اور وہ اس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے بیان کرتے تھے جس سے ثابت ہو گیا کہ اپنے لیے ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا رسول اللہ اور صحابہ کرام کی سنت کے خلاف ہے اس لیے یہ عقیدہ بدعت و گمراہی ہے اور شیطان کا فریب ہے اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی (یعنی صحابہ کرام کی) توصیف و تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ [الانفال: ۴-۷۴] یہی لوگ سچے اور برحق مومن ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مذمت و برائی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ [النساء: ۱۵۱] یہی لوگ حقیقت میں پکے کافر ہیں۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ چونکہ ایمان لانے والوں کا مومن ہونا یقینی ہوتا ہے اس لیے ان پر اسلامی احکام جاری ہوتے ہیں جیسے عاقل و بالغ مسلمان کے لیے نمازیں پڑھنا' روزے رکھنا اور مال دار ہونے کی صورت میں زکوٰۃ و حج ادا کرنا اور دیگر خیر و بھلائی اور فلاح و بہبود کے کام کرنا جبکہ چوری' زناکاری' قتل و غارت' شراب نوشی اور دیگر ممنوعات سے بچنا لازم ہوتا ہے۔ اگر ایمان لانے اور اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی آدمی یقینی مومن نہ ہوتا تو پھر اس پر اسلامی احکام جاری نہ ہوتے حالانکہ تمام مسلمانوں کے لیے اسلامی احکام پر عمل کرنا واجب و ضروری ہے اور اسی طرح کفر اختیار کرنے والوں کا کافر ہونا بھی یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے اس لیے تو

ان کے ساتھ جنگ کرنا اور بہ صورت صلح ان پر جزیہ لازم آتا ہے۔ یہ سب چیزیں اس بات کی دلیل ہیں کہ مومن کے لیے ایمان اور کافر کے لیے کفر یقیناً ثابت ہے' لہٰذا ان شاء اللہ کی قید لگانا بے اصل اور غلط ہے۔ چوتھی دلیل عقلی ہے اور وہ یہ کہ اگر ان شاء اللہ اپنے ایمان میں شک و شبہ کی بنا پر کہا جائے تو صریح کفر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت کے حصول یا اس کے ادب و احترام کی وجہ سے یا تواضع و انکساری کے پیش نظر یا تکبر و خود پسندی سے بچنے کے لیے ان شاء اللہ کہا جائے تو پھر بھی درست نہیں بلکہ غلط ہے کیونکہ یہ کلمہ شک و شبہ کو ظاہر کرتا ہے جس کے بولنے پر ایمان مشکوک ہو جاتا ہے' لہٰذا اپنے ایمان کو شک و شبہ سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنے آپ کو مومن کہنے کے ساتھ ان شاء اللہ نہ کہنا ضروری ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ اپنے آپ کو مومن کہنا اپنے لیے جنتی ہونے کا دعویٰ ہے تو حضرت عطاء بن رباح نے یہ کہہ کر اس کا جواب دے دیا ہے کہ صحابہ کرام اپنے آپ کو مومن اور ایمان دار کہتے تھے لیکن وہ اپنے آپ کو جنتی نہیں کہتے تھے کیونکہ ایمان تو یقینی طور پر ثابت ہے اس لیے اپنے آپ کو مومن کہنا درست ہے لیکن اپنے انجام اور ایمان پر خاتمہ کا علم نہیں ہے اس لیے اپنے آپ کو جنتی نہ کہنا درست ہے۔

تقدیر الٰہی کا مطلب

دوسرا مسئلہ تقدیر کا ہے اور تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق مخصوص مقدار اور مخصوص شکل و صورت میں تمام اشیاء کو پیدا کرتا ہے' پھر یہ بھی یاد رہے کہ تمام اشیاء کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو ان کی مقادیر' ان کے احوال اور ان کے زمانوں کا کامل علم ہوتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ اپنے سابق ازلی علم کے مطابق تمام اشیاء کو پیدا کرتا ہے اور ہر عالم کی جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم' اس کی قدرت اور اس کے ارادے سے وجود میں آتی ہے۔ کسی چیز کی ایجاد و تخلیق میں مخلوق کے کسب کے علاوہ مخلوق کا اس میں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور یہ کسب بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت' اس کی توفیق' الہام اور القاء سے حاصل ہوتا ہے' اسی لیے تو حضرت عطاء بن رباح نے تقدیر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ اپنے معصوم فرشتوں کو عذاب دے تو اس کے لیے ظلم نہیں ہوگا کیونکہ وہ خالق و مالک ہے اور فرشتے اس کے مخلوق و مملوک بندے ہیں اور ہر بندے پر اس کے بے شمار احسانات ہیں' پس اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے اپنے بے شمار انعامات و احسانات کے شکر کا مطالبہ کرے تو وہ ان احسانات پر اس کا شکر ادا کرنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے اور وہ قاصر و عاجز رہیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ شکر کی ادائیگی کی تقصیر و کوتاہی کرنے پر ان کو عذاب دے تو وہ ظالم نہیں ٹھہرے گا۔

۱۱- بَابُ یَجِبُ الْاِیْمَانُ بِالْقَدْرِ

تقدیر پر ایمان لانا واجب اور لازم ہے

۱۵- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ سُرَاقَۃَ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ حَدِّثْنَا عَنْ دِیْنِنَا کَاَنَّا وُلِدْنَا لَہٗ اَنَعْمَلُ بِشَیْءٍ قَدْ جَرَتْ بِہِ الْمَقَادِیْرُ وَجَفَّتْ بِہِ الْاَقْلَامُ اَمْ فِیْ شَیْءٍ نَسْتَقْبِلُ فِیْہِ الْعَمَلَ قَالَ بَلْ فِیْ شَیْءٍ قَدْ جَرَتْ بِہِ الْمَقَادِیْرُ وَجَفَّتْ بِہِ الْاَقْلَامُ قَالَ فَفِیْمَ الْعَمَلُ قَالَ اعْمَلُوْا فَکُلٌّ مُیَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَہٗ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ○ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہمیں ہمارے دین میں قضاء و قدر کی حقیقت بیان فرمائیں گویا جس کے لیے ہمیں پیدا کیا گیا ہے کیا جس چیز پر ہم عمل کرتے ہیں اس کا فیصلہ تقدیر پہلے کر چکی ہے اور قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے یا ہم اس پر نئے سرے سے عمل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: بلکہ اس چیز کا فیصلہ تقدیر پہلے جاری کر چکی ہے اور قلم اسے لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ حضرت سراقہ نے عرض کیا: پھر عمل کس لیے؟ آپ نے فرمایا کہ تم عمل کرو سو ہر شخص کے لیے وہی آسان کیا جاتا ہے جس

وَاسْتَغْنٰی ○ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ○ (الیل:۵۔۱۰)

مسلم(٦٧٣٥)ابوداؤد(٤٦٩٤)ابن ماجہ(٩١)

کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے'(پھر آپ نے درج ذیل آیات تلاوت فرمائیں:) پس رہا وہ شخص جس نے (مال) عطا کیا اور پرہیزگار ہو گیا ○ اور اچھی بات کی تصدیق کی ○ تو ہم اس کے لیے آسانی کو آسان کر دیں گے ○ اور رہا وہ شخص جس نے بخل کیا اور بے پروا ہو گیا ○ اور اچھی بات کو جھٹلایا ○ تو ہم اس کے لیے سختی کو آسان کر دیں گے ○

حل لغات

''حَدِّثْنَا'' میں حدث صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف باب افعال ہے' اس کا معنی ہے: بیان کرنا' خبر دینا' کلام کرنا اور اس کے آخر میں ''نا'' ضمیر جمع متکلم ہے جس کا معنی ہے: ہم' ہمارے' ہمیں۔ ''وُلِدْنَا'' صیغہ جمع متکلم فعل ماضی مجہول باب ضَرَبَ يَضْرِبُ ہے' اس کا معنی ہے: پیدائش' پیدا ہونا۔ ''جَرَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ ہے اس کا معنی ہے: چلنا' بہنا' طے کرنا' جاری ہونا۔ ''جَفَّتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ ہے' اس کا معنی ہے: خشک ہونا' سوکھنا' ''مَقَادِيْرُ'' مقدار کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: قدرت' ہر چیز کی انتہاء' میزان' تقدیر' ''الاقلام'' قلم کی جمع ہے۔

تقدیر شرعی کی تحقیق

حضرت ملا علی قاری رحمہ الباری نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد' امام مسلم' امام ابن حبان' امام طبرانی اور امام ابن مردویہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وساطت سے حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت سراقہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جس چیز پر ہم عمل کرتے ہیں کیا وہ تقدیر میں ثبت ہو چکی ہے اور اس میں قلم کی تحریر جاری ہو چکی ہے یا ہم اس پر نئے سرے سے عمل کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ وہ چیز تقدیر میں ثبت ہو چکی ہے اور اس میں قلم کی تحریر جاری ہو چکی ہے۔ حضرت سراقہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! پھر عمل کس لیے ہے۔ آپ نے فرمایا: تم عمل کرتے رہو کیونکہ ہر شخص کے لیے وہی آسان کر دیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے' پھر آپ نے یہی آیات مبارکہ تلاوت فرمائیں۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

اور قضاء وقدر کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اعمال جو ہم اپنے کسب اور اپنے اختیار سے کرتے ہیں وہ اگرچہ ازل میں مقدر ہو چکے ہیں اور ان کا فیصلہ کیا جا چکا ہے اور لوح محفوظ میں انہیں لکھا جا چکا ہے اور وہ اعمال اللہ تعالیٰ کے علم' قدرت اور اس کے ارادے میں ازل سے آ چکے ہیں لیکن ان اعمال کے کرنے میں بندے مجبور نہیں ہیں اور نہ ان کا کسب واختیار ختم کر دیا گیا ہے بلکہ بندوں نے اپنی پیدائش کے بعد دنیا میں آ کر اپنے کسب ومحنت اور اپنے اختیار سے جو اعمال کرنے تھے ان کو اللہ تعالیٰ چونکہ ازل میں بھی جانتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان اعمال کو متعلقہ بندوں کے حق میں مقدر فرما کر لوح محفوظ میں لکھ دیا' لہٰذا بندے اپنی تقدیر اور لوح محفوظ کی تحریر کے تحت مجبور و پابند نہیں بنائے گئے کہ جیسے لکھ دیا ہے ویسے مجبوراً کرنا پڑے گا' ہرگز نہیں بلکہ ان کی تقدیر اور لوح محفوظ کی تحریر خود ان کے اپنے اعمال کے عین مطابق ہے جن کو دنیا میں آ کر انہوں نے اپنے کسب واختیار سے کرنا تھا' البتہ جب کوئی بندہ اپنے کسب اور اپنے اختیار سے کوئی عمل کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو اس کے ارادہ کے مطابق پیدا کر دیتا ہے اور وہ اپنے کسب سے اس کو وجود میں لاتا ہے' لہٰذا ہر فعل اور عمل کی تخلیق اور ایجاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے کہ وہی خالق و مالک ہے اور ہر فعل وعمل کا کسب اور اختیار بندے کی طرف سے ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کو کاسب ومختار بنا کر بھیجا ہے اور بندوں کی جزاء وسزا کا

تعلق بھی اسی کسب واختیار کی بنا پر ہے۔

منکرین تقدیر کی مذمت

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر امت کے لیے مجوسی لوگ تھے اور میری امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو تقدیر کے منکر ہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو تم ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو تم ان کے جنازوں میں شرکت نہ کرو۔ [مسند امام احمد ج ۱' ص ۲۱۹ رقم الحدیث: ۱۸۹ مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

(۲) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا' عادی شرابی اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ [مسند احمد ج رقم الحدیث: ۱۹۲]

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: منکرین تقدیر کے پاس مت بیٹھو اور نہ ہی ان سے کلام وسلام میں پہل کرو۔ [مسند امام احمد ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۳]

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ چار چیزوں پر ایمان لائے (۱) وہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں' اس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے (۲) اور وہ موت پر ایمان لائے (۳) اور مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنے پر ایمان لائے (۴) اور وہ تقدیر پر ایمان لائے۔ [ترمذی' ابن ماجہ] (۵) حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں دو گروہ ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں (۱) مرجیہ (۲) قدریہ [ترمذی]

اس حدیث کی تشریح میں حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں: مرجیہ کہتے ہیں کہ جیسے کافر کو کوئی نیکی مفید نہیں ایسے ہی مسلمان کو کوئی گناہ مضر نہیں جو چاہے کرے' اس زمانہ کے دتہ شاہی فقیر اور بعض روافض ان کی یادگار ہیں جن کا عقیدہ ہے دتہ شاہ کو مان لیا یا محرم میں رو پیٹ لیے' پھر جو چاہو کرو اور قدریہ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں' ہم اپنے اعمال کے خود خالق اور مختار ہیں' اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں فرقے بالکل کافر ہیں مگر علمائے دین فرماتے ہیں کہ ان کا کفر لزومی ہے نہ کہ التزامی' لہٰذا ان کی تکفیر میں احتیاط چاہیے کیونکہ ثبوت کفر کے لیے دلیل قطعی چاہیے' یہ حدیث قطعی نہیں۔ [مرأۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح' ج ۱' ص ۱۱۰]

(۶) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چھ آدمی ہیں جن پر میں نے اور اللہ تعالیٰ نے اور ہر مقبول الدعا نبی نے لعنت کی ہے (۱) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا (۲) تقدیر کو جھٹلانے اور نہ ماننے والا (۳) زبردستی مسلط ہو جانے والا تاکہ وہ انہیں ذلیل کرے جنہیں اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اور انہیں عزت دے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا (۴) اللہ تعالیٰ کے حرم شریف کو حلال جاننے والا (۵) اور میری آل کے متعلق وہ باتیں حلال جاننے والا جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے (۶) اور میری سنت کو ترک کر دینے والا۔

نوٹ: آخری تینوں حدیثوں کے حوالہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں: [مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲ مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

۱۲- بَابُ الْعِبْرَةِ بِخَوَاتِيْمِ الْاَعْمَالِ

انجام کے لیے اختتامی اعمال کا اعتبار ہوتا ہے

۱٦- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ مُصْعَبٍ عَنْ سَعْدٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَّفْسٍ اِلَّا وَقَدْ كَتَبَ اللّٰهُ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آدمی ایسا نہیں ہے مگر اس کا آغاز اور اس کا انجام اور اس کو دنیا و آخرت میں جو کچھ پیش آنے والا ہے اللہ عزوجل نے وہ

عَزَّوَجَلَّ مُدْخَلَهَا وَمَخْرَجَهَا وَمَا هِيَ لَاقِيَةٌ قِيْلَ فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ يُسِّرَ لِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ يُسِّرَ لِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ قَالَ الْاَنْصَارِيُّ الْاٰنَ حَقَّ الْعَمَلُ.

بخاری(١٣٦٢) مسلم(٦٧٣٣) ابوداؤد(٤٦٩٤) ترمذی (٢١٣٦) ابن ماجہ(٧٨)

سب کچھ لکھ دیا ہے' (انصار میں سے ایک شخص کی طرف سے) عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! پھر عمل کس لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: تم عمل کرتے رہو کیونکہ ہر شخص کے لیے وہی آسان ہوتا ہے جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے' سو جو شخص جنت والوں میں سے ہے اس کے لیے جنتیوں والے اعمال آسان ہوں گے اور جو شخص دوزخ والوں میں سے ہے اس کے لیے دوزخیوں والے اعمال آسان ہوں گے۔ انصاری آدمی نے کہا: اب عمل کرنے کی حقیقت معلوم ہوگئی ہے۔

حل لغات

''مَدْخَلٌ'' اور ''مَخْرَجٌ'' دونوں ظرف مکان کے صیغے ہیں اور دونوں باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہیں۔ پہلے کا معنی ہے: داخل ہونے کی جگہ اور دوسرے کا معنی ہے: نکلنے کی جگہ۔ ''مَاهِيَ لَاقِيَةٌ'' میں ما اسم موصول بہ معنی ''اَلَّتِيْ'' ہے اور ''هِيَ'' ضمیر منفصل واحد مؤنث غائب ہے' ''لَاقِيَةٌ'' اسم فاعل واحد مؤنث کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے: ملاقات اور ملنا۔ ''يُسِّرَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: آسان کرنا' سہل کرنا' نرم کرنا۔ ''حَقَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے بہ معنی ثابت کرنا۔

حسن خاتمہ کے لیے آخر دم تک نیک اعمال ضروری ہیں

اس حدیث میں بھی گزشتہ حدیث کی طرح عمل کرنے کا حکم دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت پر واضح فرما دیا کہ تقدیر پر بھروسہ کر کے اعمال صالحہ کو ہرگز ترک نہیں کرنا چاہیے اور یہ خیال کرنا کہ اجر و ثواب اور جنت اگر لکھ دی گئی ہے تو وہ ہر حال میں مل کر رہے گی اور اگر عذاب و سزا اور دوزخ لکھ دی گئی ہے تو وہ بھی ہر حال میں مل کر رہے گی کیونکہ تقدیر کا لکھا کبھی غلط نہیں ہو سکتا' لہٰذا اعمال صالحہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایسا سوچنا بالکل باطل و غلط ہے اور شیطان کا القا کیا ہوا مکر و فریب ہے۔ مقام غور ہے ذرا سوچیں تو سہی کہ امارت و غربت' خوشحالی و تنگدستی اور صحت و بیماری' موت و حیات سب کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے تو کیا کوئی شخص ان دنیاوی معاملات میں یہ سوچتا ہے کہ رزق میں وسعت و فراخی اور خوشحالی اور صحت و تندرستی اگر تقدیر میں لکھی جا چکی ہے تو ہر حال میں مل کر رہے گی اور اگر رزق میں کمی و تنگ دستی اور بدن میں بیماری و تکلیف لکھی جا چکی ہے تو وہ بھی ہر حال میں مل کر رہے گی' لہٰذا دن رات کمائی کرنے میں لگے رہنے اور علاج معالجہ کے لیے حکیموں اور ڈاکٹروں کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن دنیاوی معاملات میں ایسا کوئی نہیں سوچتا تو پھر دینی معاملات میں ایسی بہانے سازیاں کیوں؟ بلکہ جس طرح دنیاوی معاملات میں رزق میں وسعت و فراخی حاصل کرنے اور مالی ترقی و خوشحالی حاصل کرنے کے لیے تقدیر پر بھروسہ کرنے کی بجائے دن رات مسلسل محنت و کوشش کرتے ہیں اور اپنی جسمانی صحت و تندرستی کے لیے اور بیماری سے چھٹکارا پانے کے لیے حکیموں اور ڈاکٹروں کے پاس علاج و معالجہ کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ غلط بھی نہیں کیونکہ حدیث شریف کے مطابق رزق حلال حاصل کرنا فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے اور علاج معالجہ کرانا بھی تقدیر میں سے ہے' چنانچہ حضرت ابوخزامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بتلایا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ بتایئے کہ ہم جو دم درود' جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور ہم لوگ علاج معالجہ' دوا دارو کرتے ہیں اور ہم لوگ کئی مضر چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں تو کیا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو ٹال دیتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ چیزیں خود اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے

ہیں۔ اس حدیث کو امام احمد' امام ترمذی' امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ المصابیح' ص ٢٢' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

اسی طرح ہمیں چاہیے کہ ہم دینی معاملات میں حسن انجام اور اخروی کامیابی حاصل کرنے کے لیے نیک اعمال کرنے اور برے اعمال سے بچنے کے لیے دن رات مسلسل خوب خوب محنت و کوشش کرتے رہیں اس لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم تقدیر پر بھروسہ نہ کرو بلکہ تم عمل کرتے رہو اور اپنی کوشش جاری رکھو یہاں تک کہ خاتمہ بالخیر ہو جائے کیونکہ آخری اعمال کا اعتبار ہوتا ہے' اگر آخری اعمال نیک ہوئے تو انجام بہ خیر ہوگا اور اگر آخری اعمال برے ہوئے تو انجام بھی برا ہوگا جیسا کہ احادیث مبارکہ میں مذکور ہے۔

(١) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں صادق و مصدوق (سچ بولنے والے اور سچے) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ بے شک تم میں سے ہر ایک کا مادہ تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے' پھر اتنا عرصہ جما ہوا خون بن کر رہتا ہے' پھر اتنا عرصہ گوشت کا لوتھڑا بن کر رہتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو چار باتیں بتا کر اس کے پاس بھیجتا ہے اور وہ فرشتہ اس کے عمل (جو اس نے دنیا میں آ کر کرنے ہیں) اور اس کی موت اور اس کا رزق اور وہ بدبخت یا نیک بخت سب کچھ لکھ لیتا ہے' پھر وہ اس میں روح پھونک دیتا ہے' سو قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے! بے شک تم میں سے بعض لوگ جنتیوں والے عمل کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کے درمیان اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اچانک تقدیر کا لکھا سامنے آ جاتا ہے تو وہ دوزخیوں والے عمل کرنے لگ جاتا ہے' پھر وہ دوزخ میں چلا جاتا ہے اور بے شک تم میں سے بعض لوگ دوزخیوں والے عمل کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کے درمیان اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اچانک تقدیر کا نوشتہ اس کے سامنے آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں والے عمل کرنے لگ جاتا ہے' پھر وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ [متفق علیہ] [مشکوٰۃ المصابیح ص ٢٠ مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

(٢) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
بے شک بعض بندے دوزخیوں والے عمل کرتے ہیں لیکن وہ جنتی ہوتے ہیں اور بعض بندے جنتیوں والے عمل کرتے ہیں لیکن وہ دوزخی ہوتے ہیں اور بے شک اعمال کا اعتبار صرف خاتمہ پر ہوتا ہے۔ [متفق علیہ]

[مشکوٰۃ المصابیح ص ٢٠' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

١٣- بَابُ التَّرْغِيْبِ فِي الْعَمَلِ وَالصَّبْرَةِ بِالْخَوَاتِيْمِ

عمل کی تلقین اور خاتمہ کا اعتبار

١٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدِ ابْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ نَفْسٍ اِلَّا وَقَدْ كَتَبَ اللّٰهُ مَدْخَلَهَا وَمَخْرَجَهَا وَمَا هِيَ لَاقِيَةٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَفِيْمَ الْعَمَلُ اِذًا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ اَمَّا اَهْلُ الشَّقَاوَةِ فَيُسِّرُوْا لِعَمَلِ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ وَاَمَّا اَهْلُ السَّعَادَةِ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر انسان کا آغاز' اس کا انجام اور اس کو جو کچھ پیش آنے والا ہے سب اللہ تعالیٰ نے لکھ لیا ہے۔ انصار میں سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! پھر عمل کس لیے ہے۔ آپ نے فرمایا: تم عمل کرتے رہو کیونکہ ہر انسان کے لیے وہی عمل آسان ہوتا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے' اگر بدبخت ہوتا ہے تو اس کے لیے بدبختوں والے عمل آسان کر دیئے جاتے ہیں اور اگر نیک بخت ہوتا ہے تو اس کے لیے نیک بختوں والے

فَيُسِّرُوْا لِعَمَلِ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ اَلْاٰنَ حَقَّ الْعَمَلُ. وَفِيْ رِوَايَةٍ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ يُسِّرَ لِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ يُسِّرَ لِعَمَلِ اَهْلِهَا فَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ اَلْاٰنَ حَقَّ الْعَمَلُ. سابقہ(١٦)

عمل آسان بنادیے جاتے ہیں تو انصاری نے کہا: اب عمل کی حکمت واضح ہو گئی ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تم عمل کرتے رہو کیونکہ ہر ایک آدمی کے لیے آسانی مہیا کی گئی ہے پس جو شخص اہل جنت میں سے ہوتا ہے اس کے لیے جنتیوں والے عمل آسان ہو جاتے ہیں اور جو شخص دوزخ والوں میں سے ہوتا ہے اس کے لیے دوزخیوں والے عمل آسان ہو جاتے ہیں۔ انصاری نے کہا: اب عمل کرنے کی وجہ معلوم ہو گئی ہے۔

حل لغات

واضح رہے کہ یہ حدیث مبارکہ مذکورہ بالا سابق حدیث کا تسلسل ہے۔ دونوں احادیث کے الفاظ و معانی اور تشریح ایک جیسی ہے اس لیے اس حدیث کے مشکل الفاظ کے معنی اسی میں حل لغات کے تحت بیان کر دیے ہیں وہیں ملاحظہ فرمائیں' البتہ اس حدیث کے تحت دو ضروری مسائل کی تشریح کر دی ہے۔

تقدیر پر بھروسہ کی بجائے نیک اعمال کرنا لازم ہیں

اس حدیث میں بھی سابقہ حدیث کی طرح دو مسائل کی وضاحت کی گئی ہے (١) ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ تقدیر پر بھروسہ کر کے عمل کو ہرگز ترک نہیں کرنا چاہیے بلکہ زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرنے چاہئیں۔ ایک تو اس لیے کہ آخرت کا معاملہ مبہم ہے کسی کو نہیں معلوم کہ اس کا انجام کیا ہوگا اس لیے ہر آدمی کو اپنا انجام بہتر بنانے کے لیے نیک اعمال کرنے کی خوب محنت و کوشش ضرور جاری و ساری رکھنی چاہیے اور دوسرا اس لیے کہ ہر آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدرت کسبیہ بالفعل حاصل ہے' لہٰذا اس کو استعمال کرتے ہوئے نیک اعمال کرتے رہنا چاہیے کیونکہ عقائد صحیحہ اور نیک اعمال سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہوتی ہے اور جب بندہ نیک اعمال کے سبب اللہ تعالیٰ کا مقرب بن جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا تو اس کا انجام بھی ضرور بہتر ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے اسے ثابت رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ○ [الرعد:٣٩]

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے ○

حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سعادت اور شقاوت کو بھی محو کر دیتا ہے اور رزق و موت کو بھی محو کر دیتا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! اگر تو نے مجھے نیک بختوں اور سعادت مندوں میں لکھ دیا ہے تو مجھے اس میں ثابت و قائم رکھنا اور اگر تو نے مجھے بد بخت لکھ دیا ہے تو میری بد بختی مٹا دے اور مجھے سعادت مند اور مغفرت یافتہ لوگوں میں ثابت فرما دے بے شک تو جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب صرف تیرے پاس ہے۔ [معالم التنزیل ج ٣ ص ٢٣' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت]

اور تیسرا اس لیے نیک اعمال کرنے چاہئیں کہ جنتیوں کے لیے جنت والے اعمال آسان ہو جاتے ہیں اور دوزخیوں کے لیے دوزخ والے اعمال آسان ہو جاتے ہیں۔

اعمال کے مطابق خاتمہ ہوگا

دوسرا مسئلہ جس کی اس حدیث میں وضاحت کی گئی ہے یہ ہے کہ خاتمہ اور انجام کا اعتبار اعمال پر ہوتا ہے کیونکہ مرتے وقت جیسے

عمل ہوں گے ویسا ہی انجام ہوگا' لہٰذا ہر بندے کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرتا رہے' ممکن ہے وہی اس کا آخری وقت ہو نیز دنیا میں عموماً اعمال انجام کی علامتیں ہوتی ہیں' چنانچہ جنتی آدمی کے لیے نیکیاں آسان اور گناہ بھاری معلوم ہوتے ہیں اور دوزخی آدمی کے لیے برے اعمال اور گناہ آسان اور نیکیاں بھاری معلوم ہوتی ہیں' لہٰذا ہر آدمی کو آخری دم تک نیک عمل کرتے رہنا چاہیے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی علم کے مطابق جنتیوں کو جنتی ہونے پر اور جہنمیوں کو جہنمی ہونے پر مجبور پیدا نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو کسب و محنت کی صلاحیت عطا فرما کر اسے اختیار دے دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے جس راہ کو چاہے منتخب کر لے' سو یہ انسان کے اپنے اختیار پر منحصر ہے کہ وہ اہل جنت کا راستہ اختیار کر کے نیک عمل کرے اور برے عمل سے پرہیز کرے یا وہ اپنے اختیار سے اہل نار کا راستہ اختیار کر کے برے عمل کرے اور نیک عمل سے دور رہے' جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔

١٤- بَابُ اَمْرِ مُقَاطَعَةِ مِنْ اَهْلِ الْقَدْرِ

منکرینِ تقدیر کے ساتھ بائیکاٹ کرنے کا حکم

١٨- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ' عَنْ نَافِعٍ' عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِيْءُ قَوْمٌ يَقُوْلُوْنَ لَا قَدْرَ ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ مِنْهُ اِلَى الزَّنْدِقَةِ فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَلَا تُسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ وَاِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تُشَيِّعُوْهُمْ فَاِنَّهُمْ شِيْعَةُ الدَّجَّالِ وَمَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّلْحِقَهُمْ بِهِمْ فِي النَّارِ.

ابوداؤد(٤٦٩٢) ابن ماجہ(٩٢)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک ایسی قوم آئے گی جو کہیں گے: تقدیر کوئی چیز نہیں' پھر وہ بے دینیت کی طرف نکل جائیں گے سو جب تم ان کے آمنے سامنے ہو جاؤ تو تم ان کو سلام نہ کرو اور اگر وہ بیمار ہو جائیں تو تم ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو تم ان کے جنازے میں شرکت نہ کرو کیونکہ وہ دجال کا گروہ ہے اور وہ اس امت کے مجوسی ہیں' اللہ تعالیٰ ان کو مجوسیوں کے ساتھ اکٹھا کر کے دوزخ کی آگ میں ضرور ڈالے گا۔

حل لغات

''لَا قَدْرَ'' تقدیر کے معنی میں ہے' اسلام کے ابتدائی دور میں ایک گمراہ فرقہ قدریہ گزرا ہے جس کا دعویٰ تھا ''لَا قَدْرَ'' یعنی تقدیر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ''اَلزَّنْدِقَةُ'' کا معنی ہے: بے دین ہو جانا' شریعت سے نکل جانا۔ ''لَقِيْتُمْ'' یہ صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ملاقات کرنا اور ملنا۔ ''لَا تُسَلِّمُوْا'' یہ جمع مذکر حاضر فعل نہی معروف کا صیغہ ہے اور باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: سلام کرنا۔ ''لَا تَعُوْدُوْا'' یہ جمع مذکر حاضر فعل نہی معروف کا صیغہ ہے اور باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: عیادت کرنا اور بیمار پرسی کرنا۔ ''لَا تَشْهَدُوْا'' یہ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل نہی معروف ہے۔ جب یہ باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہو تو اس کا مصدر ''شَهَادَةٌ'' آتا ہے بہ معنی گواہی دینا اور جب یہ باب كَرُمَ يَكْرُمُ سے ہو تو اس کا مصدر شہود آتا ہے' اس کا معنی ہے: حاضر ہونا' ان دونوں مصادر سے اسم فاعل شاہد آتا ہے جس کا معنی گواہی دینے والا اور حاضر و ناظر ہونے والا ہے' یہاں دوسرا معنی مراد ہے۔ ''لَا تُشَيِّعُوْا'' یہ بھی جمع مذکر حاضر فعل نہی معروف کا صیغہ ہے باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: تابع ہونا' پیچھے چلنا' کسی کے ساتھ جانا لیکن یہاں نماز جنازہ میں حاضر نہ ہونا مراد ہے۔

قدریہ اور زندقہ کی مذمت

اس حدیث مبارکہ میں اور اس کے بعد آنے والی احادیث مبارکہ میں قدریہ فرقہ کی کافی مذمت بیان کی گئی ہے اور مسلمانوں کو اس سے معاشرتی اور مذہبی بائیکاٹ کرنے کی پرزور تاکید کی گئی ہے اس لیے اس فرقہ کے متعلقہ عقیدہ کی وضاحت اور اس کی تردید' نیز

دنیا میں اس فرقہ کی مذمت کے ساتھ ساتھ آخرت میں اس کی محرومی بیان کرنا بھی ضروری ہے' پھر اس حدیث مبارکہ میں زندقہ کا ذکر ہوا ہے جس کی وضاحت ضروری ہے' لہٰذا پہلے قدریہ پھر زندقہ کی توضیح کی جاتی ہے۔

قدریہ: یہ فرقہ اسلام کے ابتدائی دور میں نمودار ہوا تھا' اس کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ تقدیر کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اشیاء کی تخلیق سے پہلے ان کے متعلق کچھ مقدر نہیں فرمایا کہ دنیا میں ان کے احوال اور افعال وغیرہ کیا ہوں گے اور نہ ہی لوح محفوظ میں ان کے بارے میں کچھ لکھا ہے۔ دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنے افعال واقوال اور اپنے فیصلوں میں خود مختار ہے اور اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ گویا ہر انسان خالق ہے (نعوذ باللہ من ذالک) حالانکہ اس فرقہ کی یہ دونوں باتیں باطل اور بالکل غلط ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَاؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌۚO [الحدید:۲۲]

زمین میں اور تمہاری جانوں میں کوئی مصیبت نہیں آتی مگر اسے اس کی پیدائش سے پہلے ایک کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے O

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیریں زمین وآسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی تھیں اور اس وقت اس کا عرش پانی کے اوپر تھا۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

[مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

مذکورہ بالا آیت مبارکہ اور حدیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں ان کی پیدائش سے پہلے لوح محفوظ میں لکھ دیں' بندوں کے افعال کی تخلیق کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَO [الصآفات:۹۶]

اور تمہیں اور تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے O

اس آیت مبارکہ میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے اعمال و افعال کا خالق بھی ہے۔ انسان اپنے افعال کا خود خالق نہیں بلکہ وہ اپنے افعال کا صرف کاسب ہے خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ نیز قرآن مجید میں مزید ارشاد ہے:

وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌO

اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O [الانعام:۱۰۱]

اس آیت مقدسہ سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کا خالق و مالک ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کی مخلوق ہے اور اس کا علم کامل ہر چیز کو محیط ہے۔

نیز قرآن مجید کی اسی سورت کی اگلی آیت میں ارشاد ہے:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌO

وہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے' سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے O [الانعام:۱۰۲]

اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوا کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لیے بندوں کے افعال کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ بندوں کے افعال بھی ہر چیز میں شامل ہیں۔

تقدیر کے منکرین کے لیے آخرت میں ناکامی

(۱) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا' عادی شرابی اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ [مسند امام احمد ج ۱' رقم الحدیث: ۱۹۲ مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

(۲) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص مسئلۂ تقدیر میں تنقید کرنے کے لیے بحث و گفتگو کرے گا تو قیامت کے دن اس سے باز پرس کی جائے گی اور جو شخص اس میں بحث و جھگڑا نہیں کرے گا اس سے قیامت کے دن باز پرس نہیں کی جائے گی۔ اس کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

[مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳' مطبوعہ دہلی]

(۳) امام طبرانی نے جامع کبیر میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین قسم کے اشخاص کی نہ فرض عبادت قبول فرمائے گا اور نہ نفل عبادت قبول فرمائے گا: (۱) ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا (۲) نیکی کر کے احسان جتلانے والا (۳) اور تقدیر کو جھٹلانے والا۔ [تنسیق النظام فی مسند الامام ص ۱۴ حاشیہ ۵]

(۴) امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی (۱) قدریہ (۲) مرجیہ۔

(۵) امام طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ نہ حوض کوثر پر وارد ہوں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے (۱) قدریہ (۲) مرجیہ۔

(۶) امام طبرانی نے جامع کبیر میں اور امام ابن عدی نے اپنی کامل میں حضرت ابوامامہ کی حدیث مرفوعاً بیان کی ہے کہ چار قسم کے اشخاص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھے گا (۱) ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا (۲) احسان جتانے والا (۳) عادی شرابی (۴) اور تقدیر کو جھٹلانے والا۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۵ - ۱۴' حاشیہ ۶' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

قدریوں کو مجوسی کے ساتھ تشبیہ دینے کا سبب

قدریوں (منکرین تقدیر) کو مجوس کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ قدری بھی مجوس کی طرح مشرک ہیں کیونکہ جس طرح مجوس متعدد معبود و خالق مانتے ہیں اسی طرح قدری بھی متعدد معبود اور متعدد خالق مانتے ہیں' چنانچہ مجوس کہتے ہیں کہ خیر و بھلائی کا خالق الگ ہے جس کو یزدان کہتے ہیں اور شر و برائی کا خالق الگ ہے جس کو اہرمن کہتے ہیں جبکہ قدری کہتے ہیں کہ ہر انسان اپنے افعال کا مستقل خود خالق ہے' تو گویا انہوں نے تمام انسانوں کو خالق قرار دے دیا اس طرح یہ متعدد معبودوں کے قائل ہو گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ منفرد اور اکیلا معبود برحق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌۚ [البقرۃ:۱۶۳]

اور تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے۔

اسی طرح کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﱪ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَO [فاطر:۳]

کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے جو زمین و آسمان سے تمہیں رزق پہنچاتا ہے (ہرگز نہیں) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو تم کہاں بھٹکے جا رہے ہو O

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی القاری ص ۴۱۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت]

زندیق کا تعارف اور اس کا شرعی حکم

زندیق دراصل مجوس قوم کو کہا جاتا تھا جو ژند یا زند نامی کتاب کے پیروکار تھے جس کو زردشت مجوسی نے تیار کیا تھا لیکن زندیق ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے:

(۱) جو آخرت پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا منکر ہو۔

(۲) جو زبان سے تو اسلام کا اظہار کرے لیکن دل میں کفریہ عقائد رکھتا ہو اور قرآن وسنت کی نصوص میں باطل تاویلات کرتا ہو اس کے کفریہ عقائد کا علم ہو جائے۔

(۳) جو آخرت کو اور خالق کی وحدانیت کو نہ مانتا ہو اور کسی چیز کو حرام نہ مانتا ہو۔

(۴) ہر ملحد و بے دین اور دہریہ کو زندیق کہا جاتا ہے۔

(۵) قاضی نے کہا کہ زندیق مجوس کی ایک قوم ہے جس کو ثنویہ کہا جاتا ہے' یہ دو مبدوں کے قائل ہیں' ان میں سے ایک مبدا نور جو خیر و بھلائی کا مبدا ہے اور دوسرا ظلمت ہے جو شر و فساد اور برائی کا مبدا ہے۔

(۶) اسلام سے پھر جانے والی مرتد قوم کو زندیق کہا جاتا ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا کہ آپ نے اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جانے والوں کو آگ میں جلوا دیا تھا جنہیں زنادقہ (جمع زندیق) کہا جاتا تھا۔

(۷) یہ عبداللہ بن سبا یہودی کے پیروکار تھے جنہیں قوم سائبہ کہا جاتا تھا' یہ لوگ عبداللہ بن سبا کے ساتھ مل کر امت مسلمہ کو گمراہ کر دین اسلام میں فتنہ و فساد اور افتراق و انتشار پھیلانے کے لیے زبانی اسلام کا اظہار کر کے مسلمان ہو گئے (لیکن در پردہ کفریہ عقائد پر قائم رہے)' انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بہت بڑا فتنہ برپا کیا تھا' پھر یہ لوگ اہل تشیع سے مل گئے اور ان کے جہال (جمع جاہل) کو گمراہ کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں الٰہ اور معبود ہونے کا اعتقاد گھڑ لیا' پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ان کو گرفتار کرا لیا اور ان کو توبہ کرنے کی دعوت دی انہوں نے توبہ کرنے سے انکار کر دیا اور آپ نے لوگوں کو عبرت دلانے اور کفار پر شدت و سختی کرنے اور ان کو عبرتناک سزا دینے کے لیے آگ میں جلوا دیا لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے توجہ دلانے پر کہ ان لوگوں کو صرف قتل کر دینا کافی تھا کیونکہ آگ میں جلانے سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے رجوع کر لیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تحسین فرمائی۔

[مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۲ نیز ج ۷ ص ۱۰۴' اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۰ نیز ج ۳ ص ...]

۱۵- بَابُ اَلْقَدْرِيَّةُ مَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ
منکرین تقدیر اس امت کے مجوس ہیں

۱۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِيْءُ قَوْمٌ يَّقُوْلُوْنَ لَا قَدَرَ ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ مِنْهُ اِلَى الزَّنْدَقَةِ فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَلَا تُسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ وَاِنْ مَّرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِنْ مَّاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْا جَنَائِزَهُمْ فَاِنَّهُمْ شِيْعَةُ الدَّجَّالِ وَمَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ يُّلْحِقَهُمْ بِهِمْ فِى النَّارِ. سابقہ (۱۸)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک قوم ایسی آئے گی جو کہیں گے کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے' پھر وہ اس سے بے دینی کی طرف نکل جائیں گے' سو جب تمہارا ان سے آمنا سامنا ہو جائے تو تم ان کو سلام نہ کرو اور اگر وہ بیمار ہو جائیں تو تم ان کی بیمار پرسی نہ کرو اور اگر وہ مرجائیں تو تم ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو کیونکہ وہ دجال کا گروہ ہیں اور اس امت کے مجوسی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو مجوسیوں کے ساتھ ملا کر دوزخ کی آگ میں ضرور ڈالے گا۔

حل لغات

''مَرِضُوْا'' یہ صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بیمار ہونا۔ ''جَنَائِزُ'' یہ ''جَنَازَةٌ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: میت' مردہ' میت کا تابوت۔ ''شِيْعَةُ الدَّجَّالِ'' میں شیعہ کا معنی ہے: گروہ' قدریہ فرقہ کو ان کے عقیدہ کے فاسد و باطل ہونے میں دجال کا گروہ قرار دیا گیا ہے۔ ''حَقًّا'' کا معنی ہے: واجب اور لازم یہاں ''حَقًّا عَلَى اللّٰهِ'' کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ہے۔

منکرین تقدیر کی مذمت کی وجوہات

منکرین تقدیر کی مذمت وتحقیر اور ان سے معاشرتی و مذہبی بائیکاٹ کرنے کی اہمیت وضرورت کو واضح کرنے اور ان کو اس بدعقیدگی پر متنبہ کرنے کے لیے اس حدیث مبارکہ کو دوبارہ ذکر کیا گیا ہے تاکہ انہیں عبرت حاصل ہو اور وہ توبہ کر لیں جیسا کہ:

(۱) امام ابن عدی اپنی کامل میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس شخص نے تقدیر کو جھٹلایا اس نے میری ان تمام تعلیمات کے ساتھ یقیناً کفر کیا جو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا ہوں۔

(۲) امام ابن ابی حاتم نے اپنی مسند میں اور امام طبرانی نے اپنی الجامع الکبیر میں اور امام ابن عدی نے اپنی کامل میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم قدریوں (منکرین تقدیر) سے بچو اور ان سے پرہیز کرو کیونکہ وہ نصرانیوں کی ایک شاخ ہے (کہ جس طرح عیسائی متعدد خداؤں کے قائل ہیں اسی طرح قدری بھی متعدد خداؤں کے قائل ہیں)۔

(۳) امام طبرانی نے الجامع الکبیر میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی امت میں سے تین قسم کے افراد پر خوف واندیشہ ہے:

(۱) پھسل جانے والا عالم (۲) قرآن مجید میں جھگڑنے والا منافق (۳) اور تقدیر کو جھٹلانے والا۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۵ حاشیہ ۶]

مسند امام اعظم کی اس حدیث اور اس سے پہلی حدیث میں قدریوں کے ''لا قدر'' (تقدیر کوئی چیز نہیں) کہنے کا یہ مطلب ہے کہ خیر و شر اور نفع و نقصان کا تقدیر سے کوئی تعلق نہیں بلکہ انسان خود مستقل طور پر اپنے افعال کا خالق ہے اس لیے خیر و شر اور نفع و نقصان کا خالق بھی خود انسان ہی ہے' یہی وجہ ہے کہ انہیں جنت سے محروم اور جہنم کا سزاوار قرار دیا گیا ہے جیسا کہ گزشتہ عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے اور ان کو سلام کرنے سے منع کرنے کی وجہ اس بدعقیدگی پر انہیں جھڑکنا اور ڈانٹنا ہے کیونکہ وہ باطن میں کافر ہیں اور بہ ظاہر فاسق و فاجر ہیں اور دوسری وجہ تقدیر پر ایمان لانے کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کرنا ہے کہ جو شخص تقدیر پر ایمان نہیں لاتا وہ اس قدر بدبخت ہے کہ اسلام میں سلام دعا کے قابل نہیں رہا اور ان کے مریضوں کی عیادت کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ ان کی عیادت میں کوئی اجر و ثواب نہیں اور ان کے مرنے والوں کے جنازے میں شرکت سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی عبادت کا ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور نہ مسلمانوں کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے پر اجر و ثواب حاصل ہوگا کیونکہ وہ ایمان کے ایک اہم ترین اور بنیادی رکن کا انکار کرنے کی وجہ سے باطن میں کافر ہیں اور مسلمانوں کی عبادت کا ثواب صرف مسلمانوں کو پہنچتا ہے اور ان کو اس

امت کا مجوس اس لیے فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ انسانوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی طرف منسوب کرنے کی بجائے خود انسانوں کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انسان خود مستقل طور پر اپنے افعال کے آپ خالق ہیں۔

وہ یہ نہیں کہتے کہ انسان کے افعال کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور اسی نے ان کو مقدر کیا ہے اور انہیں تقدیر میں لکھ دیا ہے' لہٰذا یہ لوگ مجوس سے بڑھ کر نجس اور ناپاک ہیں کیونکہ کثرت کے ساتھ متعدد خالقین (خالقوں) کے قائل ہیں جبکہ مجوس تو دو خالقوں کے قائل ہیں اس لیے ان کو مجوس کے ساتھ اکٹھا کر کے دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۱۹۶' مطبوعہ دار الکتاب العلمیۃ بیروت]

۱۶- بَابُ اللَّعْنَةِ عَلَى الْقَدَرِيَّةِ

منکرین تقدیر پر لعنت کا جواز

۲۰- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ سَالِمٍ' عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَعَنَ اللّٰهُ الْقَدَرِيَّةَ وَقَالَ مَا مِنْ نَّبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَبْلِيْ اِلَّا حَذَّرَ اُمَّتَهٗ مِنْهُمْ وَلَعَنَهُمْ. مسند الحارثی (۸۹)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قدریوں (یعنی منکرین تقدیر) پر لعنت کی ہے اور آپ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس نے اپنی امت کو قدریوں سے ڈرایا اور ان پر لعنت بھیجی۔

حل لغات

''لَعَنَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی پر لعنت کرنا' رحمت الٰہی سے دور کرنے کی بددعا دینا۔ ''القدریۃ'' قدریہ ایک فرقہ ہے جو تقدیر کا انکار کرتا ہے۔ ''بَعَثَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بھیجنا' ابھارنا' برانگیختہ کرنا' یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ ''حَذَّرَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: ڈرانا' بچانا اور تنبیہ کرنا۔

لعنت کے مفہوم اور اقسام کی وضاحت

لغت میں لعنت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا۔

لعنت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) شریعت میں جس عام وصف کے ساتھ لعنت کی گئی ہو اس عام وصف کے ساتھ لعنت کرنا جیسے قرآن مجید میں ہے: کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو' فاسقوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو' جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو' اور صحیح بخاری میں ہے: جو مرد عورتوں کی مشابہت کریں اور جو عورتیں مردوں کی مشابہت کریں ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو!

[صحیح بخاری ج ۲' ص ۸۷۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ]

(۲) جس شخص کی موت کفر پر دلیل قطعی سے ثابت ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے جیسے ابلیس اور ابولہب پر لعنت کرنا جائز ہے۔

(۳) جو شخص ظاہر حال کے اعتبار سے مومن ہو یا کافر ہو اور اس کا کفر پر مرنا معلوم نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کافر کو اسلام کی توفیق دے دے۔ جامع ترمذی میں ہے: مومن بہت لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔ نیز اس میں ہے: اللہ تعالیٰ کی لعنت کے ساتھ لعنت نہ کرو اور سنن ابوداؤد میں ہے: جس نے اس شخص پر لعنت کی جو لعنت کا مستحق نہیں ہے تو وہ لعنت' لعنت کرنے والے پر لوٹے گی۔ لعنت کافروں پر بھی کی گئی ہے اور گناہ کبیرہ کرنے والے مسلمانوں پر بھی وصف عام کے ساتھ لعنت کی گئی ہے جیسے جھوٹوں پر لعنت ہو۔

کافروں پر جو لعنت ہے اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکلیہ دور کر دینا اور گناہ کبیرہ کرنے والے مسلمانوں پر جو لعنت ہے اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے قرب خاص اور اس کی خصوصی رحمت اور رضا سے دور کر دینا۔ بعض اسلاف نے یہ کہا ہے کہ جو شخص فوت ہو گیا ہو اس پر لعنت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ بغیر تعیین کے تمام کافروں پر لعنت کرنا جائز ہے اور بعض نے اس کو واجب کہا ہے اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ کسی معین کافر پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔

[تبیان القرآن ج ۱' ص ۷۶۴' مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور]

۲۱- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْقَدَرِيَّةَ وَمَا مِنْ نَّبِيٍّ وَّلَا رَسُوْلٍ اِلَّا لَعَنَهُمْ وَنَهٰى اُمَّتَهٗ عَنِ الْكَلَامِ مَعَهُمْ. سابقہ (۲۰)

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قدریوں پر لعنت کی ہے اور کوئی نبی اور کوئی رسول (دنیا میں) تشریف نہیں لایا مگر اس نے قدریوں پر لعنت کی اور اپنی امت کو ان کے ساتھ گفتگو کرنے سے منع فرمایا۔

حل لغات

''نَبِيٌّ'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام اور وحی کی بنا پر غیب کی باتیں بتانے والا' پیشین گوئی کرنے والا' اللہ تعالیٰ کے متعلق خبریں دینے والا۔ ''رَسُوْلٌ'' بھیجا ہوا' پیغامبر۔ ''نَهٰى'' واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: روکنا' منع کرنا' باز رکھنا۔

تقدیر کی اہمیت

امام دارقطنی کتاب العلل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ ستر نبیوں کی زبان مبارک سے قدریوں پر لعنت کی گئی ہے۔ (واضح رہے کہ اس موقوف حدیث کے مقابلہ میں حضرت بریدہ کی مرفوع حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش انبیاء و رسل میں سے ہر نبی اور ہر رسول نے قدریوں پر لعنت کی ہے: واللہ اعلم بالصواب)

(۲) امام طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

تقدیر توحید کا حسن اور زیب و زینت ہے' سو جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا اور تقدیر پر ایمان لایا تو اس نے بلاشبہ مضبوط رسی کو تھام لیا۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۳۶۵' مطبوعہ بیروت]

۲۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ' عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقَدَرِيَّةُ مَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهُمْ شِيْعَةُ الدَّجَّالِ. ابوداؤد (۴۶۹۱)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قدریہ اس امت کے مجوس ہیں اور وہ دجال کا گروہ ہے۔

قدریہ اس امت کے دجال ہیں

قدریہ کو اس امت کے مجوس کہنے کی وجہ انیسویں حدیث مبارکہ کی تشریح میں بیان کر دی گئی ہے اور ان کو دجال کا گروہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ منکرین تقدیر کفر میں دجال کے مشابہ ہیں اور فسق و فجور میں اسی کے پیروکار ہیں (کیونکہ جس طرح دجال قرب قیامت میں ظاہر ہو کر حق کو چھپائے گا اور باطل کا پرچار کرے گا اسی طرح قدریہ عقیدہ حقہ تقدیر کا انکار کر کے چھپاتے ہیں اور اپنی طرف سے انسان کو خالق افعال کہہ کر باطل کا پرچار کرتے ہیں)۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۹۵' مطبوعہ بیروت]

۱۷- بَابُ الشَّفَاعَةِ لِاَهْلِ الْاِيْمَانِ

۲۳- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ يُخْرِجُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَزِيْدُ فَقُلْتُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا (المائدہ: ۳۷) قَالَ جَابِرٌ اِقْرَاْ مَا قَبْلَهَا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (المائدہ: ۳۶) اِنَّمَا هِيَ فِي الْكُفَّارِ وَفِيْ رِوَايَةٍ يُّخْرِجُ قَوْمٌ مِّنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَزِيْدُ قُلْتُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا فَقَالَ جَابِرٌ اِقْرَاْ مَا قَبْلَهَا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ذٰلِكَ الْكُفَّارُ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ يَّزِيْدَ قَالَ سَاَلْتُ جَابِرًا عَنِ الشَّفَاعَةِ فَقَالَ يُعَذِّبُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَوْمًا مِّنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ بِذُنُوْبِهِمْ ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ فَاَيْنَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ اِلٰى اٰخِرِهٖ.

مسلم (۴۷۱ تا ۴۷۳)

شفاعت صرف اہل ایمان کے لیے ہوگی

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے مسلمانوں کو دوزخ کی آگ سے نجات عطا فرمائے گا (حدیث کے راوی) حضرت یزید نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا'' اور وہ دوزخ کی آگ سے نکلنے والے نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ تم اس سے پہلے (والی آیت مبارکہ) ''اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' [المائدہ: ۳۶] پڑھو کیونکہ یہ تو صرف کفار کے بارے میں (فرمایا گیا) ہے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے صدقہ میں دوزخ سے نکالا جائے گا۔ حضرت یزید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا: بے شک اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: ''وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا'' [المائدہ: ۳۷] اور وہ دوزخ کی آگ سے نکلنے والے نہیں۔ سو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس سے پہلے والی آیت مبارکہ ''ان الذین کفروا'' پڑھو۔ وہ تو کفار ہیں (جن کو دوزخ سے نہیں نکالا جائے گا) اور ایک روایت میں حضرت یزید سے اس طرح مروی ہے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے شفاعت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے (جواب دیتے ہوئے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی ایک جماعت کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرے گا' پھر اللہ تعالیٰ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے سبب ان کو عذاب سے نکال کر نجات عطا فرمائے گا' پس میں نے عرض کیا کہ اللہ عزوجل کے ارشاد کا کیا مطلب۔ پھر آخر تک حدیث ذکر کی۔

حل لغات

''يُخْرِجُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: نکالنا۔ ''شَفَاعَةٌ'' یہ جار مجرور يَخْرُجُ کے متعلق ہے' اس کا معنی ہے: سفارش کرنا۔ ''اِقْرَاْ'' یہ صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف حاضر باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: پڑھنا۔ ''يُعَذِّبُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب تفعیل ہے' اس کا معنی ہے: عذاب دینا' سزا دینا' تکلیف پہنچانا۔

شفاعت کی اہمیت

مسئلہ تقدیر کی طرح مسئلہ شفاعت بھی ایک اہم ترین اور اختلافی مسئلہ ہے جس میں اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ کی رائے

مختلف ہے۔ اہل سنت و جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے قیامت کے روز اپنے محبوب و برگزیدہ اور مقرب و مقبول بندوں کی عزت اور وجاہت دکھانے اور ان کی شان و عظمت ظاہر کرنے کے لیے انہیں شفاعت کا اعزاز عطا فرمائے گا اور انہیں اذن و اجازت عنایت فرمائے گا کہ وہ اس کے گنہگار مسلمان بندوں کی شفاعت کریں' چنانچہ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ کا اعزاز عطا فرمائے گا اور آپ تمام انسانوں کی سفارش کر کے حساب و کتاب شروع کروائیں گے' پھر آپ گنہگار مسلمانوں کی شفاعت کر کے ان کو جنت میں داخل کرائیں گے' پھر دیگر انبیائے کرام علیہم السلام' صحابہ کرام' اولیائے عظام' علمائے دین' شہدائے اسلام' حفاظ قرآن اور مسلمانوں کے نابالغ فوت ہو جانے والے بچے' نیز قرآن مجید اور ماہ رمضان کے روزے شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے سب کی شفاعت قبول فرمالے گا۔

معتزلہ کا نظریہ بیان کرنے سے پہلے ان کا مختصر تعارف بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ یہ کون لوگ ہیں۔

معتزلہ کا تعارف: بنوامیہ کے آخری زمانہ میں متکلمین میں سے فلاسفہ کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جس نے مروجہ روش سے ہٹ کر دینی عقائد کو عقل کی میزان میں تولنا شروع کیا اور چند ایسے عقائد وضع کیے جو علمائے دین کے مسلمہ عقائد کے منافی تھے' لہٰذا متکلمین و دیگر علمائے دین اور عام مسلمانوں میں ان کے متعلق مخالفت قائم ہوگئی اور اس عقل پرست گروہ کو معتزلہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جبکہ وہ خود اپنے آپ کو اہل العدل والتوحید کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اس فرقہ کی ابتداء سن دو ہجری کے اوائل یعنی ۱۱۰ھ میں ہوئی' اس کا بانی واصل بن عطا تھا جو مشہور صوفی تابعی اور بزرگ عالم دین حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد تھا۔ ایک روز درس کے دوران بصرہ کی جامع مسجد میں کبیرہ و صغیرہ گناہوں کے ارتکاب اور کفر و ایمان کے تعین کے موضوع پر بحث چل نکلی۔ واصل بن عطا نے اپنے استاذ سے اختلاف کیا اور کہا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مسلمان ہے اور نہ کافر ہے' چنانچہ وہ اپنے چند ہم خیال طالب علموں کو ساتھ لے کر مسجد کے دوسرے کونے میں جا بیٹھا اور درس دینے لگا' اس پر حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''قَدْ اِعْتَزَلَ عَنَّا'' بے شک وہ (واصل بن عطا) ہم سے جدا اور الگ ہو گیا۔ چونکہ ''اِعْتَزَلَ'' ''عَزْلٌ'' سے بنا ہے' جس کا معنی ہے جدا ہونا' الگ ہونا اور علیحدہ ہو جانا' سو اس لیے اس فرقہ کو معتزلہ کہا جانے لگا۔ [النبراس مع حاشیہ ص ۲۶-۲۷' مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ' ۱۱۱ چنت گڑھ انجن شیڈ' لاہور] شفاعت کے بارے میں معتزلہ کا نظریہ یہ ہے کہ صغیر گناہوں کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لیے شفاعت ہوگی لیکن کبیرہ گناہوں کی شفاعت نہیں ہوگی۔ گویا معتزلہ صرف کبیرہ گناہوں کی شفاعت کے منکر ہیں۔

[شرح مسلم ج ۲' ص ۳۹ مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

معتزلہ کے دلائل اور ان کے جوابات

معتزلہ کی ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ شفاعت خلاف عدل ہے کیونکہ عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ برائی پر سزا اور نیکی پر جزا واجب ہو۔ اس لیے ان کے نزدیک اعمال حسنہ پر جزائے خیر اور اعمال سیۂ پر سزائے بد واجب ہے' لہٰذا مجرم کو جرم پر سزا دیئے بغیر محض شفاعت سے بخش دینا عدل و انصاف کی خلاف ورزی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شفاعت خلاف عدل نہیں بلکہ موافق فضل و کرم ہے کیونکہ خیر و بھلائی میں وعدہ خلافی کرنا بے شک عیب و برائی ہے لیکن کسی مجرم کے جرم و سزا کو معاف کر دینا وعدہ خلافی نہیں بلکہ محض فضل و کرم ہے کہ صاحب حق اپنے حق سے دست بردار ہو جاتا ہے جیسے کوئی قرض خواہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے اور اپنے مقروض کو معاف کر دے تو اس میں کوئی عیب نہیں بلکہ خوبی ہے چنانچہ قیامت کے روز صاحب حق بندے کا حق اس وقت تک ساقط نہیں ہوگا جب تک وہ صاحب حق بندہ اپنا حق معاف نہیں کرے

گا۔

معتزلہ کی دوسری دلیل دو قسم کی آیات ہیں' ان میں پہلی قسم ان آیات مبارکہ کی ہے جن میں مکافات عمل کا قانون بیان کیا گیا ہے اور دوسری قسم ان آیات مبارکہ کی ہے جن میں شفاعت کی نفی کی گئی ہے' چنانچہ ان دونوں قسم کی چند آیات مبارکہ پیش کر کے ان کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ [النساء:۱۲۳]	جو شخص برائی کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا دوست نہیں پائے گا اور نہ کوئی مددگار ○
مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ [المؤمن:۴۰]	جس شخص نے برا عمل کیا تو اس کو اسی کی مثل بدلہ دیا جائے گا۔
مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۭ [حٰم السجدۃ:۴۶]	جس شخص نے برائی کی تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔
وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ [الشوریٰ:۴۰]	اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی (کی سزا) ہے۔
وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ ۔ [البقرۃ:۴۸]	اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان کسی جان کا کچھ بدلہ نہ ہو سکے گی اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی۔
لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ [البقرۃ:۲۵۴]	نہ اس دن میں خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی اور نہ شفاعت۔
مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ○ [المؤمن:۱۸]	ظالموں کے لیے نہ کوئی دوست نہ ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا جس کی بات مان لی جائے ○
فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ○ [المدثر:۴۸]	سو ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کوئی نفع نہیں دے گی ○
مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۭ [یونس:۳]	کوئی شفاعت کرنے والا نہیں مگر اس (اللہ تعالیٰ) کی اجازت کے بعد۔

(۱) ان کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ آیات مبارکہ کفار کے بارے میں ہیں جبکہ شفاعت کا مسئلہ گنہگار مسلمانوں کی مغفرت کے لیے یا نیکوں کے درجات کی بلندی کے لیے ہے۔ [تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۵ حاشیہ ۹' مکتبہ رحمانیہ لاہور]

(۲) مذکورہ بالا آیات شفاعت میں مطلق شفاعت کی نفی کی گئی ہے اور یہ عموم نفی خود معتزلہ کے لیے مضر و نقصان دہ (اور ان کے خلاف) ہے کیونکہ صغائر (یعنی چھوٹے گناہوں) کی مغفرت اور رفع درجات کے لیے وہ بھی شفاعت مانتے ہیں۔

(۳) یہاں (ماسوا آخری آیت کے) اس شفاعت کی نفی ہے جو اذن الٰہی کے بغیر ہو (جبکہ اہل سنت اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعت کے قائل ہیں)۔ [ماخوذ از شرح مسلم ج ۱' ص ۴۰' مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار' لاہور]

(۴) مذکورہ بالا آیات میں سے آخری آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ شفاعت اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت کے بعد ہوگی' لہٰذا جن آیات مبارکہ میں مطلق شفاعت کی نفی کی گئی ہے اس سے بغیر اذن الٰہی شفاعت کی نفی مراد ہے۔

نوٹ: شفاعت باذن اللہ کا ثبوت قرآن و سنت کی روشنی میں آئندہ حدیث مبارکہ کی تشریح میں بیان کیا جائے گا۔

ان شاء اللہ العزیز!

٢٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ' عَنْ اِبْرَاهِيْمَ' عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُخْرِجُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَوْمًا مِّنَ الْمُوَحِّدِيْنَ مِنَ النَّارِ بَعْدَ مَا امْتُحِشُوْا وَصَارُوْا فَحْمًا فَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ تَعَالَى الْجَنَّةَ فَيَسْتَغِيْثُوْنَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِمَّا تُسَمِّيْهِمْ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ فَيُذْهِبُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ ذٰلِكَ.	حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ موحدین کی ایک جماعت کو دوزخ کی آگ سے نکالے گا جن کی کھال اور گوشت جل چکا ہوگا ان کی ہڈیاں نمودار ہو چکی ہونگی اور وہ کوئلہ کی طرح کالے سیاہ ہو چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل فرما دے گا چونکہ جنتی انہیں جہنمیوں کے نام سے پکاریں گے تو اس لیے وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے یہ علامت دور فرما دے گا۔

بخاری(٦٥٦٦-٧٤٣٩) مسلم(٤٥٧) ابوداؤد(٤٧٤٠) ترمذی(٢٥٩٧) نسائی(١١٤١) ابن ماجہ(٤٣٠٩)

حل لغات

''اُمْتُحِشُوْا'' صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی مجہول باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: کھال کو آگ میں جلانا' آگ کا جلانا' کھال کو گوشت سے چھیل دینا۔ ''صَارُوْا'' صیغہ جمع مذکر غائب ماضی معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ ہے' اس کا معنی ہے: ہو جانا' ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جانا' واپس ہو جانا۔ ''فَحْمًا'' کا معنی ہے: سخت سیاہ' کوئلہ۔ ''يَسْتَغِيْثُوْنَ'' صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف باب استفعال ہے' اس کا معنی ہے: فریاد کرنا' مدد مانگنا' امداد کی درخواست کرنا۔ ''تُسَمِّيْهِمْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معروف ہے' آخر میں ''هُمْ'' ضمیر جمع مذکر غائب مفعول بہ ہے' اس کا معنی ہے: نام رکھنا' مصدر مجرد ناقص واوی کی صورت میں بہ معنی بلند ہونا' اونچا ہونا اور مثال واوی کی صورت میں علامت و نشانی معنی ہے۔

گنہگار مسلم دوزخیوں کو جنت میں داخلہ کی اجازت

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ حافظ ابونعیم نے ایک حدیث روایت کی ہے جس کو علامہ قرطبی نے طویل حدیث میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جبریل! تم (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے لوگوں کو دوزخ کی آگ سے نکالو چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام ان کو دوزخ میں سے نکالیں گے جبکہ وہ لوگ جل کر کوئلہ بن ہو چکے ہوں گے' پھر حضرت جبریل ان کو جنت کے دروازے کے پاس آب حیات کی نہر میں ڈال دیں گے اور وہ اس میں کچھ عرصہ رہیں گے یہاں تک کہ وہ پہلے سے زیادہ ترو تازہ اور روشن ہو جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دے گا (اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے) جبکہ ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوگا کہ (حضرت) محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں سے ان جہنمیوں کو رحمٰن نے آزاد کر دیا ہے' چنانچہ جنتی انہیں اس علامت سے پہچان لیں گے کہ یہ جہنمی ہیں اور وہ جہنمیوں کے نام سے انہیں پکاریں گے جس پر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ و زاری کرتے ہوئے فریاد کریں گے کہ ان کی پیشانیوں سے یہ نام مٹا دیا جائے' چنانچہ اللہ تعالیٰ اس علامت کو ان سے مٹا دے گا۔

[شرح مسند امام اعظم ص ٦١' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

اس حدیث مبارکہ میں اگرچہ شفاعت کا ذکر نہیں ہے لیکن یہاں اس موضوع پر مذکورہ احادیث مبارکہ دلیل ہیں کہ ان لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی برکت سے دوزخ کی آگ سے نکال کر جنت میں داخل فرمائے گا۔

امام اعظم کی براءت

پھر شفاعت کی یہ احادیث مبارکہ جن کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ امام اعظم

کا دامن معتزلہ اور مرجیۂ کے مذہب سے بری اور پاک تھا جیسا کہ حاسدین نے آپ کو معتزلہ اور مرجیہ کی طرف منسوب کیا حالانکہ ان احادیث مبارکہ کے ذریعہ امام صاحب نے ان دونوں مذاہب کی بیخ کنی کر دی ہے کیونکہ گنہگاروں کا دوزخ میں جانا مرجیہ کے مذہب کی بیخ کنی ہے کہ وہ کہتے ہیں ایمان کے ہوتے ہوئے اعمال بد کوئی نقصان نہیں دیتے اور شفاعت کے ذریعہ انہیں دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرنا معتزلہ کے مذہب کی بیخ کنی ہے کہ وہ کہتے ہیں کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

قرآن مجید سے شفاعت کا ثبوت

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں (کسی کی) شفاعت کرے مگر اس کے اذن اور اجازت سے۔ [البقرۃ:٢٥٥]

اس آیت مبارکہ سے دو مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بندے رب تعالیٰ کے ہاں شفاعت فرمائیں گے' دوسرا یہ کہ ان کی شفاعت دھونس کی نہ ہوگی بلکہ اذن و اجازت سے ہوگی' لہٰذا جو لوگ شفاعت کے انکاری ہیں وہ بے ایمان ہیں اور جو لوگ مشرکین عرب کی طرح دھونس کی شفاعت کے قائل ہیں وہ بھی بے دین ہیں۔ خیال رہے کہ شفاعت کرنے والے حسب ذیل حضرات ہیں: انبیاء' علماء' شہداء' مشائخ' حجر اسود' قرآن مجید' خانہ کعبہ' ماہ رمضان' مسلمانوں کے نابالغ بچے۔ نیز شفاعت تین طرح کی ہوگی: (١) میدان محشر سے نجات کے لیے (٢) گناہوں کی معافی کے لیے (٣) درجات کی بلندی کے لئے۔ پہلی شفاعت سے (بالتبع) کفار بھی فائدہ اٹھائیں گے' دوسری سے گنہگار مسلمان' تیسری سے نیکوکار۔ [تفسیر نور العرفان ص ٦٦ حاشیہ ١ مطبوعہ پیر بھائی کمپنی' لاہور]

مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ [یونس:٣] کوئی شفاعت کرنے والا نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد۔

اس آیت مبارکہ میں بت پرستوں کے اس قول کا رد ہے کہ بت ان کی شفاعت کریں گے' انہیں بتایا گیا ہے کہ شفاعت ماذونین (اجازت یافتہ) کے سوا کوئی نہیں کرے گا اور ماذون صرف اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندے ہوں گے۔

[تفسیر خزائن العرفان ص ٣٧٤ حاشیہ ٥ مطبوعہ ضیاء القرآن' لاہور]

لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًاۘ۝ [مریم:٨٧] لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جنہوں نے رحمٰن کے پاس عہد لے رکھا ہے ۝

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں: یعنی بندے شفاعت کے مالک نہیں ہیں ماسوا ان حضرات کے جن کو اللہ عزوجل شفاعت کی اجازت دے گا اور انہیں شفاعت کرنے کا حکم دے گا وہ اس کے مالک ہوں گے۔ پھر علامہ آلوسی نے اس کے بعد شفاعت کی حدیث بیان کی ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا ایک آدمی لوگوں کی ایک جماعت کی شفاعت کرے گا' چنانچہ وہ لوگ اس کی شفاعت کی برکت سے جنت میں داخل ہوں گے اور دوسرا آدمی ایک خاندان کی شفاعت کرے گا' سو وہ بھی اس کی شفاعت کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔

[تفسیر روح المعانی ج ١٦ ص ١٣٨' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور]

یَوْمَىٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا۝ [طٰہٰ:١٠٩] اس دن کسی کی شفاعت نفع نہ دے گی مگر اسی کی جس کو رحمٰن نے اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی ۝

علامہ ابن کثیر اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

قیامت کے دن کسی کی مجال نہ ہوگی کہ دوسرے کے لیے شفاعت کرے' ہاں! جسے اللہ تعالیٰ اجازت دے۔ نہ آسمان کے فرشتے

بغیر اجازت کسی کی سفارش کر سکیں گے اور نہ کوئی بزرگ بندہ' بغیر اجازت کسی کی سفارش نہ ہوگی' تمام فرشتے اور روح الامین صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ بے اجازت خداوندی کوئی لب نہ کھول سکے گا' خود سید الناس اکرم الناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی عرش تلے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی خوب حمد و ثنا کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنا سر اٹھاؤ' کہو تمہاری بات سنی جائے گی۔ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی' پھر حد مقرر ہوگی اور آپ ان کی شفاعت کر کے جنت میں لے جائیں گے' پھر لوٹیں گے' پھر یہی ہوگا' چار مرتبہ یہی ہوگا۔ [تفسیر ابن کثیر جلد ٣' ص ٨٨' نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی]

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ (سبا:٢٣) اور اس کے پاس شفاعت نفع نہیں دے گی ماسوا اس کے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت دے گا۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مظہری لکھتے ہیں:

اس آیت مبارکہ میں کفار کے قول کی تردید کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ فرشتے اور بت کسی چیز کے مالک نہیں ہیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کسی کی شفاعت کسی کو نفع نہیں دے گی ماسوا ان لوگوں کے جن کے لیے اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت دے گا جبکہ بت شفاعت کی اجازت کے اہل ہی نہیں ہیں اور کفار اپنے کفر کی وجہ سے شفاعت کے مستحق نہیں اور انبیائے کرام اور فرشتوں کو صرف مومنوں کی شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ [تفسیر مظہری ج ٨' ص ٢٥' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی]

احادیث مبارکہ سے شفاعت کا ثبوت

(١) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میری شفاعت سے لوگوں میں سے سب سے زیادہ کامیاب وہ شخص ہوگا جس نے خلوص دل یا خلوص نفس سے کہا: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"۔

[صحیح بخاری ج ٢' ص ٩٧٢' مطبوعہ اصح المطابع' کراچی]

(٢) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ" میری شفاعت میری امت میں سے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے (بھی) ہوگی۔

[جامع ترمذی ج ٢' باب ماجاء فی الشفاعۃ رقم الحدیث: ٢٢٧' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

(٣) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں دوزخ میں سے سب سے آخری نکلنے والے دوزخی کو خوب جانتا ہوں اور جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والے کو (بھی میں خوب جانتا ہوں)' ایک آدمی دوزخ کی آگ میں سے گھسٹتا ہوا نکلے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: جا اور جنت میں داخل ہو جا' سو جب وہ وہاں جائے گا تو اسے خیال آئے گا کہ جنت بھری ہوئی ہے' چنانچہ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے جنت کو جنتیوں سے بھرا ہوا پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جا چلا جا جنت میں داخل ہو جا کیونکہ تیری ملکیت میں دنیا کے برابر اور اس سے دس گنا زیادہ جنت عطا کر دی گئی ہے تو وہ آدمی (حیران ہو کر) عرض کرے گا: کیا تو میرا مذاق اڑا رہا ہے یا مجھ پر ہنسی فرما رہا ہے حالانکہ تو بادشاہ ہے' چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ خوب ہنسے یہاں تک کہ آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہو گئیں اور کہا جاتا تھا کہ یہ جنت والوں میں ادنیٰ درجہ کا ہوگا۔ متفق علیہ [مشکوٰۃ المصابیح ص ٤٩٢' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

(٤) حضرت عبداللہ بن ابی الجدعاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ایک آدمی کی شفاعت

سے قبیلہ بنی تمیم سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس حدیث کو امام ترمذی' امام دارمی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۴' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

(۵) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میری امت میں سے بعض ایک جماعت کی شفاعت کریں گے اور ان میں سے بعض ایک قبیلہ کی شفاعت کریں گے اور ان میں سے بعض ایک کنبہ کی شفاعت کریں گے اور ان میں سے بعض صرف ایک آدمی کی شفاعت کرے گا یہاں تک کہ وہ سب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۴' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دوزخیوں کی صف بندی کی جائے گی تو اہل جنت میں سے ایک جنتی آدمی ان کے قریب سے گزرے گا تو ان میں سے ایک دوزخی آدمی عرض کرے گا کہ اے فلاں صاحب! کیا تم مجھے نہیں پہچانتے ہو میں وہی شخص ہوں جس نے تجھے (دنیا میں ایک دفعہ) پانی پلایا تھا اور ایک اور آدمی عرض کرے گا: میں وہ شخص ہوں جس نے تجھے وضوء کا پانی دیا تھا' سو وہ جنتی آدمی ان کی شفاعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کرے گا۔

اس کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۳' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

(۷) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثَلَاثَةٌ اَلْاَنْبِیَآءُ ثُمَّ الْعُلَمَآءُ ثُمَّ الشُّهَدَآءُ'' قیامت کے دن تین جماعتیں شفاعت کریں گی (۱) انبیائے کرام علیہم السلام (۲) علمائے دین (۳) شہدائے اسلام۔ اس کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۵' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

۲۵- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ عَطِیَّةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا O (الاسراء:۷۹) قَالَ اَلْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ الشَّفَاعَةُ یُعَذِّبُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَوْمًا مِّنْ اَهْلِ الْاِیْمَانِ بِذُنُوْبِهِمْ ثُمَّ یُخْرِجُ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیُؤْتٰی بِهِمْ نَهْرًا یُقَالُ لَهُ الْحَیَوَانُ فَیَغْتَسِلُوْنَ فِیْهِ ثُمَّ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فَیُسَمُّوْنَ فِی الْجَنَّةِ الْجَهَنَّمِیِّیْنَ ثُمَّ یَطْلُبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی فَیُذْهِبُ عَنْهُمْ ذٰلِكَ الْاِسْمَ. وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ یُخْرِجُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَوْمًا مِّنْ اَهْلِ النَّارِ مِنْ اَهْلِ الْاِیْمَانِ وَالْقِبْلَةِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَذٰلِكَ هُوَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ فَیُؤْتٰی بِهِمْ نَهْرًا یُقَالُ لَهُ الْحَیَوَانُ فَیُلْقَوْنَ فِیْهِ فَیَنْبُتُوْنَ بِهٖ كَمَا یَنْبُتُ الثَّعَارِیْرُ ثُمَّ یَخْرُجُوْنَ مِنْهُ وَیَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فَیُسَمُّوْنَ فِیْهَا الْجَهَنَّمِیِّیْنَ ثُمَّ یَطْلُبُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰی اَنْ یُّذْهِبَ عَنْهُمْ ذٰلِكَ الْاِسْمَ فَیُذْهِبُ عَنْهُمْ. وَزَادَ فِیْ اٰخِرِهٖ وَعُتَقَآءُ اللّٰهِ تَعَالٰی. وَرَوٰی اَبُوْ حَنِیْفَةَ هٰذَا الْحَدِیْثَ عَنْ اَبِیْ رُوْبَةَ شَدَّادِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ. سابقہ(۲۴)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد باری تعالیٰ: ''عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا O'' (عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو ایسے مقام پر کھڑا کرے گا جہاں سب آپ کی تعریف کریں گے O) کے بارے میں فرمایا: مقام محمود سے مراد شفاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی ایک جماعت کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرے گا' پھر اللہ تعالیٰ (حضرت) محمد ﷺ کی شفاعت کے وسیلہ سے (انہیں عذاب دوزخ سے) نکالے گا اور انہیں ایک نہر پر لایا جائے گا جسے حیوان کہا جاتا ہے جس میں وہ غسل کریں گے' پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے تو جنت میں ان کا نام جہنمی رکھا جائے گا' پھر وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے تو اللہ تعالیٰ یہ نام ان سے دور کر دے گا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ دوزخ میں عذاب پانے والے اہل ایمان اور اہل قبلہ کی ایک جماعت کو (حضرت) محمد ﷺ کی شفاعت کی برکت سے دوزخ سے نکالے گا اور یہی مقام محمود ہے۔ بعد ازاں ان کو ایک نہر پر لایا جائے گا جسے حیوان کہا جاتا ہے اور اس میں ڈال دیا جائے گا تو وہ لوگ اس میں ککڑیوں کی طرح

اُگ آئیں گے' پھر انہیں اس سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا' سو اس میں ان کا نام جہنمی پڑ جائے گا' پھر وہ اللہ تعالیٰ سے التجا کریں گے کہ ان کا یہ نام مٹا دیا جائے تو ان کا یہ نام مٹا دیا جائے گا اور اس روایت کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ انہیں ''عُتَقَآءُ اللّٰهِ'' (اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ بندے) کہا جائے گا اور اس حدیث مبارکہ کو امام ابوحنیفہ نے ابوروبہ شداد بن عبدالرحمٰن سے بھی روایت کیا ہے۔ انہوں نے اسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

حل لغات

''یُؤْتٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول باب ضَرَبَ یَضْرِبُ ہے۔ اصل میں یہ فعل لازم ہے لیکن اس کے آخر میں ''بِهِمْ'' آ جانے کی وجہ سے حرف جارہ کے سبب متعدی کر لیا گیا ہے۔ اصل میں اس کا معنی آنا ہے لیکن متعدی ہو جانے کی وجہ سے اب یہاں بہ معنی لایا جانا ہے۔ ''اَلْحَیَوَانُ'' یہ جنت کی نہروں میں ایک نہر کا نام ہے جس میں غسل کے بعد دوزخی از سر نو تندرست و صحیح سلامت ہو جائیں گے' تمام سیاہی صاف ہو جائے گی۔ ''اَلثَّعَارِیْرُ'' جلد پروان چڑھنے والی چھوٹی ککڑیاں ''عُتَقَآءُ اللّٰهِ'' اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ لوگ۔

شفاعت کی اقسام

اس حدیث مبارکہ میں ''نَهْرُ الْحَیَوَانُ'' کا ذکر ہے جبکہ بعض احادیث میں ''نَهْرُ الْحَیَاةِ'' مذکور ہے۔ نیز جس طرح شفاعت کے ثبوت میں مروی احادیث مبارکہ معناً متواتر ہیں اسی طرح مقام محمود سے شفاعت مراد لینے کے لیے اس کثرت سے احادیث مبارکہ مروی ہیں کہ وہ حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ ان احادیث مبارکہ کے مطالعہ کے لیے اسی آیت کے تحت تفسیر مظہری اور تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے ''الکنز المدفون'' میں فرمایا کہ ہمارے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کی شفاعت مبارکہ آٹھ اقسام پر مشتمل ہے:

(۱) شفاعت عظمیٰ جو صرف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ میدان محشر میں جب سورج سوا نیزے کے فاصلے پر ہوگا اور تمام لوگ پسینہ میں کانوں تک غرق ہوں گے تو اس مصیبت سے نجات پانے اور جلد از جلد حساب و کتاب شروع کرانے کی خاطر تمام لوگ شفاعت حاصل کرنے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس جائیں گے مگر کوئی پیغمبر تیار نہیں ہوگا' یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے فرمائیں گے کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ' چنانچہ تمام لوگ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں گے اور آپ سب کی شفاعت فرمائیں گے۔

(۲) آپ اپنی امت کا جلد حساب کرانے کے لیے شفاعت فرمائیں گے' چنانچہ ابن ابی الدنیا نے ایک طویل مرفوع حدیث مبارکہ روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار! میری امت کا جلدی حساب لے لے تو انہیں بلایا جائے گا اور سب سے پہلے ان کا حساب لیا جائے گا۔

(۳) آپ کی امت کی ایک جماعت کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم مل چکا ہوگا تو آپ ان کو دوزخ میں جانے سے نجات دلانے کے لیے شفاعت فرمائیں گے' چنانچہ ایک طویل مرفوع حدیث مبارکہ میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میری امت میں سے ایک جماعت کو جب جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا تو وہ لوگ مجھے پکاریں گے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم آپ کو قسم دیتے ہیں کہ آپ ہماری شفاعت فرمائیں' سو میں فرشتوں کو حکم دوں گا کہ وہ ان کے ساتھ ٹھہر جائیں' پھر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اذن شفاعت کی درخواست کروں گا اور مجھے شفاعت کی اجازت عطا کی جائے گی تو میں سجدہ میں گر جاؤں گا اور میں اللہ تعالیٰ کی خوب حمد وثنا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آپ اپنا سر اٹھالیں جو مانگیں گے عطا کیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ آپ تین دفعہ ایسا کریں گے۔

(۴) آپ اپنے مشفق چچا ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کرانے کے لیے شفاعت کریں گے۔

(۵) آپ اپنی امت کے بہت سے لوگوں کے لیے بغیر حساب جنت میں داخل کرانے کی شفاعت کریں گے۔ اس کو قاضی عیاض نے بغیر کسی شاہد ودلیل کے ذکر کیا ہے مگر اس پر وہ حدیث مبارکہ شاہد عادل ہے جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ میرے رب تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار افراد کو بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا جبکہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے اور میرے رب تعالیٰ کی مٹھیوں (جیسا اس کے شایان شان ہے) میں سے تین مٹھیاں مزید ہوں گی۔ [جامع ترمذی ج ۲' ص ۱۳۲' باب ماجاء فی الشفاعۃ' رقم الحدیث: ۳۲۹' فرید بک سٹال' لاہور] اس پر حضرت عکاشہ نے عرض کیا: آپ مجھے بھی ان میں شامل کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم بھی انہیں میں سے ہو (پھر ایک انصاری نے یہی عرض کیا تو آپ نے فرمایا: عکاشہ تم سے سبقت لے گئے)۔

(۶) آپ ان تمام لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے جن کو جنت میں لے جانے کا آپ کو حکم ملے گا (یعنی کفار کے علاوہ تمام گنہگار مسلمانوں کی شفاعت فرمائیں گے)۔

(۷) آپ جنتی حضرات کے درجات کو بلند کرانے کی شفاعت فرمائیں گے تاکہ ان کے اعمال صالحہ سے زیادہ ان کے مراتب بلند کیے جائیں اور معتزلہ اس شفاعت کے قائل ہیں۔

(۸) آپ تمام اہل کبائر (یعنی کبیرہ گناہوں کے مرتکب دوزخی مسلمانوں) کی شفاعت فرمائیں گے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۷' حاشیہ ۱' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

مقام محمود سے شفاعت مراد ہے

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے روز تمام لوگ جمع ہو جائیں گے اور ہر امت اپنے نبی کو تلاش کرے گی وہ کہیں گے: اے فلاں! تو ہماری شفاعت کر۔ اے فلاں! تو ہماری شفاعت کر یہاں تک کہ شفاعت کی انتہاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوگی' پس یہ وہ دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا۔ [صحیح بخاری ج ۲' ص ۶۸۶ مطبوعہ اصح المطابع' کراچی]

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ:
''عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ''(الاسراء:۷۹) میں مقام محمود کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اس سے مراد شفاعت ہے۔ [جامع ترمذی ج ۲ ص ۴۴۳' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

آپ کے پروردگار کا آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرنا مقام شفاعت ہے۔ محمود اس لیے ہے کہ اس جگہ اولین وآخرین (اگلے پچھلے سب) آپ کی حمد وثناء اور تعریف کریں گے۔ [تفسیر ابن عباس ص ۱۸۱' مطبوعہ فاروقی کتب خانہ' ملتان]

(۴) علامہ سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:
مقام محمود سے مراد مقام شفاعت عظمیٰ ہے جہاں تمام اہل محشر کا فیصلہ ہوگا' اس دن تمام لوگ آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے' پھر بخاری وغیرہ کے حوالے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بیان کی جس کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روز آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا جہاں تمام اہل مجمع آپ کی حمد وثناء اور تعریف وتوصیف بیان کریں گے۔
[تفسیر روح المعانی ج ۱۵' ص ۱۴۰' مکتبہ رشیدیہ' لاہور]

(۵) علامہ امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:
مقام محمود میں اولین وآخرین سب آپ کی حمد وثناء اور تعریف وتوصیف بیان کریں گے اور یہی مقام شفاعت ہے۔
[تفسیر جلالین مع تفسیر صاوی برحاشیہ ج ۲' ص ۳۳۶ مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر' ۱۹۴۱ء]

(۶) امام محمد فخر الدین رازی لکھتے ہیں:
تمام مفسرین کا اس پر اجماع (یعنی اتفاق) ہے کہ مقام محمود سے مراد شفاعت ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کے متعلق فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔
[تفسیر کبیر ج ۵' ص ۴۳۱ مطبوعہ دار الفکر' بیروت ۱۹۷۸ء]

(۷) علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:
یہ ہے مقام محمود جس کا ذکر اللہ عزوجل نے اس آیت میں کیا ہے' پس یہ مقام' مقام شفاعت ہے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قیامت کے دن سب سے پہلے زمین (قبر مبارک) سے باہر آپ تشریف لائیں گے اور سب سے پہلے شفاعت آپ ہی کریں گے۔ [تفسیر ابن کثیر ج ۳' ص ۶۱ پارہ ۱۵' مکتبہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی]

(۸) علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی لکھتے ہیں:
یعنی بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کے روز مقام محمود پر فائز فرمائے گا اور ''یَبْعَثَكَ'' کا معنی ''یُقِیْمُكَ'' ہے اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک یہی مقام شفاعت ہے۔ [تفسیر مدارک التنزیل ج ۳' ص ۱۸۶ حاشیہ برخازن مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' مصر]

(۹) علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی لکھتے ہیں:
مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے کیونکہ اس میں تمام اولین وآخرین آپ کی حمد وثناء اور تعریف وتوصیف کریں گے۔
[تفسیر لباب التاویل المعروف تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۸۶' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' بمصر]

(۱۰) علامہ محی السنۃ ابومحمد الحسین بن مسعود بغوی لکھتے ہیں:
مقام محمود سے مقام شفاعت مراد ہے' یہ آپ کی امت کے لیے ہے کیونکہ اس میں سب اولین وآخرین آپ کی تعریف وتوصیف بیان کریں گے۔ [تفسیر معالم التنزیل المعروف تفسیر البغوی ج ۳' ص ۱۳۰ مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان]

(۱۱) علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:
اور صحیح یہ ہے کہ مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل' امام ابن ابی حاتم اور امام ترمذی حضرت ابوہریرہ

رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کے بارے میں فرمایا کہ مقام محمود سے مراد وہ مقام ہے جس میں' میں اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا۔ [تفسیر مظہری ج ۵ ص ۴۷۱' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی]

(۱۲) حضرت صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں: اور مقام محمود مقام شفاعت ہے کہ اس میں اولین و آخرین حضور کی حمد کریں گے' اسی پر جمہور ہیں۔ [تفسیر خزائن العرفان ص ۵۲۲ حاشیہ ۱۷۴' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور' کراچی]

(۱۳) حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:

یہی وہ مقام ہے جہاں تشریف فرما ہو کر حضور شفاعت کبریٰ کا دروازہ کھولیں گے' یہ مقام حضور کے لیے خاص ہے جس پر سب رشک کریں گے۔ [تفسیر نور العرفان ص ۴۶۲ حاشیہ ۸ مطبوعہ پیر بھائی کمپنی' لاہور]

(۱۴) ضیاء الامت حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

مقام محمود کی وضاحت فرماتے ہوئے خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ [تفسیر ضیاء القرآن ج ۲' ص ۶۷۸' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور]

(۱۵) علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

مقام محمود شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے۔ جب کوئی پیغمبر نہ بول سکے گا' تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے عرض کر کے خلقت کو تکلیف سے چھڑائیں گے۔ اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ کی حمد وثناء (تعریف) ہوگی اور حق تعالیٰ بھی آپ کی خوب تعریف کرے گا۔ گویا شان محمدیت کا پورا پورا ظہور اس وقت ہوگا۔

[تفسیر عثمانی برحاشیہ قرآن مجید ص ۳۷۶' حاشیہ ۱' مطبوعہ دار التصنیف' کراچی]

(۱۶) حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

یہ وہ مقام ہے جو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے گا اور اس مقام پر ہی آپ وہ شفاعت عظمیٰ فرمائیں گے جس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب ہوگا۔

[تفسیر احسن البیان ص ۳۸۰ حاشیہ ۹' مطبوعہ مکتبہ دار السلام الریاض (سعودی عرب)' لاہور' پاکستان]

۲۶- حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطِیَّةَ الْعَوْفِیِّ قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیَّ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَاُ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا○ (الاسراء:۷۹) قَالَ یُخْرِجُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَوْمًا مِّنَ النَّارِ مِنْ اَهْلِ الْاِیْمَانِ وَالْقِبْلَةِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذٰلِكَ هُوَ الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ فَیُؤْتٰی بِهِمْ نَهْرًا یُّقَالُ لَهُ الْحَیَوَانُ فَیُلْقَوْنَ فِیْهِ فَیَنْبُتُوْنَ كَمَا یَنْبُتُ الثَّعَارِیْرُ ثُمَّ یُخْرَجُوْنَ فَیَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فَیُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِیِّیْنَ ثُمَّ یَطْلُبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی اَنْ یُّذْهِبَ عَنْهُمْ ذٰلِكَ الْاِسْمَ فَیُذْهِبَ عَنْهُمْ. بخاری (۴۷۱۸)

حضرت عطیہ عوفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آیت کریمہ "عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا○" کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا: (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے سبب اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور اہل قبلہ کے ایک گروہ کو دوزخ کی آگ سے نکالے گا اور یہی مقام محمود ہے۔ پھر انہیں ایک نہر پر لایا جائے گا جسے "حیوان" کہا جاتا ہے اور ان کو اس میں ڈال دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ لوگ اس طرح نشوونما پائیں گے جس طرح ککڑیاں پروان چڑھتی ہیں' پھر انہیں وہاں سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جنت میں ان کا نام جہنمی پڑ جائے گا' پھر وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ ان سے یہ نام مٹا دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ان سے یہ نام دور فرما دے گا۔

حل لغات

"یُلْقَوْنَ" صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع مجہول باب افعال ہے' اس کا معنی ہے: ڈالنا' پھینکنا۔ "یَنْبُتُوْنَ" صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: اگنا' نکلنا' بڑھنا' نشوونما پانا۔

اچھی اور بری شفاعت کی وضاحت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح سابق حدیث میں واضح فرما دیا کہ مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے اسی طرح اس حدیث میں بھی آپ نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ مقام محمود ہی مقام شفاعت ہے جہاں اللہ تعالیٰ اور تمام اولین و آخرین آپ کی حمد وثناء اور تعریف وتوصیف کریں گے اور وہیں آپ شفاعت کبریٰ فرمائیں گے جس سے تمام مخلوقات کو فائدہ ہوگا۔

اور دوسرا یہ کہ اس حدیث مبارکہ سے اس مسئلہ کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ کسی انسان کے عقیدہ کا فساد جب تک کفر کی حد تک نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک اس کا ایمان کمزور ہی سہی لیکن آخرت میں وہ آخر کار اس کے لیے دوزخ کی آگ سے نکلنے کا موجب بن جائے گا اگرچہ وہ انسان کتنا ہی بداعمال کیوں نہ ہو' لہٰذا روافض' خوارج اور معتزلہ کے عقائد اگر کفر کی حد تک نہیں پہنچے تو ان کے برے عقائد ان کے لیے دائمی دوزخی ہونے کا سبب نہیں بنیں گے۔ [تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۷۱ حاشیہ' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

بعض لوگ جہالت کی بنا پر کہتے ہیں کہ سفارش کا اسلام میں کوئی وجود نہیں۔ اس دنیا میں نہ آخرت میں اور جو لوگ سفارش کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں' ان کی غلط فہمی کی بنیاد اس امر پر ہے کہ ہمارے اس دور میں اکثر و بیشتر سفارش غلط مقاصد اور ناجائز کاموں کے لیے ہوتی ہے۔ بڑے لوگ ڈاکوؤں' سمگلروں وغیرہ کی سفارش کرتے ہیں' نظام کی اس خرابی کے سبب لوگوں کے ذہنوں میں یہ غلط تصور جڑ پکڑ گیا ہے کہ شاید سفارش کرنا فی نفسہ ناجائز عمل ہے اور اسلام جیسے عادلانہ نظام میں اس شفاعت یا سفارش کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دنیا کے اس غلط نظام کو دیکھ کر انہوں نے بزعم خویش یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہے کہ اس کا اطلاق قیامت کے دن پر بھی ہوگا اور وہاں کوئی شفاعت یا سفارش وغیرہ نہیں ہوگی کیونکہ وہاں تو عدل کی کارفرمائی ہوگی (حالانکہ وہاں عدل کے ساتھ فضل وکرم کی کارفرمائی بھی ہوگی) اور ہر ایک کو اس کے عمل کی پوری پوری جزاء وسزا ملے گی۔ یہ تصور محض غلط فہمی پر مبنی ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

قرآن حکیم نے دنیا اور آخرت دونوں میں شفاعت کا ذکر کیا ہے اور اس کا حق وصائب ہونا بیان فرمایا ہے۔ شفاعت فی الدنیا کا ذکر قرآن حکیم میں ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے:

مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا○ [النساء:۸۵]

اور جو شخص کوئی نیک سفارش کرے تو اس کے لیے اس (کے ثواب) میں سے حصہ (مقرر) ہے اور جو شخص کوئی بری سفارش کرے تو اس کے لیے اس (کے عذاب) میں سے حصہ مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز قادر ہے○

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شفاعت یا سفارش دنیا میں جائز بھی ہے اور ناجائز بھی' یہ چیز بھی معلوم ہوگئی کہ دنیا میں اچھی سفارش کا اجر وثواب ملے گا جبکہ غلط اور بری سفارش کرنے پر اس قدر سزا بھی ملے گی۔

لہٰذا مذکورہ بالا غلط فہمی کا ازالہ اس آیت قرآنی سے بہ خوبی ہو جاتا ہے جبکہ معترضین کا اس پر اعتراض اس کے غلط استعمال کی وجہ

سے تھا۔ قرآن نے دونوں چیزوں کو جدا جدا بیان کیا ہے اس لیے غلط سفارش کی بنا پر درست اور اچھی سفارش کا انکار عدل کے منافی ہے۔ [عقیدۂ شفاعت ص ۱۰۶۔۱۰۵ 'مطبوعہ منہاج پبلی کیشنز' لاہور]

(۱) حضرت مجاہد فرماتے ہیں: یہ آیت مبارکہ ایک دوسرے کی سفارش کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور سفارش کرنے والے کو سفارش کرنے پر اجر و ثواب ملتا ہے اگرچہ اس کی سفارش قبول نہ کی جائے۔

(۲) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی سائل نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر سوال کرتا یا کوئی حاجت طلب کرتا تو آپ ہماری طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے: سفارش کرو (یعنی سائل کی امداد میں شرکت کرو) تمہیں اجر و ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنے رسول کی زبان پر جاری کر دیتا ہے۔

[تفسیر معالم التنزیل ج ۱' ص ۴۵۷ مطبوعہ دارالمعرفۃ' بیروت' تفسیر ابن کثیر ج ۱' پارہ پنجم ص ۴۷۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی]

(۳) اس آیت کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ کسی مشکل میں کسی بھائی کی امداد کرنا' اس کے حقوق کی بازیابی کی سعی کرنا' اس کو نفع پہنچانا اور اس سے کسی تکلیف کو دور کرنے میں کوشاں ہونا بہ شرطیکہ اس سے کسی غیر کی حق تلفی نہ ہو تو یہ اچھی سفارش ہے اور اس پر سفارش کرنے والے کو اجر و ثواب ملے گا اور اگر ایسی سفارش کی جس سے کسی کی حق تلفی ہوئی یا کسی پر ظلم ہوا تو یہ بری سفارش ہے' سفارش کرنے والا گنہگار رہو گا۔ [تفسیر ضیاء القرآن ج ۱' ص ۳۷۳]

(۴) اسی طرح کسی بھی نیک کام میں سفارش کرنا اچھی شفاعت ہے مثلاً کسی طالب علم کو دینی مدرسہ میں داخل کرنے کے لیے سفارش کرنا' کسی ضرورت مند عالم دین کے لیے کسی تونگر سے سفارش کرنا کہ ان کی ضرورت کی کتابیں ان کو خرید کر دینا۔ مسجد اور دینی مدرسہ بنوانے کے لیے سفارش کرنا' کسی مجاہد کے لیے اسلحہ کے حصول میں سفارش کرنا' کسی غریب کی لڑکی کی شادی کے لیے رشتہ یا جہیز کی سفارش کرنا' کسی بے روزگار کے لیے ملازمت کی سفارش کرنا بہ شرطیکہ وہ اس ملازمت کا اہل ہو' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی مسلمان کے لیے دعا کرنا' اس کی مغفرت چاہنا' یہ سب اچھی سفارشیں ہیں اور بری سفارش یہ ہے کہ شراب خانہ کے پرمٹ کے لیے سفارش کرنا' سینما بنانے کے لیے کسی سے سفارش کرنا' آلات موسیقی کی دکان کے لیے کسی سے سفارش کی جائے۔ بینک اور انشورنس کمپنی میں ملازمت کے لیے سفارش کی جائے یا کسی نااہل اور غیر مستحق کے لیے سفارش کی جائے۔

[تفسیر تبیان القرآن ج ۲ ص ۷۴۴' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

۱۸- بَابُ نَفْعِ الْاِیْمَانِ لِلْمُسْلِمِیْنَ

مسلمانوں کے لیے ایمان کا نفع

۲۷- حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَدْخُلُ قَوْمٌ مِّنْ اَهْلِ الْاِیْمَانِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ النَّارَ بِذُنُوْبِهِمْ فَیَقُوْلُ لَهُمُ الْمُشْرِكُوْنَ مَا اَغْنٰى عَنْكُمْ اِیْمَانُكُمْ وَنَحْنُ وَاَنْتُمْ فِیْ دَارٍ وَّاحِدَةٍ نُعَذَّبُ فَیَغْضَبُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُمْ فَیَاْمُرُ اَنْ لَّا یَبْقٰى فِی النَّارِ اَحَدٌ یَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَیُخْرَجُوْنَ وَقَدِ احْتَرَقُوْا حَتّٰى صَارُوْا كَالْحُمَمَةِ السَّوْدَاءِ اِلَّا

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اہل ایمان کی ایک جماعت اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ کی آگ میں داخل ہوگی تو مشرکین ان سے کہیں گے کہ تمہارے ایمان نے تمہیں کیا فائدہ دیا؟ حالانکہ ہم اور تم ایک ہی گھر (دوزخ) میں ہیں جہاں ہم سب کو عذاب دیا جا رہا ہے' سو اللہ تعالیٰ (یہ طعن سن کر) ان پر غضب ناک ہو جائے گا اور حکم صادر فرمائے گا کہ کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھنے والا کوئی شخص دوزخ میں باقی نہ رہے' چنانچہ سب کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں کو دوزخ کے عذاب سے نکال لیا جائے

وُجُوْهَهُمْ فَاِنَّهٗ لَا یُزَرَّقُ اَعْیُنُهُمْ وَلَا تُسَوَّدُ وُجُوْهُهُمْ فَیُؤْتٰى بِهِمْ نَهْرًا عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَیَغْتَسِلُوْنَ فِیْهِ فَیَذْهَبُ كُلُّ فِتْنَةٍ وَاَذًى ثُمَّ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فَیَقُوْلُ لَهُمُ الْمَلَكُ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِیْنَ فَیُسَمُّوْنَ الْجَهَنَّمِیِّیْنَ فِی الْجَنَّةِ قَالَ ثُمَّ یَدْعُوْنَ فَیَذْهَبُ عَنْهُمْ ذٰلِكَ الْاِسْمُ فَلَا یُدْعَوْنَ بِهٖ اَبَدًا فَاِذَا خَرَجُوْا قَالَ الْكُفَّارُ یَالَیْتَنَا كُنَّا مُسْلِمِیْنَ فَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَزَّوَجَلَّ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ○ (الحجر:۲)

(مسند الہیثمی ج ۱۰ ص ۳۷۹)

گا حالانکہ وہ جل کر سیاہ کوئلہ کی طرح ہو چکے ہوں گے ماسوا ان کے چہروں کے کیونکہ نہ تو ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور نہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے' پھر انہیں جنت کے دروازے پر ایک نہر پر لایا جائے گا جس میں وہ غسل کریں گے تو ان کے جسم سے ہر قسم کے داغ دھبے اور اذیت و تکلیف دور ہو جائے گی۔ پھر ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا تو ان سے فرشتے کہیں گے: تم خوب پاک ہو گئے ہو' سو اب تم جنت میں ہمیشہ رہو' پھر وہ جنت میں جہنمیوں کے نام سے موسوم ہو جائیں گے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: پھر وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے یہ نام دور فرما دے گا' پھر انہیں اس نام سے کبھی نہیں پکارا جائے گا اور جب یہ لوگ جہنم سے نکلیں گے تو کفار کہیں گے: کاش! ہم مسلمان ہو جاتے' سو اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کا یہی مطلب ہے: ''رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ○'' کفار بہت خواہش کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے ○

حل لغات

''مَا اَغْنٰى'' میں حرف ما استفہامیہ ہے اور اغنی صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افعال ہے' اس کا معنی ہے: بے نیاز بنانا' بے پرواہ بنانا۔ ''یَغْضَبُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب سَمِعَ یَسْمَعُ ہے' اس کا معنی ہے: ناراض ہونا' غضب ناک ہونا۔ ''اِحْتَرَقُوْا'' صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افتعال ہے' اس کا معنی ہے: جلنا۔ ''اَلْحُمَمَةُ'' بہ معنی کوئلہ۔ ''اَلسَّوْدَآءُ'' بہ معنی سیاہ۔ ''وُجُوْهٌ''، ''وَجْهٌ'' کی جمع ہے بہ معنی چہرہ۔ ''لَا یُزَرَّقُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول منفی باب تفعیل ہے' اس کا معنی ہے: نیلا کرنا۔ ''طِبْتُمْ'' صیغہ جمع مذکر حاضر فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ یَضْرِبُ ہے' اس کا معنی ہے: اچھا ہونا' مزیدار ہونا' میٹھا ہونا' خوش ہونا' عمدہ ہونا۔

دوزخ میں نافرمان مسلمان اور کافر کے عذاب میں فرق کی وضاحت

اگرچہ گنہگار مسلمان اور کفار دونوں عذاب جہنم میں مشترک ہوں گے لیکن دونوں فریقوں کے عذاب میں کئی طرح فرق ہوگا:

(۱) کفار دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے اور انہیں وہاں سے کبھی نہیں نکالا جائے گا جبکہ مسلمان بڑے سے بڑے گنہگار بھی دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ کے لیے نہیں رہیں گے بلکہ کچھ عرصہ بعد انہیں دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

(۲) دونوں فریقوں کے عذاب کی کمیت میں فرق ہوگا۔ کفار سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے جبکہ کفار کے مقابلہ میں مسلمان کے لیے ہلکا عذاب ہوگا۔ نیز کفار کے لیے دائمی عذاب ہوگا جبکہ مسلمانوں کی لیے عارضی اور وقتی عذاب ہوگا۔

(۳) دونوں فریقوں کے عذاب کی کیفیت میں بھی فرق ہوگا کہ کفار کو کفر و شرک کرنے پر ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہوگا جبکہ گنہگار مسلمانوں کی تادیب و تہذیب اور انہیں گناہوں کی آلودگی سے پاک کرنے کے لیے عذاب ہوگا۔

(۴) گنہگار مسلمانوں کے اجسام جل کر کوئلہ کی طرح کالے سیاہ ہوں گے لیکن ان کے چہرے سیاہ نہیں ہوں گے اور نہ ان کی آنکھیں

نیلی ہوں گی جبکہ کفار کے چہرے کالے سیاہ ہوں گے اور ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ [آل عمران:۱۰۶-۱۰۷]

جس دن بہت سے چہرے سفید اور روشن ہوں گے اور بہت سے چہرے کالے سیاہ ہوں گے لیکن وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا:) کیا تم نے (روز میثاق) ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا' سو اب تم عذاب کا مزہ چکھو کیونکہ تم کفر کرتے رہے ۝ اور لیکن وہ لوگ جن کے چہرے سفید و روشن ہوں گے وہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۝

کفار کے اسلام قبول کرنے کی تمنا کے وقت کی توضیح

کفار اسلام قبول کرنے اور مسلمان ہونے کی تمنا اور خواہش کس حال میں کریں گے اس کے متعلق مختلف اقوال بیان کیے گئے ہیں:

(۱) کفار بدر جب جہنم کے سامنے پیش کیے جائیں گے تو اس وقت وہ آرزو کریں گے کہ کاش وہ دنیا میں مومن ہوتے۔

(۲) ہر کافر مرتے وقت موت کو دیکھ کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا کرتا ہے۔

(۳) اسی طرح قیامت کے دن بھی ہر کافر کی یہی تمنا ہوگی کہ کاش وہ مسلمان ہوتا۔

(۴) کفار جہنم کے پاس کھڑے ہو کر کہیں گے کہ کاش! اب ہم دنیا میں واپس بھیج دیے جائیں تو ہم نہ تو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلائیں گے اور نہ ایمان کو ترک کریں گے۔

(۵) جہنمی کافر گنہگار مسلمانوں کو جہنم سے نکلتے دیکھ کر تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔

[ماخوذ از تفسیر ابن کثیر ج ۳ پارہ ۱۴ ص ۲ مترجم]

علامہ بغوی لکھتے ہیں:

کفار کی اس حالت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں جس میں وہ مسلمان ہونے کی تمنا کریں گے:

(۱) حضرت ضحاک نے فرمایا کہ کفار جب دوزخ کے عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو اس وقت یہ خواہش کریں کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔

(۲) بعض علمائے دین نے فرمایا: قیامت کے دن کفار یہ آرزو کریں گے۔

(۳) مشہور قول یہ ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ گنہگار مسلمانوں کو دوزخ سے نکالے گا اس وقت کفار یہ تمنا کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب دوزخیوں کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں جمع فرمائے گا اور گنہگار مسلمانوں میں سے جن کو چاہے گا ان کے ساتھ دوزخ میں اکٹھا کر دے گا تو اس وقت کفار گنہگار مسلمانوں سے دریافت کریں گے کہ کیا تم مسلمان نہیں تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں بلکہ ہم تو مسلمان تھے کفار کہیں گے: تو کیا تمہارے اسلام نے تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیا؟ حالانکہ تم تو ہمارے ساتھ دوزخ

کی آگ میں ہو۔ مسلمان کہیں گے کہ ہم نے بہت سے گناہوں کا ارتکاب کیا تھا جن کی وجہ سے ہم پکڑ میں آ گئے ہیں' (کفار کا یہ طعنہ سن کر) اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت و مہربانی سے مسلمانوں کو بخش دے گا اور حکم صادر فرمائے گا کہ ہر جہنمی مسلمان کو جہنم سے نکالا جائے' چنانچہ تمام مسلمانوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا' پس اس وقت کفار تمنا اور آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ [تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۳ مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' شرح مسند امام اعظم ص ۵۲۶-۵۶۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' تفسیر روح المعانی ج ۱۴ ص ۴' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر مدارک التنزیل و تفسیر لباب التاویل ج ۳ ص ۹۴' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' بمصر]

۱۹- بَابُ بَيَانِ رَجُلٍ آخَرَ خُرُوْجًا مِّنَ النَّارِ

سب سے آخر میں دوزخ سے نکلنے والے آدمی کا بیان

۲۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ' عَنْ اِبْرَاهِيْمَ' عَنْ عَلْقَمَةَ' عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ يَبْقٰى اَحَدٌ مِّنَ الْمُوَحِّدِيْنَ فِي النَّارِ قَالَ نَعَمْ رَجُلٌ فِيْ قَعْرِ جَهَنَّمَ يُنَادِيْ بِالْحَنَّانِ الْمَنَّانِ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتَهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَتَعَجَّبُ مِنْ ذٰلِكَ الصَّوْتِ فَقَالَ الْعَجَبُ الْعَجَبُ ثُمَّ لَمْ يَصْبِرْ حَتّٰى يَصِيْرَ بَيْنَ يَدَيْ عَرْشِ الرَّحْمٰنِ سَاجِدًا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِرْفَعْ رَاْسَكَ يَاجِبْرِيْلُ فَيَرْفَعُ رَاْسَهُ فَيَقُوْلُ مَا رَاَيْتَ مِنَ الْعَجَائِبِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا رَآهُ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنْ قَعْرِ جَهَنَّمَ يُنَادِيْ بِالْحَنَّانِ الْمَنَّانِ فَتَعَجَّبْتُ مِنْ ذٰلِكَ الصَّوْتِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَا جِبْرِيْلُ اِذْهَبْ اِلٰى مَالِكٍ قُلْ لَّهُ اَخْرِجِ الْعَبْدَ الَّذِيْ يُنَادِيْ بِالْحَنَّانِ الْمَنَّانِ فَيَذْهَبُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلٰى بَابٍ مِّنْ اَبْوَابِ جَهَنَّمَ فَيَضْرِبُهُ فَيَخْرُجُ اِلَيْهِ مَالِكٌ فَيَقُوْلُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ اَخْرِجِ الْعَبْدَ الَّذِيْ يُنَادِيْ بِالْحَنَّانِ الْمَنَّانِ فَيَدْخُلُ فَيَطْلُبُهُ فَلَا يُوْجَدُ وَاَنَّ مَالِكًا اَعْرَفُ بِاَهْلِ النَّارِ مِنَ الْاُمِّ بِاَوْلَادِهَا فَيَخْرُجُ فَيَقُوْلُ لِجِبْرِيْلَ اِنَّ جَهَنَّمَ زَفَرَتْ زَفْرَةً لَا اَعْرِفُ الْحِجَارَةَ مِنَ الْحَدِيْدِ وَلَا الْحَدِيْدَ

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا موحدین میں سے کوئی شخص جہنم میں باقی رہ جائے گا؟ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہاں! ایک شخص ہوگا جو دوزخ کے سب سے نچلے تہہ خانہ میں پکارتا ہوگا: اے حنان! اے منان! یہاں تک کہ حضرت جبریل علیہ السلام اس کی آواز کو سن لے گا اور اس پر تعجب کرے گا اور کہے گا: یہ عجب ہے' یہ عجب ہے' پھر اسے صبر نہیں ہو سکے گا یہاں تک کہ وہ رحمٰن کے عرش کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: اے جبریل! اپنا سر اٹھاؤ تو وہ اپنا سر اٹھا لے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے عجائب میں سے کون سی عجیب چیز دیکھی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ اس نے دیکھا (یا سنا) ہے۔ حضرت جبریل عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے دوزخ کے تہہ خانے سے ایک آواز سنی ہے جو پکار رہا ہے کہ اے حنان! اے منان! سو مجھے اس آواز پر بہت تعجب ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جبریل! تم دوزخ کے داروغہ مالک کے پاس چلے جاؤ اور اس سے کہو کہ تم اس آدمی کو دوزخ سے نکال لو جو اے حنان' اے منان پکار رہا ہے' چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام دوزخ کے دروازوں میں سے کسی ایک دروازہ پر پہنچیں گے اور اسے کھٹکھٹائیں گے اور جہنم کا فرشتہ مالک دروازہ پر اس کے پاس آ جائے گا تو حضرت جبریل اس سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس بندے کو دوزخ سے نکالو جو اے حنان! اے منان! پکار رہا ہے' چنانچہ یہ مالک نامی فرشتہ دوزخ میں جا کر اسے تلاش کرے گا لیکن اسے کہیں نہیں پائے گا حالانکہ مالک دوزخیوں کو اس

مِنَ الرِّجَالِ فَيَرْجِعُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى يَصِيْرَ بَيْنَ يَدَيْ عَرْشِ الرَّحْمٰنِ سَاجِدًا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِرْفَعْ رَاْسَكَ يَا جِبْرِيْلُ لِمَ لَمْ تَجِيْ بِعَبْدِيْ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اِنَّ مَالِكًا يَقُوْلُ اِنَّ جَهَنَّمَ قَدْ زَفَرَتْ زَفْرَةً لَا اَعْرِفُ الْحَجَرَ مِنَ الْحَدِيْدِ وَلَا الْحَدِيْدَ مِنَ الرِّجَالِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قُلْ لِمَالِكٍ اِنَّ عَبْدِيْ فِيْ قَعْرِ كَذَا وَكَذَا فِيْ سِتْرِ كَذَا وَكَذَا وَفِيْ زَاوِيَةِ كَذَا وَكَذَا فَيَدْخُلُ جِبْرِيْلُ فَيُخْبِرُهٗ بِذٰلِكَ فَيَدْخُلُ مَالِكٌ فَيَجِدُهٗ مَطْرُوْحًا مَنْكُوْسًا مَشْدُوْدًا نَاصِيَتُهٗ اِلٰى قَدَمَيْهِ وَيَدَاهُ اِلٰى عُنُقِهٖ وَاجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْحَيَّاتُ وَالْعَقَارِبُ فَيَجْذِبُهٗ جَذْبَةً حَتّٰى تَسْقُطَ عَنْهُ الْحَيَّاتُ وَالْعَقَارِبُ ثُمَّ يَجْذِبُهٗ جَذْبَةً اُخْرٰى حَتّٰى تَنْقَطِعَ مِنْهُ السَّلَاسِلُ وَالْاَغْلَالُ ثُمَّ يُخْرِجُهٗ مِنَ النَّارِ فَيُصَيِّرُهٗ فِيْ مَاءِ الْحَيَاةِ وَيَدْفَعُهٗ اِلٰى جِبْرِيْلَ فَيَاْخُذُ بِنَاصِيَتِهٖ وَيَمُدُّهٗ مَدًّا فَمَا مَرَّ بِهٖ جِبْرِيْلُ عَلٰى مَلَاءٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ اِلَّا وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ اُفٍّ لِّهٰذَا الْعَبْدِ حَتّٰى يَصِيْرَ بَيْنَ يَدَيْ عَرْشِ الرَّحْمٰنِ سَاجِدًا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِرْفَعْ رَاْسَكَ يَا جِبْرِيْلُ وَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَبْدِيْ اَلَمْ اَخْلُقْكَ بِخَلْقٍ حَسَنٍ اَلَمْ اُرْسِلْ اِلَيْكَ رَسُوْلًا اَلَمْ يَقْرَاْ عَلَيْكَ كِتَابِيْ اَلَمْ يَاْمُرْكَ وَيَنْهَكَ حَتّٰى يُقِرَّ الْعَبْدُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلِمَ فَعَلْتَ كَذَا وَكَذَا فَيَقُوْلُ الْعَبْدُ يَا رَبِّ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ حَتّٰى بَقِيْتُ فِي النَّارِ كَذَا وَكَذَا خَرِيْفًا لَمْ اَقْطَعْ رَجَائِيْ مِنْكَ يَا رَبِّ دَعَوْتُكَ بِالْحَنَّانِ الْمَنَّانِ وَاَخْرَجْتَنِيْ بِفَضْلِكَ فَارْحَمْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِشْهَدُوْا يَا مَلَائِكَتِيْ بِاَنِّيْ رَحِمْتُهٗ.

مسند الحارثی (۳۶۶)

سے زیادہ جانتا اور پہچانتا ہے جتنا ماں اپنی اولاد کو جانتی اور پہچانتی ہے' پھر وہ دوزخ سے نکل کر حضرت جبریل علیہ السلام سے کہے گا: بے شک اس وقت دوزخ بہت بھڑکتی ہوئی اس قدر جوش مار رہی ہے کہ میں پتھر اور لوہے اور لوہے اور آدمی کے درمیان فرق نہیں کر سکتا' پس حضرت جبریل علیہ السلام واپس لوٹ آئیں گے یہاں تک کہ وہ رحمٰن کے عرش کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: اے جبریل! اپنا سر اٹھا لو اور بتاؤ کہ تم میرے بندے کو کیوں نہیں لائے۔ حضرت جبریل عرض کریں گے: اے میرے رب! مالک کہتا ہے کہ جہنم بھڑکتی ہوئی بہت جوش مار رہی ہے یہاں تک کہ میں پتھر اور لوہے کے درمیان اور آدمی اور لوہے کے درمیان فرق نہیں کر سکتا۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہوگا کہ تم مالک سے جا کر کہو کہ میرا بندہ اس طرح کے فلاں تہہ خانہ' فلاں پردے اور فلاں کونے میں پڑا ہوا ہے' چنانچہ حضرت جبریل مالک کے پاس جا کر اسے بتائیں گے تو مالک دوزخ میں اس جگہ پہنچیں گے اور اسے الٹا پھینکا ہوا اس حالت میں پائیں گے کہ اس کی پیشانی اس کے پاؤں کے ساتھ بندھی ہوئی ہوگی اور اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ بندھے ہوئے ہوں گے اور سانپ اور بچھو اس سے لپٹے ہوئے ہوں گے پھر مالک اس کو کھینچ کر جھٹکا دے گا تو سارے سانپ بچھو جھڑ کر گر جائیں گے' پھر دوسری بار پکڑ کر اسے کھینچے گا تو تمام ہتھکڑیاں' بیڑیاں اور طوق ٹوٹ کر گر پڑیں گے' پھر اس کو دوزخ کی آگ سے نکالے گا اور اس کو آبِ حیات کے چشمہ میں ڈال دے گا اور (نہلا کر) اس کو حضرت جبریل کے سپرد کر دے گا اور حضرت جبریل اس کو اس کی پیشانی سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے لے جائے گا اور حضرت جبریل اس کو لے کر فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزریں گے وہ کہیں گے: بڑا افسوس ہے اس بندے پر! یہاں تک کہ حضرت جبریل رحمٰن کے عرش کے سامنے جا کر سجدہ میں گر پڑیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: اے جبریل! تم اپنا سر اٹھا لو اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے! کیا میں نے تجھے بہترین صورت میں پیدا نہیں کیا؟ کیا میں نے تیری طرف پیغمبر نہیں بھیجا؟ اور کیا اس نے تجھے میری کتاب پڑھ کر نہیں سنائی۔ کیا اس نے تجھے بھلائی کا حکم نہیں دیا اور کیا اس نے تجھے برائی سے نہیں روکا یہاں

تک کہ بندہ تمام چیزوں کا اقرار کر لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر تو نے فلاں فلاں برائیاں کیوں کیں؟ سو بندہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے یہاں تک کہ میں اتنے اتنے سال دوزخ کی آگ میں پڑا رہا لیکن میں نے تجھ سے امید نہیں توڑی۔ اے میرے پروردگار! میں تجھے حنان اور منان کے ساتھ پکارتا رہا اور تو نے اپنے فضل وکرم سے مجھے دوزخ سے نکال لیا' پس اب تو اپنی رحمت ومہربانی کے صدقے مجھ پر رحم وکرم فرما' چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے فرشتو! تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اس بندے پر رحم وکرم کر دیا۔

حل لغات

''قَعْرٌ'' گہرائی۔ ''يُنَادِيْ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب مفاعلہ' اس کا معنی ہے: پکارنا۔ ''يَتَعَجَّبُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب تفعل ہے' اس کا معنی ہے: تعجب کرنا۔ ''زفرت'' صیغہ واحد مونث غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: لمبا اور زوردار سانس لینا' چنگھاڑنا ''مَطْرُوْحًا'' اسم مفعول کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے: پھینکنا۔ ''مَنْكُوْسًا'' یہ بھی اسم مفعول کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے: الٹا لٹکانا۔ ''مَشْدُوْدًا'' یہ بھی اسم مفعول صیغہ واحد مذکر ہے بہ معنی بندھا ہوا۔ ''اَلْحَيَّاتُ'' یہ حیۃ کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: سانپ۔ ''اَلْعَقَارِبُ'' یہ عقرب کی جمع ہے بہ معنی بچھو۔ ''يَجْذِبُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ ہے' اس کا معنی ہے: کھینچنا۔

اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم اور حنان ومنان اسماءِ حسنیٰ کی فضیلت

اس حدیث مبارکہ سے چند مسائل ثابت ہو رہے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ یہ حدیث مبارکہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جس طرح کبیرہ گناہوں کا مرتکب شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے طفیل اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام' اولیائے عظام' علمائے کرام' شہدائے اسلام' صلحائے امت اور اقرباء وغیرہم کی شفاعت کی وجہ سے مغفرت وبخشش حاصل کر کے جہنم سے نجات پا کر جنت میں داخل ہوگا اسی طرح صاحب حق کی طرف سے اپنے حق سے دست بردار ہونے اور اپنا حق معاف کرنے کی صورت میں بھی مغفرت وبخشش حاصل کر کے جہنم سے نجات پا کر جنت میں داخل ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ: اے فرشتو! تم گواہ ہو جاؤ میں نے اس پر رحم کر دیا ہے (یعنی میں نے اپنے حقوق کی تمام خلاف ورزیاں معاف کر کے اسے بخش دیا ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اور اس کے تمام بندوں کو محیط ہے جیسا کہ فرمایا:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط [الاعراف:۱۵۶] اور میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ خواہ اپنی رحمت ومہربانی سے مجرم کی سزا کم کر کے اسے بخش دے اور دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دے خواہ اپنے عدل وانصاف کے مطابق مجرم کو پوری سزا دے کر اسے دوزخ سے نکال لے اور جنت میں داخل کر دے۔ بہر حال اس سے معتزلہ کے عقیدہ کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک توبہ کرنے والے اور صرف صغیرہ گناہوں کے مرتکب دوزخ میں

ہرگز داخل نہیں ہوں گے اور باقی رہ گئے کفار اور کبیرہ گناہوں کے مرتکب تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے' پھر تو اس حدیث مبارکہ کو شفاعت کی بحث میں پیش کرنا بے کار و بے فائدہ ہو جاتا ہے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۸ حاشیہ ۳' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

(۲) دوسرا یہ کہ سب سے آخر میں دوزخ سے نکلنے والے اس موحد نے جب اللہ تعالیٰ کو حنان اور منان کے مبارک ناموں سے یاد کیا اور فریاد کی تو اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو گیا اور اس پر رحم و کرم فرما کر دوزخ سے نکالا اور جنت میں داخل کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں اسمائے حسنٰی دعا کی قبولیت کے لیے تیر بہدف ہیں' اس سے ان مبارک ناموں کی اہمیت و عظمت واضح ہو جاتی ہے' چنانچہ علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وہ موحد یا تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تعریف و توصیف کے طور پر ''حنان و منان'' پکارتا رہا یا بطور نداء ''یا حنان یا منان'' پکارتا رہا کیونکہ یہ دونوں اسمائے مبارک مبالغہ کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اسم ''حنان''، ''حن'' سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے: شفقت و رحمت اور ''منان''، ''منۃ'' سے ماخوذ ہے جس کا ایک معنی جود و عطاء ہے اور دوسرا معنی امتنان و احسان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بے شمار نعمتوں کے ذریعہ اپنے بندوں پر جود و عطا اور امتنان و احسان فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ. بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی۔ [الحجرات:۱۷]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بیان فرمایا کہ حنان وہ ہے جو اس شخص پر بھی نظر کرم سے توجہ فرماتا ہے جو اس سے اعراض و روگردانی کرتا ہے اور منان وہ ہے جو سوال کرنے سے پہلے (بن مانگے) اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اور ان دونوں اسمائے مبارکہ کو اسم اعظم میں سے شمار کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم! [شرح مسند امام اعظم ص ۲۱-۲۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

(۳) تیسرا یہ کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ذکر کیا گیا کہ جو شخص دوزخ کی آگ سے سب سے آخر میں نکالا جائے گا اس کا نام ہناد ہو گا اور وہ ایک ہزار سال تک دوزخ کے عذاب میں مبتلا رہے گا۔ بعد ازاں وہ ''يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ'' پکارتا ہوا فریاد کرے گا (تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما کر دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل فرما دے گا)' چنانچہ یہ بات سن کر حضرت خواجہ حسن بصری رو پڑے اور فرمایا کہ کاش! میں ہناد ہوتا' سو حاضرین محفل کو اس بات پر بہت تعجب ہوا تو آپ نے فرمایا: تم پر بہت افسوس ہے کیا وہ شخص (ہناد) آخر کار ایک دن دوزخ کے عذاب سے نجات حاصل نہیں کر لے گا اور وہ اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ امام غزالی کی منہاج العابدین میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے اور شمائل ترمذی میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے آدمی کو بھی اور سب سے آخر میں دوزخ کی آگ سے نکلنے والے آدمی کو بھی میں خوب جانتا ہوں' چنانچہ قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور حکم فرمایا جائے گا کہ اس کے سامنے اس کے تمام صغیرہ گناہوں کو پیش کیا جائے اور اس کے کبیرہ گناہوں کو اس سے مخفی رکھا جائے گا اور پھر اس سے کہا جائے گا: تو نے فلاں دن یہ گناہ کیا تھا اور فلاں دن یہ گناہ کیا تھا اور وہ سب صغیرہ گناہوں کا اقرار کر لے گا' کسی کا انکار نہیں کرے گا اور وہ اپنے کبیرہ گناہوں کی وجہ سے ڈر رہا ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ اس شخص کی ہر برائی کے عوض میں ایک ایک نیکی عطا کر دو تو فوراً وہ شخص عرض کرے گا: میرے اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا۔ حضرت ابوذر غفاری نے کہا کہ بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس قدر مسکرائے کہ آپ کی

مبارک داڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں دوزخ سے سب سے آخر میں نکلنے والے دوزخی کو خوب جانتا ہوں' یہ وہ آدمی ہو گا جو گھٹنوں کے بل دھیرے دھیرے گھسٹتا ہوا دوزخ سے باہر نکلے گا اور اسے کہا جائے گا: جا چلا جا اور جنت میں داخل ہو جا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: پس وہ آدمی چلا جائے گا تا کہ جنت میں داخل ہو جائے' جب وہاں پہنچے گا تو دیکھے گا کہ لوگوں نے جنت میں اپنی اپنی منزل پا لی ہے (اور وہ خیال کرے گا کہ جنت کی تمام منزلیں بھر چکی ہیں)' پس وہ واپس لوٹ آئے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے! تو اپنی آرزو بتا تو وہ اپنی آرزو بتائے گا' چنانچہ اسے کہا جائے گا کہ جس قدر تو نے جنت کی آرزو کی وہ بھی اور دنیا کے برابر دس گنا مزید جنت تجھے عطا کی جاتی ہے' سو وہ آدمی عرض کرے گا کہ ہاں! آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں حالانکہ آپ ساری کائنات کے شہنشاہ ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ اس قدر مسکرائے کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۲۵-۲۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

۲۰- بَابُ بَيَانِ الشَّفَاعَةِ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ

کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے شفاعت کا بیان

۲۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَنْصُوْرِ بْنِ اَبِىْ سُلَيْمَانَ الْبَلْخِيِّ، وَ مُحَمَّدِ بْنِ عِيْسٰى وَيَزِيْدَ الطُّوْسِيِّ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ اُمَيَّةَ الْحَذَّاءِ الْعَدَوِيِّ عَنْ نُوْحِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ يَزِيْدَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَنْ تَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ وَاَهْلِ الْعَظَائِمِ وَاَهْلِ الدِّمَاءِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کہا: یارسول اللہ! آپ قیامت کے دن کن لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: میں کبیرہ گناہوں اور بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کرنے والوں اور خون بہانے والوں کی شفاعت کروں گا۔

ترمذی (۲۴۳۵) ابوداؤد (۴۷۳۹) الطیالسی (۹۹۸) ابن ماجہ (۴۳۱۰)

حل لغات

''تَشْفَعُ'' صیغہ واحد مذکر حاضر فعل مضارع معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ ہے' اس کا معنی ہے: سفارش کرنا' جفت بنانا اور دوہرا کرنا یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ ''اَلْكَبَائِرُ'' یہ کبیرۃ کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: بڑا ہونا۔ اس کے مقابلہ میں صغائر کا لفظ آتا ہے جو صغیرۃ کی جمع ہے' اس کا معنی ہوتا ہے: چھوٹا ہونا۔ بہر حال کبائر سے بڑے گناہ اور صغائر سے چھوٹے گناہ مراد ہوتے ہیں۔ ''اَلْعَظَآئِمُ'' یہ ''عَظِيْمَةٌ'' کی جمع ہے' اس کا معنی بھی بڑا ہونا ہے اور اس حدیث میں ''لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ'' پر ''وَاَهْلِ الْعَظَائِمِ'' کا عطف یا تو تفسیری ہے یا پھر کبائر سے حقوق اللہ مراد ہیں اور عظائم سے حقوق العباد مراد ہیں۔ ''اَلدِّمَآءُ'' یہ دم کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: خون بہانا' خونریزی اور قتل و غارت کرنا۔

بڑے گنہگاروں کے لیے شفاعت کا ثبوت

امام دیلمی نے اپنی کتاب مسند الفردوس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت بیان کی ہے کہ شفاعت کرنے والے پانچ ہیں (۱) قرآن مجید (۲) رحم (قرابت و رشتہ داری) (۳) امانت (۴) تمہارے پیغمبر (۵) آپ کی اہل بیت۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لیے بھی ہو گی جو

میری اہل بیت سے محبت کرتے ہیں۔ اس کو خطیب نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔

امام ابن عدی نے اپنی کتاب "کامل ابن عدی" میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! تم خوب عمل کرتی رہو اور فقط مجھ پر بھروسہ نہ کرو کیونکہ میری شفاعت میری امت میں سے (گناہوں کی وجہ سے) ہلاک ہونے والوں کے لیے ہوگی۔ [تنسیق النظام ص ١٩ حاشیہ ۴] اہل کبائر سے وہ لوگ مراد ہیں جو رسول اللہ کی امت میں سے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتے رہے ان کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت نصیب ہوگی خواہ وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہونے اور کچھ سزا ملنے کے بعد نصیب ہو خواہ دوزخ میں جانے سے پہلے انہیں شفاعت ملنے کی وجہ سے جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے اور دونوں صورتیں بھی جمع ہو سکتی ہیں کہ بعض گنہگاروں کی شفاعت دوزخ میں داخل ہو جانے اور کچھ سزا پانے کے بعد ہو اور بعض گنہگاروں کو دوزخ میں جانے سے پہلے شفاعت نصیب ہو جائے اور اہل العظائم کا عطف یا تو تفسیری ہے اور دونوں کا ایک معنی ہے یعنی کبیرہ گناہ اور یہ احتمال بھی ہے کہ عطف تفسیری نہ ہو بلکہ عطف تغایر ہو اور کبائر سے حقوق اللہ کی خلاف ورزی مراد ہو اور عظائم سے حقوق العباد کی خلاف ورزی مراد ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تخصیص بعد التعمیم ہو اور عظائم. سے انتہائی بدترین اور شدید ترین بے حیائی کے بڑے بڑے گناہ مراد ہوں جیسے نماز ترک کرنا اور دائمی محرمات کے ساتھ زنا کرنا اور مردوں' لڑکوں کے ساتھ لواطت کرنا "وَغَيْرَ ذٰلِكَ" یا یہ تعمیم بعد التخصیص ہو اور عظائم سے تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہ مراد ہوں اگر چہ وہ اہل تقویٰ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی و بغاوت کی حیثیت سے بہت بڑے اور بہت برے ہوں اور اہل الدماء سے شرعاً محترم و معصوم جانوں کو ناحق ظلم کے ساتھ قتل کرنا مراد ہے' خلاصہ یہ کہ یہ حدیث مبارکہ اور دیگر اس قسم کی نصوص اس بات کی دلیل ہیں کہ بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کے باوجود انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور شفاعت کا مستحق ہوتا ہے کیونکہ اجماع امت اور قرآن و احادیث کے دلائل سے ثابت ہے کہ کفار کی شفاعت ممنوع اور ناممکن و محال ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى. [التوبۃ: ١١٣]

پیغمبر اور مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت و بخشش طلب کریں اگر چہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں فرمایا:

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝ [المدثر: ۴٨]

سو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں نفع نہیں دے گی ۝

اور گنہگاروں کے حق میں شفاعت کی احادیث مبارکہ تقریباً متواتر ہیں' چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ" میری شفاعت میری امت کے بڑے بڑے گنہگاروں کے لیے ہوگی۔ اس حدیث مبارکہ کو امام احمد' امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام ابن حبان اور امام حاکم نے اپنی کتاب "المستدرک" میں روایت کیا ہے اور امام ترمذی' امام ابن ماجہ' امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جبکہ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور الخطیب نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور علامہ خطیب بغدادی کی ایک روایت حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے (درج ذیل) الفاظ سے منقول ہے: "شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الذُّنُوْبِ مِنْ اُمَّتِيْ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ عَلٰى رَغْمِ اَنْفِ اَبِي الدَّرْدَاءِ" میری شفاعت میری امت کے گنہگاروں کے لیے ہوگی اگر چہ وہ زانی اور چور ہی ہوں ابودرداء کی ناک خاک آلود کر کے' اور اس قسم کی احادیث مبارکہ میں خوارج اور معتزلہ کے مذہب کے بطلان پر اور اسی طرح مرجیہ کے فساد اعتقاد پر تنبیہ کی گئی ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ٥٠٢-٥٠١' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ١٩ حاشیہ ٥' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

٢١- بَابُ بَيَانِ رُؤْيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى

اللہ تعالیٰ کے دیدار کا بیان

٣٠- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ ابْنِ اَبِيْ خَالِدٍ وَبَيَانِ بْنِ بِشْرٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِيْ حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَا تَضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهٖ فَانْظُرُوْا اَنْ لَّا تُغْلَبُوْا فِيْ صَلٰوةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا قَالَ حَمَّادٌ يَعْنِي الْغَدْوَةَ وَالْعَشِيَّ. بخاری (٤٥٨١) مسلم (٤٥٢) ابوداؤد (٤٧٣٠) ترمذی (٢٥٥١) ابن ماجہ (١٧٧)

حضرت قیس بن ابی حازم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک تم عنقریب اپنے رب تعالیٰ کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو چودھویں کی رات میں دیکھتے ہو۔ تم اس کے دیدار میں کسی قسم کی مشقت نہیں اٹھاؤ گے' سو تم غور و فکر اور کوشش کرو کہ طلوع آفتاب سے پہلے کی نماز (فجر) اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز (ظہر و عصر) سے مغلوب نہ ہو جاؤ (کہیں ترک نہ کر دو)' حضرت حماد نے فرمایا: ان اوقات سے نماز فجر اور پچھلے پہر (ظہر اور عصر) کی نماز مراد ہے (کیونکہ "قبل غروبها" کی قید کے سبب "عشیّ" سے مغرب و عشاء مراد نہیں ہو سکتیں)۔

حل لغات

"سَتَرَوْنَ" یہ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل مضارع معروف ہے' اس کا معنی ہے: دیکھنا۔ "اَلْقَمَرُ" کا معنی ہے چاند اور "لَيْلَةُ الْبَدْرِ" کا معنی ہے: چودھویں رات کا چاند۔ "لَا تَضَامُّوْنَ" یہ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل مضارع معروف منفی ہے' اس کی ایک صورت یہ ہے کہ اس میں تاء مفتوح اور میم مشدد ہے' اس کی ایک تاء محذوف ہے اور یہ باب تفاعل ہے۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس میں تاء مضموم اور میم مشدد ہے اور یہ باب مفاعلہ سے ہے اور اس کا معنی ہے: دھکم پیل کرنا' رش کی بنا پر باہم ایک دوسرے کو کھینچنا اور مزاحمت کی وجہ سے باہم جمع ہونا اور مل جانا اور اس کی تیسری صورت یہ ہے کہ اس میں تاء مفتوح اور میم مخفف (غیر مشدد) ہے' باب سَمِعَ يَسْمَعُ ہے' اس کا معنی ہے: ضرر اور تکلیف۔

اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کرنے پر اتمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع (اور اتفاق) منعقد ہو چکا ہے۔

[تفسیر مظہری ج ١٠ ص ١۴١' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی]

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں یعنی خدا تعالیٰ کا دیدار مومنوں کو قیامت کے دن نصیب ہونے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین عظام رضی اللہ عنہم اور اسلاف امت کا اتفاق اور اجماع ہے۔ ائمۂ اسلام اور ہداۃ انام سب اس پر متفق ہیں۔

[تفسیر ابن کثیر ج ٥ ص ٨١' پ ٢٩' مترجم' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی]

حضرت صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ آخرت میں مومنین کو دیدار الٰہی میسر آئے گا' یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ قرآن و حدیث اور اجماع کے دلائل کثیرہ اس پر قائم ہیں اور یہ دیدار بے کیف اور بے جہت ہوگا۔

[تفسیر خزائن العرفان ص ۱۰۴۱ حاشیہ ۲۰ 'مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور' کراچی]

محقق العصر استاذی المکرم حضرت علامہ سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں:

اور تمام اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عقلاً اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز ہے اور قرآن اور احادیث صحیحہ سے آخرت میں مومنین کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ثابت ہے۔ اس پر تمام متقدمین کا اجماع ہے اور دس سے زیادہ صحابہ نے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ معتزلہ' خوارج اور بعض مرجیہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی عقلاً نفی کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دکھائی دینے والا دیکھنے والے کی مقابل جانب میں ہونا چاہیے اور دیکھنے والے کی بصری شعاعیں اس سے متصل ہونی چاہئیں اور اہل حق کہتے ہیں کہ یہ شرائط ممکنات کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان شرائط سے بری ہے۔ آخر وہ دیکھتا بھی تو ہے اور جب وہ بغیر سمت اور جانب کے دیکھتا ہے تو اس کے دکھائی دینے سے کیا مانع ہے۔

[تفسیر تبیان القرآن ج ۵ ص ۳۵۵ 'مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور' بحوالہ اکمال المعلم بہ فوائد مسلم ج ۱ ص ۵۴۱ ' ۵۴۰ 'مطبوعہ دار الوفا' بیروت' ۱۴۱۹ھ]

حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ دار آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو اپنے دیدار سے مشرف فرمائیں گے لیکن معتزلہ' خوارج اور دیگر بدعتی فرقے اس بات کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رویت کے لیے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ذات باری تعالیٰ ان سے مبرا ہے اس لیے رویت کا تحقق ناممکن ہے۔ وہ کہتے ہیں: رویت کے لیے دیکھنے والے کا بینا ہونا' جس کو دیکھا جارہا ہے اس کا محسوس ہونا' کسی جہت میں پایا جانا' نہ زیادہ نزدیک اور نہ زیادہ دور ہونا ضروری ہے اور جب اللہ تعالیٰ جہت سے' محسوس ہونے سے دور اور نزدیک ہونے سے پاک ہے تو اس کی رویت کیسے متحقق ہوسکتی ہے۔

اہل سنت اس کا جواب دیتے ہیں کہ تم عالم آخرت کے حقائق کو عالم دنیا پر قیاس کرتے ہو جو سراسر نادانی ہے۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ رویت باری تعالیٰ متحقق ہوگی اور ان شرائط کے پائے جانے کے بغیر متحقق ہوگی۔ کیف' جہت اور ثبوت مسافت کے تکلفات کے بغیر آنکھیں رب کریم کا دیدار کریں گی' نیز کثیر احادیث سے جو مجموعی طور پر حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں رویت خداوندی کا ثبوت ملتا ہے۔ اتنی کثیر احادیث کا انکار کیونکر ممکن ہے۔ [تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۴۳۵ 'مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور]

رویت باری تعالیٰ کے ثبوت کے لیے قرآن واحادیث سے استدلال

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ [القیامۃ: ۲۲-۲۳] اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے ۝ اپنے رب تعالیٰ کی طرف دیکھنے والے ہوں گے ۝

(۲) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
جنت کے ادنیٰ شخص کا یہ مرتبہ ہوگا کہ وہ اپنی جنتوں کی طرف اور اپنی بیویوں کی طرف اور اپنے خادموں کی طرف اور اپنی کنیزوں کی طرف ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھ سکے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ شخص ہوگا جو صبح' شام اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ بالا آیت پڑھیں۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
بے شک جنتی حضرات ہر جمعۃ المبارک کو اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا کریں گے۔

(۴) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اے میرے اللہ! میں تجھ سے موت کے بعد آرام دہ زندگی اور تیرے رخ زیبا کی زیارت کی لذت اور تیرے دیدار کے شوق کا سوال کرتا ہوں بغیر نقصان دہ ضرر اور بغیر گمراہ کن فتنہ کے۔

(۵) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم اپنے رب تعالیٰ کا دیدار ہرگز نہیں کرسکو گے یہاں تک کہ تم دنیا سے وفات پاجاؤ۔

(۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنتی اپنی نعمتوں میں مسرور ہوں گے کہ اچانک ان پر ایک نور چمکے گا' وہ اپنے سروں کو اوپر اٹھائیں گے تو رب تعالیٰ ان کے اوپر جلوہ افروز ہوکر متوجہ ہوگا اور فرمائے گا: اے جنتیو! تم پر سلام ہو اور یہی مطلب ہے (سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝ (یٰسٓ)۔ مہربان رب کی طرف سے سلام کہا جائے گا ۝) کا چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے' سو جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھتے رہیں گے اس وقت تک کسی اور نعمت کی طرف نہیں دیکھیں گے یہاں تک کہ ان کے سامنے حجاب حائل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا نور اور اس کی برکت ان کے گھروں میں باقی رہے گی۔ [تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۴۳-۱۴۰ 'مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی] نیز حدیث ۲ کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

[تفسیر معالم التنزیل ج ۴ ص ۴۲۴ 'مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر روح المعانی ج ۲۹ ص ۱۴۵ 'مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور]

(۷) امام مسلم اور امام ترمذی حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایک اور نعمت مزید عطا کروں' سو جنتی حضرات عرض کریں گے کہ کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن وسفید نہیں کیا؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ اور کیا آپ نے ہمیں دوزخ کی آگ سے نجات نہیں بخشی؟ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ ان سے حجاب کو اٹھا دے گا' چنانچہ جنتیوں کو ان کے رب تعالیٰ کے دیدار کی نعمت سے بڑھ کر کوئی محبوب ترین نعمت عطا نہیں کی جائے گی (بلکہ ان کے لیے جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر دیدار الٰہی کی نعمت عظیم ترین اور محبوب ترین ہوگی) اور حضرت جابر کی روایت میں ہے جسے امام ابن ماجہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کی طرف نظر کرم فرمائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی طرف دیکھتے ہوں گے اور جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اس وقت تک وہ جنت کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کی طرف نہیں دیکھیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے سامنے حجاب ڈال دے گا۔

[تفسیر روح المعانی ج ۲۹ ص ۱۴۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لاہور]

(۸) قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ [یونس: ۲۶] جن لوگوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے بہترین اجر وثواب ہے اور مزید سب سے بہترین صلہ ہے۔

الحسنیٰ سے جنت مراد ہے اور ''زیادۃ'' سے اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنا اور اس کا دیدار کرنا مراد ہے۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت کا یہی قول ہے جن میں حضرت ابوبکر' حضرت حذیفہ' حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم شامل ہیں اور حضرت حسن بصری' حضرت عکرمہ' حضرت عطاء' حضرت مقاتل' حضرت ضحاک اور حضرت سدی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت مبارکہ کو پڑھا اور فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی (اعلانچی) اعلان کرے گا کہ اے جنت میں داخل ہونے والو! بے شک تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے

پاس ایک وعدہ ہے وہ تم سے اپنا یہ وعدہ پورا کرنا چاہتا ہے تو جنتی حضرات عرض کریں گے: وہ کون سا وعدہ ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے تول بڑھا نہیں دیئے؟ اور کیا اس نے ہمارے چہروں کو روشن و سفید نہیں کیا؟ اور کیا اس نے ہمیں دوزخ کی آگ سے نجات عطا نہیں فرمائی؟ آپ نے فرمایا: پھر حجاب اٹھا دیا جائے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھیں گے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے)' آپ نے فرمایا: انہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑھ کر کوئی نعمت محبوب نہیں ہوگی۔

[تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۵۱' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر روح المعانی الجزء الحادی عشر' ص ۱۰۳۔ ۱۰۲' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر خازن' تفسیر مدارک ج ۲ ص ۳۱۱' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ بمصر' تفسیر مظہری ج ۵ ص ۲۲۔ ۲۱' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

۲- كِتَابُ الْعِلْمِ

علم کا بیان

۱- بَابٌ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ

دین کا علم حاصل کرنا فرض ہے

۳۱- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَبِىْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ.

ابن ماجہ (۲۲٤)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ" (شریعت کا) علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر (بہ قدر ضرورت) فرض ہے۔

حل لغات

"طَلَبٌ" یہ باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے مصدر کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے: تلاش کرنا' حاصل کرنا اور طلب کرنا۔ "اَلْعِلْمُ" یہ باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے مصدر کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے: جاننا' ادراک کرنا' پہچاننا' یقین کرنا۔ "فَرِيْضَةٌ" مبنی للمفعول ہے' اس کا معنی ہے: مقرر کردہ حصہ' واجب' لازم' فرض۔

علم دین کی اہمیت

علم سے علم دین مراد ہے جو کتاب وسنت سے متعلق ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: ایک علم مبادی اور دوسرا علم مقاصد اور علم مبادی سے وہ تمام علوم مراد ہیں جن پر کتاب وسنت کی معرفت موقوف ہے جیسے لغت عرب' صرف ونحو کا علم' علاوہ ازیں دیگر علوم عربیہ اور علم مقاصد سے وہ تمام علوم مراد ہیں جن کا تعلق اعمال' اخلاق اور عقائد کے ساتھ ہے۔ [اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۵۰' مطبوعہ نوریہ رضویہ' سکھر]

علم سے شرعی علم مراد ہے یعنی قرآن وحدیث اور فقہ وغیرہ' خیال رہے کہ علم نور الٰہی ہے جو بندہ کو عطا ہوتا ہے' اگر بشر کے واسطے سے حاصل ہو تو یہ کسبی علم کہلاتا ہے ورنہ علم لدنی' لدنی کی بہت سی قسمیں ہیں: وحی' الہام' فراست وغیرہ۔ وحی انبیائے کرام کے ساتھ خاص ہے اور الہام اولیاء اللہ سے' فراست ہر مومن کو بہ قدر ایمان نصیب ہوتی ہے۔ فراست والہام وہی معتبر ہے جو خلاف شرع نہ ہو' خلاف شرع ہو تو یہ وسوسہ ہے۔ [مرآۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۸۵' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

علم مومن کے قلب میں ایک نور ہے جو فانوس نبوت کے چراغ سے مستفاد ہوتا ہے۔ یہ علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال' افعال اور احوال کے ادراک کا نام ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات' افعال اور اس کے احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے' اگر یہ علم کسی بشر

کے واسطے سے حاصل ہو تو کسبی ہے اور اگر بلا واسطہ حاصل ہو تو علم لدنی ہے۔ علم لدنی کی تین قسمیں ہیں: وحی' الہام اور فراست' وحی کا لغوی معنی ہے: سرعت (جلدی) سے اشارہ کرنا اور اصطلاحی معنی ہے: وہ کلام الٰہی جو نبی کریم کے دل میں حاصل ہو' پھر جس کلام کے الفاظ اور معانی کا حضرت جبرئیل کے واسطے سے نبی کریم پر نزول ہو وہ کلام الٰہی یعنی قرآن مجید ہے اور جس کلام کے صرف معانی کا نزول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس معنی کو اپنے الفاظ کے ساتھ تعبیر فرمائیں وہ حدیث نبوی ہے۔ الہام کا لغوی معنی ابلاغ (یعنی پہنچانا) ہے اور اصطلاح میں وہ علم حق ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں پر القاء کرتا ہے اور ان کو امور غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے اور فراست وہ علم ہے جس میں ظاہری صورت کو دیکھ کر امور غیبیہ منکشف ہوتے ہیں۔ الہام میں ظاہری صورت کا واسطہ نہیں ہوتا بلا واسطہ کشف ہوتا ہے اور فراست میں ظاہری صورتوں کا واسطہ ہوتا ہے اور الہام اور وحی میں یہ فرق ہے کہ الہام وحی کے تابع ہوتا ہے اور وحی الہام کے تابع نہیں ہوتی (نیز وحی سے حاصل ہونے والا علم قطعی اور یقینی ہوتا ہے اور الہام سے حاصل ہونے والا علم ظنی ہوتا ہے۔ سعیدی غفرلہ) علم یقین دلائل سے حاصل ہوتا ہے۔ عین الیقین مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے اور حق الیقین تجربہ سے واصل ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ [شرح مسلم ج ۷ ص ۳۶۳۔ ۳۶۲' مطبوعہ فرید بک سٹال' بحوالہ مرقات ج ۱ ص ۲۶۴' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

امام بیہقی بیان کرتے ہیں کہ جب علم کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد علم دین ہوتا ہے اور اس کی متعدد اقسام ہیں:

(۱) اللہ عزوجل کی معرفت کا علم' اس کو علم الاصل کہتے ہیں۔

(۲) اللہ عزوجل کی طرف سے نازل شدہ چیزوں کا علم' اس میں علم نبوت اور احکام اللہ کا علم بھی داخل ہے۔

(۳) کتاب وسنت کی نصوص اور ان کے معانی کا علم' اس میں مراتب نصوص' ناسخ اور منسوخ' اجتہاد' قیاس' صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کا علم اور ان کے اتفاق اور اختلاف کا علم بھی داخل ہے۔

(۴) جن علوم سے کتاب وسنت کی معرفت اور احکام شرعیہ کا علم ممکن ہو اس میں لغت عرب' نحو' صرف اور محاورات عرب کی معرفت بھی داخل ہے۔

عوام کے لیے قدر ضروری علم کا بیان

امام بیہقی لکھتے ہیں: امام شافعی نے فرمایا: علم کی دو قسمیں ہیں: عوام کا علم اور خواص کا علم۔

عوام کا علم: عوام کے لیے جاننا فرض اور ضروری ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہیں اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر ماہ رمضان کے روزے فرض کیے ہیں اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے اور ان کے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے اور زنا' قتل' چوری اور شراب نوشی کو ان پر حرام کر دیا ہے' اسی طرح وہ احکام جاننا بھی ضروری ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکلف کیا ہے' جن کا کرنا اور جن سے اجتناب اس پر ضروری ہے ان سب کا جاننا اس پر ضروری ہے۔ ان احکام کی صراحت قرآن مجید میں مذکور ہے اور یہ احکام اہل اسلام میں تواتر کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں۔ یہ وہ علم ہے جس میں غلطی' تاویل یا اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

خواص کے لیے قدر ضروری علم کا بیان

احکام شرعیہ کی تمام فروعات کا علم حاصل کرنا' قرآن مجید کی صریح عبارات' دلالت' اشارت اور اقتضاء نصوص کو جاننا اور اسی طرح احادیث اور آثار کا علم حاصل کرنا' قیاس اور اس کی شرائط کو جاننا اور ایسی مہارت وصلاحیت حاصل کرنا کہ تمام پیش آمدہ مسائل کا کتاب وسنت سے حل بتایا جا سکے۔ ہر شخص کے لیے اتنی مہارت حاصل کرنا ضروری نہیں ہے لیکن مسلمانوں میں سے چند افراد کے لیے اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ O [التوبۃ:۱۲۲]

اور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سب مسلمان ایک ساتھ نکل کھڑے ہوں' تو ان کے ہر گروہ سے ایک جماعت کیوں نہ نکلی تا کہ وہ لوگ دین کی فقہ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈرائیں تا کہ وہ (گناہوں سے) بچے رہیں O

خلاصہ یہ ہے کہ اتنا وسیع علم حاصل کرنا جو احکام شرعیہ کی تمام فروعات اور جزئیات پر مع ان کے دلائل محیط ہو یہ فرض کفایہ ہے اور ان جزئیات کے حافظ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام مسائل اور ان کے دلائل زبانی یاد ہوں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس شخص میں ایسی مہارت ہو کہ جب بھی اس سے کوئی سوال کیا جائے تو وہ قرآن مجید' احادیث اور کتب فقہ سے دلائل کے ساتھ اس کا جواب دے سکے اور اسی شخص کو عالم دین' مفتی اور فقیہ کہتے ہیں۔ [ماخوذ مع انتخاب شرح مسلم ج ۷ ص ۳۶۵۔ ۳۶۴۔ ۳۶۳' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

علم دین اور علمائے دین کی فضیلت

واضح رہے کہ یہاں ہر حدیث کے ساتھ کتاب' جلد' صفحہ اور مطبوعہ کا ذکر کرنے کی بجائے پہلے کنز العمال اور موضوع سے متعلقہ تمام احادیث مبارکہ کو مرقوم ذکر کیا جائے گا' پھر آخر میں کتاب کا نام' جلد' صفحہ اور مطبوعہ کا ذکر کیا جائے گا۔

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ. وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ اَهْلِهٖ كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيْرِ الْجَوْهَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ. [کنز العمال:۲۸۶۴۸]

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض (یعنی ضروری) ہے اور نا اہل پر علم پیش کرنے والا اس طرح ہے جس طرح خنزیروں کے گلے میں جوہر' موتی اور سونے کے ہار پہنانے والا ہے۔

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَاِنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ يَسْتَغْفِرُ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ حَتَّى الْحِيْتَانِ فِي الْبَحْرِ. [کنز العمال:۲۸۶۴۹]

علم طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور بے شک طالب علم کے لیے ہر چیز استغفار و بخشش طلب کرتی ہے یہاں تک کہ دریا اور سمندر میں اس کے لیے مچھلیاں مغفرت طلب کرتی ہیں۔

(۳) طَلَبُ الْعِلْمِ اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الصَّلٰوةِ وَالصِّيَامِ وَالْحَجِّ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى. [کنز العمال:۲۸۶۵۱]

علم حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز سے اور روزوں سے اور حج سے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے بہت بہتر ہے۔

(۴) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ سَاعَةً خَيْرٌ مِّنْ قِيَامِ لَيْلَةٍ وَّ طَلَبُ الْعِلْمِ يَوْمًا خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِ ثَلَاثَةِ اَشْهُرٍ. [کنز العمال:۲۸۶۵۲]

ایک گھنٹہ علم طلب کرتے رہنا رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور ایک دن علم طلب کرتے رہنا تین ماہ کے روزوں سے بہتر ہے۔

(۵) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ اَفْضَلُ مِنَ الْعِبَادَةِ وَمَلَاكُ الْوَرَعِ الدِّيْنُ. [کنز العمال:۲۸۶۵۳]

علم عبادت سے افضل ہے اور دین کا سرمایہ پرہیزگاری ہے۔

(۶) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ دِيْنٌ ' اَلصَّلٰوةُ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ هٰذَا الْعِلْمَ وَكَيْفَ تُصَلُّوْنَ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ فَاِنَّكُمْ تُسْاَلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. [کنز العمال:۲۸۶۶۲]

علم دین ہے' نماز دین ہے' سو تم غور کرو کہ تم یہ علم کس سے حاصل کرتے ہو اور تم یہ نماز کیسی ادا کرتے ہو کیونکہ قیامت کے دن تم سے پوچھا جائے گا۔

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ وَذٰلِكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَ عِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذٰلِكَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَلٰى ابْنِ آدَمَ. [کنز العمال:۲۸۶۶۳]

علم کی دو قسمیں ہیں: پس ایک وہ علم جو دل کی اتھاہ گہرائی میں اتر جائے اور یہ مفید و نافع علم ہے اور دوسرا وہ علم جو صرف زبان پر ہے' سو یہ علم ابن آدم پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔

(۸) ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ مِيْرَاثِيْ وَ مِيْرَاثُ الْاَنْبِيَآءِ قَبْلِيْ. [کنز العمال:۲۸۶۶۴]

علم دین میری میراث ہے اور مجھ سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی میراث ہے۔

(۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعِلْمُ وَالْمَالُ يَسْتُرَانِ كُلَّ عَيْبٍ وَالْجَهْلُ وَالْفَقْرُ يَكْشِفَانِ كُلَّ عَيْبٍ. [کنز العمال:۲۸۶۶۵]

علم اور مال ہر عیب کو چھپا لیتے ہیں اور جہالت و غربت ہر عیب کو ظاہر کر دیتے ہیں۔

(۱۰) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْعُلَمَآءُ مَصَابِيْحُ الْاَرْضِ وَ خُلَفَآءُ الْاَنْبِيَآءِ وَوَرَثَتِيْ وَوَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ. [کنز العمال:۲۸۶۷۳]

علمائے دین زمین پر چراغ ہدایت ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام کے سجادہ نشین ہیں اور میرے وارث ہیں اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے (علمی) وارث ہیں۔

(۱۱) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِتَّبِعُوا الْعُلَمَآءَ فَاِنَّهُمْ سُرُجُ الدُّنْيَا وَ مَصَابِيْحُ الْاٰخِرَةِ. [کنز العمال:۲۸۶۷۷]

تم علمائے دین کی پیروی کرو بے شک وہ دنیا میں (ہدایت کے) چراغ ہیں اور آخرت میں (شفاعت کے) چراغ ہیں۔

(۱۲) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب پل صراط پر عالم دین اور عابد (عبادت گزار) جمع ہوں گے تو عابد سے کہا جائے گا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ اور اپنی عبادت کے صلہ میں جنتی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہو اور عالم دین سے کہا جائے گا کہ تم یہیں ٹھہرو اور ہر اس شخص کی شفاعت (سفارش) کرو جس کے ساتھ تمہاری دوستی رہی کیونکہ آج تم جس شخص کی بھی شفاعت کرو گے وہ یقیناً قبول کی جائے گی' کیونکہ وہ انبیائے کرام کا قائم مقام ہے۔ [کنز العمال:۲۸۶۸۴]

(۱۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم علم طلب کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے کیونکہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ بے شک علم دین کی طلب پر خوش ہو کر فرشتے طالب علم کے لیے اپنے پروں کو جھکا دیتے ہیں۔

[کنز العمال:۲۸۶۹۴]

(۱۴) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَيُلْهِمْهُ رُشْدَهٗ. [کنزالعمال: ۲۸۷۰۳]

اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ اور فہم و فراست عنایت فرماتا ہے اور اسے دین کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔

(۱۵) حضرت انس بن مالک، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابودرداء اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن علمائے دین کی سیاہی اور شہیدوں کے خون کا وزن کیا جائے گا تو علمائے دین کی سیاہی شہداء اسلام کے خون پر غالب اور بھاری ہو جائے گی۔ [کنزالعمال: ۲۸۷۱۱]

(۱۶) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عالم دین کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح تم میں سے ایک ادنیٰ آدمی پر میری فضیلت ہے۔ بے شک اللہ عزوجل اس کے فرشتے اور زمین و آسمان والے یہاں تک چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں دریاؤں اور سمندروں میں خیر و بھلائی (یعنی دین اسلام) کی تعلیم دینے والے کے لیے رحمت و کرم کی دعا کرتے ہیں۔ [کنزالعمال: ۲۸۷۳۶]

(۱۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ (قرب قیامت میں) تمہیں علم دین عطا فرما کر تم سے نہیں چھینے گا لیکن علمائے دین کو (وفات دے کر) اٹھا لے گا اور جہال باقی رہ جائیں گے لوگ ان سے مسائل پوچھیں گے اور وہ (بغیر علم کے) فتویٰ دیں گے تو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ [کنزالعمال: ۲۸۷۳۷]

(۱۸) حضرت ابوذر غفاری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کسی طالب علم پر طالب علمی کی حالت میں موت آجاتی ہے تو وہ اس کے لیے شہادت کی موت ہوتی ہے اور وہ شہید ہوتا ہے۔ [کنزالعمال: ۲۸۶۸۹]

(۱۹) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَالِمٌ يُّنْتَفَعُ بِهٖ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ عَابِدٍ. [کنزالعمال: ۲۸۷۱۹]

ایسا عالم دین جس کے علم سے فائدہ اور نفع اٹھایا جاتا ہے وہ ایک ہزار عابد (عبادت گزار) سے بہتر ہے۔

(۲۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَجَالِسَةُ الْعُلَمَآءِ عِبَادَةٌ. [کنزالعمال: ۲۸۷۵۲]

علمائے دین کی محافل عبادت ہیں۔

(۲۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بہترین عبادت دین کی فہم و فراست اور اس کی سمجھ حاصل کرنا ہے اور سب سے بہترین دین تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنا ہے۔ [کنزالعمال: ۲۸۷۵۹]

(۲۲) تم علمائے دین کی تعظیم کیا کرو کیونکہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں، سو جس شخص نے ان کی عزت و تعظیم کی اس نے بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی عزت و تعظیم کی۔ اسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مرفوع بیان کیا ہے۔ [کنزالعمال: ۲۸۷۶۰]

(۲۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَوَّلُ مَنْ يَّشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْاَنْبِيَآءُ ثُمَّ الْعُلَمَآءُ ثُمَّ الشُّهَدَآءُ. [کنزالعمال: ۲۸۷۶۶]

قیامت کے دن سب سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام شفاعت کریں گے پھر علمائے دین، پھر شہدائے اسلام۔

(۲۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت ترین حسرت و ندامت دو آدمیوں کو ہوگی۔ ایک وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں علم حاصل کرنے کا موقع اور قدرت و طاقت عطا کی لیکن اس نے علم حاصل نہ کیا اور دوسرا وہ آدمی جس نے علم تو حاصل کیا اور دوسرے لوگوں نے اس سے سن کر اس کے علم سے فائدہ اور نفع اٹھایا لیکن وہ خود اس سے محروم رہا۔ [کنزالعمال: ۲۸۶۹۲]

(۲۵) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قِيْلَ: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: مَجَالِسُ الْعِلْمِ. [کنزالعمال: ۲۸۶۹۱]

جب تم جنت کے باغات کے پاس گزرو تو ان میں سے چر لیا کرو۔ عرض کیا گیا کہ جنت کے باغات کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: علم کی محافل۔

(۲۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرتا ہوا کوئی راستہ طے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی طرف جانے والا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ [کنزالعمال: ۲۸۶۹۵]

(۲۷) حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا فَلَهٗ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهٖ لَا يَنْقُصُ مِنْ اَجْرِ الْعَامِلِ. [کنزالعمال: ۲۸۶۹۹]

جس شخص نے کسی کو علم سکھایا تو اسے اس علم پر عمل کرنے والے کی طرح اجر و ثواب ملے گا لیکن عمل کرنے والے کے اجر و ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔

(۲۸) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ. [کنزالعمال: ۲۸۷۵۵]

جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے اور بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے۔

(۲۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک جنتی لوگ جنت میں علمائے دین کے محتاج ہوں گے اور یہ اس لیے کہ جنتی جنت میں ہر جمعۃ المبارک کو اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ تم جو چاہو مجھ سے تمنا کرو تو جنتی حضرات علمائے دین کی طرف متوجہ ہو کر عرض کریں گے کہ ہم کیا تمنا کریں؟ سو علمائے کرام فرمائیں گے کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس طرح اور اس طرح تمنا کرو، پس جنتی جنت میں بھی علمائے کرام کے اسی طرح محتاج ہوں گے جس طرح وہ دنیا میں ان کے محتاج ہوتے تھے۔ [کنزالعمال: ۲۸۷۶۳]

(۳۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بے شک ہر چیز کا ستون ہوتا ہے اور اس دین کا

ستون فقہ ہے اور بے شک ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے بڑھ کر زیادہ سخت اور بھاری ہوتا ہے۔[کنز العمال: ۲۸۷۶۴]

(۳۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بے شک علمائے دین کی مثال آسمان کے ستاروں کی طرح ہے جن سے جنگلوں' صحراؤں اور دریاؤں' سمندروں کے اندھیروں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے' پھر جب ستارے ڈوب جاتے ہیں تو تقریباً رہنمائی پانے والے بھٹک جاتے ہیں۔

[کنز العمال: ۲۸۷۶۵]

(۳۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کیا میں تمہیں سب سے بڑھ کر بہت بڑے سخی کے بارے میں نہ بتاؤں؟ (سنو) اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سخی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر بہت بڑا سخی ہے اور (سنو) میں تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ سخی ہوں اور میرے بعد سب سے زیادہ سخی وہ شخص ہوگا جس نے علم دین حاصل کیا' پھر اسے لوگوں میں پھیلایا اور اس کی نشر و اشاعت کی (تاکہ لوگ فائدہ اٹھائیں)' قیامت کے دن وہ ایک گروہ کی قیادت کرتے ہوئے اٹھے گا اور ایک وہ شخص میرے بعد سب سے زیادہ سخی ہوگا جس نے اپنی جان اللہ تعالیٰ کی راہ پیش کر دی' یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا۔[کنز العمال: ۲۸۷۶۷]

(۳۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(اے لوگو!) کیا میں تمہیں اپنے اور اپنے صحابہ اور اپنے سے پہلے انبیائے کرام کے خلفاء (جانشینوں) کے متعلق نشان دہی اور رہنمائی نہ کردوں؟ (سنو) وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اس کی رضا کے لیے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی تعلیم و تبلیغ کی ذمہ داری اٹھانے والے علمائے دین ہیں۔[کنز العمال: ۲۸۷۶۸]

(۳۴) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے عالم و عارف کی ایک رکعت نماز اللہ تعالیٰ سے جاہل و ناواقف کی ایک ہزار رکعات نماز سے بہتر ہے۔

[کنز العمال: ۲۸۷۸۲]

(۳۵) حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عالم دین کی فضیلت عابد پر ستر درجے زیادہ ہے جن میں سے ہر درجہ کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔[کنز العمال: ۲۸۷۹۲]

(۳۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عالم دین کی فضیلت اپنے غیر پر اس طرح ہوتی ہے جس طرح نبی کی فضیلت اپنی امت پر ہوتی ہے۔[کنز العمال: ۲۸۷۹۴]

(۳۷) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میری امت میں سے جو شخص میری سنت سے متعلق چالیس احادیث مبارکہ حفظ کر لے گا میں اسے قیامت کے دن اپنی شفاعت میں داخل کرلوں گا۔[کنز العمال: ۲۸۸۱۳]

(۳۸) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جس کے پاس موت کا فرشتہ اس حال میں روح قبض کرنے آجائے جبکہ وہ علم دین حاصل کر رہا ہو تو اس طالب علم کے درمیان اور انبیائے کرام کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق رہ جاتا ہے اور وہ نبوت کا درجہ ہے۔[کنز العمال: ۲۸۸۲۵]

(۳۹) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص علم دین کی طلب میں مشغول ہو جاتا ہے تو جنت اس کی طلب میں ہوتی ہے اور جو شخص گناہوں کی طلب میں مشغول ہو جاتا ہے تو دوزخ کی آگ اس کی طلب میں ہوتی ہے۔[کنز العمال: ۲۸۸۳۸]

(۴۰) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمام بندوں کو جمع فرمائے گا' پھر ان میں سے علمائے دین کو الگ کر لے گا اور فرمائے گا: اے جماعت علماء! بے شک میں نے تمہارے دلوں میں اپنا علم اس لیے نہیں رکھا کہ میں تمہیں عذاب دینا چاہتا ہوں (بلکہ تم آزاد ہو اور جنت میں) چلے جاؤ کیونکہ میں نے تمہیں یقیناً بخش دیا ہے۔[کنز العمال: ۲۸۸۹۶]

[ماخوذ بمع انتخاب کنز العمال ج ۱۰ ص ۷۵-۷۵ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان]

۳۲- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ نَّاصِحٍ عَنْ یَّحْیٰی عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ. ابن ماجہ (۲۲٤)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض (یعنی ضروری) ہے۔

دینی مسائل واحکام جاننا عورتوں کے لیے بھی لازم اور واجب ہے

جاننا چاہیے کہ جس طرح طلب علم کی ان مذکورہ بالا دونوں احادیث مبارکہ کی وجہ سے مردوں پر بنیادی دینی مسائل و احکام اور بنیادی حقوق و فرائض کی تعلیم فرض و لازم ہے اسی طرح عورتوں پر بھی یہ تعلیم فرض و لازم ہے۔ خصوصاً خواتین کے مسائل مثلاً حیض و نفاس' غسل و طہارت' حمل' وضع حمل' رضاعت اور عدت وغیرہ کی تعلیم حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ باقی رہا مروجہ مغربی نظام تعلیم تو موجودہ ترقی پذیر دور میں معاشی' اقتصادی' صنعتی اور حربی آلات سازی اور دیگر جدید اور جائز ایجادات کی ترقی میں غیر مسلموں کا نہ صرف مقابلہ کرنے بلکہ ان سے سبقت حاصل کرنے کے لیے ان علوم کی تعلیم صاحب صلاحیت ذہین و عقیل افراد کے لیے بہت ضروری ہو گئی ہے' البتہ عامۃ المسلمین کے لیے ضروری تو نہیں لیکن ممنوع و حرام بھی نہیں بہ شرطیکہ تعلیمی مواد خلاف اسلام نہ ہو اور اگر مغربی علوم میں خلاف اسلام یا جنسی مضامین کی تعلیم دی جائے تو صرف یہی مضامین ممنوع و حرام ہو جائیں گے۔ البتہ مسلمانوں کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ لڑکوں کے لیے تعلیمی درسگاہیں الگ ہوں اور لڑکیوں کے لیے الگ ہوں' نیز طالبات کو صرف خواتین معلمات پڑھائیں اور طلباء کو صرف مرد معلمین پڑھائیں' نیز وردی اسلامی تقاضوں اور شرعی آداب کے مطابق ہو تاکہ بے پردگی' اختلاط و میل جول اور جنسی بے راہ روی کا سد باب ہو سکے۔ تعلیم نسواں اور تعلیم کتابت نسواں دونوں مضامین کے ثبوت پر دلائل کے ساتھ گفتگو کرنے سے موضوع بہت طویل ہو جائے گا۔ فی الحال مرد و زن کی مخلوط تعلیم کی تباہ کاریوں پر قرآن و سنت اور اقوال صحابہ وغیرہ کی روشنی میں مختصر مگر جامع بیان تحریر کیا جاتا ہے تاکہ مسلمان حکمران خدا خوفی کے پیش نظر جلد سے جلد طلباء اور طالبات کے لیے الگ الگ درس گاہیں تعمیر کرائیں اور خود والدین بھی اپنی لڑکیوں کو مخلوط درس گاہوں میں داخل کرانے کی بجائے اپنے گھروں میں پرائیویٹ تعلیم دلائیں۔ خصوصاً دینی تعلیم تمام بچیوں اور بچوں کو دلائیں تاکہ مستقبل میں آنے والی نسل کی تربیت اسلامی خطوط پر ہو سکے اور صالح معاشرہ وجود میں آسکے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید صالح اور نیک معاشرت و ثقافت کے متقاضی ہیں' ہمیں اس لیے اسلام نے زنا کاری اور اس کے اسباب کا سد باب کرنے پر بہت زور دیا ہے' چونکہ زنا کاری کی ابتداء غیر محرم کو بری

نیت کے ساتھ دیکھنے سے ہوتی ہے جس کے سبب جنسی جذبات میں تحریک پیدا ہوتی ہے جو آخرکار زنا کاری پر منتج ہوتی ہے اس لیے اسلام نے فقط بدکاری سے نہیں روکا بلکہ ان تمام وسائل و ذرائع پر پابندی لگا دی ہے جو انسان کو زنا کاری و بدکاری اور دیگر گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں' ان میں سے ایک نظر بد ہے' جس کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔

مخلوط نظام تعلیم کی تباہ کاریاں

(۱) اختلاط و میل جول کی مذمت

موجودہ دور جس کو ترقی کا دور کہا جاتا ہے اس میں لڑکوں اور لڑکیوں کو اکٹھے تعلیم دی جاتی ہے اور آج کے اس دور میں اس کو کوئی معیوب عمل نہیں سمجھا جاتا بلکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ جن سکولوں اور کالجوں میں مخلوط نظام تعلیم ہے وہ ان سکولوں اور کالجوں سے زیادہ کامیاب ہیں جن میں مخلوط نظام تعلیم (یعنی لڑکیوں اور لڑکوں کا اکٹھے تعلیم حاصل کرنے کا نظام) نہیں ہے جبکہ ہمارے پیارے آقا و مولیٰ ﷺ نے غیر محرم مرد اور غیر محرم عورت کو خلوت میں اکٹھے بیٹھنے اور ملنے جلنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے جیسا کہ کنز العمال کی درج ذیل احادیث مبارکہ سے واضح ہو جاتا ہے۔

(۱) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم عورتوں کے ساتھ خلوت نشینی کرنے سے بچو اور اس سے پرہیز کرو کیونکہ مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! جب کوئی مرد کسی غیر محرم عورت سے خلوت و تنہائی میں ملتا ہے تو ان دونوں کے درمیان تیسرا شیطان داخل ہو جاتا ہے (جو انہیں بدکاری پر اکساتا ہے) اور کسی آدمی کا خنزیر سے بغل گیر ہو کر لڑ پڑنا جس کی وجہ سے وہ خاک آلود یا کیچڑ آلود ہو جائے یہ اس کے لیے اس سے بہت بہتر ہے کہ وہ کسی غیر محرم عورت کے کندھے کے ساتھ اپنے کندھے ملا کر چلے یا بیٹھے کیونکہ یہ اس کے لیے حلال و جائز نہیں۔ [کنز العمال: ۱۳۰۳۱]

(۲) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم خلوت میں عورتوں کے پاس مت جایا کرو اگر چہ وہ بہو اور بھاوج ہی کیوں نہ ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! دیور کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: دیور تو موت ہے۔ [کنز العمال: ۱۳۰۳۳]

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم ان عورتوں کے پاس ہرگز نہ جایا کرو جن کے خاوند ان سے دور اور غائب رہتے ہیں کیونکہ شیطان انسان کے خون دوڑنے کی جگہوں میں دوڑتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! اور آپ میں بھی؟ آپ نے فرمایا: مجھ میں بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد فرمائی تو میرا ہمزاد و قرین اسلام قبول کر کے مسلمان ہو چکا ہے۔ [کنز العمال: ۱۳۰۳۴]

(۴) حضرت طاؤس رحمہ اللہ تعالیٰ مرسل حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی عورت کے ساتھ خلوت نشینی کرے جو خود اس کی محرم نہ ہو اور نہ اس کے ساتھ اس کا اپنا محرم ہو۔ [کنز العمال: ۱۳۰۳۷]

(۲) غیر محرم کو دیکھنے کی ممانعت و مذمت

زنا کاری اور بدکاری کا پہلا راستہ نظر بازی ہے کیونکہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب وہ کسی خوف ناک چیز کو دیکھتا ہے تو اس

سے ڈرتا ہے اور اس سے دور بھاگتا ہے اور جب وہ کسی حسین و جمیل اور خوبصورت چیز کو دیکھتا ہے تو اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات ہر جائز اور ناجائز طریقے سے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس لیے اسلام نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے اور ایک دوسرے کو دیکھنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ [النور: ۳۰]
(اے محبوب!) آپ مسلمان مردوں کو حکم فرما دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ [النور: ۳۱]
(اے محبوب!) مسلمان عورتوں کو حکم فرما دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں۔

چونکہ بدکاری و زنا کاری کا سب سے خطرناک راستہ نظر بازی ہے اس لیے سب سے پہلے اسی کو بند کیا جا رہا ہے اور ان ہر دو آیات مبارکہ میں مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کیونکہ جب نگاہ کسی نامحرم کی طرف نہیں اٹھے گی تو دل میں اس کی طرف تحریک و کشش پیدا ہی نہیں ہوگی تو بدکاری کا ارتکاب مفقود ہو جائے گا اور ان آیات مبارکہ میں آنکھوں کو مطلق بند رکھنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اس کی طرف آنکھ بھر کر دیکھنے سے منع کیا گیا ہے جس کی طرف دیکھنا ممنوع اور حرام ہے اور نبی کریم ﷺ نے بھی نامحرم کی طرف دیکھنے سے سختی کے ساتھ منع فرما دیا ہے۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ہر انسان کے لیے زنا سے اس کا حصہ مقرر ہے' سو آنکھوں کا زنا نظر بازی ہے' زبان کا زنا بدکاری کی باتیں کرنا ہے' کانوں کا زنا بدکاری کی باتیں سننا ہے' دونوں ہاتھ زنا کاری کرتے ہیں' سو ان کا زنا نامحرم کو چھونا اور اسے پکڑنا ہے۔ دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں' پس ان کا زنا بدکاری کی طرف چلنا ہے اور منہ بھی زنا کرتا ہے اور اس کا زنا بوس و کنار ہے۔ [کنز العمال: ۱۳۰۴۴]

(۲) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اے علی! (کسی نامحرم کو اچانک) دیکھنے کے بعد دوبارہ نہ دیکھنا کیونکہ پہلی نظر تمہیں معاف ہے اور دوسری مرتبہ دیکھنا معاف نہیں ہے۔ [کنز العمال: ۱۳۰۴۹]

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں واپس جاتی ہے' سو جب تم میں سے کوئی آدمی کسی عورت کو دیکھ لے اور وہ اسے اچھی لگے تو وہ فوراً اپنی گھر والی کے پاس آئے کیونکہ بیوی سے مجامعت اس کے دل کے نفسانی جذبات کو ختم کر دے گی۔ [کنز العمال: ۱۳۰۵۲]

(۴) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب کوئی مسلمان پہلی مرتبہ کسی عورت کو دیکھتا ہے' پھر وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایسی عبادت مہیا کر دیتا ہے جس کے ادا کرتے وقت وہ اپنے دل میں سرور و شادمانی اور لطف و لذت پاتا ہے۔ [کنز العمال: ۱۳۰۵۵]

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک عورت ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے (جس کے ذریعہ وہ مردوں کو شکار کرتا ہے)' سو جب کوئی آدمی کسی حسینہ جمیلہ اور خوبصورت عورت کو دیکھ لے' پھر وہ فوراً اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر اپنی آنکھیں بند کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد اسے ایسی عبادت کی توفیق دے گا جس میں وہ روحانی لطف ولذت پائے گا۔ [کنز العمال: ۱۳۰۶۳]

(۶) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
پہلی نظر غلطی ہے (جو قابل معافی ہے) اور دوسری بار نظر کرنا عمد قصد اور ارادہ ہے (جس پر پکڑ ہو سکتی ہے) اور تیسری مرتبہ نظر کرنا ہلاکت وتباہی ہے اور عورت کے محاسن میں مسلمان کا دیکھنا ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی رحمت ومغفرت کی امید پر نظر بازی کو ترک کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسے ایسی عبادت عطا کرتا ہے جس میں وہ روحانی لطف ولذت پاتا ہے۔ [کنز العمال: ۱۳۰۶۹]

(۷) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جس طرح مردوں کے لیے عورتوں کی طرف دیکھنا مکروہ اور ناجائز ہے اسی طرح عورتوں کے لیے مردوں کی طرف دیکھنا بھی مکروہ وناجائز ہے۔ [کنز العمال: ۱۳۰۶۷]

(۳) پردے کی اہمیت اور بے پردگی کی مذمت

دین اسلام نے اپنے ماننے والوں کو زندگی گزارنے کے جو سنہری اصول اور قواعد وضوابط عطا فرمائے ہیں ان قوانین اور اصولوں پر عمل کیا جائے تو انسان دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہو سکتا ہے لیکن اس کی بجائے دین اسلام کے علاوہ باقی مذاہب نے اپنے ماننے والوں کو جو قواعد وضوابط دیئے ہیں ان میں کافی پیچیدگیاں' پریشانیاں اور نقصانات ہیں جبکہ دین اسلام کے قواعد وضوابط میں پیچیدگیوں کی بجائے آسانیاں' پریشانیوں کی بجائے خوشیاں اور نقصانات کی بجائے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ان احکام میں سے ایک حکم اسلام نے اپنے ماننے والیوں (مؤمنات) کو عطا کیا ہے وہ پردہ کا حکم ہے۔ آج کے اس مادی ترقی یافتہ دور میں عورتوں کے لیے پردہ کو ایک ظلم تصور کیا جاتا ہے لیکن جن لوگوں نے اس پر عمل کیا ان کی عزتیں اور عصمتیں محفوظ رہیں اور جنہوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی ان کی عزتیں اور عصمتیں غیر محفوظ رہیں اور وہ مختلف پریشانیوں میں مبتلا رہے۔ اس لیے اہل ایمان خواتین کو حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ. [النور: ۳۱]

اور وہ اپنی زیب وزینت ظاہر نہ کریں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور وہ اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگار ظاہر نہ کریں۔

اس آیت مبارکہ میں عورتوں کو تین احکام دیئے گئے ہیں:

(۱) عورتیں اپنی زیب وزینت کو ظاہر نہ ہونے دیں سوا اس کے جس کے ظاہر کیے بغیر چارہ نہیں (جیسے دونوں آنکھیں' دونوں ہتھیلیاں' دونوں پاؤں)۔

(۲) اپنے دوپٹوں سے اپنے گریبان اور سینے ڈھانپ لیا کریں۔

(۳) اپنی پوشیدہ زیب وزینت کو ظاہر نہ ہونے دیں (جیسے سینہ' گردن' سر' پنڈلیاں یا بالیاں' چوڑیاں اور پازیب وغیرہ)

یعنی عورت جب اپنے گھر سے نکلے تو ایسا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے کہ جس سے اس کا پورے کا پورا بدن چھپا ہونا چاہیے اور بدن کا

کوئی حصہ ظاہر نہیں ہونا چاہیے خصوصاً عورت کو اپنا سینہ چھپا کر رکھنا چاہیے لیکن آج ہماری بدقسمت عورتیں جب گھر سے باہر نکلتی ہیں تو پردہ کرنا تو دور کی بات ہے اپنے سروں پر دوپٹہ لینا بھی اپنی توہین سمجھتی ہیں جس کی وجہ سے سر ننگا' سینہ ننگا بلکہ آج کل تو ایسا باریک اور تنگ وچست لباس عورتیں استعمال کرتی ہیں جس سے پورا جسم ہی ننگا نظر آتا ہے جبکہ ایسا باریک لباس مسلم خواتین کے لیے جائز نہیں ہے۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس وقت انہوں نے باریک قمیص اور باریک دوپٹہ پہنا ہوا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے اپنا منہ مبارک پھیر لیا اور فرمایا: اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا جائز نہیں اور آپ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ماسوا اس کے اور اس کے۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۷' مطبوعہ اصح المطابع دہلی' کتاب اللباس]

(۲) حضرت علقمہ ابن ابی علقمہ اپنی والدہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں جبکہ ان کے سر پر ایک باریک دوپٹہ تھا تو حضرت عائشہ نے (غضب ناک ہو کر) اس دوپٹہ کو پھاڑ کر (دو رومال بنا دیئے تاکہ اوڑھنے کے قابل نہ رہے' رومال کے کام آئے) اور اپنی طرف سے ایک موٹا دوپٹہ اوڑھا دیا۔
[مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۷' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

اللہ تعالیٰ نے پردہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاO [الاحزاب: ۵۹]

اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں اور اپنی صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیں کہ وہ (جب وہ اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو) اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں' یہ اس لیے کہ انہیں پہچان لیا جائے اور انہیں ستایا نہ جائے' اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہےO

شان نزول

اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے عرب میں ہزاروں قسم کی برائیاں تھیں' ان میں سے ایک برائی یہ بھی تھی کہ عورتیں جب اپنے گھروں سے باہر نکلتیں خصوصاً رات کے وقت آزاد اور لونڈیاں بغیر کسی امتیاز کے ایک عامیانہ لباس میں قضائے حاجت کے لیے باہر میدانوں اور کھجوروں کے جھنڈوں کی طرف تو مدینہ کے یہود و مشرکین کے اوباش نوجوان راستوں پر کھڑے ہو جاتے اور جب وہاں سے عورتیں گزرتیں تو وہ لوگ لونڈیوں کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتے اور بسا اوقات وہ آزاد عورتوں کے ساتھ بھی چھیڑ چھاڑ کر لیتے تھے۔

جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے یہاں مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو مسلم خواتین بھی اپنے ضروری کام اور قضائے حاجت کے لیے اپنے گھروں سے باہر نکلتیں تو اوباش نوجوان یہی غلط حرکتیں کرتے تھے۔ اگر انہیں روکا جاتا تو وہ کہتے: ہم پہچان نہیں سکے ورنہ ہماری کیا مجال کہ ہم ایسا کرتے۔

اسلام جو حیا اور پاکدامنی کا دین ہے اور اپنے ماننے والوں کی عزت وعصمت کی حفاظت کرتا ہے بھلا وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ اس کے ماننے والوں کی عزت وعصمت اور آبرو محفوظ نہ ہو اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا اور اپنے نبی کریم ﷺ سے

مخاطب ہو کر فرمایا: اے نبی! آپ اپنی ازواج مطہرات اور اپنی صاحبزادیوں اور تمام اہل ایمان کی عورتوں سے فرما دیجئے کہ جب وہ باہر نکلیں تو اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ ڈال لیا کریں' اس طرح وہ بہ آسانی پہچان لی جائیں گی' پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا کیونکہ حجاب کے باحیا لباس کی وجہ سے ان کی حشمت وشوکت بڑھ جائے گی اور ان کا رعب و دبدبہ زیادہ ہو جائے گا تو کوئی بدمعاش ان سے کوئی طمع اور لالچ نہیں کر سکے گا۔ [تفسیر روح المعانی ج ۲۲ ص ۸۸' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور]

یہ تو ایک کھلی ہوئی بدیہی بات ہے کہ احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے مسلمان عورتیں جب کسی ضرورت کی بنا پر گھر سے باہر نکلتی تھیں تو چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ ان کا سارا جسم مستور ہوتا تھا خصوصاً سورۂ نور میں احکام ستر نازل ہونے کے بعد تو اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اب سورۃ الاحزاب میں احکام حجاب نازل ہونے کے بعد بھی اگر مسلمان عورتیں اسی طرح کھلے منہ پھرتی رہتیں یا ان کا اسی طرح کھلے منہ پھرنا جائز ہوتا تو احکام حجاب نازل ہونے کا کیا ثمرہ مرتب ہوا اور آیات حجاب کو نازل کرنے سے کیا مقصد حاصل ہوا؟ اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ آیات حجاب میں عورتوں کو اپنے منہ اور ہاتھوں کو چھپانے کا حکم دیا ہے اور حجاب ستر سے زائد چیز ہے' ستر عورت کے جسم کے اس حصہ کو چھپانا ہے جس کو شوہر کے سوا کسی اور شخص کے سامنے ظاہر نہیں کیا جا سکتا اور یہ ہاتھوں اور چہرے کے سوا عورت کا سارا جسم ہے عورت اپنے محارم (باپ' بھائی وغیرہ) کے سامنے صرف چہرہ اور ہاتھ ظاہر کر سکتی ہے اور باقی تمام جسم چھپائے گی اور حجاب کا تقاضا یہ ہے کہ عورت غیر محرم اجنبیوں کے سامنے اپنے تمام جسم کے ساتھ اپنے چہرے اور ہاتھوں کو بھی چھپائے گی چونکہ پہلے مسلمان عورتیں اور ازواج مطہرات اجنبی مردوں کے سامنے چہرے کو نہیں چھپاتی تھیں اسی لیے حضرت عمر مضطرب رہتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے آیات حجاب نازل کیں تو ازواج مطہرات اور عام مسلمان عورتوں نے اجنبی مردوں سے اپنے چہروں کو حجاب میں مستور کر لیا۔ [تفسیر تبیان القرآن ج ۹ ص ۵۵۹' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

۲- بَابُ فَضِيْلَةِ التَّفَقُّهِ فِى الدِّيْنِ

دین میں مہارت کی فضیلت

۳۳- قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وُلِدْتُ سَنَةَ ثَمَانِيْنَ وَحَجَجْتُ مَعَ اَبِىْ سَنَةَ سِتٍّ وَّتِسْعِيْنَ وَاَنَا ابْنُ سِتَّ عَشْرَةَ سَنَةً فَلَمَّا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَرَاَيْتُ حَلْقَةً عَظِيْمَةً فَقُلْتُ لِاَبِىْ حَلْقَةٌ مِّنْ هٰذِهٖ فَقَالَ حَلْقَةُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ الزُّبَيْدِيِّ صَاحِبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَقَدَّمْتُ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَفَقَّهَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ كَفَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مُهِمَّهٗ وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.

امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں سن اسی ہجری (۸۰ھ) میں پیدا ہوا اور میں نے اپنے باپ کے ساتھ سن چھیانوے (۹۶ھ) ہجری میں حج کیا اور اس وقت میں سولہ کی عمر کا تھا' چنانچہ جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا اور میں نے بہت سے لوگوں کو ایک حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ یہ حلقہ کس بزرگ کا ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ حلقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی کا ہے' سو میں آگے بڑھ کر ان کے حلقہ میں شریک ہو گیا اور میں نے اُن سے سنا کہ وہ یہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے' آپ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین میں مکمل سمجھ اور مہارت حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام کاموں میں کفایت فرماتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

حل لغات

''وُلِدْتُ'' یہ صیغہ واحد متکلم فعل ماضی مجہول باب ضَرَبَ یَضْرِبُ ہے' اس کا معنی ہے: پیدا ہونا۔ ''ثَمَانِیْنَ'' کا معنی ہے: اَسّی۔ ''حَجَجْتُ'' صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف باب نَصَرَ یَنْصُرُ ہے' اس کا معنی ہے: قصد وارادہ کرنا لیکن یہاں بیت اللہ شریف کا حج کرنا مراد ہے۔ ''تِسْعِیْنَ'' کا معنی ہے: نوے۔ ''تَفَقَّہَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعل ہے' اس کا معنی ہے: سمجھنا' سیکھنا' حاصل کرنا لیکن یہاں علم دین کا سیکھنا اور اسے سمجھنا' نیز احکام شرعیہ کو ادلہ تفصیلیہ کے ساتھ جاننا مراد ہے۔ ''مُھِمَّہٗ'' کا معنی ہے: اہم کام' دین و دنیا کے مقاصد اور ضروریات۔

اہل علم کے لیے خوشخبری

جیسا کہ ایک اور حدیث مبارکہ میں یوں وارد ہے کہ:

(۱) جو شخص تمام غموں کو صرف ایک غم (یعنی) دین کا غم بنا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت (دونوں جہانوں) میں اس کے تمام غموں میں کفایت فرماتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ [الطلاق:۲]

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر تقویٰ اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کا راستہ بنا دیتا ہے ○ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

(۲) امام دیلمی نے مسند الفردوس میں اور امام بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت (حدیث قدسی) بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں معبود برحق ہوں' سو بے شک میں بندۂ مومن کو ایسی جگہ سے رزق عطا کرتا ہوں جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

(۳) اور اسی طرح حضرت حسن بصری نے حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سب سے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر مشکل میں کفایت فرماتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا کرتا ہے جہاں سے اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی القاری ص ۵۸۵ تا ۵۸۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

امام اعظم کے تابعی ہونے اور صحابہ کرام سے روایت کرنے کا ثبوت

معلوم ہونا چاہیے کہ جمہور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ آدمی محض صحابی کی ملاقات اور اس کی زیارت کرنے سے تابعی ہو جاتا ہے اور صحابی کی صحبت میں کچھ عرصہ رہنا اور اس سے روایت بیان کرنا تابعی ہونے کے لیے شرط نہیں ہے۔ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں تابعی کی تعریف میں یہی بیان فرمایا۔

بعض علمائے دین نے فرمایا کہ تابعی وہ خوش نصیب آدمی ہے جس نے صحابی کی زیارت کی ہو اگرچہ ان کی صحبت میں نہ رہا ہو جیسا کہ صحابی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ صحابی وہ ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہو اگرچہ آپ کی صحبت میں نہ رہا ہو اور امام حاکم کا یہی مؤقف ہے۔ علامہ ابن الصلاح نے کہا کہ یہی قول صحت کے زیادہ قریب ہے۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ یہی قول ظاہر کے زیادہ قریب ہے۔ علامہ عراقی نے کہا کہ محدثین کی اکثریت کا اسی پر عمل ہے' چنانچہ ابن حبان' اعمش اور مسلم نے امام اعظم

ابوحنیفہ کو تابعین کے طبقہ میں ذکر کیا ہے اور امام ابن حبان نے کہا کہ ہم نے امام ابوحنیفہ کو اس طبقہ میں اس لیے شمار کیا ہے کہ آپ نے حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول کی زیارت کی ہے اور حافظ عبدالغنی المقدسی اور یحییٰ بن ابی کثیر نے امام ابوحنیفہ کو اس بنا پر تابعین میں شمار کیا ہے کہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت و ملاقات کی ہے اور موسیٰ بن ابی عائشہ نے بھی امام ابوحنیفہ کو اس بنا پر تابعی شمار کیا ہے کہ آپ نے حضرت عمرو بن حریث صحابی سے ملاقات اور ان کی زیارت کی ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم یہ بات کہنے میں حق بہ جانب ہیں کہ بلاشک وشبہ ہمارے امام اعظم تابعی ہیں اور (درج ذیل) ارشاد باری تعالیٰ کے مصداق میں شامل و داخل ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ. [التوبۃ:۱۰۰]

اور جن لوگوں نے ان (صحابہ کرام) کی خیرو بھلائی کے ساتھ پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس (اللہ تعالیٰ) سے راضی ہو گئے۔

امام علی قاری نے فرمایا کہ امام اعظم کی بعض صحابہ کرام سے ملاقات اور زیارت یقینی طور پر ثابت ہے' البتہ صحابہ کرام سے امام اعظم کا احادیث بیان کرنے میں اختلاف ہے لیکن معتمد و معتبر قول یہی ہے کہ صحابہ کرام سے احادیث مبارکہ بیان کرنا آپ کے لیے ثابت ہے سو اس لیے آپ تابعین اعلام میں سے ہیں جیسا کہ علماء و اعیان نے اس کی تصریح کی ہے۔ [تذکرۃ الراشد ص ۲۷۰] اور علامہ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اس کو ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ امام ابوحنیفہ سن اسی ہجری (۸۰ھ) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو متعدد بار دیکھا ہے کیونکہ آپ کوفہ تشریف لاتے تھے اور ابن سعد نے سیف بن جابر سے اسی کو بیان کیا ہے۔

امام ابومعشر عبدالکریم بن عبدالصمد الطبری الشافعی نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس میں ان روایات کو اسناد کے ساتھ ذکر کیا جن کو امام اعظم نے صحابہ کرام سے بیان فرمایا اور امام جلال الدین سیوطی نے بھی ان روایات کو اپنے رسالہ تبییض الصحیفہ میں ذکر کیا ہے۔

علامہ احمد قسطلانی نے شرح بخاری باب وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب میں فرمایا کہ حضرت حسن بصری' ابن سیرین' امام شعبی' ابن المسیب اور امام ابوحنیفہ تابعین میں سے ہیں۔

امام محدث عبدالقادر بن ابی الوفاء القرشی الحنفی المصری نے فرمایا:

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے امام اعظم ابوحنیفہ نے احادیث کا سماع کیا ہے۔ وہ یہ (درج ذیل) ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن انیس (۲) حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی (۳) حضرت انس بن مالک (۴) حضرت جابر بن عبداللہ (۵) حضرت معقل بن یسار (۶) حضرت واثلہ بن اسقع (۷) اور حضرت عائشہ بنت عجرد۔

[ماخوذ مع الانتخاب از اعلاء السنن ج ۲۰ ص ۹۴۰۷۔ ۹۴۰۴ مطبوعہ دارالفکر' بیروت]

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تبییض الصحیفۃ میں بیان فرمایا کہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے پاس یہ سوال اٹھایا گیا (کہ امام ابوحنیفہ کو تابعین میں شمار کیا جائے یا نہیں) تو انہوں نے جواب دیا کہ امام ابوحنیفہ نے صحابۂ کرام میں سے ایک جماعت کو دیکھا ہے کیونکہ امام صاحب کوفہ میں سن اسی ہجری (۸۰ھ) میں پیدا ہوئے اور اس وقت صحابۂ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ موجود تھے اور سب کا اتفاق ہے کہ وہ اس کے بعد (یعنی امام ابوحنیفہ کی ولادت کے سات سال بعد ۸۷ھ میں) فوت ہوئے اور اس وقت بصرہ میں حضرت انس بن مالک موجود تھے جو ۹۰ھ یا اس کے بعد (۹۳ھ یا ۹۶ھ میں ملاحظہ ہو: تذکرۃ المحدثین ص ۶۹)

وصال فرما گئے۔ علامہ ابن سعد نے معتبر سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس کی زیارت کی ہے اور ان دو مذکورہ بالا صحابہ کے علاوہ بھی ملک میں بہت سے صحابہ کرام بقید حیات موجود تھے جن سے آپ کی ملاقات ہوئی اور بعض علماء نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس میں امام ابوحنیفہ کی صحابۂ کرام سے روایت کردہ احادیث مبارکہ کو جمع کیا' لہٰذا معتمد قول کے مطابق صحابہ سے آپ کی ملاقات ثابت ہے۔ امام ابن سعد نے اس کو کتاب الطبقات میں بیان کیا ہے اور اس اعتبار سے آپ تابعین کے طبقہ میں شامل ہیں اور آپ کے علاوہ آپ کے ہم عصر ائمہ دین میں سے کسی کو تابعی ہونے کی فضیلت حاصل نہیں جیسے شام میں امام اوزاعی' بصرہ میں امام حماد' کوفہ میں امام سفیان ثوری' مدینہ منورہ میں امام مالک' مکہ مکرمہ میں امام مسلم بن خالد زنجی اور مصر میں امام لیث بن سعد۔ [شرح مسند امام اعظم لملاعلی القاری ص ۵۸۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت' اعلاء السنن ج ۲۰ ص ۹۴۰۵۔ ۹۴۰۴ مطبوعہ دارالفکر' بیروت]

علامہ ابن حجر مکی کی شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ صحابۂ کرام سے ملاقات کی ہے' ان میں سے چند یہ ہیں: حضرت انس بن مالک' حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ' حضرت سہل بن سعید اور حضرت ابوالطفیل اور انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ امام کردری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محدثین کی ایک جماعت نے امام اعظم کی صحابۂ کرام سے ملاقات کا انکار کیا ہے اور امام صاحب کے شاگردوں اور ساتھیوں نے اس بات کو صحیح اور حسن سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے اور امام صاحب کے شاگرد اور ساتھی منکرین سے زیادہ بہتر اپنے امام کے حالات کو جانتے ہیں جبکہ ثبوت روایت نفی سے بہتر ہے اور امام صاحب کے شاگردوں نے آپ کی صحابۂ کرام سے روایت کردہ احادیث کو جمع کیا ہے جن کی تعداد پچاس ہے اور کسی شاعر نے آپ کی شان میں یہ شعر لکھا ہے۔

كَفَى النُّعْمَانَ فَخْرًا مَا رَوَاهُ مِنَ الْاَخْبَارِ مِنْ غُرَرِ الصَّحَابَةِ

''حضرت نعمان کے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ نے بزرگ صحابہ کرام سے احادیث مبارکہ بیان فرمائیں''۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی القاری ص ۵۸۲۔ ۵۸۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ' بیروت]

علامہ محمد علاؤ الدین الحصکفی نے الدرالمختار میں لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے سات صحابہ کرام سے حدیث مبارکہ کا سماع کیا ہے جیسا کہ منیۃ المفتی کے اواخر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور آپ نے تقریباً بیس صحابہ کرام کا زمانہ مبارک پایا ہے جیسا کہ کتاب الضیاء کے اوائل میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے اور علامہ شمس الدین محمد ابوالنصر بن عرب شاہ انصاری حنفی نے اپنی کتاب ''جواہر العقائد و درر القلائد'' میں آٹھ صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے جن سے امام اعظم ابوحنیفہ نے احادیث مبارکہ روایت کی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین' چنانچہ امام ابوحنیفہ نے (۱) حضرت انس بن مالک انصاری (۲) حضرت جابر بن عبداللہ (۳) حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ (۴) حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ (۵) حضرت عبداللہ بن انیس الفتی (۶) حضرت واثلہ بن اسقع (۷) حضرت عبداللہ بن الحارث بن الجزء الزبیدی (۸) حضرت عائشہ بنت عجرد سے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے الدرالمختار کی شرح ردالمحتار المعروف فتاویٰ شامی میں مزید (درج ذیل) صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے جن سے امام صاحب نے احادیث مبارکہ کی روایت بیان کی ہے:

(۹) حضرت سہل بن سعد ان کی وفات سن (۸۸ھ) اٹھاسی ہجری میں یا اس کے بعد ہوئی (۱۰) حضرت سائب بن یزید بن سعید' ان کی وفات سن ۹۱ یا ۹۲ یا ۹۴ ہجری میں ہوئی (۱۱) حضرت عبداللہ بن بسر' ان کی وفات سن ۹۶ ہجری میں ہوئی (۱۲) حضرت محمود بن الربیع اور ان کی وفات سن ۹۹ ہجری میں ہوئی۔

[ماخوذ از ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۱ ص ۴۵۔ ۴۴ مطبوعہ احیاء التراث العربی' بیروت' لبنان)

۳۴- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ اِسْمٰعِیْلَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ ھَانِیٍٔ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَائِشَۃُ لِیَکُنْ شِعَارُکِ الْعِلْمَ وَالْقُرْاٰنَ.

مسند الحارثی (۷۵۱)

حضرت ام ہانی ء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے عائشہ! تم علم (حدیث) اور قرآن مجید کو اپنا شعار (یعنی اپنے لیے علامت و پہچان) بنالو۔

حل لغات

''قَالَتْ'' صیغہ واحد مونث غائب' قال صیغہ واحد مذکر غائب دونوں فعل ماضی معروف باب نَصَرَ یَنْصُرُ ہے' ان کا معنی ہے: بات کرنا' کہنا' فرمانا۔ ''لِیَکُنْ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل امر معروف غائب باب نَصَرَ یَنْصُرُ ہے' اس کا معنی ہے: ہونا' ہوجانا' واقع ہونا' ثابت ہونا' پایا جانا۔ ''شِعَارٌ'' کا معنی ہے: علامت' خاص نشانی' فوج میں پہچان کے لیے بولا جانے والا خاص لفظ۔

قرآن اور حدیث کے علم کی فضیلت

ملاعلی قاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ میں العلم سے حدیث کا علم مراد ہے کیونکہ ﷺ ہی سے قرآن مجید کی تعلیمات کی توضیح وتشریح معلوم ہوتی ہے۔ نیز علم حدیث قرآن کریم اور دیگر تمام اسلامی احکام و مسائل پر مشتمل ہے اور سب کے لیے عام ہے۔[شرح مسند امام اعظم لملاعلی القاری ص ۴۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث مبارکہ میں مختصر مگر جامع الفاظ میں قرآن واحادیث کی اہمیت وفضیلت اور ان کی تعلیمات کی ضرورت وعظمت کو اجاگر فرمایا ہے اس لیے کہ یہ دونوں شریعت اسلامی کی بنیاد واساس ہیں اور ان کی بنیادی تعلیم ہر مسلمان کے لیے بہ قدر ضرورت واجب ولازم ہے کیونکہ عبادات ہوں یا عقائد ونظریات ہوں یا معاملات واخلاقیات ہوں زندگی کے تمام شعبوں میں ان کی تعلیم ضروری ہے' نیز ان کی تعلیمات سب عبادات سے مقدم واہم اور سب سے افضل وبہتر ہے کیونکہ ان سب کی صحت کا مدار قرآن وسنت کی تعلیمات پر ہے' چنانچہ علامہ علاؤ الدین المتقی کنز العمال نے اس موضوع پر کنز العمال میں بہت سی احادیث بیان فرمائی ہیں' ان میں سے کچھ احادیث مبارکہ ہم نے کتاب العلم کی پہلی حدیث کی تشریح میں ''علم دین اور علمائے دین کی فضیلت'' کے تحت بیان کردی ہیں' یہاں صرف دو احادیث مبارکہ کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے

(۱) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ اَفْضَلُ مِنَ الصَّلٰوۃِ وَالصِّیَامِ وَالْحَجِّ وَالْجِہَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی.

(دین کا) علم حاصل کرنا نماز' روزے' حج اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے افضل وبہتر ہے۔

[کنز العمال: ۲۸۶۵۱]

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ سَاعَۃً خَیْرٌ مِّنْ قِیَامِ لَیْلَۃٍ وَ طَلَبُ الْعِلْمِ یَوْمًا خَیْرٌ مِّنْ صِیَامِ ثَلَاثَۃِ اَشْہُرٍ.

ایک گھنٹہ علم دین حاصل کرنا رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور ایک دن علم دین حاصل کرنا تین ماہ کے روزوں سے بہتر ہے۔

[کنز العمال: ۲۸۶۵۲] [کنز العمال ج ۱۰ ص ۷۵' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان]

اسی اہمیت وعظمت کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے اپنی محبوبہ زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حکم فرمایا کہ تم قرآن و حدیث کی تعلیم کو اپنا شعار اور اپنی پہچان بنالو اور تم آئندہ زندگی کے شب و روز قرآن وسنت کی تعلیم کو عام کرنے اور ان کی

نشر واشاعت میں بسر کردو' اس طرح تمہاری زندگی کا مشن صرف قرآن وسنت کی تعلیم عام کرنا ہونا چاہیے۔

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

علم کی خدمت یہ بھی ہے کہ اس کو دوسروں تک پہنچایا جائے اور اس سے تزکیۂ نفس اور اصلاح امت کا کام لیا جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' نبی کریم ﷺ کے بعد تمام اسلامی ممالک میں علم کی اشاعت اور اسلام کی دعوت کے لیے پھیل گئے۔ مکہ معظمہ' طائف' بحرین' یمن' دمشق' مصر' کوفہ اور بصرہ وغیرہ بڑے بڑے مرکزی شہروں میں ان مقدس معلمین کی ایک ایک مختصر جماعت قیام پذیر تھی۔ خلافت اور حکومت کا سیاسی مرکز ۲۷ (ستائیس) برس کے بعد مدینہ منورہ سے کوفہ اور پھر دمشق کو منتقل ہو گیا۔ تاہم مدینہ منورہ کی روحانی عظمت اور علمی مرکزیت ان انقلابات سے بھی نہ مٹ سکی۔ مدینہ پاک میں اس وقت حضرت ابن عمر' حضرت ابو ہریرہ' حضرت ابن عباس اور حضرت زید بن ثابت وغیرہ کی مستقل درسگاہیں تھیں لیکن درسگاہ اعظم مسجد نبوی کا وہ گوشہ تھا جو حجرۂ نبوی کے قریب اور زوجہ رسول کے مسکن کے پاس تھا۔ عورتیں' لڑکے اور جن مردوں کا حضرت عائشہ سے پردہ نہ تھا وہ حجرہ کے اندر آ کر مجلس میں بیٹھتے تھے اور دوسرے لوگ حجرہ کے سامنے مسجد نبوی میں بیٹھتے' دروازہ پر پردہ پڑا رہتا۔ پردہ کی اوٹ میں وہ خود بیٹھ جاتیں' لوگ سوالات کرتے' یہ جوابات دیتیں۔

ان عارضی طالب علموں کے علاوہ جو کبھی کبھی حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے آپ اپنے خاندان کے لڑکوں اور لڑکیوں کو اور شہر کے یتیم بچوں کو اپنی آغوش تربیت میں لیتی تھیں اور ان کی تعلیم وتربیت کرتی تھیں' جن کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی یعنی محرم نہ تھے وہ افسوس کرتے تھے کہ ہم کو حصول علم کا اچھی طرح موقع نہیں ملتا۔ جناب قبیصہ کہتے تھے کہ حضرت عروہ مجھ سے علم میں اس لیے آگے بڑھ گئے کہ وہ اندر جاتے تھے۔

امام ابراہیم نخعی جو عراق کے متفق علیہ امام تھے وہ لڑکپن میں حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے' ان کے دوسرے معاصرین کو اس پر رشک تھا۔[ماخوذ وانتخاب از سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ص ۲۶۰-۲۵۸' مطبوعہ شوکت بک ڈپو' گجرات]

رحلت نبی کریم ﷺ کے وقت حضرت عائشہ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ ۴۸ برس انہوں نے عالم بیوگی میں بسر کیے۔ اس تمام عرصہ میں وہ تمام عالم اسلام کے لیے رشد وہدایت' علم وفضل اور خیر وبرکت کا ایک عظیم مرکز بنی رہیں' ان سے ۲۲۱۰ (دو ہزار دو سو دس) حدیثیں مروی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ احکام شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔

بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ہر قسم کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو کوئی ایسی مشکل پیش نہ آئی جس کا علم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہ ہو یعنی ہر مسئلہ کے متعلق انہیں نبی کریم ﷺ کا اسوہ معلوم تھا۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں نے قرآن' حدیث' فقہ' تاریخ اور علم الانساب میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ احنف بن قیس اور موسیٰ بن طلحہ کا قول ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر میں نے کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ بلیغ' زیادہ فصیح اور زیادہ تیز فہم کوئی خطیب نہیں دیکھا۔

کتب سیر میں متعدد روایتیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دینی علوم کے علاوہ طب' تاریخ اور شعر وادب میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی۔

فی الحقیقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا پایۂ علم وفضل اتنا بلند تھا کہ اس کو بیان کرنے کے لیے سینکڑوں صفحات درکار ہیں۔ یہاں ہم اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ بہت سے اہل سیر کے نزدیک علمی کمالات' دینی خدمات اور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات و ارشادات کے نشرواشاعت کے اعتبار سے حضرت صدیقہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کا کوئی حریف نہیں ہوسکتا۔ اگر انہیں ''محسنہ امت'' کہا جائے تو اس میں مطلق کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔[تذکرہ صحابیات رضی اللہ عنہن ص ۵۵-۴۶' مطبوعہ البدر پبلی کیشنز' اردو بازار' لاہور]

۳- بَابٌ فِیْ فَضْلِ اَهْلِ الذِّكْرِ

یہ باب اہل ذکر کی فضیلت میں ہے

۳۵- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ مَرَّ بِقَوْمٍ يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى فَقَالَ اَنْتُمْ مِّنَ الَّذِيْنَ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِيْ مَعَهُمْ وَمَا جَلَسَ عِدْلُكُمْ مِنَ النَّاسِ فَيَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ بِاَجْنِحَتِهَا وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ.

حضرت علی بن اقمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ایک ایسی جماعت پر گزر ہوا جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کررہی تھی۔ آپ نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے ہو جن کے ساتھ رہنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور تم جیسے لوگ جب بھی کہیں مجلس قائم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت چھا جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے۔

بخاری (٦٤٠٨) ترمذی (۳۳۷۸) ابن ماجہ (۳۷۹۱)

حل لغات

''مَرَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ ہے' اس کا معنی ہے: گزرنا۔ ''اَصْبِر'' صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: صبر کرنا' برداشت کرنا۔ ''عِدْلٌ'' عین مکسور کے ساتھ ہے' اس کا معنی ہے: مساوی' برابر۔ ''حَفَّتْ'' صیغہ واحد مونث غائب فعل ماضی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ ہے' اس کا معنی ہے: احاطہ کرنا' گھیرنا۔ ''اَجْنِحَةٍ'' جناح کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: بازو' پرندہ کا بازو۔ ''غَشِيَتْ'' صیغہ واحد مونث غائب فعل ماضی معروف باب سَمِعَ يَسْمَعُ ہے' اس کا معنی ہے: ڈھانپ لینا' چھپالینا' پردہ میں لینا۔

حدیث مرسل کے حجت ہونے کا ذکر

حضرت علی بن اقمر رحمہ اللہ تعالیٰ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں اس لیے یہ حدیث مرسل ہے کہ اس میں صحابی کا نام ترک کردیا گیا ہے لیکن یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حجت ہے کیونکہ حضرت علی بن اقمر ثقہ راوی ہیں اور جمہور اس پر متفق ہیں کہ جب راوی ثقہ ہو تو اس کی روایت حجت ہوتی ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے مرسل حدیث کے حجت ہونے کا انکار کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ انکار ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے لیے مضر نہیں ہے کیونکہ امام شافعی کا انکار ان کے اپنے معاصرین اور بعد والوں کے لیے مضر ہوسکتا ہے جبکہ امام اعظم امام شافعی سے بہت پہلے ہوئے ہیں' نیز جمہور نے راوی کے ثقہ ہونے کی صورت میں مرسل حدیث کو حجت قرار دیا ہے بلکہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی نے مشکوٰۃ المصابیح کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک اگر حدیث مرسل کا راوی ثقہ ہو اور اسے دوسرے طریقہ سے تقویت حاصل ہو جائے تو اگرچہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو اسے قبول کیا جائے گا۔[مقدمہ مشکوٰۃ شریف ص ۴' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

اور حضرت علی بن الاقمر کی یہ روایت دوسرے طرق سے مؤید ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ اس حدیث مبارکہ کو امام

ترمذی نے جامع ترمذی میں اور امام ابن ماجہ نے سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔

اہل ذکر کی عظمت وفضیلت کا ثبوت

مَامِنْ قَوْمٍ يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى اِلَّا حَفَّتْ بِهِمُ الْمَلَآئِكَةُ وَغَشِيَهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ.

جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں' انہیں فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان پر رحمت خداوندی برستی ہے اور ان پر امن وسکون نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود فرشتوں میں ان کا ذکر خیر کرتا ہے۔

نیز ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر عام ہے۔ تلاوت قرآن مجید ہو خواہ تسبیح وتہلیل ہو یا حمد وثناء ہو اور یا اس قسم کے دیگر اوراد ہوں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد کہ مجھے تم جیسے لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا ہے یہ دراصل (درج ذیل) آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ. [الکہف:۲۸]

(اے محبوب!) آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مانوس رکھیں جو صبح وشام اپنے رب تعالیٰ کو پکارتے ہیں' وہ محض اس کی رضا چاہتے ہیں۔

یعنی یہ لوگ اخلاص کے ساتھ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت میں مشغول رہتے ہیں اور وہ اسی کو پکارتے رہتے ہیں اور وہ جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو رحمت کے فرشتے انہیں اپنے پروں کے ساتھ ڈھانپ لیتے ہیں۔ اس میں ذاکرین کے ساتھ فرشتوں کے کمال قرب اور ان کے ساتھ فرشتوں کی تواضع کی طرف اشارہ ہے اور رحمت سے اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت مراد ہے جو صرف ذکر الٰہی کرنے والوں کے لیے مخصوص ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے پاس موجود مقرب فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر خیر محض ان پر فخر کا اظہار کرنے اور ان فرشتوں کی سرزنش کرنے کے لیے کرنا ہے جنہوں نے بنو آدم پر فتنہ وفساد پھیلانے اور خون ریزی کرنے کا طعنہ دیا تھا۔[شرح مسند امام اعظم ص ۲۸۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

(۱) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِيْ لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ. [متفق علیہ]

اس شخص کی مثال جو اپنے رب تعالیٰ کا ذکر کرے اور جو ذکر نہ کرے زندہ اور مردہ کی طرح ہے (کہ ذکر الٰہی کرنے والا زندہ کی طرح ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ کی طرح ہے)۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بندے کے گمان کے نزدیک ہوتا ہوں جو وہ مجھ سے رکھتا ہے' جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں' سو جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اکیلے ہی یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اسے ان سے بہتر (فرشتوں کے) مجمع میں یاد کرتا ہوں۔[متفق علیہ]

(۳) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کیا میں تمہیں تمہارے اعمال میں سے بہترین عمل نہ بتادوں جو تمہارے رب تعالیٰ کے نزدیک بہت پاکیزہ اور تمہارے درجوں کو بہت بلند کرنے والا اور وہ تمہارے لیے سونا چاندی خیرات کرنے سے بھی بہت بہتر ہے اور وہ تمہارے لیے اس سے بھی زیادہ بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے جہاد کرو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہیں شہید کریں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: کیوں نہیں

(ضرور بتائیں) آپ نے فرمایا: وہ عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

(۴) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم جنت کی کیاریوں کے پاس سے گزرو تو کچھ چر لیا کرو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ذکر کے حلقے۔ (ترمذی)

(۵) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ (درج ذیل) آیت مبارکہ نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۝ [التوبۃ: ۳۴]

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۝

تو ہم اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ بعض صحابہ نے کہا کہ یہ آیت تو سونے چاندی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کون سا مال سب سے بہتر ہے تو ہم صرف اسی کو (اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کے لئے) جمع کرتے۔ آپ نے فرمایا:

اَفْضَلُهُ لِسَانٌ ذَاكِرٌ وَّقَلْبٌ شَاكِرٌ وَّزَوْجَةٌ مُّؤْمِنَةٌ تُعِيْنُهُ عَلٰى اِيْمَانِهٖ. [رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ]

مال سے بہترین ذکر الٰہی کرنے والی زبان اور شکر ادا کرنے والا دل اور مسلمان بیوی ہے جو ایمان میں اس کی مدد کرے۔

[ماخوذ مع الانتخاب از مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۶۔ ۱۹۸ 'مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

٤- بَابُ مَغْفِرَةِ الْعُلَمَاءِ وَدُخُوْلِهِمْ فِي الْجَنَّةِ

علماء کی مغفرت اور جنت میں جانے کا بیان

۳۶- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الْعُلَمَآءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَمْ اَجْعَلْ حِكْمَتِيْ فِيْ قُلُوْبِكُمْ اِلَّا وَاَنَا اُرِيْدُ بِكُمُ الْخَيْرَ اِذْهَبُوْا اِلَى الْجَنَّةِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ عَلٰى مَاكَانَ مِنْكُمْ. مسند الحارثی (۳۷۵)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علمائے دین کو جمع کرے گا اور ارشاد فرمائے گا: بے شک میں نے اپنی حکمت و دانائی تمہارے دلوں میں صرف اس لیے رکھی کہ میں تمہارے ساتھ خیر و بھلائی کرنا چاہتا ہوں تم جنت میں چلے جاؤ' سو میں نے تمہارے وہ تمام گناہ بخش دیئے ہیں جو تم سے کسی بھی حالت میں سرزد ہوئے تھے۔

حل لغات

''يَجْمَعُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ ہے' اس کا معنی ہے: جمع کرنا' اکٹھا کرنا' ملانا۔ ''اَلْعُلَمَآءُ'' عالم کی جمع تکسیر ہے' اس سے علوم اسلامی (قرآن واحادیث اور اس سے متعلقہ علوم فقہ وغیرہ) کا علم رکھنے والے مراد ہیں۔ ''لم اجعل'' صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف نفی جحد بلم باب فَتَحَ يَفْتَحُ ہے' اس کا معنی ہے: بنانا۔ ''حِكْمَتِيْ'' سے کتاب وسنت کی معرفت مراد ہے۔ ''اُرِيْدُ'' صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف باب افعال ہے' اس کا معنی ہے: ارادہ کرنا' چاہنا۔

علماء دین کی فضیلت

علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عزت و کرامت کی منزل میں علمائے دین کو جمع فرمائے گا اور ان سے فرمائے گا کہ بے شک میں نے اپنی حکمت تمہارے دلوں میں محض اس لیے رکھی کہ میں دنیا میں بھی تمہارے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا تھا اور اب آخرت میں بھی میں تمہارے ساتھ خیر و بھلائی کرنا چاہتا ہوں۔ اب تم جنت میں اس کے بلند و بالا اور اعلیٰ درجات میں داخل ہو جاؤ' سو میں نے تمہارے تمام گناہوں کو بخش دیا ہے خواہ وہ تم سے کسی حالت میں صادر ہوئے تھے عمل میں کوتاہی کی وجہ سے یا بڑی بڑی طویل آرزوؤں کے سبب سرزد ہوئے تھے۔ اس حدیث مبارکہ میں حکمت سے قرآن وسنت کی معرفت و علم مراد ہے اور ''فی قلوبکم'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم وہی معتبر ہے جو انسان کے دل میں اتر جائے اور اس کی تاثیر سے دل متاثر ہو جائے' یہی علم عالم دین کے لیے خوف خدا اور تقویٰ و پرہیزگاری کا موجب بنتا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں: ایک علم لسانی (زبانی علم جو صرف زبان پر جاری رہے دل میں نہ اترے) سو یہ علم اللہ تعالیٰ کے لیے انسان کے خلاف حجت ہوگا اور دوسرا علم قلبی (جو دل میں اتر جائے اور اس میں رچ بس جائے)' سو یہ علم انسان کے لیے مفید اور نفع بخش ہوتا ہے۔ اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ اور امام حاکم نے حضرت حسن بصری سے مرسل روایت کیا ہے اور علامہ خطیب بغدادی نے انہیں سے' نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع بیان کیا ہے اور علامہ دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جو شخص علم میں تو بہت بڑھا لیکن اس نے دنیا میں رہ کر زہد و تقویٰ میں ترقی حاصل نہ کی تو وہ شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہی ہوتا جائے گا۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۳۹ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

(۱) امام ابوبکر بن عاصم اور امام ابونعیم اصبہانی نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو اٹھائے گا' پھر ان میں سے علماء کو الگ کر لے گا اور ان سے فرمائے گا: اے علماء کی جماعت! بے شک میں نے کچھ جان کر تمہیں علم عطا کیا تھا اور میں نے تمہیں اس لیے علم نہیں دیا تھا کہ میں تمہیں عذاب میں مبتلا کروں گا' سو تم (جنت میں) چلے جاؤ کیونکہ میں نے تم سب کو بخش دیا ہے۔

(۲) امام ابن عدی اپنی کامل میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء کو اٹھائے گا' پھر ان سے فرمائے گا: اے علماء کی جماعت! میں نے تمہیں کچھ جان کر علم عطا کیا تھا اور میں نے تمہیں اس لیے علم عطا نہیں کیا تھا کہ میں تمہیں عذاب میں مبتلا کروں۔ جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم اس بندے کو حقیر نہ سمجھو جسے میں نے علم دین عطا کیا ہے کیونکہ جب میں کسی بندے کو علم عطا کرتا ہوں تو پھر میں اسے حقیر نہیں سمجھتا۔

(۳) امام ابن عدی حضرت واثلہ اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ علماء کو جمع فرمائے گا اور ان سے فرمائے گا: بے شک میں نے تمہارے دلوں میں حکمت و علم اس لیے ودیعت نہیں رکھا تھا کہ میں تمہیں عذاب دینا چاہتا ہوں بلکہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(۴) امام طبرانی نے معتبر سند کے ساتھ حضرت ثعلبہ بن الحکم سے بیان کیا ہے جس کے تمام رجال (راوی) ثقہ اور مستند ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب اپنے بندوں کے فیصلہ کے لیے کرسی عدالت پر جلوہ افروز ہوگا تو علماء سے فرمائے گا: بے شک میں نے تمہارے دلوں میں اپنی حکمت اور اپنا علم اس لیے رکھا کہ میں چاہتا ہوں تمہیں بخش دوں خواہ تمہارے گناہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ [ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام حاشیہ ۳۔ ۲' ص ۲۱' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

واضح ہو کہ ان روایات کی تائید قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے بھی ہوتی ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ

پھر ہم نے (اپنی) اس کتاب کا ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم

عِبَادِنَاۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُO جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًاۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌO [فاطر:۳۳]

نے اپنے بندوں میں سے چن لیا' سو ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں سے میانہ چال چلنے والے ہیں اور ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں' یہی بہت بڑا فضل ہےO وہ ہمیشہ رہنے والے باغوں میں داخل ہوں گے' ان میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کی پوشاک ریشمی ہوگیO

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کے متعلق یہ قول نقل کیا ہے:

هُمْ اُمَّةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ.

یعنی جن لوگوں کو کتاب کا وارث کیا گیا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔

اس امت میں ایک گروہ (ظالم لنفسہ) وہ ہے جس سے غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اور فرائض کی ادائیگی میں بھی سستی ہو جاتی ہے اور بعض (مقتصد) وہ ہیں جو درمیانہ رو ہیں جو فرائض کو ادا کرتے ہیں' محرمات کے نزدیک نہیں' بھٹکتے لیکن مستحبات میں سستی کرتے ہیں اور بعض مکروہ چیزیں ان سے سرزد ہوتی ہیں اور تیسرا گروہ (سابق بالخیرات) ان پاک بازوں اور وفا شعاروں کا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دی ہے۔ دنیا کی لذتوں سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ دنیا کے مشاغل یادِ حق سے انہیں غافل نہیں کر سکتے۔ ہر نیک کام میں سب سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا سارا وقت' ان کا سارا مال بلکہ ان کا دل و جان بھی رضائے جاناں پر قربان ہے۔ [تفسیر ضیاء القرآن ج ۴ ص ۱۵۶]

۵- بَابٌ فِيْ تَغْلِيْظِ الْكِذْبِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَعَمِّدًا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمداً جھوٹ بولنے پر سخت وعید

۳۷- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا اَوْ قَالَ مَالَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ.

حضرت قاسم بن محمد اپنے والد (حضرت محمد بن ابی بکر) سے وہ اپنے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے' انہوں نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے یا وہ مجھ سے ایسی بات بیان کرتا ہے جو میں نے نہیں کہی تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔

حل لغات

''كَذَبَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ ہے' اس کا معنی ہے: جھوٹ بولنا' جان بوجھ کر غلط خبر دینا۔ ''مُتَعَمِّدًا'' یہ صیغہ واحد مذکر اسم فاعل ہے' باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے: کوئی کام جان بوجھ کر کرنا' قصد و ارادہ سے کوئی کام کرنا۔ ''فَلْيَتَبَوَّاْ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل امر معروف باب تفعل ہے' اس کا معنی ہے: تیار کرنا' بنا لینا۔ ''مَقْعَدٌ'' یہ اسم ظرف مکان ہے' اس کا معنی ہے: بیٹھنے کی جگہ' بنچ' سیٹ' ٹھکانہ اس کی جمع مقاعد آتی ہے۔

''من كذب علي متعمدًا'' کے متواتر ہونے کا ثبوت

یہ بہت مشہور حدیث ہے بلکہ تقریباً متواتر ہے۔ اس حدیث مبارکہ کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں' شیخین' ائمہ اربعہ' امام

ترمذی' نسائی' ابن ماجہ اور ابوداؤد' امام حاکم' امام طبرانی' امام دارقطنی اور خطیب بغدادی وغیرہم نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ ان صحابہ کرام میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں' اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ.

جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں بنا لے۔

اور بعض روایات میں یہ الفاظ مروی ہیں:

مَنْ قَالَ مَالَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ. [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۱۴۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

جو شخص مجھ سے ایسی بات بیان کرے جو میں نے نہیں کہی تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں بنا لے۔

علامہ ابن الصلاح نے کہا کہ یہ حدیث متواتر ہے اور احادیث متواترہ میں سے کوئی متواتر حدیث اس حدیث کے ہم مرتبہ نہیں کیونکہ اس کے بیان کرنے والے صحابہ کرام سب سے زیادہ اور بہت بڑی جماعت ہیں یہاں تک کہ بعض علمائے دین نے کہا باسٹھ صحابہ کرام اس کے راوی ہیں' ان میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ اس حدیث مبارکہ کے علاوہ کوئی ایسی حدیث ہمیں معلوم نہیں جس کے راویوں میں عشرہ مبشرہ شامل ہوں' پھر اس حدیث کے رایوں کی تعداد ہر زمانہ میں بڑھتی رہی۔

[مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۶۶' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:

یہ حدیث متواتر ہے' ۶۲ صحابہ سے منقول ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ اس حدیث کے سوا کسی اور حدیث میں عشرہ مبشرہ جمع نہیں ہوئے۔ [مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۸۶' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

یہ حدیث اس سلسلۂ اسناد سے منقطع ہے کیونکہ حضرت محمد بن ابی بکر نے اپنے والد سے یہ حدیث نہیں سنی اس لیے کہ جس وقت حضرت ابوبکر فوت ہوئے تھے اس وقت یہ کم سن بچے تھے۔ حضرت ابوبکر کے انتقال کے بعد ان کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس سے حضرت علی نے نکاح کیا تھا اور ان کی پرورش حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ بہرحال جب حدیث منقطع کے راوی ثقہ اور مستند ہوں تو اس صورت میں یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے نزدیک معتبر و مقبول اور حجت ہوتی ہے اور یہ انقطاع بھی اسمائے اسناد کے ظاہر کے اعتبار سے ہے ورنہ درست بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے اور حضرت عبدالرحمٰن نے اپنے والد حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جیسا کہ دیگر مسانید کے نسخوں میں ہے اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اس حدیث کو اسی سلسلۂ سند سے بیان کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو سماک عن عبدالرحمٰن عن عبداللہ بن مسعود بیان کیا ہے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام حاشیہ ۴ ص ۲۱' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۳۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ وَرَوَاهُ اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ رُوْبَةَ شَدَّادِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ.

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں بنا لے۔ نیز امام ابوحنیفہ نے اس حدیث کو حضرت ابورو بہ شداد بن عبدالرحمٰن سے بہ واسطہ حضرت ابوسعید روایت کیا ہے۔

نوٹ: چونکہ یہ حدیث پانچ مختلف سلسلہ روایات کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور پہلی روایت کے تحت حل لغات کو بیان کر دیا گیا

ہے اس لیے اس کو دوبارہ نہیں دہرایا گیا۔

اس حدیث میں ایک اعتراض کا جواب

یہ حدیث مبارکہ امام ابوحنیفہ نے دو سندوں سے روایت کی۔ ایک سند حضرت عطیہ کی وساطت سے' دوسری سند حضرت ابوروبہ شداد بن عبدالرحمٰن کی وساطت سے اور اس حدیث سے پہلے گزر چکا ہے کہ یہ حدیث مبارکہ تقریباً متواتر ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۹۴' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

سوال: اس حدیث مبارکہ میں ''فــلیتبــوا'' فعل امر کا صیغہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ اپنی ذات اقدس پر جھوٹ باندھنے والوں کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنانے کا حکم دے رہے ہیں حالانکہ آپ تو سراپا رحمت عالمین ہیں' آپ سے یہ ناممکن ہے' نیز آپ کا منصب تو یہ ہے کہ آپ نیک مسلمانوں کو جنت کی خوشخبری سنانے والے ہیں اور گنہگار مسلمانوں کو دوزخ سے بچانے والے اور کافروں کو دوزخ سے ڈرانے والے ہیں۔

جواب: محدثین کرام نے اس سوال کے دو جواب دیئے ہیں' چنانچہ علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی نے اس ارشاد نبوی ''فلیتبوا'' کے دو معنی بیان کیے ہیں' ایک یہ کہ یہ فعل امر دعائے ضرر کے معنی میں ہے گویا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص مجھ پر جھوٹ بولے تو اللہ تعالیٰ اس کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں بنائے (یہ جواب بر بنائے عدل درست ہے)۔

اور دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ فعل امر خبر دینے کے معنی میں ہے یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ بولے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں بنا دے گا۔ [اکمال للنواوی شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی]

لیکن اگر اس فعل امر کو اپنے حقیقی معنی انشاء میں لیا جائے تو کوئی خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ یہ فعل امر طلب فعل کے معنی میں نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد کی طرح وعید و تہدید (یعنی ڈرانے دھمکانے) پر مشتمل ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ [الکہف:۲۹] اور (اے محبوب!) فرما دیجئے کہ حق تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے ہے' سو جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو شخص چاہے کفر اختیار کر لے۔

گویا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ذات پاک پر جھوٹ باندھنے والے کو حکم نہیں دیا بلکہ اسے ڈرایا دھمکایا ہے اور اس کے برے انجام سے اسے آگاہ کیا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور نبی کریم ﷺ نے احادیث مبارکہ میں حق و باطل کو واضح کر دیا ہے اور ہدایت و گمراہی کے دونوں راستے لوگوں پر صاف صاف ظاہر کر دیئے ہیں' نیز نیک و بد اعمال کی سب کو پہچان کرا دی ہے' لہٰذا اس کے بعد اب جو شخص حق کی بجائے باطل کو اور ہدایت کی بجائے گمراہی کو اور نیک اعمال کی بجائے برے اعمال کو اختیار کر لیتا ہے اور بغاوت و سرکشی اور نافرمانی کو اپنی عادت بنا لیتا ہے تو وہ خود اپنا مستقبل اور اپنا انجام خراب کر لیتا ہے اور وہ خود اپنے آپ کو دوزخ کا مستحق و سزاوار بنا لیتا ہے اور وہ خود ہی اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لیتا ہے۔ اسی طرح جو بدنصیب شخص اپنے معصوم و پاک پیغمبر نبی کریم ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ خود اپنا ٹھکانہ دوزخ میں طلب کر لیتا ہے۔

۳۹- حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَطِیَّةَ الْعَوْفِیِّ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں بنا لے۔ حضرت عطیہ نے فرمایا کہ میں

فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ قَالَ عَطِيَّةُ وَاَشْهَدُ اَنِّیْ لَمْ اَكْذِبْ عَلٰی اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَنَّ اَبَا سَعِیْدٍ لَّمْ یَكْذِبْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

حلفاً گواہی دیتا ہوں کہ بے شک میں نے حضرت ابوسعید خدری پر جھوٹ نہیں باندھا اور بے شک حضرت ابوسعید خدری نے بھی رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ نہیں باندھا۔

نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے کی سخت وعید

نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے کی اس قدر شدید وعید اور سخت ترین تہدید کی وجہ یہ ہے کہ حدیث وضع کرنا بہت بڑا قبیح اور بدترین جرم و گناہ ہے' چنانچہ جس طرح احادیث مبارکہ کی نشر و اشاعت اور ان کی تبلیغ و تدریس کرنے پر اجر و ثواب عظیم ترین ہوتا ہے اسی طرح حدیث وضع کر کے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کرنے پر جرم و گناہ بھی بہت بڑا ہوتا ہے کیونکہ اس میں من گھڑت حدیث کی نسبت حامل قرآن' بانی اسلام' حبیب خدائے رحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کر کے آپ پر بہت بڑا بہتان و افتراء تراشا جاتا ہے اور یہ سازشی تحریک دراصل انسانوں کو گمراہ کرنے اور انہیں دین سے دور کرنے کی کوشش ہے اور احادیث نبوی پر اعتماد کو متزلزل کرنے کی ناکام سعی ہے اور چونکہ قرآن و احادیث دونوں دین اسلام کی بنیاد و مدار ہیں اس لیے حدیث گھڑنے' اس میں جھوٹ بولنے اور غلط بیانی کرنے سے دین میں خلل پڑتا ہے۔ دین اسلام کے احکام و مسائل میں باطل کی آمیزش سے اسلام کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور دین تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کذاب اور جھوٹے لوگوں نے حدیثیں گھڑنا شروع کیں تو محدثین کرام نے موضوع و من گھڑت احادیث کو غیر موضوع اور اصل احادیث نبوی سے جدا کرنے کے لیے انتھک محنت و کوشش کر کے کتابیں لکھیں' نیز احادیث نبوی کی حفاظت کے لیے ایک مستقل فن ایجاد کیا جس کا نام ''اسماء الرجال'' رکھا اور اس میں ہر حدیث کے راوی کی جانچ پڑتال کی جاتی اور راویوں کے حالات زندگی سے بحث کی جاتی' کھرے اور کھوٹے' سچے اور جھوٹے راویوں کی نشاندہی کی جاتی' نیز ان محدثین کرام نے احادیث کی کئی اقسام متعین کیں اور حدیث صحیح کو حسن سے اور حسن کو ضعیف سے اور ضعیف کو منکر اور شاذ سے الگ کیا اور موضوع احادیث کو چھانٹ کر الگ کر دیا۔

[ماخوذ بتصرف از تنسیق النظام فی مسند الامام حاشیہ ۵' بر مسند امام اعظم ص ۲۱' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۴۰- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ سَعِیْدٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں بنا لے۔

بخاری (۱۱۰) ابوداؤد (۳۶۵۱) ترمذی (۲۶۵۹)' ابن ماجہ (۳۰)

موضوع حدیث کی مذمت

یعنی جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا دوزخی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ حدیث گھڑنا گناہ کبیرہ ہے بلکہ کبھی کفر بھی ہے کیونکہ اس میں جھوٹ بھی ہے اور دین میں فتنہ پھیلانا بھی ہے۔ بعض جاہل صوفیوں نے نماز تہجد اور قرآنی سورتوں کے فضائل میں کچھ حدیثیں گھڑیں وہ اس وعید سے عبرت پکڑیں۔ خیال رہے کہ حدیث موضوع (گھڑی ہوئی) اور ہے جبکہ حدیث ضعیف کچھ اور ہے کیونکہ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں معتبر ہے اور موضوع حدیث کہیں بھی معتبر نہیں' اسی لیے محدثین نے خدمت حدیث میں اپنی عمریں صرف کر دیں۔ الحمد للہ ان کی کوششوں سے موضوع حدیثیں چھٹ گئیں۔ خیال رہے کہ یہاں عملاً کی قید ہے' اگر کوئی شخص بے خبری میں موضوع حدیث بیان کر جائے تو گنہگار نہیں' البتہ دیدہ و دانستہ (یعنی جان بوجھ کر) موضوع حدیث بیان کرنا گناہ ہے بلکہ جس حدیث کے متعلق

موضوع ہونے کا گمان غالب ہوا سے بھی بیان نہ کرے' فقط موضوعیت کا وہم کافی نہیں' ہاں اس کی موضوعیت بتا کر بیان کرنا جائز ہے تا کہ لوگ بچیں۔ [مرآۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح حاشیہ ۲ اور ۴' ج ۱ ص ۱۸۶' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

اس حدیث کی وعید سے حدیث وضع کرنے سے روکنے میں مبالغہ مقصود ہے تا کہ کوئی شخص اپنی طرف سے حدیث وضع کرنے (گھڑنے) کی جرات نہ کرے اور ترغیب و ترہیب (یعنی نیک کاموں کے لیے رغبت دلانے اور برے کاموں کے انجام سے ڈرانے) کے لیے نبی کریم ط پر جھوٹ باندھ کر حدیث وضع کرنا بھی حرام ہے اور بالاتفاق کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور امام الحرمین کے والد ماجد امام محمد الجونی نے اس کو کفر قرار دیا ہے اور اس کے قائل پر دائمی دوزخی ہونے کا حکم صادر فرمایا ہے اور ایک قوم نے ترغیب و ترہیب کی نیت سے حدیث وضع کرنے کو جائز قرار دیا ہے لیکن یہ مذہب غلط ہے اور حق یہی ہے کہ حدیث وضع کرنا اور موضوع حدیث کو بیان کرنا حرام ہے' البتہ موضوع ہونا بتا کر بیان کرنا جائز ہے۔ [اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۵۱' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

۴۱- عَنِ الزُّهْرِيِّ' عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. وَرَوَاهُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ.

امام ابوحنیفہ حضرت محمد بن مسلم (المعروف ابن شہاب) الزہری سے' وہ حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ کی آگ میں بنا لے اور اس حدیث مبارکہ کو امام ابوحنیفہ نے حضرت یحییٰ بن سعید سے بھی روایت کیا ہے۔

جھوٹ بولنے کی مذمت کا حکم تمام دینی اور دنیاوی معاملات کو شامل ہے

اس حدیث مبارکہ کو عشرہ مبشرہ اور دیگر معتبر صحابہ کرام میں سے ستر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے روایت کیا ہے اور امام احمد' شیخین (امام بخاری وامام مسلم)' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام احمد' امام بخاری' امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے (بھی) روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اور ایک دوسری جماعت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بہت بڑے گروہ سے روایت کیا ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی القاری ص ۲۰۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت] شارحین حدیث کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ تہدیدی حکم عام ہے جو ہر قسم کے جھوٹ کو شامل ہے یا خاص ہے۔

چنانچہ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حکم صرف دینی امور کے ساتھ خاص ہے جیسے کوئی بدبخت آدمی کسی حلال کو حرام قرار دینے کے لیے یا کسی حرام کو حلال قرار دینے کے لیے اپنی طرف سے حدیث گھڑ کر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کر دے اور بعض علماء نے فرمایا کہ یہ وعید شدید ایک مخصوص آدمی کے بارے میں وارد ہوئی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ گھڑا تھا اور اپنی قوم کے پاس جا کر دعویٰ کیا تھا کہ آپ نے اسے ان کے پاس بھیجا ہے تا کہ وہ ان کے درمیان تنازعات کا فیصلہ کرے اور بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حکم عام ہے اور ہر قسم کے جھوٹ کو شامل ہے خواہ اس کا تعلق دنیاوی معاملات سے ہو یا دینی معاملات سے ہو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت تخصیص کی نفی کرتی ہے' پس یہ تہدیدی حکم ہر قسم کے جھوٹ کو عام ہے خواہ دینی امور کے بارے میں ہو یا دنیاوی امور کے بارے میں ہو۔

سوال: جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ گھڑنے کا قصد اور ارادہ کر لیا لیکن واقع میں اس نے آپ پر جھوٹ نہیں بولا تو

کیا وہ شخص گنہگار ہوگا۔

جواب: بے شک وہ شخص گنہگار ہوگا لیکن جھوٹ کے سبب نہیں بلکہ جھوٹ بولنے کے قصد اور ارادہ کرنے کے سبب کیونکہ معصیت و گناہ کا قصد اور ارادہ کرنا بھی معصیت اور گناہ ہے جب وسوسہ کے درجہ سے تجاوز کر جائے (عزم کے ہم معنی ہو جائے)۔

[ماخوذ از من تنسیق النظام فی مسند الامام ص ۲۲' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

۳- كِتَابُ الطَّهَارَةِ

طہارت کا بیان

۱- بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْبَوْلِ فِي الْمَآءِ الدَّآئِمِ

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت

۴۲- أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَآءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی سے وضو (بھی) کرے۔

حل لغات

"لَا يَبُوْلَنَّ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل نہی معروف بانون ثقیلہ باب نَصَرَ يَنْصُرُ ہے' اس کا معنی ہے: پیشاب کرنا۔ "اَلدَّائِمُ" اس کا معنی ہے: ٹھہرا ہوا' رکا ہوا' ساکن۔ "يَتَوَضَّأُ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب تفعل ہے' اس کا معنی ہے: وضو کرنا۔

پانی کے پاک اور ناپاک ہونے کی صورتوں کی وضاحت

یاد رہے کہ ائمہ مجتہدین اور فقہائے دین متین کے نزدیک پانی کی دو قسمیں ہیں: ایک ماء قلیل (تھوڑا پانی) اور دوسرا ماء کثیر (زیادہ پانی)' پھر یہ پانی ایک جگہ میں ٹھہرا ہوا ہوگا یا رواں دواں اور جاری ہوگا۔ جب یہ پانی قلیل اور کم ہو' نیز ٹھہرا ہوا ہو یعنی بہتا نہ ہو تو ایسا پانی ہر قسم کی نجاست و گندگی سے آلودہ ہو جانے کے بعد نجس و ناپاک ہو جاتا ہے' اس پر سب ائمہ اور فقہاء متفق ہیں اور جب یہ پانی کثیر یعنی زیادہ ہو خواہ ٹھہرا ہوا ہو یا جاری و ساری اور بہتا ہوا ہو تو یہ پانی نجاست سے آلودہ ہو جانے کے باوجود نجس و ناپاک نہیں ہوتا' اس پر تمام کا اتفاق ہے۔

اس تمہید کے بعد جاننا چاہیے کہ اس حدیث میں جس پانی میں پیشاب وغیرہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اس سے قلیل اور ٹھہرا ہوا پانی مراد ہے کسی بڑے تالاب یا بڑے حوض کا پانی مراد نہیں جس پر ماء جاری کا حکم لگایا جا سکتا ہو' لہٰذا یہ حدیث مبارکہ ماء قلیل کے نجس و ناپاک ہو جانے کی اصل ہے' اور باقی رہا ماء کثیر تو یہ اجماع کی رو سے اس حکم سے خارج ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے حوض یا بڑے تالاب کا پانی جس کے ایک کنارے پر پانی کو حرکت دینے سے دوسری طرف پانی میں حرکت پیدا نہ ہو تو وہ ماء کثیر ہے اور متاخرین علمائے احناف کے نزدیک اس کی مقدار دہ در دہ مقرر کی گئی ہے (دس ضرب دس یعنی سو مربع فٹ کی جگہ میں پانی ہو) اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کثیر پانی کی مقدار قلتین (یعنی دو مٹکے بھر پانی) یا اس سے زیادہ ہے' اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کثیر پانی وہ ہے جس میں نجاست گرنے سے اس کے تین اوصاف (رنگ' بو اور مزہ) میں سے کوئی وصف نہ بدلے اور بعض

فقہا نے فرمایا کہ ماءِ کثیر (زیادہ پانی) میں بھی پیشاب وغیرہ نہ کیا جائے کیونکہ اس طرح کرنے سے لوگ دیکھا دیکھی پانی میں پیشاب کرنا شروع کر دیں گے جس کی وجہ سے کوئی وصف (رنگ' بو' مزہ) تبدیل ہو جائے گا' پس ماءِ قلیل کی صورت میں یہ ممانعت (نہی) تحریمی ہے اور ماءِ کثیر کی صورت میں یہ نہی تنزیہی ہے اور پانی میں پیشاب کی طرح پاخانہ کرنا بھی ممنوع ہے بلکہ اس سے زیادہ قبیح ہے اور بعض فقہا نے فرمایا: یہ تفصیل دن کے اوقات کے لیے ہے لیکن رات کے اوقات میں پانی میں پیشاب وغیرہ کرنا ہر حال میں منع ہے اس لیے کہ رات کے اوقات میں جنات کی طرف سے ایذاء پہنچانے کا زیادہ خطرہ رہتا ہے کیونکہ یہ مقامات جنات کے لیے رات بسر کرنے کے ٹھکانے ہیں' پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ماءِ جاری (بہتا ہوا پانی) اس حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے جو جاری (بہتا ہوا) نہ ہو کہ پھر وہ اس میں غسل کرے۔

اور اسی طرح جو پانی جاری کے حکم میں ہے وہ بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہے' سو یہ حدیث مبارکہ ماءِ جاری کو مستثنیٰ قرار دینے کے لیے اجماع سے استدلال کرنے کے علاوہ دوسرا استدلال ہے' پھر یہ بھی خیال میں رہے کہ قلتین کی حدیث جسے امام احمد بن حنبل' ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس کی صحت میں محدثین نے کلام کیا ہے' چنانچہ علامہ فیروز آبادی نے سفر السعادۃ میں فرمایا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور ایک جماعت نے فرمایا: یہ صحیح ہے جبکہ امام احمد بن حنبل کے ہم عصر اور امام بخاری کے شیوخ میں سے علامہ علی بن المدینی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث تو ثابت ہی نہیں ہے' نیز اس حدیث کو صحیحین (یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم) میں روایت نہیں کیا گیا اور یہ حدیث صحابہ کرام کے اجماع کے مخالف ہے کیونکہ جب ایک زنگی آدمی آبِ زمزم کے کنویں میں گر گیا تو حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم نے کنویں کا سارا پانی نکالنے کا حکم دیا (حالانکہ کنویں کا پانی قلتین سے زیادہ تھا) اور یہ عمل دیگر تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا مگر انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

اور امام طحاوی نے فرمایا: اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی ہم اس پر عمل نہیں کر سکتے کیونکہ لفظ ''قلة'' بڑے مٹکے اور مشک اور پہاڑ کی چوٹی تینوں معانی میں مشترک ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ یہاں اس کا کون سا خاص معنی مراد ہے اور باقی رہا بیر بضاعہ کی حدیث مبارکہ جس سے اصحاب ظواہر نے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بیر بضاعہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ کنواں باغات کی طرف جانے والے پانی کا راستہ تھا' لہٰذا اس کا پانی ٹھہرا ہوا نہیں تھا بلکہ نہروں کے پانی کی طرح جاری وساری اور رواں دواں رہتا تھا اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بیر بضاعہ کا پانی کثیر تھا اور فقہاء نے ماءِ قلیل اور ماءِ کثیر کے درمیان فرق کیا ہے کہ نجاست گرنے سے ماءِ قلیل ناپاک ہو جاتا ہے لیکن ماءِ کثیر ناپاک نہیں ہوتا۔

[اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۴۵' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر' تنسیق النظام فی مسند الامام حاشیہ علی مسند الامام الاعظم ص ۲۳' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۴۳- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ الصَّوَّافِ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ سِیْرِیْنَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّبَالَ فِی الْمَآءِ الدَّائِمِ ثُمَّ یُغْتَسَلَ مِنْهُ اَوْ یُتَوَضَّاَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا کہ پھر وہ اسی (ناپاک) پانی سے غسل کرے یا وضو کرے۔

بخاری (۲۳۹) مسلم (٦٥٦) ابوداؤد (۲۷) ترمذی (۲۱) نسائی (٥٧) ابن ماجہ (۳۰٤)

حل لغات

''نَهٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: منع کرنا' روکنا۔ ''ان یبال'' میں حرف ''اَنْ'' ناصبہ ہے اور ''یُبَالَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول باب نَصَرَ یَنْصُرُ ہے' اس کا معنی ہے: پیشاب کرنا۔ ''یُغْتَسَلُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول باب افتعال سے ہے' اس کا معنی غسل کرنا اور نہانا ہے۔

پانی میں پیشاب وغیرہ کرنے کی ممانعت

علامہ ابن الملک نے فرمایا کہ اگر یہ ٹھہرا ہوا پانی قلتین سے کم ہے تو پھر اس میں پیشاب کرنے سے اور کسی نجاست کے گرنے سے پانی نجس و ناپاک ہو جائے گا' لہٰذا اس سے غسل وغیرہ کرنا ناجائز ہوگا اور اگر یہ پانی قلتین ہوگا تو پیشاب وغیرہ کرنے سے ممکن ہے اس میں تغیر پیدا ہو جائے' پس یہ تغیر کی وجہ سے نجس و ناپاک ہو جائے گا اور اگر یہ بہت زیادہ ہو تو چونکہ اس میں پیشاب وغیرہ کرنا جائز ہے تو ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی یکے بعد دیگرے لوگ پیشاب کرنا شروع کر دیں گے تو یہ پانی کثرت پیشاب کی وجہ سے متغیر ہو جائے گا (اور نجس و ناپاک ہو جائے گا) اور علامہ نووی نے فرمایا کہ یہ نہی اور ممانعت بعض پانیوں کے لیے کراہت تحریمی ہے اور بعض کے لیے کراہت تنزیہی ہے' پھر اگر پانی کثیر اور جاری ہو تو اس میں پیشاب کرنا حرام نہیں کیونکہ اس حدیث میں ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت ہے لیکن اجتناب و پرہیز کرنا بہتر ہے اور اگر پانی قلیل اور جاری ہو تو پھر ایک قول یہ ہے کہ پیشاب کرنے سے یہ پانی مکروہ ہو جائے گا جبکہ مختار مذہب یہ ہے کہ یہ حرام ہو جائے گا کیونکہ نجاست اس کو ناپاک کر دے گی اور اگر پانی کثیر ہو لیکن ٹھہرا ہوا ہو تو ہمارے اصحاب (شوافع) کے نزدیک یہ پانی مکروہ ہے اور اگر اسے حرام کہا جائے تو یہ عقل و قیاس سے بعید نہیں ہے کیونکہ نجاست پڑنے کی وجہ سے پانی متغیر ہو جانے پر بالاتفاق نجس و ناپاک ہو جاتا ہے یا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے موافقین کے نزدیک یہ پانی اس لیے نجس و ناپاک ہو جائے گا کہ وہ ایسے حوض میں ہو جس کے ایک کنارے کو حرکت دینے سے دوسرے کنارے میں حرکت پیدا ہو جائے تو ایسے حوض میں نجاست گر جانے پر اس کا پانی نجس و ناپاک ہو جاتا ہے اور اگر وہ پانی قلیل ہو اور ٹھہرا ہوا بھی ہو تو ہمارے اصحاب (یعنی شوافع) میں سے ایک جماعت نے اس کو مطلق مکروہ قرار دیا ہے لیکن صحیح اور مختار قول یہی ہے کہ وہ حرام ہے کیونکہ نجاست اس کو ناپاک کر دیتی ہے اور ہمارے اصحاب اور دیگر فقہاء نے کہا کہ پانی میں پاخانہ کرنا اس میں پیشاب کرنے کی طرح ممنوع ہے بلکہ پاخانہ کرنا پیشاب کرنے سے زیادہ قبیح اور بدتر فعل ہے' اس کو علامہ الطیبی نے ذکر کیا ہے اور علامہ ابن حجر نے کہا کہ رات کو پانی میں قضائے حاجت کرنا مطلقاً مکروہ ہے کیونکہ رات کو جنوں کے ایذا پہنچانے کا خطرہ ہوتا ہے اس لیے کہ کہا گیا ہے کہ پانی کی جگہیں جنوں کے ٹھکانے ہوتے ہیں۔ [مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲' ص ۵۳' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

اور یہ نہی ہمارے (احناف) کے نزدیک ایسے پانی پر محمول ہے جو دہ دردہ میں نہ ہو اور ہمارے علاوہ کے نزدیک قلتین سے کم ہو اور یہ نہی اس وقت تحریمی ہوگی اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ یہ نہی تنزیہی ہو' سو اگر یہ پانی کثیر ہو تو طہارت میں وسوسہ پیدا کرے گا اور امام ابوداؤد نے حضرت مکحول سے مرسل روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمام میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ حدیث جس کو امام ابوحنیفہ نے بیان فرمایا اس کو امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:

نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے

اَنْ یُّبَالَ فِی الْمَآءِ الرَّاکِدِ. منع فرمایا ہے۔

اور اس کو شیخین (امام بخاری اور امام مسلم) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الْمَآءِ الدَّائِمِ الَّذِیْ لَایَجْرِیْ ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْهِ. تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب ہرگز نہ کرے جو بہتا ہوا نہیں' پھر وہ اس (ناپاک پانی) میں غسل کرے۔

اور امام مسلم کی روایت میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا:

لَایَغْتَسِلُ اَحَدُکُمْ فِی الْمَآءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ قَالُوْا کَیْفَ یَفْعَلُ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ؟ قَالَ: یَتَنَاوَلُ تَنَاوُلًا. تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے جبکہ وہ جنابت کی حالت میں ہو۔ صحابہ کرام نے کہا: اے ابو ہریرہ! وہ کیسے کرے؟ آپ نے فرمایا: اس میں سے لے لے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ٤٠٦' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

یعنی چھوٹے حوض یا گڑھے میں جو پانی بھرا ہو جنبی اس میں گھس کر نہ نہائے بلکہ چلوؤں' لپوں یا برتن سے لے کر الگ نہائے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ تھوڑا پانی جنبی کے گھس جانے سے ماء مستعمل بن جاتا ہے' لہٰذا جنبی یا بے وضو اگر کنویں میں گھسا تو پانی مستعمل ہو گیا' دوسرا یہ کہ ناپاک آدمی بہ وقت ضرورت ندی یا چھوٹے حوض میں سے چلو یا لپ بھر سکتا ہے' اس سے پانی مستعمل نہ ہوگا۔ [مرآۃ المناجیح اردو شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ١ ص ٣١٧' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

٢- بَابُ بَیَانِ جَوَازِ الْوُضُوْءِ مِنْ سُوْرِ الْهِرَّةِ

بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کے جواز کا بیان

٤٤- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ ذَاتَ یَوْمٍ فَجَاءَتِ الْهِرَّةُ فَشَرِبَتْ مِنَ الْاِنَاءِ فَتَوَضَّاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ وَرَشَّ مَا بَقِیَ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن وضو کا ارادہ فرمایا تو ایک بلی آ گئی اور وضو کے برتن سے پانی پی لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے وضو کیا اور باقی بچا ہوا پانی زمین پر چھڑک دیا۔

ابوداؤد (٥٧) ترمذی (٩٢) نسائی (٦٨) ابن ماجہ (٣٦٨) طحاوی (٤٥)

حل لغات

''تَوَضَّاَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے: وضو کرنا' یہاں بطور مجاز ارادہ وضو مراد ہے۔ ''ذَاتَ یَوْمٍ'' میں ذات صرف تحسین کلام کے لیے ہے' اس کا معنی مراد نہیں ہے اور ''یَوْمٌ'' کا معنی ہے: ایک دن۔ ''جَآءَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: آنا۔ ''اَلْهِرَّةُ'' اس کا معنی ہے: بلی۔ ''شَرِبَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: پینا۔ ''رَشَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: چھڑکنا۔ ''بَقِیَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: باقی رہنا' ثابت رہنا' ہمیشہ رہنا۔

بلی کے جھوٹے پانی کے جواز و کراہت کی وضاحت

یہ حدیث مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ بلی کا جھوٹا طاہر و مطہر یعنی خود پاک ہے اور (ناپاک کو) پاک کرنے والا ہے بہ شرطیکہ اس وقت بلی نے کسی نجاست کو نہ کھایا ہو یا کسی نجاست کو کھا لیا تو اس کے بعد کافی وقت گزر چکا ہو اور ہم نے یہ قید اس لیے بیان کی ہے کہ کتاب النوادر میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ اگر بلی نے چوہا وغیرہ کھا لیا ہو' پھر وہ پانی پی لے تو وہ پانی نجس و ناپاک نہیں ہوگا کیونکہ بلی کی عادت ہے کہ وہ کھانے کے فوراً بعد اپنے منہ کو زبان سے چاٹ کر اپنے لعاب سے دھو لیتی ہے اور اپنا منہ صاف ستھرا کر لیتی ہے' سو اس لیے اس کا جھوٹا پانی پاک رہتا ہے اور حدیث میں ہے: ''اِنَّهَا لَیْسَتْ بِنَجْسَةٍ اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِیْنَ عَلَیْکُمْ'' بے شک وہ نجس نہیں ہے کیونکہ وہ تم پر چکر لگانے والوں اور بار بار تمہارے پاس آنے جانے والوں میں سے ہے اور امام طحاوی اور امام دارقطنی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلی کے لیے پانی کے برتن کو جھکا دیتے تھے یہاں تک کہ بلی اس میں سے پانی پی لیتی۔

امام ابو حنیفہ کے شاگرد رشید امام قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں کامل ابن عدی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے کوئی بلی گزرتی تو آپ اس کے لیے برتن کو جھکا دیتے تھے اور وہ اس میں سے پانی پی لیتی تھی' پھر آپ اس کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرتے اور وضو کرنے کے بعد جو پانی باقی بچ جاتا آپ اس کو زمین پر چھڑک دیتے۔

یعنی آپ بلی کا جھوٹا بقیہ پانی زمین پر بہا دیتے تاکہ اس کو کوئی اور آدمی استعمال نہ کرے کیونکہ اس میں کراہت آ جاتی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا محض بیان جواز کے لیے تھا کہ اس پانی سے وضو کرنا حرام نہیں بلکہ جائز ہے' لہٰذا یہ ہمارے علماء (احناف) کے منافی نہیں کہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ بلی کا جھوٹا مکروہ ہے یعنی اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ بلی کے جھوٹے پانی سے وضو نہ کیا جائے مگر جب اس کے سوا پانی دستیاب نہ ہو تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ٢٥٨' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

اس حدیث سے بعض علماء نے اس پر دلیل پکڑی ہے کہ بلی کا جھوٹا نہ تو ناپاک ہے اور نہ مکروہ ہے اس سے بلا کراہت وضو جائز ہے۔

ہمارے امام صاحب کے ہاں اگر بلی چوہا یا کوئی نجاست کھا کر بغیر منہ صاف کیے برتن میں ڈال دے تو پانی بھی نجس اور برتن بھی گندا ہو جائے گا اور اگر منہ صاف کر کے پانی پی جائے تو وہ پانی مکروہ اور اس سے وضو کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ امام صاحب کا قول قوی ہے اور ان علماء کا اس حدیث سے استنباط ضعیف ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف یہ فرمایا ہے کہ بلی کوئی نجس نہیں ہے یعنی اس کا جسم ناپاک نہیں' اس میں یہ کہاں ہے کہ اس کا لعاب اور جھوٹا بھی بالکل پاک ہے۔ دیکھو کتے کا سوکھا جسم نجس نہیں مگر اس کا جھوٹا نجس ہے۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جب بلی برتن چاٹ جائے تو اسے ایک یا دو بار دھوؤ' نیز اسی طحاوی میں ہے کہ سیدنا ابن عمر کتے بلی اور گدھے کے جھوٹے سے وضو نہیں کرتے تھے بلکہ اس سے منع فرماتے تھے۔ اس کے متعلق اور بہت سی روایات طحاوی شریف میں منقول ہیں' نیز جس جانور کا گوشت ناپاک اور حرام ہو اس کا جھوٹا بھی پاک نہ ہوگا۔ بلی کا گوشت ناپاک اور حرام ہے' لہٰذا اس کا جھوٹا ناپاک ہونا چاہیے تھا مگر چونکہ یہ گھروں میں بار بار آتی جاتی ہے' نیز نجاستوں سے پرہیز نہیں کرتی' لہٰذا اس کا جھوٹا مکروہ ہے جیسے چھوٹے بچے جو نجاست سے پرہیز نہ کر سکیں اگر وہ پانی میں ہاتھ ڈال

دیں تو پانی مکروہ ہوتا ہے۔[مرآۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۲۲۔۳۲۱' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

۳- بَابُ بَیَانِ جَوَازِ الْبَوْلِ قَائِمًا لِلْعُذْرِ

مجبوری کی بنا پر کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے جواز کا بیان

۴۵- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَبُوْلُ عَلٰی سُبَاطَةِ قَوْمٍ قَائِمًا.

حضرت ابووائل' حضرت حذیفہ ؓ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو قوم کے کوڑا پھینکنے کی جگہ پر کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا۔

بخاری(۲۲۴)مسلم(٦٢٤)ابوداؤد(۲۲)ترمذی(۱۳)نسائی(٢٦)ابن ماجہ(۳۰۵)

حل لغات

''یَبُوْلُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے اور یہ ''رسول اللّٰہ'' مفعول بہ ذوالحال سے حال واقع ہوا ہے' اس کا معنی ہے: پیشاب کرنا۔ ''سُبَاطَة'' سین مضموم کے ساتھ ہے' اس کا معنی ہے: کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ۔ ''قَائِمًا'' صیغہ واحد مذکر اسم فاعل باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے اور یہ ''یبول'' سے حال واقع ہورہا ہے' اس کا معنی ہے: کھڑا ہونا۔

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی وجوہات کا بیان

اس حدیث کو امام مسلم' امام ترمذی اور امام ابن ماجہ وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے حضرت ابووائل سے انہوں نے حضرت حذیفہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قوم کے کوڑے کرکٹ کے مقام تشریف لائے اور کھڑے ہوکر اس پر پیشاب کیا' سو میں پانی لایا اور میں آپ سے قدرے دور کھڑا ہوگیا تو آپ نے مجھے بلایا یہاں تک کہ میں آپ کے عقب میں پہنچ گیا' پھر آپ نے (استنجا کرنے کے بعد) وضو فرمایا اور اپنے دونوں موزوں پر مسح فرمایا اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت ابووائل کے واسطے سے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مرفوع بیان کیا ہے اور امام ترمذی نے فرمایا کہ حضرت ابووائل کی حضرت حذیفہ سے مروی یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے' چنانچہ علماء کی ایک جماعت نے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی رخصت دی ہے اور تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے بارے میں نہی (ممانعت) وارد ہوچکی ہے' چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے حدیث تخریج کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: جو شخص تمہیں یہ بیان کرے کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے تو تم اس کی ہرگز تصدیق نہ کرنا کیونکہ آپ ﷺ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔[رواہ احمد وترمذی ونسائی]

پس یہ حدیث حضرت حذیفہ کی حدیث کے معارض ومخالف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں احادیث میں مطابقت و موافقت اس طرح ہے کہ (۱) حضرت صدیقہ گھر میں نبی کریم کے بول و براز کے عمل کا اپنا مشاہدہ اور اپنا علم بیان کررہی ہیں کیونکہ ان کے مشاہدے اور ان کے علم میں یہی ہے کہ آپ ﷺ گھر میں بیٹھ کر بول و براز کرتے تھے اور آپ نے گھر میں کبھی کھڑے بول نہیں کیا۔ اس سے گھر سے باہر کی نفی نہیں ہوتی جبکہ حضرت حذیفہ نے گھر سے باہر اپنا مشاہدہ اور اپنا علم بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ آپ کو کھڑے ہوکر بول (پیشاب) کرتے ہوئے دیکھا ہے' اس سے گھر کی نفی نہیں ہوتی۔

(۲) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کھڑے ہوکر بول کرنا عذر کی وجہ سے تھا (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اور جو عمل کسی عذر کی وجہ سے ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا' لہٰذا آداب کا معتبر طریقہ بیٹھ کر بول و براز کرنا ہے کھڑے ہوکر نہیں ماسوا عذر کے۔

(۳) نبی کریم ﷺ کا بیٹھ کر بول و براز کرنا عادت شریفہ' ادب واحترام' شرم وحیا اور مروت وتہذیب کا عمل تھا جبکہ کھڑے ہو

کر بول کرنا عذر کی بنا پر یا بیان جواز کے لیے نادر وقلیل عمل تھا اور ''النادر والقلیل کالمعدوم'' یعنی نادر وقلیل معدوم کی طرح ہوتا ہے' مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھار کا عمل نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے اس لیے یہ عمل ماسوا عذر کے معتبر واہم نہیں۔

(۴) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ کی حدیث میں حالت قیام میں آپ کے بول کرنے کے دوام واستمرار اور عادت مبارکہ کی نفی کی گئی ہے جبکہ حضرت حذیفہ ؓ کی حدیث میں عذر کی بنا پر یا بیان جواز کے لیے کبھی کبھار ایک دو دفعہ حالت قیام میں آپ کے بول کرنے کا ثبوت ہے اس لیے ان دونوں احادیث مبارکہ میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

امام ترمذی نے حضرت عمر ؓ سے روایت بیان کی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے مجھے کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ کھڑے ہوکر پیشاب نہ کیا کرو۔ اس روایت کو امام عبدالکریم نے ضعیف قرار دیا ہے اور صحیح روایت وہ ہے جو حضرت ابن عمر ؓ نے اپنے والد سے بیان کی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا: جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے تب سے میں نے کبھی کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ظلم وزیادتی ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ تحریمی ہے یا کم از کم مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے میں ستر کھل جاتا ہے اور پیشاب کے چھینٹوں سے بدن اور کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں اور یہ طریقہ مروت وادب اور شرم وحیا کے منافی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا کھڑے ہوکر بول کرنا عذر کی بنا پر تھا جس کے متعلق مختلف اسباب وعلل بیان کیے گئے ہیں:

(۱) آپ کی پشت مبارک میں درد تھا جس کی وجہ سے آپ بیٹھ نہیں سکتے تھے اس لیے آپ نے حالت مجبوری میں کھڑے ہوکر بول کیا۔

(۲) عرب کے لوگ پشت میں (ریڑھ کی ہڈی میں) درد کی صورت میں کھڑے ہوکر پیشاب کرکے درد کا علاج کرتے اور اس سے شفا ونجات حاصل کرتے تھے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

(۳) امام حاکم نے حضرت ابن عمر ؓ سے روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیمات نے اپنے گھٹنوں میں درد کی وجہ سے کھڑے ہوکر بول کیا تھا۔

(۴) بعض علماء نے فرمایا کہ وہاں بیٹھنے کے لیے کوئی موزوں اور مناسب جگہ نہیں تھی اس لیے آپ نے حالت مجبوری میں کھڑے ہوکر بول کیا کیونکہ وہاں ایک جانب بلند تھی اور دوسری جانب پست تھی' سو اگر آپ پستی کی طرف منہ کرکے بیٹھتے تو سامنے راستے میں گزرنے والوں پر ستر کھل جاتا اور شرمگاہ ظاہر ہوجاتی اور اگر بلندی کی جانب منہ کرکے بیٹھتے تو گر جانے کا خوف رہتا۔

(۵) بعض فقہا نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان جواز اور اپنی امت کی سہولت وآسانی کے لیے کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا تاکہ امت کے لیے بوقت ضرورت کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جائز ہوجائے اور یہی ظاہر ہے۔

[تنسیق النظام فی مسند الامام ص ۲۴' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور' اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۰۷' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

علامہ ملا علی قاری نے مزید یہ لکھا ہے کہ

(٦) بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے یہ عمل اس لیے کیا تھا کہ وہاں بیٹھنے کے لیے کوئی پاک جگہ نہیں تھی کیونکہ وہاں ساری جگہ نجاست سے بھری ہوئی تھی۔

(۷) بعض علماء نے کہا کہ چونکہ آپ کو اطمینان تھا کہ اس وقت صرف پیشاب کرنے کی ضرورت ہے اور براز کرنے کا امکان نہیں اس لیے بیٹھنے کی بجائے کھڑے ہوکر پیشاب کیا۔

(۸) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں مبارک میں زخم تھا جس کی وجہ سے بیٹھنا ممکن نہیں تھا اس لیے کھڑے ہوکر آپ کو بول کرنا پڑا۔ جیسا کہ امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ گھٹنے میں درد کی وجہ سے کھڑے ہوکر بول کیا تھا اور احیاء العلوم میں مذکور ہے کہ تمام اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ سخت تیز بخار میں اور سورج کی سخت تمازت وگرمی کے وقت کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ستر بیماریوں کا علاج ہے۔

[مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ا ص ۳۶۲-۳۶۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان شریف]

٤- بَابُ لَايَجِبُ الْوُضُوْءُ مِنْ شُرْبِ اللَّبَنِ

دودھ پینے سے وضو کرنا لازم نہیں

٤٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَتَمَضْمَضَ وَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّاْ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے دودھ نوش فرمایا' پھر آپ نے صرف کلی کی اور نماز پڑھی اور (دوبارہ) وضو نہیں فرمایا۔

بخاری (۲۱۱) مسلم (۷۹۸) ابوداؤد (۱۹٦) ترمذی (۸۹) نسائی (۷۸) ابن ماجہ (٤۹۸)

حل لغات

''شَرِبَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: پینا۔ ''لَبَنًا'' کا معنی ہے: دودھ اور اس کی جمع البان آتی ہے۔ ''تَمَضْمَضَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فعللہ بروزن دحرج رباعی مجرد سے ہے' اس کا معنی ہے: کلی کرنا۔ ''صَلّٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: نماز پڑھنا۔

کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھونا اور چکنی چیز کھانے پینے کے بعد کلی کرنا مستحب ہے

شیخ محقق محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

اور اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جو منہ کو چکنا کر دے یا کوئی ایسی چیز جس کا اثر منہ میں باقی رہ جائے اور اندیشہ ہو کر یہ اثر نماز کے دوران پیٹ میں پہنچ جائے گا اگرچہ وہ قراءت سے مانع نہ ہو پھر بھی اس کے کھانے یا اس کے پینے کے بعد منہ کو کلی کر کے اچھی طرح دھو لینا مستحب (پسندیدہ) عمل ہے۔ [اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ا ص ۱۹۱ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

امام مسلم نے صحیح مسلم میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں:

ثُمَّ دَعَا بِمَآءٍ فَمَضْمَضَ

پھر آپ نے (دودھ پینے کے بعد) پانی طلب فرمایا اور اپنا منہ کلی کر کے اچھی طرح دھویا۔

اور اس حدیث سے صفائی اور نفاست کے لیے دونوں ہاتھوں کا دھونا بھی مستنبط ہوتا ہے' چنانچہ امام نووی نے فرمایا کہ کھانا کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھوں کے دھونے کے استحباب میں علماء کے مختلف اقوال ہیں اور زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ کھانا

کھانے سے پہلے بھی ہاتھوں کا دھونا مستحب ہے' البتہ جب نجاست اور میل کچیل سے ہاتھوں کا پاک ہونا اور صاف ستھرا ہونا یقینی ہو تو نہ دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور کھانا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی ہاتھوں کو دھونا مستحب ہے' البتہ جب ہاتھوں پر کھانے کا اثر باقی نہ رہے کہ کھانا خشک ہو یا کھانا ہاتھوں کو نہ لگا ہو تو پھر نہ دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور بعض فقہاء نے کہا کہ ہر چکناہٹ والی چیز کھانے یا پینے کے بعد پانی سے کلی کرنا مستحب ہے خصوصاً جب چکناہٹ منہ میں باقی ہو اور دوران نماز پیٹ میں پہنچنے کا احتمال ہو' سو اسی بنا پر ہر اس چیز کی وجہ سے وضو واجب ہو جاتا ہے جس کے متعلق پیٹ میں پہنچنے کا خوف وڈر ہو اور علامہ ابن الملک نے کہا: یہ شوافع کے نزدیک ہے اور رہا ہمارے نزدیک تو فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص شکر' چینی یا حلوہ کھا لے' پھر وہ نماز شروع کر دے اور مٹھاس اس کے منہ میں موجود ہو اور لعاب کے ساتھ پیٹ میں داخل ہو جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ [مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ا ص ۳۴۷ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان شریف]

امام ابن ماجہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

جب تم دودھ پیو تو اس کے بعد کلی کر لیا کرو کیونکہ دودھ میں چکناہٹ ہوتی ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۴۸۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

٥- بَابُ لَا يَجِبُ الْوُضُوْءُ مِنْ اَكْلِ اللَّحْمِ

گوشت کھانے سے وضو کرنا لازمی نہیں

٤٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَقًا بِلَحْمٍ ثُمَّ صَلّٰى.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوربے والا گوشت تناول فرمایا' پھر آپ نے نماز پڑھی (اور وضو نہیں کیا)۔

بخاری (۲۰۷) مسلم (۷۹۰) ابوداؤد (۱۸۷) ترمذی (۸۰) نسائی (۱۸۲) ابن ماجہ (٤۸۸)

حل لغات

''اَكَلَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کھانا۔ ''مَرَقًا'' کا معنی ہے: شوربہ۔ ''لَحْمٌ'' کا معنی ہے: گوشت۔ ''صَلّٰی'' کی وضاحت پچھلی حدیث گزر چکی ہے۔

آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کا وجوب منسوخ ہے

یہ حدیث مبارکہ دلیل ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ''تَوَضَّأُوْا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ'' (یعنی آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کر لیا کرو) منسوخ ہے یا پھر یہ حدیث لغوی اور عرفی وضوء پر محمول ہے اور وہ ہے دونوں ہاتھوں اور منہ کو دھو لینا یا یہ شرعی وضو پر محمول ہے اور اس سے نماز کے وضو جیسا وضو کرنا مراد ہے لیکن یہ استحبابی حکم ہے وجوبی نہیں (یعنی آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنا مستحب عمل ہے واجب ولازمی نہیں ہے ورنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ترک نہ فرماتے)۔

اور یہ حدیث مبارکہ وضو کو ترک کرنے کے بارے میں بیان جواز کے لیے ہے اور ابن ابی شیبہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت منقول ہے کہ جب تم گوشت پکانے لگو تو شوربہ زیادہ پکا لیا کرو کیونکہ یہ پڑوسیوں کے لیے زیادہ سے زیادہ وسعت وگنجائش کا سبب بن جاتا ہے اور بعض حکماء کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ شوربہ گوشت کا ایک حصہ ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۱۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

اور علامہ ابن الصلاح نے اپنی کتاب میں اس حدیث کے منسوخ ہونے کی تصریح کی ہے چنانچہ انہوں نے کہا کہ جس سے اس کا منسوخ ہونا معلوم ہوتا ہے وہ صحابی کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری عمل آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کو ترک کرنا ہے۔ علامہ الطیبی نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور علامہ ابن حجر نے کہا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کو ہاتھوں اور منہ کے دھونے پر محمول کرنا عقل و قیاس سے بہت بعید ہے اور آپ کا کلام صرف شرعی معانی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام شرعی احکام بیان کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں اور آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنے کی حدیث کے منسوخ ہونے کی وجہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری عمل آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کو ترک کرنا تھا (یعنی آپ جب پہلے سے باوضو ہوتے تو آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے)۔

[مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۳۶' مکتبہ امدادیہ ملتان]

واضح رہے کہ موجودہ کتب احادیث میں سب سے قدیم کتاب موطا امام مالک سے چند احادیث مبارکہ یہاں پیش کی جارہی ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ نبی کریم ﷺ خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے:

(۱) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بکری کی دستی تناول فرمائی' پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(۲) بنو حارثہ کے غلام حضرت بشیر بن یسار حضرت سوید بن نعمان سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اسے بتایا کہ وہ فتح خیبر کے سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب وہ صہباء کے مقام پر پہنچے اور یہ خیبر کے نزدیک ہے اور یہاں رسول اللہ ﷺ سواری سے نیچے اترے اور نماز عصر ادا فرمائی' پھر آپ نے کھانے کا سامان منگایا تو آپ کی خدمت اقدس میں ستو پیش کیے گئے اور آپ نے اسے تیار کرنے کا حکم دیا تو ستو پانی میں بھگو کر تیار کر کے آپ کو پیش کیے گئے تو آپ نے ستو تناول فرمائے اور ہم نے بھی کھائے' پھر آپ مغرب کی نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے صرف کلی فرمائی اور ہم نے بھی صرف کلی کی' پھر آپ نے نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

(۳) ربیعہ بن عبداللہ بن ھدیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عشاء کا کھانا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھایا' پھر حضرت عمر نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(۴) حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے روٹی اور گوشت تناول فرمایا' پھر کلی کی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا اور ان کو اپنے چہرے پر مل لیا' پھر نماز ادا فرمائی اور وضو نہیں کیا۔

(۵) امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو نہیں کرتے تھے۔

(۶) حضرت یحییٰ بن سعید نے حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے ایک آدمی کے بارے میں دریافت کیا جو نماز کے لیے وضو کرتا ہے' پھر وہ آگ کا پکا ہوا کھانا کھا لیتا ہے آیا وہ دوبارہ وضو کر لے؟ حضرت عبداللہ نے کہا: میرا والد یہی کرتا ہے لیکن وہ دوبارہ وضو نہیں کرتا۔

(۷) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ انہوں نے گوشت تناول فرمایا' پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(۸) حضرت محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو کھانے کی دعوت دی گئی' پھر روٹی اور گوشت آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا' سو آپ نے اس میں سے کھانا کھایا' پھر وضو کیا اور نماز پڑھی' پھر وہی کھانا جو بچا ہوا تھا آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ نے اس میں سے کھایا' پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

(۹) حضرت عبدالرحمٰن بن زید انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک انصاری عراق سے واپس تشریف لائے تو حضرت ابوطلحہ اور حضرت ابی بن کعب ان کے پاس ملاقات کے لیے تشریف لائے تو ان دونوں حضرات کے لیے آگ کا پکا ہوا کھانا پیش کیا گیا اور سب نے مل کر اس کھانے میں سے کھایا' پھر حضرت انس کھڑے ہوئے اور وضو کیا تو حضرت ابوطلحہ اور حضرت ابی بن کعب نے فرمایا: اے انس! یہ کیا ہے کیا یہ عراقی عمل ہے؟ سو اس پر حضرت انس نے فرمایا: کاش! میں نے یہ کام نہ کیا ہوتا اور حضرت ابوطلحہ اور حضرت ابی بن کعب کھڑے ہوئے اور انہوں نے نماز پڑھی لیکن انہوں نے وضو نہیں کیا۔ [موطا امام مالک ص ۱۹۔۱۸' مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی]

٦- بَابُ الْاَمْرِ بِالسِّوَاكِ

مسواک کرنے کا حکم

٤٨- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ الزَّرَّادِ عَنْ تَمَّامٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَنَّ نَاسًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلُوْا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا اَرَاكُمْ قُلَّحًا اِسْتَاكُوْا فَلَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَّ فِيْ رِوَايَةٍ مَالِيْ اَرَاكُمْ تَدْخُلُوْنَ عَلَيَّ قُلَّحًا اِسْتَاكُوْا فَلَوْ لَا اَنَّ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ يَّسْتَاكُوْا عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ اَوْ عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ. مسلم (٥٨٩) ابوداؤد (٤٦) نسائی (٧) ابن ماجہ (٢٨٧) مؤطا (ص ٥٠)

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ چند اصحاب نبی ﷺ ' نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے دانت زرد اور پیلے دیکھ رہا ہوں' تم مسواک کیا کرو' سو اگر مجھے اپنی امت پر مشقت و تکلیف کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا ضرور حکم دیتا' اور دوسری روایت میں یوں ہے کہ کیا بات ہے کہ تم میرے پاس آتے ہو تو تمہارے دانت زرد اور پیلے ہوتے ہیں۔ تم مسواک کیا کرو' سو اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت یا ہر وضو کے وقت مسواک کرنے کا ضرور حکم دیتا۔

حل لغات

''مَا اَرَاكُمْ'' میں حرف ''ما'' استفہامیہ (سوالیہ) ہے اور ''اَرَا'' صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: دیکھنا اور اس کے آخر میں ''کم'' ضمیر جمع مذکر متصل مفعول بہ ہے۔ ''قُلَّحًا'' قاف مضموم کے ساتھ ''قَالِحٌ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: دانتوں کا زرد اور پیلا ہو جانا۔ ''اِسْتَاكُوْا'' یہ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: مسواک کرنا۔ ''اَشُقَّ'' صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اور حرف ''ان'' ناصبہ کی وجہ سے اس کا آخر منصوب ہے۔

مسواک کرنے کے فوائد

''عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ'' بہ معنی ''عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءِ صَلٰوةٍ'' ہے (یعنی صلوٰۃ کا مضاف محذوف ہے)' مطلب یہ ہے کہ نماز کے ہر وضوء کے وقت مسواک کیا کرو جیسا کہ دوسری روایات میں ہے اور یہی زیادہ محتاط ہے تاکہ نماز کے وقت مسواک استعمال کرتے

ہوئے مسوڑھوں سے خون نکلنے کے سبب وضو نہ ٹوٹ جائے ورنہ نماز کے وقت مسواک کرنا منع نہیں اور نہ دونوں وقت جمع کرنا منع ہے۔(۱) امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ ''عَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ فَإِنَّهُ مُطَيِّبَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ'' یعنی مسواک کرنا تم پر لازم ہے کیونکہ یہ منہ کو پاک صاف کرنے والا ہے اور رب تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ ہے۔

(۲) اور حضرت عبدالجبار خولانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو الفاظ مروی ہیں وہ یہ ہیں:

تم پر مسواک کرنا واجب ہے' سو بہترین چیز مسواک کرنا ہے کیونکہ یہ دانتوں کی زردی کو مٹا دیتا ہے اور دانتوں کو چمکا دیتا ہے اور بلغم کو اکھیڑ دیتا ہے (یعنی سینے سے باہر پھینک دیتا ہے) اور بینائی کو تیز کرتا ہے اور مسوڑھوں کو مضبوط کرتا ہے اور بدبو کو مٹا دیتا ہے اور معدے کی اصلاح کرتا ہے اور جنت میں درجات کو بلند کرتا ہے اور مسواک کرنے والے کی فرشتے تعریف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہوتا ہے جبکہ شیطان ناراض وغضب ناک ہوتا ہے۔

اور امام صاحب کی اس حدیث کو امام مالک' امام احمد' بخاری' مسلم' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام احمد' ابوداؤد اور نسائی نے حضرت زید بن خالد سے بھی روایت کیا ہے۔ (۳) امام مالک' امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ اور بیہقی کی روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ (درج ذیل) الفاظ مروی ہیں:

''لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ وُضُوْءٍ'' یعنی اگر مجھے اپنی امت پر مشقت اور دشواری کا ڈر نہ ہوتا تو میں انہیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم ضرور دیتا۔

(۴) امام احمد اور نسائی کی روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں:

''لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ بِوُضُوْءٍ وَمَعَ كُلِّ وُضُوْءٍ بِسِوَاكٍ'' اگر مجھے اپنی امت پر مشقت وتکلیف کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت وضو کا اور ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا ضرور حکم دیتا۔

(۵) امام حاکم نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے اس کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے: (ترجمہ) اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت ان پر وضو کو فرض قرار دے دیتا۔

(۶) حاکم اور بیہقی کی روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں ان پر ہر وضو کے ساتھ مسواک فرض قرار دے دیتا۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۵۴۱-۵۴۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت]

(۷) امام احمد بن حنبل نے روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مسواک کے ساتھ ایک نماز مسواک کے بغیر ستر نمازوں سے بہتر و برتر ہے' اور محقق فاضل علامہ ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں فرمایا کہ پانچ مقامات میں مسواک کرنا مستحب ہے: (۱) دانتوں کے زرد ہونے پر (۲) منہ میں بدبو پیدا ہونے پر (۳) سو کر اٹھنے پر (۴) نماز کی طرف کھڑے ہونے کے وقت (۵) وضو کے وقت۔ [مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۳' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

مسواک اور سواک ''سَوْكٌ'' سے بنے ہیں' بمعنی ملنا' مسواک دانتوں کے ملنے کا آلہ' شریعت میں مسواک وہ لکڑی ہے جس سے دانت صاف کیے جاتے ہیں۔ سنت یہ ہے کہ یہ پھول دار یا پھل دار درخت کی نہ ہو۔ کڑوے درخت کی ہو اور موٹائی چھنگلی کے برابر ہو جبکہ لمبائی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو اور مسواک دانتوں کی چوڑائی میں کی جائے لمبائی میں نہ کی جائے' بے دانت والا انسان اور عورتیں منہ میں انگلی پھیر لیا کریں۔ مسواک اتنے مقام پر سنت ہے (۱) وضو میں (۲) قرآن شریف پڑھتے وقت (۳) دانت پیلے ہونے پر (۴) بھوک (۵) یا دیر تک خاموشی (۶) یا بے خوابی کی وجہ سے' منہ سے بو آنے پر' احناف کے ہاں مسواک سنت وضو ہے نہ

کہ سنت نماز' لہٰذا باوضو آدمی نماز کے لیے مسواک نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ امام شافعی کے ہاں سنت نماز ہے نہ کہ سنت وضو اور وجہ ظاہر ہے کہ ان کے ہاں خون وضو نہیں توڑتا تو اگر مسواک کرنے سے دانت میں خون نکل بھی آیا تو نماز درست ہوگی لیکن ہمارے ہاں خون وضو توڑ دیتا ہے۔ [مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۷۵' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

۷- بَابُ سُنَّةِ الْوُضُوْءِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا دُوْنَ الرَّأْسِ

سر کے سوا وضوء کے تمام اعضاء کو تین تین بار دھونا سنت ہے

۴۹- حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ خَیْرٍ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اَنَّهٗ تَوَضَّاَ فَغَسَلَ كَفَّیْهِ ثَلٰثًا وَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا وَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا وَذِرَاعَیْهِ ثَلٰثًا وَمَسَحَ رَاْسَهٗ وَغَسَلَ قَدَمَیْهِ وَقَالَ هٰذَا وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے وضو کیا تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو تین بار دھویا' تین بار کلی کی' تین بار ناک میں پانی ڈالا' تین بار چہرہ دھویا' تین بار ہاتھوں کو دھویا' سر کا مسح کیا اور پاؤں دھوئے اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو ہے۔

بخاری(۱۵۹) مسلم(۵۳۸) ابوداؤد(۱۰۶) ترمذی(۴۸) نسائی(۸۴) ابن ماجہ(۴۱۳) طحاوی(۱۱۳) طیالسی(۸۱)۔

حل لغات

''كَفَّیْهِ'' یہ کف کی تثنیہ ہے' اس کا معنی ہے: ہتھیلی۔ ''ثَلَاثًا'' ہر جگہ اپنے ماقبل کی تمیز واقع ہو رہا ہے' اس کا معنی ہے: تین بار۔ ''مَضْمَضَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فعللہ رباعی مجرد ہے' اس کا معنی ہے: کلی کرنا۔ ''اِسْتَنْشَقَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: ناک میں پانی ڈالنا۔

اعضاءِ وضو کو دو تین بار دھونے کی حکمتیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعضائے وضو کو کبھی ایک بار دھویا' کبھی دوبارہ دھویا اور غالب اور اکثر احوال میں تین تین بار دھویا' پھر ایک بار دھونا مقدار فرض اور بیان جواز کے لیے ہے اور دو بار دھونا طہارت وصفائی میں احتیاط اور اجر وثواب میں زیادتی کے لیے ہے جس کو حدیث میں نور علیٰ نور فرمایا اور تین بار دھونا طہارت وصفائی میں انتہائی احتیاط ومبالغہ' اجر وثواب میں کئی گنا اضافہ کی طلب اور کامل ترین وضو کی نہایت بیان کرنے کے لیے ہے' تین بار سے زیادہ دھونا اسراف وظلم اور ممنوع ہے اور سنت پر نقصان دہ زیادتی ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہے لیکن اس کے باوجود وضو باطل نہیں ہوگا۔ نیز احادیث مبارکہ میں بعض اعضاء کو تین بار' بعض اعضاء کو دو بار اور بعض کو ایک بار دھونے کا ذکر آیا ہے اور یہ متعدد صورتیں احادیث میں مذکور ہیں اور یہ تمام صورتیں بیان جواز کے لیے اور وضوء میں وسعت وگنجائش ثابت کرنے کے لیے ہیں' البتہ بعض فقہاء کے نزدیک ایک بار دھونا گناہ کا موجب ہے کیونکہ اس سے مشہور سنت کا ترک لازم آتا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ گناہ کا موجب نہیں ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک بار دھونا صحیح احادیث سے ثابت ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے موطا میں فرمایا کہ علماء فرماتے ہیں: تین بار دھونا افضل ہے' دو بار دھونا کفایت ہے اور ایک بار اعضاء کو مکمل دھونا بھی کافی ہے اور امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے جبکہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اعضائے وضو کو تین بار سے زیادہ دھونے کو میں ناپسند کرتا ہوں' البتہ میں اسے حرام نہیں سمجھتا لیکن ان کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور یہ کراہت تنزیہی ہے۔

[اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۱۹' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر' لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۷۷-۷۸' مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیۃ لاہور]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو حضرت عبد خیر کے علاوہ ابوحیہ' زر بن حبیش' عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ' ابن عباس اور نزال بن سبرہ نے بھی مختلف الفاظ میں روایت کیا ہے۔[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۲۶ حاشیہ ۹' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۸- بَابُ مَسْحِ الرَّاْسِ ثَلَاثًا

۵۰- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ دَعَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلٰثًا وَتَمَضْمَضَ ثَلٰثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا وَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا وَذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا وَمَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثَلٰثًا وَغَسَلَ قَدَمَيْهِ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ هٰذَا وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

سر کا مسح تین بار کرنا

حضرت عبد خیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پانی طلب کیا' پھر اپنی دونوں ہتھیلیوں کو تین بار دھویا اور تین بار کلی کی' تین بار ناک میں پانی ڈالا' تین بار اپنا چہرہ دھویا' تین بار (کہنیوں سمیت) ہاتھوں کو دھویا' تین بار سر کا مسح کیا اور تین بار پاؤں دھوئے' پھر فرمایا: یہ رسول اللہ ﷺ کا وضو ہے۔ (تشریح اس حدیث کے آخر میں بیان کی جائے گی۔)

۹- بَابُ مَسْحِ الرَّاْسِ مَرَّةً وَّاحِدَةً

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ دَعَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلٰثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا وَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا وَذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا وَمَسَحَ بِرَاْسِهٖ مَرَّةً وَغَسَلَ قَدَمَيْهِ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ هٰذَا وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَامِلًا. وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ دَعَا بِمَاءٍ فَاُتِيَ بِاِنَاءٍ فِيْهِ مَاءٌ وَّطَسْتٍ قَالَ عَبْدُ خَيْرٍ وَّنَحْنُ نَنْظُرُ اِلَيْهِ فَاَخَذَ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى الْاِنَاءَ فَاَكْفَاَ عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى الْاِنَاءَ فَمَلَاَ يَدَهٗ وَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ فَعَلَ هٰذَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ يَدَهٗ اِلَى الْمَرَافِقِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَخَذَ الْمَاءَ بِيَدِهٖ ثُمَّ مَسَحَ بِهَا رَاْسَهٗ مَرَّةً وَّاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَيْهِ ثَلٰثًا ثَلٰثًا ثُمَّ غَرَفَ بِكَفِّهٖ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى طُهُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهٰذَا طُهُوْرُهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ دَعَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلٰثًا وَمَضْمَضَ ثَلٰثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا وَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا ثُمَّ اَخَذَ مَاءً فِيْ كَفِّهٖ فَصَبَّهٗ عَلٰى صَلْعَتِهٖ ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى طُهُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى هٰذَا وَ فِيْ رِوَايَةٍ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ تَوَضَّاَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا وَقَالَ هٰذَا وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوْبَ يَعْنِيْ بِهٖ مَنْ رَّوٰى عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ عَنْ خَالِدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ رَاْسَهٗ ثَلٰثًا عَلٰى اَنَّهٗ وَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى يَافُوْخِهٖ ثُمَّ مَدَّ يَدَيْهِ اِلٰى مُؤَخَّرِ رَاْسِهٖ ثُمَّ اِلٰى مُقَدَّمِ رَاْسِهٖ فَجَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَاِنَّمَا ذٰلِكَ مَرَّةٌ وَّاحِدَةٌ لِاَنَّهٗ لَمْ يُبَايِنْ يَدَهٗ وَلَا اَخَذَ الْمَاءَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَهُوَ كَمَنْ جَعَلَ الْمَاءَ فِيْ كَفِّهٖ ثُمَّ مَدَّهٗ اِلٰى كُوْعِهٖ اَلَا تَرٰى اَنَّهٗ بَيَّنَ فِي الْاَحَادِيْثِ الَّتِيْ رُوِيَ عَنْهُ وَهُمُ الْجَارُوْدُ بْنُ زَيْدٍ وَّخَارِجَةُ بْنُ مُصْعَبٍ وَاَسَدُ بْنُ عَمْرٍو اَنَّ الْمَسْحَ كَانَ مَرَّةً وَّاحِدَةً وَّبَيَّنَ اَنَّ مَعْنَاهُ مَا ذَكَرْنَا قَالَ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرَةٍ عَلٰى هٰذَا اللَّفْظِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ رَاْسَهٗ ثَلٰثًا مِّنْهُمْ عُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَّعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَّغَيْرُهُمْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ اَوْجُهٍ غَرِيْبَةٍ عَنْ عُثْمَانَ تَكْرَارُ الْمَسْحِ اِلَّا اَنَّهٗ مَعَ خِلَافِ الْحُفَّاظِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ فَهَلْ كَانَ مَعْنَاهُ اِلَّا عَلٰى مَا ذَكَرْنَا فَمَنْ جَعَلَ اَبَا حَنِيْفَةَ غَالِطًا فِيْ رِوَايَةِ الْمَسْحِ ثَلٰثًا فَقَدْ وَهِمَ وَكَانَ هُوَ بِالْغَلَطِ اَوْلٰى وَاَخْلَقُ وَقَدْ غَلِطَ شُعْبَةُ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ غَلَطًا فَاحِشًا عِنْدَ الْجَمِيْعِ وَهُوَ رِوَايَةُ هٰذَا الْحَدِيْثِ عَنْ مَّالِكِ بْنِ عُرْفُطَةَ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ عَنْ عَلِيٍّ فَصَحَّفَ الْاِسْمَيْنِ فِيْ اِسْنَادِهٖ فَقَالَ بَدَلُ خَالِدٍ مَّالِكٌ وَّ بَدَلُ عَلْقَمَةَ عُرْفُطَةُ وَلَوْ كَانَ هٰذَا الْغَلَطُ مِنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ لَنَسَبُوْهُ اِلَى الْجَهَالَةِ وَ قِلَّةِ الْمَعْرِفَةِ وَلَاَخْرَجُوْهُ مِنَ

سر کا مسح ایک بار کرنے کا بیان

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کے لیے پانی منگوایا پھر آپ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو تین بار دھویا' تین بار ناک میں پانی ڈالا' تین بار چہرہ دھویا' تین بار ہاتھوں کو دھویا اور ایک بار سر کا مسح کیا ﷺ ور تین بار پاؤں کو دھویا پھر فرمایا: یہ ہے رسول اللہ ﷺ کا کامل وضو (جس میں فرائض وسنن اور مستحبات کی مکمل رعایت کی گئی ہے)۔ اور ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پانی منگوایا تو ایک برتن پیش کیا گیا جس میں پانی بھرا ہوا تھا اور ایک طشت پیش کیا گیا۔ حضرت عبد خیر نے کہا کہ ہم آپ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے برتن پکڑا اور اسے اپنے بائیں ہاتھ پر جھکا کر اس پر پانی ڈالا پھر آپ نے اپنے ہاتھوں کو تین بار دھویا پھر آپ نے اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈالا اور اپنے ہاتھ کو پانی سے بھرا اور اس سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ آپ نے یہ کام تین مرتبہ کیا پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت تین بار دھویا پھر اپنے ہاتھ میں پانی لیا اور اس کے ساتھ اپنے سر کا ایک بار مسح کیا پھر اپنے دونوں پاؤں کو تین تین بار دھویا پھر آپ نے اپنے ہاتھ میں ایک چلو پانی لیا اور اسے پیا۔ پھر فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے وضو کو دیکھے تو یہ آپ کا وضو ہے۔ اور ایک اور روایت میں یوں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پانی منگوایا پھر تین بار اپنی ہتھیلیوں کو دھویا اور تین بار کلی کی' تین بار ناک میں پانی ڈالا' تین بار اپنا چہرہ دھویا اور تین بار اپنے ہاتھوں کو (کہنیوں سمیت) دھویا پھر اپنی ہتھیلی میں پانی لیا اور اپنے تالو پر ڈالا پھر فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے وضو کو دیکھے تو وہ اس وضو کو دیکھ لے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور روایت میں اس طرح کہ آپ نے وضو کرتے وقت اعضائے وضو کو تین تین بار دھویا اور فرمایا: یہ رسول اللہ ﷺ کا وضو ہے۔ حضرت عبداللہ بن محمد بن یعقوب جنہوں نے حضرت خالد بن علقمہ سے امام ابوحنیفہ کے واسطے سے یہ حدیث روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا اپنے سر پر تین بار مسح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ (ﷺ) نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر کے اگلے حصہ پر رکھے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو سر کے پچھلے حصے کی طرف (گدی تک) کھینچ کر لے گئے پھر وہاں سے سر کے اگلے حصے تک لے آئے اور آپ نے یہ عمل تین مرتبہ کیا اس لیے حقیقت میں یہ صرف ایک بار مسح ہے کیونکہ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے نہ تو اپنے ہاتھوں کو (ہر بار سر سے) الگ کیا اور نہ آپ نے تینوں مرتبہ نئے سرے سے پانی لیا سو یہ عمل تو اس شخص کے عمل کی طرح ہوا جو اپنی ہتھیلی میں پانی لے کر کبھی تو اسے اپنی کلائی کی طرف انگوٹھے کی جڑ تک لے جائے اور کبھی انگلیوں کی طرف واپس لے آئے۔

الدِّیْنِ وَھٰذَا مِنْ قِلَّۃِ الْوَرَعِ وَاتِّبَاعِ الْھَوٰی.

بخاری (۱۵۹) مسلم (۵۳۸) ابوداود (۱۰۶) ترمذی (٤٨) نسائی (٨٤) ابن ماجہ (٤١٣) طیالسی (٨١)

کیا تم غور سے نہیں دیکھتے کہ جو احادیث مبارکہ حضرت جارود بن زید' حضرت خارجہ بن مصعب اور حضرت اسد بن عمر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہیں ان سب میں یہی بیان کیا گیا ہے کہ سر کا مسح صرف ایک بار ہے اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اس (تین بار مسح والی روایت) کا وہی معنی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب کی ایک بڑی جماعت نے اسی لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے سر کا مسح تین بار کیا۔ حضرت عثمان' حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہم رضی اللہ عنہم انہیں میں سے ہیں۔

امام بیہقی نے فرمایا کہ حضرت عثمان کی تکرار مسح والی روایت غریب سند سے مروی ہے۔ نیز یہ روایت حفاظ حدیث کی روایات کے خلاف ہے اور اہل علم کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ پس تثلیث مسح کی روایت کا وہی معنی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے لہٰذا جس نے تثلیث مسح (تین بار مسح کرنے) کی روایت میں امام ابوحنیفہ کو غلطی پر قرار دیا ہے اس کو یقیناً وہم ہوا ہے اور وہ خود بہ طریق اولیٰ غلطی کا مرتکب ہوا ہے اور البتہ امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ نے اس حدیث مبارکہ کے اسناد میں تمام محدثین کے نزدیک فحش ترین غلطی کی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے اس حدیث کی روایت:

"عن مالك بن عرفطة عن عبد خير عن علي" سے بیان کی ہے سو انہوں نے اس حدیث کی سند میں دو ناموں میں تحریف کر کے دوسرے دو ناموں کے ساتھ تبدیل کر دیا چنانچہ انہوں نے خالد کی جگہ مالک اور علقمہ کی جگہ عرفطہ کہہ دیا اور اگر امام ابوحنیفہ سے یہ غلطی ہو جاتی تو مخالفین زبان طعن دراز کرتے ہوئے انہیں جہالت' قلت معرفت اور کم علمی کی طرف منسوب کر دیتے اور وہ انہیں دین اسلام سے خارج کر دیتے اور مخالفین کا یہ الزام تقویٰ کی کمی اور خواہش نفسانی کی اتباع کی وجہ سے ہوتا۔

حل لغات

"ذِرَاعَیْہِ" یہ ذراع کی تثنیہ ہے' اس کا معنی ہے: بازو۔ "اَلْیُمْنٰی" یہ "ید" اسم مؤنث کی صفت ہونے کی بنا پر مؤنث ہے' اس کا معنی ہے: دایاں۔ "اَکْفَا" یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال ہے' اس کا معنی ہے: انڈیلنا' جھکانا' الٹ کرنا۔ "مَلَاَ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی بھرنا ہے۔ "اَلْیُسْرٰی" کا معنی بایاں ہے۔ "اَلْمَرَافِقُ" یہ مرفق کی جمع ہے' جس کا معنی ہے: کہنی۔ "غَرَفَ" یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: چلو بھرنا۔ "سَرَّ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: خوش ہونا۔ "طُھُوْرٌ" طاء مضموم و مفتوح دونوں طرح پڑھنا جائز ہے' اس کا معنی ہے: وضو۔ "یَافُوْخٌ" اس کا معنی ہے: سر کا اگلا حصہ۔ "لَمْ یُبَایِنْ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل نفی جحد بلم معروف باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: جدا ہونا' الگ ہونا۔ "کُوْعٌ" بہ معنی کلائی ہے۔ "صَحَّفَ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعیل ہے' اس کا لغوی معنی ہے: پڑھنے میں یا لکھنے میں غلطی کرنا' تبدیل کرنا۔ محدثین کی اصطلاح میں سند حدیث میں راویوں کے نام تبدیل کر دینا۔

سر کا مسح صرف ایک بار مسنون ہے

سر کے مسح کے تکرار میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ تین بار سر کا مسح کرنا مستحب ہے جیسا کہ باقی اعضاء کو تین بار دھونا مستحب ہے اور امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام احمد بن حنبل اور اکثر فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ سر کا مسح ایک بار سے زیادہ نہ کیا

جائے اور احادیث صحیحہ میں صرف ایک بار مسح کرنے کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں مطلقاً مسح کرنے کا ذکر ہے۔ امام شافعی نے صحیح مسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عثمان نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے تین تین بار وضو کیا اور امام ابوداود نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین بار سر کا مسح کیا اور امام شافعی نے سر کے مسح کو باقی اعضاء کے تین بار دھونے پر قیاس کیا ہے اور جن احادیث میں ایک بار سر کے مسح کا ذکر ہے ان کو بیان جواز پر محمول کیا ہے۔

[شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۱۲۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ]

ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کا بیان کیا اور کہا کہ آپ ﷺ نے سر کا ایک بار مسح کیا ہے اور امام ترمذی نے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کا بیان کیا اور ایک بار سر کا مسح کیا اور کہا یہ نبی کریم ﷺ کا وضو ہے: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا وضو دیکھے وہ اس وضو کو دیکھ لے اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے' اسی طرح عبداللہ بن ابی اوفیٰ' حضرت ابن عباس' حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت ربیع نے کہا کہ آپ نے سر کا مسح ایک بار کیا ہے اور ان صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ کے وضو کی حکایت بیان کرنا دائمی عمل کی خبر دینا ہے اور دائمی عمل وہی ہوتا ہے جو افضل اور اکمل ہو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رات کو خلوت کے وقت رسول اللہ ﷺ کے وضو کی حکایت بیان کی ہے اور اس وقت میں افضل عمل ہی کیا جاتا ہے۔ نیز تیمم کے مسح میں تکرار نہیں ہے اور زخم پر پٹی کے مسح میں تکرار نہیں ہے اور مسح کی کسی نوع میں تکرار نہیں ہے تو پھر سر کے مسح میں بھی تکرار نہیں ہوگی اور تکرار مسح کے قائلین نے جو احادیث بیان کی ہیں ان میں سے کسی میں تکرار مسح کی تصریح نہیں ہے۔

امام ابوداود نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تمام صحیح روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ سر کا مسح ایک بار ہے کیونکہ انہوں نے اعضائے وضو کو تین تین بار دھونے کا ذکر کیا ہے اور ان احادیث میں یہ مذکور ہے کہ انہوں نے سر کا مسح کیا اور اس کے عدد کا ذکر نہیں کیا جیسے باقی اعضائے وضوء کے دھونے میں عدد کا ذکر کیا ہے اور جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے سر کا تین بار مسح کیا ہے اس کو یحییٰ بن آدم نے روایت کیا ہے اور اس کی وکیع نے مخالفت کی ہے' اس نے کہا: فقط تین بار وضو کیا اور حضرت عثمان سے صحیح روایت یہ ہے کہ انہوں نے تین تین بار اعضائے وضو کو دھویا اور سر کا مسح کیا اور اس کے عدد کا ذکر نہیں کیا۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اسی طرح روایت کیا ہے اور امام ابوداود نے کہا: یہی صحیح ہے۔ ہم نے جو احادیث بیان کی ہیں وہ صحاح کی روایات ہیں' اس سے لازم آیا کہ اس کی مخالف روایت ضعیف ہے اور جن احادیث میں یہ ذکر ہے نبی کریم ﷺ نے تین تین بار وضو کیا اس سے مسح کے ماسوا دیگر اعضاء مراد ہیں کیونکہ اس حدیث کے راوی جب مسح کا الگ ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ نے سر کا مسح ایک بار کیا ہے اور تفصیل اجمال کی حاکم اور تفسیر ہوتی ہے اور اجمال تفصیل کا معارض نہیں ہوتا جس طرح خاص عام کا معارض نہیں ہوتا اور امام شافعی کا سر کے مسح کو وضو کے باقی اعضاء پر قیاس کرنا تیمم سے منقوض ہے یعنی ہم اس کے مقابلہ میں سر کے مسح کو تیمم پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح تیمم کے مسح میں تکرار نہیں ہے اسی طرح سر کے مسح میں بھی تکرار نہیں ہے اور ایک مسح کو دوسرے مسح پر قیاس کرنا مسح کو دھونے پر قیاس کرنے کی بہ نسبت زیادہ قوی ہے۔ نیز جب سر پر تین بار مسح کیا جائے گا تو پھر وہ مسح نہیں رہے گا بلکہ وہ دھونے کے مترادف ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سر پر ایک بار مسح بیان جواز کے لیے کیا ہو اور تین بار مسح افضل عمل کے بیان کے لیے کیا ہو' اس طرح ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان اور دیگر راویوں نے ایک بار مسح کر کے یہ کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا وضو ہے اور یہ قول اس

پر دلالت کرتا ہے کہ آپ دائماً اسی طرح وضو کرتے تھے۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کا طریقہ اس لیے بیان کیا کہ سائلین اور حاضرین کو رسول اللہ ﷺ کے دائمی وضو کا طریقہ اور کیفیت معلوم ہو جائے۔ اگر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی اور طریقہ سے وضو کرتے ہوئے دیکھا ہوتا تو مطلقاً یہ نہ کہتے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا وضو ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شقیق بن سلمہ کی روایت میں جو تین بار سر کے مسح کا ذکر ہے وہ راوی کی خطا ہے کیونکہ جب تمام راوی ایک شخص سے ایک ہی حدیث کی روایت کریں اور تمام راوی ایک صفت کو بیان کریں اور ایک راوی اس کی مخالف صفت کو بیان کرے تو اس ایک راوی پر خطا اور غلط کا حکم لگایا جائے گا خواہ وہ ثقہ اور حافظ ہو اور جب اس کی ثقاہت اور حافظہ معروف نہ ہو تو پھر اس کی روایت میں خطا کا واقع ہونا زیادہ یقینی ہوگا۔

[شرح مسلم ج ۱ ص ۸۷۰-۸۶۸ بحوالہ المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۴۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ]

۱۰- بَابُ الْوُضُوْءِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا — وضو کے اعضاء کو تین تین بار دھونے کا بیان

۵۱- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلٰی عُثْمَانَ اَنَّ عُثْمَانَ تَوَضَّأَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا وَقَالَ ھٰکَذَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَوَضَّأُ۔

حضرت عثمان کے غلام حضرت حمران (بن ابان) روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کرتے وقت اعضائے وضو کو تین تین بار دھویا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

بخاری(۱۵۹) مسلم(۵۳۸) ابوداؤد(۱۰۶) ترمذی(۴۸) نسائی(۸۴) ابن ماجہ(۴۱۳) طیالسی(۸۱)

کامل وضو کے ساتھ سنۃ الوضوء دوگانہ نفل پڑھنے کا فائدہ

بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، احمد بن حنبل، ابن حبان اور دار قطنی (ان سب محدثین) نے حضرت حمران سے روایت کو (تفصیل کے ساتھ) بیان کیا ہے کہ حضرت حمران نے کہا: میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے، چنانچہ حضرت عثمان نے سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈال کر ان کو (کلائیوں سمیت) دھویا، پھر تین بار کلی کی، تین بار ناک میں پانی ڈالا، پھر تین بار اپنے چہرے کو دھویا، پھر اپنے دائیں ہاتھ کو کہنی سمیت تین بار دھویا، پھر اپنے بائیں ہاتھ کو تین بار اسی طرح دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنے دائیں پاؤں کو تین بار، پھر اپنے بائیں پاؤں کو تین بار دھویا، پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اس وضو کی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری طرح وضو کرے، پھر دو رکعت نماز (تحیۃ الوضو) پڑھے کہ ان میں اپنے دل سے کوئی اور بات ہرگز نہ کرے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۱۵۴-۱۵۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ الفصل الاول ص ۳۹ مطبوعہ اصح المطابع دہلی]

اور امام ابونعیم نے المعرفۃ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت حمران سے بیان کیا کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا کہ آپ نے پانی طلب کیا اور وضو کیا، پھر جب وضو سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح وضو کیا جس طرح میں نے وضو کیا ہے، پھر آپ نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں کیوں مسکرایا؟ ہم نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: بے شک نیک بندہ جب وضو کرتا ہے اور اپنا وضو خوب مکمل کرتا ہے، پھر وہ نماز شروع کرتا ہے اور اسے خوب مکمل ادا کرتا ہے تو وہ گناہوں سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح وہ اپنی ماں کے پیٹ سے (گناہوں سے پاک) نکلا تھا۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۱۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

۱۱- بَابُ الْوُضُوْءِ مَرَّۃً مَرَّۃً — وضو کے اعضاء کو ایک ایک بار دھونا

۵۲- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَۃَ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّۃً مَرَّۃً۔

امام ابوحنیفہ، حضرت علقمہ بن مرثد سے وہ حضرت ابن بریدہ وہ اپنے والد (حضرت بریدہ) سے روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ وضو کرتے وقت اپنے اعضاء کو ایک ایک بار دھویا۔

بخاری(۱۵۷) ابوداؤد(۱۲۸) ترمذی(۴۶) نسائی(۸۰) ابن ماجہ(۴۱۱) طیالسی(۱۹۳۴) طحاوی(۱۱۷)

اعضاء وضو کو ایک بار دھونا فرض ہے

یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وضو میں اپنے اعضائے وضو کو ایک ایک بار دھویا اور ایک بار اپنے سر کا مسح کیا اور یہ عمل اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اعضائے وضو کو ایک ایک بار دھونا واجب اور لازم ہے جس کے بغیر وضو جائز نہیں اور تین تین بار دھونا سنت ہے اور امام شافعی کے علاوہ جمہور کے نزدیک سر کا مسح صرف ایک بار کیا جائے گا۔

اور امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اعضائے وضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا تو یہ وضو کا وہ عمل ہے جو لازم و ضروری ہے اور جس شخص نے دو دو بار دھویا اس کے لیے دگنا ثواب ہے اور جس نے تین تین بار دھویا تو یہ (میرا) اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کا وضو ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۷۵-۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

۱۲- بَابُ التَّوْکِیْدِ فِیْ غُسْلِ الْاَعْقَابِ — ایڑیوں کے دھونے کی تاکید

۵۳- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیْلٌ لِّلْعَرَاقِیْبِ مِنَ النَّارِ۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایڑیوں کے لیے دوزخ کی آگ میں ہلاکت ہے۔

بخاری(۱۶۵) مسلم(۵۶۶) ترمذی(۴۱) نسائی(۱۱۰) ابن ماجہ(۴۵۴) طحاوی(۱۷۸)

حل لغات

"وَیْلٌ" اس کا معنی ہے: بہت سخت مصیبت، شر و برائی کا نزول، ہلاکت و تباہی اور دوزخ کی ایک وادی کا نام۔ "اَلْعَرَاقِیْبُ" یہ عرقوب کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: ایڑیاں اور عرقوب کے دیگر معانی یہ ہیں، کونچ جیسے کہا جاتا ہے: "عرقب الرجل الدابۃ" ایک آدمی نے جانور کی کونچیں کاٹ دیں، ایڑی کے اوپر کا پٹھا، وادی کا موڑ، پہاڑی راہ، حیلہ اور ایک شخص کا نام ہے جو جھوٹ بولنے اور وعدہ خلافی کرنے میں مشہور تھا۔

وضو کے اعضاء میں ایڑیاں خشک رہ جانے پر عذاب کی وعید

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف واپس آ رہے تھے کہ ہم اسی راہ میں پانی کے ایک چشمے پر پہنچے تو ایک قوم نے عصر کے وقت (کی تنگی کے پیش نظر) جلدی کی اور انہوں نے وضو کرنے میں جلد بازی کی، سو جب ہم ان کے پاس چشمے پر وضو کرنے گئے تو دیکھا کہ ان کی ایڑیاں خشک رہ جانے کی وجہ سے چمک رہی تھیں جنہیں پانی نہیں لگا تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ.

(رواہ مسلم)

یعنی خشک رہ جانے والی ایڑیوں کے لیے دوزخ کی آگ کا سخت عذاب ہے' وضو پورا کرو۔

[مشکوۃ المصابیح باب سنن الوضوء الفصل الاول ص ۴۶' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

''ویل'' کا معنی سخت عذاب اور ہلاکت بھی ہے اور دوزخ میں ایک وادی کا نام بھی ہے اور ایڑیوں کے لیے دوزخ کے عذاب کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ وضو میں یہی عضو عموماً نہیں دھلتا اور خشک رہ جاتا ہے اور اس حدیث مبارکہ سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے لیکن بعض علماء نے کہا کہ اس سے صاحب عقب ایڑی والا آدمی مراد ہے یعنی ایڑیاں خشک رکھنے والے آدمی کو دوزخ کی آگ کا سخت عذاب ہوگا اور مضاف محذوف ہے کیونکہ آدمی وضو میں پاؤں کے دھونے میں کوتاہی کرتے ہیں اور اس حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ وضو پورا کیا کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وضو کے اعضاء میں سے کسی عضو کا کوئی جزو خشک نہ رہے کیونکہ دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ اگر ناخن کے سر کے برابر کوئی جگہ خشک رہ گئی تو وضوء صحیح نہیں ہوگا یعنی وضو کے فرائض اور سنن کو پوری طرح ادا کر دیا اس کے واجبات کو مکمل ادا کرو کہ تمام اعضائے وضو تک پانی پہنچا کر خوب دھولو اور بعض علماء نے کہا کہ اسلام اور اس کے احکام کا نیا دور تھا' مسلمان پاؤں کے دھونے میں سستی کرتے تھے کیونکہ انہیں ابھی تک احکام شرع معلوم نہیں تھے۔ ابن الملک نے اسی طرح ذکر کیا ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ اس حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جلد بازی کی وجہ سے ایڑیاں خشک رہ گئیں اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے اور مسح کافی نہیں ہے کیونکہ اس کے ترک پر وعید فرمائی اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہی منقول اور ثابت ہے اور امام نووی نے کہا کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ پاؤں کا دھونا واجب ہے اور پاؤں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اور تمام اعصار و امصار کے جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں اور اس کے خلاف کسی سے کوئی ایسا اختلاف ثابت نہیں ہے جو اجماع میں معتبر ہو' نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضوء کا طریقہ بیان کرنے والے صحابہ کرام حضرت علی' عثمان' عبداللہ بن زید' انس بن مالک' ابوہریرہ' جابر بن عبداللہ اور عبداللہ ابن عمر اور ان کے علاوہ دیگر حضرات رضی اللہ عنہم اس پر متفق ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کرتے وقت اپنے پاؤں مبارک دھویا کرتے تھے' البتہ موزوں کو پہننے کے بعد ان پر مسح کر لیتے تھے لیکن پاؤں پر کبھی مسح نہیں کیا۔

[ماخوذ از اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۲۰۔۲۱۹' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر' مرقات المفاتیح ج ۲ ص ۱۶۔۱۵' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

اس حدیث مبارکہ سے تین مسئلے ثابت ہوئے' ایک یہ کہ جب موزے نہ پہنے ہوں تو وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے مسح جائز نہیں ہے اسی پر تمام صحابہ کرام' اہل بیت اطہار اور ساری امت کا اجماع ہے۔ حضرت علی ہمیشہ پاؤں دھویا ہی کرتے تھے جیسا کہ خود شیعوں کی کتب سے بھی ثابت ہے' دوسرا یہ کہ مغسولہ اعضاء کو مکمل دھونا فرض ہے حتیٰ کہ وضو میں انگوٹھی کے نیچے اور غسل میں بالیوں اور بلاک کے سوراخوں میں پانی پہنچانا فرض ہے اور تیسرا یہ کہ گناہ صغیرہ پر بھی سخت عذاب ہو سکتا ہے۔

[مرآۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۸۶' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

۱۳- بَابُ نَضَحِ الْمَاءِ عَلٰى مَوْضِعِ الْفَرَجِ

شرمگاہ کی جگہ پر پانی چھڑکنا

۵۴- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنْ مُّجَاهِدٍ عَنْ رَّجُلٍ مِّنْ ثَقِيْفٍ يُقَالُ لَهُ الْحَكَمُ اَوِ ابْنُ الْحَكَمِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ تَوَضَّاَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت مجاہد قبیلہ ثقیف کے ایک آدمی سے جسے حکم یا ابن الحکم کہا جاتا ہے' نے اپنے والد سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا اور بعد ازاں ایک چلو میں پانی لیا اور اپنی مردانہ طہارت گاہ پر چھڑک

وَاَخَذَ حُفْنَةً مِّنْ مَّاءٍ فَنَضَحَهٗ فِيْ مَوَاضِعِ طُهُوْرِهٖ.

دیا۔

ابوداؤد (۱۶۶) ترمذی (۵۰) نسائی (۱۲۴) ابن ماجہ (۴۶۱) بذل المجہود ج ۱ ص ۱۰۱

حل لغات

''حُفْنَةٌ'' چلو بھرنا' لپ بھرنا' لپ کی مقدار لینا۔ ''نَضَحَ'' یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: چھڑکنا' تر کرنا۔ ''مَوَاضِعَ'' موضع کی جمع ہے' یہ ظرف مکان ہے' اس کا معنی ہے: جگہ۔ ''طُهُوْرٌ'' اس کا معنی ہے: پاک کرنا' صاف کرنا۔ مواضع طہور سے طہارت گاہیں اور شرمگاہیں مراد ہیں۔

رومالی پر پانی چھڑکنے کی حکمت

انسان طبعاً کمزور پیدا ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ○ (سورۃ النساء' آیت: ۲۸) اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے ○

سو یہی وجہ ہے کہ انسان شیطانی اثرات کو جلد قبول کر لیتا ہے جس کی بنا پر شکوک وشبہات اور وساوس و اوہام کا شکار ہو جاتا ہے خصوصاً دینی عبادات میں جب کوئی آدمی شک وشبہ اور وسوسہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو مشکلات میں پڑ جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ وہ اس سے کیسے عہدہ برا ہو اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مسئلہ کے حل کی تعلیم دے کر ہماری مشکلات کو حل فرما دیا۔ جیسے نماز کے دوران فرض یا واجب میں تاخیر ہو جائے یا واجب ترک ہو جائے یا واجب مکرر ادا ہو جائے یا نماز کے فرائض اور واجبات میں تقدیم و تاخیر ہو جائے تو سجدہ سہو سے تکمیل نماز کی تعلیم دی اور حج کے دوران کوئی تقصیر ہو جائے تو صدقہ یا دم دینے سے اس کی کمی پوری کرنے کی تعلیم دی غرضیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری سہولت اور آسانی کے لیے دینی مسائل میں عملی تعلیم دے کر بھی اپنا اسوۂ حسنہ عنایت فرما دیا ہے' چنانچہ ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان وضوء کر لے اور اس کے بعد اسے محسوس ہو کہ اس کی شرمگاہ کا کپڑا گیلا ہو چکا ہے جس کی بنا پر وہ شک وشبہ میں پڑ جائے اور اسے یہ وسوسہ لاحق ہو جائے کہ نہ معلوم یہ پیشاب کے قطرے کی وجہ سے گیلا ہو گیا ہے یا استنجا کے پانی کی وجہ سے گیلا ہوا ہے اور یہ صورتحال ایک ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار پیش آ سکتی ہے تو اگر ہر بار دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھے تو پھر بار بار وضو کرنا اور نماز پڑھنا مشکل ہو جائے گا۔ اس لیے رحمۃ للعالمین علیہ التحیۃ والتسلیم نے ہماری آسانی کے لیے اپنی رومالی پر پانی چھڑک کر ہمیں عملی تعلیم دی ہے کہ ہم وضو کے بعد اپنی شرمگاہ پر یا اس کے متصل کپڑے پر پانی چھڑک دیا کریں کیونکہ پانی قابض بول ہونے کی بنا پر خصوصاً ٹھنڈا پانی پیشاب کے قطرات کو جامد کر دیتا ہے۔ نیز اس کے بعد اگر آدمی کپڑے پر تری محسوس کرے گا تو اسے یہ یقین ہوگا کہ یہ تری پانی کے چھڑکاؤ کی وجہ سے ہے' اس طرح شیطانی وسوسوں اور شکوک وشبہات سے محفوظ رہے گا ورنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی رومالی پر پانی چھڑکنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ آپ تو معصوم ہیں' شیطانی وسوسے آپ کو کیوں کر لاحق ہو سکتے ہیں؟ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ حدیث میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اِذَا تَوَضَّاْتَ فَانْتَضِحْ. جب تم وضو کر لو تو چھینٹا دے لو۔

(ترمذی' باب فی النضح بعد الوضوء ج ۱ ص ۹' مطبوعہ امین کمپنی' دہلی)

بلکہ فرماتے ہیں:

(ترجمہ) دس باتیں قدیم سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہیں (۱) لبیں کترنا (۲) داڑھی بڑھانا (۳) مسواک کرنا (۴) وضوء اور غسل میں ناک میں پانی چڑھانا (۵) ناخن تراشنا (۶) انگلیوں کے جوڑ (یعنی جہاں جہاں میل جمع ہونے کا محل ہے

اسے) دھونا (۷) بغلوں کے بال صاف کرنا (۸) زیر ناف بالوں کو مونڈنا (۹) شرمگاہ پر پانی ڈالنا۔ راوی نے کہا: دسویں چیز میں بھول گیا ہوں شاید (۱۰) کلی کرنا ہو۔ احمد' مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے اسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا۔ [صحیح مسلم' باب خصال الفطرۃ' ج ۱ ص ۱۲۹' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی] اس سے ظاہر ہوا کہ یہ چھینٹا خاص اہل وسوسہ ہی کے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے سنت ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے وسوسہ کا کیا تعلق کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ۔ بے شک میرے (خاص) بندوں پر تیرا غلبہ اور تسلط نہیں ہو سکتا۔

(سورۃ الحجر' آیت ۴۲)

ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ حکم بن سفیان یا سفیان بن حکم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں (ترجمہ) کہ رسول اللہ ﷺ جب بول (پیشاب) کرتے تو (بعد ازاں) وضو کرتے اور شرمگاہ پر چھینٹا دیتے۔ [سنن ابوداؤد' باب الانتضاح' ج ۱ ص ۲۲' مطبوعہ مجتبائی' لاہور]

ابن ماجہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے وضو کر کے ستر پر چھینٹا دیا۔ احمد' ابن ماجہ' دارقطنی' حاکم اور حارث بن ابی اسامہ' حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے وہ اپنے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

(ترجمہ) جب جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھ پر پہلی وحی لے کر حاضر ہوئے تو مجھے وضو اور نماز کی تعلیم دی اور حضرت جبریل نے خود وضو کر کے دکھایا' جب وضو کر چکے تو ایک چلو پانی لے کر اپنی صورت مثالیہ کے موضع شرمگاہ پر چھڑک دیا۔

[سنن دارقطنی' باب ماجاء فی النضح علی الفرج' ج ۱ ص ۱۱۱' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان شریف]

ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

جَاءَنِي جِبْرِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَضِحْ۔ جبریل نے میرے پاس حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! جب آپ وضو کریں تو چھینٹا دے لیا کریں۔

[سنن ترمذی' باب فی النضح بعد الوضوء' ج ۱ ص ۹' مطبوعہ امین کمپنی' دہلی]

حضرت جبریل کا اپنی صورت مثالیہ کے ستر پر پانی چھڑکنا نبی کریم ﷺ کے سامنے طریقہ وضو عرض کرنے کے لیے تھا اور نبی کریم ﷺ کا فعل تعلیم امت کے لیے تھا۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے: (ترجمہ) شرمگاہ کے قریب شلوار کے آسن پر تھوڑا سا پانی چھڑکنا امت کی تعلیم اور اس کے وسوسہ کو دفع کرنے کے لیے۔ [مرقات باب آداب الخلاء' ج ۱ ص ۳۶۲' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان] نیز اس میں اقویا کے لیے جن کو برودت مثانہ کا عارضہ نہ ہو ایک نفع اور بھی ہے کہ شرمگاہ پر سرد پانی پڑنے سے اس میں ضبط اور کنٹرول پیدا ہو کر قطرے موقوف ہو جاتے ہیں۔

امام محمد کتاب الآثار میں فرماتے ہیں:

(ترجمہ) امام اعظم حماد بن سلیمان سے وہ سعید بن جبیر سے وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب تم تری پاؤ تو شرمگاہ اور وہاں کے کپڑے پر چھینٹا دے لیا کرو' پھر شبہ گزرے تو خیال کرو کہ پانی کا اثر ہے۔ امام حماد نے فرمایا کہ ایسا ہی سعید بن جبیر نے مجھ سے فرمایا' امام محمد فرماتے ہیں: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں' جب آدمی کو شبہ زیادہ ہوا کرے تو یہی طریقہ برتے اور یہی قول امام اعظم کا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

[ماخوذ از فتاویٰ رضویہ مع تخریج ج ۲ ص ۵۷۷ ـ ۵۷۸' مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن' جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور]

١٤- بَابُ إِثْبَاتِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ — موزوں پر مسح کرنے کا ثبوت

٥٥- أَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ أَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ قَالَتْ إِئْتِ عَلِيًّا فَاسْأَلْهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شُرَيْحٌ فَأَتَيْتُ عَلِيًّا فَقَالَ لِي اِمْسَحْ۔

ابن ماجہ (۵۵۲) نسائی (۱۲۹) مسلم (۶۳۹) طحاوی (۵۱۲)

حضرت شریح روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہو جاؤ اور ان سے پوچھ لو کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر کرتے رہتے ہیں۔ حضرت شریح نے کہا کہ میں حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم موزوں پر مسح کیا کرو۔

حل لغات

''اَمْسَحُ'' اس کو دو طرح سے پڑھا جاتا ہے ایک یہ کہ یہ صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہو اس صورت میں اس کا معنی ہوگا: میں موزوں پر مسح کر لوں' دوسرا یہ کہ ہمزہ استفہامیہ قرار دیا جائے اور مسح کو اسم مصدر قرار دے کر میم مفتوح' سین ساکن اور حاء کو منون پڑھا جائے' اب اس کا معنی ہوگا: کیا موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے' اس صورت میں ''عَلَى الْخُفَّيْنِ'' ثابت محذوف کے متعلق ہوگا۔ ''اِئْتِ'' صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف حاضر باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: آنا' حاضر ہونا۔ ''فَاسْئَلْهُ'' میں ''اِسْئَلْ'' صیغہ واحد مذکر فعل امر حاضر معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: سوال کرنا' دریافت کرنا۔ ''يُسَافِرُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب مفاعلہ بہ معنی سفر کرنا۔ ''اِمْسَحْ'' صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ بہ معنی مسح کرنا۔

موزوں پر مسح کرنے کی تحقیق

معلوم ہونا چاہیے کہ موزوں پر مسح کرنا سنت اور احادیث و آثار مشہورہ سے ثابت ہے اور جو شخص اس کے جواز کا عقیدہ نہیں رکھتا وہ بدعتی اور گمراہ ہے اور بعض حفاظ حدیث نے تصریح کی ہے کہ موزوں پر مسح کرنا معناً متواتر احادیث سے ثابت ہے اور محدثین نے موزوں پر مسح والی احادیث کے راویوں کو شمار کیا تو اسی سے زیادہ صحابہ کرام نکلے جن میں عشرہ مبشرہ صحابہ بھی شامل ہیں جبکہ ملا علی قاری نے احادیث مسح کے راویوں کو دو سو تک بیان کیا ہے اور علامہ ابن عبدالبر نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ علمائے سلف میں سے کسی نے موزوں پر مسح کرنے کا انکار کیا ہو' مواہب اللدنیہ میں اسی طرح ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ستر صحابہ کرام علیہم الرضوان کو پایا ہے جو سب کے سب موزوں پر مسح کرنے کے جواز کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ امام ابوالحسن کرخی فرماتے ہیں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی موزوں پر مسح کا انکار کر کے کافر نہ ہو جائے کیونکہ اس کے بارے میں احادیث و آثار حد تواتر تک پہنچ چکے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں موزوں پر مسح کرنے کا اس وقت تک قائل نہیں ہوا جب تک آثار صحابہ مجھ پر سورج کی روشنی کی طرح بالکل عیاں اور واضح نہیں ہو گئے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اہل السنۃ والجماعۃ کی علامات کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: شیخین (ابوبکر و عمر) سے محبت کرنا اور ختنین (عثمان و علی) پر زبان طعن دراز نہ کرنا اور موزوں پر مسح کرنا۔ ملا علی قاری کہتے ہیں: ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ موزوں پر مسح کرنا قرآن مجید سے بھی ثابت ہے کہ آیت وضو میں ''اَرْجُلَكُمْ'' میں نصب کی قراءت کی بنا پر برہنہ پاؤں کی صورت میں دھونے پر محمول کیا جائے اور جر کی قراءت کی بنا پر موزوں پر مسح کرنے پر محمول کیا جائے اور ان دونوں کو نبی کریم

ﷺ نے بیان فرمایا ہے' پھر بعض فقہاء نے فرمایا کہ موزوں پر مسح کرنا اس امت محمد یہ علیہ التحیۃ والثناء کے خصائص میں سے ہے۔

[اشعۃ اللمعات ج ا ص ۲۵۷' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر' مرقات المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ج ۲ ص ۷۸۔ ۷۷' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان شریف]

امام بیہقی نے کہا: حضرت علی' حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے اس کی کراہت منقول ہے۔

حضرت علی کی روایت کا جواب یہ ہے کہ سند صحیح کے ساتھ حضرت علی سے موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے اور کراہت کی روایت اس درجہ کی نہیں ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ کو حضرت علی کے حوالے کر دیا تھا اور حضرت ابن عباس نے اس وقت مکروہ کہا جب ان کے نزدیک سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد موزوں پر مسح ثابت نہیں ہوا تھا اور جب یہ ثابت ہو گیا تو انہوں نے اس کی طرف رجوع کر لیا۔ امام جوزقانی نے کتاب الموضوعات میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انکار کرنا ثابت نہیں ہے اور علامہ کاشانی نے کہا: حضرت ابن عباس کے انکار کی روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا مدار حضرت عکرمہ پر ہے اور جب حضرت عطاء کے پاس یہ روایت پہنچی تو انہوں نے کہا: عکرمہ نے جھوٹ بولا اور حضرت عطاء سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس موزوں پر مسح میں لوگوں کی مخالفت کرتے تھے اور موت سے پہلے انہوں نے اس مسئلہ میں رجوع کر لیا۔ علامہ ابن قدامہ نے مغنی میں لکھا ہے کہ امام احمد نے فرمایا: موزوں پر مسح کے متعلق میرے دل میں کوئی تردد نہیں ہے کیونکہ اس مسئلہ میں چالیس صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی مرفوع احادیث بیان کی ہیں' نیز امام احمد نے فرمایا: پیر دھونے سے موزوں پر مسح کرنا افضل و بہتر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب افضل و بہتر پر عمل کیا کرتے تھے۔ یہ امام شعبی' حکم اور اسحاق کا مذہب ہے۔

[شرح مسلم ج ا ص ۹۴۸' مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار' لاہور]

۵۶- **اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ وَمَسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ وَصَلّٰی خَمْسَ صَلَوَاتٍ.**

حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء فرمایا اور دونوں موزوں پر مسح فرمایا اور اسی ایک وضوء سے پانچ نمازیں ادا فرمائیں۔

حل لغات

"خَمْسَ صَلَوَاتٍ" اس میں خمس کا معنی ہے: پانچ اور "صلوات" "صلوٰۃ" کی جمع ہے' یہاں صلوٰۃ کا معنی ہے: نماز۔

موزوں پر مسح کرنے یا اتار کر پاؤں دھونے میں اختلاف کا بیان

مسح کا معنی ہے: پانی سے تر ہاتھوں کو کسی عضو پر چھوتے ہوئے پھیر لینا اور موزوں پر مسح کرنے کا یہ معنی ہے کہ ہاتھوں کو پانی سے تر کر کے پاؤں کی انگلیوں کی جانب سے موزوں کے اوپر رکھ کر چھوتے ہوئے پنڈلیوں کی طرف کھینچ کر لے جانا اور یہ بھی یاد رہے کہ خفین کا لفظ چمڑے کے موزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عام جرابوں کے لیے ہرگز استعمال نہیں ہوتا اور احادیث مبارکہ میں بھی چمڑے کے موزے مراد ہیں' البتہ چمڑے کی طرح اتنی موٹی اور مضبوط جرابیں جن میں پانی سرایت نہ کر سکے اور جوتے کے بغیر پہن کر چلنے سے نہ پھٹ جائیں تو ایسی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے لیکن آج کل کی عام مروجہ جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں اور یہ جان لینا چاہیے کہ موزوں پر مسح کرنا رخصت ہے اور عزیمت پاؤں کو دھونا ہے اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ جو شخص موزوں پر مسح کرنے کو ناجائز کہتا ہو وہ بدعتی اور گمراہ ہے لیکن جو شخص موزوں پر مسح کرنے کو جائز سمجھتا ہو اور عزیمت کی نیت سے مسح کی بجائے پاؤں دھو لیتا ہے تو اسے اس عمل پر اجر و ثواب ملے گا اور مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ موزوں پر مسح کرنا بہتر ہے یا موزے اتار کر

پاؤں دھونا بہتر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ بدعتی فرقے روافض اور خوارج کی تردید کی نیت سے موزوں پر مسح کرنا بہتر ہے کیونکہ یہ فرقے مسح پر زبان طعن دراز کرتے ہیں اور امام احمد بن حنبل کے مذہب میں یہی مختار ہے اور امام نووی کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ مسح کی بجائے پاؤں کو دھو لینا بہتر و افضل ہے کیونکہ پاؤں کا دھونا اصل ہے مسح اس کا نائب ہے اور امام احمد کی ایک روایت میں دونوں برابر ہیں کیونکہ دونوں کے بارے میں شریعت وارد ہو چکی ہے۔ صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کسی جانب میں تکلف نہیں فرماتے تھے نہ مسح میں اور نہ پاؤں دھونے میں' چنانچہ اگر آپ موزے پہنے ہوئے ہوتے تو ان پر مسح کر لیتے اور انہیں اتار کر پاؤں کو دھونے کا تکلف نہ فرماتے اور اگر برہنہ پا ہوتے تو انہیں دھو لیتے لیکن موزہ پہن کر مسح کا تکلف نہ فرماتے۔ [اشعۃ اللمعات ج ا ص ۲۵۸۔ ۲۵۷' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

۵۷- **اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ صَلّٰی خَمْسَ صَلَوَاتٍ بِوُضُوْءٍ وَّاحِدٍ وَّمَسَحَ عَلٰی خُفَّیْهِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ مَا رَاَیْنَاكَ صَنَعْتَ هٰذَا قَبْلَ الْیَوْمِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَمْدًا صَنَعْتُهٗ یَا عُمَرُ.**

امام ابوحنیفہ حضرت علقمہ سے وہ حضرت ابن بریدہ سے وہ اپنے والد (حضرت بریدہ) سے روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن پانچ نمازیں ایک وضوء سے ادا فرمائیں اور موزوں پر مسح کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم نے آج سے پہلے تو آپ کو ایسا کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! میں نے ایسا جان بوجھ کر کیا ہے۔

مسلم (٦٤٢) ابوداؤد (۱۷۲) ترمذی (٦١) نسائی (۱۳۳)

حل لغات

"مَا رَاَیْنَاكَ" اس میں حرف مانفی کے لیے ہے اور "رَاَیْنَا" صیغہ جمع متکلم فعل ماضی معروف منفی باب فَتَحَ یَفْتَحُ ہے' یہ "رُؤْیَةٌ" سے ماخوذ ہے' جس کا معنی دیکھنا ہے اور "كَ" ضمیر واحد مذکر حاضر مفعول بہ ہے۔ "عَمْدًا" کا معنی ہے: جان بوجھ کر' قصد و ارادہ اور یہ مفعول مقدم ہے۔ "صَنَعْتُهٗ" میں "صَنَعْتُ" صیغہ واحد متکلم مثبت فعل ماضی معروف باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے' جبکہ اس سے پہلے صنعت واحد مذکر حاضر مثبت فعل ماضی معروف باب مذکور سے ہے' بہ معنی کام کرنا ہے اور آخر میں "ہ" ضمیر مفعول بہ ہے اور "یا عمر" میں حرف "یا" ندا کے لیے ہے جو قریب و بعید منادیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور عمر منادیٰ قریب ہے۔

ایک وضوء سے کئی نمازیں پڑھنے کا جواز

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تعجب کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خلاف عادت فتح مکہ کے دن پانچوں نمازیں ایک وضو کے ساتھ ادا فرمائیں کیونکہ آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ ہر نماز کے لیے نیا وضو کیا کرتے تھے اور یہ طریقہ کار یا تو قرآن مجید کے ظاہر پر عمل کرنے کے لیے تھا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ ؕ

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونا چاہو تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا کرو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت دھویا کرو۔

(المائدۃ:٦)

مگر جمہور علمائے دین "وَاَنْتُمْ مُحْدِثُوْنَ" کی تقدیر کی بنا پر بے وضو ہونا مراد لیتے ہیں یعنی جب نماز پڑھنا چاہو اور تم اس وقت

بے وضو ہو تو پھر وضو کرو اور یہ امر وجوب کے لیے ہے اور یا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام استحباب پر عمل کرنے کے لیے ہر نماز کے لیے نیا وضو کیا کرتے تھے اور بعض علماء کے نزدیک نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے خصوصی طور پر ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا فرض تھا' پھر منسوخ ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تعجب کی دوسری وجہ یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن خلاف عادت موزوں پر مسح کیا کیونکہ اگرچہ فتح مکہ سے پہلے موزوں پر مسح کرنا جائز ہو چکا تھا لیکن آپ کی غالب عادت مبارک وضو میں پاؤں کو دھونے کی تھی اس لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے عمر! میں نے ایسا جان بوجھ کر کیا ہے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا واجب اور لازم نہیں ہے اور سب پر واضح ہو جائے کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۴۷ ۳۔ ۳۷ ۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

۵۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْكَرِيْمِ اَبِیْ اُمَيَّةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنِیْ مَنْ سَمِعَ جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ بَعْدَ مَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ.

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سورۂ مائدہ کے نازل ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

بخاری (۳۸۷) مسلم (٦٢٢) ابوداؤد (١٥٤) ترمذی (۹۳) نسائی (١١٨) ابن ماجہ (٥٤٣)

حدیث منقطع کے مقبول ہونے کا ذکر

یہ حدیث منقطع ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت جریر بن عبد اللہ کے درمیان ایک راوی ساقط ہو گیا ہے اور وہ غالباً حضرت ہمام بن حارث ہیں جیسا کہ آئندہ آنے والی اگلی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے اور یہ حدیث مبارکہ احناف کے نزدیک مقبول ہے کیونکہ جب ساقط سے روایت کرنے والا راوی عادل وثقہ ہو تو اس کی روایت مقبول ہوتی ہے اور یہاں حضرت ابراہیم نخعی عادل وثقہ اور فقیہ راوی ہیں اس لیے ان کی یہ روایت بھی مقبول ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ شرح مسند امام اعظم میں ملا علی قاری سے تسامح ہوا ہے کہ انہوں نے جریر بن عبد اللہ کی بجائے جریر بن عبد الملک لکھ دیا (ممکن ہے کہ کتابت و طباعت کی غلطی ہو واللہ اعلم بالصواب) اور کہا ہے کہ یہ تابعی ہیں کیونکہ علامہ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں تراجم صحابہ میں ان کا ذکر نہیں کیا اور انہوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے' بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ تابعی (جس نے صرف صحابی کو دیکھا ہے وہ) کہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے' لہٰذا یہاں یہ حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی صحابی مراد ہیں جیسا کہ جامع المسانید اور مسند الحسنین بن محمد بن خسر بلخی اور ان کے علاوہ مسانید الامام میں تصریح کی گئی ہے۔

[ماخوذ مع تقدیم وتاخیر از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۳۳' حاشیہ ۹' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۵۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّهٗ رَاٰى جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ تَوَضَّاَ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ فَسَاَلَهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنِّیْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُهٗ وَاِنَّمَا صَحِبْتُهٗ بَعْدَ مَا نَزَلَتِ الْمَائِدَةُ.

حضرت ہمام بن حارث روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا تو حضرت ہمام نے ان سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں پوچھا تو حضرت جریر نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ط کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور بے شک میں نے شرف صحابیت سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد حاصل کیا ہے۔

بخاری (۳۸۷) مسلم (٦٢٢) ابوداؤد (١٥٤) ترمذی (۹۳)

نسائی (١١٨) ابن ماجہ (٥٤٣)

موزوں پر مسح کرنا منسوخ نہیں بلکہ سنت جاریہ ہے

ابن ماجہ نے از ابراہیم از ہمام بن حارث روایت کیا ہے کہ حضرت ہمام نے فرمایا کہ حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی نے پیشاب کیا' پھر (استنجا کرنے کے بعد) وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا تو لوگوں نے کہا: تم یہ کیا کر رہے ہو؟ حضرت جریر بن عبد اللہ نے فرمایا: بھلا مجھے اس سے کون روک سکتا ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس حدیث پر اس لیے تعجب کیا تھا کہ حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لائے تھے۔

چنانچہ اس حدیث مبارکہ کو ابوداؤد' ابن خزیمہ اور حاکم نے از بکیر بن عامر از ابی زرعہ از عمرو بن جریر از جریر بن عبد اللہ بیان کیا ہے اور اس حدیث کے آخر میں حضرت جریر بن عبد اللہ نے فرمایا:

مَا اَسْلَمْتُ اِلَّا بَعْدَ نُزُوْلِ الْمَائِدَةِ. میں سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لایا ہوں۔

امام حاکم نے فرمایا: یہ اضافہ صحیح ہے اگرچہ بخاری اور مسلم نے یہ آخری الفاظ نقل نہیں کیے۔ امام ترمذی نے حضرت ہمام بن حارث سے یہ حدیث روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس باب میں یہ حدیث مبارکہ حضرت عمر' علی' حذیفہ' مغیرہ' بلال' سعد' ابوایوب' سلمان' بریدہ' عمرو بن امیہ' انس بن مالک' سہل بن سعد' یعلی بن مرہ' عبادہ بن صامت' اسامہ بن شریک' ابوامامہ' جابر اور اسامہ بن زید علیہم الرضوان سے مروی ہے۔ امام ترمذی نے کہا: حضرت جریر کی یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ حدیث مفسرہ ہے کیونکہ مسح خفین کے منکرین نے یہ تاویل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۂ مائدہ کے نزول سے پہلے موزوں پر مسح کیا تھا حالانکہ حضرت جریر بن عبد اللہ نے وضاحت سے ذکر فرما دیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو سورہ مائدہ کے نزول کے بعد موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۳۳' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی نے فرمایا: میں نبی کریم ﷺ کے وصال فرمانے سے چالیس روز پہلے اسلام لایا ہوں (جبکہ سورہ مائدہ اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی) اور حضرت جریر نے اسلام قبول کرنے کے بعد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا' لہٰذا سورۂ مائدہ کی آیت وضو اس کی ناسخ نہیں ہو سکتی بلکہ مسح کو موزے پہننے کی حالت پر محمول کیا جائے گا اور پاؤں کے دھونے کو موزے نہ پہننے کی حالت پر محمول کیا جائے گا' اس طرح دونوں قراءتوں پر عمل ہو جائے گا کیونکہ آیت مبارکہ میں اجمال ہے اور نبی کریم ﷺ کا فعل اس کی تفصیل ہے جس طرح آپ کے ارشادات احکام قرآن کی تفسیر وتوضیح اور ان کی تشریح کرتے ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ. (سورۃ النحل' آیت ۴۴)

اور (اے محبوب!) ہم نے آپ کی طرف یہ یادگار (کتاب) نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں سے وہ احکام بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کیے گئے ہیں۔

اور مسح خفین کی احادیث متواتر کے قریب ہیں بلکہ معنوی طور پر متواتر ہیں اور تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق واجماع ہے کہ سفر اور حضر دونوں صورتوں میں موزوں پر مسح کرنا جائز ہے ماسوا امام مالک کی ایک روایت کے جس میں انہوں نے فرمایا کہ سفر میں موزوں پر مسح کرنا جائز ہے لیکن حضر میں (گھر میں مقیم کے لئے) جائز نہیں ہے اور روافض (اہل تشیع) اور خوارج (بدعتی لوگ) اس کی

مخالفت کرتے ہیں۔[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۶۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ' بیروت]

۶۰- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ ابْنِ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِيِّ عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّهٗ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰی حَاجَتَهٗ ثُمَّ رَجَعَ وَ عَلَیْهِ جُبَّةٌ رُوْمِیَّةٌ ضَیِّقَةُ الْكُمَّیْنِ فَرَفَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ضِیْقِ كُمِّهَا قَالَ الْمُغِیْرَةُ فَجَعَلْتُ اَصُبُّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَاءِ مِنْ اِدَاوَةٍ مَّعِیْ فَتَوَضَّاَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ وَمَسَحَ عَلٰی خُفَّیْهِ وَلَمْ یَنْزِعْهُمَا ثُمَّ تَقَدَّمَ وَصَلّٰی.

حضرت مغیرہ بن شعبہ روایت بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ (تبوک کی طرف) روانہ ہوئے اور دوران سفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے ایک طرف تشریف لے گئے اور آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر پھر واپس تشریف لے آئے اور اس وقت آپ نے تنگ آستینوں والا رومی جبہ زیب تن فرمایا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبہ کی آستینیں تنگ ہونے کی وجہ سے اسے اوپر اٹھا لیا (اس کے نیچے سے بازو نکال لیے)' حضرت مغیرہ فرماتے ہیں: پھر میں اپنے پاس موجود برتن سے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالنے لگا اور آپ نے نماز کے وضو کی طرح وضو کیا اور اپنے موزے اتارنے کی بجائے ان کے اوپر مسح کیا' پھر آگے بڑھے اور نماز ادا فرمائی۔

حل لغات

''اِنْطَلَقَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب انفعال ہے' اس کا معنی ہے: چلے جانا' تشریف لے جانا۔ ''قَضٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ یَضْرِبُ ہے' بہ معنی پورا کرنا۔ ''ضَیِّقَةٌ'' کا معنی ہے: تنگ۔ ''اَلْكُمَّیْنِ'' یہ کم (کاف مضموم) کا تثنیہ ہے' اس کا معنی ہے: آستین۔ ''اَصُبُّ'' صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ بہ معنی انڈیلنا' بہانا۔ ''اِدَاوَةٌ'' اس کا معنی ہے: برتن۔ ''لَمْ یَنْزِعْ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل نفی جحد بلم باب ضرب بہ معنی اتارنا۔

فاضل کا مفضول کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا جواز

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا تو اس وقت آپ نے تنگ آستینوں والا شامی جبہ زیب تن کر رکھا تھا اور آپ نے اپنے ہاتھ جبہ کے نیچے سے نکال لیے تھے اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت مغیرہ نے فرمایا: میں اس سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! تو آپ اپنی سواری سے نیچے اترے اور قضائے حاجت کے لیے ایک طرف تشریف لے گئے یہاں تک کہ آپ رات کی سیاہی میں مجھ سے اوجھل ہو گئے پھر آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو میں آپ کے ہاتھوں پر برتن سے پانی ڈالنے لگا اور اس وقت آپ نے اون سے تیار کردہ شامی جبہ زیب تن کیا ہوا تھا اور آپ نے اپنا چہرہ دھویا اور ہاتھوں کو اپنے جبہ سے باہر نہ نکال سکے یہاں تک کہ اپنے دونوں ہاتھ جبہ کے نیچے سے نکال لیے' پھر ان دونوں کو دھویا اور اپنے سر پر اور دونوں موزوں پر مسح کیا اور امام مالک' امام احمد اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک میں پیش آیا تھا اور موطا اور مسند ابی داؤد میں ہے کہ یہ نماز فجر کے وقت ہوا تھا اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت مغیرہ نے فرمایا کہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ واپس آیا تو نماز باجماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے' سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اور میں) آخری رکعت میں شامل ہوئے' پھر جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے سلام پھیرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اور میں) کھڑے ہو گئے اور اپنی نماز مکمل ادا کی اور لوگ یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئے (اور آپ نے فرمایا: تم نے ٹھیک کیا ہے گھبرانے کی ضرورت نہیں) اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت مغیرہ نے

فرمایا: میں نے حضرت عبدالرحمٰن کو پیچھے کرنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رہنے دو' اور اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں جن کو میں نے شرح شمائل میں ذکر کر دیا ہے۔[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۶۷۔ ۶۸' مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ' بیروت]

علامہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف نواوی لکھتے ہیں:

معلوم ہونا چاہیے کہ اس حدیث مبارکہ میں بہت سے فوائد ہیں:

(۱) فاضل کا مفضول کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا جواز

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے امتی کے پیچھے نماز پڑھنے کا جواز

(۳) اول وقت میں نماز ادا کرنا افضل و بہتر ہے کیونکہ صحابہ کرام نے اول وقت نماز ادا کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار نہیں کیا۔

(۴) اگر امام اول وقت (یا نماز کے لیے مقررہ وقت) سے لیٹ ہو جائے تو جماعت کے لیے مستحب ہے کہ وہ کسی آدمی کو آگے کر دیں اور وہ ان کو نماز پڑھا دے جبکہ امام کے حسن خلق پر اعتماد ہو اور اس سے امام کو تکلیف نہ ہو اور ایسا کرنے سے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور اگر انہیں امام کے ناراض ہونے کا یا فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ ہو تو اول وقت میں الگ الگ نماز ادا کر لیں' پھر اگر اس کے بعد جماعت کو پالیں (نیز نماز نفل پڑھنا مکروہ نہ ہوں) تو دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے۔

(۵) مسبوق کے شامل ہونے سے پہلے امام جو رکعت ادا کر چکا ہے اسے امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کرنا ہوگا کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوت شدہ ایک رکعت امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کی۔

(۶) دوران نماز مسبوق کا نماز کے افعال میں امام کی پیروی کرنا۔

(۷) مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کی اقتداء سے الگ ہو جائے گا۔

(۸) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا اپنی نماز میں برقرار رہنا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پیچھے ہٹ جانا تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں تو ان دونوں میں فرق ہے کیونکہ حضرت عبدالرحمٰن ایک رکعت نماز پڑھا چکے تھے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے نہیں بڑھے تاکہ قوم کی نماز کی ترتیب میں خلل نہ پڑے اور حضرت ابوبکر کا واقعہ اس طرح نہیں تھا۔

[شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۱۳۵۔ ۱۳۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء]

(۹) تنگ آستینوں والا جبہ وغیرہ استعمال کرنا جائز ہے کہ آپ نے خود استعمال فرمایا خصوصاً جہاد میں مجاہدین کا تنگ اور چست لباس پہننا تاکہ بھاگ دوڑ میں آسانی رہے۔

(۱۰) دوران وضوء قلیل عمل جائز ہے کہ یہ تسلسل وضو کے خلاف نہیں کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوران وضو جبہ اوپر اٹھا کر اس کے نیچے سے اپنے دونوں ہاتھوں کو نکالا اور ان کو دھویا۔

(۱۱) وضو کرانے کے لیے دوسرے آدمی سے بوقت ضرورت مدد لینا جائز ہے کہ آپ کو حضرت مغیرہ نے وضو کرایا۔

(۱۲) موزوں پر مسح کا جواز ثابت ہو گیا کیونکہ آپ نے خود موزوں پر مسح کیا۔

(۱۳) ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دوران ناصیہ پر مسح کیا اور یہ چوتھائی سر کی مقدار کے برابر ہے جس سے مسح سر کے بارے میں قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل ثابت ہو گئی کہ سر کا مسح ایک چوتھائی فرض ہے۔

[ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۳۳ حاشیہ ۱۲' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۶۱- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ

حضرت مغیرہ بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ وَضَّأْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ رُوْمِيَّةٌ ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ فَاَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ تَحْتِهَا وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَ عَلَيْهِ جُبَّةٌ شَامِيَّةٌ ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ فَاَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ اَسْفَلِ الْجُبَّةِ.

کو وضو کرایا اور اس وقت آپ نے تنگ آستینوں والا رومی جبہ زیب تن کیا ہوا تھا' سو آپ نے اپنے ہاتھ اس کے نیچے سے نکال لیے اور موزوں پر مسح کیا اور ایک اور روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح کیا اور اس وقت آپ نے تنگ آستینوں والا شامی جبہ زیب تن کیا ہوا تھا اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھ جبہ کے نیچے سے نکالے تھے۔

بخاری(۳۶۳)مسلم(۲۶۹)نسائی(۱۲۳)ابن ماجہ(۳۸۹)

جبہ مبارک کے رومی یا شامی ہونے کی تحقیق

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ ایک روایت میں ذکر ہے کہ جبہ رومی تھا جبکہ دوسری روایت میں ذکر ہے کہ جبہ شامی تھا' اس سے یہ شبہ پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ ان دونوں روایات میں منافات اور تضاد ہے کیونکہ اس زمانہ میں شام کا علاقہ مملکت روم میں شامل تھا اور اس کے ماتحت تھا اس لیے دونوں کا مفاد ایک ہے (جیسے لاہور کی کسی مصنوع کو لاہوری کہا جائے یا پاکستانی کہا جائے دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے)۔

اور یہ بات بھی عقل سے کوئی بعید نہیں ہے کہ اس جبہ کی نسبت ایک علاقہ کی طرف اس لیے کی جاتی ہو کہ اس کا کپڑا اس میں تیار کیا جاتا ہو اور دوسرے علاقہ کی طرف اس کی نسبت اس لیے کی جاتی ہو کہ اس کپڑے کی سلائی وغیرہ کر کے جبہ وہاں تیار کیا جاتا ہو۔

٦٢- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ. سابقہ(٦١)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (سفر وحضر میں) موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

موزوں پر مسح کرنے کی اہمیت

حضرت مغیرہ بن شعبہ کی یہ حدیث مختصر بیان کی گئی ہے جبکہ اس کی تفصیل گزشتہ دو حدیثوں میں حضرت مغیرہ نے خود بیان کر دی ہے۔ امام ابن المنذر نے فرمایا کہ ہمیں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے نبی کریم ﷺ کے ستر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے موزوں پر مسح کیا۔

اور کتب ستہ کے اصحاب نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ حضرت جریر نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے بول کیا' پھر (استنجاء کے بعد) وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحابہ کرام کو بہت پسند تھی کیونکہ حضرت جریر سورۃ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لائے تھے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۲۵۷-۲۵۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

٦٣- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ اَبِي الْجَهْمِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَدِمْتُ عَلٰى غَزْوَةٍ فِي الْعِرَاقِ فَاِذَا سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ مَاهٰذَا فَقَالَ يَا ابْنَ عُمَرَ اِذَا قَدِمْتَ عَلٰى اَبِيْكَ

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت بیان کرتے ہیں کہ میں ایک غزوہ کے سلسلہ میں عراق آیا تو میں نے حضرت سعد بن مالک کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اے ابن عمر! جب تم اپنے والد کے پاس جاؤ تو ان سے اس کے متعلق

فَسْئَلْهُ عَنْ ذٰلِكَ قَالَ فَاَتَيْتُهُ فَسَاَلْتُهُ فَقَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ فَمَسَحْنَا. وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ قَدِمْتُ الْعِرَاقَ لِلْغَزْوِ فَاِذَا سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ مَاهٰذَا قَالَ اِذَا قَدِمْتَ عَلٰى عُمَرَ فَسْئَلْهُ فَقَالَ قَدِمْتُ عَلٰى عُمَرَ فَسَاَلْتُهُ فَقَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ فَمَسَحْنَا. وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ قَدِمْتُ الْعِرَاقَ لِغَزْوَةِ جَلُوْلَا فَرَاَيْتُ سَعْدَ ابْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ مَا هٰذَا يَا سَعْدُ فَقَالَ اِذَا لَقِيْتَ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاسْاَلْهُ قَالَ فَلَقِيْتُ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُهُ بِمَا صَنَعَ فَقَالَ عُمَرُ صَدَقَ سَعْدٌ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُهُ فَصَنَعْنَا. وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ قَدِمْنَا عَلٰى غَزْوَةِ الْعِرَاقِ فَرَاَيْتُ سَعْدَ ابْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَاَنْكَرْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ لِيْ اِذَا قَدِمْتَ عَلٰى عُمَرَ فَاسْاَلْهُ عَنْ ذٰلِكَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَلَمَّا قَدِمْتُ عَلَيْهِ سَاَلْتُهُ وَذَكَرْتُ لَهٗ مَاصَنَعَ سَعْدٌ فَقَالَ عَمُّكَ اَفْقَهُ مِنْكَ رَاَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ فَمَسَحْنَا.

پوچھ لینا۔ ابن عمر نے فرمایا: جب میں اپنے والد کے پاس آیا تو میں نے ان سے پوچھا' سو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی موزوں پر مسح کرنا شروع کر دیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا: میں جہاد کے لیے عراق میں آیا تو حضرت سعد بن مالک کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا' سو میں نے ان سے کہا: یہ کیا ہے؟ حضرت سعد نے فرمایا: جب تم حضرت عمر کے پاس جاؤ تو ان سے پوچھ لینا' چنانچہ ابن عمر نے فرمایا کہ میں حضرت عمر کے پاس آیا تو میں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی اپنے موزوں پر مسح کرنا شروع کر دیا' اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا: میں جلولا کے جہاد کے لیے عراق آیا تو میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا' میں نے کہا: اے سعد! یہ کیا ہے؟ سو انہوں نے فرمایا: جب تم امیر المومنین (حضرت عمر) سے ملاقات کرو تو ان سے اس کے متعلق پوچھ لینا۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ جب میں (حضرت) عمر سے ملا تو میں نے انہیں بتایا کہ حضرت سعد موزوں پر مسح کرتے ہیں تو حضرت عمر نے فرمایا: سعد (اپنے قول وفعل میں) سچے ہیں کیونکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے' سو ہم نے بھی یہ عمل شروع کر رکھا ہے' اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا: ہم جہاد کے لیے عراق آئے تو میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا' سو میں نے اس عمل کو تسلیم نہ کیا تو حضرت سعد نے مجھے فرمایا: جب تم حضرت عمر کے پاس جاؤ تو ان سے اس کے متعلق دریافت کر لینا۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: جب میں ان (اپنے والد) کے پاس پہنچا تو میں نے ان سے پوچھا اور حضرت سعد نے جو عمل کیا تھا اس کا میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ تیرا چچا (حضرت سعد) تجھ سے زیادہ سنت کا فقیہ ہے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی مسح کرنا شروع کر دیا۔

بخاری(۲۰۲)ابن ماجہ(٥٤٦)مسند احمد(ج۱ص ۱۴)

٦٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر روایت بیان کرتے ہیں کہ ان کے

اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ تَنَازَعَ اَبُوْهُ وَسَعْدُ بْنُ اَبِىْ وَقَّاصٍ فِى الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ سَعْدٌ اَمْسَحُ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ مَايُعْجِبُنِىْ قَالَ سَعْدٌ فَاجْتَمَعْنَا عِنْدَ عُمَرَ فَقَال عُمَرُ عَمُّكَ اَفْقَهُ مِنْكَ سُنَّةً. سابقہ(٦٣)

والد (حضرت عبداللہ بن عمر) اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے درمیان موزوں پر مسح کرنے کے متعلق آپس میں اختلاف ہوگیا تو حضرت سعد نے فرمایا: میں تو مسح کرتا ہوں اور حضرت عبداللہ نے فرمایا: مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔ حضرت سعد نے فرمایا کہ ہم دونوں حضرت عمر کے پاس اکٹھے حاضر ہوئے تو حضرت عمر نے (اختلاف سن کر اپنے بیٹے ابن عمر سے) فرمایا کہ تیرے چچا (حضرت سعد) تجھ سے زیادہ سنت کے جاننے والے ہیں۔

حل لغات

''تَنَازَعَ'' یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب تفاعل مزید فیہ ہے' اس کا معنی ہے: ایک دوسرے کے ساتھ باہم جھگڑنا' ایک دوسرے سے اختلاف کرنا۔ ''مَایُعْجِبُنِیْ'' اس میں حرف ما نافیہ ہے۔ ''یُعْجِبُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف منفی باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: پسند کرنا' خوش ہونا' تعجب میں ڈالنا۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ نون وقایہ اور یاء متکلم ضمیر مفعول ہے۔ ''اِجْتَمَعْنَا'' یہ صیغہ جمع متکلم فعل ماضی معروف مثبت باب افتعال ہے' بہ معنی اکٹھے ہونا۔

مسح علی خفین میں حضرت ابن عمر کے اختلاف کی وجہ کا ذکر

حضرت سعد بن ابی وقاص کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھ کر حضرت عبداللہ ابن عمر کے مسح خفین سے انکار کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک مسح علی خفین کی خبر ان تک نہیں پہنچی تھی اور انہوں نے موزوں پر مسح کرتے ہوئے نہ اپنے والد کو دیکھا تھا اور نہ کسی اور صحابی کو دیکھا تھا کیونکہ قدیم صحبت رکھنے کے باوجود اس قدر جلیل امور میں سے یہ مسئلہ ان پر مخفی تھا جو کسی اور پر مخفی نہیں رہا تھا۔ علامہ زرقانی نے حافظ ابن حجر سے نقل کر کے یہی کچھ فرمایا ہے اور یا پھر حضرت ابن عمر نے صرف حضر میں (گھر میں مقیم کے لئے) مسح خفین کا انکار کیا ہے ورنہ وہ خود سفر میں موزوں پر مسح کرتے تھے جیسا کہ بخاری کے شارحین میں سے علامہ عینی اور علامہ قسطلانی وغیرہما کے کلام سے سمجھا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمر' حضرت سعد پر صرف حضر میں مسح علی خفین کا انکار کرتے تھے جیسا کہ بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے۔ [کشف المغطاعن وجہ الموطاص ۲۵' مطبوعہ میر محمد کتب خانہ مرکز علم وادب' کراچی]

٦٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فِى السَّفَرِ وَلَمْ يُوَقِّتْهُ.

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفر میں موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور آپ نے اس موقع پر مسح کرنے کی مدت مقرر نہیں فرمائی۔

ابوداؤد(۱۵۸) ابن ماجہ(۵۵۷) دار قطنی (ج۱ص۱۹۸) طحاوی(٤٧٣)

حل لغات

''رَاَيْتُ'' صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف مثبت باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: دیکھنا۔ ''لَمْ يُوَقِّتْهُ'' یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل نفی جحد بلم معروف باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: وقت معین کرنا' اس کے آخر میں ہ ضمیر مفعول ہے۔

مسح علی خفین مقیم اور مسافر دونوں کے لیے سنت ہے

امام مالک نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ صرف مسافر کے لیے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

حالانکہ یہ حدیث ان احادیث کے منافی نہیں ہے جنہیں ابن عمر کے علاوہ دیگر راویوں نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضر (گھر میں مقیم ہونے کی صورت) میں موزوں پر مسح کیا کرتے تھے' نیز امام مالک نے فرمایا: موزوں پر مسح کرنے کی کوئی مدت مقرر نہیں لیکن یہ حدیث حجت نہیں ہو سکتی کیونکہ یاد کرنے والا نہ یاد کرنے والے پر حجت ہوتا ہے' چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ط نے موزوں پر مسح کرنے کی مدت مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمادی ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۲۳۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

١٥- بَابُ بَيَانِ تَوْقِيْتِ الْمَسْحِ
مسح کی مدت مقرر کرنے کا بیان

٦٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ عَنْ اَبِىْ عَبْدِ اللّٰهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ فِى الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُقِيْمِ يَوْمًا وَّلَيْلَةً وَّلِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَّلَيَالِيْهَا لَايَنْزِعُ خُفَّيْهِ اِذَا لَبِسَهُمَا وَهُوَ مُتَوَضِّىءٌ. وَ فِىْ رِوَايَةِ اَلْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَّلِلْمُقِيْمِ يَوْمًا وَّلَيْلَةً اِنْ شَآءَ اِذَا تَوَضَّاَ قَبْلَ اَنْ يَّلْبِسَهُمَا.

امام ابوحنیفہ' حضرت حماد سے وہ حضرت ابراہیم نخعی سے وہ حضرت ابوعبداللہ الجدلی سے وہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے' وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ موزوں پر مسح کرنے کی مدت مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات ہے اور مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں ہیں وہ اس دوران اپنے موزوں کو نہ اتارے جبکہ اس نے ان کو وضو کر کے پہنا ہو اور ایک روایت میں یوں ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کی مدت مسافر کے لیے تین دن ہے اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات ہے اگر وہ (مسح کی مدت پوری کرنا) چاہے جبکہ اس نے ان کو پہننے سے پہلے وضو کر لیا ہو۔

ابوداؤد(۱۵۷) ترمذی(۹۵) ابن ماجہ(۵۵۳) مسند احمد(ج۵ص۲۱۴) طحاوی(٤٨٣) مسلم(٦٣٩) نسائی(۱۲۸) بیہقی فی الکبریٰ (ج۱ ص۲۷۲) مصنف عبدالرزاق(۷۸۹) مسند احمد(ج۱ص۹۶) طحاوی(۵۰۲)

حل لغات

''مُقِيْمٌ'' صیغہ واحد مذکر اسم فاعل باب افعال ہے' بہ معنی گھر میں رہائش پذیر۔ ''مُسَافِرٌ'' صیغہ مذکورہ بالا باب مفاعلہ ہے' بہ معنی سفر کرنے والا۔ ''لَيَالِىْ''' ''لَيْلَةٌ'' کی جمع ہے' بہ معنی رات۔ اس کے آخر میں ھا ضمیر مضاف الیہ ہے۔ ''لَبِسَهُمَا'' ''لَبِسَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' بہ معنی پہننا۔ ''هُمَا'' ضمیر تثنیہ راجع بہ سوئے خفین مفعول ہے۔

مسح خفین کی مدت میں اختلاف اور حنفی قول کی ترجیح

الخفین کو تثنیہ (دو موزے) ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ صرف ایک موزہ پر مسح کرنا جائز نہیں اور یہ حدیث امام مالک کے خلاف حجت ہے کیونکہ ان کے نزدیک موزوں پر مسح کرنے کی مدت مقرر نہیں بلکہ موزے پہننے والا مسافر ہو یا مقیم ہو جب تک وہ موزے نہیں اتارے گا یا جب تک وہ جنبی نہیں ہوگا موزوں پر مسح کرتا رہے گا اور امام شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک موزوں کے پہننے کے بعد حدث کے لاحق (یعنی بے وضو) ہونے کے وقت سے مسح کی مدت کا آغاز ہوگا اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت کے مطابق مسح کے وقت سے مدت کا آغاز ہو جائے گا اور علامہ ابن المنذر نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ علامہ نووی نے کہا کہ دلیل کے لحاظ سے یہی معتبر اور راجح ہے اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ موزے پہننے کے وقت سے مدت کا

آغاز ہو جائے گا اور مسح کی مدت کے موضوع پر کثرت سے احادیث مبارکہ مروی ہیں اور محدثین کے نزدیک یہ تمام احادیث مشہور ہیں اور ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جسے امام مسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موزوں پر مسح کرنے کی مدت مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمائی ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۹۳ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

یعنی مسافر حالت سفر میں ایک بار موزے پہن کر مسلسل تین دن اور تین راتیں مسح کر سکتا ہے اور مقیم ایک دن اور ایک رات مسح کر سکتا ہے۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے' ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مالک احکام ہیں کیونکہ حضرت علی نے اس مدت کی تعیین نبی کریم کی طرف منسوب کی۔ دوسرے یہ کہ دونوں مدتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اول سے لے کر آخر تک ایک حال پر قائم رہیں مثلاً موزے پہنتے وقت بھی مقیم ہوں اور آخر مدت تک مقیم رہیں' اگر موزے پہنتے وقت تو مقیم تھا مگر مدت مسح ختم ہونے سے پہلے مسافر ہو گیا تو اب وہ مسافر کی مدت پوری کرے گا' یوں ہی مسافر اگر مقیم ہو جائے تو اب وہ مقیم کی مدت پوری کرے۔ تیسرے یہ کہ مسح کی مدت حدث (بے وضوء ہونے) کے وقت سے شروع ہوگی' لہٰذا نہ موزے پہننے کے وقت سے شروع ہوگی اور نہ مسح کے وقت سے۔ چوتھے یہ کہ شرعاً مسافر وہ ہے جو تین دن کی راہ کا سفر کرے اس سے کم سفر کی صورت میں مسافر نہیں ہوگا ورنہ ایک دن کی مسافت کا مسافر اس حدیث پر عمل نہیں کر سکے گا حالانکہ حدیث ہر مسافر کو عام ہے۔ [مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۵-۳۳۴ 'مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات] یعنی ہر مسافر کو تین دن موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے کوئی مسافر اس اجازت سے علیحدہ نہیں۔ اگر تین دن سے کم مسافت بھی سفر بن جائے تو اس اجازت سے بہت سے مسافر فائدہ نہیں اٹھا سکتے مثلاً وہابی (غیر مقلد) صاحب اپنے کھیت پر سیر کرنے ایک میل کے فاصلہ پر جا کر مسافر بن جائیں تو تین دن مسح کر کے دکھائیں۔ ایسے ہی جو آدمی ایک دن چل کر گھر پہنچ جائے وہ اس اجازت سے کیسے فائدہ اٹھائے' لہٰذا تین دن سے کم سفر بن سکتا ہی نہیں ورنہ موزوں پر مسح کرنے کی یہ احادیث عمومی طور پر قابل عمل نہ رہیں گی۔ اس دلیل پر اچھی طرح غور کر لیا جائے

[جاء الحق حصہ دوم پندرہواں باب ۱۵' پہلی فصل ص ۱۵۲-۱۵۱ 'مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

یاد رہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے منقطع ہے کیونکہ ابراہیم نخعی کے بعد دو راوی ابراہیم تیمی اور عمرو بن میمون ساقط ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ابراہیم نخعی کا مسح خفین کے بارے میں ابو عبد اللہ الجدلی سے سماع ثابت نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک منقطع حدیث بھی حجت ہے بہ شرطیکہ اس کا راوی ثقہ (مستند) ہو اور حضرت ابراہیم نخعی ثقہ راوی ہیں' چنانچہ التقریب میں ہے کہ ابراہیم نخعی کوفی' فقیہ اور ثقہ (یعنی مستند و معتبر عالم دین) راوی ہیں مگر یہ کثرت سے ارسال کرتے ہیں اور یہ پچاس سال کی عمر میں ۹۶ھ میں انتقال فرما گئے۔ نیز اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابن حبان نے بھی اس کو صحیح کہا ہے اور ترمذی نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے' لہٰذا علامہ نووی کا شرح المہذب میں یہ دعویٰ کرنا کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے' یہ دعویٰ مردود اور غیر مہذب ہے۔

[ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۳۵-۳۴ 'مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۶۷- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنِ الْاَوْدِيِّ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موزوں پر مسح کرنے کی مدت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں ہیں اور مقیم کے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ قَالَ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهِنَّ وَلِلْمُقِيْمِ يَوْمًا وَّلَيْلَةً.

لیے ایک دن اور ایک رات ہے۔

موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ

موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں پاؤں کے موزے کے اگلے حصہ پر رکھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بائیں پاؤں کے موزے کے اگلے حصہ پر رکھے اور دونوں ہاتھوں کو پنڈلی کی طرف اس طرح کھینچے کہ پانی کی تری کی وجہ سے خطوط ظاہر ہو جائیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ موزوں پر مسح کرنے کا یہ طریقہ مسنون ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح مسح کیا کرتے تھے اور کم از کم ہاتھ کی تین انگلیوں کی مقدار موزوں پر مسح کرنا فرض ہے۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو وضو کر رہا تھا' سو اس نے اپنے موزوں کو دھویا تو آپ نے اس کو اپنے پاؤں سے ٹھونسا دیا اور فرمایا: اس طرح (موزوں کو دھو لینا) سنت نہیں ہے بلکہ ہمیں مسح کرنے کا حکم اس طرح دیا گیا ہے' (یہ فرما کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو موزوں پر گزار کر انہیں مسح کرنا بتلایا۔ اس کو امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے جبکہ طبرانی کی دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مسح کرنے کا طریقہ اس طرح بتلایا کہ ہاتھوں کو ایک دفعہ موزوں کے اگلے حصہ سے پنڈلی تک اس طرح گزار دیا کہ ہاتھوں کی انگلیاں کھلی ہوتی تھیں اور ابن المنذر کی روایت میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے موزوں پر اس طرح مسح کیا کہ ہاتھوں کی انگلیوں کے نشانات موزوں پر لکیروں کی طرح نمایاں تھے۔

۶۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِيءٍ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ الْمُسَافِرُ عَلَى الْخُفَّيْنِ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَّلَيَالِيْهِنَّ وَالْمُقِيْمُ يَوْمًا وَّلَيْلَةً.

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسافر تین دن اور تین راتیں موزوں پر مسح کر سکتا ہے اور مقیم ایک دن اور ایک رات۔

موزوں پر مسح کرنے کی شرائط

موزے پر مسح کرنے کے لیے شرط ہے کہ پورا پاؤں موزے میں چھپا ہوا ہو کیونکہ اگر پاؤں کا کچھ حصہ ننگا ہوگا تو اس کا دھونا فرض ہوگا اور اس طرح پورے پاؤں کا دھونا لازم ہو جائے گا کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی عضو کو دھویا بھی جائے اور اس پر مسح بھی کیا جائے۔ یہ چیز مشروع نہیں ہے' ہاں! اگر موزہ تھوڑا سا پھٹا ہوا ہے تو وہ مسح سے مانع نہیں ہے مسح ہو جائے گا کیونکہ عدم مسح کے حکم میں حرج ہے۔ نیز معمولی پھٹن پر موزہ بدلنا پڑے گا۔ اس لیے لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے اس کی اجازت ہے لیکن تھوڑے سے مراد یہ ہے کہ پاؤں کی چھوٹی تین انگلیاں نظر نہ آئیں' اگر چھوٹی تین انگلیاں نظر آئیں گی تو یہ پھٹن زیادہ ہوگی اور ایسے موزے پر مسح کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ [ارکان اسلام ص ۳۶ 'مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۱۷ پر موزوں پر مسح کے بارے فرماتے ہیں کہ سوتی یا اونی موزے جیسے ہمارے بلاد (ممالک) میں رائج ہیں ان پر مسح کرنا کسی کے نزدیک بھی درست نہیں کہ وہ نہ تو مجلد ہیں یعنی ٹخنوں تک چمڑا منڈھے ہوئے ہیں نہ منعل ہیں یعنی تلا چمڑے کا لگا ہوا ہو اور نہ وہ ثخین ہیں یعنی ایسے دبیز و محکم کہ تنہا انہیں کو پہن کر قطع مسافت کریں تو شق نہ ہو جائیں اور ساق (پنڈلی) پر اپنے دبیز ہونے کی بنا پر بے بندش رکے رہیں ڈھلک نہ جائیں اور اگر ان موزوں پر پانی

پڑے تو قطرات کو روک لیں فوراً پانی نیچے کی طرف چھن نہ جائے' جو پائتابے (موزے) ان تینوں وصفوں ''مجلد' منعل'' اور ''ثخین'' سے خالی ہوں ان پر مسح کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ یا موزے ہی اتنے دبیز و محکم بنائیں جائیں تو صاحبین کے نزدیک ان پر مسح جائز ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے' موزوں پر مسح جائز ہونے کے لیے سات شرائط ہیں:

(۱) موزے وضو کی حالت میں پہنے گئے ہوں۔

(۲) وہ ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں میں پہنے گئے ہوں۔

(۳) ایسے مضبوط ہوں کہ ان کو پہن کر تین میل شرعی یا اس سے زیادہ چل سکے۔

(۴) کسی کے باندھنے کے بغیر پاؤں کے ساتھ چمٹے ہوں۔

(۵) موزے پاؤں کی چوٹی سے کم از کم تین انگلیوں کے برابر پھٹے ہوئے نہ ہوں۔

(۶) پانی کو جذب نہ کرتے ہوں۔ اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو وہ پانی ان کے نیچے کی سطح تک نہ پہنچے (جیسے سوتی' اونی اور نائلون کی جرابیں کہ پانی کو جذب بھی کرتی ہیں اور اگر پانی ان پر ڈالا جائے تو پاؤں کی سطح تک بھی پہنچ جاتا ہے ایسے موزے مسح کے لیے ممنوع ہیں)۔

(۷) موزے اتنے موٹے ہوں کہ ان سے نیچے کی جلد دکھائی نہ دیتی ہو۔

[حاشیہ زجاجۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۴۷' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

١٦ - بَابٌ فِي الْجُنُبِ إِذَا اَرَادَاَنْ يَعُوْدَ
حالت جنابت میں دوبارہ جماع کرنا

٦٩- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصِيْبُ مِنْ اَهْلِهٖ مِنْ اَوَّلِ اللَّيْلِ فَيَنَامُ وَلَا يُصِيْبُ مَاءً فَاِذَا اسْتَيْقَظَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ عَادَ وَاغْتَسَلَ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کے پہلے حصہ میں اپنی کسی بیوی سے صحبت کرتے تو (اس کے بعد) فوراً سو جاتے اور پانی کو ہاتھ نہ لگاتے' پھر جب رات کے آخری حصہ میں نیند سے بیدار ہوتے تو دوبارہ مباشرت کرتے اور غسل کرتے۔

ابوداؤد (۲۲۸) ترمذی (۱۱۷) ابن ماجہ (۵۸۱)

جنبی کے لیے بغیر غسل کھانا پینا سونا اور دوبارہ جماع کرنا جائز ہے

امام مسلم اپنی صحیح مسلم میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی قیس نے فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وتر پڑھنے کا طریقہ پوچھا تو آپ نے وہ طریقہ بتلا دیا' پھر میں نے ان سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت جنابت میں کیا کرتے تھے آیا آپ سونے سے پہلے غسل کرتے تھے یا سونے کے بعد۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ آپ دونوں طرح کرتے تھے' کبھی غسل کر کے سوتے اور کبھی وضو کر کے سو جاتے۔ میں نے کہا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَ فِى الْاَمْرِ سَعَةً'' اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے جس نے دین کے ہر معاملہ میں وسعت و آسانی فرمائی ہے۔

[صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء]

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

اس باب کی تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جنبی کے لیے غسل سے پہلے کھانا پینا' سونا اور جماع کرنا جائز ہے اور اس پر سب کا

اتفاق ہے اور اس پر اجماع ہے کہ جنبی کا بدن اور اس کا پسینہ پاک ہے اور ان احادیث میں یہ بات بھی ہے کہ ان کاموں سے پہلے جنبی کا وضو کرنا مستحب ہے خصوصاً اس وقت جب اس عورت سے جماع کرنا چاہے جس سے پہلے جماع نہ کیا ہو' اس وقت اپنے ذکر (شرمگاہ) کو دھونے کا استحباب مؤکد ہے اور ہمارے اصحاب نے اس کی تصریح کی ہے کہ جنبی کا وضو سے پہلے کھانا پینا' سونا اور جماع کرنا مکروہ ہے اور یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور ہمارے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ وضو واجب نہیں ہے۔ امام مالک اور جمہور کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ بعض مالکیہ اور ابوداؤد ظاہری نے یہ کہا ہے کہ یہ وضو واجب ہے اور وضو سے مراد نماز کا وضو کامل ہے۔ ایک اعتراض یہ ہے کہ سنن ابوداؤد' جامع ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ وغیرہا میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنابت کی حالت میں سو جاتے تھے اور پانی کو نہیں چھوتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ پانی کو نہیں چھوتے تھے اس سے مراد یہ ہے کہ غسل نہیں کرتے تھے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات آپ پانی کو بیان جواز کے لیے نہیں چھوتے تھے کیونکہ اگر آپ ہمیشہ سونے سے پہلے وضو کرتے تو اس عمل سے وضو کے وجوب کا وہم ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے پاس ایک غسل سے طواف کرتے تھے تو اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ درمیان میں وضو کر لیا کرتے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ بیان جواز کے لیے وضو ترک کر دیا کرتے تھے کیونکہ سنن ابوداؤد میں یہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے پاس ایک رات میں تشریف لے گئے اور آپ ہر ایک کے پاس غسل کرتے تھے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! آپ نے ایک ہی غسل پر کفایت کیوں نہ کر لی۔ آپ نے فرمایا: اس میں زیادہ پاکیزگی اور طہارت ہے۔ امام ابوداؤد نے کہا: پہلی حدیث زیادہ صحیح ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات بیان جواز کے لیے غسل نہ کیا ہو اور بعض اوقات حصول فضیلت کے لیے غسل کیا ہو۔

جنابت کے بعد سونے سے پہلے جو وضو کیا جاتا ہے اس کی حکمت کے بیان میں بعض علماء شافعیہ نے کہا تاکہ حدث میں تخفیف ہو کہ اس سے اعضاء وضو پاک ہو گئے۔ علامہ مازری مالکی نے کہا تاکہ وہ طہارت پر سوئے' اگر اس دوران موت آ جائے تو طہارت پر موت آئے۔ علامہ مازری مالکی نے کہا: اسی قیاس پر حائضہ کو بھی سونے سے پہلے وضو کر لینا چاہیے اور علماء شافعیہ نے کہا: حائضہ کے وضو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

باقی رہا یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غسل کے ساتھ تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے تو یہ ہو سکتا ہے کہ آپ سب کی رضامندی سے ان کے پاس گئے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس زوجہ محترمہ کی باری ہو آپ نے اس سے اجازت لے لی ہو۔ اس تاویل کی اس وقت ضرورت ہے جب یہ کہا جائے کہ ط پر ازواج مطہرات کی باریوں کی تقسیم واجب تھی لیکن اگر یہ کہا جائے کہ آپ پر باریوں کی تقسیم واجب نہیں تھی تو پھر کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

[شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰۴-۱۰۰۵' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور' بحوالہ شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۱۴۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ]

٧٠- حَمَّادٌ عَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ اِسْحَاقَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصِيْبُ اَهْلَهٗ اَوَّلَ اللَّيْلِ وَلَا يُصِيْبُ مَاءً فَاِذَا اسْتَيْقَظَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ عَادَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے پہلے حصہ میں اپنی کسی بیوی سے مباشرت کرتے اور پانی کو نہ چھوتے' پھر جب آپ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوتے تو دوبارہ جماع کرتے اور غسل کرتے۔

وَاغْتَسَلَ.

ابوداؤد(۲۲۸)ترمذی(۱۱۸)ابن ماجہ(۵۸۱)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوت مردمی اور تعدد ازواج کی حکمتیں

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات اور دن کے کسی ایک حصے میں تمام ازواج مطہرات کے پاس جاتے تھے اور وہ گیارہ ازواج تھیں۔ راوی کہتا ہے: میں نے حضرت انس سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طاقت رکھتے تھے؟ حضرت انس نے کہا: ہم یہ کہتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی قوت دی گئی ہے۔

[صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی '۱۳۸۱ھ]

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں تیس مردوں کی طاقت کا ذکر ہے اور امام ابویعلی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ کو چالیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی اور امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ آپ کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔

اور امام ترمذی نے جنت کی صفت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن کو جنت میں اتنی اتنی جماع کرنے کی قوت ہوگی۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا وہ اس کی طاقت رکھے گا؟ آپ نے فرمایا: اس کو سو مردوں کی طاقت دی جائے گی اور امام حبان نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ہم نے چالیس کو سو میں ضرب دی تو اس کا حاصل چار ہزار ہوا (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چار ہزار مردوں کی طاقت ہے)۔

اور علامہ ابن العربی نے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جماع کی غالب قوت حاصل تھی (آپ چار ہزار مردوں کی طاقت رکھتے تھے)' اس کے باوجود صرف گیارہ ازواج پر قناعت کی اور کھانے میں بھی آپ قناعت سے کام لیتے تھے اور جس طرح امور شرعیہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ میں فضیلتیں جمع کی تھیں اسی طرح امور دنیاویہ میں بھی آپ کے اندر فضیلتیں جمع کی تھیں تاکہ دارین میں آپ کا حال کامل ہو۔ [عمدۃ القاری ج ۳' ص ۲۱۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ]

ہر نبی کو عام مردوں کی بہ نسبت بہت زیادہ طاقت دی جاتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک سو ازواج تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی نوے ازواج تھیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار ہزار مردوں کی طاقت رکھتے تھے۔ اس کے باوجود آپ نے صرف گیارہ ازواج پر قناعت کی اور یہ تصور غلط ہے کہ آپ نے قضائے شہوت کے لیے زیادہ شادیاں کیں کیونکہ شہوت کا زور جوانی کے ایام میں ہوتا ہے۔ آپ نے پچیس سال کی عمر میں ایک چالیس سالہ بیوہ خاتون سے نکاح کیا اور پھر پچیس سال کا عرصہ صرف ان ہی کے ساتھ گزارا اور دوسرا عقد نہیں کیا۔ پچاس سال کی عمر کے بعد آپ نے چند اور عقد کیے اور یہ عقد تبلیغی مصلحتوں کی وجہ سے کیے کیونکہ نکاح کے ذریعہ ایک اور خاندان سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھ ملنے جلنے سے تبلیغ کے زیادہ مواقع میسر آتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تعدد ازواج کی وجہ سے آپ کے گھر کے حالات اور خانگی معاملات کو دیکھنے والیاں اور امت تک پہنچانے والی زیادہ خواتین ہو گئیں اور گھریلو معاملات سے متعلق احادیث کی نشر و اشاعت کے زیادہ ذرائع فراہم ہو گئے۔ نیز آپ نے بیک وقت نو ازواج میں عدل و انصاف کر کے دکھایا اور امت کو یہ بتلایا کہ تم چار ازواج میں عدل و انصاف کو مشکل و گراں سمجھتے ہو اور میں نے

بیک وقت نو ازواج میں عدل کر کے دکھایا ہے۔ سلام ہو اس نبی امی پر جس کا عمل ہر میدان میں قول سے بڑھ کر ہے۔

[شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰۸ 'مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

۱۷- بَابُ اِسْتِحْبَابِ الْوُضُوْءِ لِلْجُنُبِ

جنبی آدمی کے لیے وضو کرنا مستحب ہے

۷۱- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ تَوَضَّاَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سونا چاہتے اور حالت جنابت میں ہوتے تو آپ نماز کے وضو کی طرح مکمل وضو کر لیتے تھے۔

بخاری(۲۸۸)مسلم(۶۹۹)ابوداؤد(۲۲۴)ترمذی(۱۲۰)نسائی(۲۵۹)ابن ماجہ(۵۸۴)

حل لغات

''اَرَادَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: ارادہ کرنا' چاہنا۔ ''اَنْ يَّنَامَ'' اس حرف ناصبہ مصدریہ ہے اور ''يَنَامُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' بہ معنی سونا' اونگھنا۔ ''وضوءہ'' ''توضا'' کا مفعول مطلق ہے۔

جنبی کے لیے بغیر غسل' وضو یا تیمم کے سونا مستحب ہے

وضو سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ قدرے طہارت و پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے' (عربی میں محاورہ ہے کہ) جب کسی چیز کو مکمل حاصل نہ کیا جائے تو اسے مکمل طور پر ترک بھی نہ کیا جائے اور اس حدیث کو شیخین' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سونا چاہتے اور اس وقت جنبی ہوتے تو پہلے اپنی شرمگاہ کو اچھی طرح دھو لیتے' پھر نماز کے وضو کی طرح مکمل وضو کر کے سوتے۔

اور اسی سے یہ مسئلہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی وضو سے سست ہو جائے تو وہ تیمم کر لے کیونکہ یہ بھی طہارت کی ایک قسم ہے اور حدث (بے وضو) یا جنابت کی حالت میں سونے سے یہ بہتر ہے' پھر میں نے امام طبرانی کی اوسط میں دیکھا جس میں انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کسی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہوتے اور اٹھنے میں سستی اور تھکاوٹ محسوس کرتے تو اپنے ہاتھ دیوار پر مار کر تیمم کر لیتے اور کبھی آپ غسل کر کے سوتے تھے اور یہ سب کام استحباب پر مبنی ہیں کیونکہ اس معاملہ کے متعلق حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پانی کو استعمال کیے بغیر جنابت کی حالت میں بھی سو جاتے تھے۔ اس حدیث کو امام احمد' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۴۷ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

۱۸- بَابُ الْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ

مومن ناپاک نہیں ہوتا

۷۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَدَّيَدَهٗ اِلَيْهِ فَدَفَعَهَا عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَكَ قَالَ اِنِّيْ جُنُبٌ قَالَ لَهٗ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (مصافحہ کرنے کے لئے) ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اے حذیفہ!) تجھے کیا ہوا ہے؟ (حضرت حذیفہ نے) عرض کیا: بے شک میں ناپاک ہوں۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرِنَا يَدَيْكَ فَاِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيْسَ بِنَجَسٍ وَّفِيْ رِوَايَةٍ اَلْمُؤْمِنُ لَايَنْجُسُ.

رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اپنے دونوں ہاتھ ہمیں دکھاؤ۔ ''فَاِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيْسَ بِنَجَسٍ'' سومومن ناپاک نہیں ہے اور دوسری روایت میں ہے: ''اَلْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ'' مومن ناپاک نہیں ہوتا۔

حل لغات

''مَدَّ'' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف ہے اور ''مد'' سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے: پھیلانا' کھینچنا' دراز کرنا اور بڑھانا۔ ''دَفَعَ'' یہ بھی باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف ہے اور یہ بہ معنی ہٹانا' دور کرنا اور رد کرنا ہے۔ ''جُنُبٌ'' جیم اور نون مضموم کے ساتھ ہے' اس کا معنی دور ہونا ہے کہ جنبی قرآن' مسجد اور نماز سے دور ہو جاتا ہے' نیز اس کا معنی نافرمان' مسافر' اجنبی' ناپاک اور جنبی ہے اور یہ واحد' تثنیہ' جمع اور مذکر و مونث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پہلی روایت میں ''بِنَجَسٍ'' مصدر ہے نون اور جیم مفتوح ہیں' بہ معنی گندا ہونا اور ناپاک ہونا اور دوسری روایت میں ''لَايَنْجُسُ'' صیغہ واحد مذکر فعل مضارع معروف ہے اور یہ باب كَرُمَ يَكْرُمُ اور باب سَمِعَ يَسْمَعُ دونوں سے آتا ہے' اس کا معنی بھی گندا ہونا اور ناپاک ہونا ہے۔ ''اَرِنَا'' صیغہ جمع متکلم فعل ماضی معروف مثبت باب افعال' بہ معنی دکھانا۔

جنبی کا بدن ناپاک نہیں ہوتا

نبی کریم ﷺ نے شاید مصافحہ کرنے کے لیے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف اپنا ہاتھ مبارک بڑھایا لیکن حضرت حذیفہ نے ادب واحترام کی رعایت کرتے ہوئے اپنا ہاتھ کھینچ لیا کیونکہ انہیں یہ گمان تھا کہ وہ جنابت کی وجہ سے ظاہراً بھی ناپاک ہو چکے ہیں' سو اس لیے وہ پاک نہیں رہے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے اس عمل کے پیچھے کیا چیز محرک تھی اور کیا چیز مانع تھی؟ حضرت حذیفہ نے اپنے گمان کے مطابق جواب دیا کہ میں جنبی ہو جانے کی بنا پر ناپاک ہوں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے اس خیال کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا: مومن تو ناپاک نہیں ہوتا نہ حقیقت میں' نہ ظاہر میں اور نہ باطن میں بلکہ وہ احکام شرعیہ مخصوصہ کی بنا پر صرف حکماً ناپاک ہوتا ہے' البتہ کافر باطن میں ناپاک ہوتا ہے اور بعض اوقات ظاہر میں بھی ناپاک ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ. (التوبۃ:۲۸)

بے شک مشرک ناپاک ہیں۔

اور جمہور کا یہی قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مشرکین کتے اور خنزیر کی طرح سراپا ناپاک ہوتے ہیں اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مشرکین نجس العین ہیں' سو جو مسلمان ان سے مصافحہ کرے اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے ہاتھ دھو لے۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۶۴۔ ۶۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

جنبی آدمی کے ساتھ گفتگو کرنا' اس کے ساتھ مجلس میں بیٹھنا' اس سے مصافحہ کرنا اور اس کے ساتھ کھانا پینا یہ سب جائز ہیں نیز جنبی کی نجاست و ناپاکی حکمی ہے کہ شریعت میں اس پر غسل کرنے کا حکم واجب کر دیا گیا ہے لیکن اس کا بدن ناپاک نہیں ہوتا اس لیے جنبی آدمی کا پسینہ اور اس کا جھوٹا پاک ہے۔ [اشعۃ اللمعات ج۱ ص ۲۳۷۔ ۲۳۶' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر' ۱۹۷۶ء]

۷۳- اَبُوْحَنِيْفَةَ عن حَمَّادٍ' عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَدَّيَدَهٗ اِلَيْهِ فَاَمْسَكَهَا عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف (مصافحہ کرنے کے لئے) اپنا ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دینے سے روک لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے

وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَايَنْجُسُ.

فرمایا کہ مومن ناپاک نہیں ہوتا۔

بخاری(۲۸۳) مسلم(۸۲۵) ترمذی(۱۲۱) ابن ماجہ(۵۳۵) نسائی(۲۶۹)

حل لغات

''اَمْسَكَ'' باب افعال سے صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف ہے' یہ ''اِمْسَاكٌ'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: روک لینا۔

جنبی کے ساتھ مصافحہ کا جواز

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے کسی ایک راستہ میں مجھ سے ملے اور میں اس وقت جنبی تھا اور آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تو میں آپ کے ساتھ چل پڑا یہاں تک آپ بیٹھ گئے' سو میں چپکے سے وہاں سے نکل گیا اور میں نے گھر میں آ کر غسل کیا' پھر میں آپ کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ وہیں بیٹھے ہوئے تھے' چنانچہ آپ نے (مجھے دیکھ کر) فرمایا: اے ابوہریرہ! تم کہاں تھے تو میں نے آپ کو واقعہ بتلایا اور آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! مومن تو ناپاک نہیں ہوتا' یہ بخاری کے لفظ ہیں اور مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ میں نے عرض کیا کہ جب آپ مجھے ملے تو میں اس وقت جنبی تھا اور میں نے غسل کے بغیر آپ کے پاس بیٹھنا ناپسند کیا۔ بخاری کی دوسری روایت میں اسی طرح ہے۔[مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

اس وقت حضرت ابوہریرہ کا خیال یہ تھا کہ ناپاکی کی حالت میں مصافحہ وغیرہ سب ممنوع ہے مگر شرم وحیا اور ادب واحترام کی وجہ سے اس وقت عرض نہ کر سکے۔ خیال تھا کہ بعد میں مسئلہ پوچھ لوں گا چونکہ اس کے ناجائز ہونے کا یقین نہ تھا اس لیے خاموشی اختیار کر لی اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ہی وضاحت فرما دی کہ جنابت نجاست حقیقیہ نہیں تاکہ جنبی سے مصافحہ وغیرہ منع ہو' اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے' ایک یہ کہ جنبی کا پسینہ یا جھوٹا نجس نہیں۔ دوسرے یہ کہ غسل جنابت میں دیر لگانا جائز ہے۔ تیسرے یہ کہ جنابت کی حالت میں ضروری کام کاج کرنا جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ جنبی سے مصافحہ معانقہ بلکہ اس کے ساتھ لیٹنا بیٹھنا جائز ہے۔[مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج۱ ص ۳۰۸۔ ۳۰۷' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

۷۴- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا. اِنَاوِلِيْنِى الْخُمْرَةَ فَقَالَتْ اِنِّيْ حَائِضٌ فَقَالَ اِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِيْ يَدِكِ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: مجھے چٹائی پکڑانا۔ عرض کیا: میں تو حائضہ (ماہواری سے) ہوں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

مسلم(۶۸۹) ابوداؤد(۲۶۱) نسائی(۲۷۲) ابن ماجہ(۶۳۲) طیالسی(۱۴۳۰) مسند احمد(۲۴۶۸۸)

حل لغات

''نَاوِلِيْنِىْ'' میں ''نَاوِلِى'' باب مفاعلہ سے صیغہ واحد مونث حاضر فعل امر معروف ہے' اس کا معنی ہے: پکڑانا' عطا کرنا اور دینا۔ اس میں نون وقایہ کی ہے اور آخر میں یائے متکلم ہے۔ ''اَلْخُمْرَةُ'' میں خاء مضموم اور میم ساکن ہے' یہ اسم مؤنث ہے' اس کا معنی ہے: کھجور کے پتوں سے تیار کردہ چھوٹی چٹائی' خمیر کرنے کا برتن' شراب کا تلچھٹ اور شراب کے باعث دردسر کی تکلیف۔ ''حَائِضٌ'' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے اسم فاعل واحد مذکر کا صیغہ ہے اور یہ حیض سے مشتق ہے' حیض کا معنی ہے: عورت کا ماہواری خون جاری ہونا' تو حائض کا معنی ہے: ماہواری کے خون والی عورت اور یہ اسم مذکر ہونے کے باوجود مونث کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

حیض والی عورت کا پورا جسم پاک نہیں ہوتا

جب نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اپنا ہاتھ بڑھا کر مسجد سے مجھے چٹائی پکڑا دو تو حضرت عائشہ صدیقہ نے تعمیل حکم نہ کرسکنے پر معذرت کرتے ہوئے عرض کیا: میں حیض سے ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے یہ معذرت یا تو اس خیال کی بنا پر کی کہ جس طرح حیض والی عورت کے لیے مسجد میں داخل ہونا منع ہے اسی طرح شاید ہاتھ بڑھا کر مسجد سے چٹائی اٹھانا بھی منع ہے یا اس بنا پر معذرت کی کہ انہیں یہ وہم ہوا کہ حیض نجاست حقیقی ہے اور حیض کی وجہ سے پورے بدن میں نجاست سرایت کر جاتی ہے حتیٰ کہ ہاتھوں میں بھی سرایت کر جاتی ہے جیسا کہ حیض کے اختتام پر غسل کے حکم سے محسوس ہوتا ہے' لہٰذا ہاتھ لگانے سے چٹائی نجس و ناپاک ہو جائے گی۔ نبی کریم ﷺ نے یہ فرما کر کہ تمہارے ہاتھ میں حیض نہیں' وضاحت فرما دی کہ حیض حقیقی اور حسی نجاست نہیں ہے کہ پورا بدن ناپاک ہو جائے اور ہاتھ لگانے سے چٹائی بھی ناپاک ہو جائے بلکہ یہ نجاست حکمی اور نجاست شرعی ہے' البتہ نجاست حقیقیہ صرف اسی جگہ میں ہوتی ہے جہاں سے خون حیض نکلتا ہے اور اس کے اردگرد جس جگہ حیض کا خون لگ جاتا ہے۔

[ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۳۶' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

جنبی آدمی اور حیض و نفاس والی عورت کے لیے مسجد میں داخل ہونا بے شک منع ہے لیکن اس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ جنبی آدمی اور حیض و نفاس والی عورت مسجد سے باہر رہتے ہوئے مسجد میں ہاتھ بڑھا کر اندر کی چیز اٹھا سکتے ہیں۔

۱۹- بَابُ وُجُوْبِ الْغُسْلِ عَلَى الْمَرْاَةِ بِخُرُوْجِ الْمَنِيِّ مِنْهَا

احتلام کے بعد عورت پر منی کے نکلنے کی وجہ سے غسل کا واجب ہونا

۷۵- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَنْ سَمِعَ اُمَّ سُلَيْمٍ اَنَّهَا سَاَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَرْاَةِ تَرٰى مَا يَرَى الرَّجُلُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَغْتَسِلُ.

بخاری (۱۳۰) مسلم (۷۱۰) ابوداؤد (۲۳۷) ترمذی (۱۲۲) نسائی (۱۹۵) ابن ماجہ (۶۰۰)

حضرت ابراہیم نے کہا: مجھے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کی سماعت کرنے والے راوی نے خبر دی ہے کہ حضرت ام سلیم نے نبی کریم ﷺ سے اس عورت کے بارے میں پوچھا جو خواب میں وہی دیکھے جو مرد خواب میں دیکھتا ہے (یعنی اگر عورت مرد کی طرح خواب میں احتلام کی وجہ سے ناپاک ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ غسل کرے۔

حل لغات

''اَخْبَرَنِيْ'' میں ''اخبر'' باب افعال سے صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف ہے۔ ''اِخْبَارٌ'' سے مشتق ہے' اس کا معنی ہے: کسی کو کسی چیز سے آگاہ کرنا' خبردار کرنا اور اس کی اطلاع اور خبر دینا۔ اس میں نون وقایہ کی ہے اور یاء متکلم کی ہے۔ ''اَلْمَرْاَةُ'' اسم مؤنث ہے' اگر میم مفتوح راء ساکن اور الف غیر ممدودہ پڑھا جائے تو اس کا معنی عورت ہے اور اگر میم مکسور اور راء ساکن الف ممدودہ پڑھا جائے تو اس کا معنی آئینہ ہے۔ ''تَرٰى'' باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معروف ہے' اس کا مصدر ''رُؤْيَا'' بھی آتا ہے' جس کا معنی دیکھنا ہے اور ''رُؤْيَةٌ'' بھی آتا ہے جس کا معنی خواب میں دیکھنا ہے' یہاں ''تَرٰى'' کا معنی خواب میں دیکھنا یعنی احتلام ہو جانا مراد ہے۔

احتلام کی صورت میں غسل صرف منی کے نکلنے پر واجب ہوگا

اس حدیث میں ''تغتسل'' خبر بہ معنی امر ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب عورت خواب میں وہ

چیز پائے جو مرد خواب میں پاتا ہے'' فلتغسل '' تو وہ ضرور غسل کرے۔ امام بیہقی اور دیگر محدثین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی نیند سے بیدار ہو اور وہ اپنے جسم یا کپڑے پر تری پائے اور اسے احتلام یاد نہ ہو تو وہ غسل کرے اور جب وہ خواب میں دیکھے کہ اسے احتلام ہو چکا ہے لیکن وہ اپنے جسم یا کپڑے پر تری نہ دیکھے تو پھر اس پر غسل واجب نہیں' اور امام نسائی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ جس عورت کو احتلام ہو جائے اس کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا: جب عورت کو انزال ہو جائے تو وہ غسل کرے۔

امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے اس عورت کے بارے میں پوچھا جو خواب میں وہی چیز دیکھے جو مرد خواب میں دیکھتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جب اس (عورت) سے وہی چیز خارج ہو جو مرد سے خارج ہوتی ہے تو وہ غسل کرے۔

[مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۳۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

مسئلہ: اگر میاں بیوی ایک بستر پر اکٹھے سو جائیں اور بیدار ہونے کے بعد بستر پر تری پائیں تو یہ تری کس کی شمار ہوگی اور ان دونوں میں سے کس پر غسل واجب ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ سفید ہے تو مرد کی طرف سے ہے اور مرد پر غسل واجب ہے اور اگر وہ تری زرد ہے تو عورت کی طرف سے ہے اور عورت پر غسل واجب ہے اور بعض علماء نے کہا کہ اگر وہ تری لمبائی میں پھیل گئی ہو تو مرد کی ہے اور اس پر غسل واجب ہے اور اگر تری چوڑائی میں پھیل گئی ہو تو عورت کی ہے' اس پر غسل واجب ہے لیکن احتیاط اس میں ہے کہ میاں بیوی دونوں غسل کر لیں۔

[اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۳۴-۲۳۳' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر' لمعات التنقیح ج ۲ ص ۱۱۳' مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیہ' لاہور]

۲۰- بَابُ بِئْسَ الْبَيْتُ الْحَمَّامَ

حمام بدترین جگہ ہے

۷۶- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ الْبَيْتُ الْحَمَّامُ هُوَ بَيْتٌ لَا يَسْتُرُ وَمَاءٌ لَا يُطْهِرُ.

کامل ابن عدی (ج ۷ ص ۲۶۷۹) طبرانی (۱۰۹۲۶)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حمام بدترین جگہ ہے' یہی وہ جگہ ہے جہاں پردہ داری نہیں رہتی اور پانی پاک نہیں ہوتا۔

حل لغات

''بِئْسَ'' فعل ماضی جامد ہے' مذمت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے' اس لیے اس کو فعل ذم کہا جاتا ہے اور ''اَلْبَيْتُ'' اس کا معرف باللام فاعل ہے اور بیت کا معنی گھر' مکان اور جگہ ہے اور ''اَلْحَمَّامُ'' مرفوع مخصوص بالذم ہے۔ ''لَا يَسْتُرُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف منفی ہے اور یہ باب نَصَرَ يَنْصُرُ اور باب ضَرَبَ يَضْرِبُ دونوں سے آتا ہے' اس کا معنی ہے: چھپانا' ڈھانکنا اور پردہ کرنا۔ ''لَا يَطْهُرُ'' باب نَصَرَ يَنْصُرُ اور باب كَرُمَ يَكْرُمُ سے صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف منفی ہے' اس صورت میں اس کا معنی ہوتا ہے: پاک ہونا اور جب تفعیل سے ہو تو اس وقت اس کا معنی ہوتا ہے: پاک کرنا۔

مستعمل پانی کے نجس ہونے پر استدلال

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مستعمل پانی (جو حدث دور کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے) نجس و ناپاک ہوتا ہے۔ اس

مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں اور اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بعینہٖ اسی طرح روایت کیا ہے اور البتہ امام ابن عدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

بئس البیت الحمام ترفع فیہ الاصوات وتکشف العورات. بدترین جگہ حمام ہے جس میں آوازیں بلند ہوتی ہیں اور شرمگاہیں کھل جاتی ہیں۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنی بیوی کو حمام میں نہ لے جائے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب پی جاتی ہو۔[شرح مسند امام اعظم ص ١٥٦ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

علامہ علاؤالدین متقی کنز العمال میں لکھتے ہیں:

(١) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان عورت ماسوا بیماری کے حمام میں داخل نہ ہو اور تم اپنی عورتوں کو سورۂ نور کی تعلیم دیا کرو۔ [کنز العمال: ٢٧٤١٣]

(٢) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کسی مومن کے لیے رومال باندھے بغیر حمام میں داخل ہونا جائز نہیں اور کسی مؤمنہ عورت کے لیے بیماری کے علاوہ حمام میں داخل ہونا جائز نہیں کیونکہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے' آپ فرماتی ہیں: بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس عورت نے اپنے گھر کے علاوہ کسی اور جگہ اپنا دوپٹہ اتار کر رکھ دیا تو اس نے یقیناً اپنے اور اپنے پروردگار کے درمیان حجاب کو چاک کر دیا۔[کنز العمال: ٢٧٤١٤]

(٣) حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے لکھا کہ کوئی شخص تہبند باندھے بغیر حمام میں داخل نہ ہو اور نہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔[کنز العمال: ٢٧٤١٧]

(٤) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مردوں اور عورتوں کو حمام میں جانے سے منع کر دیا' پھر مردوں کو تہبند باندھ کر حمام میں جانے کی اجازت دے دی۔[کنز العمال: ٢٧٤٢٠]

(٥) حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے کہا: اے اللہ! جو عورت بغیر کسی بیماری کے حمام میں جائے وہ اس سے یہ چاہتی ہو کہ اس کا چہرہ گورا چٹا ہو جائے تو آپ اس کے چہرے کو اس دن سیاہ کر دینا جس دن بہت سے چہرے سفید اور روشن ہوں گے۔

[کنز العمال: ٢٧٤٢٣] [ماخوذ از کنز العمال ج ٩ ص ٢٤٥۔ ٢٤٤ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان]

واضح ہو کہ حمام کی مذمت میں بہت سی احادیث وارد ہیں کیونکہ اس زمانہ میں عرب میں جو حمام ہوتے تھے ان میں بعض چھت کے بغیر ہوتے اور ان کی چاردیواری بھی چھوٹی ہوتی تھی اور پانی کے ذخیرہ کی جگہ بھی کھلی ہوتی تھی جس کی وجہ سے نہاتے وقت غسل کے پانی کے چھینٹے اس کے اندر گرتے تھے اور لوگ چونکہ برہنہ ہو کر نہاتے تھے اس لیے ستر پوشی اور پردہ داری قائم نہ رہتی اور پانی بھی پاک صاف نہ رہتا جس کی بناء پر شرم و حیاء اور طہارت و پاکیزگی قائم رکھنے کے لیے ایسے حماموں میں نہانے سے منع کرنا ضروری تھا جبکہ بعض حماموں میں پانی کی پاکیزگی کا اہتمام تو ہوتا لیکن پردے کا انتظام نہیں ہوتا تھا اس لیے ایسے حماموں میں بھی عورتوں کو جانے سے منع کر دیا گیا اور مردوں کے لیے ناف سے گھٹنوں تک کپڑا باندھ کر نہانا ضروری قرار دیا گیا' نیز بعض حمام بڑے بڑے ہوتے تھے اور ان میں ٹب نما بڑے بڑے برتن پانی سے بھرے ہوتے تھے اور کئی آدمی ایک دوسرے کے سامنے برہنہ حالت میں ہاتھوں میں پانی لے کر یا دوسرے چھوٹے برتنوں میں پانی لے کر اپنے اپنے جسم پر پانی ڈالتے اور غسل کرتے تھے جس کی وجہ سے

ستر پوشی اور پردہ داری قائم رہتی اور نہ پانی چھینٹوں سے محفوظ رہتا اس لیے حماموں میں نہانے سے منع کیا گیا اور ان کی مذمت کی گئی۔

٢١- بَابُ جَوَازِ فَرْكِ الْمَنِيِّ مِنَ الثَّوْبِ — منی کو کپڑے سے کھرچنے کے جواز کا بیان

٧٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کو کھرچ (کر صاف کر) دیتی تھی۔

بخاری(٢٢٩) مسلم(٦٦٩) ابوداؤد(٣٧٢) ترمذی(١١٦) نسائی(٢٩٧) ابن ماجہ(٥٣٧)

حل لغات

''اَفْرُكُ'' یہ صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کھرچنا' رگڑنا' خوب ملنا۔

منی کے نجس یا طاہر ہونے کی بحث

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ یہ احادیث دلیل ہیں کہ منی نجس و ناپاک ہے جیسا کہ ہمارا (احناف کا) مذہب ہے اور امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے کہ منی نجس اور ناپاک ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک اور امام احمد بن حنبل کے مشہور مذہب میں منی طاہر اور پاک ہے۔ ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں اور اس کے دوستوں کی پیدائش کا مادہ اور اصل منی ہے' سو اس لیے ہم کس طرح کہیں کہ منی نجس و ناپاک ہے جبکہ (نقلی دلیل یہ ہے کہ) دارقطنی اور طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے منی کے بارے میں پوچھا گیا جو کپڑے کو لگ جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ سو آپ نے فرمایا کہ منی رینٹھ اور لعاب دہن کے مشابہ ہے اور کسی کپڑے وغیرہ کے ساتھ اسے صاف کر دینا کافی ہے اور ہم (احناف کی نقلی) دلیل وہ احادیث ہیں جن میں کپڑے وغیرہ سے منی کو دھونے کا حکم دیا گیا اور (گاڑھی اور خشک) منی کو کپڑے سے کھرچ دینے کا حکم محض آسانی کے لیے دیا گیا تاکہ مسلمان مشقت میں مبتلا نہ ہو جائیں طہارت منی کی وجہ سے نہیں اور اگر شوافع وغیرہ یہ کہیں کہ کپڑے وغیرہ سے منی کو دھونا یا کھرچ دینا تو محض کمال نظافت و صفائی کی خاطر ہوتا ہے نہ کہ طہارت و پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے سو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ خلاف ظاہر ہے کیونکہ منی آلود کپڑے وغیرہ کو دھونے یا کھرچنے کے حکم سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم طہارت و پاکیزگی کے لیے ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ منی کو نجس و ناپاک چیزوں میں شامل کیا گیا ہے' چنانچہ ہدایہ (نیز دارقطنی میں حضرت عمار بن یاسر سے) مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: کپڑے کو پانچ چیزوں کے لگ جانے سے دھویا جاتا ہے (١) پیشاب (٢) پاخانہ (٣) خون (٤) منی اور (٥) قئی سے' باقی ان کا عقلی دلیل پیش کرنا کہ اللہ کے محبوب بندوں کی پیدائش کی اصل منی ہے تو اس کا ایک عقلی جواب یہ ہے کہ منی ماں کے رحم میں چالیس روز کے بعد علقۃ یعنی جما ہوا خون بن جاتی ہے اور یہ خون بھی اللہ کے محبوب بندوں کی پیدائش کا اصل ہے حالانکہ سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ خون نجس و ناپاک ہے' نیز کبھی اللہ تعالیٰ پاک کو پلید سے پیدا کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ حلال جانوروں کے دودھ کو خون سے پیدا کرتا ہے اور اس کا دوسرا عقلی جواب یہ ہے کہ منی جس طرح اولیاء اللہ کی پیدائش کی اصل ہے اسی طرح یہ دشمنان خدا ابوجہل' فرعون' ابولہب وغیرہ کی پیدائش کی بھی اصل ہے تو اب ہم کس طرح کہیں کہ منی پاک ہے کیونکہ یہ نجس و ناپاک مشرکوں اور کافروں کی پیدائش کی بھی اصل ہے لیکن (ان کی نقلی دلیل کا جواب یہ ہے) حضرت ابن عباس کی حدیث کے صحیح ہونے میں جرح و تنقید کی گئی ہے اس لیے یہ قابل اعتماد نہیں رہی اور اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ منسوخ ہے۔ واللہ اعلم [اشعۃ اللمعات ج

اول ص ۲۵۲ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر] ملا علی قاری نے اس حدیث کے تحت اسی طرح گفتگو کی ہے۔ البتہ انہوں نے حنفیوں کی دلیل میں وہ حدیث بھی پیش کی ہے جو صحیح ابوعوانہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے خشک (اور گاڑھی) منی کو کھرچ دیتی تھی اور جب منی تر اور گیلی ہو تو میں اسے دھو دیتی تھی اور یہ روایت دارقطنی نے بھی روایت کی ہے نیز ملا علی قاری نے حضرت عمار بن یاسر کی حدیث دارقطنی کے حوالے سے نقل کی ہے جسے شیخ محقق نے ہدایہ سے نقل کیا ہے۔[مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۶۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

۷۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ هَمَّامٍ اَنَّ رَجُلًا اَضَافَتْهُ عَائِشَةُ اُمُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِ بِمِلْحَفَةٍ فَالْتَحَفَ بِهَا اللَّيْلَ فَاَصَابَتْهُ جَنَابَةٌ فَغَسَلَ الْمِلْحَفَةَ كُلَّهَا فَقَالَتْ مَا اَرَادَ بِغَسْلِ الْمِلْحَفَةِ اِنَّمَا كَانَ يُجْزِيْهِ اَنْ يَفْرُكَهُ لَقَدْ كُنْتُ اَفْرُكُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يُصَلِّيْ فِيْهِ. مسلم(٦٦٨) ابوداؤد(۳۷۱) ترمذی(١١٦) نسائی(۲۹۸) ابن ماجہ(۵۳۸) مسند احمد(٢٤٦٥٩) دارقطنی(ج ۱ص ۱۲۵) طحاوی(۲۵۳) ابن خزیمہ(۲۸۸)

حضرت ابراہیم از ہمام روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک آدمی کو اپنے مہمان خانہ میں ٹھہرایا اور آپ نے اس کے لیے ایک لحاف بھیجا جسے اس نے رات کو اوڑھ لیا اور وہ آدمی احتلام کی وجہ سے جنبی ہو گیا تو اس نے احتیاطاً سارا لحاف دھو ڈالا (جب آپ کو لونڈی کے ذریعہ معلوم ہوا) تو آپ نے فرمایا کہ لحاف کے دھونے سے اس کا کیا مقصد تھا؟ کیونکہ اس کے لیے نشان جنابت کو صرف اچھی طرح کھرچ دینا کافی تھا' بے شک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھی' پھر آپ اسی میں نماز ادا فرماتے۔

حل لغات

''اَضَافَتْهُ'' اس میں اضافت صیغہ واحد مونث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: ضیافت کرنا' مہمان نوازی کرنا' اور ہ ضمیر راجع سوئے رجل مفعول بہ ہے۔ ''مِلْحَفَةٌ'' یہ اسم آلہ صیغہ واحد مونث ہے' اس کا معنی ہے: لحاف اوڑھنا' کپڑا پہننا۔ ''اِلْتَحَفَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افتعال ہے' اس کا معنی لحاف اوڑھنا' رضائی پہننا۔ ''يُجْزِئُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: کافی ہو جانا۔

ناپاک کپڑے میں سونا جائز اور نماز ناجائز ہے

امام ترمذی نے اعمش' ابراہیم اور ہمام بن حارث کے واسطے سے تقریباً اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن (عمدہ) اور صحیح ہے اور فقہاء میں سے سفیان' احمد بن حنبل اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ انہوں نے کہا اگر منی کپڑے کو لگ جائے تو اسے کھرچ دینا کافی ہے دھونے کی ضرورت نہیں اور اعمش کی روایت کی طرح از منصور از ابراہیم' از ہمام بن حارث از عائشہ مروی ہے اور ابومعشر نے یہ حدیث از ابراہیم از اسود از عائشہ روایت کی ہے لیکن حضرت اعمش کی روایت زیادہ صحیح ہے اور امام ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت اعمش سے روایت کی ہے۔ امام ابوداؤد نے یہ حدیث از الحکم از ابراہیم از ہمام بن حارث روایت کی ہے کہ حضرت ہمام بن حارث حضرت عائشہ صدیقہ کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ رات کو انہیں احتلام ہو گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ کی لونڈی نے حضرت ہمام کو دیکھا کہ آپ اپنے کپڑے سے جنابت کو دھو رہے ہیں تو اس لونڈی نے حضرت عائشہ صدیقہ کو یہ خبر سنائی تو آپ نے فرمایا: بے شک میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچ دیتی تھی اور امام طحاوی نے نقل کیا ہے کہ ایک فریق نے کہا ہے کہ منی طاہر و پاک ہے اس پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جا سکتا اور انہوں نے انہیں مذکورہ بالا آثار سے

استدلال کیا ہے اور دوسرے فریق نے کہا ہے: بلکہ منی نجس و ناپاک ہے اور یہ آثار حجت و دلیل نہیں بن سکتے کیونکہ یہ آثار تو سونے کے کپڑوں کے ذکر میں وارد ہوئے ہیں نماز کے کپڑوں کے بارے میں نہیں آئے' ہم یقیناً دیکھتے اور جانتے ہیں کہ جو کپڑے پیشاب' پاخانہ اور خون وغیرہ سے نجس و ناپاک ہو جاتے ہیں ان میں سونا ناجائز اور منع نہیں ہے البتہ ان میں نماز پڑھنا ناجائز اور ممنوع ہے کہ طہارت لباس شرط صحت نماز ہے اور یہ آثار و احادیث ہم پر تب حجت ہوتے جب ہم کہتے کہ نجس کپڑے میں سونا جائز نہیں حالانکہ ہم ناپاک کپڑے میں سونا جائز سمجھتے ہیں اور لیکن ہم تو یہ کہتے ہیں کہ نجس و ناپاک کپڑے میں نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ آپ کے اس کپڑے کو دھو دیتی تھیں جس میں آپ نماز پڑھا کرتے جب اسے منی لگ جاتی' چنانچہ حضرت سلیمان بن یسار حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں' آپ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھو دیا کرتی تھی' پھر آپ نماز ادا کرنے کے لیے تشریف لے جاتے اور آپ کے کپڑے میں پانی کی تری کے نشان موجود ہوتے' پس حضرت صدیقہ آپ کے اس کپڑے سے منہ کو دھو دیا کرتی تھیں جس میں آپ نماز پڑھتے تھے اور آپ کے اس کپڑے سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھیں جس میں آپ نماز نہیں پڑھتے تھے' البتہ فریق اول علقمہ اور اسود وغیرہما کی حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی حدیث بطور حجت فریق ثانی پر پیش کر سکتے ہیں جس میں آپ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے سے خشک منی اپنی انگلیوں سے کھرچ دیتی تھی' پھر آپ اس میں نماز ادا فرماتے اور اس کو نہیں دھوتے تھے' سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث منی کی طہارت پر دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ جائز ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑے سے خشک منی کو اپنی انگلیوں کے ساتھ کھرچ کر صاف کر دیتی ہوں اور کپڑا پاک ہو جاتا ہو اگرچہ منی فی نفسہ نجس و ناپاک ہے جیسا کہ مروی ہے کہ جوتے اور موزے کو گندگی لگ جائے تو ان دونوں کی طہارت مٹی سے صاف کرنا ہے کیونکہ ان کی طہارت میں مٹی دھونے سے کفایت کرتی ہے تو جس طرح یہ عمل گندگی کی طہارت کی دلیل نہیں بلکہ گندگی تو فی نفسہ نجس و ناپاک ہی ہے لیکن گندگی سے آلودہ جوتے اور موزے صرف مٹی سے صاف کرنے پر طاہر و پاک ہو جاتے ہیں' اسی طرح منی فی نفسہ نجس و ناپاک ہی ہے لیکن خشک منی کو کپڑے سے کھرچ دیا جائے تو کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔

[ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۳۸ حاشیہ ۶' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۲۲- بَابُ اَيُّمَا اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ

جس کھال کو رنگ دیا جائے وہ پاک ہو جاتی ہے

۷۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ.

مسلم(۸۱۲) بخاری(١٤٩٢) ترمذی(۱۷۲۸) نسائی(٤٢٤٦) ابن ماجہ(٣٦٠٩) مسند احمد(۱۸۹۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو چمڑا رنگ دیا جائے وہ یقیناً پاک ہو جاتا ہے۔

حل لغات

''اِهَابٍ'' کچی کھال' خام چمڑا۔ ''دُبِغَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: دباغت دینا' چمڑا رنگنا۔ ''طَهُرَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب كَرُمَ يَكْرُمُ سے ہے' بہ معنی پاک ہونا۔

خنزیر کا چمڑا نجاست اور انسان کا عزت و کرامت کی بنا پر پاک نہیں ہوتا

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ ہر قسم کا چمڑا رنگنے کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔ البتہ علمائے اسلام نے خنزیر کے چمڑے کو اس سے مستثنیٰ

قرار دیا ہے کیونکہ خنزیر نجس العین یعنی بعینہٖ سراپا نجس و ناپاک اور غلیظ جانور ہے اس لیے اس کی کھال رنگنے کے باوجود پاک نہیں ہوگی اور انسان کی کھال کو بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا لیکن یہ استثناء محض انسان کی عزت و کرامت اور اس کے احترام و بزرگی کی وجہ سے کیا گیا ہے تاکہ اس کی کھال اتار کر توہین و اہانت اور بے حرمتی نہ کی جائے اور کتے کی کھال میں اختلاف ہے اور اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے اپنی اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۷۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "**اذا دبغ الاھاب فقد طھر**" (رواہ مسلم) یعنی جب کسی کھال کو رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

(۲) انہیں سے مروی ہے' فرمایا: حضرت میمونہ کی لونڈی کو ایک بکری صدقہ دی گئی' سو وہ مر گئی اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے پاس گزرے تو فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتار لی' تم اسے رنگ دے کر پکا لیتے اور اس سے نفع اٹھاتے' لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تو مردار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا صرف کھانا حرام ہے۔ (متفق علیہ)

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت سودہ فرماتی ہیں کہ ہماری ایک بکری مر گئی تو ہم نے اس کا خام چمڑا رنگ لیا' پھر ہم اس میں نبیذ (یعنی انگور یا کھجور کا جوس) تیار کرتے رہے یہاں تک کہ وہ پرانی مشک بن گیا۔ رواہ البخاری

[مشکوٰۃ شریف ص ۵۲' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی' باب تطہیر النجاسات]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ ابن الملک نے فرمایا: حضرت ابن عباس کی مرفوع حدیث اپنے عموم کے اعتبار سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف حجت ہے کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ مردار کی کھال رنگنے سے بھی پاک نہیں ہوتی اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف بھی حجت ہے کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ کتے کی کھال رنگنے سے بھی پاک نہیں ہوتی' البتہ اس کے عموم سے آدمی کو اس کے اکرام و احترام کے سبب اور خنزیر کو اس کے نجس العین ہونے کی بنا پر مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور حدیث ابن عباس اور حدیث سودہ دونوں اس بات کی دلیل ہیں کہ کھال کا ظاہر اور باطن دونوں رنگنے کے بعد پاک ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کا استعمال تر چیزوں میں بھی جائز ہو جاتا ہے اور اس میں نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ علامہ ابن الہمام نے فرمایا کہ اس باب میں امام دارقطنی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کی ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب مردار کے خام چمڑوں کو رنگ دیا جائے تو ان سے فائدہ اٹھاؤ' خواہ انہیں مٹی سے یا راکھ سے یا نمک سے رنگ کر صاف کیا جائے یا دھوپ وغیرہ سے سوکھ کر خشک ہو جائیں اور بدبو وغیرہ ختم ہو جائے اور شرح السنۃ میں مذکور ہے کہ یہ احادیث دلیل ہیں کہ حلال جانوروں کے علاوہ سے نفع اٹھانا حرام نہیں جیسے بال' سوکھی ہڈیاں' دانت' سینگ وغیرہ کیونکہ ان میں حیات نہیں ہوتی اس لیے جانور کے مرنے پر یہ چیزیں نجس و ناپاک نہیں ہوتیں اور ہاتھی کی ہڈیوں کے استعمال کو جائز قرار دیا گیا ہے اور انہوں نے فرمایا کہ ہاتھی کے دانت اور اس کی ہڈیوں کی تجارت میں کوئی حرج نہیں اور القاموس میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے غلام حضرت ثوبان سے فرمایا کہ تم ہاتھی کے دانتوں سے تیار کردہ کنگن حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے لیے خرید کر لاؤ۔ [ماخوذ از مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۷۱۔۷۰' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

معلوم ہونا چاہیے کہ دباغت کے بعد چمڑے کا پاک ہونا بہ اتفاق ائمہ اربعہ ثابت ہے خواہ مردار ہو یا ذبح شدہ ہو' ماکول اللحم

جانور کا ہو یا غیر ماکول اللحم جانور کا ہو' البتہ امام احمد بن حنبل کے بعض اصحاب مردار کے چمڑے کے بارے میں کلام کرتے ہیں' ان میں سے محققین طہارت کے قائل ہیں اور اس باب میں احادیث مشہور ہیں' البتہ خنزیر اور آدمی کا چمڑہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ آدمی عزت و کرامت کی وجہ سے اور خنزیر اہانت و حقارت کی وجہ سے اور کتے کے چمڑے کے بارے میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ خنزیر کی طرح نجس العین نہیں ہے اور ہاتھی امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خنزیر کا حکم رکھتا ہے اور امام ابوحنیفہ' امام ابویوسف اور دیگر ائمہ کے نزدیک اس طرح نہیں ہے اور سلف سے منقول ہے کہ ہاتھی وغیرہ کی طرح مردار جانوروں کی خشک ہڈیوں سے نفع اٹھانا جائز ہے۔ امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہاتھی کے دانت کی کنگھی تھی اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا وعلیٰ آبائہا الکرام کے لیے ہاتھی دانت کے دو کنگن خریدے گئے تھے اور مشہور یہی ہے کہ عاج ہاتھی کے دندان کا نام ہے اور بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ دوسرے دریائی جانور کا نام ہے جس کو ذبل کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دریائی کچھوے کا نام ہے۔ واللہ اعلم! [ماخوذ از اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۵۳' مطبوعہ نوریہ رضویہ' سکھر]

۸۰- **اَبُوْحَنِیْفَةَ** عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِشَاةٍ مَّيِّتَةٍ لِّسَوْدَةَ فَقَالَ مَا عَلٰى اَهْلِهَا لَوِ انْتَفَعُوْا بِاِهَابِهَا فَسَلَخُوْا جِلْدَ الشَّاةِ فَجَعَلُوْهُ سِقَاءً فِي الْبَيْتِ حَتّٰى صَارَتْ شَنًّا. بخاری (۶۶۸۶) مسلم (۸۰۶) نسائی (۴۲۴۵) مسند احمد (ج ۶ ص ۴۲۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت میں مری ہوئی بکری کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ اس کے مالکوں کا کوئی نقصان نہیں ہوگا اگر وہ اس کی کھال سے (رنگنے کے بعد) فائدہ اٹھا لیں' چنانچہ ان لوگوں نے بکری کی کھال کو اتارا اور اس کا مشکیزہ بنا کر گھر میں رکھ لیا یہاں تک کہ وہ پرانا ہو گیا۔

حل لغات

"مَرَّ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: گزرنا۔ "اِنْتَفَعُوْا" صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: نفع اور فائدہ حاصل کرنا۔ "سَلَخُوْا" صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کھال اتارنا۔ "سِقَاءً" پانی پینے کا آلہ' مشکیزہ۔ "شَنًّا" پرانا ہو جانا۔

دباغت کے بعد مردار کی کھال کی طہارت کی تحقیق

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث کو بیان کیا ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشکیزہ سے وضو کرنا چاہا تو آپ کو بتلایا گیا کہ یہ مشکیزہ مردار کی کھال رنگ کر تیار کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی دباغت و رنگائی نے اس کی خباثت و نجاست اور اس کی ناپاکی کو زائل کر دیا ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی القاری ص ۲۷۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

شیخ محقق محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے ائمہ نے مردار کے چمڑے کی طہارت میں کلام کیا ہے اور اس باب میں وارد شدہ احادیث پر جرح کی ہے' البتہ ان میں سے بعض علماء نے ان احادیث کو صحیح تسلیم کیا ہے لیکن انہوں نے کتاب اللہ (قرآن) کے عام حکم کی سنت کے ذریعہ تخصیص کا انکار کیا ہے اور وہ یہ ارشاد ہے: "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ" (المائدہ: ۳) تم پر مردار حرام کر دیا گیا

ہے۔

چونکہ کھال بھی مردار کا حصہ ہے اس لیے اس سے نفع حاصل کرنا مردار کے گوشت کی طرح حرام ہے اور انہوں نے ایسی احادیث بیان کی ہیں جن میں مردار کی کھال' اس کے پٹھے اور ہڈیوں سے فائدہ اٹھانا ممنوع قرار دیا گیا ہے' چنانچہ ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن حکیم کی حدیث ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک خط ہمارے پاس آیا کہ تم مردار کی کھال اور اس کی ہڈیوں سے فائدہ حاصل نہ کرو اور حضرت صالح بن احمد بن حنبل کی طرف سے ایک حکایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میرے نزدیک دباغت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی اور انہوں نے دار قطنی سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے تمہیں مردار کی کھال کے متعلق رخصت و اجازت دی تھی لیکن اب جب تمہارے پاس میرا خط پہنچ جائے تو تم لوگ مردار کی کھال اور اس کے پٹھوں وغیرہ سے فائدہ نہ اٹھانا اور یہ حدیث دلیل ہے کہ رخصت کے بعد منع کیا گیا ہے' لہٰذا اگر رخصت تھی تو ممانعت سے پہلے تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح اور حق بات یہی ہے کہ دباغت اور رنگائی کے بعد چمڑے سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں صحیح مشہور احادیث مروی ہیں اور ایسی احادیث سے کتاب اللہ (یعنی قرآن مجید) پر اضافی حکم جائز ہے اور قرآن مجید کی حرمت و ممانعت مجمل ہے عام نہیں ہے' سنت نے اس کی وضاحت و تفصیل بیان کی ہے اس لیے امام احمد بن حنبل کے مذہب کے محققین علماء دباغت کے بعد مردار کی کھال کی طہارت کے قائل ہیں اور مخالفین کی احادیث ضعیف ہیں حلت و حرمت کے مسائل میں مفید نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مخالفین کی احادیث میں اہاب کی حرمت و ممانعت بیان کی گئی ہے اور اہاب تو دباغت سے پہلے کچی کھال کو کہتے ہیں جو خون آلود بدبودار ہوتی ہے اس کی حرمت کا کوئی منکر نہیں اور تخصیص کا انکار لغت عرب کا منہ چڑھانے کے مترادف ہے۔ [ماخوذ از لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ٢ ص ١٥٥' مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیۃ' شیش محل روڈ' لاہور]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

٤- كِتَابُ الصَّلٰوةِ

نماز کا بیان

٨١- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ اَنَّهٗ صَلّٰى صَلٰوةً فَخَفَّفَهَا وَاَكْثَرَ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَهٗ رَجُلٌ اَنْتَ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُصَلِّىْ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ فَقَالَ اَبُوْ ذَرٍّ اَلَمْ اُتِمَّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ قَالَ بَلٰى قَالَ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سَجَدَ لِلّٰهِ سَجْدَةً رَفَعَ بِهَا دَرَجَةً فِى الْجَنَّةِ فَاَحْبَبْتُ اَنْ تُؤْتٰى لِىْ دَرَجَاتٌ اَوْ تُكْتَبَ لِىْ دَرَجَاتٌ. وَفِىْ رِوَايَةٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِىِّ عَمَّنْ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ مَرَّ بِاَبِىْ ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ وَهُوَ يُصَلِّىْ صَلٰوةً خَفِيْفَةً يُكْثِرُ فِيْهَا الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَلَمَّا سَلَّمَ اَبُوْ ذَرٍّ قَالَ لَهُ

حضرت عبداللہ ابن مسعود' حضرت ابوذر غفاری سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نماز پڑھی تو اس کو ہلکا پھلکا ادا کیا اور رکوع اور سجدے بہت زیادہ ادا کیے' پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک آدمی نے آپ سے عرض کیا کہ آپ تو رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اور حالت یہ ہے کہ آپ اس قدر ہلکی نماز ادا کرتے ہیں' سو آپ نے فرمایا: کیا میں نے رکوع اور سجدہ مکمل ادا نہیں کیا؟ اس آدمی نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا: بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کا ایک درجہ بلند فرما دیتا ہے' سو میں نے چاہا کہ مجھے بہت سے درجے عطا کیے جائیں یا میرے لیے بہت سے درجات لکھے جائیں اور حضرت ابراہیم نخعی سے جس نے یہ حدیث بیان کی اس کی دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ ایک آدمی مقام ربذہ میں حضرت ابوذر

الرَّجُلُ تُصَلِّىْ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ وَقَدْ صَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْ ذَرٍّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سَجَدَ لِلّٰهِ سَجْدَةً رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً فِى الْجَنَّةِ فَلِذٰلِكَ اُكْثِرُ فِيْهَا السُّجُوْدَ. مسلم(١٠٩٣) ترمذی(٣٨٨) نسائی (١١٤٠) ابن ماجہ(١٤٢٣)

غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا جہاں آپ ہلکی پھلکی نماز ادا کر رہے تھے اور رکوع اور سجدے بہت سے ادا کر رہے تھے' پھر جب حضرت ابوذر غفاری نے سلام پھیرا تو اس آدمی نے عرض کیا: آپ اس قدر ہلکی پھلکی نماز پڑھ رہے ہیں حالانکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی صحابیت کا شرف و اعزاز کا حاصل کیا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے عوض میں اس کا ایک درجہ بلند فرما دیتا ہے' سو اس لیے میں نماز میں سجدے زیادہ ادا کرتا ہوں۔

حل لغات

''خَفَّفَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: تخفیف کرنا' ہلکا کرنا' مختصر کرنا۔ ''اَكْثَرَ'' صیغہ مذکورہ بالا ہے مگر یہ باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: زیادہ کرنا' بہتا کرنا' بڑھانا۔ ''اِنْصَرَفَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب انفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: پھر جانا' مراد نماز سے فارغ ہونا ہے۔ ''اَحْبَبْتُ'' صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: پسند کرنا' چاہنا' پیار کرنا۔ ''تُؤتٰى'' صیغہ واحد مونث غائب فعل مضارع مجہول باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: دینا' عطا کرنا۔

نماز کی فرضیت و اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں

معلوم ہونا چاہیے کہ اس حدیث کے تحت تین مسائل کی وضاحت بہت اہمیت رکھتی ہے: (١) نماز کی فرضیت و اہمیت (٢) نماز میں طویل قیام اور کثرت سجود کی باہمی افضلیت (٣) تخفیف نماز اور تطویل نماز کی فضیلت' لہٰذا یہاں پہلے دو مسائل کی وضاحت کی جا رہی ہے جبکہ تیسرے مسئلہ کی وضاحت تخفیف نماز کے باب میں بیان کی جائے گی۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۝ (البقرۃ: ٤٣) اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۝

اس آیت میں نماز و زکوٰۃ کی فرضیت کا بیان ہے' علامہ خازن نے اپنی تفسیر لباب التاویل میں لکھا ہے کہ نماز و زکوٰۃ کا خطاب سب کو ہے اور رکوع کرنے کا خطاب صرف بنی اسرائیل کو ہے کہ ان کی نماز میں رکوع نہیں تھا۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۝ (البقرۃ: ٢٣٨) تم تمام نمازوں کی حفاظت کرو' اور درمیان والی نماز کی اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہو۝

یعنی پنجگانہ فرض نمازوں کو ان کے اوقات پر ارکان و شرائط کے ساتھ پابندی سے ادا کرتے رہو۔ اس آیت میں پانچوں نمازوں کی فرضیت کا بیان ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝ (الروم: ٣١) اور تم نماز کو قائم رکھو اور مشرکوں سے نہ ہو جاؤ۝

اس آیت میں پہلے نماز کی فرضیت واہمیت کو بیان کیا گیا ہے' پھر ترک نماز پر شدید وعید سنائی گئی کہ جس طرح نماز قائم کرنا فرض ولازم ہے اسی طرح ترک نماز کفر وشرک کے مترادف ہے۔نماز کا ذکر زکوٰۃ کے ساتھ قرآن مجید میں بیاسی مرتبہ آیا ہے۔

نماز کی فرضیت واہمیت احادیث کی روشنی میں

واضح ہو کہ نماز کی فرضیت واہمیت اور اس کی تاکید میں بے شمار احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں ان میں کچھ درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچوں نمازیں فرض فرمادی ہیں۔ [اخرجہ مسلم والنسائی والترمذی]

(۲) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سفر وحضر میں دو دو رکعتیں نماز فرض فرمائیں' پھر سفر میں وہی برقرار رہیں اور حضر میں زیادہ کردی گئیں۔[اخرجہ البخاری]

(۳) حضرت میسرہ بن معبد جہنی مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ جب بچہ سات سال کا ہوجائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب وہ دس سال کا ہوجائے تو تم اسے نماز نہ پڑھنے پر مارو۔[اخرجہ ابوداؤد ونحوہ عند الترمذی]

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہر نماز کے وقت پکار کر کہتا ہے: اے بنی آدم! تم اس آگ کی طرف کھڑے ہوجاؤ جسے تم نے (گناہوں کے سبب) اپنے خلاف جلایا ہے' سو تم نماز کے ذریعہ اسے بجھا دو۔[رواہ الطبرانی]

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر سب سے پہلے پانچ نمازیں فرمائیں اور ان کے اعمال میں سے سب سے پہلے پانچ نمازیں (بارگاہ الٰہی میں پیش کرنے کے لئے) اٹھائی جائیں گی اور سب سے پہلے پانچ نمازوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔[رواہ الحاکم]

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے جس چیز کا حساب ہوگا وہ نماز ہے' اگر وہ درست ہوئی تو اس کے باقی اعمال درست ہوں گے اور اگر وہ درست نہ ہوئی تو اس کے باقی اعمال بھی خراب ہوں گے۔ [رواہ الطبرانی فی اوسط]

(۷) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارے درمیان اور منافقین کے درمیان عہد نماز ہے' جس نے نماز کو ترک کیا تو اس نے کفر کیا (یعنی کفران نعمت کیا)۔[رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ]

(۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ رفعاً بیان کرتے ہیں کہ جس نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کیا تو اس نے یقیناً اعلانیہ کفر کیا۔ [رواہ الطبرانی فی اوسط]

(۹) حضرت انس سے ہی مرفوع حدیث مروی ہے کہ ہمارے درمیان اور شرک کے درمیان حد فاصل ترک نماز ہے' جس نے نماز کو ترک کیا اس نے شرک کیا۔[رواہ ابن ماجہ]

(۱۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دین میں نماز کا مقام اس طرح ہے جس طرح جسم میں سر کا مقام ہے۔[اخرجہ الدیلمی]

(۱۱) حضرت ابن عمر سے ہی مروی ہے کہ نماز دین کا ستون ہے' جس نے نماز کو قائم رکھا اس نے یقیناً دین کو قائم رکھا اور جس نے نماز کو ترک کردیا تو اس نے دین کو مٹادیا۔[رواہ البیہقی فی الشعب]

(۱۲) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث میں مروی ہے کہ جب مسلمان نماز پڑھنے لگتا ہے تو اس کے گناہ اس کے سر پر بلند

کیے جاتے ہیں' پھر جب وہ نماز کے سجدے میں جاتا ہے تو اس کے گناہ جھڑنے لگ جاتے ہیں' پھر جب وہ نماز سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے گناہ جھڑ چکے ہوتے ہیں۔[رواہ الطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی الشعب]

(۱۳) امام طبرانی نے الجامع الکبیر میں مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان اچھی طرح وضو کرے اور نماز کے ارکان وحقوق کا خیال رکھتے ہوئے اسے سمجھ کر ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

(۱۴) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مسلمان بندہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو جنت کے تمام دروازے اس کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تمام حجابات کھول دیئے جاتے ہیں اور حور عین اس کا استقبال کرتی ہیں جب تک وہ نماز میں ناک جھاڑنے اور کھانسنے سے باز رہتا ہے۔ [تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۴۰]

طویل قیام اور کثرت سجود کی فضیلت واہمیت

نماز کے تمام ارکان فضیلت واہمیت کے حامل ہیں لیکن ایک دوسرے کے مقابلے میں افضلیت و برتری اور اجر وثواب کے زیادہ ہونے کے بارے میں اہل علم کے تین مختلف نظریات ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ سجدے میں زیادہ سے زیادہ تسبیحات پڑھ کر اس کو طویل ودراز اور لمبا کر کے ادا کرنا افضل واعلیٰ اور بہتر ہے اور زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قیام میں زیادہ سے زیادہ تلاوت قرآن مجید کر کے اس کو طویل ودراز ادا کرنا افضل واعلیٰ اور بہتر ہے اور زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے' یہ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا نظریہ ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ بعض اعتبار سے قیام افضل ہے اور بعض اعتبار سے سجدہ افضل ہے کیونکہ تلاوت قرآن اور مشقت وریاضت کے اعتبار سے قیام افضل ہے اور قرب الٰہی اور عجز وانکساری کے اعتبار سے سجدہ افضل ہے۔

حضرت ابوذر غفاری کی حدیث سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے اور یہ حدیث مختلف الفاظ سے روایت کی گئی ہے' چنانچہ علامہ ملا علی قاری نے اس کی شرح میں وہ تمام روایات انہیں الفاظ کے ساتھ بیان کی ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

(۱) امام احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ حضرت ابوذر نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتا ہے اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اس کا ایک گناہ معاف کردیا جاتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے۔

(۲) امام طبرانی نے حضرت ابوامامہ سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
تم کثرت سے سجدے کرو کیونکہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کردیتا ہے۔

(۳) امام احمد بن حنبل' امام طحاوی اور امام رویانی نے حضرت ابوذر غفاری سے یوں نقل کیا ہے کہ جو شخص ایک رکعت یا ایک سجدہ ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کردیتا ہے اور اس کا ایک گناہ معاف کردیتا ہے۔

(۴) امام ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت عبادہ بن صامت سے اس طرح روایت کیا ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اس کا ایک گناہ معاف کردیتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے' پس تم کثرت سے سجدے کرو۔[شرح مسند امام اعظم ص ۱۲۷-۱۲۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب' نیز بقول امام نووی امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ کثرت رکوع وسجود سے تطویل قیام افضل ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل نماز وہ ہے جس میں قیام طویل ہو۔
[صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی]

(۲) قیام میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے جبکہ سجدہ میں تسبیحات پڑھی جاتی ہیں اور تلاوت قرآن نہ صرف تسبیحات سے افضل ہے بلکہ مطلقاً افضل عبادت ہے اس لیے قیام سجدہ سے افضل ہے' چنانچہ حدیث میں ہے:

(ا) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اَعْبَدُ النَّاسِ اَکْثَرُھُمْ تِلَاوَۃً لِّلْقُرْاٰنِ. لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرنے والا ہے۔
[رقم الحدیث: ۲۲۵۷' کنز العمال ج ۱ ص ۲۵۷' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ' ملتان]

(ب) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:
اَفْضَلُ الْعِبَادَۃِ قِرَاءَۃُ الْقُرْاٰنِ. سب سے افضل عبادت قرآن مجید کی تلاوت ہے۔
[رقم الحدیث: ۲۲۶۰' کنز العمال ج ۱ ص ۲۵۷' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ' ملتان شریف]

(ج) حضرت نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
اَفْضَلُ عِبَادَۃِ اُمَّتِیْ تِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ. میری امت کی افضل عبادت قرآن کی تلاوت ہے۔
[رقم الحدیث: ۲۲۶۱' کنز العمال ج ۱ ص ۲۵۷' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ' ملتان]

(۳) قیام میں محنت و مشقت اور ریاضت سجدے سے زیادہ ہوتی ہے اس لیے طویل و دراز قیام افضل ہے' طویل سجدہ سے' چنانچہ حدیث میں ہے:
حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اتنا طویل قیام فرماتے حتیٰ کہ آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے۔
[صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۵۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی]

۱- بَابٌ بَیْنَ السُّرَّۃِ وَالرُّکْبَۃِ عَوْرَۃٌ

ناف سے گھٹنے تک کا درمیانی حصہ ستر ہے

۸۲- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰہِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ السُّرَّۃِ وَالرُّکْبَۃِ عَوْرَۃٌ.

حضرت ابراہیم نخعی نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ناف سے گھٹنے تک کا درمیانی حصہ ستر ہے۔

ابوداؤد (۴۰۱۴) ترمذی (۲۷۹۶) طیالسی (۱۱۷۶) مستدرک للحاکم (۶۴۶۶)

حل لغات

"بَیْنَ" کا معنی ہے: درمیان۔ "سُرَّۃٌ" کا معنی ناف ہے اور "رُکْبَۃٌ" کا معنی ہے: گھٹنا اور "عَوْرَۃٌ" اس کا معنی ہے: انسان کا وہ حصہ جس کا اجنبی سے چھپانا واجب ہو۔

ستر کی حد بندی

اس حدیث کو امام حاکم نے المستدرک میں حضرت عبداللہ بن جعفر سے بیان کیا ہے اور امام دارقطنی نے از عطاء بن یسار از ابی ایوب روایت کیا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

مَا فَوْقَ الرُّکْبَۃِ مِنَ الْعَوْرَۃِ وَمَا اَسْفَلَ مِنَ السُّرَّۃِ مِنَ الْعَوْرَۃِ. یعنی گھٹنے سے اوپر کا حصہ ستر ہے اور ناف کے نیچے کا حصہ ستر ہے۔

نیز امام دارقطنی نے حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فَاِنَّ مَا تَحْتَ سُرَّتِہٖ اِلٰی رُکْبَتِہٖ عَوْرَۃٌ" بے شک ناف کے نیچے سے گھٹنے تک شرمگاہ ہے (جس کا چھپانا واجب ہے)۔ حضرت علقمہ' حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَلرُّکْبَۃُ مِنَ الْعَوْرَۃِ" گھٹنا' شرمگاہ میں سے ہے (جس کو چھپانا واجب ہے) اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مقام شرم وحیا کا اجنبی آدمی سے چھپانا واجب الاجماع ہے (جس کے چھپانے پر سب اہل علم کا اجماع اور اتفاق ہے) اور نماز میں اس کو اپنے آپ سے چھپانا جائز ہے مگر امام مالک کے نزدیک اپنے آپ سے قابل شرم وحیا مقام کو نماز وغیرہ میں چھپانا واجب ہے جیسا کہ ہمارے ائمہ (امام ابوحنیفہ' امام ابویوسف قاضی اور امام محمد بن حسن شیبانی وغیرہم) کے نزدیک طواف کعبہ کے وقت قابل ستر اعضاء کو چھپانا واجب ہے اور تمام ائمہ دین کا اتفاق ہے کہ مرد کی ناف شرمگاہ میں شامل نہیں ہے (لہٰذا اس کا چھپانا واجب نہیں ہے) مگر امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ گھٹنے بھی شرمگاہ میں شامل نہیں جبکہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ گھٹنے شرمگاہ میں شامل ہیں' ان کا چھپانا واجب ہے۔

اور بعض شافعی علماء بھی یہی کہتے ہیں اور بعض علماء نے کہا کہ ناف اور گھٹنے دونوں قابل ستر ہیں ان کا چھپانا واجب ہے اور بعض اہل ظواہر (غیر مقلدین) نے بھی یہی کہا اور اس سب کی اصل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ. تم مسجد میں (نماز پڑھنے) جاتے وقت اچھا لباس پہن لیا کرو۔
(الاعراف: ۳۱)

یعنی تم اپنے آگے اور اپنے پیچھے کے قابل شرم وحیا اور قابل ستر اعضاء کو چھپا کر رکھو۔
[شرح مسند امام اعظم للملا علی قاری ص ۵۶-۵۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

امام بیہقی نے حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی جس کے آخر میں ہے: "فَاِنَّ مَا تَحْتَ السُّرَّۃِ اِلٰی رُکْبَتِہٖ مِنَ الْعَوْرَۃِ" سو بے شک ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ستر ہے۔ [السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۹' مطبوعہ نشر السنۃ' بیرون بوہڑ گیٹ' ملتان]

اعلاء السنن نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ [ج ۲' ص ۶۳۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' لبنان] بہ حوالہ سنن الدارقطنی باب الصلوات الفرائض والحث خمس (ج ۱ ص ۲۳۰) المسند للامام احمد (ج ۲ ص ۱۸۷) زیلعی باب شروط الصلوٰۃ (ج ۱ ص ۲۹۶-۱۶۹)]

۲- بَابُ بَیَانِ جَوَازِ الصَّلٰوۃِ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ

ایک کپڑے میں نماز کے جائز ہونے کا بیان

۸۳- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّہٗ اَمَّھُمْ فِیْ قَمِیْصٍ وَّاحِدٍ وَّ عِنْدَہٗ فَضْلُ ثِیَابٍ یُعَرِّفُنَا بِسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبُوْ قُرَّۃَ قَالَ ذَکَرَ ابْنُ جُرَیْجٍ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ یُصَلِّی الرَّجُلُ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ النَّبِیُّ

حضرت عطاء بن ابی رباح نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ حضرت جابر نے انہیں صرف ایک قمیص میں نماز پڑھائی حالانکہ آپ کے پاس زائد کپڑے موجود تھے تاکہ آپ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تعلیم دیں۔ (دوسری روایت میں ہے:) قاضی ابوقرہ نے کہا کہ ابن جریج نے حضرت زہری سے ذکر کیا' انہوں نے ابوسلمہ سے' انہوں نے عبدالرحمان سے' انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَلِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ. قَالَ اَبُوْ قُرَّةَ فَسَمِعْتُ اَبَا حَنِيْفَةَ يَذْكُرُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ كُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ. بخاری(٣٥٨)مسلم(١١٤٨)ابوداؤد (٦٢٥)نسائی(٧٦٤)ابن ماجہ(١٠٤٧)

ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ایک کپڑے میں آدمی نماز پڑھ سکتا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے ہر ایک شخص کے پاس دو دو کپڑے ہیں؟ (تیسری روایت میں ہے:) قاضی ابوقرہ نے کہا: میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا ہے۔ آپ حضرت زہری سے وہ حضرت سعید بن مسیب سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ نے نبی کریم ﷺ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص تو دو کپڑے نہیں پاتا۔

٨٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهٖ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ لِاَبِي الزُّبَيْرِ غَيْرُ الْمَكْتُوْبَةِ قَالَ الْمَكْتُوْبَةُ وَ غَيْرُ الْمَكْتُوْبَةِ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی جسے آپ نے اپنے جسم پر اچھی طرح لپیٹ لیا تھا بعض لوگوں نے حضرت ابوالزبیر سے پوچھا کہ یہ عمل صرف فرض نماز کے علاوہ (نوافل نماز) کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ فرض اور غیر فرض سب کو شامل ہے۔

بخاری(٣٥٣)مسلم(١١٥٦)ابوداؤد(٦٢٨)ترمذی(٣٣٩)ابن ماجہ(١٠٤٩)نسائی(٧٦٥)

حل لغات

''مُتَوَشِّحًا'' یہ صیغہ واحد مذکر اسم فاعل باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے کہ کپڑے کا ایک حصہ دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈال لینا اور دوسرا حصہ بائیں بغل کے نیچے سے نکال کر دائیں کاندھے پر ڈال لینا۔ ''اَلْمَكْتُوْبَةُ'' کا معنی ہے: لکھا ہوا یعنی فرض نماز' یہ اسم مفعول واحد مؤنث کا صیغہ ہے باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اور غیر المکتوبۃ کا معنی غیر فرض یعنی نفل نماز۔

لوگوں کی تعلیم کے لیے رخصت پر عمل کرنے کا جواز

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے قمیص کے نیچے شلوار اور تہبند پہنے بغیر صرف ایک (ٹخنوں تک لمبی عربی) قمیض میں نماز پڑھائی جبکہ ان کے پاس زائد کپڑے موجود تھے اور کپڑوں کی قلت اور کمی وغیرہ نہیں تھی بلکہ آپ تابعین کی جماعت کو رسول اللہ ﷺ کی اس سنت کی تعلیم دینا چاہتے تھے جو ایک (بڑے) کپڑے میں نماز پڑھنے کی رخصت و اجازت کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

(١) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں نے عرض کیا: اے میرے ابا جان! کیا آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں؟ حالانکہ آپ کے پاس اور کپڑے بھی موجود ہیں' سو حضرت ابوبکر نے فرمایا: اے میری پیاری بیٹی! رسول اللہ ﷺ نے آخری نماز میرے پیچھے ایک کپڑے میں پڑھی تھی۔ اس کو ابن ابی شیبہ اور ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے۔

(٢) امام بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہو گیا' چنانچہ حضرت ابی نے کہا: نماز کے لیے ایک کپڑا کافی ہے

اور حضرت ابن مسعود نے کہا کہ دو کپڑوں میں نماز پڑھنی چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کی رائے کو درست قرار دیا اور فرمایا کہ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ سرور انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے اصحاب میں سے دو صحابی ایک چیز میں اختلاف کریں' البتہ حضرت ابن مسعود نے غلط نہیں کہا لیکن جو حضرت ابی نے کہا وہ قول درست و صحیح ہے۔

(٣) حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔

(٤) حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت ہے کیونکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا تھا۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ اس دور میں کپڑوں کی قلت و کمی تھی اس لیے ایک کپڑے میں نماز پڑھنا باعث ملامت نہیں تھا لیکن اب جب اللہ تعالیٰ نے وسعت و خوشحالی اور کشادگی عطا فرما دی ہے تو دو کپڑوں میں نماز پڑھنا زیادہ پاکیزہ اور بہتر ہے۔ اس کو عبد اللہ بن امام احمد نے مسند احمد میں روایت کیا ہے۔

(٥) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود کے درمیان ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہوا تو حضرت ابی نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے اس لیے ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے اور حضرت ابن مسعود نے کہا کہ یہ اس وقت تھا جب لوگوں کو کپڑے نہیں ملتے تھے لیکن اب جبکہ لوگوں کو آسانی سے کپڑے مل جاتے ہیں تو دو کپڑوں میں پڑھنی چاہیے' یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور منبر پر تشریف فرما ہو کر فرمایا کہ لوگو! بات وہی ہے جو حضرت ابی نے کہی ہے لیکن ابن مسعود نے غلط نہیں کہا۔ اس کو امام عبد الرزاق نے اپنی الجامع میں روایت کیا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۱۴۷-۱۴۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

خلاصہ یہ کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے اور دو یا دو سے زائد کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل و بہتر اور مستحب عمل ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۱۶۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنے کے استحباب پر دلائل

نماز کی حالت میں ستر عورت (شرمگاہ کا چھپانا) فرض ہے' مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے اور عورت کا ستر تمام جسم ہے' صرف چہرہ ہاتھوں اور پیروں کا استثناء ہے۔ مجبوری کی حالت میں ایک کپڑے کے ساتھ بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے تو قمیص' شلوار اور عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے۔ غیر مقلدین حضرات اس باب کی احادیث سے ننگے سر نماز پڑھنے پر استدلال کرتے ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ وہ صرف سر کھلا رکھتے ہیں قمیض' شلوار' شیروانی وغیرہ سب پہنتے ہیں صرف سر نہ ڈھانپنے کے لیے وہ حضرت جابر کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے باوجود اور کپڑوں کے صرف ایک کپڑے کے ساتھ نماز پڑھی' نیز یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ جس وضع اور ہیئت میں ہم دنیا دار معزز لوگوں کے سامنے جانا خلاف ادب گردانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی اس ہیئت میں کھڑے ہونے سے اجتناب کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا حیاء اور ادب و احترام سب سے زیادہ کرنا چاہیے اور جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں قمیص اور شلوار کے ساتھ عمامہ یا ٹوپی سے سر ڈھانپنے کی وسعت دی ہے تو ہمیں اس وسعت کو اختیار کرنا چاہیے۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی فرماتے ہیں:

(١) مستحب یہ ہے کہ مرد تین کپڑوں میں نماز پڑھے: قمیص' تہبند اور عمامہ۔

[بدائع الصنائع ج ا ص ٢١٩ 'مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی' کراچی]

(٢) امام بخاری روایت کرتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے تو تم (بھی) وسعت اختیار کرو۔ [صحیح بخاری ج ا ص ٥٣ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی]

(٣) امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے مجھے ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: کیا میں نے تمہیں اور مزید کپڑے نہیں پہنائے۔ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں تو انہوں نے کہا: اگر میں تمہیں کسی جگہ بھیجوں تو کیا تم اس حالت میں چلے جاؤ گے؟ میں نے کہا: نہیں تو انہوں نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس کے سامنے آراستہ ہو کر جاؤ۔ [السنن الکبریٰ ج ا ص ٢٣٦ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان]

(٤) علامہ علی بن ابی بکر ہیثمی بیان کرتے ہیں:

عاصم اپنے والد کلیب سے وہ اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ میں سردیوں کے موسم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے انہیں دیکھا کہ وہ سب ٹوپیاں پہنے ہوئے اور چادریں اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے ہاتھ ان کی چادروں میں (چھپے ہوئے) تھے۔ [مجمع الزوائد ج ٢ ص ٥١ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی]

(٥) امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ لوگ (یعنی صحابہ و تابعین گرمی کی وجہ سے) عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتے تھے (یعنی پیشانی عمامہ کے پیچ اور ٹوپی سے ڈھکی ہوئی ہوتی تھی اور ان کے ہاتھ ان کی آستینوں میں ہوتے تھے۔

[صحیح بخاری ج ا ص ٥٦ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی]

(٦) امام شعرانی لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ سر کو ڈھانپنے کا حکم دیتے تھے اور ننگے سر نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔

[کشف الغمۃ ج ا ص ٨٧ 'مطبوعہ مصر]

(٧) علامہ سیوطی حافظ ابن عساکر اور حافظ الرؤیانی کے حوالے سے لکھتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹوپی عمامہ کے نیچے پہنتے تھے اور عمامہ کے بغیر صرف ٹوپی بھی پہنتے تھے اور ٹوپی کے بغیر صرف عمامہ بھی پہنتے تھے۔ [الجامع الصغیر ج ا ص ٩٤ '٣ مطبوعہ دار الفکر' بیروت]

ان تمام احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' صحابہ کرام' تابعین عظام اور سلف صالحین کا طریقہ عمامہ یا ٹوپی سے سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا تھا۔ اس لیے جب انسان کے پاس عمامہ یا ٹوپی کی وسعت و طاقت ہو تو وہ ننگے سر نماز نہ پڑھے بلکہ عمامہ باندھ کر یا ٹوپی پہن کر نماز پڑھے۔ [ماخوذ از شرح مسلم ج ا ص ١٣٣٦ ـ ١٣٣٣ 'مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

٣- بَابُ فَضِيْلَةِ الصَّلٰوةِ فِيْ مَوَاقِيْتِهَا　نماز اپنے وقت پر پڑھنے کی فضیلت کا بیان

٨٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ نَافِعٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوةُ فِيْ مَوَاقِيْتِهَا.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل و اعلیٰ اور بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: اپنے وقت پر نماز پڑھنا (سب سے افضل عمل ہے)۔

بخاری (٥٢٧) مسلم (٢٥٢) ترمذی (١٧٣) نسائی (٦١١)

حل لغات

''اَلْعَمَلُ'' میں الف لام جنس کے معنی کے لیے ہے' یعنی تمام اعمال میں جنس و ماہیت کے اعتبار سے سب سے افضل عمل کون سا ہے۔ ''اَفْضَلُ'' یہ صیغہ واحد مذکر اسم تفضیل ہے' اس کا معنی ہے: سب سے زیادہ فضیلت و بزرگی والا۔ ''مَوَاقِيْتُ'' یہ میقات کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: وقت۔

مختلف اعمال کو افضل فرمانے کی وجوہات

امام احمد بن حنبل' امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اعمال اپنے وقت پر نماز پڑھنا' پھر ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا' پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا ہیں۔ [شرح مسند امام اعظم ص ٣١٩ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت] معلوم ہونا چاہیے کہ افضل اعمال کے بیان میں مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں' چنانچہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ بھوکے کو کھانا کھلانا' سلام کو عام کرنا اور رات کو اس وقت اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھنا جب لوگ سو رہے ہوں' نیز حدیث میں آیا ہے کہ افضل اعمال میں یہ ہے کہ تیرے ہاتھ اور زبان سے لوگ سلامت رہیں اور بعض احادیث میں ہے کہ اعمال میں افضل عمل جہاد ہے جس میں مال غنیمت میں خیانت نہ کی گئی ہو اور حج مبرور ہے جس میں معصیت کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو' نیز بعض میں افضل عمل اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قرار دیا گیا ہے اور بعض میں آیا ہے کہ بہتر عمل وہ ہے کہ اسے ہمیشہ کیا جائے۔

شارحین فرماتے ہیں کہ دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خداداد حکمت و دانائی اور بصیرت و فراست کی بناء پر سائلین کے حالات کو پیش نظر رکھ کر مختلف جوابات عنایت فرماتے مثلاً نماز میں غفلت کرنے والے کے جواب میں فرمایا: نماز اپنے (مستحب) وقت پر پڑھنا افضل محبوب ترین عمل ہے۔ ماں باپ کی خدمت میں کوتاہی کرنے والے سائل کے جواب میں فرمایا: والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا افضل و اعلیٰ عمل ہے۔ غریبوں اور محتاجوں کی امداد میں ہاتھ روک رکھنے والے سائل کے جواب میں فرمایا: بھوکے کو کھانا کھلانا افضل و بہترین نیکی ہے' شب بیداری میں سستی کرنے والے کے جواب میں فرمایا: جب لوگ رات کو سو جائیں اس وقت اٹھ کر نماز تہجد پڑھنا افضل و بہتر عمل ہے۔ سلام میں پہل کرنے میں عار محسوس کرنے والے یا تکبر کرنے والے سائل کے جواب میں فرمایا: سلام میں پہل کرنا اور ہر واقف و ناواقف کو سلام کرنا بہترین نیکی اور سب سے افضل عمل ہے اور لوگوں کو ستانے والے سائل کے جواب میں فرمایا: سب سے افضل عمل یہ ہے کہ تیرے ہاتھ اور تیری زبان سے لوگ سلامت و محفوظ رہیں' جہاد سے جی چرانے والے سائل کے جواب میں فرمایا: جہاد کرنا سب سے افضل عمل ہے' نیز کبھی اوقات کے اعتبار سے کسی عمل کو سب سے افضل قرار دیا گیا جیسے ابتدائے اسلام میں جہاد کو بہترین اور افضل عمل قرار دیا گیا۔ نیز عام حالات میں نماز (رکن اسلام ہونے کی بناء پر) صدقہ و خیرات سے افضل عمل ہے لیکن جب قحط و بھوک بڑھ جائے اور صدقہ و خیرات کی اشد ضرورت پڑ جائے تو پھر صدقہ دینا اور بھوکوں کو کھانا کھلانا نماز سے افضل عمل قرار پائے گا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ افضل و بہترین عمل ہونے کی وجوہ اور حیثیات مختلف ہیں' لہٰذا جس جگہ فضیلت و بہتری کی ان وجوہ اور حیثیات میں سے کوئی اور وجہ حیثیت پائی جائے گی وہ عمل افضل قرار پائے گا اور یہ بات خیریت و افضلیت کے باب میں عظیم ترین اصل ہے۔ [ماخوذ از اشعۃ اللمعات' فارسی ج ا ص ٢٨٠ 'مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

٤- بَابُ فَضِيْلَةِ الْاِسْفَارِ بِالصُّبْحِ　نماز فجر خوب روشنی میں پڑھنے کی فضیلت

٨٦- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْفِرُوْا بِالصُّبْحِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلثَّوَابِ.

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ط نے فرمایا کہ تم صبح کی نماز خوب روشنی میں پڑھا کرو کیونکہ اس میں بہت زیادہ ثواب ہے۔

ابوداؤد(٤٢٤)ترمذی(١٥٤)ابن ماجہ(٦٧٣)نسائی(٥٥٠)مسند احمد(ج ٣ ص ٤٦٥)

حل لغات

''اَسْفِرُوْا'' یہ صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: روشن کرنا۔ اس باب کا ایک خاصہ دخول فی الماخذ ہے یعنی مصدر میں داخل ہونا جیسے ''امسی زیدای دخل زید فی المسی ''یعنی زید شام کے وقت میں داخل ہوا' سو اسی طرح ''اَسْفِرُوْا بالصُّبْحِ '' کا معنی ہے: صبح کی نماز خوب روشنی میں ادا کرو کیونکہ صبح کا ایک لغوی معنی ہے: روشن وچمک دار ہونا۔

نماز فجر کے افضل وقت میں ائمہ کا اختلاف

یادر ہے کہ نماز فجر کا وقت صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک ہے۔ اس دوران جب بھی فجر کی نماز پڑھی جائے خواہ اول وقت میں خواہ درمیان میں یا آخر وقت میں پڑھی جائے ہر حال میں صحیح اور درست ہے جبکہ اس سے پہلے باطل و ناجائز ہے اور طلوع آفتاب کے بعد ادا نہیں ہوگی' البتہ قضا ہو جائے گی لیکن نماز فجر کے مستحب اور افضل و بہتر وقت کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے' چنانچہ امام مالک' امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا افضل و بہتر ہے جبکہ دوسری روایت جسے امام عبدالوہاب شعرانی نے ذکر کیا اس کے مطابق امام احمد نے فرمایا کہ نمازیوں کے حالات کا اعتبار کیا جائے گا' اگر اندھیرے میں نماز فجر پڑھنا نمازیوں پر دشوار ہو تو پھر ان کے لیے صبح کے اجالے اور روشنی میں نماز فجر پڑھنا افضل و بہتر ہوگا تاکہ یہ لوگ آسانی کے ساتھ نماز فجر کی جماعت میں شامل ہو سکیں اور اگر وہ لوگ اندھیرے میں مسجد میں جمع ہو سکیں تو پھر ان کے لیے اندھیرے میں نماز فجر ادا کرنا افضل و بہتر ہوگا اور امام طحاوی حنفی نے فرمایا کہ امام نماز فجر اندھیرے میں شروع کرے اور قراءت کو لمبا کرے یہاں تک کہ خوب اجالا ہو جائے اور صبح خوب روشن ہو جائے (تاکہ زیادہ سے زیادہ نمازی حضرات جماعت میں شامل ہو جائیں) اور امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف قاضی اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اندھیرے کی بجائے صبح کے اجالے میں نماز فجر پڑھنا افضل و بہتر اور مستحب ہے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے قول و فعل اور صحابہ کرام کے آثار سے استدلال کیا ہے۔

نماز فجر اجالے میں پڑھنے کے دلائل

چنانچہ اصحاب سنن وغیرہم نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت بیان کی ہے کہ

(١) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ ''یعنی فجر کی نماز خوب روشنی میں پڑھا کرو کیونکہ اس میں اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں کہا کہ اس حدیث کو بہت سے محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن حبان نے اس حدیث کی (درج ذیل) لفظ کے ساتھ تخریج کی ہے:

(٢) ''اَسْفِرُوْا بِصَلٰوةِ الصُّبْحِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ '' صبح کی نماز روشنی میں پڑھا کرو کیونکہ اس میں یقیناً بہت زیادہ ثواب ہے۔

(٣) امام طبرانی اور امام طحاوی نے (درج ذیل) لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے: ''كُلَّمَا اَسْفَرْتُمْ بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ

جب تم فجر کی نماز خوب روشنی میں پڑھو گے تو بلاشبہ اس کا (تمہیں) بہت بڑا اجر و ثواب ملے گا۔

(٤) امام بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث اس (درج ذیل) لفظ کے ساتھ روایت کی ہے:

''اَسْفِرُوْا بِصَلٰوةِ الْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ '' تم فجر خوب روشنی میں پڑھا کرو' سو اس میں بلاشبہ بہت بڑا ثواب ہے۔

(٥) امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تھے تو ہر نمازی آدمی اپنے ساتھ والے کو پہچان لیتا تھا۔

(٦) نیز امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے رسول خدا ﷺ کو کبھی وقت کے بغیر نماز پڑھتے نہیں دیکھا ماسوا دو نمازوں کے' ایک تو (غروب آفتاب کے فوراً بعد میدان عرفات سے روانہ ہو کر مزدلفہ پہنچے اور یہاں) آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں' پھر دوسری فجر کی نماز مزدلفہ میں (صبح صادق کے فوراً بعد معمول کے) وقت سے پہلے اندھیرے میں پڑھائی۔

باقی رہے آثار صحابہ تو ان میں سے چند آثار یہ (درج ذیل) ہیں:

(١) امام طحاوی نے حضرت داؤد بن یزید اودی سے نقل کیا ہے' انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیں فجر کی نماز پڑھایا کرتے اور ہم سورج کی طرف دیکھا کرتے محض اس اندیشہ کی بنا پر کہ کہیں سورج طلوع نہ ہو جائے۔

(٢) حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی' سو آپ نے اس میں سورۃ البقرۃ پڑھی' جب لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج طلوع ہونے کے قریب پہنچ چکا تھا' چنانچہ نمازیوں نے کہا: سورج طلوع ہو جاتا تو آپ نے فرمایا: اگر سورج طلوع ہو جاتا تو ہمیں غافل نہ پاتا۔

(٣) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی تو آپ نے سورۃ آل عمران پڑھی۔ لوگوں نے کہا: سورج طلوع ہونے کے قریب آ چکا ہے' سو آپ نے فرمایا: اگر سورج طلوع ہو جاتا تو غافل نہ پاتا۔

(٤) حضرت عبدالرحمٰن بن یزید سے مروی ہے' فرماتے ہیں: ہم حضرت عبداللہ بن مسعود کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو آپ صبح کی نماز روشنی میں پڑھاتے تھے۔

(٥) حضرت جبیر بن نفیر سے مروی ہے کہ امیر معاویہ نے ہمیں صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھا دی تو حضرت ابوالدرداء نے ان سے فرمایا: یہ نماز روشنی میں پڑھا کرو۔

(٦) امام ابن شیبہ اور امام طحاوی نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام نے جس قدر صبح کی نماز روشنی میں پڑھنے پر اجماع و اتفاق کیا ہے اس قدر کسی اور مسئلہ پر اجماع اور اتفاق نہیں کیا۔

امام طحاوی نے فرمایا: ہمارے نزدیک اسفار بالفجر (خوب اجالے اور روشنی میں نماز پڑھنے) پر صحابہ کرام کا اجماع اور اتفاق رسول اللہ ﷺ کے عمل تغلیس (اندھیرے میں نماز پڑھانے) کے خلاف جائز نہیں ہو سکتا ماسوا دو صورتوں کے' ایک یہ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عمل ان کے نزدیک منسوخ ہو چکا ہو' پھر اس کے بعد انہوں نے اسفار بالفجر پر اجماع اور اتفاق کیا ہو اور دوسرا یہ کہ ان کے نزدیک اسفار بالفجر کے حق میں آپ کے اقوال اور ارشادات آپ کے عمل تغلیس کے خلاف ثابت و راجح ہو چکے ہوں اور صاحب البدائع نے یہاں طویل کلام کیا ہے' پھر فرمایا: اگر تغلیس فی الوقت ثابت ہو جائے تو یہ ایک تو عذر کی بنا پر اس پر عمل کیا گیا

کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر پر جلد از جلد روانہ ہونے کے لیے غلس (اندھیرے) میں نماز پڑھا دیتے تا کہ روانگی میں تاخیر نہ ہو جائے' دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ عمل ابتدا میں تھا جب عورتیں بھی باجماعت نماز پڑھنے کے لیے شریک ہوتی تھیں لیکن جب عورتوں کو گھروں میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا تو اندھیرے میں نماز پڑھنے کا عمل منسوخ ہو گیا' نیز اسفار بالفجر کی احادیث مشہور و معروف ہیں (اور قولی اور فعلی دونوں قسم کی ہیں جبکہ تغلیس کی احادیث صرف فعلی ہیں اور قولی احادیث کو فعلی احادیث پر ترجیح ہوتی ہے)۔

[ماخوذ از کشف المغطا عن وجہ الموطا للامام مالک ص ٤' مطبوعہ میر محمد کتب خانہ' کراچی]

(٧) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ نَوَّرَ بِالْفَجْرِ نَوَّرَ اللّٰهُ فِيْ قَبْرِهٖ وَ قَبِلَهٗ وَ قَبِلَ صَلَاتَهٗ. [جمع الجوامع ج ٦' رقم الحدیث: ٢٣٢١٨]

جس نے فجر کی نماز خوب روشنی میں پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو منور کر دے گا اور اس کو قبول فرمالے گا اور اس کی نماز کو قبول فرمالے گا۔

(٨) ملا علی قاری نے "اسفروا بالفجر" کی حدیث کو مذکورہ بالا طریقہ پر مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف محدثین سے روایت کیا ہے۔ یہاں ان کے صرف حوالہ جات پر اکتفا کیا جا رہا ہے' چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو طبرانی' امام شافعی' عبد بن حمید' دارمی' ترمذی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور یہ تمام احادیث اسفار بالفجر کے مؤقف پر ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دلائل میں سے ہیں جبکہ امام شافعی کا مؤقف اس کے خلاف ہے۔ واللہ سبحانہ بحقیقتہ اعلم

[شرح مسند امام اعظم ص ٢٣٦' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

٥- بَابُ الْوَعِيْدِ فِيْ تَفْوِيْتِ صَلٰوةِ الْعَصْرِ

نماز عصر کے قضا کرنے پر سخت وعید

٨٧- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيٰى عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ بُرَيْدَةَ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ عن بُرَيْدَةَ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ فِيْ يَوْمِ غَيْمٍ فَاِنَّ مَنْ فَاتَهٗ صَلٰوةُ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ.

حضرت ابن بریدہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نماز عصر جلدی ادا کیا کرو۔ اور حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نماز عصر جلدی ادا کیا کرو۔ حضرت بریدہ اسلمی کی دوسری روایت میں ہے' آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس دن موسم ابر آلود اور بادل چھا چکے ہوں تو اس دن نماز عصر جلدی ادا کرو کیونکہ جس شخص کی نماز عصر فوت ہو گئی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو اس کا عمل یقیناً تباہ و برباد ہو گیا۔

بخاری (٥٥٣) نسائی (٤٧٣) ابن ماجہ (٦٩٤) مسند احمد (ج ٥ ص ٣٦١)

حل لغات

"بَكِّرُوْا" صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی جلدی کرنا ہے کہ یہ "عَجِّلُوْا" کے معنی میں ہے' نیز ہر چیز کا اول جیسے دن کے آغاز کو "بُكْرَةٌ" (صبح) کہتے ہیں اور موسم کے پہلے پھل کو "بَكُوْرَةٌ" کہتے ہیں۔ "غَيْمٌ" اس کا معنی ہے: بادل۔ "فَاتَهٗ" میں "فَاتَ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: فوت ہو

جانا' گزر جانا' کسی کام کے وقت کا جاتے رہنا۔ "ہ" ضمیر واحد مذکر غائب مفعول بہ ہے۔ "حَبِطَ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ضائع ہو جانا' تباہ اور برباد ہو جانا۔

نماز عصر کے متعلق مختلف احادیث میں تطبیق کا بیان

امام بخاری نے حضرت ابوملیح سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم ایک جنگ میں حضرت بریدہ اسلمی کے ساتھ تھے اور اس دن موسم ابر آلود تھا اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ حضرت بریدہ نے فرمایا کہ نماز عصر جلدی ادا کر لو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے نماز عصر ترک کر دی اس کے عمل ضائع ہو گئے۔

ملا علی قاری نے کہا کہ اس حدیث کو بخاری' نسائی اور امام احمد نے حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے نماز عصر ترک کر دی اس کے عمل ضائع ہو گئے یعنی کمال عمل ضائع ہو گیا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ نماز عصر کے بارے میں مرفوع احادیث اور موقوف آثار مختلف وارد ہوئے ہیں۔ بعض تو نماز عصر کو تعجیل (جلدی) کے ساتھ ادا کرنے پر دلالت و رہنمائی کرتے ہیں اور بعض نماز عصر کو تراخی اور تاخیر کے ساتھ ادا کرنے پر دلالت و رہنمائی کرتے ہیں اس لیے حنفی حضرات نے دونوں قسم کی احادیث کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ نماز عصر کو تعجیل کے ساتھ ادا کرنے کا حکم اس صورت میں ہے جب موسم ابر آلود ہو اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہوں تا کہ نماز عصر میں اتنی دیر تک تاخیر نہ ہو جائے کہ مکروہ وقت داخل ہو جائے یا سرے سے نماز عصر قضا ہو جائے کہ سورج غروب ہو جائے اور بادل کی وجہ سے معلوم نہ ہو سکے جیسا کہ یہاں (مسند امام اعظم میں) حضرت بریدہ اسلمی کی حدیث میں وضاحت کر دی گئی ہے اور صحیح بخاری کی حدیث میں بھی یہی وضاحت کی گئی ہے کہ جب موسم ابر آلود ہو اس دن نماز عصر جلدی ادا کیا کرو۔ نیز دوسری بات یہ ہے کہ تعجیل کی احادیث مبہم ہیں' مفسر نہیں کیونکہ ان میں اول وقت کی وضاحت نہیں ہے اس لیے ان سے تعجیل کا مذہب ثابت نہیں ہوتا (جیسا کہ دیگر ائمہ کا مذہب ہے) جبکہ تاخیر کے استحباب پر دلالت کرنے والی احادیث میں تاخیر کی وضاحت اور اس کی حد بیان کی گئی ہے کہ سورج کے زرد ہونے اور تغیر پذیر ہونے سے پہلے سورج کی سفید و صاف اور چمکدار روشنی میں نماز عصر ادا کی جائے اور تعجیل کی احادیث کا بھی یہی مطلب ہے کیونکہ سورج کے زرد اور پیلا ہو جانے پر مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت نماز پڑھنا نفاق کی علامت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ منافق بیٹھ کر سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب سورج زرد اور پیلا ہو جاتا ہے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان آ جاتا ہے تو کھڑا ہو جاتا ہے اور (مرغ کی طرح) چار چونچیں مارتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا بہت ہی کم ذکر کرتا ہے۔

[ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ٤٣' رقم الحاشیۃ ١٠' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

نماز عصر کے مستحب وقت کے دلائل کا بیان

(١) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے زیادہ جلدی نماز ظہر پڑھتے تھے اور تم نماز عصر آپ سے بہت زیادہ جلدی پڑھ لیتے ہو۔

اس حدیث کو امام احمد نے (ج ٦ ص ٣١٠-١٨٩) اور امام ترمذی نے (باب ماجاء فی تاخیر صلاۃ العصر' رقم الحدیث: ١٦١) میں روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہیں' آثار السنن اور الجوہر النقی میں ہے کہ اس کے رجال صحیح کی شرط پر ہیں۔

[اعلاء السنن رقم الحدیث: ٣٩٠' ج ٢ ص ٥٢٤' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' بحوالہ ابن ابی شیبہ ج ١ ص ٣٢٣' مشکوٰۃ: ٦١٩' شرح السنۃ ج ٢ ص ٢١١' الکنز: ٢١٧٥١]

(٢) حضرت علی بن شیبان سے مروی ہے' آپ فرماتے ہیں: ہم مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو (دیکھا)

آپ نمازِ عصر تاخیر کے ساتھ پڑھا کرتے تھے جب تک سورج سفید اور روشن و چمکدار رہتا' اس کو امام ابوداؤد نے (باب فی وقت العصر رقم الحدیث:۴۰۸) روایت کیا ہے اور اس کے متعلق سکوت اختیار کیا۔

[اعلاء السنن رقم الحدیث:۴۹۱' ج ۲ ص ۵۲۵' مطبوعہ دارالفکر' بیروت]

یہ دونوں حدیثیں نمازِ عصر کو اول وقت سے مؤخر کر کے مکروہ وقت سے پہلے پڑھنے پر دلالت و رہنمائی کرتی ہیں کیونکہ حضرت ام سلمہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: تم نمازِ عصر نبی کریم سے بہت زیادہ جلدی پڑھ لیتے ہو اور یہ یقینی بات ہے کہ وہ وقت سے پہلے نمازِ عصر میں جلدی نہیں کرتے تھے (بلکہ وہ اول وقت میں پڑھتے تھے)' پس اس سے ثابت ہو گیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نمازِ عصر کو دخول وقت کے بعد بہت مؤخر کر کے (دوسرے وقت میں) پڑھتے تھے اور ابن شیبان کی حدیث تو اس بات پر دلالت کر رہی ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سورج کے تغیر و پیلے ہونے سے پہلے ہمیشہ تاخیر کے ساتھ پڑھتے تھے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے اور ابن شیبان کی حدیث میں ایک راوی محمد بن یزید یمامی مجہول ہے لیکن امام ابوداؤد نے اس حدیث کو روایت کر کے ضعیف قرار نہیں دیا' سو اس لیے یہ حدیث ان کے نزدیک حسن ہے۔[اعلاء السنن ج ۲ ص ۵۲۵' دارالفکر' بیروت]

(۳) حضرت زیاد بن عبدالرحمٰن نخعی سے مروی ہے' آپ نے فرمایا: ہم ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ کی بڑی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مؤذن آیا اور آ کر کہنے لگا: اے امیر المومنین! نمازِ عصر کا وقت ہو گیا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا: بیٹھ جاؤ تو وہ فوراً بیٹھ گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد اس نے دوبارہ وہی کچھ کہا تو آپ نے بھی پہلے کی طرح وہی کچھ فرمایا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا: یہ کتا ہمیں سنت کی تعلیم دیتا ہے' سو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ہمیں نمازِ عصر پڑھائی' پھر ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم اسی پہلی جگہ پر لوٹ آئے جہاں ہم بیٹھے تھے اور ہم سب مل کر دوزانوں بیٹھ گئے تو (تھوڑی دیر بعد) سورج غروب ہونے کے لیے متغیر ہونا شروع ہو گیا۔ ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ امام حاکم نے المستدرک (۱/ ۱۹۲) میں اس کو بیان کیا اور فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے' امام ذہبی نے تلخیص میں فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے اور یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ نمازِ عصر میں تاخیر کرنا سنت ہے کیونکہ اگر نمازِ عصر میں تاخیر کرنا سنت نہ ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس قدر تاخیر نہ فرماتے' نیز اگر تعجیل (جلدی پڑھنا) سنت ہوتی تو موذن کے کہنے پر حضرت علی فوراً نمازِ عصر پڑھا دیتے اور انکار نہ فرماتے۔ یاد رہے کہ حضرت زیاد بن عبدالرحمٰن نخعی ہی کو زیاد بن عبداللہ نخعی بھی کہا جاتا ہے۔ دارقطنی نے کہا کہ یہ مجہول ہے کیونکہ عباس بن ذریح ان سے روایت لینے میں منفرد ہے۔ علامہ برقانی نے کہا کہ ان پر اعتماد و اعتبار کیا جاتا ہے۔ امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے' سو جس نے ان کی توثیق کی ہے' اس نے انہیں پہچان اور جان کر توثیق کی ہے اس لیے ان کا معروف و معتبر ہونا مجہول ہونے پر مقدم ہے اور امام ذہبی کا اسی حدیث کو صحیح قرار دینا حضرت زیاد کی توثیق کی دلیل ہے۔

[اعلاء السنن رقم الحدیث:۴۹۳' ج ۲ ص ۵۲۵' مطبوعہ دارالفکر' بیروت]

(۴) حضرت ثوری حضرت منصور سے وہ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگ (صحابہ کرام) ظہر کی نماز جلدی پڑھتے تھے اور عصر کی نماز تم سے بہت زیادہ تاخیر سے پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کیا' اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام ہمیشہ نمازِ عصر تاخیر کے ساتھ پڑھتے تھے تعجیل کے ساتھ نہیں' یہی مختار مذہب ہے۔[اعلاء السنن رقم الحدیث:]۴۹۴

(۵) امام ابوحنیفہ سے از حماد از ابراہیم مروی ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا: میں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب

کو نمازِ عصر آخر وقت تک موخر کر کے پڑھتے ہوئے پایا ہے۔ امام محمد نے فرمایا: ہم اسی طریقہ پر عمل کرتے ہیں جب تک سورج متغیر و زرد نہیں ہو جاتا اور امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے' اس روایت کو امام محمد نے کتاب الآثار میں بیان کیا ہے۔

[اعلاء السنن رقم الحدیث:۴۹۵' ج ۲ ص ۵۲۷' مطبوعہ دارالفکر' بیروت]

(۶) امام ثوری حضرت ابواسحاق سے وہ حضرت عبدالرحمٰن بن یزید سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نمازِ عصر تاخیر کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ امام عبدالرزاق نے اس حدیث کو اپنی مصنف (باب وقت العصر ج ۱' رقم الحدیث:۲۰۸۹) میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال (راوی) ثقات ہیں۔[اعلاء السنن رقم الحدیث:۴۹۶' ج ۲]

۸۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَّحْيٰى' عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ.

حضرت ابن بریدہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی نمازِ عصر فوت ہو جائے تو گویا اس کے اہل و عیال اور اس کا مال و متاع لوٹ لیا گیا۔

بخاری (۵۵۲) مسلم (۱٤۱۹) ابوداؤد (٤١٤) ترمذی (۱۷۵) نسائی (۵۱۳) ابن ماجہ (٦٨٥)

حل لغات

''وُتِرَ'' یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی کو تکلیف دینا' ستانا اور کسی کا مال یا حق کم کرنا جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ'' اور اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے اعمال میں نقصان ہرگز نہیں دے گا۔[الفتح:۳۵] یہاں ''وَتَرَ'' بہ معنی سلب ہے یعنی اس کا عیال و مال لوٹ لیا گیا یا چھین لیا گیا۔

نمازِ عصر کے فوت ہونے یا ضائع ہونے کا مطلب

میرے استاذ محترم اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ عصر کی نماز فوت ہونے کا مطلب علامہ مہلب نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کی جماعت فوت ہو جائے۔ علامہ ابن وہب نے کہا کہ وقت مستحب میں پڑھنے سے رہ جائے اور علامہ اوزاعی نے کہا کہ سورج زرد ہونے سے پہلے نہ پڑھی جائے۔ عصر کی نماز کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت میں دن رات کے اعمال لکھنے والے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ دن کے فرشتے جاتے ہیں اور رات کے فرشتے آتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس وقت لوگ اپنے کاروبار اور خرید و فروخت میں مشغول ہوتے ہیں' اس لیے اس وقت نماز کی حفاظت کی خصوصی تاکید فرمائی۔

علامہ ابن عبدالبر نے کہا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی اس قدر اہمیت ہے کہ ایک نماز کو نہ پڑھنا گھربار اور مال و دولت کی ہلاکت کے مترادف ہے۔[شرح مسلم ج ۲ ص ۷۲۴' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

ان دونوں حدیثوں میں سلب اہل و مال اور حبط اعمال سے سلب کلی (سب کچھ چھن جانا) اور حبط کلی (سب کچھ ضائع ہو جانا) مراد نہیں کیونکہ یہ معنی تو کفر اختیار کرنے یا مرتد ہونے یا کفر پر موت کے واقع ہونے کی صورت میں ہوتا ہے بلکہ نمازِ عصر جسے قرآن و حدیث میں نمازِ وسطیٰ فرما کر تمام نمازوں میں اہم ترین اور فاضل ترین قرار دیا گیا اور اس کی سخت تاکید کر کے اس کی حفاظت کا حکم دیا گیا اس کے ترک پر اجر و ثواب میں نقصان اور کمی واقع ہونے میں تغلیظ و تشدید اور مبالغہ کیا گیا ہے اور بعض روایات میں مطلق فرض نمازوں کے بارے میں بھی یہ شدید وعید وارد ہوئی ہے۔[اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱ ص ۲۹۲' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

٦- بَابُ بَيَانِ الْاَوْقَاتِ الْمَمْنُوْعَةِ عَنِ الصَّلٰوةِ النَّافِلَةِ فِيْهَا

ان اوقات کا بیان جن میں نفل نماز پڑھنا ممنوع ہے

٨٩- **اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ قَزَعَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاصَلٰوةَ بَعْدَ الْغَدْوَةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ وَلَا يُصَامُ هٰذَانِ الْيَوْمَانِ الْاَضْحٰى وَالْفِطْرُ وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ اِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى وَاِلٰى مَسْجِدِيْ هٰذَا وَلَا تُسَافِرُ الْمَرْاَةُ يَوْمَيْنِ اِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ۔**

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نفل نماز جائز نہیں اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی (نفل) نماز جائز نہیں۔ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دنوں میں کوئی روزہ جائز نہیں اور صرف تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف (تقرب وثواب کی زیادتی کی خاطر) سفر نہ کیا جائے: (١) مسجد حرام (٢) مسجد اقصیٰ اور (٣) یہ میری یہ مسجد (یعنی مسجد نبوی ﷺ) اور کوئی عورت اپنے محرم کے بغیر دو دن کی مسافت کا سفر نہ کرے۔

بخاری(٥٨٦-١١٨٩-١١٩٠-١١٩٧)مسلم(١٩٢-٢٦٧٤-٣٢٦١-٣٢٦٢)ابوداؤد(١٢٧٦-١٧٢٣-٢٠٣٣-٢٤١٧)

ترمذی(١٨٣-٣٢٦-٧٧٢-١١٧٥)نسائی(٥٨٦-٧٠٩)ابن ماجہ(١٢٤٩-١٤٠٩-١٧٢١-٢٨٩٩)مسند طیالسی(١٣٤٨)

حل لغات

''اَلْغَدْوَةُ'' صبح کا وقت' طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان کا وقت' دن کے شروع کا وقت۔ ''لَایُصَامُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع منفی مجہول باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: روزہ رکھنا۔ ''لَاتُشَدُّ'' صیغہ واحد مونث غائب فعل مضارع منفی مجہول باب مذکورہ بالا سے ہے' اس کا معنی ہے: باندھنا' مضبوط کرنا' قوی کرنا' سفر کی تیاری کرنا۔ ''اَلرِّحَلُ'' کجاوہ' پالان سامان سفر۔ ''لَاتُسَافِرُ'' صیغہ واحد مونث غائب فعل مضارع معروف منفی باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: سفر کرنا۔

اس حدیث میں چار مسائل کو بیان کیا گیا ہے: (١) نفل نماز کے اوقات ممنوعہ (٢) عیدین کے دنوں میں روزوں کی ممانعت (٣) مسجد حرام' مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی ﷺ کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کی ممانعت (٤) عورت کے لیے بغیر محرم کے دو دن کی مسافت کے سفر کی ممانعت۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہاں چاروں مسائل کی وضاحت الگ الگ بیان کی جارہی ہے۔

نفل نماز کے ممنوعہ اوقات کا بیان

(١) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' آپ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''لَاصَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ'' یعنی صبح صادق کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے' اور العزیزی میں ہے کہ اس حدیث کو شیخین (بخاری ومسلم)' نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری سے مرفوع اور امام احمد' ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت عمر سے مرفوع روایت کیا ہے جبکہ علامہ مناوی نے کہا: ''وھـــذا متـــواتـــر'' اور یہ حدیث متواتر ہے۔ [(اعلاء السنن رقم الحدیث ٥١٣ ج ٢' ص ٥٤٣ مطبوعہ دارالفکر' بیروت رواہ البخاری (ج ١ ص ١٥٢) واحمد (ج ١ ص ٢١) وابوعوانہ (ج ١ ص ٣٨١) وشرح السنۃ (ج ٣ ص ٣١٩) والمشکوٰۃ (ص ١٠٤١) والکنز (١٩٥٨٥) وفتح الباری (ج ٢ ص ٦١) والتاریخ الکبیر (ج ١ ص ٥٩۔ ج ٣ ص ٤٩٤) والخطیب (ج ٥ ص ٣٦)]

یہ حدیث اپنے اطلاق کے اعتبار سے فجر کے نمودار ہو جانے کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور اسی طرح نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک مطلقاً نماز کی کراہت پر دلالت ورہنمائی کررہی ہے خواہ وہ نماز نفل ہو یا فرض ہو فوت شدہ ہو یا نذر ومنت کی ہو لیکن

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عصر کے بعد جب تک سورج روشن و چمکدار رہے نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا گیا ہے جبکہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے معارض ومخالف ہے کیونکہ اس میں نبی کریم نے ان سے فرمایا: پھر تم نماز پڑھتے رہو یہاں تک کہ جب تم نماز عصر پڑھ لو تو پھر نماز پڑھنے سے رک جاؤ کیونکہ اس میں عصر کے بعد صریح نہی اور ممانعت موجود ہے اور بے شک جمہور علمائے دین کے اجماع سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عصر کے بعد نماز کا جواز اپنے عموم پر نہیں ہے' پس واجب ہے کہ حضرت علی کی حدیث سے بعض مخصوص نمازیں مراد ہوں' سوان حدیثوں میں تطبیق وتوفیق کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت علی کی حدیث کو فوت شدہ فرض نمازوں پر محمول کیا جائے اور حضرت ابوسعید اور حضرت عمرو بن عبسہ کی حدیثوں کو نفل نماز پر محمول کیا جائے' سو اس لیے ہم (احناف) نے عصر کے بعد جب تک سورج صاف وروشن اور چمکدار رہے فوت شدہ نمازوں کی قضا کو جائز قرار دیا ہے اور ہم نے نہی کی احادیث کو فوت شدہ نمازوں کے علاوہ نوافل اور نذر ومنت کی نمازوں پر محمول کیا ہے کیونکہ منت کی نمازیں اصل میں نوافل میں سے ہیں اور جب جمہور میں سے کسی نے عصر کے بعد اور طلوع فجر کے بعد کے اوقات کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا تو ہم نے ان دونوں وقتوں میں فوت شدہ نمازوں کی قضا کو جائز قرار دے دیا ہے اور جب ان دو وقتوں میں نفل نماز پڑھنے کی نہی قولی حدیثوں سے ثابت ہو گئی ہے تو اب وہ احادیث جن میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اس کو آپ کے خصائص میں سے شمار کیا جائے گا تاکہ دلائل باہم متعارض نہ ہوں' چنانچہ علامہ بدرالدین عینی نے کہا کہ یہ بے شک (یعنی عصر کے بعد کی نماز) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص میں سے ہے اور اس تخصیص پر وہ حدیث دلیل ہے جسے امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ عصر کے بعد خود تو نماز پڑھا کرتے تھے لیکن اپنی امت کو اس سے منع کرتے تھے اور خود تو وصال کے روزے رکھا کرتے تھے لیکن اپنی امت کو وصال کے روزوں سے منع کرتے تھے۔ امام سیوطی نے اس حدیث کو الجامع الصغیر میں صحیح قرار دیا ہے اور العزیزی میں بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے' نیز علامہ کرمانی نے کہا کہ ایک صحیح جواب یہ ہے کہ نہی کی حدیثیں قولی ہیں جبکہ عصر کے بعد نماز پڑھنے کی حدیثیں فعلی ہیں اور جب قول وفعل میں تعارض ہو جائے تو اس وقت قول کو مقدم رکھا جاتا ہے اور اسے ترجیح دے کر اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔

(٢) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب فجر طلوع ہو جاتی تو رسول اللہ ﷺ فجر کی دو رکعت سنت نماز کے علاوہ اور کوئی (نفل) نماز نہیں پڑھتے تھے۔ [اعلاء السنن رقم الحدیث: ٥١٤' ج ٢ ص ٥٤٤' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' رواہ مسلم فی المسافرین باب ١٤' رقم الحدیث: ٨٨] واحمد (ج ٦ ص ٢٨٤۔ ٤٩) والبیہقی (ج ٢ ص ٤٦٥) وشرح السنۃ (ج ٣ ص ٤٥٩) والنسائی (ج ١ ص ٢٨٣۔ ج ٣ ص ٢٥٥)]

عیدین کے دنوں میں روزوں کی ممانعت کا بیان

(١) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو دنوں میں روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے' ایک عیدالفطر کے دن اور دوسرا عید قربان کے دن۔

[موطا الامام مالک ص ٢٤١' مطبوعہ میر محمد کتب خانہ' کراچی' صحیح مسلم ج ١ ص ٣٦٠' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' ١٣٧٥ھ/١٩٥٦ء]

(٢) حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' آپ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تشریق کے ایام کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔ [صحیح مسلم ج ١ ص ٣٦٠' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' ١٣٧٥ھ/١٩٥٦ء]

علامہ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ یہ احادیث ان حضرات کی دلیلیں ہیں جنہوں نے فرمایا کہ ان دنوں میں روزے رکھنا کسی حالت میں جائز نہیں۔ امام شافعی کا اظہر قول یہی ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابن المنذر وغیرہما نے بھی یہی فرمایا ہے اور ایام تشریق

سے قربانی کے دن کے بعد تین دن (گیارہ ٗ بارہ اور تیرہ ذی الحج) مراد ہیں اور ان دنوں کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ مسلمان ان دنوں میں قربانی کا گوشت ہانڈیوں میں پکاتے ہیں ٗ پھر اسے سورج کی دھوپ میں سکھاتے ہیں۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ صحیح ترین قول یہ ہے کہ ایام تشریق سے مراد قربانی کے دن کے بعد تین دن ہیں۔ علامہ قسطلانی نے کہا کہ ایام تشریق قربانی کے روز کے بعد تین دن ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ علامہ زرقانی نے کہا کہ قربانی کے دن کے بعد تین دن ہیں اور حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ ایام تشریق قربانی کے دن کے بعد تین دن ہیں۔

[کشف المغطاعن وجہ الموطاص ۲۴۱ حاشیہ ۴ ٗ حاشی علی موطا الامام مالک ٗ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ ٗ مرکز علم وادب ٗ کراچی]

شیخ محقق ومحدث دہلوی لکھتے ہیں:

عید فطر اور عید قربان کے دنوں میں روزے رکھنے کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع کر دیا ہے اور اس پر تمام ائمہ متفق ہیں اور اکثر علمائے دین کے نزدیک ان دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں جبکہ ہمارے (احناف کے) نزدیک ان دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر ماننا جائز ہے۔ چونکہ ان دنوں میں روزہ رکھنا ممنوع ہے اس لیے کسی دوسرے دن اس کی قضا کی جائے گی۔ ایام تشریق قربانی کے دن کے بعد تین دن گیارہ بارہ اور تیرہ ہیں۔ ان دنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضیافت ومہمان نوازی کے دن کہا جاتا ہے کیونکہ بندے مہمان ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ میزبان ہوتے ہیں ٗ چونکہ ان دنوں میں روزے رکھنے سے اللہ تعالیٰ کی ضیافت دعوت سے انکار لازم آتا ہے اس لیے ان میں روزے رکھنا ممنوع اور خوب کھانا پینا اور ذکر الٰہی کرنا مسنون ہے اور لغت میں تشریق کا معنی گوشت کو خشک کرنا ہے کیونکہ ان دنوں میں مسلمان طلوع آفتاب کے بعد قربانی کا جانور ذبح کرتے ہیں اور ان کا گوشت پکا کر دھوپ میں خشک کرتے ہیں اور یہ اللہ کے ذکر کے ایام ہیں یعنی کھانے پینے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں رہنا چاہئے اور ان دنوں میں ذکر سے مراد فرض نماز کے بعد اور قربانیوں کے ذبح کے وقت اور جمرات کو کنکریاں مارتے وقت تکبیرات پڑھنا ہے۔

[اشعۃ اللمعات ج ۲ ٗ ص ۱۰۲ ٗ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر]

تین مساجد کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا منع ہے

اس مذکورہ بالا حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف رخت سفر نہ باندھا جائے (۱) مسجد حرام (۲) مسجد اقصیٰ اور (۳) مسجد نبوی یعنی ان تین مساجد کی طرف حصول فضیلت و برکت اور زائد واضافی ثواب کے حصول کی نیت سے سفر کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ ان مساجد میں نماز پڑھنے کا اجر وثواب بھی بہت زیادہ ہے اور دنیا بھر کی تمام مساجد پر ان کی فضیلت و بزرگی بھی بہت زیادہ ہے ٗ چنانچہ مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنے کا اجر وثواب دیگر مساجد میں پڑھی گئیں ایک لاکھ نمازوں کے اجر وثواب کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ہے اور مسجد نبوی میں بھی ایک نماز پڑھنے کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔ نیز مسجد حرام میں بیت اللہ شریف ہے جو تجلیات و برکات کا مہبط ومنبع اور مرکز ہے۔ یہ فضیلت دنیا کی کسی اور مسجد کو حاصل نہیں اور شب معراج مسجد اقصیٰ میں کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام علیہم السلام نے نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی تھی۔ یہ فضیلت کسی اور مسجد کو حاصل نہیں اور مسجد نبوی میں گنبد خضریٰ (یعنی قبر انور) ہے جس میں حبیب خدا نبی کریم ﷺ آرام فرما ہیں اور ستر ہزار فرشتے صبح اور ستر ہزار فرشتے شام کو حاضر ہوتے ہیں اور ہمہ وقت آپ پر صلوٰۃ والسلام پڑھتے رہتے ہیں۔ یہ فضیلت کسی اور مسجد کو حاصل نہیں اس لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف فضیلت و برتری اور زائد اجر وثواب کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں

اگرچہ مسجد جامع میں ایک نماز کو حدیث میں پانچ سو نمازوں کے برابر قرار دیا گیا لیکن یہ ایک جزوی فضیلت ہے اور مذکورہ بالا تین مساجد کے مقابلہ میں کم تر ہے اور اس حدیث میں مطلق اور عام سفر کی نفی اور ممانعت مراد نہیں کہ ان تین مساجد کے علاوہ ہر قسم کے سفر کو ممنوع قرار دیا جائے ٗ ہرگز نہیں۔

چنانچہ شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری میں لکھا ہے:

فتح الباری شرح صحیح البخاری میں فرمایا کہ ارشاد نبوی ﷺ "الا الی ثلاثۃ مساجد" میں مستثنیٰ منہ محذوف ہے ٗ پھر اگر ہم اسے عام مقدر مانیں تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ ٗ نیز کسی اور کام کے لیے سفر نہ کیا جائے یا پھر مستثنیٰ مخصوص مراد لیا جائے ٗ سو پہلی صورت تو ناممکن ہے کیونکہ اس سے تجارت ٗ عزیز واقارب سے ملاقات وصلہ رحمی کرنے اور علم دین وغیرہ کے لیے سفر کرنا ممنوع قرار پائے گا تو پھر دوسری صورت متعین ہوگی اور بہتر یہ ہے کہ ایسا مخصوص مستثنیٰ مقدر مانا جائے جو اس حدیث کے سیاق وسباق کے زیادہ مناسب ہو اور وہ یہ ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز کے لیے زیادہ اجر وثواب اور زیادہ فضیلت و برتری حاصل کرنے کی نیت سے سفر نہ کیا جائے (کیونکہ باقی مساجد درجہ اور مرتبہ میں برابر ہیں) اور علامہ قسطلانی نے بھی تقریباً یہی مفہوم بیان کیا ہے اور علامہ نووی کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں ان تین مساجد کی فضیلت اور ان کی طرف سفر کرنے کی فضیلت کا بیان ہے کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سفر کرنے میں کوئی فضیلت نہیں ہے اور باقی رہا یہ کہ حضرت ابو بصرہ غفاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے طور کی طرف سفر کرنے سے منع کیا تو وہ اس پر محمول ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے طور میں نماز پڑھنے کے قصد وارادے سے سفر کرنا چاہا اور وہ اس حدیث میں ممنوع ہے لیکن کسی جگہ کی زیارت کا قصد کرنا ممنوع نہیں ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۵۱-۲۵۰ ٗ مطبوعہ دار الفکر ٗ بیروت]

علامہ ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

الرحال رحل کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: اونٹ کا پالان لیکن یہاں اس سے کسی اور مسجد کی طرف رخت سفر باندھنے کی فضیلت کی نفی مراد ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں نفی کا معنی نہی ہے یعنی ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کرو کیونکہ باقی تمام مساجد رتبہ میں مساوی اور برابر ہیں ٗ ان کی فضیلت میں باہم کوئی فرق نہیں ٗ لہٰذا کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا ضائع اور عبث ہے اور علامہ نووی کی شرح مسلم میں مذکور ہے کہ ابو محمد نے کہا: ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور طرف سفر کرنا حرام ہے اور یہ غلط ہے اور (امام غزالی کی) احیاء العلوم میں مذکور ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ علمائے دین اور صالحین کی قبور اور مشاہد کی زیارت کے لیے سفر کرنا منع ہے لیکن مجھ پر جو حقیقت منکشف اور ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے یہ معاملہ اس طرح نہیں ہے بلکہ ان کی زیارت کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے ٗ چنانچہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ اَلَا فَزُوْرُوْهَا. میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا ٗ سن لو اب تم ان کی زیارت کیا کرو۔

بہر حال حدیث میں تین مساجد مسجد حرام ٗ مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کے علاوہ دیگر مساجد کی طرف سفر کرنے کے لیے نہی وارد ہوئی ہے کیونکہ باقی تمام مساجد آپس میں مماثل ومساوی ہیں ٗ نیز ہر شہر میں مساجد موجود ہیں تو انہیں چھوڑ کر کسی دوسری مسجد کی طرف سفر کر کے جانے کا کوئی مقصد اور فائدہ نہیں لیکن مزارات سب یکساں نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صاحب مزار کے درجات کے مطابق

ان کی زیارت میں فوائد وبرکات حاصل ہوتی ہیں' پھر کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ کیا یہ قائل شخص انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کی طرف سفر کرنے کو ممنوع قرار دیتا ہے؟ جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہم السلام اور ان کی قبور کی زیارت سے منع کرنا نہایت محال اور باطل ہے اور جب انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور کی زیارت کے لیے سفر کرنا جائز ہے اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ بھی انہیں کے معنی میں شامل ہیں تو کچھ بعید نہیں کہ ان کی طرف سفر کے اغراض ومقاصد میں سے انہیں برکات کا حصول ہو۔ جیسا کہ علمائے دین کی زندگی میں ان کی ملاقات وزیارت سے بہت سے مقاصد وفوائد حاصل ہوتے ہیں۔

[مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۹۰' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان شریف]

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی نے اسی طرح لکھا ہے' ملاحظہ ہو: [اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۲۴' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

نیز خاتم المحققین علامہ محمد امین الشہیر بابن عابدین نے بھی اسی طرح لکھا ہے' ملاحظہ ہو:

[ردالمحتار المعروف فتاویٰ شامی ج ۱ ص ۶۰۴' مطبوعہ احیاء التراث العربی' بیروت' لبنان]

عورت کے لیے بغیر محرم کے سفر کرنے کی ممانعت کا بیان

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں چوتھا مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ کوئی عورت دو دن کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے ہرگز نہ کرے یعنی قریبی نسبی رشتہ دار جیسے بیٹا یا بھائی یا پھر تایا چچا وغیرہ اور شیخین (یعنی بخاری ومسلم) نے حضرت قزعہ کے واسطہ سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ کوئی عورت دو دن کی مسافت کا سفر نہ کرے مگر یہ کہ اس کا خاوند اس کے ساتھ شریک سفر ہو یا پھر اس کا اپنا محرم اس کے ساتھ ہو اور صحیح مسلم کی روایت میں تین دن کی مسافت کا ذکر ہے کیونکہ اس میں لفظ ثلاث (تین دن) ہے اور ان کی دوسری روایت میں فوق ثلاث ہے (یعنی تین دن سے زیادہ مسافت کا سفر ہو) اور امام احمد بن حنبل' شیخین اور ابوداؤد نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ کوئی عورت تین دن کی مسافت کا سفر اکیلے ہرگز نہ کرے مگر یہ کہ وہ اپنے محرم کے ساتھ ہو۔

اور ابوداؤد' حاکم اور ابن حبان کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ کوئی عورت ایک برید کی مسافت کا سفر اکیلے نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ ایسا محرم (رشتہ دار) ساتھ ہو جس کا نکاح اس عورت سے حرام ہو اور ایک برید دو فرسخ یعنی تقریباً بارہ میل کا ہوتا ہے لغت کی کتاب القاموس میں یہی مرقوم ہے اور امام طبرانی کی المعجم کی روایت کے مطابق تین میل کا سفر بغیر محرم عورت کے لیے جائز نہیں' جب ان سے کہا گیا کہ لوگ تو تین دن کا سفر کہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ وہی ہے اور امام احمد اور شیخین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت بیان کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے اور اس کے پاس تنہائی میں کوئی شخص نہ آئے مگر جب اس کے ساتھ محرم موجود ہو اور یہ حدیث مطلقاً سفر کی ممانعت میں صریح ہے۔ اگر سفر کو لغوی معنی پر محمول کیا جائے کیونکہ سفر ایک دن اور ایک رات سے کم مسافت پر بھی بولا جاتا ہے' اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ کوئی عورت جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے وہ ایک دن اور ایک رات کی مسافت کا سفر نہ کرے مگر اس کے ساتھ ایسا رشتہ دار ہو جو اس پر حرام ہو اور مسلم شریف میں ''مسیرۃ لیلۃ'' (ایک رات کی مسافت) کا لفظ ہے اور یوم کا لفظ بھی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف سے مروی ہے کہ عورت کا بغیر محرم کے ایک دن کی مسافت کے سفر پر گھر سے نکلنا مکروہ ہے لیکن مفتی بہ مذہب یہ ہے کہ عورت کا بغیر محرم کے شرعی سفر کی مدت سے کم مسافت پر کسی حاجت وضرورت کے لیے گھر سے نکلنا مباح

ہے جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی القاری ص ۲۵۱۔ ۲۵۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت]

٧- بَابُ كَيْفَ بَدَ الْاَذَانُ وَالْاِقَامَةُ

اذان اور اقامت کی ابتداء کیسے ہوئی

٩٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ مَرَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاٰهُ حَزِيْنًا وَّكَانَ الرَّجُلُ اِذَا طَعِمَ تُجْمَعُ اِلَيْهِ فَانْطَلَقَ حَزِيْنًا بِمَا رَاٰى مِنْ حُزْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَرَكَ طَعَامَهٗ وَمَا كَانَ يَجْتَمِعُ اِلَيْهِ وَدَخَلَ مَسْجِدَهٗ يُصَلِّىْ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذَا نَعَسَ فَاَتَاهُ اٰتٍ فِى النَّوْمِ فَقَالَ هَلْ عَلِمْتَ مِمَّا حَزِنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَالَ فَهُوَ لِهٰذَا التَّاْذِيْنِ فَاْتِهٖ فَمُرْهُ اَنْ يَّاْمُرَ بِلَالًا اَنْ يُّؤَذِّنَ فَعَلَّمَهُ الْاَذَانَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ مَرَّتَيْنِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مَرَّتَيْنِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ مَرَّتَيْنِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ مَرَّتَيْنِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ عَلَّمَهُ الْاِقَامَةَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَقَالَ فِىْ اٰخِرِهٖ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَاَذَانِ النَّاسِ وَاِقَامَتِهِمْ فَاَقْبَلَ الْاَنْصَارِىُّ فَقَعَدَ عَلٰى بَابِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرَّ اَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ اسْتَاْذِنْ لِىْ وَقَدْ رَاٰى مِثْلَ ذٰلِكَ فَاَخْبَرَ بِهِ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اسْتَاْذَنَ لِلْاَنْصَارِىِّ فَدَخَلَ فَاَخْبَرَ بِالَّذِىْ رَاٰى فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَخْبَرَنَا اَبُوْ بَكْرٍ مِثْلَ ذٰلِكَ فَاَمَرَ بِلَالًا يُّؤَذِّنُ بِذٰلِكَ.

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو اس نے آپ کو غمگین دیکھا اور اس انصاری آدمی کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کھانا کھاتا تو اس کے پاس فقراء جمع ہو جاتے (اور وہ انہیں کھانا کھلاتا)' سو وہ رسول اللہ ﷺ کو غمگین دیکھ کر خود بھی غمگین ہو کر چلا گیا اور اس نے اور جو لوگ اس کے پاس جمع ہو جاتے تھے انہوں نے بھی اس رات کھانا چھوڑ دیا اور وہ مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگ گیا اور اسے اسی حالت میں اچانک اونگھ آنے لگی اور خواب میں اس کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس وجہ سے غمگین ہیں؟ اس انصاری نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم تو اس آنے والے (فرشتہ) نے کہا کہ آپ ﷺ اس اذان کی وجہ سے غمگین ہیں' سو تم ان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ آپ حضرت بلال کو اذان کہنے کا حکم دیں' پھر اس نے انصاری آدمی کو کلمات اذان سکھائے' چنانچہ دو مرتبہ ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' اور دو مرتبہ ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور دو مرتبہ ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' اور دو مرتبہ ''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ'' اور دو مرتبہ ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' (پھر) ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پھر اس (خواب میں آنے والے فرشتہ) نے اس انصاری کو اذان کی طرح اقامت سکھائی اور اس کے آخر میں اس نے کہا: ''قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' جیسا کہ آج کل لوگ اذان اور اقامت کہتے ہیں اور یہ انصاری مسجد سے نکل کر نبی کریم ﷺ کے دروازہ پر آ کر بیٹھ گیا (اور آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرنے لگا)' پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی بارگاہ میں حاضری کے لیے وہاں سے گزرے تو انصاری نے کہا: آپ میرے لیے بھی اجازت لے لیجئے اور دراصل حضرت ابوبکر نے بھی اسی طرح خواب دیکھا تھا' سو حضرت ابوبکر نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے اپنا خواب بیان کیا' پھر حضرت ابوبکر نے انصاری کے لیے آپ سے اجازت طلب کی تو انصاری

حاضر ہوا اور اپنا خواب بیان کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابوبکر نے بھی ہمیں اسی طرح اپنا خواب سنایا ہے' پھر آپ نے حضرت بلال کو انہیں الفاظ کے ساتھ اذان کہنے کا حکم دیا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ مَرَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاٰهُ حَزِيْنًا وَّكَانَ الرَّجُلُ ذَا طَعَامٍ يُّعَشِّيْ مَعَهُ فَانْصَرَفَ لِمَا رَاٰى مِنْ حُزْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَرَكَ طَعَامَهُ فَدَخَلَ مَسْجِدَهُ يُصَلِّيْ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ نَعَسَ فَاَتَاهُ اٰتٍ فِي النَّوْمِ فَقَالَ لَهُ اَتَدْرِيْ مَا اَحْزَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَالَ هُوَ النِّدَاءُ فَاْتِهِ بِاَنْ يَّاْمُرَ بِلَالًا قَالَ الرَّجُلُ فَعَلَّمَهُ الْاَذَانَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ مَرَّتَيْنِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مَرَّتَيْنِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ مَرَّتَيْنِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ مَرَّتَيْنِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ عَلَّمَهُ الْاِقَامَةَ كَذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ فِيْ اٰخِرِهٖ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ مَرَّتَيْنِ كَاَذَانِ النَّاسِ وَاِقَامَتِهِمْ فَانْتَبَهَ الْاَنْصَارِيُّ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ بِالْبَابِ فَجَاءَ اَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ اِسْتَاْذِنْ لِيْ فَدَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ فَاَخْبَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ ذٰلِكَ ثُمَّ دَخَلَ الْاَنْصَارِيُّ فَاَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالَّذِيْ رَاٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَخْبَرَنَا اَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ مُرْ بِلَالًا بِمِثْلِ ذٰلِكَ.

بخاری(٦٠٤) ابوداؤد(٤٩٩) ترمذی(١٨٩)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ انصار میں سے ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو اس نے آپ کو غمگین دیکھا اور یہ آدمی فقراء کو کھانا کھلانے والا تھا لوگ شام کا کھانا اس کے ساتھ کھاتے تھے لیکن جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو غمگین دیکھا تو وہاں سے واپس چلا آیا اور کھانا چھوڑ دیا اور مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا' پس اسی دوران اس پر اچانک اونگھ غالب آ گئی تو خواب میں اس کے پاس ایک آنے والا (فرشتہ) آیا اور اس سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو کس چیز نے غمگین کر رکھا ہے؟ انصاری نے کہا: نہیں تو اس (فرشتے) نے کہا: وہ اذان ہے' سو تم آپ کے پاس جاؤ کہ آپ حضرت بلال کو اذان پڑھنے کا حکم دیں' وہ انصاری شخص کہتا ہے کہ پھر اس (فرشتے) نے انہیں اذان سکھائی' چنانچہ دو مرتبہ ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' اور دو مرتبہ ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور دو مرتبہ ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' اور دو مرتبہ ''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ'' اور دو مرتبہ ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' (پھر) ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پھر اس (فرشتے) نے انصاری کو اسی کی مثل اقامت پڑھنا سکھائی' پھر اقامت کے آخر میں دو دفعہ ''قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ'' کہا جیسے آج کل لوگ اذان اور اقامت پڑھتے ہیں' پھر انصاری اپنے خواب سے بیدار ہو گئے تو وہ فوراً رسول اللہ ﷺ کے گھر آئے اور دروازہ پر بیٹھ گئے' اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور انصاری نے حضرت ابوبکر سے کہا: آپ میرے لیے اجازت طلب کیجئے' سو حضرت ابوبکر گھر میں داخل ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کو انصاری کے خواب کی طرح اپنا خواب بیان کیا' پھر وہ انصاری گھر میں داخل ہوئے اور نبی کریم ﷺ کو اپنا خواب بیان کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر تمہارے بیان کے مطابق اپنا خواب پہلے بیان کر چکے ہیں' پھر آپ نے فرمایا: بلال کو حکم دو کہ وہ اسی طرح اذان دیں۔

حل لغات

''حَزِيْنًا'' فعیل کے وزن پر شہیر کی طرح مبنی للمفعول ہے' یعنی ''مَحْزُوْنًا'' بہ معنی مفعول ہے' غمگین' مغموم' رنجیدہ۔ ''تَجْمَعُ'' صیغہ واحد مونث غائب فعل مضارع مجہول باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: جمع ہونا' اکٹھا ہونا۔ ''نَعَسَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب فَتَحَ اور نَصَرَ دونوں سے آتا ہے' بہ معنی اونگھ آنا۔

اذان اسلام کی علامت ہے

اذان نماز کے لیے شرط نہیں لیکن نماز سے پہلے اذان کہنا سنت ہے اور یہ شرط کے مشابہ ہے اور سنت مؤکدہ ہے اور دین اسلام کی علامت اور پہچان ہے' چنانچہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایسی کسی بستی پر حملہ نہیں کرتے تھے جس سے اذان کی آواز سن لیتے تھے' اگر کسی بستی سے اذان کی آواز سنائی نہ دیتی تو پھر آپ اس پر حملہ کرنے کا حکم دیتے تھے۔

اذان واقامت کے کلمات

اذان اور اقامت کے کلمات مشہور و معروف ہیں۔ ہمارے (احناف) کے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں۔ لغت میں ترجیع کا معنی لوٹانا اور دہرانا ہے لیکن امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ترجیع یہ ہے کہ شہادتین کو پہلی دفعہ دو دو مرتبہ آہستہ کہنا اور دوسری دفعہ دوبارہ دو دو دفعہ بلند آواز سے کہنا (کل چار مرتبہ کہنا) بغیر ترجیع کے اذان کہنا حدیث سے ثابت ہے (جیسا کہ مسند امام اعظم کی مذکورہ بالا حدیث میں ترجیع نہیں ہے)۔

(۱) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں نماز اور روزہ کے متعلق مذکور ہے اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جب میں نے آپ کو اذان کے اہتمام میں متفکر دیکھا تو میں نے (خواب میں) ایک آدمی دیکھا جس پر دو سبز کپڑے تھے' وہ قبلہ رو ہوا اور یہ کلمات کہے: ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ' اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ' اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ' حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ' حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ' حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ' حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ' اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پھر وہ (فرشتہ بہ صورت آدمی) تھوڑی دیر ٹھہر گیا۔ پھر اس نے وہی کلمات (اقامت کے لئے) کہے جو اس نے پہلے کہے تھے مگر ''حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ' حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ'' کے بعد ''قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ'' کے مزید الفاظ کہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم یہ کلمات بلال کو سکھاؤ۔ پس حضرت بلال نے انہی کلمات کے ساتھ اذان پڑھی۔ [رواہ ابوداؤد]

(۲) حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ سے پورا قصہ یوں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ناقوس بنانے کا حکم دیا تا کہ اسے بجا کر لوگوں کو نماز کے لیے جمع کیا جائے۔ اسی دوران میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی ناقوس اٹھائے ہوئے میرے گرد طواف کر رہا ہے اور ابو یعلیٰ کے حوالہ سے سنن ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ باتیں بنائیں گے تو میں کہتا کہ میں بیدار تھا' سویا ہوا نہیں تھا' سو میں نے اس آدمی (یعنی فرشتہ) سے کہا: اے اللہ تعالیٰ کے بندے! کیا تم یہ ناقوس فروخت کرو گے؟ اس نے کہا: تم اس کے ساتھ کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ ہم اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کی طرف بلائیں گے۔ اس نے کہا: کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو اس ناقوس سے بہتر ہو؟ میں نے کہا: ضرور بتائیے تو اس نے کہا: تم کہا کرو ''اَللّٰهُ

اَکْبَرُ ''(پھر آخر تک اذان پڑھی) اور اسی طرح اس نے اقامت کے الفاظ بھی بتائے' پھر جب صبح ہوئی تو میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور جو کچھ میں نے دیکھا تھا آپ کی خدمت میں عرض کیا: آپ ﷺ نے فرمایا: ''اِنَّھَا لِرُؤْیَا حَقٌّ'' بے شک یہ خواب تو سچا ہے' سو تم (حضرت) بلال کے ساتھ کھڑے ہو کر جو دیکھا ہے اسے بتاؤ تاکہ وہ اذان کہے کیونکہ وہ تم سب سے بلند آواز ہے' چنانچہ میں حضرت بلال کے ساتھ کھڑا ہوا اور یہ کلمات بتاتا گیا اور وہ اذان پڑھتے گئے۔ راوی فرماتے ہیں کہ یہ کلمات اذان حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں سنے تو اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے (جلدی سے) نکلے اور وہ یہ کہتے جا رہے تھے کہ یارسول اللہ ﷺ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں نے بھی (حضرت) عبداللہ بن زید کی طرح خواب میں دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے' سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔

[رواہ ابوداؤد والدارمی]

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اذان میں ترجیع سنت ہے' دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' آپ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اذان کا طریقہ سکھایئے تو آپ نے فرمایا: تم کہا کرو ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ' اَللّٰہُ اَکْبَرُ' اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ' اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ' اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ' اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' تم ان کلمات کو پہلے آہستہ آواز میں کہو' پھر بلند آواز سے کہو۔ [رواہ ابوداؤد]

ہمارے مشائخ (حنفی علماء) نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مشہور مؤذنوں کی اذان میں ترجیع نہیں ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو تمام اذان دینے والوں کے سردار ہیں نہ تو ان کی اذان میں ترجیع ہے اور نہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان میں اور نہ ہی مسجد قبا کے موذن حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ کی اذان میں۔ ترجیع صرف حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان میں ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی یہی فرماتے ہیں: ترجیع حضرت ابومحذورہ کا وہم بھی ہوسکتا ہے کیونکہ یہ عمل تو صرف تعلیم کے لیے تھا جسے انہوں نے ترجیع گمان کیا۔ یہی رائے صاحب ہدایہ کی ہے اور ہوسکتا ہے جب نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا ہو کہ کھڑے ہو جاؤ اور اذان پڑھو تو انہوں نے عرض کیا ہو: مجھے اذان کا طریقہ سکھاؤ اور جب شہادتین پر گئے ہوں تو لوگوں سے شرم کی وجہ سے آواز پست ہوگئی ہو اور رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہو کہ بلند آواز سے کہو تاکہ دل میں جو اسلام کے خلاف کدورت ہے وہ صاف ہو جائے اور لوگوں پر عیاں ہو جائے کہ ابومحذورہ مومن ہیں اور اسی کو ابومحذورہ نے سنت سمجھا ہو اور کہہ دیا ہو کہ ترجیع اذان میں شامل ہے' پھر ترجیع بھی مختلف الفاظ سے مروی ہے' اس لیے حضرت بلال جو رئیس المؤذنین ہیں کی طرف رجوع ضروری ہے۔

<u>فجر کی اذان</u>: فجر کی اذان میں ''حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ'' دومرتبہ کہنے کے بعد ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' دومرتبہ کہا جاتا ہے۔ ابوداؤد اور نسائی کی روایت سے یہ اضافہ ثابت ہے۔ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر فجر کی نماز ہوتی تو میں کہتا: ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ''۔

(۱) ابن ماجہ حضرت سعید بن میسب کے حوالے سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تاکہ آپ کو نماز فجر کے لیے آواز دیں۔ جب بتایا گیا کہ آپ سوئے ہوئے ہیں تو حضرت بلال نے دومرتبہ ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' کہا تو یہ الفاظ اذان کا حصہ بن گئے۔

(۲) حضرت حفص حضرت بلال سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تاکہ آپ کو صبح کی نماز کی اطلاع دیں تو انہوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آرام کرتے ہوئے پایا تو ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' کے الفاظ دومرتبہ کہے' پس نبی

کریم ﷺ نے بیدار ہو کر فرمایا: اے بلال! یہ الفاظ کتنے خوبصورت ہیں تم انہیں اپنی اذان میں شامل کرلو۔ (رواہ الطبرانی)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فجر کی نماز کے لیے اذان دیتے ہوئے جب موذن ''حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ'' کہے تو اس کے بعد ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ'' دوبار کہنا سنت ہے' اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ یہ روایات فتح القدیر میں مذکور ہیں۔

[ماخوذ مع الانتخاب والتصرف القلیل' ارکان اسلام ص ۱۹۲۔۱۸۸' مطبوعہ فرید بک سٹال' ۳۸ اردو بازار لاہور]

۸- بَابٌ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مَا یَقُوْلُ

جب تم موذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو تم وہی کلمات کہو جو موذن کہتا ہے

۹۱- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ قَالَ مِثْلَ مَا یَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ.

حضرت عبداللہ بن دینار سے روایت ہے' انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب موذن اذان دیتا تو نبی کریم ﷺ اسی طرح کلمات ادا فرماتے تھے جس طرح موذن کہتا۔

بخاری (٦١١) مسلم (٨٤٨) ابوداؤد (٥٢٢) ترمذی (٢٠٨) ابن ماجہ (٧٢٠) نسائی (٦٧٤) مسند احمد (ج ۳ ص ٦)

حل لغات

''اَذَّنَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: آگاہ کرنا' اطلاع دینا' اعلان کرنا' بلانا اور نماز کے لیے اذان دینا۔ ''اَلْمُؤَذِّنُ'' صیغہ واحد مذکر اسم فاعل باب مذکورہ بالا' اس کا معنی ہے: نماز کے لیے اذان دینے والا' اعلان کرنے والا وغیرہ۔

اذان کے جواب دینے کی کیفیت واہمیت

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

(۱) صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ''حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ'' اور ''حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ'' کے وقت ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' پڑھا کرتے تھے۔

(۲) امام احمد نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب موذن کی اذان سنتے تو آپ اسی طرح کلمات ادا فرماتے تھے جس طرح موذن کہتا یہاں تک کہ وہ ''حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ'' اور ''حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ'' پر پہنچتا تو آپ ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' پڑھتے تھے۔

(۳) امام ابوداؤد اور امام حاکم کی روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب موذن سے شہادتین کے کلمات سنتے تو آپ فرماتے: ''انا وانا'' (یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں)۔

(۴) اور ابن السنی کی روایت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب موذن کو ''حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ'' کہتے ہوئے سنتے تو آپ فرماتے: ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ'' اے میرے اللہ! تو ہمیں فلاح پانے اور کامیاب ہونے والوں میں سے بنا دے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۲۲۹۔۲۲۸' مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ' بیروت]

اگرچہ مذکورہ بالا احادیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول مبارک بیان کیا گیا ہے لیکن آپ کا یہ عمل مسلمانوں کے لیے

سنت ہے۔ علاوہ ازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو بھی یہی حکم دیا ہے چنانچہ یہاں اس کے ثبوت میں صحیح مسلم کی چند احادیث قارئین کے ذوق کے لیے پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَایَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ.

جب تم اذان سنو تو تم بھی اسی طرح کہو جس طرح مؤذن کہتا ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَایَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّهٗ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِیَ الْوَسِیْلَةَ فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِی الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِیْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَنَا هُوَ فَمَنْ سَاَلَ اللّٰهَ لِیَ الْوَسِیْلَةَ حَلَّتْ عَلَیْهِ الشَّفَاعَةُ.

جب تم مؤذن سے اذان سنو تو تم وہی کلمات کہو جس طرح وہ کہتا ہے پھر تم مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے پھر تم اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کی درخواست کرو کیونکہ وہ جنت میں ایک ایسا مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لیے مخصوص ہوگا اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہوں سو جو شخص میرے لیے وسیلہ کی دعا کرے گا اس پر میری شفاعت لازم ہو جائے گی۔

(۳) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب مؤذن ''اَللّٰهُ اَکْبَرُ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ'' کہے تو تم میں سے جو شخص اس کے جواب میں ''اَللّٰهُ اَکْبَرُ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ'' کہے پھر مؤذن ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہے تو وہ بھی ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہے پھر مؤذن کہے: ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' تو وہ بھی ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کہے پھر مؤذن ''حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ'' کہے تو وہ شخص ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' کہے پھر مؤذن کہے: ''حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ'' تو وہ شخص ''لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' کہے پھر مؤذن کہے: ''اَللّٰهُ اَکْبَرُ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ'' تو وہ شخص بھی کہے: ''اَللّٰهُ اَکْبَرُ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ'' پھر مؤذن کہے: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' تو وہ شخص بھی کہے: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' یہ تمام کلمات وہ شخص خلوص دل سے کہے تو وہ جنت میں جائے گا۔

[صحیح مسلم ج ا ص ١٦٧-١٦٦ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع ١٣٧٥ھ/١٩٦٥ء کراچی]

اذان میں انگوٹھے چومنا مستحب عمل ہے

خاتم المحققین العلامہ الشیخ محمد امین الشہیر بابن العابدین لکھتے ہیں کہ پہلی بار ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' سنتے وقت ''صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' کہنا مستحب ہے اور دوسری بار ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' سنتے وقت یہ کہنا مستحب ہے کہ ''قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ'' یعنی اے اللہ کے رسول! آپ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں پھر دونوں آنکھوں پر انگوٹھوں کے ناخن رکھنے کے بعد کہے: ''اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ'' یعنی اے میرے اللہ! میری آنکھوں اور میرے کانوں کے ساتھ مجھے نفع پہنچا کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسا کہنے والے شخص کی قیادت کرتے ہوئے اسے جنت میں لے جائیں گے۔ قہستانی کی کنز العباد میں اسی طرح مذکور ہے اور الفتاوٰی الصوفیہ میں بھی اسی طرح ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اذان میں ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کے سننے پر اپنے دونوں انگوٹھے چومے گا تو میں (قیامت کے دن) اس کا قائد ہوں گا اور اسے

جنت کی صفوں میں داخل کروں گا اور اس کی پوری بحث حواشی البحر للرملی میں المقاصد الحسنۃ للسخاوی سے مذکور ہے۔

[ردالمحتار المعروف فتاوٰی شامی ج ا ص ٢٦٧ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت لبنان]

٩- بَابٌ فِیْ اَجْرِ مَنْ بَنٰی لِلّٰهِ مَسْجِدًا

اس شخص کے اجر و ثواب کا بیان جو اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد بنائے

٩٢- اَبُوْحَنِیْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ اَبِیْ اَوْفٰی یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ بَنٰی لِلّٰهِ مَسْجِدًا وَلَوْ کَمَفْحَصِ قَطَاۃٍ بَنَی اللّٰهُ تَعَالٰی لَهٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ.

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد تعمیر کرے گا اگرچہ وہ پرندہ کے گھونسلے کے برابر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔

بخاری(٤٥٠) مسلم(١١٨٩) ترمذی(٣١٨) نسائی(٦٨٩) ابن ماجہ(٧٣٨) مسند احمد(٢١٥٧)

حل لغات

''بَنٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: گھر تعمیر کرنا اور بنانا۔ ''مَفْحَصْ'' یہ ظرف مکان ہے اس کا معنی ہے: وہ گڑھا جو سنگ خوار نے انڈے دینے کے لیے کھودا ہو چونکہ یہ گڑھا گھونسلا نما ہوتا ہے اس لیے اس کو یہاں گھونسلے کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ''قَطَاۃْ'' اس کا معنی ہے: سنگ خوار اردو میں اس کا ترجمہ ہوتا ہے: بھٹ تیتر اور یہ پرندہ جسم میں کبوتر کے برابر ہوتا ہے۔

تعمیر مسجد کی اہمیت و فضیلت

اس حدیث میں تعمیر مسجد کو سنگ خوار پرندے کے زمین میں کھودے ہوئے گھونسلے سے تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ اس کے کھودے ہوئے گڑھے کے برابر جگہ نماز پڑھنے کے لیے کافی نہیں ہوتی تو حدیث میں اس سے مراد تعمیر مسجد میں اس گڑھے کی مقدار حصہ بنانے میں شریک ہونا ہے دراصل اس سے مسجد کی تعمیر و ترقی کی اہمیت و فضیلت واضح کرنا مقصود ہے کہ جو شخص تعمیر مسجد میں اس قدر بنانے میں شریک ہوگا اسے بھی اللہ تعالیٰ جنت میں ایک محل عطا فرمائے گا۔ امام ابن حبان وغیرہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بعینہ اسی طرح روایت کیا ہے جبکہ امام ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں ''لِبَیْضِهَا'' کا اضافہ ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱) ''مَنْ بَنٰی مَسْجِدًا بَنَی اللّٰهُ لَهٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ مِثْلَهٗ'' یعنی جو شخص مسجد تعمیر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مثل جنت میں اس کے لیے ایک گھر تعمیر کر دے گا اور ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو اسی طرح بیان کیا ہے۔

(۲) امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''مَنْ بَنٰی مَسْجِدًا بَنَی اللّٰهُ لَهٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ'' جس نے (دنیا میں) مسجد تعمیر کی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر تعمیر فرمائے گا۔

(۳) امام طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا جس کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ بَنٰی مَسْجِدًا بَنَی اللّٰهُ لَهٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ اَوْسَعَ مِنْهُ۔

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے مسجد سے زیادہ وسیع اور کشادہ گھر بنائے گا۔

[شرح مسند امام اعظم ص ٥٩٠-٥٨٨ مطبوعہ

دارالکتب العلمیۃ' بیروت]

١٠ - بَابُ النَّهْيِ عَنْ اِنْشَادِ الضَّالَّةِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنے کی ممانعت کا بیان

٩٣- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يُنْشِدُ جَمَلًا فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ لَا وَجَدْتَّ وَ فِيْ رِوَايَةٍ سَمِعَ رَجُلًا يُنْشِدُ بَعِيْرًا فَقَالَ لَا وَجَدْتَّ اِنَّ هٰذِهِ الْبُيُوْتَ بُنِيَتْ لِمَا بُنِيَتْ لَهُ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَجُلًا اِطَّلَعَ رَاْسَهُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَنْ دَعَا اِلَى الْجَمَلِ الْاَحْمَرِ فَقَالَ لَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا وَجَدْتَّ اِنَّمَا بُنِيَتْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهُ.

مسلم(١٢٦٢)ابوداؤد(٤٧٣)ابن ماجہ(٧٦٥)نسائی (٧١٨) مسند احمد(٢٣٤٣٢) ابن خزیمہ(١٣٠١)ابن حبان (١٦٥٢)

حضرت ابن بریدہ اپنے والد (حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں ایک آدمی کو گمشدہ اونٹ کا اعلان کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: تیرا اونٹ تجھے نہ ملے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے ایک آدمی کو مسجد میں گم شدہ اونٹ کا اعلان کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: تیرا اونٹ تجھے نہ ملے کیونکہ یہ گھر تو اس مقصد کے لیے بنائے گئے ہیں جس کے لیے یہ بنائے گئے ہیں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک آدمی نے اپنا سر مسجد میں داخل کیا اور کہا کہ میرے سرخ اونٹ کا پتہ کون بتائے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے تیرا اونٹ نہ ملے' بے شک یہ مسجدیں صرف اس مقصد کے لیے بنائی گئی ہیں جس کے لیے وہ بنائی گئی ہیں۔

حل لغات

''يُنْشِدُ'' یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: گم شدہ چیز کو ڈھونڈنا' تلاش کرنا' گم شدہ چیز کی تشہیر کرنا اور اس کا اعلان کرنا' اطلاع دینا۔ ''بُنِيَتْ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: گھر بنانا' گھر تعمیر کرنا۔ ''جَمَلٌ'' کا معنی ہے: اونٹ اور ''بَعِيْرٌ'' کا معنی بھی اونٹ ہی ہے۔ ''احمر'' اس کا معنی ہے: سرخ۔

مساجد صرف عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں۔ یہ نمازوں اور تلاوت قرآن وحدیث اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے بنائی گئی ہیں' لہٰذا اگر کوئی مسلمان مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان سنے تو اس کے جواب میں کہے: ''لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ'' اللہ تعالیٰ یہ چیز تجھے ہرگز واپس نہ کرے کیونکہ مسجدیں گم شدہ سامان کے اعلان کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ امام مسلم' امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ سب نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس ممانعت میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کے لیے مسجد نہیں بنائی گئی جیسے خرید و فروخت' دنیاوی گفتگو اور اجرت پر سلائی لکھائی اور بچوں کی پڑھائی وغیرہ اور اسی طرح ہر وہ کام جو نمازی کی توجہ نماز سے ہٹا دے اور اس پر نماز میں تشویش پیدا کر دے یہاں تک کہ ہمارے بعض علماء نے مسجد میں بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے کو حرام کہا ہے بلکہ بعض نے کہا کہ گڑگڑا کر مبالغہ آمیزی کے ساتھ یا صفوں کو چیرتے ہوئے اور گردنوں کو پھلانگتے ہوئے بلند آواز سے مانگنے والے سائل کو یا حالت خطبہ میں مال دینا اور اس کی مدد کرنا حرام ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ٣٦١-٣٦٠' مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

١١ - بَابٌ اِلٰى اَيْنَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ

نماز کے آغاز میں ہاتھوں کو کہاں تک اٹھانا چاہیے؟

٩٤- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَّائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ وَائِلٍ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلٰوةِ حَتّٰى يُحَاذِيَ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ.

مسلم(٨٦٣)ابوداؤد(٧٢٤)نسائی(٨٨٠)طحاوی(١١٣٢)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز شروع کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا بلند کرتے تھے کہ انہیں اپنے دونوں کانوں کی لو کے برابر لے جاتے تھے اور ایک روایت میں حضرت وائل سے یوں مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز کے شروع میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا بلند کرتے کہ انہیں اپنے کانوں کی لو کے برابر لے جاتے۔

حل لغات

''يَرْفَعُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: اٹھانا' بلند کرنا اور اونچا کرنا۔ ''يُحَاذِيْ'' یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: ایک دوسرے کے برابر ہونا' ایک دوسرے کے مقابل ہونا اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہونا۔ ''شَحْمَةٌ'' اس کا معنی ہے: کان کی لو۔

رفع یدین کی حکمتیں

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا: میں رفع یدین اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے لیے کرتا ہوں۔ بعض علماء نے کہا: اس میں اطاعت گزاری کا اظہار ہے اور قیدی جب مغلوب ہو جاتا ہے تو اطاعت گزاری کے طور پر اپنے ہاتھ بلند کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس میں نماز کی تعظیم کی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے کہا: اس میں امور دنیا کو ترک کرنے اور بالکلیہ نماز اور اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے کہا: اس میں نماز میں داخل ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے کہا: تاکہ بہرا آدمی بھی رفع یدین کرنے سے جان لے کہ وہ نماز میں شروع ہو گیا ہے۔ بعض نے کہا: اس میں شرک سے براءت کا اظہار ہے اور بعض نے کہا کہ رفع یدین نماز کی زینت ہے۔

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کے متعلق احادیث وآثار کا بیان

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

(١) حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو کانوں تک ہاتھ اٹھاتے۔

(٢) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے جب نماز شروع کی تو آپ نے تکبیر کہی اور ہاتھ بلند کیے۔ ہمام نے بیان کیا کہ کانوں تک ہاتھ اٹھائے۔

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

(٣) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو کانوں تک ہاتھ اٹھاتے۔

اس حدیث کو امام دارقطنی نے بھی متعدد اسانید سے روایت کیا ہے اور اس کی بعض اسانید سے یہ روایت ہے کہ آپ صرف پہلی

بار رفع یدین کرتے تھے اور بعض اسانید سے یہ روایت ہے کہ پھر آپ نماز کے اختتام تک دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ بعض میں ہے: پھر آپ دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور اس حدیث کو امام طحاوی نے بھی روایت کیا ہے۔

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ نے تکبیر کہی (''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہا) حتیٰ کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کے بالمقابل تھے۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

علامہ حافظ نورالدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

(۵) حضرت حمید بن ہلال کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث اس شخص نے بیان کی جس نے ایک اعرابی سے سنا۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دکھا۔ آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور کانوں تک ہاتھ اٹھائے۔ امام احمد بن حنبل نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(۶) حضرت حکیم بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں یہ تعلیم دیتے تھے کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے۔ ہر چند کہ مؤخر الذکر دونوں حدیثیں سنداً ضعیف ہیں لیکن ہم نے ان کو اس لیے درج کیا ہے کہ یہ دوسری احادیث صحیحہ کی مؤید ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

(۷) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا اور میں نے سوچا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کو دیکھوں گا چنانچہ آپ نے (نماز شروع کرتے ہوئے) ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے دیکھا آپ کے انگوٹھے کانوں کے قریب تھے۔

(۸) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے۔

(۹) حضرت ابراہیم کہتے ہیں کہ (نمازی) پہلی تکبیر میں کانوں تک ہی ہاتھ اٹھائے۔

(۱۰) حضرت ابوجعفر کہتے ہیں کہ رفع یدین کے وقت اپنے ہاتھوں کو کانوں سے متجاوز نہ کیا جائے۔

(۱۱) حضرت ابومیسرہ کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب جب ہاتھوں کو اٹھاتے تو کانوں تک بلند کرتے۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

(۱۲) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔

(۱۳) حضرت داؤد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت وہب بن منبہ کو دیکھا جب وہ نماز میں ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہتے تو کانوں تک ہاتھ اٹھاتے۔

(۱۴) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے یہاں تک کہ آپ کا انگوٹھا کانوں کے قریب ہو جاتا۔

(۱۵) امام ابوعوانہ روایت کرتے ہیں:

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں داخل ہوتے تو ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہہ کر کانوں تک ہاتھوں کو بلند کرتے۔

امام ابو یوسف روایت کرتے ہیں:

(۱۶) حضرت ابراہیم کہتے ہیں کہ جب نمازی ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہہ کر نماز کو شروع کرے تو کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور اس سے تجاوز نہ کرے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

(۱۷) حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کانوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔

(۱۸) حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے بھی کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی روایت منقول ہے۔

[شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۴ مطبوعہ فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور]

نوٹ: مذکورہ بالا تمام احادیث کے مکمل حوالہ جات بمع عربی متن کے لیے محولہ بالا شرح صحیح مسلم ملاحظہ فرمائیں۔

۹۵- **اَبُوْحَنِیْفَةَ** عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِالْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ بْنِ حُجْرٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ عِنْدَ التَّكْبِیْرِ وَیُسَلِّمُ عَنْ یَّمِیْنِهٖ وَ یَسَارِهٖ.

مسلم (۱۳۱۵) ابوداؤد (۹۹۷) نسائی (۱۳۱۷) ابن ماجہ (۹۱۵) مسند احمد (ج ۱ ص ۱۸۰)

حضرت عبدالجبار بن وائل اپنے والد (حضرت وائل بن حجر) سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھاتے (یہاں تک کہ وہ دونوں کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے۔ حسب سابق حدیث) اور آپ نماز کے اختتام پر اپنی دائیں اور بائیں (دونوں) جانب سلام پھیرتے۔

حل لغات

''رَاَیْتُ'' صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف مثبت فعل بافاعل ہے اور باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: دیکھنا اور آخر حدیث تک سارا کلام مفعول بہ ہے۔ ''یَرْفَعُ'' باب مذکورہ سے فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب' بہ معنی بلند کرنا' اٹھانا' اونچا کرنا۔ ''یَدَیْهِ'' ید کا تثنیہ ہے' دونوں ہاتھ' ھا ضمیر مضاف الیہ ہے۔ ''یُسَلِّمُ'' باب تفعیل سے فعل مضارع معروف مثبت واحد مذکر غائب' معنی سلام پھیرنا' سلام کہنا' سلام پڑھنا۔ ''یَمِیْنٌ'' کا معنی دائیں جانب۔ ''یَسَارٌ'' کا معنی بائیں جانب۔

رفع یدین اور تکبیر تحریمہ کے اقتران اور تقدیم و تاخیر میں اختلاف

اس حدیث میں دو مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کو اوپر اٹھانا اور دوسرا نماز کے اختتام پر دائیں اور بائیں دونوں جانب سلام پھیرنا۔

ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام ان دونوں مسائل میں مختلف آراء رکھتے ہیں۔ پہلے مسئلہ میں حنفی فقہاء کی دو رائیں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ رفع یدین اور تکبیر تحریمہ بغیر کسی تقدیم و تاخیر کے دونوں آپس میں متصل و مقارن ادا کیے جائیں' اس حدیث سے بہ ظاہر اسی کی تائید ہوتی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تکبیر تحریمہ کہتے وقت اپنے ہاتھ اوپر اٹھاتے۔ چنانچہ امام ابویوسف' امام طحاوی' قاضی خان اور فقہائے حنفیہ کی ایک جماعت کا یہی مؤقف ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ رفع یدین تکبیر تحریمہ کے لیے سنت ہے اس لیے تکبیر تحریمہ کہنے کے ساتھ ہی ہاتھوں کو بھی بلند کیا جائے اور اکثر طرق اس کی تائید کرتے ہیں۔ امام ابوداؤد وغیرہ نے حضرت وائل اور

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ (۱) ''اِذَا كَبَّرَ لِلصَّلٰوةِ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ'' یعنی جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کے لیے تکبیر اولیٰ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھوں کے برابر کر لیتے۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ

''كَانَ اِذَا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ'' یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے:

''اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ'' یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے برابر بلند کرتے۔

(۴) حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ اوپر اٹھاتے۔

(۵) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ ''كَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ اِلٰى قَرِيْبٍ مِّنْ اُذُنَيْهِ'' یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے قریب تک بلند کرتے۔

نیز اس قسم کی احادیث اصحاب السنن اور صحاح نے تخریج کی ہیں اور وجہ استدلال یہ ہے کہ اگرچہ شرط بالذات جزاء سے مقدم ہوتی ہے لیکن شرط اور جزاء کا زمانہ باہم مقترن (ملا ہونا) ہوتا ہے اور مذکورہ بالا احادیث میں تکبیر تحریمہ اور رفع یدین کو شرط اور جزاء کی صورت میں بیان کیا گیا ہے' سو اس لیے دونوں ایک وقت میں مقترن و متصل ادا کیے جائیں گے اور دوسری رائے یہ ہے کہ رفع یدین پہلے کیا جائے اور تکبیر تحریمہ بعد میں پڑھی جائے۔ اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ رفع یدین سے مقصود غیر اللہ سے عظمت و کبریائی کی نفی کرنا ہے اور تکبیر (''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہنے) میں اللہ تعالیٰ کے لیے عظمت و کبریائی اور رفعت کا اثبات ہے اور نفی اثبات پر مقدم ہوتی ہے جیسے کلمہ طیبہ میں ''لا الٰہ'' میں معبودان باطلہ کی نفی ہے اور ''الا اللّٰہ'' میں معبود برحق اللہ تعالیٰ کا اثبات ہے اور طرفین یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن شیبانی نے اسی مؤقف کو اختیار فرمایا ہے اور عام مشائخ اسی پر قائم ہیں اور ہدایہ میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور اس مؤقف کی بہت سی احادیث تائید و تصدیق کرتی ہیں' ان میں چند درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے امام ابوداؤد اور امام نسائی نے مرفوع حدیث بیان کی ہے:

''كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذَاءَ مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يُكَبِّرُ'' یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نماز شروع کرتے وقت) اپنے دونوں ہاتھ مبارک کندھوں کے برابر تک اٹھاتے' پھر تکبیر تحریمہ کہتے۔

(۲) حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے امام ابن ماجہ نے مرفوع حدیث بیان کی ہے:

''كَانَ اِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ اِعْتَدَلَ قَائِمًا وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' یعنی نبی کریم رؤف الرحیم علیہ التحیۃ والتسلیم جب نماز میں کھڑے ہونے لگتے تو آپ پورے اعتدال کے ساتھ مکمل کھڑے ہوتے اور اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے یہاں تک کہ ان کو اپنے کاندھوں کے برابر لے جاتے' پھر آپ ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' فرمایا کرتے۔

علامہ ابن الہمام نے شرح ہدایہ میں یہاں ایک تیسرا قول بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ کہ تکبیر تحریمہ پہلے کہنا' پھر اس کے بعد ہاتھوں کو اٹھانا' چنانچہ علامہ ابن ہمام نے کہا کہ امام بیہقی نے حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ

(۱) ''اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِاِبْهَامَيْهِ اُذُنَيْهِ'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو

(پہلے) تکبیر تحریمہ کہتے' پھر آپ اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ آپ اپنے دونوں انگوٹھے اپنے کانوں کے برابر لے جاتے۔

امام بیہقی نے فرمایا کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۲) حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد کلیب بن شہاب کی وساطت سے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت وائل نے کہا: میں نے دل میں کہا کہ میں آج بڑے غور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز دیکھوں گا کہ آپ نماز کیسے پڑھتے ہیں۔ حضرت وائل کہتے ہیں: (میں نے دیکھا) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے اپنا رخ قبلہ کی طرف کیا۔ ''فَكَبَّرَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى حَاذَتَا اُذُنَيْهِ'' اور تکبیر تحریمہ کہی' پھر اپنے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ ان کو اپنے کاندھوں کے برابر لے گئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف اوقات میں تمام طریق ہائے مذکورہ بالا پر عمل کیا ہو (یعنی کبھی پہلے ہاتھ اٹھائے ہوں' پھر تکبیر تحریمہ کہی ہو اور کبھی ہاتھوں کے اٹھانے کے ساتھ متصل تکبیر تحریمہ بھی کہی ہو اور کبھی پہلے تکبیر تحریمہ کہہ دی ہو' پھر ہاتھ اٹھائے ہوں)' بہرحال یہ مقام وسیع ہے اور کسی ایک طریقہ کی افضلیت کو قیاس کے ذریعہ ترجیح دی جا سکتی ہے۔ [تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۴۸' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

جاننا چاہیے کہ مذکورہ بالا احادیث میں سے بعض میں کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہوا ہے اور بعض میں ہاتھ کے انگوٹھے کا کانوں کی لو کے برابر ہونے کا ذکر ہوا ہے تو یہ ان کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ جب انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر کیے جائیں تو ہاتھ کاندھوں کے برابر ہو جاتے ہیں اور جب ہاتھ کاندھوں کے برابر تک اٹھائے جائیں گے تو انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں گے' اس طرح دونوں قسم کی احادیث پر عمل ہو جائے گا' چنانچہ جہاں کاندھوں کا ذکر ہوا ہے وہاں ہاتھ ارشاد ہوا ہے اور جہاں کانوں کا ذکر ہوا ہے وہاں عموماً انگوٹھوں کا ذکر ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں ہاتھوں کو کاندھوں تک اس طرح اٹھایا جائے کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں۔

نماز کے اختتام پر دونوں طرف سلام پھیرنے کا بیان

اس حدیث میں دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے آخر میں دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام پھیرتے تھے اور یہی طریقہ سنت ہے اور یہ معلوم ہونا چاہیے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر تمام ائمہ خصوصاً امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ دونوں طرف سلام پھیرنے پر متفق ہیں' چنانچہ امام ابوداؤد نے سلمہ بن کہیل سے از علقمہ بن وائل از والد خود ایک حدیث بیان کی ہے کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

(۱) ''صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَّمِيْنِهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ وَعَنْ شِمَالِهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ'' یعنی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ اپنی دائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے فرماتے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور اپنی بائیں طرف سلام پھیرتے ہوئے فرماتے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے رخسار کی سفیدی نظر آ جاتی تھی اور آپ دونوں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرماتے تھے۔

(۳) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے لیے اس قدر کافی نہیں کہ وہ نماز میں اپنی دائیں اور اپنی بائیں طرف نمازی بھائی کو صرف انگلی کے اشارے سے سلام کرے۔

(۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے امام دارمی نے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ آپ دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے یہاں تک کہ دونوں اطراف میں آپ کے رخسار کی سفیدی دیکھی جاسکتی تھی۔

(۵) امام ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ "كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهٖ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی دائیں اور اپنی بائیں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے رخسار کی سفیدی دیکھ لی جاتی تھی۔

(٦) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جنگ جمل کے دن ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی جس نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی نماز یاد کرادی جسے ہم یا تو بھول چکے تھے یا پھر ہم نے اسے ترک کر دیا تھا' ہم اپنی دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام کرتے تھے اور امام ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود کی حدیث روایت کر کے آخر میں کہا کہ اس باب میں سعد بن ابی وقاص' عبداللہ ابن عمر' جابر بن سمرہ' براء بن عازب' عمار بن یاسر' وائل بن حجر' عدی بن عمیرہ' جابر بن عبداللہ سے روایات مروی ہیں' پھر امام ترمذی نے کہا کہ ابن مسعود کی حدیث حسن اور صحیح ہے اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین میں اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے اور امام سفیان ثوری' عبداللہ ابن المبارک' امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا یہی قول ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ دونوں طرف سلام پھیرنے کے بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔

[ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام علی ہامش مسند امام اعظم ص ۴۸' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

١٢- بَابُ تَرْكِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ

رکوع اور سجدہ میں جاتے وقت رفع یدین نہ کرنے کا بیان

٩٦- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّهٗ قَالَ فِيْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَعْرَابِيٌّ لَمْ يُصَلِّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً قَبْلَهَا قَطُّ اَهُوَ اَعْلَمُ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ وَاَصْحَابِهٖ حَفِظَ وَلَمْ يَحْفَظُوْا يَعْنِيْ رَفْعَ الْيَدَيْنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّهٗ ذَكَرَ حَدِيْثَ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا صَلّٰى صَلٰوةً قَبْلَهَا هُوَ اَعْلَمُ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ ذُكِرَ عِنْدَهٗ حَدِيْثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ السُّجُوْدِ فَقَالَ هُوَ اَعْرَابِيٌّ لَا يَعْرِفُ الْاِسْلَامَ لَمْ يُصَلِّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا صَلٰوةً وَّاحِدَةً وَّقَدْ حَدَّثَنِيْ مَنْ لَا اُحْصِيْ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ بَدْءِ الصَّلٰوةِ فَقَطْ وَحَكَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَبْدُ اللّٰهِ عَالِمٌ بِشَرَائِعِ الْاِسْلَامِ وَحُدُوْدِهٖ مُتَفَقِّدٌ لِاَحْوَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُلَازِمٌ لَهٗ فِيْ اِقَامَتِهٖ وَفِيْ اِسْفَارِهٖ وَقَدْ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَا يُحْصٰى.

ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۲۳٦) طحاوی (۱۳۱۸-۱۳۱۹)

حضرت ابراہیم نخعی نے بتایا کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ دیہات کے رہنے والے صحابی تھے۔ انہوں نے اس سے پہلے کبھی کوئی نماز نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہیں پڑھی بھلا کیا وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ان کے ساتھیوں (دیگر صحابہ کرام) سے زیادہ جانتے ہیں کہ انہوں نے (رکوع اور سجدہ میں جاتے وقت) رفع یدین کا مسئلہ یاد کر لیا اور حضرت عبداللہ ابن مسعود و دیگر صحابہ کرام نے یاد نہیں کیا اور ایک روایت میں یوں مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم نخعی کے سامنے حضرت وائل بن حجر کی حدیث ذکر کی گئی تو انہوں نے کہا حضرت وائل بن حجر دیہاتی آدمی ہیں۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اس سے پہلے کبھی کوئی نماز نہیں پڑھی' کیا وہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے زیادہ جانتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم نخعی کے پاس حضرت وائل بن حجر کی حدیث کا ذکر کیا گیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو رکوع اور سجود کے وقت رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے تو فرمایا: وہ دیہاتی آدمی ہیں (حضرت عبداللہ کی طرح) اسلام کو پوری طرح نہیں جانتے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف ایک نماز پڑھی ہے اور بے شک مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث اس قدر زیادہ راویوں نے بیان کی ہے جنہیں میں شمار نہیں کر سکتا کہ حضرت عبداللہ صرف نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور انہوں نے یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے بیان کی ہے اور حضرت عبداللہ اسلام کے احکام و حدود کے عالم تھے اور نبی کریم ﷺ کے احوال کی جستجو میں رہا کرتے تھے اور سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہا کرتے تھے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھی ہیں۔

حل لغات

"اَعْرَابِيٌّ" عرب کے دیہات میں رہنے والا۔ "لَا اُحْصِيْ" صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف منفی باب افعال سے ہے اس کا مصدر احصاء ہے' جس کا معنی ہے: شمار کرنا' گنتی کرنا' کسی چیز کو قابو میں لانا' سمجھنا۔ "فَقَطْ" یہ مرکب کلمہ ہے جو فاء اور قط سے مرکب ہے' اس کا معنی ہے: صرف' بس۔ "مُتَفَقِّدٌ" صیغہ واحد مذکر اسم فاعل باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے: جستجو کرنا' تلاش کرنا' کریدنا' طلب کرنا۔

ترک رفع یدین کی بحث

اس حدیث میں جلیل القدر فقیہ' نیک و بزرگ ترین عالم دین اور ثقہ و مستند تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا منصفانہ محاکمہ اور عادلانہ فیصلہ بیان کرتے ہوئے رکوع و سجود میں جاتے وقت رفع یدین کو مرجوح قرار دیا گیا ہے اور نماز کے شروع میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے اور رکوع و سجود میں جاتے وقت ترک رفع یدین کو راجح و وزنی اور مسنون قرار دیا گیا ہے اور حضرت ابراہیم نخعی کا حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو دیہاتی کہنا طعنہ زنی و عیب جوئی اور توہین کرنا نہیں بلکہ صرف اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ چونکہ حضرت وائل دیہات میں رہنے والے تھے اس لیے انہیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت و رفاقت ایک دو دفعہ سے زیادہ میسر نہیں ہوئی جبکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ چونکہ خادم خاص کی حیثیت سے ہمیشہ سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے اس لیے انہیں آپ کی اقتدا میں روزانہ پانچ وقت نماز پڑھنے اور آپ کی نماز کی کیفیت کو قریب سے دیکھنے اور جاننے کے زیادہ مواقع میسر آئے۔ پس ان کی روایت کردہ حدیث ترک رفع یدین کے بارے میں راجح اور زیادہ وزنی ہے' لہٰذا حضرت ابراہیم نخعی کے بارے میں ایسا کہنا اور سوچنا سوء ظن اور بدگمانی کے علاوہ کم عقلی ہے کیونکہ احادیث کے رواۃ پر جرح و تعدیل کرنا طعنہ زنی نہیں ہوتی تو اظہار حقیقت کو طعنہ زنی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے خصوصاً ایک جلیل القدر عالم و فقیہ اور عابد و صالح تابعی کے بارے میں طعنہ زنی کا الزام سراسر لغو اور باطل ہے۔ نیز روافض کے لیے ترغیب و تحریک کا باعث بن سکتا ہے بلکہ تمام تابعین صحابہ کرام کی زیارت و ملاقات اور صحبت و رفاقت کو باعث فخر سمجھتے تھے اور وہ تمام صحابہ کرام کا ادب و احترام کرتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی غرض حضرت وائل کی روایت پر اس سے زیادہ قوی و مضبوط روایت کے ذریعہ معارضہ پیش کرنا ہے کیونکہ حضرت عبداللہ روایت و فقاہت' حفظ و اتقان' علم و فراست اور سفر و حضر میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت و رفاقت اور صحبت و کثرت ملازمت کی وجہ سے حضرت وائل پر فضیلت و فوقیت رکھتے ہیں اس لیے حضرت عبداللہ کی روایت قابل ترجیح اور زیادہ وزنی ہے اور یہاں یہ مسئلہ یاد رہنا

چاہئے کہ جس طرح پہلے نماز میں ضروری بات چیت کر لی جاتی تھی پھر کچھ عرصے کے بعد نماز میں بات چیت اور گفتگو کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا اور ادب واحترام اور خاموشی کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ اسی طرح پہلے نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ بھی ایک عرصہ تک رفع یدین کیا جاتا رہا' پھر بعد میں نبی کریم ﷺ نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کرنا ترک کر دیا اور صحابہ کرام کو بھی رفع یدین ترک کر دینے اور نماز میں سکون اختیار کرنے کا حکم سنا دیا' چنانچہ جن صحابہ کرام نے یہ حکم سنا اور آپ کا یہ عمل دیکھا انہوں نے رفع یدین کرنا ترک کر دیا لیکن جو صحابہ کرام اس حکم سے پہلے دور دراز کے علاقوں میں جا چکے تھے وہ بدستور رفع یدین کرتے رہے' نیز آپ ﷺ کبھی بیان جواز کے لیے رفع یدین کر لیتے جیسا کہ حضرت وائل بن حجر نے آپ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا اور بیان کیا حالانکہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے سینکڑوں مرتبہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رفع یدین ترک کرتے ہوئے دیکھا اور بیان بھی کیا۔ نیز آپ نے صحابہ کرام کے بہت بڑے مجمع کو ترک رفع یدین والی نماز نبوی پڑھا کر دکھا دی اور سب نے تائید کی اور کسی صحابی نے اختلاف نہیں کیا۔ پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد صحابہ کرام اور تابعین اور ائمہ مجتہدین میں اختلاف ہوا' چنانچہ جن کو ترک رفع یدین کی خبر نہ ملی ان کے نزدیک رفع یدین سنت ٹھہرا جبکہ اکثر صحابہ کرام' تابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک ترک رفع یدین سنت ٹھہرا۔ بہرحال امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے تلامذہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ ترک رفع یدین سنت ہے۔ امام سفیان ثوری' امام زفر' امام عامر شعبی' امام ابواسحاق سبیعی' امام ابن ابی لیلیٰ' حضرت علقمہ بن قیس' حضرت اسود بن یزید' حضرت مغیرہ' حضرت وکیع اور حضرت عاصم بن کلیب بن شہاب کا یہی مذہب ہے اور امام مالک اور آپ کے تلامذہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور بعض محققین کے نزدیک منشائے الٰہی یہ ہے کہ حبیب کبریا' محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی ہر سنت اور ہر ادا کو قیامت تک جاری و ساری رکھا جائے اور چونکہ ترک رفع یدین کا مؤقف مضبوط و مستند اور زیادہ وزنی اور راجح ہے اور یہ ناسخ اور آخری عمل ہے۔ نیز یہ نماز میں خشوع وخضوع اور سکون واطمینان کے زیادہ قریب ہے اس لیے یہاں بتوفیقہ تعالیٰ ترک رفع یدین کے ثبوت میں چند احادیث پیش کی جا رہی ہیں۔

ترک رفع یدین کا ثبوت

(۱) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے (صحابہ وتابعین سے) فرمایا:

''اَلَا اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّۃٍ'' کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ پھر آپ نے (سب کے سامنے) نماز پڑھی اور آپ نے صرف پہلی مرتبہ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے' اور اس باب میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کی یہ حدیث حسن (عمدہ اور جید) ہے اور صحابہ وتابعین میں سے بہت سے اہل علم اسی بات کے قائل ہیں اور امام سفیان ثوری اور اہل کوفہ (یعنی امام ابوحنیفہ اور آپ کے تلامذہ) کا یہی قول ہے۔

[جامع ترمذی ص ۶۵۔ ۶۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی] امام ترمذی کے علاوہ اس حدیث کو ابوداؤد' نسائی' ابن ابی شیبہ' دارقطنی' طحاوی اور مسند ابویعلیٰ میں روایت کیا گیا ہے۔

علامہ علاؤ الدین ابن الترکمانی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن حزم نے المحلی میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[الجوہر النقی علی ہامش السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۷۷' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان]

علامہ ابن حزم غیر مقلد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اِنَّ ھٰذَا الْخَبَرَ صَحِیْحٌ'' بے شک یہ

حدیث صحیح ہے۔ [محلی ج ۴ ص ۸۸] اور اس کے حاشیہ پر علامہ احمد شاکر غیر مقلد لکھتے ہیں: ''وَھُوَ حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ'' اور یہ حدیث صحیح ہے۔ [مقدمۃ الکتاب کشف الرین فی مسئلۃ رفع الیدین ص ۱۸' مطبوعہ المجدد امام احمد رضا اکیڈمی' گوجرانوالہ]

یہ حدیث صحیح کیوں نہ ہو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت کو آپ ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھائی اور اس میں تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا اور کسی صحابی نے اس پر اعتراض نہیں کیا' اگر ترک رفع یدین سنت نہ ہوتا تو صحابہ کرام ضرور اعتراض کرتے' سو ان کی تائید صحت حدیث اور ترک رفع یدین کے سنت ہونے کی دلیل ہے' لہٰذا امام ترمذی کو یہ حدیث یا تو حسن سند سے پہنچی ہے یا انہوں نے لغوی معنی میں حسن کہا ہے۔

(۲) دوسری سند کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ آپ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا:

اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ فَقَامَ فَرَفَعَ یَدَیْہِ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ثُمَّ لَمْ یُعِدْ (وَفِیْ نُسْخَۃٍ :لَمْ یَرْفَعْ).

کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے میں نہ بتاؤں؟ حضرت علقمہ نے کہا کہ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود کھڑے ہوئے اور پہلی مرتبہ (تکبیر تحریمہ کے وقت) ہاتھ اٹھائے' پھر (پوری نماز میں) ہاتھ نہیں اٹھائے۔

اس روایت کو امام نسائی نے روایت کیا اور اس کے متعلق خاموشی اختیار کی اور التعلیق الحسن (ج ۱' ص ۱۰۴) میں ہے: ''ھٰذَا اِسْنَادٌ صَحِیْحٌ'' یہ سند صحیح ہے اور اس کے رجال صحیحین کے رجال ہیں ماسوا حضرت سوید کے اور یہ ثقہ راوی ہیں اور ماسوا حضرت عاصم کے کیونکہ یہ صحیح مسلم کے ثقہ رجال میں سے ہیں۔ [اعلاء السنن ج ۲ ص ۸۳۰۔۸۲۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' لبنان]

(۳) حضرت ابراہیم نخعی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کرتے ہیں:

''اَنَّہٗ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ اَوَّلِ مَا یَفْتَتِحُ ثُمَّ لَا یَرْفَعُھُمَا'' یعنی حضرت عبداللہ نماز شروع کرتے وقت پہلی مرتبہ اپنے ہاتھ اٹھایا کرتے تھے' پھر (پوری نماز میں) نہیں اٹھاتے تھے۔ اس کو امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور کہا: یہ سند صحیح ہے۔ اور [الجوہر النقی ج ۲' ص ۷۹ علی حاشیہ السنن الکبریٰ للبیہقی' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان] میں اسی طرح ہے اور حضرت ابراہیم نخعی نے اگرچہ حضرت عبداللہ سے سماع نہیں کیا لیکن حضرت عبداللہ سے ان کی مرسل حدیث بھی موصول کے حکم ہوتی ہے اور امام طحاوی نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نخعی حضرت عبداللہ سے اس وقت ارسال کرتے ہیں جب ان کے نزدیک حدیث کی صحت اور اس کی حضرت عبداللہ سے روایت تواتر سے ثابت ہوتی ہے۔ [اعلاء السنن ج ۲ ص ۸۳۶' رقم الحدیث: ۸۱۹' مطبوعہ دار الفکر' بیروت]

(۴) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ ثُمَّ لَا یَرْفَعُھُمَا حَتّٰی یَفْرُغَ. [مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۶۷' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

نبی کریم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا کرتے' پھر (پوری نماز میں کہیں بھی) انہیں نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جاتے۔

(۵) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَفَعَ یَدَیْہِ حِیْنَ اِفْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ ثُمَّ لَمْ یَرْفَعْھُمَا حَتّٰی اِنْصَرَفَ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ ھٰذَا الْحَدِیْثُ لَیْسَ بِصَحِیْحٍ.

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ صرف نماز شروع کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے' پھر آپ ساری نماز میں نہ اٹھاتے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جاتے۔ امام ابوداؤد نے فرمایا: یہ حدیث

صحیح نہیں ہے (بلکہ حسن ہے)۔

[سنن ابوداؤد ج ا ص ۱۰۹' مطبوعہ مجتبائی پاکستان' لاہور' نیز سنن ابوداؤد مترجم ج ا ص ۳۰۴' مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار' لاہور]

امام ابوداؤد نے اس حدیث کے صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ بیان نہیں کہ یہ حدیث کیوں صحیح نہیں' اس کا کون سا راوی ضعیف ہے اور وہ کیوں ضعیف ہے اس لیے یہ مبہم جرح ہے اور محدثین کے نزدیک مبہم جرح قابل اعتماد' قابل قبول اور قابل اعتبار نہیں ہوتی' لہٰذا یہ مبہم جرح غیر معتبر اور نامقبول ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرا یہ کہ اس حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ حدیث کی تین قسمیں ہیں (۱) صحیح (۲) حسن اور (۳) ضعیف' سو صحیح کی نفی سے حسن کا ثبوت لازم آتا ہے' ضعیف کا نہیں' لہٰذا یہ حدیث حسن ہے اس لیے قابل استدلال ہے' تیسرا یہ کہ ہم احناف امام ابوداؤد کے مقلد نہیں کہ یہ جرح ہمیں نقصان دے بلکہ ہم تو امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد ہیں ان کے بعد کسی راوی کی وجہ سے حدیث کا مجروح ہونا احناف کے لیے نقصان دہ نہیں۔

(۶) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

لَا تُرْفَعُ الْاَيْدِيْ اِلَّا فِيْ سَبْعِ مَوَاطِنَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَاِذَا رَاَى الْبَيْتَ وَعَلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَفِيْ عَرَفَاتٍ وَفِيْ جَمْعٍ وَعِنْدَ الْجِمَارِ.

ہاتھوں کو صرف سات مقامات پر اٹھایا جائے (۱) جب نمازی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو (۲) اور جب زائر بیت اللہ کو دیکھے (۳) اور صفا پہاڑ پر اور (۴) مروہ پہاڑی پر اور (۵) عرفات میں اور (۶) مزدلفہ میں اور (۷) شیطان کو کنکریاں مارتے وقت۔

[مصنف ابن شیبہ ج ا ص ۲۶۸۔۲۶۷' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

اس روایت میں صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کو سنت قرار دیا گیا ہے لیکن رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں کیا گیا جس سے واضح ہو گیا کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین سنت نہیں۔

(۷) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اِنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَايَعُوْدُ.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی تکبیر میں اپنے ہاتھ اٹھایا کرتے تھے پھر آپ نہیں اٹھاتے تھے۔

[شرح معانی الآثار للطحاوی ج ا ص ۱۵۴' مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی]

اس حدیث کو امام ترمذی نے تخریج کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور امام نسائی نے اس کو المجتبیٰ میں تخریج کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہے: ''فقام ورفع يديه اول مرة ثم لم يعد'' سو آپ کھڑے ہوئے اور پہلی مرتبہ اپنے ہاتھ اٹھائے' پھر نہیں اٹھائے۔ علامہ محمد ہاشم المدنی نے کشف الرین عن مسئلۃ رفع الیدین میں فرمایا کہ امام نسائی کی اس حدیث کی اسناد شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط پر ہیں۔ [از الھامش علی شرح معانی الاثار ج ا ص ۱۵۴' مطبوعہ سعید کمپنی' کراچی]

(۸) حضرت مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز شروع کرتے وقت اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو یہ بات سن کر حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا: اگر حضرت وائل نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک مرتبہ رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پچاس مرتبہ رفع یدین نہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ [شرح معانی الاثار ج ا ص ۱۵۴' مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی]

(۹) حضرت اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رَاَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ وَرَاَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ وَالشَّعْبِيَّ يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ.

میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے' پھر آپ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور میں نے امام ابراہیم نخعی اور امام عامر شعبی کو یہی کرتے ہوئے دیکھا (کہ صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے پھر نہیں اٹھاتے تھے)۔

امام ابوجعفر طحاوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق حضرت عمر صرف تکبیر اولیٰ میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں ''وَهُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ'' اور یہ صحیح حدیث ہے کیونکہ اس حدیث کا دارومدار حضرت حسن بن عیاش پر ہے اور یہ ثقہ اور حجت ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معین وغیرہ نے یہی ذکر کیا۔ [شرح معانی الاثار ج ا ص ۱۵۶' مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی]

(۱۰) حضرت اسود فرماتے ہیں:

صَلَّيْتُ مَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعْ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ صَلَاتِهٖ اِلَّا حِيْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ وَرَاَيْتُ الشَّعْبِيَّ وَاِبْرَاهِيْمَ وَاَبَا اِسْحَاقَ لَايَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُمْ اِلَّا حِيْنَ يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ.

میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے' سو آپ نے شروع نماز کے علاوہ اپنی پوری نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہیں کیا۔ حضرت عبدالملک (راوی) نے فرمایا: اور میں نے امام عامر شعبی اور امام ابراہیم نخعی اور امام ابواسحاق کو دیکھا کہ یہ حضرات شروع نماز کے علاوہ کہیں بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

اور اس حدیث کی سند امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ [اعلاء السنن ج ۳ ص ۸۳۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت]

(۱۱) حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد حضرت کلیب بن شہاب سے روایت کرتے ہیں:

اِنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ مِّنَ الصَّلٰوةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ بَعْدَ.

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے وقت صرف پہلی تکبیر میں اپنے ہاتھ اٹھایا کرتے تھے' پھر اس کے بعد نہ اٹھاتے۔

[شرح معانی الآثار ج ا ص ۱۵۴' مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں رفع یدین کی حدیث روایت کرنے کے بعد خود پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین نہ کرنا بلکہ اس کو ترک کر دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک رفع یدین کے متعلق نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل منسوخ ہو چکا ہے' سو جب حضرت علی کی ترک رفع یدین کی یہ حدیث صحیح ہے تو پھر ترک رفع یدین کرنے والوں کے قول کے لیے بہت بڑی حجت اور دلیل ہے۔ [ماخوذ از شرح معانی الاثار ج ا ص ۱۵۵' مطبوعہ ایچ ایم کمپنی' کراچی]

علامہ زیلعی نے کہا: ''وَهُوَ اَثَرٌ صَحِيْحٌ'' اور یہ اثر (حدیث) صحیح ہے اور الدرایۃ میں ہے کہ اس روایت کے تمام رجال ثقہ اور مستند ہیں اور التعلیق الحسن میں ہے اور علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں کہا ہے کہ حضرت عاصم بن کلیب کی سند امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ [ماخوذ از اعلاء السنن ج ۳ ص ۸۳۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت]

(۱۲) حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا فِي التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلٰوةِ'' میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نماز میں پہلی تکبیر کے علاوہ کہیں بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے' سو یہ ہیں حضرت عبداللہ ابن عمر جنہوں

نے نبی کریم ﷺ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا' پھر نبی کریم ﷺ کے بعد خود رفع یدین کرنا ترک کر دیا' پس یہ تب ہی صحیح ہوسکتا ہے جب ان کے نزدیک آپ کا رفع یدین کا فعل منسوخ ہو چکا ہو اور اس پر حجت قائم ہو چکی ہو۔

اعتراض: حضرت طاؤس نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نبی کریم ﷺ سے اپنی روایت کردہ حدیث کے موافق رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

جواب: حضرت طاؤس نے جو ذکر کیا ہے حضرت مجاہد نے اس کے مخالف ذکر کیا ہے' سو اس صورت میں جواب یہ ہے کہ حضرت طاؤس نے حضرت ابن عمر کا جو فعل ذکر کیا ہے وہ رفع یدین کی حدیث کے منسوخ ہونے پر حجت قائم ہونے سے پہلے کا ہے پھر حضرت ابن عمر کے نزدیک جب رفع یدین کی حدیث کے منسوخ ہونے پر حجت قائم ہوگئی تو آپ نے رفع یدین ترک کر دیا اور ترک رفع یدین کا وہی عمل شروع کر دیا جس کا ذکر حضرت مجاہد نے کیا ہے۔

[شرح معانی الآثار ج ١ ص ١٥٥ 'مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی' مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ ص ٢٦٨ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

اور امام بیہقی نے اس روایت کو کتاب المعرفۃ میں ذکر کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ آثار السنن میں ہے۔

[اعلاء السنن ج ٢ ص ٨٣٤ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت]

(١٣) امام ابواسحاق تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

كَانَ اَصْحَابُ عَبْدِاللّٰهِ وَاَصْحَابُ عَلِيٍّ لَايَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهِمْ اِلَّا فِي اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ قَالَ وَكِيْعٌ ثُمَّ لَا يَعُوْدُوْنَ.

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تمام ساتھی صرف نماز کے شروع میں (تکبیر تحریمہ کے وقت) اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔ امام وکیع نے فرمایا: پھر وہ نماز میں کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

[مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ ص ٢٦٧ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان المارديني المعروف ابن الترکمانی فرماتے ہیں:

وَهٰذَا اَيْضًا سَنَدٌ صَحِيْحٌ جَلِيْلٌ فَفِيْ اِتِّفَاقِ اَصْحَابِهِمَا عَلٰى ذٰلِكَ مَايَدُلُّ عَلٰى اَنَّ مَذْهَبَهُمَا كَانَ كَذٰلِكَ. [الجوہر النقی علی ہامش السنن الکبریٰ للبیہقی ج ٢ ص ٧٩ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان]

اور یہ سند بھی صحیح ہے اور جلیل ترین (یعنی جید وعمدہ) ہے سو حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اصحاب (ساتھیوں) کا اس پر اتفاق و اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں حضرات کا مذہب بھی یہی ہے۔

(١٤) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوْا اَيْدِيَهِمْ اِلَّا عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ اَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيْ وَاِسْنَادُهٗ جَيِّدٌ كَذَا فِي الْجَوْهَرِ النَّقِيِّ.

میں نے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں' سو وہ صرف نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے (پھر نہیں)' اس حدیث کو امام بیہقی نے تخریج کیا ہے اور اس کی سند جید (یعنی بہترین اور عمدہ) ہے' الجوہر النقی میں اسی طرح ہے۔

[اعلاء السنن ج ٢ ص ٨٣٧ 'مطبوعہ دار الفکر' بیروت' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ٢ ص ٨٠-٧٩ 'نیز الجوہر النقی ٧٨ 'علی حاشیہ' مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان]

اعتراض: امام بیہقی نے کہا کہ اس روایت میں محمد بن جابر منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔

[السنن الکبریٰ ج ٢ ص ٨٠ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان]

جواب: علامہ علاؤ الدین مارديني المعروف ابن ترکمانی فرماتے ہیں کہ امام ابن عدی نے ذکر کیا ہے کہ امام اسحاق بن ابی اسرائیل حضرت محمد بن جابر کو مشائخ عظام کی جماعت پر فضیلت دیتے ہیں حالانکہ وہ مشائخ کرام ان سے توثیق اور مرتبہ میں بڑھ کر ہیں کیونکہ حضرت محمد بن جابر سے بڑے بڑے محدثین کرام نے روایت کی ہے جیسے امام ایوب' امام ابن عون' امام ہشام بن حسان' امام سفیان ثوری' امام سفیان بن عیینہ' امام شعبہ اور ان کے علاوہ دیگر محدثین۔ اگر محمد بن جابر ثقہ نہ ہوتے تو اکابر مشائخ کرام ان سے روایت نہ کرتے۔ علامہ فلاس نے کہا کہ محمد بن جابر صدوق (یعنی بہت سچ بولنے والے) ہیں اور امام ابن حبان نے انہیں ثقات راویوں میں داخل کیا ہے۔ [الجوہر النقی علی ہامش السنن الکبریٰ ج ٢ ص ٧٨ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان شریف]

(١٥) حضرت ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا رَاَيْتَ فَقِيْهًا قَطُّ يَفْعَلُهٗ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ غَيْرِ تَكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى.

میں نے کبھی کسی فقیہ کو (نماز میں) پہلی تکبیر کے علاوہ ہاتھ اٹھاتے نہیں دیکھا۔

[شرح معانی الآثار ج ١ ص ١٥٦ 'مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی]

اور اس روایت کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے ابن ابی داؤد کے اور یہ ثقہ اور مستند راوی ہیں اور یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا تابعین کے زمانہ میں متروک العمل ہو چکا تھا کیونکہ حضرت ابوبکر بن عیاش اکابر اتباع تابعین میں سے ہیں' ان سے امام سفیان ثوری وغیرہ نے روایت کی ہے۔

[اعلاء السنن ج ٢ ص ٨٣٦ 'رقم الحدیث:]٨٢٧

(١٦) حضرت اشعث امام عامر شعبی سے روایت کرتے ہیں:

اِنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ التَّكْبِيْرَةِ ثُمَّ لَايَرْفَعُهُمَا.

بے شک آپ صرف پہلی تکبیر میں اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے' پھر انہیں نہیں اٹھاتے تھے۔

(١٧) حضرت حصین اور حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی فرمایا کرتے تھے کہ:

اِذَا كَبَّرْتَ فِيْ فَاتِحَةِ الصَّلٰوةِ فَارْفَعْ يَدَيْكَ ثُمَّ لَا تَرْفَعْهُمَا فِيْمَا بَقِيَ.

جب تم نماز کے شروع میں تکبیر کہو تو تم اپنے دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھاؤ' پھر باقی نماز میں تم انہیں نہ اٹھاؤ۔

(١٨) حضرت طلحہ نے امام خیثمہ اور امام ابراہیم کے بارے میں فرمایا:

كَانَا لَا يَرْفَعَانِ اَيْدِيَهُمَا اِلَّا فِيْ بَدْءِ الصَّلٰوةِ.

یہ دونوں حضرات صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے۔

(١٩) حضرت اسماعیل فرماتے ہیں:

كَانَ قَيْسٌ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اَوَّلَ مَايَدْخُلُ فِي الصَّلٰوةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا.

امام قیس نماز میں داخل ہوتے وقت شروع میں اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے تھے' پھر انہیں نہ اٹھاتے تھے۔

(٢٠) حضرت جابر حضرت اسود اور حضرت علقمہ کے بارے میں روایت کرتے ہیں:

اِنَّهُمَا كَانَا يَرْفَعَانِ اَيْدِيَهُمَا اِذَا افْتَتَحَا ثُمَّ لَا

بے شک یہ دونوں حضرات جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں

يَعُوْدَانِ.

ہاتھ اوپر اٹھاتے تھے' پھر انہیں نہ اٹھاتے۔

[مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ ص ٢٦٨-٢٦٧ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان شریف]

واضح رہے کہ رفع یدین کی صرف فعلی احادیث مروی ہیں لیکن قولی کوئی ایک حدیث بھی مروی نہیں ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہو کہ تم رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرو' سو اگر رفع یدین کرنا سنت جاریہ ہوتی تو آپ داڑھی اور دیگر سنن ہدیٰ کی تاکید کی طرح رفع یدین کی تاکید کے لیے اس کا حکم فرماتے مگر آپ نے ایسا نہیں فرمایا' لہٰذا یہ سنت متروکہ ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں ترک رفع یدین کی احادیث فعلی بھی ہیں جن میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اکثر اہل علم صحابہ کرام' تابعین عظام اور اتباع تابعین کے بارے میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرنے کا عمل بیان کیا گیا ہے اور قولی احادیث بھی مروی ہیں جن میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو نماز کے اندر رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر تعجب و ناراضگی کا اظہار فرمایا اور آپ نے انہیں رفع یدین ترک کر کے نماز کے اندر سکون اختیار کرنے کا حکم فرمایا' چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

(٢١) قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالِيَ اَرَاكُمْ رَافِعِيْ اَيْدِيَكُمْ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ. [صحیح مسلم ج ١ ص ١٨١ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٧٥ھ/١٩٥٦ء]

حضرت جابر بن سمرہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ گھر سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھاتے ہو گویا وہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں (جو اوپر نیچے ہو رہے ہیں)' تم نماز میں سکون اختیار کرو۔

اگرچہ اس حدیث کے آخر میں ''اسکنوا فی الصلوٰۃ'' سے واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے تو آپ نے انہیں نماز میں سکون اختیار کرنے کا حکم دے کر رفع یدین سے منع کر دیا کہ یہ سکون واطمینان کے خلاف ہے لیکن غبی ذہن کے لوگ ایسے مجمل کلام کو نہیں سمجھ سکتے اس لیے دیگر کتب احادیث میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ صحابہ کرام نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں نماز میں سکون اختیار کرنے کا حکم دے کر رفع یدین سے منع کر دیا' چنانچہ سنن نسائی میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

(٢٢) قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ رَافِعُوْا اَيْدِيْنَا فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ مَا بَالُهُمْ رَافِعِيْنَ اَيْدِيَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ الْخَيْلِ الشُّمْسِ اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ.

[سنن نسائی ج ١ ص ٢٦٦-٢٦٥ 'مترجم' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

حضرت جابر بن سمرہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ گھر سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے حالانکہ ہم اس وقت نماز کے اندر اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھاتے تھے تو آپ نے فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو نماز میں اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھا رہے ہیں' گویا وہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں۔ تم نماز میں سکون اختیار کرو۔

نیز امام بیہقی نے اسی طرح دو حدیثیں روایت کی ہیں' حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔ [السنن الکبریٰ للبیہقی ج ٢ ص ٢٨٠ 'مطبوعہ نشر السنۃ' ملتان]

واضح رہے کہ یہاں صحیح مسلم میں ترک رفع یدین کی حدیث کے بعد حضرت جابر بن سمرہ سے ایک اور حدیث بھی مروی ہے جس میں سلام کے وقت ہاتھوں کے ساتھ اشارہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے:

قَالَ صَلَّيْتُ (وَفِيْ رِوَايَةٍ صَلَّيْنَا) مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنَّا اِذَا سَلَّمْنَا قُلْنَا بِاَيْدِيْنَا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَنَظَرَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاشَانُكُمْ تُشِيْرُوْنَ بِاَيْدِيْكُمْ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ اِذَا سَلَّمَ اَحَدُكُمْ فَلْيَلْتَفِتْ اِلٰى صَاحِبِهٖ وَلَا يُوْمِيْ بِيَدِهٖ.

[صحیح مسلم ج ١ ص ١٨١ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' ١٣٧٥ھ/١٩٥٦ء]

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے (اور ایک روایت میں ہے ہم نے) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی تو ہم جب سلام پھیرنے لگے تو ہم نے اپنے ہاتھوں کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے (دائیں اور بائیں دونوں طرف) السلام علیکم السلام علیکم کہا' سو رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا: تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہو گویا یہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں' جب تم میں سے کوئی شخص سلام پھیرے تو اپنے ساتھی کی طرف توجہ کرے اور اپنے ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔

اعتراض: یہاں رفع یدین کے قائلین کہتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں ایک مسئلہ سے متعلق ہیں اور وہ یہ ہے کہ نماز کے آخر میں سلام پھیرتے وقت ہاتھوں کو اٹھا کر اشارہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

جواب: دراصل صحیح مسلم کی یہ دونوں حدیثیں الگ الگ دو مسائل کے بارے میں وارد ہوئی ہیں' چنانچہ پہلی حدیث میں نماز کے اندر رفع یدین کرنے سے منع کر کے نماز میں سکون واطمینان اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ دوسری حدیث میں نماز کے آخر میں سلام پھیرتے وقت ہاتھوں سے اشارہ کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ان دونوں احادیث کے مسائل میں چند وجوہ سے فرق ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(١) پہلی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: ''مَالِيَ اَرَاكُمْ رَافِعِيْ اَيْدِيَكُمْ'' یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں رفع یدین (ہاتھوں کو اٹھا کر اوپر) کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز کے آخر میں سلام پھیرتے وقت ہاتھوں کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: ''مَاشَانُكُمْ تُشِيْرُوْنَ بِاَيْدِيْكُمْ'' تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہو۔

(٢) ترک رفع یدین کے بارے میں وارد سنن نسائی اور سنن کبریٰ کی احادیث میں یہ تفصیل موجود ہے کہ صحابہ کرام نے کہا: جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر سے مسجد میں تشریف لائے تو ''نَحْنُ رَافِعُوْا اَيْدِيْنَا فِي الصَّلٰوةِ'' ہم نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے جبکہ ممانعت اشارہ بالید کی حدیث میں ہے ''اِذَا سَلَّمْنَا قُلْنَا بِاَيْدِيْنَا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ'' کہ جب ہم سلام پھیرتے تو ہم اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے (دائیں طرف منہ پھیرتے ہوئے) السلام علیکم کہتے (اور بائیں طرف منہ کرتے ہوئے) السلام علیکم کہتے۔

(٣) تیسرا فرق یہ ہے کہ ممانعت رفع یدین کی حدیث میں ''اسکنوا فی الصلوٰۃ'' کے الفاظ ہیں کہ تم نماز میں سکون ﷺ اختیار کرو جبکہ ممانعت اشارہ بالید کی حدیث میں ''اِذَا سَلَّمَ اَحَدُكُمْ فَلْيَلْتَفِتْ اِلٰى صَاحِبِهٖ وَلَا يُوْمِيْ بِيَدِهٖ'' کے الفاظ ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص سلام پھیرے تو اپنے ساتھی کی طرف توجہ کرے اور اپنے ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔

(٤) چوتھا فرق یہ ہے کہ ممانعت رفع یدین کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر سے مسجد میں تشریف لائے تو صحابہ کرام کو نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا اور منع کرتے ہوئے فرمایا: ''اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ'' تم نماز میں سکون اختیار کرو۔ گویا اس نماز میں آپ صحابہ کے ساتھ شریک نماز نہیں تھے بلکہ تمام یا بعض صحابہ کرام سنن ونوافل ادا کر رہے تھے جبکہ ممانعت اشارہ بالید کی حدیث میں نماز باجماعت کا ذکر ہے جس میں آپ نے صحابہ کرام کو نماز کے اختتام پر سلام پھیرتے

وقت ہاتھوں سے اشارہ کرنے سے منع فرمایا۔

(۵) اگر دونوں احادیث میں نماز میں رفع یدین کی ممانعت کی بجائے صرف سلام پھیرتے وقت ہاتھوں کو اٹھا کر اشارہ کرنے سے منع کرنا مقصود ہوتا تو پھر رسول اللہ ﷺ جو افصح العرب ہیں ''اُسْكُنُوْا فِی الصَّلٰوةِ'' کی بجائے ''اسکنوا عندالسلام'' فرماتے کیونکہ سلام پھیرنے پر نماز اختتام پذیر ہو جاتی ہے' چنانچہ حدیث میں ہے: ''اَلتَّكْبِيْرُ تَحْرِيْمُهَا وَالتَّسْلِيْمُ تَحْلِيْلُهَا'' یعنی تکبیر تحریمہ خلاف نماز امور کو حرام کو کر دیتی ہے اور سلام پھیرنا ان امور کو حلال کر دیتا ہے۔

لہٰذا اس موقع پر ''اُسْكُنُوْا فِی الصَّلٰوةِ'' فرمانا فصاحت و بلاغت کے خلاف اور معنوی اعتبار سے لغو ہو جاتا ہے کیونکہ اس کلام کا معنی ہے کہ تم نماز کے اندر سکون اختیار کرو۔ البتہ جب اس جملے کو نماز کے اندر رفع یدین کی ممانعت پر محمول کیا جائے تو پھر یہ کلام مناسب و موزوں اور برمحل واقع ہو جاتا ہے کیونکہ رفع یدین نماز کے اندر ہوتا ہے جو اوپر نیچے حرکات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے نماز میں سکون و اطمینان اور خشوع و خضوع کے خلاف ہے اس لیے اس سے منع کرنے کے لیے ''اُسْكُنُوْا فِی الصَّلٰوةِ'' فرمانا ہی مناسب و موزوں اور صحیح ہے' لہٰذا رفع یدین کے قائلین کو اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیے کہ یہ عمل مرجوح اور منسوخ ہو چکا ہے جبکہ ترک رفع یدین راجح اور ناسخ ثابت ہو چکا ہے۔ نیز فعلی احادیث میں سے کسی حدیث میں یہ مسئلہ نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ پہلے رفع یدین نہیں کرتے تھے' پھر بعد میں آپ نے رفع یدین کرنا معمول بنا لیا جبکہ اس کے برعکس فعلی حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابتدائے اسلام میں رفع یدین کرتے تھے' پھر بعد ازاں اسے ترک فرما دیا' چنانچہ محدث کبیر علامۃ الشیخ ابو محمد بدرالدین محمود بن احمد عینی لکھتے ہیں:

اِنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَاٰى رَجُلًا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِی الصَّلٰوةِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَ عِنْدَ رَفْعِ رَاْسِهٖ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ لَهٗ لَا تَفْعَلْ فَاِنَّ هٰذَا شَیْءٌ فَعَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَرَكَهٗ. [عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۳۸۰' مطبوعہ دارالفکر' بیروت]

یعنی بے شک حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کو رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تم آئندہ ایسا نہ کرنا کیونکہ یہ وہ عمل ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے پہلے کیا تھا پھر آپ نے اسے ترک فرمایا۔

۱۳- مُنَاظَرَةُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَالْاَوْزَاعِیِّ فِیْ مَسْئَلَةِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ

امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کا رفع یدین کے مسئلہ میں مناظر

۹۷- سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ اجْتَمَعَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَالْاَوْزَاعِیُّ فِیْ دَارِ الْحَنَّاطِيْنَ بِمَكَّةَ فَقَالَ الْاَوْزَاعِیُّ لِاَبِیْ حَنِيْفَةَ مَا بَالُكُمْ لَا تَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَكُمْ فِی الصَّلٰوةِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَ عِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ فَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ لِاَجْلِ اَنَّهٗ لَمْ يَصِحَّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ شَیْءٌ قَالَ كَيْفَ لَا يَصِحُّ وَقَدْ حَدَّثَنِی الزُّهْرِیُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَعِنْدَ الرُّكُوْعِ وَ عِنْدَ الرَّفْعِ مِنْهُ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَحَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ وَلَا يَعُوْدُ لِشَیْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ فَقَالَ الْاَوْزَاعِیُّ اُحَدِّثُكَ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ وَتَقُوْلُ حَدَّثَنِیْ حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ حَنِيْفَةَ كَانَ حَمَّادٌ اَفْقَهَ مِنَ الزُّهْرِیِّ وَكَانَ اِبْرَاهِيْمُ اَفْقَهَ مِنْ سَالِمٍ وَعَلْقَمَةُ لَيْسَ بِدُوْنِ ابْنِ عُمَرَ فِی الْفِقْهِ وَاِنْ كَانَتْ لِابْنِ عُمَرَ صُحْبَةٌ وَّلَهٗ فَضْلُ صُحْبَةٍ فَالْاَسْوَدُ لَهٗ فَضْلٌ كَثِيْرٌ وعَبْدُ اللّٰهِ هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ فَسَكَتَ الْاَوْزَاعِیُّ.

حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ مکرمہ کے دارالحناطین میں امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی جمع ہوئے تو امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ سے کہا: کیا بات ہے کہ تم رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت نماز میں رفع یدین نہیں کرتے؟ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ رفع یدین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے (جس پر بلا معارضہ اعتماد کیا جائے)' امام اوزاعی نے فرمایا کہ صحیح حدیث کیوں کر مروی نہیں؟ حالانکہ مجھے امام زہری نے حضرت سالم بن عبداللہ سے بیان کیا ہے اور حضرت سالم نے اپنے والد حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے اور جب آپ رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے ان سے فرمایا کہ ہمیں حضرت حماد نے حضرت ابراہیم نخعی سے بیان کیا حضرت ابراہیم نخعی نے حضرت علقمہ اور حضرت اسود سے بیان کیا اور ان دونوں حضرات نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ صرف نماز کے شروع میں (تکبیر تحریمہ کے وقت) رفع یدین کرتے تھے' پھر اس کے بعد نماز کے کسی رکن میں دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ امام اوزاعی نے یہ سن کر فرمایا: میں آپ سے از الزہری از سالم از والد خود حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ فرماتے ہیں کہ مجھے حماد حضرت ابراہیم وغیرہ سے حدیث بیان کرتے ہیں تو امام حنیفہ نے فرمایا: حضرت حماد امام زہری سے زیادہ فقیہ تھے اور حضرت ابراہیم نخعی حضرت سالم سے زیادہ فقیہ تھے اور حضرت علقمہ حضرت عبداللہ بن عمر سے فقہ میں کم نہیں ہیں اور اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمر کو نبی کریم ﷺ کی صحبت میسر ہے اور اس بنا پر انہیں صحابیت کا شرف و فضل حاصل ہے لیکن حضرت اسود کو بہت سے دوسرے فضائل حاصل ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود تو حضرت عبداللہ ہی ہیں' سو امام اوزعی یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

حل لغات

''دَارُ الْحَنَّاطِيْنَ'' اس سے مراد مکہ مکرمہ میں گندم کی خرید و فروخت کی منڈی ہے ''لَمْ يَصِحَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل نفی جحد بلم معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ ہے' جس کا معنی ہے کہ (یہ حدیث) صحیح نہیں۔ ''لَا يَعُوْدُ'' صیغہ واحد مزکر غائب فعل مضارع منفی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' جس کا معنی ہے: دوبارہ نہ لوٹنا۔ ''اُحَدِّثُكَ'' اس میں احدث فعل واحد متکلم فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے اور باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: حدیث بیان کرنا اور آخر میں کاف ضمیر مخاطب مفعول بہ ہے۔ ''اَفْقَهُ'' صیغہ واحد مذکر اسم تفضیل باب كَرُمَ يَكْرُمُ سے ہے' اس کا معنی ہے: علم میں غالب ہونا' احکام شرعیہ کا ماہر' زیرک' ذھین' سمجھ دار اور علم فقہ کا بہت جاننے والا۔

مناظرہ کے چند فوائد کا بیان

امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کے اس مناظرہ سے چند فوائد واضح طور پر ثابت ہو رہے ہیں' ایک یہ کہ احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء سے ماخوذ فقہی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو فہم و فراست' عقل و ذھانت' غور و فکر اور بحث و مناظر کی قوت بہت زیادہ عطا کی گئی تھی جس کی وجہ سے آپ اپنے مدمقابل پر بحث و مناظرہ میں غالب آ جاتے تھے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ فقہی مسائل میں امام

ابوحنیفہ کا مذہب (یعنی اجتہاد) سنت قویہ اور روایت مرفوعہ سے ثابت ومؤید ہے محض قیاس اور رائے سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ بعض متعصب لوگ یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ اور آپ کے اصحاب کا مذہب قیاس اور رائے پر مبنی ہے۔

تیسرا یہ کہ رفع یدین کے مذہب کے مقابلہ میں آپ کا مذہب ترک رفع یدین راجح اور زیادہ قوی ہے اس لیے تو عظیم مجتہد امام اوزاعی آپ کے مقابلہ میں خاموش ہو گئے۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ حدیث سے ماخوذ کسی بھی فقہی مسئلہ میں کسی مذہب کا راجح اور وزنی ہونا تب معتبر ہوگا جب اس حدیث کے رواۃ فقاہت' تبحر علمی اور بصیرت وفراست کے حامل ہوں گے اور دینی فقاہت' تبحر علمی اور بصیرت وفراست کے مقابلہ میں حفظ و اتقان اور عدالت معتبر نہیں ہے۔

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ شرف صحابیت ایک الگ چیز ہے اور فقاہت' تبحر علمی' فطانت وذہانت اور فراست وبصیرت دوسری چیز ہے' لہٰذا خاص جہت اور مخصوص حیثیت کے سبب غیر صحابی کے لیے صحابی پر جزوی فضیلت ممکن ہے کیونکہ فضیلت کا مدار اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے' ہاں! البتہ صحابہ کرام میں سے فقہاء صحابہ اور طویل ودراز صحبت نبوی حاصل کرنے والے صحابہ کرام مناقب جلیلہ اور مواہب جزیلہ کے حامل ہیں اس لیے یہ حضرات فقاہت میں بھی اپنے علاوہ تمام لوگوں سے افضل واعلیٰ ہوتے ہیں جیسے خلفائے راشدین' دیگر عشرہ مبشرہ اور افاضل صحابہ کرام علیہم الرضوان۔

[ماخوذ تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ۵۰ حاشیہ نمبر ۱ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

١٤- بَابُ وُجُوْبِ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ وَالسُّوْرَةِ مَعَهَا فِى الصَّلٰوةِ

نماز میں فاتحہ اور کسی سورت کا اس کے ساتھ ملا کر پڑھنا واجب ہے

٩٨- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ طَرِيْفٍ اَبِىْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِىْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِىِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْوُضُوْءُ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ وَالتَّكْبِيْرُ تَحْرِيْمُهَا وَالتَّسْلِيْمُ تَحْلِيْلُهَا وَ فِىْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ فَسَلِّمْ وَلَا تُجْزِىْ صَلٰوةٌ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَعَهَا غَيْرُهَا. وَفِىْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى عَنِ الْمُقْرِىِّ عَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ مِثْلَهٗ وَزَادَ فِىْ اٰخِرِهٖ قُلْتُ لِاَبِىْ حَنِيْفَةَ مَا يَعْنِىْ بِقَوْلِهٖ فِىْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ فَسَلِّمْ فَقَالَ يَعْنِى التَّشَهُّدَ قَالَ الْمُقْرِىُّ صَدَقَ. وَفِىْ رِوَايَةٍ نَحْوَهٗ وَزَادَ فِىْ اٰخِرِهٖ وَلَا يُجْزِىْ صَلٰوةٌ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَعَهَا شَىْءٌ. ترمذی(٣) ابوداؤد(٦١) ابن ماجہ(٢٧٥) طیالسی(٢٤٣)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وضو نماز کی چابی ہے اور تکبیر خلاف نماز چیزوں کو حرام کر دیتی اور سلام پھیرنا ان چیزوں کو حلال کر دیتا ہے اور ہر دو رکعت پر سلام پڑھا کرو اور نماز سورت فاتحہ اور اس کی ساتھ کوئی اور سورت ملائے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ اور دوسری روایت میں مقری کی وساطت سے امام ابوحنیفہ سے اسی کی مثل مروی ہے اور اس کے آخر میں اتنا اضافہ ہے کہ (حضرت مقری نے کہا:) میں نے امام ابوحنیفہ سے عرض کیا کہ آپ (ﷺ) کے ارشاد "فی کل رکعتین فسلم" سے کیا مراد ہے؟ سو آپ نے فرمایا: اس سے تشہد مراد ہے' حضرت مقری نے کہا: سچ ہے۔ اور ایک اور روایت میں بھی اسی طرح ہے مگر اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ کوئی نماز فاتحہ الکتاب اور اس کے ساتھ کوئی سورت ملائے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

حل لغات

"مِفْتَاحٌ" یہ اسم آلہ ہے اور اس کی جمع مفاتیح آتی ہے جیسے مصباح کی جمع مصابیح آتی ہے اور اس کا معنی ہے: چابی کنجی۔

"سَلِّمْ" صیغہ واحد مذکر فعل امر حاضر معروف باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: سلام کرنا۔ "لَاتُجْزِئُ" یہ صیغہ واحد مونث غائب فعل مضارع منفی معروف باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی کا حق پورا ادا کرنا' کسی چیز کا کافی ہونا اور کسی کا پورا بدلہ دینا۔

وضو' تکبیر تحریمہ' فاتحہ اور اس کے ساتھ سورۃ ملانا اور سلام کی اہمیت

اس حدیث میں سب سے پہلے فرمایا: "الوضوء مفتاح الصلٰوۃ" کہ وضو نماز کی چابی ہے' جس طرح چابی کے بغیر تالا نہیں کھلتا اسی طرح وضو کے بغیر نماز جائز نہیں ہوتی کیونکہ وضو نماز کے لیے شرط ہے جس کے بغیر مسلمان نماز میں داخل نہیں ہو سکتا' البتہ وضو کے قائم مقام غسل اور تیمم سے نماز پڑھ سکتا ہے "والتکبیر تحریمھا" اور تکبیر نماز کے منافی امور کو نماز میں حرام کر دیتی ہے اور تکبیر بھی وضو کی طرح نماز کے لیے شرط ہے لیکن یہ ارکان نماز کے ملاصق ومتصل ہے اور بعض اہل علم حضرات نے تکبیر کو نماز کے ارکان شمار کیا ہے اور اس تکبیر اولیٰ کو تحریمہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ نمازی پر نماز میں ان تمام افعال کو حرام دیتی ہے جو نماز میں داخل ہونے سے پہلے نمازی پر حلال تھے' نیز ارشاد نبوی ہے: "فالتسلیم تحلیلھا" سو سلام پھیرنا ان کو حلال ومباح کر دیتا ہے کیونکہ نمازی سلام پھیرنے سے نماز سے خارج ہو جاتا ہے اور لفظ السلام کہنا واجب ہے جیسا کہ لفظ تکبیر یعنی "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کہنا واجب ہے اگرچہ اللہ اکبر' اللہ الکبیر اور اللہ الاعظم اور اللہ اعظم کہنا بھی جائز ہے' پھر فرمایا: "و فی کل رکعتین فسلم" اور ہر دو رکعت پر سلام پڑھا کرو یعنی قعدہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور اپنے آپ پر اور "عباد اللّٰہ الصالحین" پر سلام پڑھا کرو' اس سے مراد تشہد پڑھنا ہے جس کا پڑھنا واجب ہے اور چونکہ تشہد سلام پر مشتمل ہے اس لیے یہاں جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے اور اس حدیث کے آخر میں ارشاد ہے: "ولا تجزی صلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب ومعھا غیرھا" اور سورت فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی دوسری سورت ملائے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی اور ہمارے ہاں نماز میں سورت فاتحہ اور اس کے ساتھ کسی سورت کا ملانا واجب ہے' البتہ امام شافعی نے فرمایا کہ سورت فاتحہ نماز کا رکن ہے اور اس کا نماز میں پڑھنا فرض ہے اور اس کے ساتھ کسی اور سورت کا ملانا سنت ہے مگر یہ حدیث ان پر حجت ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۳۱۴۔ ۳۱۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

کیونکہ امام شافعی ایک حدیث سے سورت فاتحہ کو فرض قرار دیتے ہیں' پھر اسی حدیث سے کسی اور سورت کو ملانے کو سنت قرار دیتے ہیں یہ عجیب استدلال ہے' اگر اس حدیث کی بنا پر سورت فاتحہ کو پڑھنا فرض ہو تو اس کے ساتھ کسی اور سورت کا پڑھنا بھی فرض ہونا چاہیے لیکن اس کا کوئی قائل نہیں' لہٰذا صحیح قول یہی ہے کہ سورت فاتحہ اور اس کے ساتھ کسی اور سورت کا ملانا واجب ہے' ان کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس مسئلہ کی وضاحت آ رہی ہے:

٩٩- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِىْ رَبَاحٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَادٰى مُنَادِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِقِرَاءَةٍ وَّلَوْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول ﷺ کے منادی (اعلانچی) نے مدینہ منورہ میں یہ اعلان کیا کہ نماز بغیر قراءت کے نہیں ہوتی اگرچہ سورت فاتحہ ہی کی قراءت ہو۔

بخاری(٧٥٦) مسلم(٨٧٤) ابوداؤد(٨١٩- ٨٢٠- ٨٢٢) ترمذی(٢٤٧) ابن ماجہ(٨٣٧- ٨٣٩) نسائی(٩١٢) المستدرک للحاکم(٢٣٩)

حل لغات

"نَادٰى" یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: منادی کرنا' آواز لگانا' بلند آواز سے پکارنا "مُنَادِىٌ" اسی فعل سے یہ اسم فاعل واحد مذکر کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے: منادی دینے والا' آواز لگانے والا' پکار کر اعلان

کرنے والا۔

قراءت کی بحث

اس حدیث کے تحت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری لکھتے ہیں کہ ''لاصلاۃ الا بقراء ۃ'' کا مطلب ہے کہ نماز بغیر قراءت کے صحیح نہیں ہو سکتی (کیونکہ نماز میں مطلق قراءت فرض ہے)' اس کی کم از کم مقدار ایک طویل آیت ہے یا پھر چھوٹی تین آیات ہوں' پھر فرمایا: ''ولو بفاتحة الکتاب'' یعنی اگرچہ یہ قراءت سورۂ فاتحہ کے ضمن میں ادا کی جائے کیونکہ سورۂ فاتحہ پڑھنا نماز میں واجب ہے اور اس صورت میں یہ فرضیت قراءت کے قائم مقام ہو جائے گی اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ''لا صلاۃ الا بقراء ۃ'' روایت کیا ہے اور یہ حدیث اس پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے کہ قراءت نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے کیونکہ منفی میں اصل یہ ہے کہ منفی کے وجود کی نفی کی جاتی ہے اور یہ امام شافعی کے نزدیک نماز کی تمام رکعات میں فرض ہے کیونکہ ان کے نزدیک نماز کی ہر رکعت مکمل نماز ہے' سو اس لیے جس نے یہ قسم کھائی کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا' پھر اس نے صرف ایک رکعت پڑھ لی تو امام شافعی کے نزدیک اس کی قسم ٹوٹ گئی اور امام مالک کے نزدیک ''للاکثر حکم الکل'' کے مطابق تین رکعات میں قراءت فرض ہے اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک صرف دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے کیونکہ حدیث میں صراحت کے ساتھ لفظ الصلوٰۃ مذکور ہے' سو اس لیے اس سے کامل نماز مراد ہے اور وہ عرف میں دو رکعت ہے اور البتہ قسم کے مسائل میں چونکہ صلاۃ کا ذکر صراحۃً نہیں ہے اس لیے اس سے صرف ایک رکعت مراد ہے جس کے پڑھنے پر حالف حانث ہو جائے گا لیکن نفل نماز کی دوسری دو رکعت مستقل نماز ہے اور ان کی طرف قیام اس طرح ہے جس طرح شروع نماز میں تکبیر تحریمہ ہے' سو ان میں قراءت کرنا اسی طرح فرض ہے جس طرح پہلی دو رکعت میں قراءت فرض ہے (نفل نماز سے فرض نماز کے علاوہ نماز مراد ہے خواہ سنت ہو یا محض نفل) اور باقی رہا فرض نماز کی دوسری دو رکعت (یا ایک) تو اس میں قراءت کے بغیر جائز ہے بلکہ قراءت کرنا ان میں سنت ہے اور تسبیح پڑھنا مباح ہے اور سکوت کرنا مکروہ ہے۔[الجوہرۃ النیرہ ج۱ ص۷۸' مکتبہ امدادیہ' ملتان] کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''القراء ۃ فی الاولیین قراء ۃ فی الاخریین'' فرض نماز کی پہلی دو رکعت میں قراءت کرنا آخری دو رکعت میں قراءت کرنے کے مترادف ہے یعنی پہلی دو رکعتوں کی قراءت دوسری دو رکعتوں کی قراءت کی نائب ہے (اس لیے فرض کی آخری رکعتوں میں قراءت کرنا فرض نہیں سنت ہے اور وہ صرف سورت فاتحہ پڑھنا ہے) اور شیخین (امام بخاری و امام مسلم) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں: ''لا صلاۃ لمن لم یقرا بفاتحة الکتاب'' اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورت فاتحہ نہیں پڑھی۔ امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سورت فاتحہ نماز میں پڑھنا فرض ہے یہاں تک کہ نماز جنازہ میں بھی سورت فاتحہ پڑھنا فرض ہے کیونکہ اس سے جواز کی نفی مراد ہے جبکہ احناف کے نزدیک کمال کی نفی مراد ہے یعنی ''لا صلاۃ کاملة'' اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قراءت کی فرضیت صرف ارشاد باری تعالیٰ: ''فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ'' [سورۃ المزمل' آیت ۲۰] سو قرآن میں سے جو حصہ آسان ہو وہی پڑھ لو' سے ثابت ہے۔ اور یہ حدیث خبر واحد ہے' اس سے فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے ثبوت میں شبہ ہے' پس اس حدیث سے سورت فاتحہ کے پڑھنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے تاکہ قرآن و حدیث دونوں دلیلوں پر عمل ہو جائے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص۱۴۰۔۱۴۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

احناف اس حدیث سے کمال کی نفی اس لیے مراد لیتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من صلی صلاۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج ثلاثا غیر تمام.[مشکوۃ المصابیح ص۷۸' باب القراءۃ فی الصلوٰۃ' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورت فاتحہ نہیں پڑھی تو وہ نماز ناقص ہے' تین مرتبہ فرمایا' یعنی ناتمام و نامکمل ہے۔

نماز کا ناقص و ناتمام ہونا اس کی صحت کے منافی نہیں' سو اس کے ترک سے نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ ناقص و ناتمام اور نامکمل ہوگی اور چونکہ سورت فاتحہ کی تلاوت ہمارے ہاں واجب ہے اس لیے اس کے ترک سے سجدہ سہو لازم آئے گا جس کے ادا کرنے کے بعد نماز ناقص نہیں کامل ہو جائے گی۔

۱۵- بَابُ لَاتُجْهَرُ التَّسْمِيَةُ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں بسم اللہ شریف بلند آواز سے نہ پڑھی جائے

۱۰۰- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَّ عُمَرُ لَا يَجْهَرُوْنَ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نماز میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کو بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

بخاری(۷۴۳)مسلم(۸۹)ابوداؤد(۷۸۲)ترمذی(۲۴۶)نسائی(۹۰۸)ابن ماجہ(۸۱۳) مسند احمد(ج۳ص۱۷۹) طحاوی(۱۱۶۳) دارقطنی (ج۱ص۳۱۵)سنن کبریٰ للبیہقی (ج۲ص۵۱)

حل لغات

''لَایَجْهَرُوْنَ'' یہ صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف منفی باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: آواز بلند کرنا' بلند آواز سے بولنا۔

نماز میں ''بِسْمِ اللّٰهِ'' آہستہ پڑھنا مسنون ہے

یہ حدیث بہ ظاہر عام ہے کہ نہ تو سورت فاتحہ سے پہلے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی جائے اور نہ کسی اور سورت سے پہلے بلند آواز سے پڑھی جائے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے کی بجائے آہستہ اور پست آواز سے پڑھا کرتے تھے اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابووائل سے انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ''بِسْمِ اللّٰهِ'' اور ''اعوذ باللہ'' اور ''ربنا لك الحمد'' کو آہستہ اور پست آواز سے پڑھا کرتے تھے لیکن یہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت شدہ حدیث کے خلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کو بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ اس کو امام حاکم نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے اور اسے دارقطنی نے بھی صحیح قرار دیا ہے مگر ابن نمیرہ نے کہا کہ ہم نے دارقطنی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ بسم اللہ کو نماز میں بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے اور امام طحاوی اور علامہ ابن عبد البر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ نماز میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنا عرب کے دیہاتیوں کی قراءت ہے۔ امام ابن الہمام نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں کبھی بسم اللہ کو بلند آواز سے نہیں پڑھا یہاں تک کہ آپ وصال فرما گئے۔ سو حضرت ابن عباس سے مروی روایات میں تعارض پیدا ہو گیا' پس اگر ان کو تسلیم کیا جائے تو پھر جہر کی حدیثیں اس پر محمول ہوں گی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھار ابتدا میں بہ آواز بلند بسم اللہ پڑھتے ہوں گے تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ بسم اللہ کو نماز میں پڑھا جائے ترک نہ کیا جائے جیسا کہ امام مالک نے فرمایا اور اس معنی کی تائید امام مسلم کی حضرت انس سے مروی روایت سے ہوتی ہے جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم

ﷺ اور حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی لیکن ان میں سے کسی سے میں نے نہیں سنا کہ اس نے "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھی ہو' اس حدیث میں بسم اللہ کے پڑھنے کی نفی مراد نہیں جیسا کہ اس کے ظاہر سے امام مالک نے بسم اللہ بالکل نہ پڑھنے پر استدلال کیا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ "بِسْمِ اللّٰهِ" کو آہستہ اور پست آواز سے پڑھنے کی بنا پر حضرت انس اس کی سماعت نہیں کر سکے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضرت انس سے صراحت ہے کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام نماز میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کو بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور امام نسائی نے صحیح کی شرط پر اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں' سو یہ سب حضرات نماز میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" آہستہ اور پست آواز میں پڑھا کرتے' اس کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

امام طبرانی نے حضرت حسن کے ذریعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین نماز میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کو پست آواز سے پڑھتے تھے اور امام ثوری کا بھی یہی مذہب ہے' علامہ ابن عبدالبر اور علامہ ابن المنذر نے بیان فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عبداللہ ابن الزبیر' حضرت عبداللہ ابن مغفل' حضرت عمار بن یاسر' حضرت حسن بن ابوالحسن' امام شعبی' امام ابراہیم نخعی' امام اوزاعی' حضرت عبداللہ بن مبارک' حضرت قتادہ' حضرت عمر بن عبدالعزیز' امام اعمش' امام زہری' حضرت مجاہد' حضرت حماد' حضرت ابوعبید' امام احمد اور امام اسحاق وغیرہم کا یہی قول ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی القاری ص ۸۴۔۸۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

١٠١- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ اَنَّهٗ صَلّٰى خَلْفَ اِمَامٍ فَجَهَرَ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اِحْبِسْ عَنَّا نَغْمَتَكَ هٰذِهٖ فَاِنِّيْ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْهُمْ يَجْهَرُوْنَ بِهَا وَهٰذَا صَحَابِيٌّ قَالَ الْجَامِعُ وَرَوَتْ جَمَاعَةٌ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيْلَ وَهُوَ الصَّوَابُ لِاَنَّ هٰذَا الْخَبَرَ مَشْهُوْرٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ.

ترمذی(٣٤٤) ابن ماجہ(٨١٥) طحاوی(١١٦١)

حضرت یزید بن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ کسی امام کے پیچھے نماز پڑھی تو اس نے "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کو بلند آواز سے پڑھا' پھر جب (حضرت عبداللہ اور امام نماز سے) فارغ ہو گئے تو حضرت عبداللہ بن مغفل نے اس امام سے فرمایا: اے اللہ کے بندے! اپنا یہ نغمہ ہم سے بند رکھو (یعنی "بِسْمِ اللّٰهِ" اونچی آواز سے پڑھنا چھوڑو) کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اور حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں لیکن میں نے انہیں اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا اور یہ (حضرت عبداللہ بن مغفل) صحابی ہیں۔ جامع نے کہا کہ ایک جماعت نے یہ حدیث امام ابوحنیفہ سے انہوں نے حضرت ابوسفیان سے انہوں نے حضرت یزید (بن عبداللہ) سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے (اس طرح یہ حدیث مرفوع قرار پائے گی) اور بعض حضرات نے کہا کہ یہی صحیح اور درست ہے کیونکہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مغفل سے مروی ہونا مشہور ہے۔

حل لغات

"اِنْصَرَفَ" یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب انفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: واپس ہونا' باز رہنا لیکن یہاں اس کا معنی ہے: نماز سے فارغ ہو جانا۔ "اِحْبِسْ" صیغہ واحد مذکر فعل امر حاضر معروف باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: روکنا' بند کر کے رکھنا' گھر میں باندھ کر رکھنا۔ "نَغْمَةً" اس کا معنی ہے: گانے میں سر نکالنا' سریلی آواز لیکن یہاں اس کا معنی ہے: اونچی آواز میں بسم اللہ پڑھنا۔

سورتوں کے شروع میں بسم اللہ کے جزء ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف

تمام علمائے دین کا اس پر اتفاق ہے کہ سورۂ نمل میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" آیت کریمہ کا حصہ اور جزو ہے لیکن اس کے علاوہ جو سورتوں کے شروع میں لکھی جاتی ہے اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ کسی سورت کا جزء ہے یا نہیں۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں تین قول ذکر کیے ہیں:

(۱) مدینہ منورہ اور بصرہ کے قراء اور امام ابوحنیفہ' نیز کوفہ کے فقہاء کا قول یہ ہے کہ "بِسْمِ اللّٰهِ" نہ تو سورۂ فاتحہ کا جزء ہے اور نہ کسی اور سورت کا جزء ہے بلکہ سورتوں کے شروع میں اسے صرف خیر و برکت کے لیے لکھا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ قرآن میں سے نہیں ہے لیکن حق بات یہ ہے کہ یہ قرآن مجید میں سے ہے اور سورتوں کے شروع میں فاصلہ کی خاطر لکھی جاتی ہے' چنانچہ امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث روایت کی ہے جسے انہوں نے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ دو سورتوں کے درمیان فاصلہ کو نہیں پہچانتے تھے یہاں تک کہ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" نازل ہوئی۔

(۲) مکہ مکرمہ اور کوفہ کے قراء اور حجاز مقدس کے اکثر فقہاء کا قول ہے کہ بسم اللہ صرف سورت فاتحہ کا جزء ہے اس کے علاوہ کسی اور سورۃ کا جزء نہیں ہے اور سورتوں کے درمیان صرف فاصلے کے لیے لکھی جاتی ہے۔

(۳) ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جزء ہے اور اسی طرح سورۃ توبہ کے سوا ہر سورۃ کا جزء ہے۔ امام شافعی' امام ثوری اور حضرت عبداللہ ابن مبارک کا یہی قول ہے۔ [ماخوذ از تفسیر مظہری ج ا ص ۴۔۳' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی]

پھر اس بات میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ کو نماز میں بلند آواز سے پڑھا جائے یا پست آواز میں پڑھا جائے' سو پہلے قول کی بنا پر "بِسْمِ اللّٰهِ" کو نماز میں ہر حال میں آہستہ پڑھا جائے گا خواہ نماز جہری ہو یا سری ہو خواہ سورت فاتحہ ہو یا کوئی اور سورت ہو اور دوسرے قول کی بنا پر بسم اللہ کو صرف سورۃ فاتحہ کے شروع میں فقط جہری نمازوں میں جہراً پڑھا جائے گا اور تیسرے قول کی بنا پر سورۂ توبہ کے علاوہ سورۂ فاتحہ اور ہر سورت کے شروع میں جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازوں میں سراً پڑھی جائے گی۔

١٦- بَابُ قِرَاءَةِ سُوْرَةِ التِّيْنِ فِي الْعِشَآءِ
نماز عشاء میں سورۃ التین کی تلاوت کرنے کا بیان

١٠٢- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَدِيٍّ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ وَ قَرَاَ بِالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز با جماعت ادا کی اور آپ نے عشاء کی نماز میں سورۂ والتین والزیتون کی تلاوت فرمائی۔

بخاری(۷٦۹)مسلم(۱۰۳۸)ترمذی(۳۱۰)نسائی(۱۰۰۱)ابن ماجہ(۸۳۸)

نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لمبی اور کبھی مختصر قراءت کی حکمتیں

امام بخاری' امام مسلم اور امام ابن ماجہ وغیرہم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عدی بن ثابت نے حضرت براء بن عازب سے بیان کیا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی اور فرمایا کہ میں نے آپ کی تلاوت سنی' آپ نماز عشاء میں ''والتین والزیتون'' پڑھ رہے ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کو عشاء کی نماز پڑھائی اور بڑی طویل اور لمبی نماز پڑھائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (صحابہ سے شکایت سن کر حضرت معاذ سے) فرمایا: تم ''وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا' سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى' وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى'' اور ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ'' پڑھ لیتے۔ [تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۴۰' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

دراصل نماز کی قراءت میں مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں' بعض میں طویل اور لمبی قرأت کا ذکر ہے اور بعض میں مختصر اور چھوٹی قراءت کا ذکر ہے مگر یہ احادیث آپس میں ایک دوسرے سے متعارض نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت موقع ومحل اور حالت و وقت کے لحاظ سے مختلف ہوتی تھی' آپ کبھی لمبی قراءت کرتے اور کبھی مختصر اور چھوٹی قراءت کرتے' جیسا موقع ہوتا ویسے تلاوت کرتے' نیز بعض حالات میں مستحب پر عمل فرماتے اور بعض حالات میں صرف جواز پر عمل فرماتے' لہٰذا احادیث آپس میں ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں۔ [ماخوذ بتغیر ما از مراۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۰' نعیمی کتب خانہ' گجرات]

١٧- بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ
نماز فجر میں قراءت کا بیان

١٠٣- اَبُوْحَنِيْفَةَ وَمِسْعَرٌ عَنْ زِيَادٍ عَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ فِيْ اِحْدٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ.

حضرت قطبہ بن مالک ثعلبی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز فجر کی دو رکعتوں میں کسی ایک رکعت میں ''وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ'' کی قراءت کرتے ہوئے سنا ہے۔

مسلم(۱۰۲۵)ترمذی(۳۰٦)نسائی(۹۵۱)ابن ماجہ(۸۱٦)

حل لغات

''رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ'' اصل میں رکعتین تھا لیکن اضافت کی وجہ سے نون تثنیہ گر گیا ہے۔ ''اَلنَّخْلُ'' اس کا معنی ہے: کھجوریں اور اس کا واحد ''نَخْلَةٌ'' ہے۔ ''بَاسِقَاتٍ'' بمعنی دراز اور لمبی اس کا واحد ''بَاسِقَةٌ'' ہے۔ ''طَلْعٌ'' اس کا معنی ہے گابھا' شگوفہ۔ ''نَضِيْدٌ'' تہ بہ تہ اوپر نیچے چڑھی ہوئی کھجوریں' پکی ہوئی کھجوریں۔

قراءت کی تحقیق

یاد رہے کہ اس حدیث میں جس آیت کریمہ کی تلاوت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ چھبیسویں پارہ میں سورت ق کی آیت ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز فجر میں سورۃ ق کی تلاوت فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز میں سورت ''ق والقرآن'' پڑھا کرتے تھے اور اسی طرح کی کوئی اور سورت تلاوت فرماتے تھے اور بعد میں آپ کی نماز کچھ ہلکی ہوگئی۔ رواہ مسلم۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۹' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

قرآن عظیم سورۂ حجرات سے آخر تک مفصل کہلاتا ہے' اس کے تین حصے ہیں: سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک طوال مفصل ہیں اور ''بروج'' سے ''لم یکن'' تک اوساط مفصل ہیں اور ''لم یکن'' سے سورۂ ''ناس'' تک قصار مفصل ہیں۔ سنت یہ ہے کہ فجر وظہر وعشا میں ہر رکعت میں کامل سورت اوساط مفصل سے اور مغرب کی ہر رکعت میں ایک سورت کاملہ قصار مفصل سے پڑھی جائے اگر وقت تنگ ہو یا جماعت میں کوئی مریض یا زیادہ بوڑھا یا کسی شدید ضرورت والا شریک ہو جس پر اتنی دیر میں ایذاء وتکلیف اور حرج ہوگا تو اس کا لحاظ کرنا لازم ہے اور جس قدر وقت مکروہ نہ ہونے پائے اور اس مقتدی کو تکلیف نہ ہو اسی قدر پڑھیں اگرچہ صبح کی نماز میں ''اِنَّا اَعْطَيْنَا'' اور ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' ہوں۔

یہی سنت ہے اور جب یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو اس مذکورہ طریقہ کو ترک کرنا اور صبح یا عشا میں قصار مفصل پڑھنا ضرور خلاف سنت ومکروہ ہے مگر نماز ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم! [فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۱۴۴' مطبوعہ سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ' لائل پور' فیصل آباد]

١٨- بَابُ قِرَاءَةِ الْاِمَامِ قِرَاءَةٌ لِّمَنْ خَلْفَهٗ
امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے

١٠٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُوْسٰى عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ وَّ فِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَجُلًا قَرَاَ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ وَاَوْمَاَ اِلَيْهِ رَجُلٌ فَنَهَاهُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اَتَنْهَانِيْ اَنْ اَقْرَاَ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَذَاكَرَا ذٰلِكَ حَتّٰى سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ. وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ جَابِرٌ قَرَاَ رَجُلٌ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَهَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نماز میں یا عصر کی نماز میں قرآن مجید میں سے کچھ پڑھا اور ایک آدمی نے اسے اشارہ کر کے منع کیا (لیکن وہ باز نہ آیا)' پھر وہ نماز سے فارغ ہو کر کہنے لگا: کیا تم مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پڑھنے سے منع کرتے ہو' سو دونوں نے اس بات کا اتنی بلند آواز سے تذکرہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو امام کا پڑھنا ہی اس کا پڑھنا ہے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز میں قراءت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے منع فرمایا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ فَقَرَاَ رَجُلٌ خَلْفَهٗ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ اَيُّكُمْ قَرَاَ خَلْفِيْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَائَةٌ. وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ فَقَالَ مَنْ قَرَاَ مِنْكُمْ سَبِّحِ اسْمَ

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو ایک آدمی نے آپ کے پیچھے (قرآن مجید میں سے کچھ) پڑھا' پھر جب آپ نے نماز مکمل ادا فرمائی تو تین دفعہ فرمایا کہ تم میں سے کس نے میرے پیچھے (قرآن مجید میں سے کچھ) پڑھا ہے تو ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے پڑھا ہے' سو آپ نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت

رَبِّكَ الْاَعْلٰى فَسَكَتَ الْقَوْمُ حَتّٰى سَاَلَ عَنْ ذٰلِكَ مِرَارًا فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ اَنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ رَاَيْتُكَ تُنَازِعُنِيْ اَوْ تُخَالِجُنِي الْقُرْاٰنَ.

جابر نے فرمایا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ظہر کی نماز یا عصر کی نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: تم میں سے کس شخص نے (میرے پیچھے) سورت "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" کو پڑھا ہے' تمام لوگ خاموش رہے یہاں تک کہ آپ نے یہ سوال بار بار دھرایا' پھر لوگوں میں سے ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں نے پڑھا ہے۔ آپ نے فرمایا: بے شک میں نے تمہیں دیکھا ہے کہ تم قرآن کی تلاوت کے ساتھ مجھ سے جھگڑا کر رہے ہو یا تم اسے مجھ پر خلط ملط کر رہے ہو۔

بخاری (٩١) مسلم (٨٨٧) ابوداؤد (٨٢٦-٨٢٩) ترمذی (٣١٢) نسائی (٩١٩-٩٢٠) ابن ماجہ (٨٥٠) طحاوی (١٢٥٩) دارقطنی (ج ١ ص ٣٢٣)

حل لغات

"اَوْمَا" یہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: اشارہ کرنا۔ "فَنَهَاهُ" فا تفصیلیہ ہے اور آخر میں ہ ضمیر منفصل مفعول بہ کی ہے اور "نَهَا" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت اور "اَتَنْهَانِيْ" ہمزہ استفہامیہ (سوالیہ) ہے اور آخر میں نون وقایہ اور یاء متکلم کی ہے اور "تَنْهَا" صیغہ واحد مذکر حاضر فعل مضارع معروف مثبت دونوں معتل یائی باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہیں' ان کا معنی ہے: روکنا' منع کرنا۔ "تَذَاكَرَا" یہ صیغہ تثنیہ مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: مذاکرہ کرنا' باہم تکرار۔ "تُنَازِعُنِيْ" آخر میں نون وقایہ اور یائے متکلم مفعول بہ ہے اور "تُنَازِعُ" صیغہ واحد مذکر حاضر فعل مضارع معروف مثبت باب مفاعلہ ہے' اس کا معنی ہے: آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا۔ "تُخَالِجُنِيْ" آخر میں نون وقایہ اور یائے متکلم ضمیر مفعول ہے۔ "تُخَالِجُ" صیغہ واحد مذکر مضارع معروف مثبت باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: الجھا دینا' خلط ملط کرنا' گڈمڈ کر دینا۔

قراءت خلف الامام کی تردید کے دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ O (الاعراف: ٢٠٤)

اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے O

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جس وقت قرآن کریم پڑھا جائے خواہ نماز میں یا خارج نماز اس وقت سننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس طرف ہیں کہ یہ آیت مقتدی کے سننے اور خاموش رہنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ نماز میں امام کے ساتھ قراءت کرتے ہیں تو نماز سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا: کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم اس آیت کے معنی سمجھو' غرض اس آیت سے قراءت خلف الامام کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس کو اس کے مقابل حجت قرار دیا جا سکے۔ قراءت خلف الامام کی تائید میں سب سے زیادہ جس حدیث پر اعتماد کیا جاتا ہے' وہ یہ ہے: "لَاصَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ" مگر اس حدیث سے قراءت خلف الامام کا وجوب تو ثابت نہیں ہوتا صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی تو جب حدیث "قِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ" سے ثابت ہے کہ امام کا قراءت کرنا ہی مقتدی کا قراءت کرنا ہے سو جب امام نے قراءت کی اور مقتدی ساکت و خاموش رہا تو اس کی قراءت حکمیہ ہوئی اس کی نماز بے قراءت کہاں رہی یہ قراءت حکمیہ ہے' پس امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے سے قرآن و حدیث دونوں پر عمل

ہو جاتا ہے لیکن امام کے پیچھے قراءت کرنے سے اس آیت کریمہ کا اتباع متروک ہو جاتا ہے' لہٰذا ضروری ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی فاتحہ وغیرہ کچھ نہ پڑھے۔ [ماخوذ از خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص ٢١٧' مطبوعہ ضیاء القرآن' لاہور]

علامہ کمال الدین ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں دو چیزیں مطلوب ہیں (١) سماعت (٢) انصات و خاموشی' پس جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے گی ان دونوں میں سے ہر ایک پر لازمی طور پر عمل کیا جائے گا اور واضح بات یہ ہے کہ سماعت تو جہری تلاوت کے ساتھ مخصوص ہے' البتہ سکوت و خاموشی اپنے اطلاق پر جاری ہے' لہٰذا قرآن مجید کی قراءت و تلاوت کے وقت مطلقاً (یعنی ہر حال میں) سکوت و خاموشی واجب ہے۔ علامہ ابوالبرکات نسفی نے تفسیر مدارک التنزیل میں لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز وغیرہ میں قرآن مجید کی تلاوت و قراءت کے وقت اسے سننا اور خاموشی واجب ہے اور اللہ عزوجل نے فرمایا: "فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" سو قرآن میں سے جو حصہ آسان ہو وہی تم پڑھ لیا کرو نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز کی تعلیم دیتے ہوئے ایک اعرابی سے فرمایا کہ تمہیں قرآن میں سے جو آسان لگے وہی پڑھ لو۔ سو معلوم ہوا کہ نماز میں مطلق قراءت فرض ہے خواہ سورت فاتحہ ہو یا کوئی اور سورت ہو اور یہی مذہب کتاب اللہ اور احادیث رسول کے موافق ہے۔ [حاشیہ شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ٢٠٧' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت) امام مسلم نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ "فَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا" جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ امام مسلم نے کہا: یہ حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔ [صحیح مسلم ج ١ ص ١٧٤' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی]

(٢) امام نسائی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّمَا الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا".

بے شک امام صرف اس لیے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء اور پیروی کی جائے' سو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن کی قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ امام ابوعبدالرحمٰن نسائی کہتے ہیں کہ علامہ فخری کہتے تھے: حضرت محمد بن سعد انصاری ثقہ راوی ہیں۔ [سنن نسائی ج ١ ص ٩٣' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی]

یاد رہے کہ امام ابن ابی شیبہ (متوفی ٢٣٥ھ) نے اپنی مصنف میں قراءت خلف الامام کی کراہت میں ستائیس احادیث روایت کی ہیں' ان میں سے چند احادیث یہاں بیان کی جاتی ہیں:

(٣) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے قراءت کرتے تھے تو آپ نے فرمایا: "خَلَطْتُمْ عَلَيَّ الْقُرْاٰنَ" تم نے مجھ پر قرآن مجید خلط ملط کر دیا۔

(٤) حضرت عبداللہ بن شداد نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "مَنْ كَانَ اِمَامٌ فَقِرَاءَتُهٗ لَهٗ قِرَاءَةٌ" جس شخص کا کوئی امام ہو تو کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔

(٥) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مَنْ قَرَاَ خَلْفَ الْاِمَامِ فَقَدْ اَخْطَاَ الْفِطْرَةَ" جس نے امام کے پیچھے قراءت کی اس نے فطرت کے خلاف کیا۔

(٦) حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"وَدِدْتُّ اَنَّ الَّذِيْ يَقْرَاُ خَلْفَ الْاِمَامِ فِيْ فِيْهِ جَمْرَةٌ" میں پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کے منہ میں آگ کے انگارے ہوں۔

(۷) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لَا قِرَاءَ ةَ خَلْفَ الْإِمَامِ'' امام کے پیچھے قراءت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۸) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تَكْفِيْكَ قِرَاءَ ةُ الْإِمَامِ'' (اے مقتدی!) تجھے امام کی قراءت کافی ہے۔

(۹) امام ابراہیم نخعی نے روایت کیا کہ حضرت اسود بن یزید بن قیس نخعی نے فرمایا کہ مجھے امام کے پیچھے قراءت کرنے کی بجائے انگارے چبانا زیادہ پسند ہے بہ شرطیکہ مجھے معلوم ہو کہ امام قراءت کر رہا ہے۔

(۱۰) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''لَا يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ إِنْ جَهَرَ وَلَا إِنْ خَافَتَ'' امام کے پیچھے قراءت نہ کی جائے خواہ وہ بلند آواز سے قراءت کرے یا پست آواز سے قراءت کرے۔

(۱۱) حضرت ابوھارون نے کہا: میں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے قراءت خلف الامام کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:
''يَكْفِيْكَ ذَاكَ الْإِمَامُ'' تمہیں اس کے لیے امام کافی ہے۔

(۱۲) حضرت اسود بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
میں پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے تو ''مُلِئَ فُوْهُ تُرَابًا'' اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔

(۱۳) حضرت مغیرہ حضرت ابراہیم نخعی سے بیان کرتے ہیں کہ آپ امام کے پیچھے قراءت کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور فرمایا کرتے کہ تمہیں امام کی قراءت کافی ہے۔

(۱۴) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَا صَلٰوةَ لَهٗ'' جس نے امام کے پیچھے قراءت کی تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔

(۱۵) حضرت ولید بن قیس نے کہا: میں نے حضرت سوید بن غفلہ سے پوچھا:
''أَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَقَالَ لَا''۔
میں ظہر اور عصر کی نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کر لوں تو آپ نے فرمایا نہیں۔

(۱۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک امام صرف اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء اور پیروی کی جائے سو جب وہ ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہے تو تم بھی ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کہو۔
''وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا'' جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

(۱۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''كُلُّ مَنْ كَانَ لَهٗ إِمَامٌ فَقِرَاءَ تُهٗ لَهٗ قِرَاءَ ةٌ'' ہر وہ شخص جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔

[مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۱۲۔ ۳۱۴ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

فضیلۃ الشیخ العلامہ ابو محمد بن احمد المعروف بدر الدین العینی لکھتے ہیں:

رُوِيَ مَنْعُ الْقِرَاءَ ةِ خَلْفَ الْإِمَامِ عَنْ ثَمَانِيْنَ مِنَ الصَّحَابَةِ الْكِبَارِ مِنْهُمْ: اَلْمُرْتَضٰى وَالْعَبَادِلَةُ الثَّلَاثَةُ وَأَسَامِيْهِمْ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ مَكَانَ اِتِّفَاقُهُمْ بِمَنْزِلَةِ الْإِجْمَاعِ فَمِنْ هٰذَا قَالَ صَاحِبُ (الْهِدَايَةِ)

قراءت خلف الامام کی ممانعت اسی (۸۰) اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے ان میں حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ہیں اور ان سب کے اسمائے گرامی محدثین کرام کے پاس محفوظ ہیں، سو ان تمام

مِنْ أَصْحَابِنَا وَعَلٰى تَرْكِ الْقِرَاءَ ةِ خَلْفَ الْإِمَامِ إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ. [عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۴۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان]

حضرات کا اتفاق اجماع کی مانند ہے پس اس لیے ہمارے اصحاب میں سے صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ قراءت خلف الامام کے ترک پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

١٩- بَابُ بَيَانِ نَسْخِ التَّطْبِيْقِ

تطبیق کے منسوخ ہونے کا بیان

١٠٥- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ أَبِيْ يَعْفُوْرَ عَمَّنْ حَدَّثَهٗ عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُطَبِّقُ ثُمَّ أُمِرْنَا بِالرُّكَبِ.

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم (پہلے ابتدائے اسلام میں) تطبیق کیا کرتے تھے، پھر ہمیں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر پکڑنے کا حکم دیا گیا۔

بخاری (۷۹۰) مسلم (۱۱۹٦) ابوداؤد (۸٦۷) ترمذی (۲۵۹) نسائی (۱۰۳٤) ابن ماجہ (۸۷۳)

حل لغات

''نُطَبِّقُ'' یہ صیغہ جمع متکلم فعل مضارع معروف مثبت باب تفعیل سے ہے، اس کا معنی ہے: ہاتھوں کو بند رکھنا، کسی چیز کا بند ہونا، موافق و مطابق ہونا، عرف شرع میں رکوع کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں کے درمیان رکھنا۔ ''اُمِرْنَا'' صیغہ جمع متکلم فعل ماضی مجہول مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے، اس کا معنی ہے: حکم دینا۔ ''بِالرُّكَبِ'' جمع ہے، اس کا واحد ''اَلرُّكْبَةُ'' ہے جس کا معنی ہے: گھٹنا، زانو۔

تطبیق کے منسوخ ہونے کے دلائل

اس حدیث کو ائمہ حدیث نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت ابویعفور حضرت مصعب بن سعد اور سعد بن مالک ابووقاص سے مرفوع روایت کیا ہے، نیز امام شعبہ کے واسطے سے حضرت ابویعفور سے مروی ہے کہ امام بخاری نے از ابی الولید از شعبہ از ابی یعفور روایت کی ہے کہ میں نے حضرت مصعب بن سعد سے سنا ہے، آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص کے پہلو میں نماز پڑھی، سو میں نے رکوع میں اپنی دونوں ہتھیلیوں کو باہم ملایا، یا پھر میں نے ان دونوں کو اپنی رانوں کے درمیان رکھا، میرے والد نے مجھے منع کیا اور فرمایا: ہم پہلے یہ کرتے تھے، پھر اس سے منع کر دیا گیا اور ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھا کریں اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا تمہارے لیے سنت ہے، پس تم گھٹنوں پر ہاتھ رکھا کرو۔ اس باب میں حضرت سعد، حضرت انس، حضرت ابوحمید، حضرت ابواسید، حضرت سہل بن سعد، حضرت محمد بن مسلمہ اور حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں، امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا کہ حضرت عمر کی حدیث حسن صحیح ہے اور صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد تمام اہل علم حضرات کا اسی پر عمل ہے، اس مسئلہ میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور آپ کے بعض اصحاب (جن کو نسخ کی روایت نہیں پہنچی تھی) تطبیق کرتے تھے یعنی دونوں ہاتھوں کو باہم ملا کر رانوں کے درمیان رکھ لیتے تھے لیکن اہل علم کے نزدیک تطبیق منسوخ ہے کیونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم پہلے تطبیق کرتے تھے، پھر ہمیں اس سے منع کر دیا گیا اور ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا حکم دیا گیا۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص کی اس روایت کو حضرت قتیبہ نے حضرت ابوعوانہ، حضرت ابویعفور اور حضرت مصعب بن سعد کے واسطے سے بھی بیان کیا ہے۔ علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں کہا ہے کہ ہمارا مذہب اور تمام علماء کا مذہب یہی ہے کہ رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا سنت ہے اور تطبیق مکروہ ہے، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور آپ کے دونوں ساتھی حضرت علقمہ اور حضرت اسود کہتے ہیں کہ تطبیق سنت ہے

کیونکہ انہیں ناسخ حدیث نہیں پہنچی اور وہ حضرت سعد ابی وقاص کی حدیث ہے اور یہاں اس بحث سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ تطبیق منسوخ ہے اور اس کے نسخ کی روایت صریح اور ظاہر ہے اور اس کی ممانعت میں اخبار صحیحہ اور عمدہ اسناد کے ساتھ مرفوع حدیث مروی ہے' سو اس بنا پر امام ابوحنیفہ پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو بعض مخالفین نے وارد کیا ہے کہ ابوحنیفہ نے رفع یدین کے مسئلہ میں تو تمام صحابہ کو چھوڑا اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑا اور ترک رفع یدین کو اختیار فرمایا لیکن یہاں تطبیق کے مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا دامن نہیں پکڑا بلکہ ان سے اختلاف کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ترک رفع یدین کے مسئلہ میں نسخ ثابت نہیں ہے چنانچہ اس کے نسخ پر کوئی حدیث مرفوع یا موقوف' صحیح یا ضعیف صراحتاً یا کنایۃً نہیں ملی اور اس کا تصور ممکن ہے جیسا کہ ترک رفع یدین کی بحث میں پہلے ہم نے بیان کر دیا ہے اور جب ترک رفع یدین صحیح احادیث سے ثابت ہو گیا تو آپ نے ترک رفع یدین کے موقف کو اپنا لیا اور یہاں چونکہ تطبیق کا نسخ صحیح احادیث سے ثابت ہو چکا ہے اس لیے آپ نسخ کے قائل ہو گئے اور بتا دیا کہ تطبیق سنت نہیں ہے بلکہ رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا سنت ہے اور یہ کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود اور آپ کے ساتھیوں پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ ہم اللہ تعالیٰ اس کے رسول اس کی کتاب اور احادیث نبویہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم نے ترک رفع یدین اس لیے اپنایا کہ یہ سنت نبویہ ہے نہ کہ یہ سنت مسعودیہ ہے۔ [ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۷۰ حاشیہ ۹' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

٢٠- بَابٌ اَلْاِمَامُ يَقُوْلُ التَّسْمِيْعَ وَالْمُؤْتَمُّ التَّحْمِيْدَ

امام رکوع کے بعد ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کہے اور مقتدی ''رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ'' کہے

١٠٦- اِبْنُ اَبِى السَّبْعِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ رَاَيْتُ اَبَا حَنِيْفَةَ يَسْاَلُ عَطَاءً عَنِ الْاِمَامِ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اَيَقُوْلُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ قَالَ مَا عَلَيْهِ اَنْ يَّقُوْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ رَوٰى عَنِ ابْنِ عُمَرَ صَلّٰى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقَالَ رَجُلٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ ذَا الْمُتَكَلِّمُ بِهٰذِهٖ قَالَهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ الرَّجُلُ اَنَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ فَوَالَّذِىْ بَعَثَنِىْ بِالْحَقِّ لَقَدْ رَاَيْتُ بِضْعَةً وَّثَلٰثِيْنَ مَلَكًا يَبْتَدِرُوْنَ اَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا لَكَ وَاَوَّلُ مَنْ يَّرْفَعُهَا. بخاری (٧٩٩) ابوداؤد (٧٧٠) نسائی (١٠٦٢)

حضرت ابن ابی السبع بن طلحہ نے کہا: میں نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا کہ وہ حضرت عطاء بن ابی رباح سے یہ سوال کر رہے ہیں کہ جب امام رکوع کے بعد ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کہے گا تو کیا وہ ''رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ'' بھی کہے گا؟ حضرت عطاء نے فرمایا کہ امام پر یہ کہنا ضروری نہیں' پھر انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی کہ (حضرت ابن عمر نے فرمایا:) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو آپ نے ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' فرمایا' پھر ایک آدمی نے کہا: ''رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ'' پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو تین مرتبہ فرمایا: یہ کلمات کس نے کہے ہیں؟ ایک آدمی نے عرض کیا: یا نبی اللہ! میں نے (یہ کلمات کہے ہیں)' آپ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو اس کو طرف جھپٹتے ہوئے دیکھا ہے' ان میں سے کون ان کلمات کو سب سے پہلے لکھ لیتا اور کون سب سے پہلے انہیں اوپر لے جاتا ہے۔

حل لغات

''رَوٰى'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: روایت کرنا' بیان کرنا' نقل کرنا۔ ''بَعَثَنِىْ'' اس کے آخر میں یائے متکلم اور نون وقایہ ہے جبکہ ''بَعَثَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: مبعوث کرنا' بھیجنا' اٹھانا۔ ''يَبْتَدِرُوْنَ'' صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افتعال سے ہے' اس کا معنی سبقت کرنا' آگے بڑھنا' دوڑنا۔

تسمیع وتحمید کہنے کی تحقیق

تمام ائمہ دین کا اتفاق ہے کہ مقتدی ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' کا ذکر نہیں کرے گا' البتہ امام ''رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ'' کہے گا یا نہیں' اس میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے سوال کے جواب میں حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا: ''مَا عَلَيْهِ'' کہ اس پر لازم نہیں اور یہ معنی بھی ہے کہ امام ''رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ'' کہہ لے اس پر حرج نہیں اور شرح الاقطع میں امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ امام اور مقتدی دونوں کو جمع کریں گے اور اصح قول میں امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے اسی کو اختیار کیا ہے جیسا کہ ابن مالک نے شرح المشارق میں ذکر کیا ہے لیکن احناف کا مشہور مذہب یہ ہے کہ منفرد اور اکیلا نمازی دونوں کو جمع کرے گا یعنی ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' اور ''رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ'' دونوں کہے گا لیکن امام فقط ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' پر اکتفا کرے گا اور مقتدی صرف ''رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ'' کہے گا اور ایک قول میں امام شافعی نے یہی فرمایا ہے اور آپ کے بعض اصحاب نے بھی یہی اختیار کیا ہے اور امام مالک' امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے' اس کی دلیل صحیح مسلم کی حدیث ہے جس میں ہے: ''اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ'' جب امام کہے: ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' تو تم کہو: ''اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ''۔

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمات کو تقسیم فرمایا کہ امام صرف تسمیع کہے گا اور تم صرف تحمید کہو گے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے' اور اس حدیث کو امام احمد' امام بخاری' امام نسائی اور امام ابن حبان نے حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے' آپ نے رکوع سے اپنا سر اٹھایا تو آپ کے پیچھے ایک آدمی نے کہا: ''رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ'' پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: یہ کلمات ابھی کس نے بولے ہیں؟ ایک آدمی نے عرض کیا: میں نے کہے ہیں' آپ نے فرمایا کہ میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو اس کی طرف جھپٹتے ہوئے دیکھا ہے کہ ان میں سے کون ان کلمات کا اجر وثواب سب سے پہلے لکھ لے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۱۶۱-۱۶۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

٢١- بَابُ وَضْعِ الرُّكْبَتَيْنِ قَبْلَ الْيَدَيْنِ فِى السُّجُوْدِ

سجدہ میں ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھنے کا بیان

١٠٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَامَ رَفَعَ يَدَيْهِ

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنوں کو زمین پر رکھتے اور جب (سجدہ سے سر اٹھا کر) کھڑے ہونے لگتے تو اپنے گھٹنوں سے پہلے

قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ. اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے۔

ترمذی(٢٦٨)ابوداؤد(٧٣٨)نسائی(١٠٩٠)ابن ماجہ(٨٨٢)طحاوی(١٤٨١)

سجدہ میں جاتے وقت اعضاء رکھنے کی ترتیب

حضرت وائل بن حجر کی اس حدیث کو امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام نسائی' امام ابن ماجہ اور امام دارمی نے روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ المصابیح ص ٨٤' باب السجود وفضلہ' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی] علمائے دین متین نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت زمین سے قریب ترین عضو زمین پر پہلے رکھا جائے بعض پہلے گھٹنے' پھر ہاتھ' پھر ناک' پھر پیشانی رکھی جائے اور بعض کے نزدیک ناک اور پیشانی میں ترتیب نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں ایک عضو ہیں اور سجدے سے اٹھتے وقت اس کے برعکس کیا جائے کہ پہلے پیشانی' پھر ناک' پھر ہاتھ' پھر گھٹنے اٹھائے جائیں۔

[ماخوذ از اشعۃ اللمعات ج١ ص ٣٩٧' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر' مراۃ شرح مشکوٰۃ ج١ ص ٨٥' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

جمہور ائمہ دین امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام احمد حنبل کا مشہور مذہب یہی ہے کہ وہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور سجدہ میں جاتے وقت ہاتھوں سے پہلے گھٹنے زمین پر رکھتے ہیں جبکہ امام مالک' امام اوزاعی اور ایک قول کے مطابق امام احمد اور ائمہ کا ایک گروہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کرتے ہیں جس میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے بلکہ گھٹنوں کو زمین پر رکھنا چاہیے لیکن محدثین فرماتے ہیں کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے زیادہ صحیح اور زیادہ ثابت وقوی تر ہے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کو صحیح ترین اور راجح قرار دیا ہے اور جب ایک مسئلہ میں دو مختلف حدیثیں وارد ہو جائیں تو اس وقت زیادہ قوی اور زیادہ صحیح پر عمل کیا جاتا ہے اور بعض علمائے دین نے فرمایا کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث ناسخ ہے اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث منسوخ ہے اور صحیح ابن خزیمہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھتے تھے اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوسعید خدری کی حدیث میں ہے کہ ہم شروع میں گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو زمین پر رکھا کرتے تھے' پھر بعد ازاں ہمیں ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کا حکم دیا گیا۔

[اشعۃ اللمعات ج١ ص ٣٩٧' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر]

علامہ ابن الھمام نے فرمایا کہ حضرت وائل کی ایک حدیث میں ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے سے اٹھتے تو اپنی رانوں کا سہارا لیتے اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے سے اٹھتے وقت زمین پر ہاتھ رکھ کر سہارا لیتے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیثیں آپ کے بڑھاپے کے حال پر محمول ہیں یا پھر جواز کے بیان کے لیے ایسا کیا۔ امام طحاوی نے فرمایا: زمین پر ہاتھ رکھ کر سہارا لینا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ علامہ حلوانی نے کہا ہے کہ اختلاف صرف افضل عمل ہونے میں ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ٩٣' ٤' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

٢٢- بَابُ الْاَمْرِ اَنْ يُّسْجَدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْضَاءٍ

سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم

١٠٨- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَوْ غَيْرِهٖ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُوْحِيَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّسْجُدَ

امام ابوحنیفہ' حضرت طاؤس سے وہ حضرت ابن عباس یا کسی اور صحابی سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے

عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ.

بخاری(٨٠٩)مسلم(١٠٩٧)ابوداؤد(٨٨٩)ترمذی(٢٧٣)نسائی(١٠٩٤)ابن ماجہ(٨٨٤)طحاوی(١٤١٨)

حل لغات

''اُوْحِيَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب افعال سے ہے اور یہ ''وَحْيٌ'' سے مشتق ہے' اس کا معنی ہے: ارشاد کرنا' پیغام دینا' الہام کرنا' مخفی اور پوشیدہ پیغام بھیجنا' انبیائے کرام کی طرف وحی کرنا۔ ''اَعْظُمٌ'' یہ عظم کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: ہڈی۔

سجدہ میں پیشانی اور ناک زمین پر لگانے میں مختلف اقوال

امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد حنبل اور تمام ائمہ حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سات اعضاء پر سجدہ کرنا مشروع ہے جن میں پیشانی' دو ہاتھ' دو گھٹنے اور دو قدم شامل ہیں' البتہ ناک کے بارے میں اختلاف ہے۔

[المغنی ج١ ص ٣٠٤-٣٠٣' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤٠٥ھ]

امام ابوحنیفہ کے نزدیک پیشانی یا ناک میں سے کسی ایک پر سجدہ کرنا فرض ہے اور پیشانی کے ساتھ ناک بھی لگانا سنت یا مستحب ہے' اگر ناک نہ لگی تب بھی سجدہ ہو جائے گا کیونکہ اس باب کی پہلی حدیث میں ناک کا ذکر نہیں ہے' اگر واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ہر موقع پر پیشانی کے ساتھ ناک کا بھی ذکر کرتے۔ فقہائے احناف میں سے امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک بلاعذر ناک پر بھی سجدہ کرنا واجب ہے اور اگر عذر ہو اور ناک نہ لگ سکے تو کوئی حرج نہیں ہے' امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت اس کے مطابق ہے۔ [فتح القدیر ج١ ص ٢٦٣' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اگر پیشانی پر سجدہ کیا اور ناک نہ لگی تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ناک پر سجدہ کیا اور پیشانی نہیں لگی تو سجدہ نہیں ہوگا' اس کا استدلال بھی اسی حدیث سے ہے جس سے امام اعظم کا استدلال ہے۔

[بدایۃ المجتہد ج١ ص ١٠٠' مطبوعہ دار الفکر' بیروت]

امام شافعی کے نزدیک سجدہ میں ناک اور پیشانی دونوں کا لگانا واجب ہے' ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشانی کے ساتھ ناک کا بھی ذکر کیا ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث ١٠٠١ میں ہے اور وہ پیشانی اور ناک دونوں کو ملا کر ایک عضو قرار دیتے ہیں تاکہ اعضاء کی تعداد سات سے متجاوز نہ ہو' تاہم ان کا ایک اور قول امام اعظم کے موافق بھی ہے اور یہی مختار ہے کیونکہ حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ کیا اور ناک نہیں لگائی۔ [المہذب ج١ ص ٨٣' مطبوعہ دار الفکر' بیروت]

امام احمد بن حنبل پیشانی کے ساتھ ناک پر سجدہ کرنے کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان کا استدلال اس (درج ذیل) حدیث سے ہے:

عَنْ عِكْرِمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّا يُصِيْبُ اَنْفُهٗ مِنَ الْاَرْضِ مَاتُصِيْبُ الْجَبْهَةُ

حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی پیشانی کے ساتھ ناک (سجدہ میں) زمین پر نہیں لگتی اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (دار قطنی ج١ ص ٣٤٨)

علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ (المغنی ج١ ص ٣٠٤' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

فقہاء احناف کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ نفی کمال پر محمول ہے' اسی طرح جن احادیث میں پیشانی کے ساتھ

ناک کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی استحباب پر محمول ہیں' امام اعظم کے مسلک کی تائید میں وہ احادیث ہیں جن کو ائمہ ستہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے: پیشانی' دو ہاتھ' دو گھٹنے اور دو پیروں کی انگلیاں۔[بخاری باب السجود علی سبعۃ اعظم' مسلم باب اعضاء السجود' ابوداؤد ایضاً' نسائی باب السجود علی الیدین' ترمذی باب السجود علی سبعۃ اعضاء' ابن ماجہ باب السجود]

ان تمام احادیث میں ناک کا ذکر نہیں ہے' اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سجدہ میں پیشانی کا زمین پر لگانا فرض ہے اور اس حدیث کے ساتھ ناک کا لگانا سنت یا مستحب ہے' امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہی مسلک ہے امام شافعی کا بھی مختار قول یہی ہے' البتہ امام احمد بن حنبل نے ناک اور پیشانی دونوں کو سجدہ میں لگانا واجب قرار دیا ہے۔

[ماخوذ از شرح صحیح مسلم اص ١٣٩٠-١٢٨٨' مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار لاہور]

١٠٩- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ اَبِىْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِىْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِنْسَانُ يَسْجُدُ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ جَبْهَتِهٖ وَيَدَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ وَمُقَدَّمِ قَدَمَيْهِ وَاِذَا سَجَدَ اَحَدُكُمْ فَلْيَضَعْ كُلَّ عُضْوٍ مَوْضِعَهٗ وَاِذَا رَكَعَ فَلَا يُدَبِّحْ تَدْبِيْحَ الْحِمَارِ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انسان سات ہڈیوں پر سجدہ کرتا ہے: پیشانی' دونوں ہاتھ' دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے اگلے حصے اور جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو ہر عضو کو اس کی جگہ پر رکھے اور جب رکوع کرے تو گدھے کی طرح اپنے سر کو بہت زیادہ نیچے نہ جھکائے۔

بخاری(٨١٢)مسلم(١٠٩٨)نسائی(١٠٩٨)ابن ماجہ(٨٨٤)

حل لغات

''مُقَدَّمْ'' آگے' کسی چیز کا سامنے کا حصہ' اس سے پاؤں کی انگلیوں کے پورے مراد ہیں۔ ''فَلْيَضَعْ'' صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر حاضر مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: لکھنا۔ ''فَلَا يُدَبِّحْ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل نہی معروف باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: اپنے سر کو پشت سے زیادہ نیچے جھکا لینا (جبکہ پشت اور سر کو رکوع میں برابر رکھنا سنت ہے)۔

رکوع کرنے کی کیفیت کی توضیح

اس حدیث میں دو مسائل کی وضاحت کی گئی ہے' ایک تو سجدہ کرنے کی وضاحت کی گئی ہے کہ نمازی اپنی نماز میں سات اعضاء پر سجدہ کرے جس کی تفصیل وتشریح اس سے پہلی حدیث میں بیان کر دی گئی ہے اور دوسرا مسئلہ رکوع کی کیفیت کی وضاحت ہے کہ نمازی رکوع میں اپنی پشت کو خم دیئے بغیر اس کو سیدھا رکھے' نیز اپنے سر کو پشت کے برابر رکھے نہ تو اس سے بلند کرے اور نہ اس سے پست کرے' چنانچہ مجمع البحار میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں حالت رکوع میں اپنے سر کو پشت سے زیادہ نیچے جھکانے سے منع فرمایا ہے' نیز امام دار قطنی نے الحارث از علی اور ابی بردۃ نے از والد خود مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علی! بے شک میں تمہارے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو میں اپنے لیے پسند کرتا ہوں اور میں تمہارے لیے وہی ناپسند کرتا ہوں جو میں اپنے لیے ناپسند کرتا ہوں' (سنو) جب تم جنبی ہو تو قرآن نہ پڑھو اور جب تم بالوں کا جوڑا باندھ لو تو نہ رکوع کرو' نہ سجدہ کرو اور نہ نماز پڑھو اور نہ گدھے کی طرح رکوع میں اپنا سر حد سے زیادہ جھکا لو۔ نیز دار قطنی نے ایک اور سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے تو اپنا سر پشت سے زیادہ نیچے اس طرح

نہ جھکائے جس طرح گدھا اپنا سر نیچے کی طرف جھکا لیتا ہے بلکہ اپنی پشت کے برابر سیدھا رکھے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت وابصہ سے مرفوع روایت بیان کی ہے اور اس میں ہے: جب آدمی رکوع کرے تو اپنی پشت کو برابر اور سیدھا رکھے حتیٰ کہ اگر اس پر پانی بہایا جائے تو وہ بہنے کی بجائے ٹھہر جائے۔

١١٠- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ اَبِىْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِىْ نَضْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَمُدَّ رِجْلَيْهِ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ يَسْجُدُ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ جَبْهَتِهٖ وَيَدَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ وَرِجْلَيْهِ. وَفِىْ رِوَايَةٍ اِذَا سَجَدَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَمُدَّ صُلْبَهٗ. وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَمُدَّ الرَّجُلُ صُلْبَهٗ فِىْ سُجُوْدِهٖ.

حضرت ابونضرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی سجدہ کرے تو اپنے پاؤں نہ پھیلائے کیونکہ ہر انسان سات ہڈیوں پر سجدہ کرے پیشانی' دونوں ہاتھوں' دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی سجدہ کرے تو اپنی پشت کو نہ پھیلائے۔ اور ایک روایت میں حضرت ابونضرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آدمی کو سجدہ میں اپنی پشت پھیلانے سے منع فرمایا ہے۔

مسند الحارثی(٣٢٣)

حل لغات

''لَا يَمُدُّ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع منفی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کھینچنا' پھیلانا' دراز کرنا۔

سجدہ کرنے کی کیفیت کی وضاحت

اس حدیث کو امام احمد' امام مسلم' امام ترمذی' امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کے سات اعضاء سجدہ کرتے ہیں' چہرہ' دونوں ہتھیلیاں' دونوں گھٹنے اور دونوں قدم۔[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ٣١٥' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

چونکہ قرآن مجید میں سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے نماز میں سجدہ کرنا فرض قرار دیا گیا ہے اور سجدہ کی حقیقت زمین پر چہرہ کو رکھنا ہے اور زمین پر پیشانی یا ناک لگنے سے زمین پر چہرہ لگ جاتا ہے' لہٰذا پیشانی یا ناک میں سے کسی ایک کے لگنے سے فرض سجدہ ادا ہو جاتا ہے اور حدیث میں جن سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے صرف پیشانی کو زمین پر رکھنا فرض ہے جو کہ قرآن مجید کے مطابق ہے اور باقی دیگر اعضاء یعنی دونوں ہاتھ' دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کا زمین پر رکھنا فرض نہیں ہے کیونکہ خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ واجب ہے۔

١١١- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ وَلَا اَكُفَّ شَعْرًا وَّلَا ثَوْبًا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور میں نہ بالوں کو لپیٹوں اور نہ کپڑوں کو سمیٹوں۔

بخاری(٨٠٩)مسلم(١٠٩٧)ترمذی(٢٧٣)ابوداؤد(٨٨٩)نسائی(١٠٩٤)ابن ماجہ(٨٨٣)طحاوی(١٤١٨)

حل لغات

''لَا اَكُفَّ'' صیغہ واحد متکلم فعل مضارع منفی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: لپیٹنا' سمیٹنا' اکٹھا کرنا' جمع

کرنا۔

بالوں کو لپیٹنے اور کپڑوں کو سمیٹنے کی ممانعت

اس حدیث میں ایک تو سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا بیان ہے جس کی توضیح وتشریح پہلے بیان ہو چکی ہے' البتہ یہاں مزید دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز میں بالوں اور کپڑوں کو سمیٹنا منع ہے کیونکہ بالوں اور کپڑوں کو اپنے حال پر چھوڑ دینا تا کہ یہ بال اور کپڑے نمازی کے اعضاء کے ساتھ سجدہ ریزی میں شامل ہوں' اس طرح نمازی اپنے متعلقات سمیت مکمل طور پر سجدہ ریز ہوگا اور یہی عبدیت کا تقاضا اور شریعت کا مقصد ہے جبکہ بالوں کو موڑنے' جمع کرنے اور جوڑا بنانے سے اور کپڑوں کو سمیٹنے اور اوپر چڑھانے سے یہ مقصد اور تقاضا ضائع ہو جاتا ہے اس لیے بالوں کو لپیٹنے اور اس کا جوڑا بنانے سے منع کیا گیا ہے' چنانچہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّصَلِّی الرَّجُلُ وَشَعْرُهٗ مَعْقُوْصٌ.

حضرت ابورافع نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی آدمی اس حال میں نماز پڑھے کہ اس کی چوٹی بندھی ہو۔

فتح القدیر میں ہے کہ اس روایت کو امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے' اور اسی طرح نماز میں کپڑے سمیٹنا اور اوپر چڑھانا منع ہے' لہٰذا آستینیں یا شلوار اور پتلون کے پائینچے چڑھا کر نماز پڑھنا منع ہے' بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بے وجہ نماز میں رکوع اور سجدہ کرتے وقت کپڑوں کو اوپر اٹھا لیتے ہیں' نیز آستینیں چڑھا لیتے ہیں حالانکہ ایسی حرکات آداب نماز کے خلاف ہیں اور اس قسم کی لغو اور بے ہودہ حرکات واعمال سے نماز میں خشوع وخضوع ضائع ہو جاتا ہے اور حضور قلب اور یکسوئی ختم ہو جاتی ہے اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ علامہ طیبی نے کہا کہ اس حدیث کی بنا پر فقہاء نے فرمایا ہے کہ بالوں کی چوٹی بنانا اور بالوں کو گدی کے پیچھے گرہ لگانا' نیز سجدہ کرتے وقت کپڑے سمیٹنا مکروہ ہے اور علامہ ابن حجر نے کہا کہ نماز میں بالوں اور کپڑوں کا سمیٹنا وغیرہ اگر غیر ارادی ہو تو پھر یہ عمل مکروہ تنزیہی ہے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ آدمی نے کسی کام کے لیے بال اور کپڑے سمیٹ لیے ہوں' پھر وقت نماز آنے پر اسی حال میں نماز پڑھ لی ہو تو یہ کراہت تنزیہیہ ہے۔[مرقات شرح مشکوٰۃ ج ٢ ص ٣١٩' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

٢٣- بَابُ لَا یَفْتَرِشُ ذِرَاعَیْهِ فِی السُّجُوْدِ

نمازی سجدہ میں اپنے بازوؤں کو نہ بچھائے

١١٢- **اَبُوْحَنِیْفَةَ** عَنْ جَبَلَةَ بْنِ سَحِیْمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی فَلَا یَفْتَرِشْ ذِرَاعَیْهِ اِفْتِرَاشَ الْکَلْبِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز پڑھے تو وہ (سجدہ میں) اپنے بازو کتے کی طرح نہ بچھائے۔

بخاری(٨٢٢) مسلم(١١٠٢) ابوداؤد(٨٩٧) ترمذی(٢٧٦) نسائی(١١٠٤) ابن ماجہ(٨٩٢) مسند احمد(ج ٣ ص ١١٥)

حل لغات

''لَا یَفْتَرِشُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل نہی معروف باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: بچھانا' پھیلانا' کشادہ کرنا۔ ''ذِرَاعَیْهِ'' اپنے دونوں بازو۔ ''اِفْتِرَاشَ الْکَلْبِ'' کتے کی طرح زمین پر بازو بچھانا۔ ''اِفْتِرَاشُ'' باب افتعال کا مصدر ہے اور اپنے فعل ''لَا یَفْتَرِشُ'' کا مفعول مطلق ہے۔

سجدہ کے مکروہات

امام عبدالرزاق اپنی مصنف میں حضرت سفیان ثوری کی وساطت سے حضرت آدم بن علی البکری سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم نے کہا: میرے چچا نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ میں نے (سجدہ میں) اپنے بازو زمین سے اوپر نہیں اٹھائے تو فرمایا: اے میرے بھتیجے! درندوں کی طرح تو اپنے بازو زمین پر نہ بچھا اور صرف اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھ کر ان پر سہارا لے اور اپنے بازو بغلوں سے دور رکھ۔ امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح اور مرفوع قرار دیا ہے اور صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سجدہ میں اپنے بازو دور رکھتے تھے' یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی تھی۔ امام احمد' امام ابوداؤد' نسائی' امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے حضرت عبدالرحمٰن بن شبل سے ایک روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (سجدہ میں) کوے کی طرح جلدی جلدی چونچ مارنے اور درندے کی طرح زمین پر بازو بچھانے سے منع فرمایا اور اس سے بھی منع فرمایا کہ کوئی آدمی مسجد میں اپنے لیے ایک جگہ مخصوص کر لے جیسے اونٹ اپنی جگہ مخصوص کر لیتا ہے۔[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ٥٠٦' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

یعنی ساجد سجدہ میں ایسی جلدی نہ کرے جیسے کوا زمین پر چونچ مار کر فوراً اٹھا لیتا ہے اور سجدے میں کہنیاں زمین پر نہ لگائے جیسے کتا بھیڑیا وغیرہ بیٹھتے وقت لگا لیتے ہیں' نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں اپنے واسطے کوئی جگہ خاص کر لینا کہ اور جگہ نماز میں دل ہی نہ لگے مکروہ ہے' ہاں! شرعی ضرورت کے لیے جگہ مقرر کر لینا جائز ہے جیسے امام کے لیے محراب مقرر ہے اور بعض مسجدوں میں مکبر کے لیے امام کے پیچھے کی جگہ مقرر ہوتی ہے' انہیں بھی چاہیے کہ سنتیں اور نفل کچھ ہٹ کر پڑھیں' مسجد میں جس جگہ جو پہلے پہنچے وہاں کا وہی مستحق ہے' بعض سلاطین اسلامیہ خاص امام کے پیچھے اپنے لیے جگہ رکھتے تھے وہ معذوری کی بنا پر تھا کیونکہ اور جگہ انہیں جان کا خطرہ ہوتا تھا' یہاں باقاعدہ ان کی حفاظت کا انتظام ہوتا تھا' لہٰذا وہ اس حکم سے عذراً مستثنیٰ ہیں' دیکھو شامی وغیرہ۔

[مراۃ شرح مشکوٰۃ ج ٢ ص ٨٧' نعیمی کتب خانہ' گجرات]

٢٤- بَابُ الْقُنُوْتِ فِی الْفَجْرِ شَهْرًا

صبح کی نماز میں ایک ماہ تک دعائے قنوت پڑھنے کا بیان

١١٣- **اَبُوْحَنِیْفَةَ** عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَقْنُتْ فِی الْفَجْرِ قَطُّ اِلَّا شَهْرًا وَّاحِدًا لَّمْ یُرَ قَبْلَ ذٰلِكَ وَلَا بَعْدَهٗ یَدْعُوْ عَلٰی نَاسٍ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز میں کبھی دعائے قنوت نہیں پڑھی ماسوا ایک ماہ کے' آپ کو نہ اس سے پہلے کبھی دعائے قنوت پڑھتے ہوئے دیکھا گیا اور نہ اس کے بعد اور آپ (صرف ایک ماہ) مشرکین کے چند لوگوں کے خلاف دعائے ضرر فرماتے رہے۔

بخاری(١٠٠٣) مسلم(١٥٥٤) نسائی(١٠٨٠) ابن ماجہ(١٢٤٣) طحاوی(١٤٣٠) طبرانی فی الکبیر(ج ١٠ ص ٨٣)

١١٤- **اَبُوْحَنِیْفَةَ** عَنْ عَطِیَّةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ لَمْ یَقْنُتْ اِلَّا اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا یَدْعُوْ عَلٰی عُصَیَّةَ وَذَکْوَانَ ثُمَّ لَمْ یَقْنُتْ اِلٰی اَنْ مَّاتَ. سابقہ(١١٣) مسند الحارثی(٢٦٥)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ' نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے صرف چالیس روز دعائے قنوت پڑھی ہے جس میں آپ عرب کے قبائل عصیہ اور ذکوان وغیرہ پر دعائے ضرر فرماتے رہے پھر آپ نے وصال فرمانے تک کبھی دعائے قنوت نہیں پڑھی۔

حل لغات

''لَمْ یَقْنُتْ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل نفی جحد بلم معروف باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: دعائے قنوت پڑھنا۔ ''لَمْ یَرَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل نفی جحد مجہول باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: دیکھنا۔ ''یَدْعُوْ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے اگر ''دَعَا یَدْعُوْ'' کے صلہ میں حرف ''عَلٰی'' آجائے تو اس کا معنی بددعا دینا ہوتا ہے لیکن ادب واحترام کے پیش آپ ﷺ جب کسی کے خلاف دعا کریں تو اسے دعائے ضرر کہا جائے گا بددعا دینا نہیں کہا جائے گا اور اگر اس کا صلہ حرف لام آجائے تو دعائے خیر کرنا مراد ہوتا ہے۔

قنوت نازلہ

قنوت کے معنی دعا ہیں اور نازلہ سے مراد نازل ہونے والی آفت اور مصیبت' اگر مسلمانوں پر خدانخواستہ کوئی مصیبت نازل ہو مثلاً دشمن کا خوف ہو' قحط ہو' خشک سالی ہو' وباء ہو' طاعون ہو یا کوئی اور ضرر ظاہر تو آخری رکعت میں رکوع کے بعد امام کھڑا ہو ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور جہری نماز میں بہ آواز بلند اس مصیبت کے دور ہونے کی اور مسلمانوں کے لیے کشادگی کی دعا کرے اور مقتدی امام کی دعا پر آمین کہیں اور اگر سری نماز ہو تو امام آہستہ دعا مانگے اور مسلمان اس وقت تک نماز میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں جب تک اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے مصیبت دور نہ کرے۔ [شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۹' مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور]

فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا بدعت ہے

بحر العلوم علامہ محمد عبد العلی فرنگی محلی لکھتے ہیں:

امام شافعی اور امام مالک علیہما الرحمۃ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز میں بھی دعائے قنوت پڑھنا سنت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دعائے قنوت بلند آواز سے پڑھی جائے گی اور مقتدی اس کے جواب میں آمین کہے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام آہستہ دعائے قنوت پڑھے گا اور مقتدی بھی پڑھیں گے۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث نقل کی جاتی ہے:

(۱) عَنْ اَنَسٍ مَا زَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْنُتُ فِی الصُّبْحِ حَتّٰی فَارَقَ الدُّنْیَا۔ [رواہ الدارقطنی]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں ہمیشہ دعائے قنوت پڑھتے رہے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اس دنیا کو خیر باد فرمایا۔

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرَّکُوْعِ مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ فِی الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فَیَدْعُوْ بِهٰذَا الدُّعَاءِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِیْمَنْ هَدَیْتَ. اِلٰی اٰخِرِهٖ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ صبح کی نماز پڑھتے ہوئے دوسری رکعت کے رکوع سے جب اٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور یہ دعا مانگتے۔ ''اللھم اھدنی فیمن ھدیت ...... الخ''۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اور احناف کے نزدیک فجر کی نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھی جائے گی۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے:

(۳) عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ سَعْدِ بْنِ طَارِقٍ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ اِنَّكَ صَلَّیْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ عَلِیٍّ هٰهُنَا بِالْکُوْفَةِ خَمْسَ سِنِیْنَ اَکَانُوْا یُقْنُتُوْنَ قَالَ اَیْ بُنَیَّ مُحْدَثٌ. [رواہ الترمذی والنسائی]

حضرت ابو مالک سعد بن طارق اشجعی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ' حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے یہاں کوفہ میں پانچ سال تک نماز پڑھی ہے۔ کیا یہ حضرات دعائے قنوت پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: اے بیٹے! یہ بدعت ہے۔

(۴) امام نسائی کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی مگر آپ نے دعائے قنوت نہیں پڑھی۔ میں نے حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز ادا کی' انہوں نے بھی دعائے قنوت نہیں پڑھی' میں نے حضرت عمر کے پیچھے نماز پڑھی' انہوں نے بھی دعائے قنوت نہیں پڑھی' میں نے حضرت عثمان کے پیچھے نماز پڑھی مگر انہوں نے بھی دعائے قنوت نہیں پڑھی' میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی' انہوں نے بھی دعائے قنوت نہیں پڑھی' پھر فرمایا: اے بیٹے! یہ بدعت ہے۔

[رواہ النسائی وابن ماجہ والترمذی]

اس لیے اگر امام فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھے تو مقتدی اقتداء نہ کرے کیونکہ یہ بدعت ہے۔ دراصل فجر اور دوسری فرض نمازوں میں مصیبت کے وقت دعائے قنوت پڑھنا صحیح روایات سے ثابت ہے۔ اسے فجر کی نماز کے ساتھ خاص کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

(۵) روی ابن عباس قال قنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم شهرًا متتابعًا فی الظهر والعصر والمغرب والعشآء والصبح دبر کل صلٰوة اذا قال سمع اللّٰه لمن حمده ربنا ولك الحمد من الرکعة الاخیرة یدعو علی احیاء من بنی سلیم علی رعل وذکوان وعصیة ویؤمن من خلفه.

[رواہ ابوداؤد]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پورا ایک مہینہ مسلسل ظہر' عصر' مغرب' عشاء اور فجر کی نمازوں میں ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ'' کے بعد دعائے قنوت پڑھتے رہے۔ جس میں آپ ﷺ بنی سلیم کے مختلف قبیلوں رعل' ذکوان اور عصیہ کے خلاف دعائے ضرر کرتے اور مقتدی آمین کہتے تھے۔

قنوت نازلہ کے بارے میں اس قسم کی اور بھی بہت سی روایات ہیں لیکن صرف فجر کی نماز میں مسلسل دعائے قنوت پڑھنا مشروع نہیں ہے۔

رہی وہ دو حدیثیں جو اوپر نقل کی گئیں دلیل نہیں بن سکتیں اس لیے کہ ان کی سند میں ضعف ہے بلکہ ان کی سند میں ایک طرح کا انقطاع ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ان کی سندوں کے ضعف کی وجوہات پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ انقطاع کی بات ہم اس لیے کرتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نظریہ کے مطابق اگر دعائے قنوت مشروع ہوتی اور اسے سنت کا درجہ حاصل ہوتا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے بلند آواز سے ہمیشہ پڑھا ہوتا اور صحابہ کرام نے اس پر آمین کہا ہوتا تو یہ عمل صحابہ کرام علیہم الرضوان میں مشہور و معروف ہوتا اور ان سے یہ راستہ مخفی نہ ہوتا۔

اسی طرح اگر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق دعائے قنوت امام اور مقتدی آہستہ پڑھتے اور اس پر رسول اللہ ﷺ کی مواظبت ہوتی تو روزانہ کا یہ طویل سکوت بھی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے علم میں ضرور ہوتا اور اس میں پڑھی جانے والی دعا سے بھی وہ ناواقف نہ ہوتے اور بہر تقدیر یہ دعا اسی طرح مشہور ہوتی اور نقل ہوتی جس طرح قومہ میں امام بلند آواز سے ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ''...... کہتا ہے اور قومہ کرتا ہے کیونکہ عادت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی چیزیں جو ایک عرصہ تک مواظبت کے ساتھ ہوتی

آئی ہوں وہ مخفی نہ رہیں، جب دعائے قنوت فرضوں میں مشہور نہیں تو واضح ہوا کہ صبح کی نماز میں دعائے قنوت سرے سے پڑھی ہی نہیں جاتی تھی۔

ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ جب بہت سارے لوگ کسی چیز کے جاننے کے سبب میں مشترک ہوں اور اس کی نقل پر دواعی بھی بہت سارے ہوں اور ان میں سے کوئی ایک بھی اسے نقل نہ کرے بلکہ ان میں سے کسی ایک کی طرف اس کی نقل کو منسوب کر دیا جائے تو اس کے جھوٹ ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں رہ جاتا۔ چونکہ ان کے بقول رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں زندگی بھر دعائے قنوت پڑھتے رہے تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ نقل ہی جھوٹ پر مبنی ہے۔ اگر اس پر آپ کی مواظبت ہوتی تو اسے مشہور ہونا چاہئے تھا اور ایک نہیں بلکہ ایک سے زائد بہت سے لوگ اسے نقل کرتے اور اس پر مواظبت سے اب بھی عمل ہوتا۔ یہاں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض صحابہ نے قنوت نازلہ کو دعائے قنوت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ (یعنی انہوں نے قنت کا لفظ استعمال کیا) لیکن قنوت نازلہ کی تصریح نہیں کی۔

بعض راویوں نے صرف لفظ کے ظاہر کو دیکھا اور اسے اسی طرح نقل کر دیا اور اس میں غور وخوض نہ کر سکے اور گمان کر بیٹھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر مواظبت کی ہے، پھر اسی طرح یہ روایت اگلے لوگوں نے نقل کی اور اس طرح یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی۔ اس لیے صحابہ کرام میں سے جس سے دعائے قنوت پر مواظبت نقل کی گئی ہے اسی صحابی سے صحیح سند کے ساتھ اس کے مخالف روایت بھی نقل کی گئی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ وہ نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھتے تے یعنی فرض نمازوں میں۔ رہا یہ مسئلہ کہ قنوت نازلہ مشروع ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ صحابہ کرام میں بھی اجتہادی نوعیت رکھتا تھا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مصائب وآلام کے وقت قنوت نازلہ پڑھنا مشروع ہے اور یہ سنت ہے کیونکہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے قنوت نازلہ پڑھی ہے اور مسیلمہ کذاب کی شیطنت کے ظہور کے وقت افضل الصدیقین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی قنوت نازلہ پڑھی تھی۔ ہمارے نزدیک فرض نمازوں میں مشروع نہیں ہے یہی رائے زیادہ صحیح ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

(۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَقْنُتْ فِي الْفَجْرِ قَطُّ اِلَّا شَهْرًا وَّاحِدًا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز میں صرف ایک ماہ دعائے قنوت پڑھی تھی۔

ایک ماہ دعائے قنوت کا پڑھنا مشرکین کے لیے بددعا (دعائے ضرر) کرنے کی غرض سے تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دعا تھوڑے عرصہ کے لیے پڑھی گئی اور بعد میں اسے ترک کر دیا گیا۔

(۲) عن ابن عمر انه سمع رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم اذا رفع راسه من الركوع فى الركعة الثانية من الفجر يقول اللهم العن فلانا و فلانا و فلانا بعد مايقول سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ فانزل الله لليس لك من الامر شىء الى قوله فانهم ظالمون O (آل عمران:۱۲۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب آپ نماز فجر کی دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تو "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کہنے کے بعد مشرکین پر لعنت بھیجتے اور کہتے: اے اللہ! فلاں پر لعنت بھیج اے اللہ! فلاں پر لعنت بھیج...... سو اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کی: "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ..... فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ" تک۔

[رواہ البخاری والترمذی والنسائی]

(۳) عن ابى هريرة يقول كان يقول رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم حين يفرغ من صلوٰة الفجر من القراءة ويكبر و يرفع راسه سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ثم يقول وهو قائم اللهم انج الوليد بن الوليد و سلمة بن هشام و عياش بن ابى ربيعة و المستضعفين. اللهم اشددو طاتك على مضر واجعلها عليهم سنين كسنى يوسف اللهم العن لحيان ورعلا و ذكوان وعصية عصت الله ورسوله ثم بلغنا انه ترك ذالك لما انزل: ليس لك من الامر شيئ اويتوب عليهم اويعذ بهم فانهم ظالمون O (آل عمران:۱۲۸) (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں جب قراءت سے فارغ ہوتے اور تکبیر کہتے (رکوع کرتے) اور رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کہا کرتے، پھر اس کے بعد کھڑے ہو کر یہ دعا پڑھے: (ترجمہ) اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اور کمزور مسلمانوں کو کفار سے نجات دے۔
اے اللہ! (قبیلہ) مضر کو سختی سے روند ڈال اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی طرح قحط کے سال مسلط کر دے۔ اے اللہ! لحیان، رعل، ذکوان اور عصیہ پر لعنت بھیج جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتے ہیں پھر ہمیں معلوم ہوا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ الخ" تو آپ نے اس دعا کو ترک فرما دیا۔

یہ دونوں حدیثیں بتاتی ہیں کہ قنوت نازلہ کا ذکر صحیحین میں بھی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ تصریح بھی ہے کہ آیت کے نزول کے بعد اسے چھوڑ دیا گیا کیونکہ آیت کریمہ نے اس کو منسوخ کر دیا۔ بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت کریمہ غزوہ احد کے دن نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ کے دندان شہید ہوئے اور آپ ﷺ نے کفار کے لیے بددعا (دعائے ضرر) کرنے کا ارادہ فرمایا۔ ہوسکتا ہے کہ وتروں میں دعائے قنوت غزوہ احد سے پہلے مشروع ہو کیونکہ بیر معونہ (جہاں ستر صحابہ قاریوں کو دھوکے سے شہید کیا گیا) کا واقعہ احد کے بعد وقوع پذیر ہوا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحت آ چکی ہے کہ دعائے قنوت بیر معونہ کے موقع پر پڑھی گئی لیکن اس سے ہمارے مقصود پر کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ بعد دعائے قنوت پڑھنا چھوڑ دیا، اب یہ ترک کرنا اسی آیت کے نزول کے سبب ہو یا کسی اور وحی متلو یا غیر متلو کے سبب سے ہو۔ [ارکان الاسلام ص ۳۶۶۔ ۳۶۲، مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور] بیر معونہ میں ستر قاریوں کی شہادت کا واقعہ غزوۂ احد کے چار ماہ بعد ۴ (چار) ہجری میں پیش آیا۔ اس وقت آپ نے ایک ماہ تک قنوت نازلہ (کفار کے لیے دعائے ضرر) پڑھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قنوت نازلہ پڑھنے سے روک دیا اور آپ نے قنوت نازلہ پڑھنا ترک کر دی۔ بیر معونہ کے بعد آپ چھ سال (حیات ظاہری کے ساتھ) زندہ رہے۔ کفار کے ساتھ متعدد جھڑپیں اور جنگیں پیش آئیں۔ کئی بار مسلمان مشکلات اور پریشانیوں کا شکار ہوئے لیکن آپ نے قنوت نازلہ کبھی نہیں پڑھی۔ اگر قنوت نازلہ پڑھنی مشروع ہوتی تو آپ ضرور پڑھتے۔

[شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۱، مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور]

٢٥- بَابُ كَيْفِيَّةِ الْجُلُوْسِ فِي التَّشَهُّدِ

تشہد میں بیٹھنے کی حالت کا بیان

۱۱۵- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَّائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز میں بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھا لیتے اور اس پر بیٹھ جاتے اور اپنا

وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ فِی الصَّلٰوۃِ اَضْجَعَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَقَعَدَ عَلَيْهَا وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى. دایاں پاؤں کھڑا کر لیتے۔

ابوداؤد(٧٢٦)نسائی(١١٦٠)مسند احمد(ج ۴ ص ۳۱۶)

حل لغات

''جَلَسَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے'اس کا معنی ہے: بیٹھنا۔''اَضْجَعَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے'اس کا معنی ہے: زمین پر لٹا لینا اور بچھانا۔''قَعَدَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے'اس کا معنی ہے: بیٹھنا۔''نَصَبَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے'اس کا معنی ہے: نصب کرنا' کھڑا کرنا' گاڑنا' تھکانا۔

تشہد میں دایاں پاؤں کھڑا کر کے بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھنا مسنون ہے

(١) امام ترمذی نے بھی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت وائل نے فرمایا کہ جب میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا تو میں نے دل میں کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کو ضرور غور سے دیکھوں گا' (پھر میں نے دیکھا کہ) جب آپ تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں زمین پر بچھایا اور (اس پر بیٹھ کر) اپنا بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھا اور اپنا دایاں پاؤں کھڑا کر لیا (اور دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھا)' امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے اور امام سفیان ثوری' امام عبداللہ بن مبارک اور اہل کوفہ (یعنی امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب) کا یہی مذہب ہے' پھر امام ترمذی نے حضرت ابوحمید ساعدی سے روایت کی اور کہا کہ یہ حدیث بھی حسن اور صحیح ہے اور بعض اہل علم اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی' امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ کا یہی قول ہے اور انہوں نے حضرت ابوحمید ساعدی کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ نمازی آخری تشہد میں دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر سرین کے بل بیٹھے گا اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ نمازی پہلے تشہد میں اپنے بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے گا اور اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا کرے گا۔

(٢) امام بخاری حضرت عبداللہ بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ جب نماز میں بیٹھے تو چار زانوں ہو کر (چوکڑی مار کر) بیٹھے' سو میں نے بھی اسی طرح کیا اور اس وقت میری عمر چھوٹی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے مجھے اس طرح نماز پڑھنے سے منع کیا اور فرمایا کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ تم تشہد میں اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاؤ اور اپنا دایاں پاؤں کھڑا کر لو تو میں نے عرض کیا: آپ خود تو چار زانو ہو کر بیٹھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ برداشت نہیں کرتے۔

(٣) امام مسلم نے حضرت ابوالجوزاء کے توسط سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں اپنا بایاں پاؤں بچھا لیتے اور اپنا دایاں پاؤں کھڑا کر لیتے تھے۔

(۴) امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام احمد بن حنبل نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ آپ نے سجدہ کیا' پھر اپنے بائیں پاؤں کو بچھایا اور اس پر بیٹھ گئے اور اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا کیا۔

(۵) امام نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: نماز کی سنت ہے کہ دائیں پاؤں کو کھڑا کیا جائے اور اس کی انگلیوں کو قبلہ رخ کیا جائے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھا جائے۔

(٦) امام احمد نے حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اعرابی سے فرمایا کہ جب تم تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھنے لگو تو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاؤ۔

تشہد میں قعدہ کی کیفیت کے متعلق ائمہ اربعہ کے مختلف اقوال کا بیان

(١) امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا مذہب افتراش ہے جس کا مطلب ہے کہ نمازی دونوں قعدوں میں دائیں پاؤں کو کھڑا کر لے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے جیسا کہ امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے۔

(٢) امام شافعی پہلے قعدہ میں افتراش کے اور دوسرے قعدہ میں تورک کے قائل ہیں اور تورک کا مطلب ہے کہ نمازی اپنے دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر سرین پر بیٹھ جائے جیسا کہ حضرت ابوحمید ساعدی کی حدیث میں ہے۔

(٣) امام مالک دونوں قعدوں میں تورک کے قائل ہیں جبکہ بعض مالکیہ کے نزدیک احناف کی طرح دونوں قعدوں میں افتراش پر عمل کیا جاتا ہے۔

(۴) امام احمد بن حنبل ایک تشہد والی نماز میں افتراش کے قائل ہیں اور جس نماز میں دو تشہد ہوں اس میں پہلے قعدہ میں افتراش اور دوسرے قعدہ میں تورک کے قائل ہیں اور حنفی حضرات کہتے ہیں کہ (١) قعدہ میں افتراش کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے (٢) حدیث میں ہے کہ تشہد میں افتراش سنت ہے (٣) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قعدہ اسی کیفیت و حالت میں ہوا کرتا تھا (۴) یہ طریقہ کار سخت محنت طلب اور مشقت بھرا ہے اور حدیث میں وارد ہے کہ افضل عمل وہ ہوتا ہے جس میں محنت و مشقت زیادہ ہو اور آخری قعدہ کے بارے میں تورک کی حدیث حالت ضعف و کمزوری اور بڑھاپے پر محمول ہے کیونکہ اس میں قعدہ طویل اور لمبا ہوتا ہے جس میں سہولت و آسانی مناسب ہے۔ [تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۷۵' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

٢٦- بَابُ كَيْفِيَّةِ الْجُلُوْسِ لِلنِّسَآءِ فِي التَّشَهُّدِ

عورتوں کے لیے تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت کا بیان

١١٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سُئِلَ كَيْفَ كُنَّ النِّسَاءُ يُصَلِّيْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّ يَتَرَبَّعْنَ ثُمَّ اُمِرْنَ اَنْ يَّحْتَفِزْنَ. مسند الحارثی(٧٩)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں عورتیں نماز میں کس طرح پڑھتی تھیں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا: وہ چار زانوں ہو کر (یعنی چوکڑی مار کر) بیٹھتی تھیں' پھر انہیں حکم دیا گیا کہ وہ سمٹ کر اور دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر سرین پر بیٹھا کریں۔

حل لغات

''كُنَّ'' صیغہ جمع مونث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے'اس کا معنی ہے: ہو جانا' پایا جانا' واقع ہونا' موجود ہونا۔''اَلنِّسَاءُ'' یہ کن کی ضمیر جمع سے بدل ہے اور یہ مرأۃ کی بغیر لفظ جمع مونث ہے'اس کا معنی ہے: عورتیں' خواتین۔''يُصَلِّيْنَ'' صیغہ جمع مونث غائب فعل مضارع معروف مثبت باب تفعیل سے ہے'اس کا معنی ہے: نماز پڑھنا۔''يَتَرَبَّعْنَ'' صیغہ جمع مونث غائب فعل مضارع معروف مثبت باب تفعیل سے ہے'اس کا معنی ہے: چوکڑی مار کر بیٹھنا۔''اُمِرْنَ'' صیغہ جمع مونث غائب فعل ماضی مجہول

مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: حکم دینا۔ "یَحْتَفِزْنَ" یہ صیغہ جمع مونث غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: سمٹ کر سرین کے بل بیٹھنا۔

تشہد میں چارزانوں (چوکڑی مار کر) بیٹھنا مکروہ ہے

الجامع الکبیر میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ آپ تشہد میں چوکڑی مار کر بیٹھے ہیں' اسے امام ابونعیم نے روایت کیا ہے اور ممکن ہے کہ آپ کا چوکڑی مار کر بیٹھنا نفل نماز میں ہو یا کسی ضرورت وحاجت کی بناء پر ہو یا پھر بیان جواز کے لیے ہو کیونکہ مسند ابوہریرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نماز میں چوکڑی مار کر بیٹھنے کو مکروہ اور ناپسند قرار دیتے تھے۔ اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے۔

٢٧- بَابٌ فِیْ تَعْلِیْمِ التَّشَهُّدِ لِلصَّلٰوةِ — نماز کے لیے تشہد کی تعلیم کا بیان

١١٧- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا یُعَلِّمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ہمیں تشہد کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن مجید کی سورت کی تعلیم دیتے۔

مسلم(٩٠٣)ابوداؤد(٩٧٤)ترمذی(٢٩٠)نسائی(١١٧٦)ابن ماجہ(٩٠٠)طحاوی(١٥٢٩)مسند احمد(ج١ص ٢٩٢)ابن ابی شیبہ (ج١ص ٢٩٤)دارقطنی (ج١ص ٣٥٠)

حل لغات

"یُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ" اس میں "یُعَلِّمُ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب تفعیل سے ہے' اس کے ساتھ "نا" ضمیر جمع متکلم متصل پہلا مفعول بہ ہے اور "اَلتَّشَهُّدُ" اس کا دوسرا مفعول ہے اور اس کا معنی ہے: سکھانا۔

تشہد اور دیگر واجبات کے وجوب کی اہمیت

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جس طرح قرآن مجید سکھانے کے لیے خوب اہتمام فرماتے تھے اسی طرح التحیات سکھانے کے لیے بھی خوب اہتمام فرماتے تھے۔ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ تشہد پڑھنا نماز میں واجب ہے ورنہ اس قدر اہتمام نہ کیا جاتا۔ دوسرا یہ کہ تشہد کا سیکھنا اور اسے یاد کرنا بھی واجب وضروری ہے جس طرح قرآن مجید بقدر ضرورت سیکھنا اور یاد کرنا واجب اور ضروری ہے تاکہ نماز وغیرہ میں اسے تلاوت کیا جائے۔ تیسرا یہ کہ نماز کے تمام واجبات کو اسی طرح پورے اہتمام کے ساتھ سیکھا جائے اور دوسروں کو سکھایا جائے جس طرح قرآن مجید کو سیکھا اور سکھایا جاتا ہے۔ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت براء بن عازب اور دیگر لوگوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کی گئی ہے جیسا کہ اس کا بعض حصہ الحصن الحصین میں ذکر کیا گیا ہے اور ہم نے اپنی کتاب الحرز الثمین میں اس کی تشریح کر دی ہے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح صحیح حدیث مروی ہے جسے کتب ستہ کے اصحاب نے اپنی صحاح میں روایت کیا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ٢٣٩' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

١١٨- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَةَ الصَّلٰوةِ یَعْنِی التَّشَهُّدَ. طحاوی(١٥٢٨)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز کے خطبہ یعنی تشہد پڑھنے کی تعلیم دی۔

٢٨- بَابُ تِبْیَانِ كَلِمَاتِ التَّشَهُّدِ — تشہد کے الفاظ کی وضاحت

١١٩- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ شَقِیْقِ بْنِ سَلْمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّیْنَا خَلْفَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَی اللّٰهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ زِیَادَةٌ مِنْ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلٰی جِبْرِیْلَ وَ مِیْكَائِیْلَ فَاَقْبَلَ عَلَیْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ فَاِذَا تَشَهَّدَ اَحَدُكُمْ فَلْیَقُلْ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّهُمْ كَانُوْا یَقُوْلُوْنَ السَّلَامُ عَلَی اللّٰهِ اَلسَّلَام عَلٰی جِبْرِیْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْلُوا السَّلَامُ عَلَی اللّٰهِ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اِلٰی اٰخِرِ التَّشَهُّدِ وَ فِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُمُ التَّحِیَّاتُ اِلٰی اٰخِرِ التَّشَهُّدِ وَفِیْ رِوَایَةٍ عَلَّمَنَا. وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّیْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَقُوْلُ اِذَا جَلَسْنَا فِیْ اٰخِرِ الصَّلٰوةِ اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی مَلَائِكَتِهٖ نُسَمِّیْهِمْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْلُوْا كَذَا وَقُوْلُوْا اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ہم کہتے: السلام علی اللہ۔ ایک روایت میں عبادہ کا اضافہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ پر اس کے بندوں کی طرف سے سلام ہو) السلام علی جبریل ومیکائیل' سو ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہے (سلامتی دینے والا ہے)' سو جب تم میں سے کوئی شخص تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھے تو وہ یہ کلمات پڑھے: (ترجمہ) تمام قولی' بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں (آپ پر نازل) ہوں۔ ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کرام پہلے السلام علی اللہ' السلام علی جبریل' السلام علی رسول اللہ پڑھا کرتے تھے' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم السلام علی اللہ نہ کہا کرو بلکہ تم التحیات للہ (آخر تک) پڑھا کرو۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مکمل التحیات سکھایا اور یاد کرایا جبکہ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں مکمل التحیات سکھایا۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو جب ہم نماز کے آخر میں بیٹھتے تو "اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰهِ' اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَعَلٰی مَلَائِكَتِهٖ" کہتے ہم فرشتوں کا نام لیتے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس طرح نہ کہا کرو بلکہ تم "التحیات للہ والصلوات والطیبات" پڑھا کرو۔

بخاری(٨٣١)مسلم(٨٩٧)ابوداؤد(٩٦٨)نسائی(١١٧٠)ابن ماجہ(٨٩٩)طحاوی(١٥١٧)

حل لغات

"اَقْبَلَ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے' اس کا معنی کسی کی طرف توجہ کرنا' کسی کے سامنے

آنا' کسی چیز کو اپنے سامنے قریب کرنا' کسی چیز کو قبول کرنا۔ ''فَلْيَقُلْ'' صیغہ واحد مذکر فعل امر غائب معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ ہے' اس کا معنی ہے: پس اسے کہنا چاہیے۔ علامہ عینی عمدۃ القاری میں کہتے ہیں کہ اس فعل امر کے صیغہ سے معلوم ہوا کہ تشہد پڑھنا واجب ہے۔ ''تُسَمِّيهِمْ'' صیغہ جمع متکلم فعل مضارع معروف مثبت باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: نام لینا' نام رکھنا' اس کے آخر میں ''هُمْ'' ضمیر جمع مذکر مفعول بہ ہے۔

تشہد کے مختلف کلمات کی روایات کی بحث

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ محدثین نے فرمایا: تشہد کو مختلف کلمات کے ساتھ روایت کرنے والے چوبیس صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں اور اسی اختلاف کلمات کی بنا پر امام شافعی نے ابن عباس کے روایت کردہ تشہد کو اختیار کیا ہے اور امام مالک نے حضرت عمر بن خطاب کے روایت کردہ تشہد کو اختیار کیا ہے جبکہ امام ابوحنیفہ نے حضرت ابن مسعود کے روایت کردہ تشہد کو اختیار کیا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس کی روایت میں کچھ کلمات زیادہ ہیں جو مختلف فیہ ہیں' اس کے مقابلہ میں حضرت ابن مسعود کی حدیث متفق علیہ ہے۔ نیز حدیث ابن عباس کی روایت میں امام مسلم منفرد ہیں جبکہ حفاظ حدیث کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث وہ ہوتی ہے جو متفق علیہ ہو اور باقی رہی حضرت عمر بن خطاب کی حدیث تشہد تو وہ موقوف ہے جبکہ ابن مسعود کی حدیث مرفوع ہے اس لیے موقوف حدیث مرفوع حدیث کے مقابل ومساوی نہیں ہوسکتی' لہٰذا تشہد ابن مسعود کی حدیث دیگر تمام روایات پر ترجیح رکھتی ہے۔

تشہد ابن مسعود کی ترجیح کی وجوہات

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد دیگر تمام روایات پر کئی وجوہ سے ترجیح رکھتا ہے:

(۱) امام ترمذی نے فرمایا کہ تشہد کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی تمام احادیث میں سب سے اصح حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔

(۲) نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام میں سے اکثر اہل علم کا اسی تشہد پر عمل ہے۔

(۳) حضرت معمر' حضرت خصیف سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت خصیف نے فرمایا: میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کی اور میں نے آپ سے عرض کیا کہ لوگ تشہد پڑھنے کے متعلق اختلاف کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم ابن مسعود کے تشہد کو اپنے اوپر لازم کرلو۔

(۴) امام طبرانی نے اپنی معجم میں از بشیر بن مہاجر از ابن بریدۃ از والد خود روایت بیان کی ہے کہ حضرت بریدہ نے فرمایا کہ تشہد کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ عمدہ اور جید حدیث میں نے نہیں سنی اور یہ اس لیے کہ ابن مسعود نے اس حدیث کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک رفع کیا ہے (یعنی یہ حدیث مرفوع ہے)۔

(۵) علامہ خطابی نے کہا کہ رجال حدیث کے اعتبار سے حضرت ابن مسعود کی حدیث سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ مشہور ہے۔

(۶) علامہ ابن المنذر اور علامہ ابوعلی طوسی نے کہا کہ حدیث ابن مسعود بغیر تنقید وجرح کے ہے اور یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تشہد کے بارے میں روایت کی گئی احادیث میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔

(۷) علامہ علی بن المدینی نے کہا کہ تشہد کے متعلق صرف وہی حدیث صحیح ہے جسے اہل کوفہ نے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے اور اہل بصرہ نے حضرت ابوموسیٰ سے نقل کیا ہے اور علامہ ابن طاہر نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

(۸) علامہ نووی نے کہا کہ محدثین جس حدیث کے سب سے زیادہ صحیح ہونے پر متفق ہیں وہ حضرت ابن مسعود کی حدیث ہے' پھر اس کے بعد حضرت ابن عباس کی حدیث ہے۔

(۹) علامہ بزار نے کہا کہ تشہد کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح حدیث حضرت ابن مسعود کی حدیث ہے اور یہ حدیث آپ سے بیس سے زائد طرق سے مروی ہے۔ نیز فرمایا کہ تشہد کے بارے میں اس سے زیادہ ثابت اور سند کے اعتبار سے صحیح ترین اور راویوں کے اعتبار سے مشہور ترین اور کوئی حدیث میں نہیں جانتا۔

(۱۰) حضرت ابوعمر نے فرمایا کہ حضرت ابن مسعود کے تشہد کو اکثر اہل علم نے اس لیے قبول کرلیا ہے کہ اس کا فعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ثابت ہے۔ [ماخوذ مع التقدیم والتاخیر از عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۵۹۰-۵۸۸' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' لبنان]

تشہد ابن مسعود کی تعلیم سے سنت نبوی کی عظمت واہمیت کا ثبوت

علامہ کمال الدین ابن الہمام نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے:

امام ابوحنیفہ نے فرمایا: حضرت حماد بن ابی سلیمان نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مجھے یہ تشہد سکھایا اور حضرت حماد نے فرمایا: حضرت ابراہیم نخعی نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مجھے یہ تشہد سکھایا اور حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا: حضرت علقمہ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مجھے یہ تشہد سکھایا اور حضرت علقمہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مجھے تشہد سکھایا اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس طرح تشہد سکھایا جس طرح آپ مجھے قرآن مجید کی سورت سکھاتے ہیں۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۷۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

تشہد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کر کے سلام پیش کرنے کی حکمت

(۱) اہل عرفان فرماتے ہیں کہ جب نمازی حضرات تشہد میں ''اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الخ'' کے ذریعہ سلطنت الٰہی کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں تو انہیں حی قیوم کی بارگاہ میں داخلہ کی اجازت عنایت کی جاتی ہے اور راز و نیاز کی گفتگو سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں' پس انہیں تنبیہ کی جاتی ہے کہ یہ کرم نوازیاں رحمت والے نبی کے توسل اور آپ کی اتباع کی برکت سے انہیں حاصل ہو رہی ہیں' سو وہ یک دم التفات وتوجہ کرتے ہیں تو حبیب کو حبیب کے حرم میں حاضر وموجود پاتے ہیں۔ پس وہ آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہتے ہیں: ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ''۔

[عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۵۸۵-۵۸۴' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' لبنان]

(۲) بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ تشہد میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں خطاب کے ساتھ اس لیے سلام پیش کیا جاتا ہے کہ حقیقت محمدیہ تمام موجودات اور تمام ممکنات میں جاری وساری ہے' سو اس لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہوتے ہیں' پس ہر نمازی کو چاہئے کہ وہ اس معنی سے آگاہ رہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس شہود سے غافل نہ ہوتا کہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار و رموز سے منور و روشن اور فیض یاب ہو جائے۔

[اشعۃ اللمعات ج ۱' ص ۴۰۱' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

(۳) علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ تم تشہد میں السلام علیک کہنے سے پہلے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت اور ذات اقدس کو اپنے دل میں حاضر کر کے پھر کہو: ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ'' اور تا کہ تمہاری یہ آرزو سچی

ہو جائے کہ تمہارا سلام آپ کی بارگاہ میں پہنچ جائے گا اور آپ ﷺ تمہیں اس سے بہتر جواب دیں گے۔

[مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۳۳۲ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

(۴) علامہ خلیل احمد سہارنپوری نے بعینہ وہی لکھا ہے جو علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے نیز انہوں نے وفات کے بعد السلام علی النبی پڑھنے کی تردید کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ زمین کے اوپر رہیں یا زمین کے تحت پردوں میں رہیں اور جس طرح آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے زمانہ میں حاضرین اور غزوات وغیرہ سفروں میں غائبین مسلمانوں کی طرف سے تشہد میں خطاب کے ساتھ ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ'' کہہ کر سلام کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اسی طرح آپ کے وصال کے بعد بھی خطاب کے ساتھ سلام کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

[بذل المجهود فی حل ابی داؤد ج ۲ ص ۱۱۷ مطبوعہ مکتبہ قاسمیہ ملتان]

۲۹- بَابُ مَا جَآءَ فِي التَّسْلِيْمَتَيْنِ بَعْدَ اِنْتِهَاءِ الصَّلٰوةِ

نماز کے اختتام پر دو مرتبہ سلام پھیرنے کا بیان

۱۲۰- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَّمِيْنِهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى شِقُّ وَجْهِهٖ وَعَنْ يَّسَارِهٖ مِثْلَ ذٰلِكَ. وَ فِيْ رِوَايَةٍ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَعَنْ شِمَالِهٖ مِثْلَ ذٰلِكَ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دائیں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ کا رخسار دکھائی دیتا اور اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرتے وقت ہوتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کے دائیں رخسار کی سفیدی دکھائی دیتی یعنی ''شق وجهه'' کی بجائے ''بياض خده الايمن'' اور ''عن يساره'' کی بجائے ''عن شماله'' ہے۔

مسلم (۱۳۱۵) ابوداؤد (۹۹۶) ترمذی (۲۹۵) نسائی (۱۳۱۷) ابن ماجہ (۹۱۶) طحاوی (۱۵۴۶-۱۵۵۱)

حل لغات

''يُرٰى'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: دیکھنا۔ ''شِقٌّ'' اس کا معنی ہے: جانب، کنارہ، ایک طرف، نصف حصہ، مشقت۔ ''خَدٌّ'' کا معنی ہے: رخسار اور اس کی جمع خدود آتی ہے۔

نماز کے آخر میں سلام پھیرنے کے اطراف میں اختلاف

اس میں اختلاف ہے کہ نمازی دونوں طرف یا صرف ایک طرف یا پھر تینوں اطراف سلام پھیرے، سو جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نمازی دونوں طرف سلام پھیرے گا، چنانچہ امام ابن المنذر نے بیان کیا ہے کہ صحابہ میں سے حضرت ابوبکر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت نافع بن عبدالحارث، تابعین میں سے حضرت عطاء بن ابی رباح، حضرت علقمہ، امام عامر الشعبی اور حضرت ابوعبدالرحمان السلمی اور ائمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف قاضی، امام محمد بن حسن شیبانی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق، امام ثوری اور امام شافعی اسی کے قائل ہیں اور بعض کا قول ہے کہ صرف ایک طرف سلام پھیرنا مشروع ہے (یعنی صرف دائیں طرف)، چنانچہ صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت عائشہ صدیقہ اور تابعین میں سے حضرت حسن بصری، حضرت محمد بن سیرین، حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ائمہ میں سے امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ اور ایک قول

امام شافعی کا بھی یہی ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن موسیٰ بن جعفر کے نزدیک تینوں اطراف دائیں بائیں اور سامنے سلام پھیرنا واجب ہے۔ پھر دونوں طرف سلام پھیرنے کے قائلین میں اختلاف ہے کہ آیا دوسری طرف سلام پھیرنا واجب ہے یا نہیں، سو جمہور کے نزدیک دوسرا سلام مستحب ہے (یا سنت ہے)۔ (عینی) چنانچہ امام ابن المنذر نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ جو شخص نماز میں صرف ایک سلام پر اکتفا کرے گا اس کی نماز جائز ہوگی۔ علامہ نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ مستند و معتبر علماء کا اس پر اجماع ہے کہ صرف ایک سلام (دائیں طرف) واجب ہے اور دونوں طرف سلام پھیرنا برحق مذہب ہے کیونکہ دو سلاموں کے بارے میں کثرت سے احادیث وارد ہیں جن میں بعض صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں لیکن ایک طرف سلام پھیرنے کی احادیث قلیل اور ضعیف ہیں جو قابل حجت نہیں ہیں اور اگر انہیں قابل حجت تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی وہ احادیث صحیحہ کا معارضہ نہیں کر سکتیں اور تین اطراف سلام پھیرنے کے قائل کا شاید یہ خیال ہو کہ ایک طرف سلام پھیرنے کی احادیث اور دونوں طرف سلام پھیرنے کی احادیث کو جمع کر لیا جائے اور یہ خیال فاسد ہے۔ [بذل المجهود فی حل ابی داؤد ج ۲ ص ۱۳۰ مطبوعہ مکتبہ قاسمیہ نزد سول ہسپتال ملتان، نیز عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۲۰۲-۲۰۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان]

۱۲۱ - اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ يُّسَارِهٖ تَسْلِيْمَتَيْنِ.

حدیث ۱۲۱: امام ابوحنیفہ حضرت قاسم سے، وہ اپنے باپ حضرت عبدالرحمٰن سے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دائیں اور بائیں دونوں طرف دو سلام پھیرتے تھے۔

طحاوی (۱۵۶۳-۱۵۶۶) ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۲۹۹)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کی کیفیت

اس حدیث میں دو سلام پھیرنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ ایک سلام اپنی دائیں جانب پھیرتے اور دوسرا سلام اپنی بائیں جانب پھیرتے اور اس حدیث کو سنن اربعہ کے اصحاب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام نسائی کے الفاظ یہ ہیں: ''كان يسلم عن يمينه السلام عليكم و رحمة الله حتى يرى بياض خده الايمن وعن يساره السلام عليكم و رحمة الله حتى يرى بياض خده الايسر'' آپ اپنی دائیں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے دائیں رخسار کی سفیدی دکھائی دیتی اور اپنی بائیں طرف بھی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے بائیں رخسار کی سفیدی دکھائی دیتی اور امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام مالک نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں صرف ایک سلام کے ساتھ اپنے چہرہ کی سمت میں قدرے دائیں طرف منہ پھیر کر سلام پھیرتے تھے لیکن حضرت ابن مسعود کی حدیث زیادہ راجح اور وزنی ہے کیونکہ امام کے پیچھے مرد ہوتے ہیں عورتیں نہیں اس لیے مردوں کے آگے ہونے کی وجہ سے ان پر امام کا ہر حال منکشف اور واضح ہوتا ہے، نیز دوسری روایت پہلی سے خاص ہے تو شاید حضرت عائشہ صدیقہ نے دور ہونے کی بنا پر اسے ایک سلام کے ساتھ خاص کر لیا ہو۔ ابن ہمام نے اس کی اسی طرح تقریر کی ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کیونکہ نبی کریم ﷺ آپ کے حجرہ میں بھی آپ کے سامنے نماز پڑھتے تھے اور ان دونوں قسم کی احادیث کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بعض نوافل میں صرف ایک طرف سلام پھیرنے پر عمل کرتے ہوں۔

جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے اور فرائض میں دونوں طرف سلام پھیرنے پر عمل کرتے ہوں جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں ہے (یا کبھی بیان جواز کے لیے ایک سلام پر اکتفا کرتے ہوں)' پھر مجھے امام مالک کی طرف سے یہ خبر بھی پہنچی ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو منفرد کے حال پر محمول کیا ہے۔ واللہ اعلم بالمراد!

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۴۳۸' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

۳۰- بَابُ تَخْفِيفِ الصَّلٰوةِ لِلْاِمَامِ

امام کے لیے مختصر نماز پڑھانا مستحب ہے

۱۲۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَ حُذَيْفَةُ وَاَبُوْ مُوْسٰى وَغَيْرُهُمْ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْتَمَعُوْا فِيْ مَنْزِلٍ فَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَجَعَلُوْا يَقُوْلُوْنَ تَقَدَّمْ يَا فُلَانُ لِصَاحِبِ الْمَنْزِلِ فَاَبٰى فَقَالَ تَقَدَّمْ اَنْتَ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى صَلٰوةً خَفِيْفَةً وَّجِيْزَةً اَتَمَّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ الْقَوْمُ لَقَدْ حَفِظَ اَبُوْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

مسند الحارثی (۵۱۸)

حضرت ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ابوموسیٰ اشعری اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند دیگر صحابہ کرام ایک مکان میں اکٹھے ہوئے تو (نماز کا وقت ہونے پر) اقامت کہی گئی اور سب صحابہ کرام مالک مکان سے کہنے لگے: آپ نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھیے تو انہوں نے انکار کردیا اور (حضرت عبداللہ بن مسعود سے) کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! آگے چلئے اور نماز پڑھایئے' سو آپ آگے بڑھے اور مختصر اور ہلکی پھلکی نماز پڑھا دی جس میں انہوں نے رکوع اور سجود مکمل ادا کیے' پھر جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو سب لوگوں نے کہا کہ ابوعبدالرحمٰن (حضرت عبداللہ بن مسعود کی کنیت ہے) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کو خوب یاد رکھا ہے۔

حل لغات

''اِجْتَمِعُوْا'' صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: جمع ہونا' اکٹھا ہونا۔ ''اُقِيْمَتْ'' صیغہ واحد مونث غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: کھڑا کرنا' سیدھا کرنا۔ یہاں اقامت کہنا مراد ہے۔ ''تَقَدَّمْ'' صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے: آگے بڑھنا۔ ''اَبٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: انکار کرنا۔ ''وَجِيْزَةٌ'' اس کا معنی ہے: مختصر۔

نماز میں تخفیف کی حکمتیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس گھر میں موجود تمام صحابہ کرام سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ افضل و اعلم تھے کیونکہ حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ابوموسیٰ اشعری جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر حضرات کے باوجود امامت کے لیے آپ کا انتخاب فضیلت و علمیت کی روشن دلیل ہے' چنانچہ علامہ ملاعلی قاری لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ امامت کے لیے اس لیے مخصوص کیے گئے تھے کہ آپ ان سب سے افضل و بزرگ تر تھے اور علماء نے فرمایا ہے کہ خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے بعد تمام صحابہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود زیادہ فقیہ تھے اور حدیث میں وارد ہے:

(۱) اِجْعَلُوْا اَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ فَاِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ.

تم اپنا امام سب سے بہتر آدمی کو بنایا کرو کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب تعالیٰ کے درمیان تمہارا نمائندہ ہوتا ہے' جیسا کہ امام

دارقطنی اور امام بیہقی نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے۔

(۲) امام مالک' امام بخاری' امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع بیان کیا ہے کہ (آپ نے فرمایا:) جب تم میں سے کوئی آدمی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پھلکی اور مختصر نماز پڑھائے کیونکہ ان میں کمزور' بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور جب تم میں سے کوئی آدمی اپنی نماز پڑھے تو جس قدر چاہے لمبی نماز پڑھے۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۱۲۸- ۱۲۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ امام پر لازم ہے کہ وہ مقتدیوں کے حالات کا خیال رکھے اور نماز پڑھاتے وقت اتنی لمبی قراءت نہ کرے کہ لوگ متنفر ہو جائیں اور وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے بددل ہو جائیں کیونکہ امام کے پیچھے کمزور' بیمار' بوڑھے' کاروباری' محنت مزدوری کرنے والے اور حاجت مند لوگ بھی ہوتے ہیں اس لیے سب کا خیال رکھا جائے' البتہ صبح کی نماز میں قدرے لمبی قراءت کرنا مستحب عمل ہے تاکہ لوگ نیند کی غفلت سے بیدار ہوکر جماعت میں شامل ہوسکیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اتباع نبوی میں صحابہ کرام کو مختصر مگر مکمل نماز پڑھائی جس سے واضح ہوا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام عموماً مختصر نماز پڑھاتے تھے اس لیے کہ نماز کی قراءت میں مختلف احادیث وارد ہیں۔ بعض میں طویل اور لمبی قراءت کا ذکر ہے اور بعض میں مختصر قراءت کا ذکر ہے مگر یہ احادیث آپس متعارض نہیں ہیں کیونکہ رسول اللہ کی تلاوت موقع محل اور حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتی تھی کبھی لمبی قراءت فرماتے کبھی مختصر جیسا موقع ہوتا ویسے تلاوت فرماتے' نیز بعض حالات میں مستحب پر عمل کرتے ہوئے لمبی تلاوت فرماتے اور بعض حالات میں صرف جواز پر عمل کرتے ہوئے مختصر اور چھوٹی تلاوت فرماتے لیکن ارکان نماز مکمل ادا فرماتے۔

۳۱- بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى الْحَصِيْرِ

چٹائی پر نماز پڑھنے کا بیان

۱۲۳- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَهٗ يُصَلِّيْ عَلٰى حَصِيْرٍ يَّسْجُدُ عَلَيْهِ.

مسلم (۱۱۵۹) ترمذی (۳۳۲) ابن ماجہ (۱۰۲۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ کو چٹائی پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس پر آپ سجدہ کر رہے تھے۔

حل لغات

''دَخَلَ'' یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: داخل ہونا۔ ''يُصَلِّيْ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی نماز پڑھنا ہے اور یہ ''وَجَدَهٗ'' کی ضمیر مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے۔ ''حَصِيْرٌ'' کا معنی چٹائی ہے۔ ''سَجَدَ'' صیغہ واحد مذکر غائب غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: سجدہ کرنا۔

ہر پاک چیز پر نماز پڑھنا جائز ہے

(۱) صحیح بخاری' سنن ابوداؤد' سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت میمون رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کھجور کی شاخوں اور پتوں سے تیار کردہ چھوٹی چٹائی پر نماز پڑھتے تھے۔

(۲) امام احمد بن حنبل' امام ابوداؤد اور امام حاکم نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام چٹائی اور رنگے

ہوئے چمڑے پر نماز پڑھتے تھے۔

(۳) امام ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بچھونے (چادر' دری وغیرہ) پر نماز پڑھتے تھے۔

فائدہ: یہ احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ براہ راست زمین پر نماز پڑھنے کے علاوہ ہر پاک چیز پر نماز پڑھنا جائز ہے جیسے چٹائی' چادر' قالین' رنگین چمڑے کے مصلے اور قیمتی پتھر اور چپس وغیرہ سے تیار شدہ فرش۔ اگرچہ براہ راست زمین پر نماز پڑھنا افضل عمل ہے جبکہ مالکیہ اور امامیہ کا مؤقف اس کے خلاف ہے۔[شرح مسند امام اعظم ص ۳۱۹-۳۱۸' مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

۳۲- بَابُ صَلٰوةِ الْمَرِيْضِ
بیماری کی نماز کا بیان

١٢٤- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى قَاعِدًا وَّ قَائِمًا وَّمُحْتَبِيًا. مسند الحارثی (۱۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دو زانوں بیٹھ کر' کھڑے ہو کر اور رانوں کو پیٹ کے ساتھ ملا کر گھٹنے کھڑے کر کے سرین پر بیٹھ کر نماز پڑھ لیتے تھے۔

حل لغات

"مُحْتَبِیًا" یہ احتباء سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے: کپڑے میں لپٹ جانا' سرین اور پاؤں پر بیٹھ کر ٹانگوں اور پیٹھ کو کپڑے سے باندھ کر سہارا لینا' سرین کے بل بیٹھ کر رانوں کو پیٹ سے ملا کر گھٹنے کھڑے کر لینا۔

عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ فرائض تو کھڑے ہو کر پڑھتے تھے اور نوافل بھی عموماً کھڑے ہو کر پڑھتے تھے البتہ کبھی کسی عذر کی بنا پر فرائض بھی بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے اور نوافل بغیر عذر محض بیان جواز کے لیے بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے کیونکہ نوافل میں قیام فرض نہیں ہوتا جبکہ فرائض' واجبات اور سنن میں قیام فرض ہوتا ہے اس لیے انہیں بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے اور کبھی فرائض میں عذر کی بنا پر اور نوافل میں بغیر کسی عذر کے سبب حالت احتباء میں بیٹھ کر بھی نماز پڑھ لیتے تھے اور اسی سے یہ حدیث ہے کہ "الاحتباء حیطان العرب" "عرب کے لوگوں کے لیے احتباء دیوار ہے یعنی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہونا ہے۔
[ماخوذ از شرح مسند امام اعظم ص ۱۴۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

١٢٥- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى مُحْتَبِيًا مِّنْ رَّمَدٍ كَانَ بِعَيْنِهٖ. مسند الحارثی (۳۳۷)

حضرت حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آنکھ (یا گھٹنے) میں درد کی وجہ سے احتباء کی حالت میں نماز پڑھی ہے۔

حل لغات

"مُحْتَبِیًا" صیغہ واحد مذکر اسم فاعل باب افتعال سے ہے اس کے معنی کی وضاحت سابقہ حدیث میں گزر چکی ہے۔ "رمد" کا معنی ہے: درد' تکلیف۔ "عَیْنٌ" یہ لفظ آنکھ' چشمہ' سورج اور گھٹنے وغیرہ کے معانی میں مشترک ہے جیسا کہ علم منطق کی مشہور کتاب مرقات میں ہے۔

عذر کی وجہ سے اشارہ سے نماز پڑھنا جائز ہے

یہاں چند باتیں قابل غور ہیں' ایک یہ کہ بھاری بھرکم اور وزنی پیٹ والے آدمی کے لیے حالت احتباء میں بیٹھنا ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حالت احتباء میں بیٹھنے سے رکوع وسجود مشکل ہو جاتا ہے ورنہ حالت احتباء کو ہر رکعت میں ختم کرنے اور رکوع اور سجود کرنے کے بعد دوبارہ اسی حالت کو اختیار کرنا پڑے گا جو عمل کثیر اور حرج کا باعث ہو جائے گا۔ تیسری بات یہ کہ عین کا معنی عرف عام میں آنکھ کیا جاتا ہے اگرچہ گھٹنا مراد لینا بھی درست ہے لیکن عین کا معنی آنکھ کرنا بھی غلط اور بے جوڑ نہیں کیونکہ آنکھوں میں تکلیف کی صورت میں جب رکوع اور سجود کرنے کے لیے جھکنا پڑے گا تو آنکھوں پر بوجھ پڑے گا جو تکلیف میں اضافہ کا سبب بنے گا اس لیے آنکھوں کے آپریشن کے بعد کچھ عرصہ کے لیے جھکنے اور سجدہ کرنے سے ڈاکٹر منع کر دیتے ہیں۔ بہرحال آنکھوں میں تکلیف ہو یا گھٹنے میں ہو حالت احتباء میں رکوع وسجود کے لیے اشارہ کرنا ہوگا۔ واللہ اعلم بالمراد!

۳۳- بَابُ مَا الْحُكْمُ لِمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُّصَلِّيَ قَائِمًا؟
جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے اس کا کیا حکم ہے؟

١٢٦- **مُحَمَّدُ بْنُ بُكَيْرٍ** قَاضِي الدَّامِغَانِ قَالَ كَتَبْتُ اِلٰى اَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْمَرِيْضِ اِذَا ذَهَبَ عَقْلُهٗ كَيْفَ يَعْمَلُ بِهٖ فِيْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَكَتَبَ اِلَيَّ يُخْبِرُنِيْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ مَرِضْتُ فَعَادَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ وَّ عُمَرُ وَقَدْ اُغْمِيَ عَلَيَّ فِيْ مَرَضِيْ وَجَاءَتِ الصَّلٰوةُ فَتَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوْئِهٖ فَاَفَقْتُ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَاجَابِرُ ثُمَّ قَالَ صَلِّ مَا اسْتَطَعْتَ وَلَوْ اَنْ تُوْمِئَ.

بخاری (۵۶۵۱) مسلم (٤١٤٥) ابوداؤد (۲۸۸۶) ترمذی (۲۰۹۷) ابن ماجہ (۲۷۲۸)

دامغان کے قاضی حضرت محمد بن بکیر نے کہا کہ میں نے امام ابوحنیفہ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھ کر بھیجا کہ جب کسی مریض کی عقل زائل ہو جائے تو نماز کے وقت اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟ تو امام صاحب نے مجھے یہ لکھ کر بھیجا کہ مجھے حضرت محمد بن منکدر کے ذریعہ حضرت جابر بن عبداللہ سے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں بیمار ہو گیا اور نبی کریم ﷺ میری عیادت اور بیمار پرسی کرنے کے لیے تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے اور اس وقت بیماری کی وجہ سے مجھ پر بے ہوشی طاری تھی اور نماز کا وقت ہو چکا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور اپنے وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا تو میں ہوش میں آ گیا اور آپ نے دریافت فرمایا کہ اے جابر! اب تم کیسے ہو؟ پھر خود ہی فرمایا: جب تک طاقت وقدرت ہو نماز پڑھتے رہو اگرچہ تم اشارے سے نماز پڑھ لو۔

حل لغات

"دامغان" خراسان کے ایک شہر کا نام ہے۔ "فَعَادَنِیْ" اس میں عاد صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: عیادت کرنا اور بیمار پرسی کرنا' اس کے آخر میں نون وقایہ اور یائے متکلم مفعول بہ ہے۔ "اُغْمِیَ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: بے ہوشی طاری ہونا۔ "اَفَقْتُ" صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: افاقہ پانا' ہوش میں آنا۔

عذر کی بنا پر نماز پڑھنے کے مختلف طریقے

(۱) امام ابن ماجہ حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھو' اگر تم کھڑے نہیں ہو سکتے تو پھر بیٹھ کر نماز پڑھ لو اور اگر تم بیٹھ بھی نہیں سکتے تو (قبلہ رو ہو کر دائیں) پہلو پر نماز پڑھ لو۔

(۲) امام محمد بن حسن الشیبانی موطا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوف حدیث بیان کرتے ہیں کہ جب مریض سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے سر کے اشارہ کے ساتھ سجدہ کرے۔

(۳) امام بزار اور امام بیہقی کتاب المعرفۃ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مریض کی عیادت کی اور جب اس کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے تکیہ اوپر اٹھا کر اس پر سجدہ کرنے لگا ہے تو آپ نے اسے پکڑا اور پھینک دیا' سو وہ مریض ایک لکڑی اوپر اٹھا کر اس پر سجدہ کرنے لگا تو آپ نے اسے اٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا: اگر نماز میں زمین پر سجدہ کر سکتے ہو تو ٹھیک ورنہ تم سر کے اشارے سے نماز پڑھ لو لیکن اپنے سجدہ کو اپنے رکوع سے زیادہ پست ادا کرنا (کہ رکوع کی بہ نسبت سجدہ میں سر کو زیادہ جھکایا جائے)۔

(۴) امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے:
تم میں سے جو سجدہ کر سکتا ہے وہ ضرور سجدہ کرے اور جو سجدہ نہیں کر سکتا تو وہ کسی چیز کو پیشانی کی طرف اوپر اٹھا کر اس پر سجدہ نہ کرے بلکہ وہ اپنے سر کے اشارہ سے رکوع اور سجدہ ادا کرے۔

فوائد حدیث: حضرت قاضی محمد بن بکیر کی بیان کردہ حدیث سے چند فوائد و مسائل ثابت ہوئے:

(۱) عالم و فاضل ہونے کے باوجود بہ وقت ضرورت نامعلوم مسئلہ اپنے سے زیادہ بڑے عالم و فقیہ سے دریافت کرنے میں شرم و عار محسوس نہیں کرنی چاہیے۔

(۲) مسئول عنہ عالم و فاضل اور مفتی کو چاہیے کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں مدلل جواب دینے کی کوشش کرے جیسا کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنا جواب حدیث نبوی سے مدلل بیان فرمایا۔

(۳) بیماری آدمی کی عیادت و بیمار پرسی کرنا سنت ہے جس کا ثبوت احادیث کی روشنی میں مسند امام اعظم کی حدیث نمبر پانچ کی تشریح میں زیر عنوان ''عیادت مریض کی اہمیت و فضیلت'' کے تحت بیان ہو چکا ہے' وہیں ملاحظہ فرمائیں' یہاں بطور تبرک صرف ایک حدیث کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپ فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو صبح کے وقت کسی مسلمان کی بیمار پرسی کرے مگر ستر ہزار فرشتے شام تک اس کے لیے خیر و برکت اور رحمت کی دعا کرتے ہیں اور اگر شام کے وقت بیمار پرسی کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں باغ ہوگا۔

[رواہ الترمذی و ابوداؤد' مرأۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۱۵' مطبوعہ مکتبہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

(۴) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وضوء کا پانی تبرک اور باعث شفاء ہے کہ حضرت جابر بے ہوش تھے لیکن جب آپ نے وضو کر کے اپنے وضو کا غسالہ ان پر چھڑکا تو انہیں ہوش آ گیا اور بیماری کی تکلیف دور ہو گئی' چنانچہ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ معظمہ کی وادی ابطح میں چمڑے کے سرخ خیمے میں دیکھا

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے وضوء کا مستعمل پانی لیے ہوئے ہیں اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس پانی کو (تبرکاً) لینے کے لیے جلدی میں گرے جا رہے ہیں۔ بس جس کو اس میں سے کچھ پانی مل گیا تو وہ اس کو برکت کے لیے اپنے چہرہ پر مل رہا ہے اور جس کو نہیں ملا تو وہ اپنے ساتھی کے ہاتھ کی تری کو لے رہا ہے۔ الخ [متفق علیہ]

[زجاجۃ المصابیح مترجم اردو عربی ج ۱ ص ۵۴ ۴۔ ۵۵۳' فرید بک سٹال' لاہور]

(۵) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسلمان سفر میں ہو یا حضر میں ہو تندرست ہو یا بیمار ہو اس پر بہر حال میں نماز فرض و لازم اور ضروری ہے۔ اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے اور اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو اشارے سے پڑھے۔

٣٤- بَابُ اَنَّ اَبَابَكْرٍ اَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر امامت کے زیادہ مستحق ہیں

١٢٧- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ لَمَّا اُغْمِيَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقِيْلَ اِنَّ اَبَابَكْرٍ رَجُلٌ حَصِرٌ وَّهُوَ بِنَفْسِهٖ يَكْرَهُ اَنْ يَقُوْمَ مَقَامَكَ قَالَ اِفْعَلُوْا مَا اٰمُرُكُمْ بِهٖ.

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب (بہ تقاضائے بشریت) رسول اللہ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو گئی تو آپ ﷺ نے (ہوش میں آ کر) فرمایا: تم ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں' سو آپ سے عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ! ابوبکر بہت نرم دل ہیں اور وہ خود بھی اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں جو حکم دے رہا ہوں وہی کرو۔

بخاری (٦٧٨) مسلم (٩٨٤) ترمذی (٣٦٧٢) نسائی (٨٣٤) ابن ماجہ (١٢٣٢)

__فائدہ:__ چونکہ اس حدیث اور آئندہ آنے والی درج ذیل حدیث کا مضمون و مفہوم ایک ہے اس لیے ان دونوں احادیث کے ترجمہ کے بعد توضیح و تشریح بیان کی جائے گی۔

١٢٨- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ لَمَّا اُغْمِيَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُرُوْا اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقِيْلَ لَهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَابَكْرٍ رَجُلٌ حَصِرٌ وَّهُوَ يَكْرَهُ اَنْ يَقُوْمَ مَقَامَكَ فَقَالَ مُرُوْا اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ يَاصُوَيْحِبَاتُ يُوْسُفَ وَكَرَّرَ. بخاری (٦٧٨) مسلم (٩٨٤) ترمذی (٣٦٧٢) نسائی (٨٣٤) ابن ماجہ (١٢٣٢)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب (بہ تقاضائے بشریت) رسول اللہ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہو گئی تو آپ نے فرمایا: (اے اہل بیت نبوت!) تم ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں' سو آپ سے عرض کی گئی: یا رسول اللہ! بے شک ابوبکر بہت نرم دل ہیں اور وہ خود اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں۔ پس آپ نے فرمایا کہ اے یوسف علیہ السلام کی چاہنے والی عورتوں کی طرح (بے خبرو!) تم ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور آپ نے یہ بات مکرر فرمائی۔

حل لغات

''مُرُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی حکم دینا ہے۔ ''حَصِرٌ'' کا معنی ہے: رقیق القلب یعنی بہت نرم دل۔ ''صُوَيْحِبَاتٌ'' یہ صاحبۃ کی تصغیر ہے اور اس کا واحد ''صُوَيْحِبَةٌ'' ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

ان دونوں حدیثوں کو بہت سے محدثین اور ائمہ دین نے اپنی صحاح' سنن' مسانید اور مصنفات میں بیان کیا ہے۔ امام بخاری نے متعدد طرق اور متقارب عبارات کے ساتھ کئی ابواب میں مختلف اسانید کے ذریعہ ان احادیث کو حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت انس بن مالک انصاری اور حضرت حمزہ بن عبداللہ از والد خود وغیرہم سے روایت کیا ہے اور ان دونوں احادیث سے بہت سے مسائل کا حل ثابت ہوگیا ہے:

(۱) دینی امور میں تمام صحابہ کرام پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر و ثابت ہوگئی ہے کیونکہ شریعت میں امام انہیں بنایا جاتا ہے جو علم وفقہ' تقویٰ وطہارت اور زہد و ورع میں تمام لوگوں سے بہتر و بڑھ کر ہوں' اس سے روافض کا مذہب رد ہوگیا۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعتراف کیا اور فرمایا:

کیف لا نوثره علینا فی امر دنیانا وقد آثره النبی صلی اللہ علیہ وسلم علینا فی امر دیننا.

ہم اپنے اوپر اپنے دنیاوی معاملہ (خلافت) میں اسے کیوں نہ ترجیح دیں جسے نبی کریم ﷺ نے ہمارے دینی معاملے میں ہم پر ترجیح دی ہے۔

(۲) اہل سنت کا یہ عقیدہ حق اور سچ ثابت ہوگیا کہ فضیلت' کثرت ثواب اور قرب الٰہی میں خلفائے راشدین میں وہی ترتیب ہے جو ان کی خلافت میں ترتیب ہے۔

(۳) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں خلافت کے سب سے زیادہ مستحق تھے کیونکہ وہ ان کے دینی امام ہونے کی بنا پر علم وتفقہ اور زہد وتقویٰ میں سب سے زیادہ فاضل و بہتر تھے۔

(۴) کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والے مقتدیوں کی نماز بیٹھ کر امامت کرنے والے امام کے پیچھے جائز ہے جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ صحابہ کرام کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے اور نبی کریم ﷺ بیٹھ کر امامت کرا رہے تھے۔

(۵) فاضل کا مفضول کی اقتداء کرنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر امام اور رسول اللہ مقتدی ہوئے (نیز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اقتداء میں نماز پڑھی تھی)۔

(۶) شریعت کے حکم کے خلاف اصرار نہیں چاہیے جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ صدیقہ یا حضرت حفصہ یا دونوں کے اصرار پر انہیں سمجھایا تھا۔

(۷) ازدحام اور رش میں مقتدی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے امام کے برابر (قدرے پیچھے ہٹ کر) دائیں جانب کھڑا ہو جائے بائیں جانب نہیں۔

(۸) ازدحام اور رش کی صورت میں مقتدی کے لیے جائز ہے کہ وہ امام کی تکبیر پر دیگر مقتدیوں کو سنانے کے لیے مکبر بن کر تکبیر کہے جیسا کہ حضرت ابوبکر' رسول اللہ کی تکبیر پر تکبیر کہتے تھے۔

۱۲۹- **اَبُوْحَنِیْفَةَ** عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا مَرَضَ الْمَرَضَ الَّذِیْ قُبِضَ فِیْهِ خَفَّ مِنَ الْوَجْعِ فَلَمَّا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ قَالَ لِعَائِشَةَ مُرِیْ اَبَابَكْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ فَاَرْسَلَتْ اِلٰی اَبِیْ بَكْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْمُرُكَ اَنْ تُصَلِّیَ بِالنَّاسِ فَاَرْسَلَ اِلَیْهَا اَنِّیْ شَیْخٌ كَبِیْرٌ رَقِیْقٌ وَّاِنِّیْ مَتٰی لَا اَرٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَقَامِهٖ اَرِقُّ لِذٰلِكَ فَاجْتَمِعِیْ اَنْتِ وَحَفْصَةُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیُرْسِلُ اِلٰی عُمَرَ فَیُصَلِّیْ بِهِمْ فَفَعَلْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْتُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ مُرِیْ اَبَابَكْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ فَلَمَّا نُوْدِیَ بِالصَّلٰوةِ سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤَذِّنَ وَهُوَ یَقُوْلُ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِرْفَعُوْنِیْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ قَدْ اَمَرْتُ اَبَابَكْرٍ اَنْ یُّصَلِّیَ بِالنَّاسِ وَاَنْتَ فِیْ عُذْرٍ قَالَ اِرْفَعُوْنِیْ فَاِنَّهٗ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَرَفَعْتُ بَیْنَ اثْنَیْنِ وَ قَدَمَاهُ تَخُدَّانِ الْاَرْضَ فَلَمَّا سَمِعَ اَبُوْ بَكْرٍ لَحْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَاَخَّرَ فَاَوْمَاَ اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ یَّسَارِ اَبِیْ بَكْرٍ وَّكَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِذَاءَهٗ یُكَبِّرُ وَ یُكَبِّرُ اَبُوْبَكْرٍ بِتَكْبِیْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَیُكَبِّرُ النَّاسُ بِتَكْبِیْرِ اَبِیْ بَكْرٍ حَتّٰی فَرَغَ ثُمَّ مَا صَلّٰی بِالنَّاسِ غَیْرَ تِلْكَ الصَّلٰوةِ حَتّٰی قُبِضَ وَ كَانَ اَبُوْ بَكْرٍ الْاِمَامَ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَجِعٌ حَتّٰی قُبِضَ. بخاری(٦٨٧) مسلم(٩٣٦) ترمذی(٣٦٢) نسائی(٨٣٥) ابن ماجہ(١٢٣٤)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ اس مرض میں بیمار ہوئے جس میں آپ کا وصال ہوگیا تو آپ نے (ایک دن) درد کی شدت میں کمی محسوس کی اور جب نماز کا وقت ہوا تو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا: تم ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں' سو حضرت عائشہ صدیقہ نے حضرت ابوبکر کے پاس پیغام بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ آپ کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت ابوبکر نے انہیں یہ پیغام کہلوا بھیجا کہ میں بوڑھا آدمی ہوں اور دل کا بہت نرم ہوں اور جب میں رسول اللہ ﷺ کو ان کی جگہ پر نہیں دیکھوں گا تو مجھ پر اور زیادہ رقت طاری ہو جائے گی (اور میں اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکوں)' سو تم اور حضرت حفصہ اکٹھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کہ آپ حضرت عمر کو پیغام بھیجیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم حضرت یوسف علیہ السلام کی عورتوں کی طرح (حقیقت حال سے بے خبر) ہو۔ تم ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں' پھر جب نماز کے لیے اذان شروع کی گئی تو نبی کریم ﷺ نے مؤذن کو "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ" کہتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم مجھے اٹھاؤ' سو حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا: میں نے ابوبکر کو آپ کا حکم دے دیا ہے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور آپ تو معذور ہیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے اُٹھاؤ بے شک میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: پھر میں نے دو آدمیوں کے درمیان آپ کو اٹھایا جبکہ آپ کے دونوں قدم زمین پر گھسٹتے جارہے تھے۔ پھر جب حضرت ابوبکر نے رسول کریم ﷺ کے قدموں کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنا چاہا لیکن نبی کریم ﷺ نے اشارے سے انہیں منع کر دیا اور خود ان کی بائیں جانب بیٹھ گئے اور نبی کریم ﷺ ان کے برابر میں تکبیر کہتے تھے اور حضرت ابوبکر آپ کی تکبیر پر تکبیر کہتے تھے اور لوگ حضرت ابوبکر کی تکبیر پر تکبیر کہتے تھے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو گئے' پھر رسول اللہ ﷺ نے اس نماز کے علاوہ اپنے وصال تک لوگوں کو اور کوئی نماز نہیں پڑھائی بلکہ اس کے بعد حضرت ابوبکر امام مقرر ہو کر لوگوں کو نمازیں پڑھاتے رہے اور نبی کریم ﷺ بیمار رہے یہاں تک کہ آپ وصال فرما گئے۔

حل لغات

"خَفَّ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ہلکا ہونا' کم ہونا' کمی محسوس کرنا۔ "اَرِقُّ" صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: نرم ہونا' رقت کا طاری

ہونا۔ ''اِرْفَعُوْنِی'' میں ''اِرْفَعُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: اٹھانا' اوپر لے جانا' بلند کرنا' آخر میں نون وقایہ اور یا ضمیر متکلم ہے۔ ''تـخدان'' اور ایک روایت میں ''تَـخُـطَّان'' ہے یہ دونوں صیغے تثنیہ مونث غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہیں' دونوں کا معنی ہے: کسی چیز کے کھینچنے یا گھسیٹنے کے نشانات یا لکیریں بننا۔ ''وِجْعٌ'' اس کا معنی ہے: بیمار ہونا' دکھ پہنچنا' درد ہونا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری امامت

یہ نماز بروز ہفتہ یا اتوار کی ظہر کی نماز تھی اور یہ آخری نماز ہے جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امامت فرمائی اور اس میں آپ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان ان کے کندھوں کا سہارا لے کر تشریف لائے تھے اور نبی کریم ﷺ نے جو نماز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی تھی وہ بروز پیر صبح کی نماز تھی اور آپ نے یہ نماز حضرت ابوبکر کے پیچھے مقتدی بن کر پڑھی تھی اور آپ اس نماز کے لیے حضرت فضل بن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان ان کے کندھوں کا سہارا لے کر تشریف لائے تھے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۸۰' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۳۵- بَابُ اِمَامَةِ وَلَدِ الزِّنَا وَالْعَبْدِ وَالْاَعْرَابِيِّ

ولد الزنا' غلام اور دیہاتیوں کی امامت کا بیان

۱۳۰- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ يَؤُمُّ الْقَوْمَ وَلَدُ الزِّنَا وَالْعَبْدُ وَالْاَعْرَابِيُّ اِذَا قَرَاَ الْقُرْاٰنَ.

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا: جب ولد الزنا' غلام اور دیہاتی آدمی قرآن مجید کو (مخارج سے) صحیح پڑھ سکتا ہو تو وہ لوگوں کی امامت کرا سکتا ہے۔

حل لغات

''یَؤُمُّ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: امام بننا' امامت کرنا۔

ہر مسلمان عالم دین کے پیچھے

امام محمد بن حسن شیبانی نے اس روایت کو کتاب الآثار میں بیان کیا ہے اور یہ روایت اگرچہ حضرت ابراہیم نخعی تابعی کا قول ہے لیکن اس پر بہت سی احادیث دلالت و رہنمائی کرتی ہیں مثلاً:

(۱) حضرت مکحول نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم ہر امیر کی اطاعت کرو اور ہر امام کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔ (طبرانی)

(۲) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ میں تشریف لے جاتے وقت حضرت ابن ام مکتوم کو مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ اور نائب مقرر فرمایا کہ وہ لوگوں کو نمازیں پڑھایا کریں گے حالانکہ وہ نابینا تھے اور ایک روایت میں دو مرتبہ خلیفہ مقرر فرمانے کا ذکر ہے۔ (رواہ ابوداؤد)

اور اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں' امام ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں' امام ابویعلیٰ نے مسند ابویعلیٰ میں اور امام طبرانی نے اپنی معجم میں بیان کیا ہے۔

(۳) امام طبرانی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ سفر پر جاتے وقت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے حضرت ابن ام مکتوم کو نماز اور مدینہ منورہ کے دیگر معاملات کے لیے اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔

(۴) حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو حضرت ابن ام مکتوم کو مدینہ منورہ پر خلیفہ مقرر فرما دیتے جو خود اذان اور اقامت کہتے تھے اور لوگوں کو نمازیں بھی پڑھاتے تھے۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عمیر خطمی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں اپنی قوم بنوخطمہ کی امامت کراتے تھے حالانکہ نابینا تھے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۸۰' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

صدر اول میں جو قرآن مجید کے قاری ہوتے تھے وہ کتاب و سنت اور احکام شریعت کے عالم ہوا کرتے تھے اور اس لیے حدیث میں وارد ہے کہ لوگوں کی امامت وہ آدمی کرائے جو ان میں سب سے بڑا قاری ہو۔

بعض علماء ولد الزنا' غلام اور دیہاتی آدمی کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں کیونکہ عموماً اور غالباً یہ تینوں قسم کے لوگ قراءت اور کتاب و سنت کے احکام سے جاہل اور ناواقف ہوتے ہیں اور وہ لوگ ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا عار اور شرم محسوس کرتے ہیں لیکن جب واضح طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کتاب و سنت اور فقہ کے عالم و فاضل اور متقی و پرہیزگار ہیں تو پھر بلاشبہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے بلکہ دوسروں سے بہتر ہے اس لیے تو نبی کریم ﷺ کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے وقت حضرت ابن ام مکتوم کو نابینا ہونے کے باوجود مدینہ منورہ میں خلیفہ مقرر کر گئے تا کہ لوگوں کو نمازیں پڑھائیں' البتہ جب ان سے بڑا عالم موجود ہو تو پھر ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۵۷۱-۵۷۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

۳۶- بَابُ اَدَاءِ النَّافِلَةِ بِالْجَمَاعَةِ

نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا بیان

۱۳۱- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِرَجُلٍ فَصَلّٰى خَلْفَهٗ وَامْرَاَةٌ خَلْفَ ذٰلِكَ صَلّٰى بِهِمْ جَمَاعَةً. بخاری (۷۲۷) نسائی (۸۷۰) ابن ماجہ (۹۷۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھی' سو وہ آدمی آپ کے پیچھے کھڑا ہوا اور ایک عورت اس آدمی کے پیچھے کھڑی ہوئی اور آپ نے ان کو یہ نماز با جماعت پڑھائی۔

نماز نفل با جماعت ادا کرنے کی تحقیق

علامہ ملا علی قاری اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ یہ نماز نفلی تھی اور یہ حدیث با جماعت نفل نماز پڑھنے کے جواز کی دلیل ہے بہ شرطیکہ نفل نماز کی جماعت کا اعلان نہ کیا جائے اور تمام فقہائے کرام کا اس پر اجماع ہے کہ نماز جمعہ کے علاوہ فرض اور نفل کی جماعت کے لیے کم از کم دو آدمی ہوں تو پھر جماعت منعقد ہو جائے گی۔ ایک امام اور ایک مقتدی جو امام کی دائیں جانب تھوڑا سا امام سے پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گا' البتہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک جب مقتدی اکیلا ہو اور وہ اپنے امام کی بائیں جانب کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی' اور شاید امام احمد نے حضرت ابن عباس کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رات گزاری اور نماز تہجد میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بائیں جانب کھڑے ہو کر اقتداء شروع کی تو آپ نے انہیں اپنے پیچھے سے گھما کر اپنی دائیں جانب کھڑا کر دیا۔ اس حدیث کو شیخین (بخاری و مسلم) وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۴۱۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت] امام مسلم نے صحیح مسلم میں نوافل کی نماز با جماعت پڑھنے کے جواز پر ایک باب

باندھا ہے جس میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں' یہاں محقق اہل سنت شیخ الحدیث والتفسیر استاذی المکرّم علامہ سعیدی صاحب دامت برکاتہ العالیہ کی شرح صحیح مسلم سے صرف چار احادیث بمع تشریح پیش کی جارہی ہیں:

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی دادی حضرت ملیکہ رضی اللہ عنہا نے کھانا پکا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی اور کھانا کھانے کے بعد آپ نے فرمایا: اٹھو میں تمہیں نماز پڑھادوں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ایک چٹائی لے کر آیا جو کثرت استعمال کی وجہ سے سیاہ ہو چکی تھی' میں نے اس کو پانی سے دھویا' پھر اس چٹائی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور میں اور یتیم صف باندھ کر آپ کے پیچھے کھڑے ہوگئے اور بڑھیا ہمارے پیچھے کھڑی ہوئی۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں دو رکعت نماز (نفل) پڑھانے کے بعد تشریف لے گئے۔

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے اعلیٰ اور احسن اخلاق کے مالک تھے۔ بعض اوقات آپ ہمارے گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے اور نماز کا وقت آ جاتا تھا تو جس چٹائی پر آپ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے اس کو اٹھانے کا حکم دیتے۔ اس کو صاف کر کے پانی سے دھویا جاتا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھاتے اور ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہو جاتے اور وہ چٹائی کھجور کے پتوں کی ہوتی تھی۔

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف لائے اور گھر میں صرف میں' میری ماں اور میری خالہ ام حرام تھیں۔ آپ نے فرمایا: اٹھو میں تمہیں نماز پڑھادوں حالانکہ وہ کسی فرض نماز کا وقت نہیں تھا۔ ایک آدمی نے حضرت ثابت سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس کو کس جگہ پر کھڑا کیا تھا۔ حضرت ثابت نے بتایا کہ انہیں آپ نے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا تھا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے گھر والوں کے لیے دنیا اور آخرت کی ہر خیر و بھلائی کی دعا فرمائی' میری ماں نے عرض کیا: یارسول اللہ! انس آپ کا چھوٹا سا خادم ہے' اس کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔ آپ نے میرے لیے ہر قسم کی خیر و بھلائی دعا کی اور اخیر میں فرمایا: اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں کثرت اور برکت عطا فرما۔

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اور ان کی ماں یا ان کی خالہ کو نماز پڑھائی اور حضرت انس نے بتایا کہ آپ نے مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا اور عورت کو ہمارے پیچھے کھڑا کیا۔

فائدہ: اس باب کی احادیث کا اہم فائدہ یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نوافل پڑھنا جائز ہے اور گھر میں جماعت کرانا جائز ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز تواضع اور انکساری کی وجہ سے زمین پر نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے ورنہ چٹائی پر نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس حدیث میں اہل علم کی ضیافت کا ثبوت ہے اور یہ کہ دعوت قبول کرنا مشروع ہے اور اہل خانہ کا علماء اور صالحین سے برکت حاصل کرنا اور ان سے گھر میں نماز پڑھوانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں نماز پڑھائی اس سے یہ مقصد بھی تھا کہ عورتیں آپ کی نماز کے افعال کو دیکھ لیں' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک نمازی ہو تو امام کی دائیں جانب کھڑا ہو اور اگر دو نمازی ہوں تو امام کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوں۔ اس مسئلہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشہور اختلاف ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ عورتوں کو ہر حال میں پچھلی صف میں بچوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔ ان احادیث میں اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ علماء اور صالحین سے خیر و برکت کی دعا کرانی چاہیے جیسے حضرت انس کی ماں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے سرکار سے دعا کرائی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبولیت کی سند عطا فرمائی کیونکہ آپ کی دعا سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ایک سو سے زیادہ بچے ہوئے اور ان کا باغ سال میں دو بار پھل دیتا تھا۔ اس میں یہ ثبوت بھی ہے کہ جب اہل فضل کسی جگہ ضیافت پر جائیں تو اہل خانہ کے لیے دعا کریں۔

[شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۶۔ ۲۹۳' مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور]

واضح رہے کہ نوافل کی جماعت کے جواز کے متعلق حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے افراد خانہ کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ میں نے ایک دفعہ اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے گھر میں رات گزاری اور میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء میں آپ کے بائیں جانب کھڑے ہو کر نماز تہجد پڑھی اور آپ نے مجھے اپنے پیچھے سے گھما کر اپنی دائیں جانب کھڑا کر دیا جیسا کہ بخاری' مصنف ابن ابی شیبہ اور مشکوٰۃ وغیرہ میں مذکور ہے اور کنز العمال [ج ۸ ص ۱۸۴' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان] میں نماز تہجد کے بیان میں مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلو میں کھڑے ہو کر اور حضرت عائشہ صدیقہ نے پچھلی صف میں کھڑی ہو کر آپ کی اقتداء میں نماز نفل باجماعت ادا کی۔ نیز یہ حدیث بھی مذکور ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان نے نماز تہجد کے نفل رسول اللہ کے ساتھ باجماعت ادا کیے جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۂ بقرہ' آل عمران اور سورت نساء تلاوت فرمائی۔

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب مستطاب مصنف ابن ابی شیبہ میں اس سلسلہ میں بارہ احادیث نقل کی ہیں [مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۵۳۴' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان] علاوہ ازیں نماز تراویح' نماز استسقاء اور نماز کسوف کی جماعت بالاتفاق نہ صرف جائز ہے بلکہ مسنون ہے' البتہ ان مذکورہ بالا نوافل کے علاوہ صلاۃ التسبیح' صلاۃ الخیر اور صلاۃ الرغائب وغیرہا کی جماعت کے بارے میں فقہا کا اختلاف ہے۔ اکثر فقہا کراہت تنزیہیہ کے قائل ہیں بہ شرطیکہ تین یا چار افراد سے زائد ہوں جبکہ بعض محققین فقہا جواز کے قائل ہیں بہ شرطیکہ رسم و رواج' ریاء و شہرت اور ذاتی منفعت کے جذبہ سے پاک محض مسلمانوں کو نماز کی ترغیب دینے کے لیے جماعت کرائی جائے کیونکہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ مخصوص راتوں میں نوافل کی جماعت میں سب مسلمان شوق و ذوق سے شامل ہو جاتے ہیں اور انفرادی طور پر نماز پڑھنے کے لیے چند مخصوص پکے نمازی وغیرہ رہ جاتے ہیں باقی فصلی بٹیرے تبرک پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ خود رسول اللہ اور صحابہ کرام نے ان مخصوص راتوں میں باجماعت نفلی نمازیں پڑھنے کا اہتمام نہیں کیا تو اس کا جواب واضح ہے کہ اگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام یہ اہتمام و انتظام کرتے تو پھر ان راتوں میں نوافل کی جماعت تراویح وغیرہ کی طرح مسنون ہوتی صرف جائز نہ ہوتی حالانکہ اب تو صرف جائز ہے کیونکہ احادیث میں اس کے اہتمام کا ثبوت ہے اور نہ ممانعت کا' پھر حضرت انس بن مالک کے گھر میں نفل نماز کی جماعت میں تین افراد کا شامل ہونا اتفاقی عمل تھا کہ اس وقت گھر میں اتنے افراد موجود تھے جیسا کہ ماہ رمضان المبارک میں جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نوافل کی نماز پڑھنا شروع کی (کیونکہ اس وقت نماز تراویح مسنون نہیں ہوئی تھی) تو صحابہ کرام کا آپ کی اقتداء میں نوافل کی نماز پڑھنے کے لیے جم غفیر جمع ہونا شروع ہو گیا اور السنن الکبریٰ للبیہقی کی روایت کے مطابق تین یا چار راتوں میں اس قدر لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے کہ مسجد نبوی میں کوئی جگہ خالی نہ رہی' سو آپ نے مسجد میں قیام کرنا چھوڑ دیا اور صبح کی نماز کے بعد آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ نوافل کی جماعت میں تین افراد سے زیادہ کی شرکت ممنوع یا مکروہ ہے اس لیے نہیں آیا بلکہ فرمایا: میں اس لیے نہیں آیا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔

فائدہ: تمام انصاف پرست اہل علم حضرات کے نزدیک اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان بریلوی کو فقہ حنفی میں غیر جانب دار اور ناقد محقق کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ نے فتاویٰ رضویہ باب الوتر والنوافل میں نوافل کی جماعت کے بارے میں پہلے سوال کے جواب میں تفصیلی بحث کی ہے جس میں دونوں فریقوں کے مؤقف بیان کیے ہیں' پھر چند صفحات کے بعد ایک اور سوال کے جواب میں مختصر مگر جامع جواب بیان کیا ہے' اس میں سے صرف اردو کا حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے تا کہ اہل سنت و

جماعت کے اہل علم حضرات کا اس مسئلہ میں اختلاف کم ہو سکے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

نفل غیر تراویح میں امام کے سوا تین آدمیوں تک تو اجازت ہی ہے۔ چار کی نسبت کتب حنفیہ میں کراہت لکھتے ہیں یعنی کراہت تنزیہیہ جس کا اصل خلاف اولیٰ ہے نہ کہ گناہ وحرام "کما بیناہ فی فتاوٰنا" مگر مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اکابرین سے جماعت نوافل بالتداعی ثابت ہے اور عوام فعل خیر سے منع نہ کیے جائیں گے۔ علمائے امت وحکمائے ملت نے ایسی ممانعت سے منع فرمایا ہے۔

[فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ٥٠٠ 'مطبوعہ سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ' ڈجکوٹ لائل پور (موجودہ فیصل آباد)]

٣٧- بَابُ فَضِيْلَةِ وَصْلِ الصُّفُوْفِ
صفوں کو باہم ملانے کی فضیلت

١٣٢- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِالْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ الصُّفُوْفَ. ابوداؤد(٦٧٦) ابن ماجہ(٩٩٥)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر درود بھیجتے ہیں جو صفوں کو باہم ملا کر کھڑے ہوتے ہیں۔

حل لغات

"يُصَلُّوْنَ" صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت ہے۔ اس کا مصدر صلوٰۃ ہے اور یہ باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: (اللہ تعالیٰ کے لئے) رحمت کو نازل کرنا اور (مخلوق کے لئے) نزول رحمت کی دعا کرنا' مغفرت کی دعا کرنا۔ "يَصِلُوْنَ" یہ صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا مصدر وصلاً' وصالاً اور وصولاً وغیرہ آتا ہے' اس کا معنی ہے: جوڑنا' ملانا اور جمع کرنا۔ "اَلصُّفُوْفُ" یہ صف کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: صف بنانا' صف بندی سے کھڑا ہونا اور سیدھی قطار بنانا۔

نماز میں صفوں کو باہم ملانے اور سیدھا رکھنے کی اہمیت

دین اسلام نظم وضبط اور قانون کی پابندی پر بہت زور دیتا ہے تاکہ اس کے ماننے والے مسلمان ان اصولوں کی پابندی کر کے اخلاقیات ومعاملات میں معتمد اور معتبر اور معزز ومہذب شہری بن جائیں اور عبادات میں اطاعت گزار وفرماں بردار بن کر آخرت میں سرخرو ہو جائیں' چنانچہ عبادات میں سب سے اہم ترین عبادت نماز ہے' اس میں صفوں کو ملانے' برابر رکھنے اور درست کرنے کی بہت تاکید کی گئی' خود نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین نے صفوں کو درست کرنے کا بہت اہتمام فرمایا' جیسا کہ اس حدیث میں فضیلت بیان کی گئی ہے اور علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام احمد' ابن ماجہ' ابن حبان اور حاکم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے جس میں اتنا اضافہ ہے کہ "وَمَنْ سَدَّ فُرْجَةً رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً" اور جو شخص (صفوں کے درمیان) خالی جگہ کو پر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا درجہ بلند کر دے گا:

(١) امام نسائی اور امام حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے' جس میں ہے:

"مَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ' وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللّٰهُ"۔

جو شخص صف کو ملائے گا اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی رحمت سے) ملا دے گا اور جو شخص صف کو کاٹے گا اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی رحمت سے) کاٹ دے گا۔ [شرح مسند اعظم لملا علی قاری ص ٢٠٥ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

(٢) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفیں سیدھی فرمایا کرتے تھے۔ گویا ان سے تیر سیدھے

لیے جائیں گے یہاں تک کہ آپ نے خیال فرمایا کہ اب ہم آپ سے سیکھ چکے پھر ایک دن آپ تشریف لائے اور کھڑے ہوئے یہاں تک کہ آپ تکبیر تحریمہ کہنے والے ہی تھے کہ ایک شخص کو سینہ نکالے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں سیدھی کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اندر اختلاف ڈال دے گا۔ (رواہ مسلم)

(٣) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صفوں کو سیدھا رکھا کرو کیونکہ صفوں کو سیدھا رکھنا نماز قائم کرنے کا حصہ ہے (متفق علیہ) مگر صحیح مسلم میں ہے کہ صفیں سیدھی رکھنا نماز کی تکمیل کا حصہ ہے۔

(٤) حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے کندھے پکڑتے اور فرماتے: تم آپس میں مل کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور الگ الگ نہ رہو ورنہ تمہارے دل الگ الگ ہو جائیں گے' سو تم میں سے عاقل وبالغ میرے قریب کھڑے ہوا کریں' پھر وہ جوان سے قریب ہوں' پھر وہ جوان سے قریب ہوں۔ حضرت ابومسعود فرماتے ہیں: پس اس لیے آج تم میں بہت اختلاف ہے۔ (رواہ مسلم) [مشکوٰۃ المصابیح باب تسویۃ الصف ص ٩٨-٩٧ 'مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

٣٨- بَابُ فَضِيْلَةِ الْفَجْرِ وَالْعِشَآءِ مَعَ الْجَمَاعَةِ
فجر اور عشاء کی نماز با جماعت ادا کرنے کی فضیلت

١٣٣- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَهِدَ الْفَجْرَ وَالْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ كَانَتْ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ وَ بَرَاءَةٌ مِّنَ الشِّرْكِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص فجر اور عشاء کی نماز ادا کرنے کے لیے جماعت میں حاضر ہوتا رہا اس کے لیے دو براتیں ہیں' ایک نفاق سے برات اور ایک شرک سے برات۔

شعب الایمان للبیہقی (٢٨٧٥) کنز العمال (٢٦٠٠) مصنف عبدالرزاق (٢٠١٩)

حل لغات

"شَهِدَ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: حاضر ہونا' شریک ہونا' معائنہ کرنا' اطلاع پانا اور گواہی دینا۔ "بَرَآءَتَانِ" یہ تثنیہ ہے' اس کا واحد براءۃ ہے' اس کا معنی ہے: بری ہونا' نجات پانا' چھٹکارا حاصل کرنا۔

١٣٤- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَاوَمَ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا عَلٰى صَلٰوةِ الْغَدٰوةِ وَالْعِشَآءِ فِيْ جَمَاعَةٍ كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ وَ بَرَاءَةٌ مِّنَ الشِّرْكِ. ابن ماجہ(٧٩٨)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص فجر اور عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ چالیس روز تک مسلسل پڑھتا رہا تو اس کے لیے ایک براءت نفاق سے اور ایک براءت شرک سے لکھ دی جائے گی۔

حل لغات

"دَاوَمَ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی کام پر ہمیشگی اختیار کرنا' ہمیشہ رکھنا' مدت دراز تک جاری وساری رہنا۔

ان دونمازوں کی تخصیص کی وجوہات

نفاق یہ ہے کہ آدمی کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہو اور اس کے قول فعل میں تضاد ہو لیکن فجر اور عشاء کی نمازیں باجماعت ہمیشہ ادا کرنے سے نفاق اور شرک جلی اور خفی سے براءت ونجات مل جاتی ہے اور حسن خاتمہ کی توقع کی جاتی ہے۔

اور چالیس روز کی تعیین میں شاید یہ حکمت ہو کہ جب آدمی دین اسلام کی طاعت وعبادت میں مسلسل اتنا عرصہ مصروف ومشغول رہتا ہے تو غالباً اسے عبادت میں روحانی لذت وحلاوت' سکون وراحت اور امن وچین نصیب ہوتا ہے جس کی وجہ سے عبادت میں محنت ومشقت' سردی وگرمی کی کلفت اس سے دور ہو جاتی ہے اور اسے عبادات میں استقامت حاصل ہو جاتی ہے۔

اور ان دونمازوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں وقت استراحت وآرام کے ہوتے ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا آدمی عشاء کے وقت آرام کرنا چاہتا ہے جبکہ صبح کے وقت خواب غفلت میں نیند کے مزے لے رہا ہوتا ہے۔ ان دواوقات میں نماز پڑھنا بہت مشکل اور دشوار ہوتا ہے جبکہ باقی اوقات میں نماز پڑھنا ان کی بہ نسبت آسان ہوتا ہے اور تخصیص کی دوسری وجہ یہ ہے کہ منافقین ان دو نمازوں میں حاضر نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان دواوقات میں ان کو ریاء اور دکھاوے کا موقع نہیں ملتا تھا کہ رات کی تاریکی اور لوگوں کے اپنے گھروں میں رہنے کی وجہ سے انہیں نماز کے لیے آتے جاتے کوئی نہیں دیکھتا تھا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہو جاتی ہے جس کو امام احمد' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع بیان کیا ہے۔

(۱) بے شک یہ دونوں نمازیں یعنی عشاء اور صبح کی منافقوں پر سب سے زیادہ بھاری اور دشوار ہیں اور اگر لوگ ان کی فضیلت کو جان لیں تو ان کو پڑھنے کے لیے گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑے تو ضرور آئیں۔

تکبیر اولیٰ کی فضیلت

(۲) امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے:

جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے چالیس روز تک جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھتا رہا کہ وہ ہمیشہ تکبیر اولیٰ پاتا رہا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دو براءتیں لکھ دے گا: ایک براءت دوزخ کی آگ سے اور دوسری براءت نفاق سے۔

اور اصح قول یہ ہے کہ جس نے اپنے امام کو رکوع کی تکبیر کہنے سے پہلے پالیا تو یقیناً اس نے تکبیر اولیٰ کو پالیا۔

(۳) امام بیہقی نے امام ابن عساکر سے روایت بیان کی ہے:

جس نے مسجد میں چالیس راتوں تک جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھی کہ اس کی پہلی رکعت کبھی فوت نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے براءت لکھ دے گا۔

(۴) حضرت ابوالشیخ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے:

جس نے چالیس صبح امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ کو پالیا تو اس کے لیے دو براءتیں لکھ دی جائیں گی۔ ایک براءت دوزخ کی آگ سے اور دوسری براءت نفاق سے۔

(۵) امام عبدالرزاق نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے:

جس شخص کی نماز کی پہلی رکعت چالیس روز تک فوت نہ ہوئی تو اس کے لیے دو براءتیں لکھی جاتی ہیں' ایک براءت دوزخ کی آگ سے اور ایک براءت نفاق سے۔

(۶) جو شخص چالیس راتوں تک تکبیر اولیٰ سمیت پنجگانہ نمازوں میں جماعت کے ساتھ حاضر ہوتا رہا تو اس کے لیے جنت واجب کر

دی جاتی ہے۔

(۷) جو شخص چالیس روز تک جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا رہا' پھر (ہر روز جب) وہ نماز مغرب سے فارغ ہوتا تو دو رکعت نماز نفل اس طرح پڑھتا رہا کہ پہلی رکعت میں سورت فاتحہ کے بعد "قل یایھا الکافرون" اور دوسری رکعت میں سورت فاتحہ کے بعد "قل ھو اللہ احد" پڑھتا رہا تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جائے گا جس طرح سانپ اپنی کینچلی سے نکل جاتا ہے۔

اس حدیث کو علامہ خطیب بغدادی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ٥٥٢-٥٥١' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

٣٩- بَابُ خُرُوْجِ النِّسَآءِ اِلَى الْمَسَاجِدِ
عورتوں کا مساجد میں آنے کا ثبوت

١٣٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِيْ الْخُرُوْجِ لِصَلٰوةِ الْغَدَاةِ وَالْعِشَاءِ لِلنِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ اِذًا يَّتَّخِذْنَهُ دَغَلًا فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ اُخْبِرُكَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ هٰذَا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح اور عشاء نماز کے لیے عورتوں کو (مسجد کے لیے) نکلنے کی اجازت دی' سو ایک آدمی (بلال بن عبداللہ بن عمر) نے کہا: اب تو لوگ اس رخصت کو بہانہ بنالیں گے تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حدیث سنا رہا ہوں اور تم اس کے مقابلہ میں اپنی رائے بیان کرتے ہو۔

بخاری (٨٦٥) مسلم (٩٩٢) ابوداؤد (٥٦٨) ترمذی (٥٧٠) ابن ماجہ (١٦)

حل لغات

"رَخَّصَ" یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: رخصت دینا' اجازت دینا' چھٹی دینا۔ "يَتَّخِذُوْنَهٗ" یہ صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افتعال سے ہے' اس کے آخر میں ہ ضمیر مفعول بہ ہے' اس کا معنی ہے: پکڑنا' لینا' بنالینا۔ دوسری روایت میں "يَتَّخِذْنَهٗ" جمع مؤنث غائب فعل مضارع معروف ہے۔ اب اس کا معنی یہ ہوگا کہ اب تو عورتیں اس رخصت کو بہانہ بنالیں گی۔ "دَغَلًا" اس کا معنی ہے: حیلہ' بہانہ' مکر وفریب' دھوکہ دینا' چغلی کھانا' گنجان درختوں کا جھنڈ۔

مساجد میں نماز کے لیے عورتوں کو جانے کی اجازت

(۱) امام ابن ابی شیبہ' امام بخاری اور امام ابن ماجہ' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے بیان فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی صبح یا عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوتیں۔ ان سے کہا گیا کہ تم گھر سے مسجد میں کیوں جاتی ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ حضرت عمر اس کو ناپسند کرتے ہیں اور غیرت کھاتے ہیں تو اس عورت نے کہا کہ پھر انہیں مجھے منع کرنے سے کیا چیز روکتی ہے؟ عزیزوں نے بتایا کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روکتا ہے کہ:

"الا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ" خبردار! تم اللہ تعالیٰ کی باندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں جانے سے نہ روکنا۔

(۲) امام مالک' حضرت یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں: حضرت عاتکہ بنت زید بن عمر بن نفیل حضرت عمر بن خطاب کی زوجہ تھیں اور وہ حضرت عمر سے مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرتیں تو حضرت عمر خاموش ہو جاتے' سو حضرت عاتکہ کہتیں: جب تک حضرت عمر مجھے منع نہیں کریں گے میں ضرور جاؤں گی۔ [شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ٧-١٣' مطبوعہ بیروت]

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا استاذنت امرءة احدكم الى المسجد فلايمنعها.

جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اسے منع نہ کرے۔[بخاری ومسلم]

ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت کے لیے تھا جب عورتوں کو مسجد میں حاضری کی اجازت تھی۔عہد فاروقی سے اس کی ممانعت کر دی گئی کیونکہ مردوں اور عورتوں میں فساد کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا' اب فی زمانہ عورتوں کو باپردہ مسجدوں میں آنے اور علیحدہ بیٹھنے سے نہ روکا جائے کیونکہ اب عام اور ماڈرن عورتیں سینماؤں' بازاروں اور تفریحی مقامات میں جانے سے تو رکتی نہیں' مسجدوں میں آ کر کچھ دین کے احکام سن لیں گی۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں حاضری دے تو وہ خوشبو نہ لگائے۔[رواہ مسلم]

کیونکہ یہ فتنہ کا سبب ہے۔ایسے ہی چمکدار' خوبصورت اور بھڑکیلے کپڑے اور برقعے پہن کر مسجدوں میں نہ آئیں۔نیز راستے میں لوگوں کے درمیان نہ چلیں' سڑک کے کنارے پر چلیں اور لوگوں سے گھلنے ملنے کی کوشش نہ کریں۔

[مرآۃ شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۱۷۰' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

٤٠- بَابُ إِذَا حَضَرَ الْعِشَآءُ وَالْعَشَآءُ
جب نماز عشاء اور رات کا کھانا تیار ہوں تو کیا حکم ہے؟

١٣٦- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نُوْدِيَ بِالْعِشَآءِ وَاَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَآءِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز عشاء کے لیے اذان دی جا چکی ہو اور مؤذن اقامت کہنے لگے تو (سخت بھوک کی حالت میں) پہلے کھانا کھالو۔

بخاری(٥٤٦٥) مسلم(١٢٤١) ترمذی(٣٥٣) نسائی(٨٥٤) ابن ماجہ(٩٣٣)

حل لغات

''نُوْدِيَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: پکارنا' اعلان کرنا' اذان کے ذریعہ اطلاع دینا۔ ''اَلْعَشَآءُ'' عین مفتوح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے: رات کو کھانا کھانا' رات کا کھانا' شام کا کھانا' ''فَابْدَءُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر حاضر معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: آغاز کرنا' ابتداء کرنا' شروع کرنا' پہل کرنا۔

نماز کے وقت میں پہلے کھانا کھانے کے جواز کی صورتوں کا ذکر

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے تخریج فرمایا ہے' البتہ امام طبرانی نے مزید یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب نماز کے لیے اقامت شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو وہ نماز مغرب سے پہلے کھانا کھالے اور تم نماز کے لیے جلدی نہ کرو' اور اس طرح کی احادیث ابن عمر' عائشہ صدیقہ' ام سلمہ' ابن عباس' ابو ہریرہ اور سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام]

یاد رہے کہ یہ استحبابی حکم اور اجازت درج ذیل صورتوں میں ہے:

(۱) وقت میں وسعت و گنجائش موجود ہو (۲) کھانا کھانے کی احتیاج و ضرورت ہو (۳) کھانا ضائع ہونے یا ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو (۴) بھوک کا غلبہ ہو (۵) روزہ دار ہو اور نماز مغرب کا وقت ہو تو پہلے کھانا کھالے (۶) پیشاب یا پاخانہ ستا رہا ہو۔

اور اس اجازت کی حکمت یہ ہے کہ نمازی اپنی نماز حضور قلب اور خشوع وخضوع کے ساتھ سکون و اطمینان سے ادا کرے اور اس کا دل کھانے وغیرہ میں مشغول نہ رہے اور اس قسم کی احادیث کو جواز کی بنیاد بنا کر محض سہل پسندی اور سستی کی خاطر نماز باجماعت ترک کرنا اور پیٹ کی پوجا میں لگے رہنا حقیقت پسندی ہے نہ دانشمندی ہے بلکہ دراصل اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔

٤١- بَابُ حُكْمِ مَنْ صَلّٰى وَحْدَهٗ ثُمَّ يُدْرِكُ الصَّلٰوةَ بِالْجَمَاعَةِ
جو شخص اکیلے نماز پڑھ چکا ہو' پھر وہ نماز باجماعت پالے تو اس کا کیا حکم ہے؟

١٣٧- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ جَابِرِ ابْنِ الْاَسْوَدِ اَوِالْاَسْوَدِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَجُلَيْنِ صَلَّيَا الظُّهْرَ فِيْ بُيُوْتِهِمَا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمَا يَرَيَانِ اَنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا ثُمَّ اَتَيَا الْمَسْجِدَ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلٰوةِ فَقَعَدَا نَاحِيَةً مِّنَ الْمَسْجِدِ وَهُمَا يَرَيَانِ اَنَّ الصَّلٰوةَ لَا تَحِلُّ لَهُمَا فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاٰهُمَا اَرْسَلَ اِلَيْهِمَا فَجِيْءَ بِهِمَا وَ فَرَائِصُهُمَا تَرْتَعِدُ مَخَافَةَ اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ حَدَثَ فِيْ اَمْرِهِمَا شَيْءٌ فَسَاَلَهُمَا فَاَخْبَرَاهُ الْخَبَرَ فَقَالَ اِذَا فَعَلْتُمَا ذٰلِكَ فَصَلِّيَا مَعَ النَّاسِ وَاجْعَلَا الْاُوْلٰى هِيَ الْفَرْضُ. وَقَدْ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ جَمَاعَةٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ فَقَالُوْا عَنِ الْهَيْثَمِ يَرْفَعُهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ترمذی(٢١٩) نسائی(٨٥٩)

حضرت جابر بن اسود یا اسود بن جابر اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنے گھر میں ظہر کی نماز پڑھ لی اور ان کا خیال تھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں' پھر وہ دونوں مسجد میں آئے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے' سو وہ دونوں حضرات مسجد کے ایک کونے میں آ کر بیٹھ گئے اور انہوں نے سوچا کہ اب دوبارہ جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھنا ان کے لیے جائز نہیں ہے' پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے اور ان کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ نے ان کو بلانے کے لیے ایک آدمی کو بھیجا اور ان دونوں کو آپ کی خدمت میں اس حال میں لایا گیا کہ ان کے کندھے اس خوف و ڈر سے تھر تھر کانپ رہے تھے کہ ان دونوں کے بارے میں کوئی نیا حکم آ گیا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے ان دونوں سے نماز باجماعت میں شریک نہ ہونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے ساری بات بتا دی' آپ نے فرمایا: جب کبھی تم ایسا کرلو تو لوگوں کے ساتھ (دوبارہ باجماعت) نماز پڑھ لیا کرو اور اپنی پہلی نماز کو فرض سمجھا کرو۔ اور ایک جماعت نے اس حدیث کو امام ابوحنیفہ کے واسطے سے حضرت ہیثم سے بیان کیا جو نبی کریم سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں۔

حل لغات

''صَلَّيَا'' صیغہ تثنیہ مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: نماز پڑھنا' ''يَرَيَانِ'' صیغہ تثنیہ مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: دیکھنا' خیال کرنا' جاننا' ''فَرَائِصُ'' کندھوں کے درمیان گوشت کے حصہ کو کہتے ہیں۔ ''تَرْتَعِدُ'' صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: کانپنا' تھر تھرانا۔

فرض نماز دوبارہ باجماعت پڑھنے کے جواز کی صورتیں

اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہوا کہ دوسری نماز نفل شمار ہوگی (کیونکہ ایک ہی دن کی ایک فرض نماز بطور فرض دو مرتبہ نہیں پڑھی جاسکتی) لہٰذا یہ دوسری نماز مکروہ اور ممنوع وقت میں ادا نہیں ہوگی اس لیے فجر کی نماز پڑھ لینے کے بعد دوبارہ نہیں پڑھی جائے گی اور نہ عصر کی نماز دوبارہ پڑھی جائے گی اور نہ مغرب کے بعد اسے دوبارہ پڑھا جائے گا کیونکہ فجر اور عصر کے بعد نماز نفل پڑھنا مکروہ اور ممنوع ہے اور مغرب کے بعد اس لیے نہیں کہ نفل تین رکعات پڑھنا ممنوع ہے جبکہ دو رکعت پر اکتفا کرنا یا ایک رکعت زائد ملا کر چار رکعت نفل بنانا امام کی مخالفت ہے جبکہ امام کی اتباع واجب ولازم ہے۔

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے فرمایا کہ جب تم اپنے گھر میں نماز پڑھ لو پھر تم مسجد میں جا کر وہی نماز امام کے ساتھ پالو تو صبح اور مغرب کی نماز کے علاوہ امام کے ساتھ یہ نماز (دوبارہ نفل کی نیت سے) پڑھ لو کیونکہ یہ دونوں نمازیں دو مرتبہ نہیں پڑھی جاسکتیں۔ اسے امام عبدالرزاق نے روایت کیا اور نماز عصر نماز صبح کے حکم میں شامل ہے۔

اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نماز کے صحیح ہونے کے لیے جماعت شرط نہیں ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے ورنہ تنہا پڑھی گئی نماز باطل ہوتی اور باجماعت پڑھی گئی دوسری نماز نفل کی بجائے فرض شمار ہوتی۔

اور اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ ایک دن کی فرض نماز کا بطور فرض اعادہ ممنوع ہے (لہٰذا ایک مرتبہ فرض نماز پڑھنے کے بعد اسے بطور فرض دوبارہ نہ پڑھ سکتا ہے اور نہ پڑھا سکتا ہے' البتہ ظہر اور عشاء کی نماز نفل کی نیت سے دوبارہ باجماعت پڑھ سکتا ہے) اور یہ کہنا کہ دوسری نماز (باجماعت) فرض ہے یہ ضعیف قول ہے اور اسی طرح یہ کہنا کہ تنہا اور پھر دوبارہ باجماعت پڑھی گئی نماز مبہم ہے اور اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے (وہی جانتا ہے کون سی نماز فرض ہے اور کون سی نماز نفل ہے) ضعیف قول ہے کیونکہ نماز کا تعین واجب ولازم اور ضروری ہے تاکہ اس پر احکام متفرع ہوسکیں۔

(۲) دراصل یہ حدیث حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے وارد ہے جیسا کہ امام ابوداؤد' امام حاکم اور امام بیہقی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

"اذا صلى احد كم فى رحله ثم ادرك الامام وهو يصلى فليصل معه فانها نافلة"۔

(ترجمہ:) جب تم میں سے کوئی شخص اپنی قیام گاہ میں نماز پڑھ لے پھر وہ امام صاحب کو نماز پڑھاتے ہوئے پالے تو اسے چاہیے کہ وہ امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے کیونکہ اس کی یہ نماز نفل ہو جائے گی۔

(۳) امام احمد' امام ترمذی' امام نسائی اور امام بیہقی کی روایت میں حضرت یزید بن اسود سے یہ الفاظ بھی مروی ہیں:

"اذا صليتما فى رحالكما ثم اتيتما مسجد الجماعة فصليا معهم فانها لكما نافلة"۔

(ترجمہ:) جب تم دونوں اپنی قیام گاہ میں نماز پڑھ لو پھر تم دونوں مسجد میں آؤ جس میں نماز باجماعت ہو رہی ہو تو تم دونوں ان کے ساتھ نماز پڑھ لو کیونکہ وہ نماز تمہارے لیے نفل ہو جائے گی اور ابن عمر کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ جو نماز تم نے اپنی قیام گاہ میں پڑھی ہے وہ فرض شمار ہوگی۔

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ اپنے گھر میں ظہر کی نماز پڑھ لیتا ہے' پھر وہ مسجد میں آتا ہے اور اس وقت لوگ باجماعت نماز پڑھ رہے ہیں تو وہ بھی لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لیتا ہے' سو ان دونوں میں سے اس کی

اصل نماز (فرض) کون سی ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ان دونوں میں سے پہلی نماز اس کی اصل نماز ہوگی۔

(۵) امام ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو تنہا نماز پڑھ لیتا ہے' پھر وہ دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیتا ہے تو آپ نے فرمایا: اس کی پہلی نماز اصل (فرض ہے اور دوسری نماز نفل) ہے۔

(۶) سنن ابوداؤد اور سنن نسائی میں حضرت سلیمان بن یسار سے مروی ہے کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بلاط شہر میں حاضر ہوا جبکہ دوسرے لوگ نماز باجماعت ادا کر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا آپ ان کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے؟ آپ نے فرمایا: بے شک میں تو نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "لا تصلوا صلاة فى يوم مرتين" تم ایک دن میں ایک نماز کو دو مرتبہ نہ پڑھو۔ سو یہ اس بات پر محمول ہے کہ حضرت ابن عمر وہ نماز باجماعت ادا کر چکے تھے کیونکہ امام مالک نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ حضرت نافع نے ہمیں بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر سے سوال کیا اور کہا کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لوں' پھر میں امام کے ساتھ نماز کو پالوں تو کیا میں ان کے ساتھ دوبارہ نماز پڑھ لوں؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں! سو اس نے عرض کیا کہ ان دونوں نمازوں میں سے کس نماز کو میں اپنی اصل نماز شمار کروں تو حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ یہ معاملہ تمہارے سپرد نہیں ہے یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ جس کو چاہے فرض نماز قرار دے اور جس کو چاہے نفل نماز قرار دے۔ امام مالک نے فرمایا: یہ روایت حضرت ابن عمر کی طرف سے اس بات کی دلیل ہے کہ جو روایت حضرت سلیمان بن یسار کی طرف سے ان سے مروی ہے اس کا مطلب ہے کہ ایک دن میں ایک نماز بطور فرض دو مرتبہ نہیں پڑھنی چونکہ آپ ایک مرتبہ نماز باجماعت ادا کر چکے تھے اس لیے دوبارہ نہیں پڑھی۔ علامہ ابن الہمام نے کہا ہے کہ اس حدیث سے امام شافعی کے اس قول کی نفی ہو جاتی ہے کہ مطلقاً دوبارہ نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ وہ باجماعت نماز پڑھ چکا ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۴۲۱-۴۲۰' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

٤٢- بَابُ فَضِيلَةِ الْغُسْلِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن غسل کرنے کی فضیلت کا بیان

١٣٨- **أَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ يَحْيٰى عَنْ عُمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوْا يَرُوْحُوْنَ إِلَى الْجُمُعَةِ وَقَدْ عَرِقُوْا وَتَلَطَّخُوْا بِالطِّيْنِ فَقِيْلَ لَهُمْ مَنْ رَاحَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ. وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ النَّاسُ عُمَّارَ أَرْضِهِمْ وَكَانُوْا يَرُوْحُوْنَ يُخَالِطُهُمُ الْعَرَقُ وَالتُّرَابُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَضَرْتُمُ الْجُمُعَةَ فَاغْتَسِلُوْا. بخاری (۹۰۳) مسلم (۱۹۵۸) ابوداؤد (۳۵۲) نسائی (۱۳۸۰) طحاوی (۶۸۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگ سورج ڈھلنے کے بعد جمعۃ المبارک کی نماز (مسجد میں) پڑھنے کے لیے جاتے تھے حالانکہ وہ پسینہ سے شرابور ہوتے اور مٹی میں لتھڑے ہوئے ہوتے تھے' سو اس لیے انہیں حکم فرمایا گیا کہ جو شخص نماز جمعہ پڑھنے آئے تو اسے چاہیے کہ وہ غسل کر کے آئے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ لوگ کاشت کاری کے لیے اپنی زمینوں کو آباد کرتے تھے اور جب وہ جمعۃ المبارک کی نماز پڑھنے کے لیے آتے تو وہ پسینے اور مٹی میں لتھڑے ہوئے ہوتے تھے' سو اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ جب تم نماز جمعہ کے لیے حاضر ہونے لگو تو پہلے غسل کر لو۔

حل لغات

"يَرُوْحُوْنَ" صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنیٰ ہے: شام کے وقت آنا یا

جانا یا کام کرنا' وقت کی قید کے بغیر مطلق آنا' جانا' سورج ڈھلنے سے لے کر شام کے وقت تک آنا' جانا' یہاں زوال کے بعد ظہر کے وقت آنا مراد ہے۔ "عَرِقُوْا" صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: پسینہ آنا۔ "تَلَطَّخُوْا" صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے: آلودہ ہو جانا' لتھڑ جانا۔ "عُمَّارٌ" یہ عامر کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: آباد کار۔

جمعۃ المبارک کی وجہ تسمیہ

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: جس دن کو زمانہ جاہلیت میں عروبہ کہتے تھے وہی دن زمانۂ اسلام میں جمعہ قرار پایا ہے۔ اس دن کو جمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن عبادت کے لیے بہت زیادہ لوگ جمع ہوتے ہیں جس طرح بہت زیادہ لعنت کرنے والے شخص کو لغت میں "لُعَنَہ" کہتے ہیں۔ علامہ ثعلب کہتے ہیں: جس شخص نے سب سے پہلے اس دن کو جمعہ کا نام دیا وہ رسول اللہ ﷺ کے جد امجد حضرت کعب بن لؤی تھے' اس سے پہلے اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا۔ علامہ سہیلی نے الروض الانف میں لکھا ہے: ہر چند کہ حضرت کعب بن لؤی نے سب سے پہلے عروبہ کو جمعہ کا نام دیا ہے لیکن عروبہ کا یہ نام زمانۂ اسلام میں مشہور ہوا ہے۔ علامہ سہیلی لکھتے ہیں کہ حضرت کعب بن لوی اس دن لوگوں کو جمع کرتے اور ان کے سامنے تقریر کرتے جس میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت اور بعثت کے بارے میں خبر دیتے اور یہ بتلاتے کہ آپ ان کی اولاد میں سے مبعوث ہوں گے اور انہیں آپ کی اتباع اور آپ پر ایمان لانے کی نصیحت کرتے۔ حدیث میں ہے کہ پہلا جمعہ مدینہ منورہ میں پڑھا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کو جمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ نے خلقت آدم علیہ السلام کو جمع کیا۔ علامہ ثعلب نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس دن قریش دارالندوہ میں جمع ہوتے تھے اس لیے یہ دن جمعہ کہلایا۔ بہر حال اکثر علماء کا نظریہ یہی ہے کہ اس دن کو زمانۂ اسلام میں جمعہ کہا گیا۔ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ امام حاکم اور امام ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت اوس بن اوس بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے افضل دن جمعہ ہے' اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی دن فوت ہوئے' اسی دن صور پھونکا جائے گا' اسی دن قیامت ہوگی' اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پر درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ فوت ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد کا کھانا حرام کر دیا ہے اور امام احمد نے اپنی مسند میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس دن کا نام جمعہ کیوں رکھا گیا۔ آپ نے فرمایا: اس دن تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا خمیر تیار کیا گیا' اسی دن صور پھونکا جائے گا' اسی دن حشر ہوگا' اسی دن حساب ہوگا' اس دن کے آخر میں تین ساعات ہیں جن میں سے ایک ساعت وہ ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے جو دعا کرے قبول ہو جاتی ہے۔

جمعہ کے مسائل اور احکام

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: نماز جمعہ پڑھنا فرض قطعی ہے' اس کی فرضیت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے اور اس کی فرضیت کا انکار کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ. [سورۃ الجمعۃ:9]	جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو تم اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو (یعنی جلدی جاؤ)۔

اور سنن ابوداؤد میں حضرت طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ

نماز جمعہ پڑھنا واجب ہے ماسوا چار شخصوں کے: غلام' عورت' بچہ' مریض' اور سنن بیہقی میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بچہ' غلام اور مسافر کے سوا ہر شخص پر نماز جمعہ پڑھنا واجب ہے اور امام احمد بن حنبل نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے تین بار نماز جمعہ بغیر عذر (شرعی) کے ترک کر دی اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: نماز جمعہ کے وجوب کی شرائط یہ ہیں: آزاد ہونا' مرد ہونا' مقیم ہونا (یعنی مسافر نہ ہونا)' تندرست ہونا' آنکھوں اور ٹانگوں کا سلامت ہونا' شہر' جماعت' خطبہ' سلطان (عالم دین سلطان کا قائم مقام ہے)' جمعہ کا وقت اور اذن عام ہونا۔ [شرح صحیح مسلم ج ٢ ص ٦٢٢-٦٢١' مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار' لاہور]

١٣٩- اَبُوْحَنِيْفَةَ وَالْمَنْصُوْرُ وَ مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ كُلُّهُمْ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلٰى مَنْ اَتَى الْجُمُعَةَ.	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا اس شخص پر لازم ہے جو نماز جمعہ پڑھنے آئے۔

بخاری (٨٧٧) ابوداؤد (٣٤٠) ترمذی (٤٩٢) نسائی (١٣٧٧) ابن ماجہ (١٠٨٨)

حل لغات

"اَتٰى" یہ صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: آنا۔

جمعۃ المبارک کے دن غسل کرنے کا ثبوت

(١) اس حدیث کو امام احمد بن حنبل' شیخین (بخاری ومسلم) اور امام ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ ہیں: "اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ" (ترجمہ) جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ مرد پر واجب ہے۔

(٢) امام طبرانی اور امام ابونعیم نے الحلیۃ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ "اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سُنَّةٌ" جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے۔

(٣) امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "اَلْغُسْلُ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ سَبْعَةِ اَيَّامٍ شَعْرَهٗ وَ بَشَرَهٗ" ہفتہ میں ایک دن اپنے بالوں اور جسم کی صفائی کی خاطر ہر مسلمان پر غسل کرنا واجب ہے اور ایک روایت میں ہے: "مَنْ اَتَى يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ" جو شخص جمعہ کے دن نماز پڑھنے آئے اسے چاہیے کہ وہ غسل کرے۔ اس حدیث میں امر استحباب کے لیے ہے کیونکہ امام احمد' ابن خزیمہ اور ائمہ ثلاثہ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنْ اِغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ" جس نے جمعہ کے دن وضو کیا تو درست کیا اور اچھا کیا اور جس نے غسل بھی کیا تو غسل سب سے زیادہ فضیلت والا کام ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ١٩٢' مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ' بیروت]

جمعہ کے دن غسل کا حکم

بعض احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن غسل کا حکم دیا ہے اور بعض احادیث میں فرمایا: ہر بالغ مرد پر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ' امام شافعی' امام احمد بن حنبل اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا سنت مستحبہ ہے اور ان احادیث میں آپ کا حکم استحباب پر محمول ہے اور جس حدیث میں ہے: "اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ"

تو اس میں واجب ثابت اور متاکد کے معنی میں ہے' اس سے وجوب اصطلاحی مراد نہیں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس مسئلہ میں تین قول ہیں: واجب' سنت' مستحب۔ مدونہ میں یہی ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے اور اس کا ترک جائز نہیں لیکن اصحاب امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ یہ مستحب ہے

[شرح مسلم للنووی ج۱ ص۲۷۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' طبع ثانی ۱۳۷۵ھ]

امام مالک کا استدلال بعض احادیث کے ظاہری الفاظ سے ہے جن کی توجیہ ہم علامہ نووی سے نقل کر چکے ہیں۔ جمہور کا استدلال اس حدیث سے ہے:

من توضأ يوم الجمعة فيها و نعمت ومن اغتسل فالغسل افضل. [جامع ترمذی]

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کے دن صرف وضو کیا تو درست کیا اور یہ اچھی بات ہے اور جس شخص نے غسل (بھی) کیا تو اس میں زیادہ فضیلت ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

من توضأ فاحسن الوضوء ثم اتى الى الجمعة فاستمع وانصت غفرله ما بين الجمعة الى الجمعة وزيادة ثلاثة ايام. [سنن ابوداؤد ج۱ ص۱۵۰]

[شرح صحیح مسلم ج۲ ص۲۴۷۔۶۴۶' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا' پھر جمعہ کے لیے آیا اور خاموش بیٹھ کر (خطبہ) سنتا رہا اس کے لیے ایک جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک اور مزید تین دن کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

٤٣- بَابٌ جَلْسَةُ الْإِمَامِ عَلَى الْمِنبَرِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ سُنَّةٌ

خطبہ سے پہلے امام کا منبر پر بیٹھنا سنت ہے

١٤٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ جَلَسَ قَبْلَ الْخُطْبَةِ جَلْسَةً خَفِيْفَةً.

ابوداؤد(١٠٩٢)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو خطبہ سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاتے تھے۔

حل لغات

''صَعِدَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: چڑھنا' بلندی کی طرف چلنا۔ ''جَلْسَةً خَفِيْفَةً'' اس کا معنی ہے: تھوڑی دیر بیٹھنا۔ موصوف صفت مل کر جلس کا مفعول مطلق ہے۔

خطبہ پڑھنے کے چند احکام

جمعۃ المبارک کا خطبہ نماز جمعہ کے لیے شرط ہے۔ عیدین کے لیے سنت ہے' نکاح اور وعظ سے پہلے خطبہ پڑھنا بھی سنت ہے۔ مسنون یہ ہے کہ خطبہ جمعہ نماز سے کم ہو اور عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں اذان' تکبیر اور خطبہ پڑھنا بدعت قبیحہ ہے کیونکہ خلفائے راشدین نے فارس' روم اور حبشہ وغیرہ ایسے ممالک فتح کیے جہاں عربی زبان نہیں تھی لیکن کہیں ثابت نہیں کہ ان ملکوں میں یہ چیزیں غیر عربی میں پڑھی گئی ہوں۔ خطبہ سے مراد صرف وعظ و نصیحت نہیں تا کہ سامعین کا سمجھنا ضروری ہو بلکہ اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس

کی حمد و ثنا ہے جس کے لیے عربی زبان مناسب و موزوں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے خطبہ کو ذکر اللہ فرمایا ہے۔ وعظ نہیں کہا' رب تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ'' ''سو تم اللہ تعالیٰ کا ذکر (خطبہ) سننے کی طرف جلدی جاؤ'' لہٰذا سامعین کو وعظ و نصیحت خطبہ سے پہلے سنالو۔ خطبہ میں فارسی یا اردو وغیرہ داخل کر کے شعار اسلامی کو نہ بگاڑا جائے۔

[مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج۲ ص۳۴۱' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام دو خطبے پڑھا کرتے تھے اور جب آپ منبر پر چڑھتے تو تھوڑی دیر بیٹھ جاتے یہاں تک مؤذن اذان سے فارغ ہو جاتا' پھر آپ کھڑے ہوتے اور خطبہ پڑھتے' پھر آپ بیٹھ جاتے اور کوئی بات چیت نہ فرماتے' پھر آپ کھڑے ہوتے اور (دوسرا) خطبہ پڑھتے۔

[مشکوٰۃ ص۱۲۴' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

٤٤- بَابٌ خُطْبَةُ الْجُمُعَةِ قَائِمًا سَنَةٌ

جمعۃ المبارک کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا سنت ہے

١٤١- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ رَجُلًا حَدَّثَهُ اَنَّهُ سَاَلَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ عَنْ خُطْبَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ لَهُ اَمَا تَقْرَأُ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لَا اَعْلَمُ قَالَ فَقَرَاَ عَلَيْهِ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا. (الجمعہ:١١)

ابن ماجہ(١١٠٨)

حضرت ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی (یعنی حضرت علقمہ بن قیس) نے انہیں بتایا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ کے بارے میں دریافت کیا (آیا آپ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے)' سو انہوں نے فرمایا کہ کیا تم سورۃ الجمعہ نہیں پڑھتے؟ عرض کیا: کیوں نہیں! لیکن میں اس مسئلہ کو نہیں سمجھا۔ راوی نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسے یہ آیت پڑھ کر سنائی: ''وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا''۔ [الجمعہ:١١] اور جب وہ تجارت یا کسی کھیل کود یکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔

حل لغات

''حَدَّثَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: بیان کرنا' روایت کرنا' خبر دینا' گفتگو کرنا۔ ''اِنْفَضُّوْا'' صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب انفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: اٹھ کر بھاگ جانا۔

بیٹھ کر خطبہ پڑھنا بدعت ہے

(۱) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے' پھر بیٹھ جاتے' پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پس جو شخص تمہیں یہ خبر دے کہ آپ بیٹھ کر خطبہ پڑھتے تھے تو وہ جھوٹا ہے اس نے جھوٹ بولا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے دو ہزار نمازوں سے زیادہ نمازیں آپ کی اقتدا میں پڑھیں ہیں۔ [رواہ مسلم] ہر خطبہ کے لیے کھڑا ہونا سنت ہے خواہ وہ خطبہ جمعہ و عیدین ہو یا خطبہ وعظ و تقریر یا خطبہ نکاح ہو۔ جو شہر جہاد سے فتح ہوئے ہیں وہاں تلوار لے کر خطبہ پڑھے اور جو بہ خوشی مسلمان ہو گئے وہاں بغیر تلوار خطبہ پڑھے۔ (مرقات) دوسرے خطبہ کی آواز پہلے خطبہ سے کچھ کم ہو۔

[مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج۲ ص۳۴۶' مطبوعہ نعیمی کتاب خانہ' گجرات]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

تفسیر بغوی میں ہے کہ (۲) حضرت علقمہ بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے دریافت کیا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ کر خطبہ پڑھتے تھے یا کھڑے ہوکر پڑھتے تھے۔ حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ کیا تم یہ آیت "وتركوك قائما" نہیں پڑھتے (یعنی آپ کھڑے ہوکر خطبہ پڑھا کرتے)۔

(۳) امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعۃ المبارک کے دن دونوں خطبے کھڑے ہوکر پڑھتے تھے اور دونوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھتے تھے۔

(۴) علامہ ابن عساکر نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ جو شخص تمہیں یہ بیان کرے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھ کر خطبہ پڑھتے تھے تو وہ جھوٹا ہے اور اس نے جھوٹ بولا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کھڑے ہوکر خطبہ پڑھتے تھے، پھر بیٹھ جاتے' پھر کھڑے ہوکر دوسرا خطبہ پڑھتے۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۱۳۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

٤٥- بَابُ مَا يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ

جمعۃ المبارک کی نماز میں کیا پڑھنا چاہیے؟

١٤٢- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمٰعِيْلَ الْكُوْفِيِّ عَنْ يَعْقُوْبَ بْنِ يُوْسُفَ بْنِ زِيَادٍ عَنْ اَبِيْ جَنَادَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عن سَعِيْدِ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَاُ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ وَالْمُنَافِقِيْنَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعۃ المبارک کے دن سورۃ الجمعۃ اور سورۂ منافقون کی تلاوت کرتے تھے۔

مسلم (٢٠٢٦) ابوداؤد (١١٢٤) ترمذی (٥١٩) نسائی (١٤٢٢) ابن ماجہ (١١١٨) مسند احمد (ج ۲ ص ۴۲۹)

١٤٣- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ سَالِمٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ يَقْرَاُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَيَوْمِ الْجُمُعَةِ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ.

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدین میں اور جمعہ کے دن سورۃ "سبح اسم ربك الاعلى" اور سورۃ "هل اتاك حديث الغاشية" کی تلاوت کرتے تھے۔

مسلم (٢٠٢٨) ابوداؤد (١١٢٥) نسائی (١٤٢٣) ابن ماجہ (١١٢٠)

عیدین اور جمعہ میں تلاوت کی گئی سورتوں کا ذکر

(۱) امام مسلم نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام عیدین اور جمعہ کی نماز میں "سبح اسم ربك الاعلى" اور "هل اتاك حديث الغاشية" کی تلاوت کرتے تھے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(۲) حضرت عبیداللہ بن ابی رافع بیان کرتے ہیں کہ مروان بن حکم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ پر خلیفہ مقرر کر کے مکہ مکرمہ چلا گیا اور حضرت ابوہریرہ نے ہمیں جمعۃ المبارک کی نماز پڑھائی اور آپ نے پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ تلاوت فرمائی اور دوسری رکعت میں سورۃ "اذا جاءك المنافقون" کی تلاوت فرمائی' پھر فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جمعہ کی نماز میں ان دو سورتوں کو پڑھتے ہوئے سنا ہے اور اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ

حضرت عبیداللہ نے کہا کہ میں حضرت ابوہریرہ سے ملا اور عرض کیا کہ آپ نے جن دو سورتوں کی تلاوت کی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں نماز جمعہ میں انہیں دو سورتوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ [تنسیق النظام حاشیہ نمبر ۵' ص ۸۴]

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ حضرت نعمان بن بشیر نے یہ بھی بیان فرمایا کہ بعض اوقات عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاتے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں میں یہی دو سورتیں تلاوت کرتے۔ علامہ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ عیدین اور جمعۃ المبارک میں ان دونوں سورتوں کا پڑھنا مستحب ہے جبکہ دوسری حدیث میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید میں سورۂ ق اور سورۂ قمر کی تلاوت فرماتے اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی وقت جمعہ میں سورۃ الجمعۃ اور سورۃ المنافقین پڑھتے اور کسی وقت "سبح اسم ربك الاعلى" اور "هل اتاك حديث الغاشية" پڑھتے اور کسی وقت عید میں سورۂ ق اور سورۂ قمر پڑھتے اور کسی وقت "سبح اسم ربك الاعلى" اور "هل اتاك حديث الغاشية" پڑھتے۔ [بذل المجہود ج ۲ ص ۱۹۶' مطبوعہ مکتبہ قاسمیہ' ملتان]

٤٦- بَابٌ فِيْ فَضِيْلَةِ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ وَمَنْ مَّاتَ فِيْهَا

جمعہ کی رات اور اس میں مرنے والے کی فضیلت کا بیان

١٤٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ طَارِقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ لَيْلَةِ جُمُعَةٍ اِلَّا وَيَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰى خَلْقِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يَغْفِرُ اللّٰهُ لِمَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا.

مسند الحارثی (ص ۲۳۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جمعۃ المبارک کی کوئی رات ایسی نہیں آتی مگر اللہ تعالیٰ اس میں اپنی مخلوق کی طرف تین مرتبہ نظر رحمت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کی مغفرت و بخشش فرما دیتا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

١٤٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّاتَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وُقِيَ عَذَابَ الْقَبْرِ.

ترمذی (١٠٨٤)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان جمعۃ المبارک کے دن فوت ہو اس کو قبر کے عذاب سے بچا لیا جاتا ہے۔

حل لغات

"مامن ليلة جمعة الا" اس میں حرف ما نافیہ ہے اور حرف الا استثناء کے لیے ہے۔ اس سے مقصود کلام میں حصر پیدا کرنا ہے۔ "يَنْظُرُ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: دیکھنا۔ "يَغْفِرُ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بخش دینا۔ "مَاتَ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: مرنا' فوت ہونا' ختم ہونا۔ "وقي" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بچانا' حفاظت کرنا۔

جمعہ کے دن یا رات میں مرنے والے کی سعادت کا ذکر

امام ترمذی نے یہ حدیث بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

(۱) امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے:

ما من مسلم يموت يوم الجمعة او ليلة — جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ

الجمعة الاوقاه الله فتنة القبر. — اس کو قبر کے فتنے سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۲) حضرت عطاء بن ابی رباح مرسل مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں:

ما من مسلم اومسلمة يموت ليلة الجمعة اويوم الجمعة الاوقى عذاب القبر و فتنة القبر ولقى الله ولاحساب عليه وجاء يوم القيامة ومعه شهود يشهدون له انه طائع.

جو مسلمان مرد یا مسلمان عورت جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن فوت ہو جاتا ہے تو اسے قبر کے عذاب اور قبر کے فتنہ سے بچا لیا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس پر کوئی حساب و کتاب نہیں ہوتا اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے ساتھ گواہی دینے والے فرشتوں کی جماعت ہوگی جو اس کے حق میں گواہی دیں گے کہ یہ فرماں بردار بندہ ہے۔

(۳) امام ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے:

من مات يوم الجمعة وقى عذاب القبر: — جو شخص جمعہ کے دن فوت ہوتا ہے اسے قبر کے عذاب سے بچا لیا جاتا ہے۔

(۴) حضرت عکرمہ بن خالد سے مروی ہے:

من مات يوم الجمعة او ليلة الجمعة ختم له بخاتم الايمان وعذاب القبر. — جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہوتا ہے تو اس کے لیے ایمان کی مہر لگا دی جاتی ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے بیان کیا اور کہا: یہ حسن حدیث ہے۔

فائدہ: حکیم ترمذی نے کہا کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ اس دن متوفی اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجابات و پردے کھل جاتے ہیں کیونکہ اس دن دوزخ کی آگ کو بھڑکایا نہیں جاتا اور اس دن دوزخ کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں اور دوزخ کا داروغہ اس دن عذاب و سختی کا وہ عمل نہیں کرتا جو دوسرے دنوں میں کرتا ہے' سو اس لیے جب اللہ تعالیٰ اس دن جس بندے کی روح قبض کرتا ہے تو یہ اس کی سعادت اور حسن انجام کی دلیل ہوتی ہے۔ [تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۸۵' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

٤٧- بَابُ الرُّخْصَةِ لِخُرُوْجِ النِّسَآءِ فِي الْعِيْدَيْنِ اِلَى الْخَيْرِ وَدَعْوَةِ الْمُسْلِمِيْنَ

امور خیر اور اجتماعی دعا کے لیے عیدین میں عورتوں کو جانے کی اجازت ہے

١٤٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَمَّنْ سَمِعَ اُمَّ عَطِيَّةَ تَقُوْلُ رُخِّصَ لِلنِّسَاءِ فِي الْخُرُوْجِ اِلَى الْعِيْدَيْنِ حَتّٰى لَقَدْ كَانَتِ الْبِكْرَانِ تَخْرُجَانِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ حَتّٰى لَقَدْ كَانَتِ الْحَائِضُ تَخْرُجُ فَتَجْلِسُ فِيْ عُرْضِ النَّاسِ يَدْعُوْنَ وَلَا يُصَلِّيْنَ.

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ عورتوں کو عیدین میں جانے کی اجازت دی گئی ہے یہاں تک کہ دو لڑکیاں ایک چادر اوڑھ کر بھی چلی جاتی تھیں' حتیٰ کہ حیض والی عورتیں بھی جایا کرتی تھیں اور وہ لوگوں کے آخر میں ایک طرف کنارے پر بیٹھ جاتی تھیں اور وہ دعا (وعظ و نصیحت اور صدقات) میں شامل ہو جاتی تھیں لیکن نماز نہیں پڑھتی تھیں۔

١٤٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عِنْدَ عَبْدِالْكَرِيْمِ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ

قَالَتْ كَانَ يُرَخَّصُ لِلنِّسَاءِ فِي الْخُرُوْجِ اِلَى الْعِيْدَيْنِ مِنَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَتْ اِنْ كَانَ الطَّامِثُ لَتَخْرُجُ فَتَجْلِسُ فِيْ عُرْضِ النِّسَاءِ فَتَدْعُوْ فِي الْعِيْدَيْنِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَتْ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُخْرِجَ يَوْمَ النَّحْرِ وَ يَوْمَ الْفِطْرِ ذَوَاتِ الْخُدُوْرِ وَالْحُيَّضِ فَاَمَّا الْحُيَّضُ فَيَعْتَزِلْنَ الصَّلٰوةَ وَيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَتْ اِمْرَاَةٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا كَانَتْ اِحْدٰنَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسْهَا اُخْتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا.

بخاری (۹۸۱) مسلم (۲۰۵٦) ابوداؤد (۱۱۳٦) ترمذی (۵۳۹) نسائی (۱۵۵۹) ابن ماجہ (۱۳۰۷)

عورتوں کو جانے کی اجازت تھی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اگر حیض والی عورتیں ہوں تو وہ جائیں اور دوسری عورتوں سے ہٹ کر ایک طرف بیٹھ جائیں اور دونوں عیدوں کی دعاؤں میں شریک ہوں۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے' حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ عید قربان اور عید الفطر کے دن پردہ دار خواتین اور حیض والی خواتین سب کی سب عیدگاہ میں جایا کریں لیکن حیض والی عورتیں نماز سے الگ رہیں اور وہ صرف خیر و بھلائی کے دیگر کاموں (جیسے تحمید و تسبیح' تکبیر و تہلیل اور ذکر الٰہی) میں اور مسلمانوں کی اجتماعی دعا میں شریک ہوں' سو ایک عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر ہم میں سے کسی عورت کے پاس پہننے کے لیے چادر وغیرہ نہ ہو تو آپ نے فرمایا: اس کی بہن اسے اپنی چادر پہنا دے۔

حل لغات

''رُخِّصَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: رخصت دینا' اجازت دینا۔ ''اَلْبِكْرَانِ'' یہ بکر کی تثنیہ ہے' اس کا معنی ہے: کنواری لڑکی۔ ''عُرْضٌ'' عین مضموم کے ساتھ ہے' اس کا معنی ہے: کنارہ۔ ''يَدْعُوْنَ'' صیغہ جمع مؤنث غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: دعا کرنا۔ اللہ تعالیٰ کو پکارنا۔ ''اَلطَّامِثُ'' بمعنی الحائض ہے۔ ''ذَوَاتُ الْخُدُوْرِ'' کا معنی ہے: پردہ نشین عورتیں۔ ''اَلْحُيَّضُ'' حائض کی جمع مکسر ہے۔ ''يَعْتَزِلْنَ'' صیغہ جمع مؤنث غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: الگ رہنا' جدا رہنا۔ ''جِلْبَابٌ'' بڑی چادر جس سے پورا جسم چھپ جائے۔

عورتوں کو خیر و برکت کی محافل میں جانے کی اجازت

اس قسم کی احادیث کا مقصد و مطلب یہ ہے کہ تمام عورتوں کو عیدگاہ میں لایا جائے تاکہ جو نماز کے قابل ہیں وہ نماز پڑھ لیں اور جو نماز کے قابل نہ ہوں جیسے حیض والی عورتیں تو وہ مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہوں اور ان دعاؤں سے خیر و برکت' اجر و ثواب اور فائدہ حاصل کریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ و تبلیغ سے اپنے متعلق شرعی احکام معلوم کریں اور عید کی رونق بڑھائیں' کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں: ''وفيه ترغيب للناس في حضور الصلوات و مجالس الذكر ومقاربة الصلحاء لينالهم بركتهم'' اور اس اجازت و رخصت سے نمازوں میں اور ذکر الٰہی کی محافل اور صالحین کے قرب و خدمت میں حاضری دینے کی لوگوں کو ترغیب دی گئی ہے تاکہ وہ لوگ ان سے برکت حاصل کریں۔ البتہ عیدگاہوں میں بھی عورتیں انہیں شرائط کے ساتھ شریک ہوں جن کا ذکر اس سے پہلے باب ''خروج النساء الى المساجد'' میں بیان ہو چکی ہیں۔

٤٨- بَابُ عَدَمِ جَوَازِ الصَّلٰوةِ قَبْلَ الْعِيْدِ وَ بَعْدَهَا

نماز عید سے پہلے اور بعد میں کوئی نماز جائز نہیں

١٤٨- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ عَدِیٍّ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ یَوْمَ الْعِیْدِ اِلَی الْمُصَلّٰی فَلَمْ یُصَلِّ قَبْلَ الصَّلٰوۃِ وَلَا بَعْدَھَا شَیْئًا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عید کے دن عیدگاہ میں تشریف لے گئے تو آپ نہ تو نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ نماز عید کے بعد۔

بخاری(٩٨٩)مسلم(٢٠٥٧)ابوداؤد(١١٥٩)ترمذی(٥٣٨)نسائی(١٥٨٨)ابن ماجہ(١٢٩١)

حل لغات

''اَلْمُصَلّٰی'' اس کا لفظی معنی تو نمازگاہ ہے یعنی نماز پڑھنے کی جگہ لیکن یہاں اس سے عیدگاہ مراد ہے' جہاں نماز عید ادا کی جاتی ہے۔ ''لَمْ یُصَلِّ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل نفی جحد بلم باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: نماز پڑھنا یعنی عیدگاہ میں کوئی نفل نماز نہ پڑھے نہ نماز عید سے پہلے اور نہ بعد میں۔ قبل الصلوٰۃ میں الصلوٰۃ سے نماز عید مراد ہے۔

عیدگاہ میں نماز عید کے علاوہ نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ ہدایہ میں ہے کہ عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے کوئی نفل نماز نہ پڑھی جائے جبکہ عام مشائخ کا قول یہ ہے کہ عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے اور نماز عید کے بعد اور گھر میں صرف نماز عید سے پہلے نوافل نماز پڑھنا مکروہ تنزیہیہ ہے جیسا کہ کتب ستہ میں مذکور ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (مدینہ منورہ سے باہر عیدگاہ میں) لوگوں کو نماز عید پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے لیکن آپ نہ نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھتے اور نہ نماز عید کے بعد۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بیان کی ہے کہ وہ نماز عید پڑھنے کے لیے گھر سے عیدگاہ میں گئے اور وہاں نہ نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ نماز عید کے بعد کوئی نماز پڑھی اور انہوں نے ذکر کیا کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اسی طرح کیا۔ امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ کمال الدین ابن الہمام نے کہا کہ نماز عید کے بعد یہ نفی صرف عیدگاہ میں نفل نماز پڑھنے پر محمول ہے کیونکہ امام ابن ماجہ نے حضرت عطاء بن یسار کے واسطے سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوسعید الخدری نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نماز عید سے پہلے کوئی نماز نہ پڑھتے' پھر جب نماز عید کے بعد اپنے گھر لوٹتے تو گھر میں دو رکعت نماز نفل ادا فرماتے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی القاری ص ٨٨ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

٤٩- بَابُ وُجُوْبِ التَّقْصِیْرِ فِیْ صَلٰوۃِ السَّفَرِ

سفر کی نماز میں قصر کرنا واجب ہے

١٤٩- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْکَدِرِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ صَلَّیْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الظُّھْرَ اَرْبَعًا وَّالْعَصْرَ بِذِی الْحُلَیْفَۃِ رَکْعَتَیْنِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے (مدینہ منورہ میں) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ظہر چار رکعات ادا کی اور (سفر شروع کرنے کے بعد مدینہ منورہ سے روانہ ہوکر) ذوالحلیفہ میں عصر کی نماز قصر کر کے صرف دو رکعت نماز ادا کی۔

بخاری(١٠٨٩)مسلم(١٥٨٢)ابوداؤد(١٢٠٢)ترمذی(٥٤٦)نسائی(٤٧٠)

١٥٠- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِی السَّفَرِ رَکْعَتَیْنِ وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ لَا یَزِیْدُوْنَ عَلَیْہِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں (ظہر' عصر اور عشاء کی نمازیں قصر کر کے) دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی اس پر اضافہ نہیں کرتے تھے۔

بخاری(١١٠٢)ترمذی(٥٤٤)نسائی(١٤٤٠)ابن ماجہ(١٠٦٧)

١٥١- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ اَنَّہٗ اُتِیَ فَقِیْلَ صَلّٰی عُثْمَانُ بِمِنًی اَرْبَعًا فَقَالَ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَکْعَتَیْنِ وَمَعَ اَبِیْ بَکْرٍ رَکْعَتَیْنِ وَمَعَ عُمَرَ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ حَضَرَ الصَّلٰوۃَ مَعَ عُثْمَانَ فَصَلّٰی مَعَہٗ اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ فَقِیْلَ لَہٗ اِسْتَرْجَعْتَ وَقُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ صَلَّیْتَ اَرْبَعًا قَالَ الْخِلَافَۃُ ثُمَّ قَالَ: وَکَانَ اَوَّلُ مَنْ اَتَمَّھَا اَرْبَعًا بِمِنًی.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (حج کے موقع پر) منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھی ہے۔ حضرت عبداللہ نے یہ سن کر پڑھا: ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی ہے اور حضرت ابوبکر کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی ہے اور حضرت عمر کے ساتھ بھی دو رکعت نماز پڑھی ہے' پھر ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عثمان کے ساتھ تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا' سو آپ نے حضرت عثمان کی اقتداء میں ان کے ساتھ پوری چار رکعت نماز پڑھ لی تو آپ سے کہا گیا کہ اس سے پہلے تو آپ نے ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھا تھا اور آپ نے یہ بھی کہا وہ بھی کہا (کہ میں نے حضور اور ابوبکر اور عمر کی اقتداء میں قصر نماز پڑھی ہے)' پھر اب آپ نے چار رکعت نماز پڑھ لی ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ یہ خلافت و امامت کے ادب و رعایت کی وجہ سے ہوا (تاکہ امت میں بغاوت و سرکشی اور انتشار برپا نہ ہو)' پھر آپ نے فرمایا: حضرت عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے منیٰ میں چار رکعات نماز پڑھی ہے۔

بخاری(١٨٠٤)مسلم(١٥٩٦)ابوداؤد(١٩٦٠)

حل لغات

''لَا یَزِیْدُوْنَ'' صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف منفی باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: زیادہ کرنا' بڑھانا اور اضافہ کرنا۔ ''اِسْتَرْجَعْتَ'' یہ صیغہ واحد مذکر حاضر فعل ماضی معروف مثبت باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کی واپسی چاہنا' دی ہوئی چیز واپس لینا اور ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھنا۔

حالت سفر میں نماز قصر پڑھنے کی وضاحت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ ﷺ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ط [النساء:١٠١]

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم بعض نمازیں قصر سے پڑھو' اگر تمہیں خوف ہو کہ کفار تمہیں ایذا دیں گے۔

اس آیت میں سفر کی حالت میں بعض نمازوں کو قصر کے ساتھ پڑھنے کا تقاضا کیا گیا ہے اور قصر کا مطلب ہے: چار رکعت والی فرض نمازوں (ظہر' عصر اور عشاء) کو چار کی بجائے دو رکعت پڑھنا اور اس آیت کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ سفر میں قصر کر کے نماز پڑھنا صرف رخصت ہے اور مکمل نماز ادا کرنا عزیمت ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کیونکہ ''لا جناح'' تخفیف اور رخصت کے موقع پر استعمال ہوتا ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ نماز میں قصر کرنا عزیمت (واجب و لازمی عمل) ہے صرف رخصت نہیں ہے اور سفر میں مکمل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسلمانو! تمہارے نبی کریم ﷺ کی زبان پر سفر کی نماز بغیر کسی کمی کے دو رکعتیں مکمل نماز ہے۔ رہی یہ آیت مبارکہ (تو اس کا جواب یہ ہے کہ) صحابہ کرام کو یہ خیال پیدا ہوا کہ مکمل نماز کی صورت میں اجر و ثواب مکمل ملے گا (تو قصر نماز کی صورت میں اجر و ثواب کم ملے گا) جس سے ان کو اندیشہ لاحق ہوا کہ نماز قصر میں ان کو نقصان ہوگا' سو اللہ تعالیٰ نے ''لا جناح'' فرما ان کے دلوں کو اطمینان دلا دیا کہ نماز قصر میں کوئی گناہ نہیں ہے (بلکہ یہ بھی اطاعت ہے جس پر اجر و ثواب کم نہیں پورا ملے گا) اور اس پر وہ مطمئن ہو گئے۔[(۱) تفسیر مدارک التنزیل ج ۱ ص ۴۲۱' حاشیۃ علی تفسیر الخازن' مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ' بمصر (۲) تفسیر مدارک التنزیل ج ۱ ص ۲۷۸' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ' کراچی]

نیز اس آیت کا ظاہر واجب کرتا ہے کہ نماز قصر صرف خوف کفار کی صورت میں ہوگی حالانکہ حقیقت حال اس طرح نہیں کیونکہ خوف کفار کا ذکر اصل میں حقیقت حال کو واضح کرنے کے لیے ہے اس لیے کہ جس زمانہ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اکثر و بیشتر سفر کفار کے خوف سے خالی نہیں ہوتے تھے ورنہ بہ وقت سفر امن و خوف دونوں حالتوں میں نماز کو قصر کر کے چار کی بجائے دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔

[تفسیر معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی ج ۱ ص ۴۷۱' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر ضیاء القرآن ج ۱ ص ۳۸۲' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور]

چنانچہ علامہ نسفی لکھتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک خوف کفار شرط نہیں ہے کیونکہ حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم نماز میں قصر کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ اب ہم امن میں ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے بھی تعجب ہوا تھا جس طرح تمہیں تعجب ہوا ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ صدقہ (یعنی انعام) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ کیا ہے' سو تم اس کے صدقہ کو قبول کرو۔[صحیح مسلم کتاب المسافرین حدیث ۴' سنن ابوداؤد کتاب السفر باب ۱' سنن ترمذی کتاب تفسیر سورۃ النساء باب ۲۰' سنن نسائی کتاب الخوف باب نمبر ۱' سنن ابن ماجہ کتاب الاقامۃ باب ۷۳] اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سفر میں پوری نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ ایسا صدقہ جو ملکیت کا احتمال نہ رکھتا ہو اسقاط محض ہوتا ہے وہ رد کرنے کا احتمال نہیں رکھتا اگرچہ صدقہ کرنے والا ان میں سے ہو جن کی اطاعت لازمی نہ ہو جیسے قصاص کا وارث جب وہ قصاص معاف کر دے۔ سو جس ہستی کی اطاعت لازم ہے اس کا صدقہ قبول کرنا اور رد نہ کرنا بطریق اولیٰ لازمی ہوگا اور اس لیے بھی کہ اس آیت کے نزول کے وقت صحابہ کرام کا حال اس طرح کا تھا کہ انہیں ہر طرف سے خوف کفار گھیرے رہتا تھا (لہٰذا خوف کفار کی قید اتفاقی ہے قصر کے لیے شرط نہیں)' سو یہ آیت اس وقت کے حال کے موافق نازل ہوئی ہے۔

[تفسیر مدارک التنزیل ج ۱ ص ۴۲۱' مطبوعہ دار الکتاب العربیۃ الکبریٰ' بمصر' حاشیۃ علی تفسیر الخازن]

مدت سفر: جس سفر میں نماز کو قصر کیا جاتا ہے اس کی ادنیٰ مدت تین رات دن کی مسافت ہے جو اونٹ یا پیدل کی متوسط رفتار سے طے کی جاتی ہو اور اس کی مقدار خشکی' دریا اور پہاڑوں میں مختلف ہو جاتی ہے' لہٰذا جو مسافت متوسط رفتار سے چلنے والے تین روز میں طے کرتے ہوں وہ مدت سفر شمار ہوگی اور اس سفر میں قصر ہوگا۔ مسئلہ: مسافر کی جلدی اور دیر کا اعتبار نہیں خواہ وہ تین روز کی مسافت

تین گھنٹہ میں طے کر لے جب بھی قصر ہوگا اور اگر ایک روز کی مسافت تین روز سے زیادہ میں طے کرے تو قصر نہ ہوگا اعتبار مسافت کا ہے۔[تفسیر خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص ۱۷۱' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور]

اکثر فقہائے کرام نے میدانی علاقہ کے لیے چھتیس کوس یا چون میل مقرر فرمائی ہے جو (۹۸.۷۳۴) کلومیٹر کے برابر ہے۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ عید قربان کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہیں اور جمعۃ المبارک کی نماز دو رکعتیں ہیں' یہ نمازیں رسول اللہ ﷺ کی زبان پر بغیر کسی نقصان کے مکمل ہیں۔ [رواہ النسائی وابن ماجہ]

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کریم ﷺ پر حضر (گھر) میں چار رکعت نماز اور سفر میں دو رکعت نماز اور خوف میں ایک رکعت نماز فرض فرمائی ہے۔[رواہ مسلم]

(۳) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پہلے دو رکعتیں نماز فرض کی گئی تھی' پھر سفر کی نماز اسی حال پر برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا (ظہر' عصر اور عشاء میں چار اور مغرب میں تین رکعت کر دی گئی)۔(متفق علیہ)

(۴) صحیح بخاری کے الفاظ اس طرح ہیں کہ پہلے دو دو رکعتیں نماز فرض کی گئی تھی' پھر جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے تو چار رکعت نماز فرض کر دی گئی اور سفر کی نماز کو پہلی حالت پر چھوڑ دیا گیا۔(بخاری)

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ حدیث میں ہے کہ میں سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا' سو آپ نے دو رکعت نماز سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض فرما لی اور میں حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہا ہوں لیکن ان میں سے کسی نے دو رکعت نماز سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو قبض فرما لیا۔[متفق علیہ]

(۶) اور صحیحین میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت کے ابتدائی زمانہ میں منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی' پھر حضرت عثمان نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھی' چنانچہ امام احمد بن حنبل نے ایک روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھی تو لوگوں نے اس پر اعتراض کیا' سو حضرت عثمان نے فرمایا: اے لوگو! میں جب سے مکہ مکرمہ میں آیا ہوں' تب سے شادی کر چکا ہوں اور میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے' آپ نے فرمایا: ''مَنْ تَاَهَّلَ فِيْ بَلَدٍ فَلْيُصَلِّ صَلٰوةَ الْمُقِيْمِ'' جو شخص کسی شہر میں شادی کر لے تو وہ مقیم کی طرح پوری نماز پڑھے۔ یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سفر میں نماز قصر واجب ہے پوری نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اگر پوری نماز پڑھنا جائز ہوتا تو لوگ حضرت عثمان کے پوری نماز پڑھنے پر اعتراض نہ کرتے اور اس کے جواب میں حضرت عثمان مکہ میں شادی کا عذر پیش نہ کرتے۔[تفسیر مظہری ج ۲ ص ۲۱۳' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی]

۵۰- بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى الرَّاحِلَةِ
سواری پر نماز پڑھنے کا بیان

۱۵۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ مُّجَاهِدٍ اَنَّهٗ صَحِبَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ مِنْ مَّكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَصَلّٰى ابْنُ عُمَرَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ قَبْلَ الْمَدِيْنَةِ يُوْمِيْ

حضرت مجاہد نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف جانے کے لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر کیا' سو اس سفر کے دوران حضرت ابن عمر فرض نمازوں اور وتر نماز کے

إِيْمَاءً إِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ وَالْوِتْرَ فَإِنَّهُ كَانَ يَنْزِلُ لَهُمَا عَنْ دَابَّتِهٖ قَالَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ صَلَاتِهٖ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ وَوَجْهُهُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لِيْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ تَطَوُّعًا حَيْثُ كَانَ وَجْهُهُ يُوْمِيْ إِيْمَاءً.

بخاری(١٠٩٨) مسلم(١٦٢١) ابوداؤد(١٢٢٤) نسائی(٤٩١-٤٩٢)

علاوہ دیگر نفلی نمازیں سواری پر بیٹھ کر اور مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے اشارے سے پڑھتے رہے جبکہ فرض نمازوں اور وتر کے لیے آپ سواری سے زمین پر اتر جاتے تھے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ میں نے آپ سے (کعبہ معظمہ کی بجائے) مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے سواری پر نوافل پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نفل نماز سواری پر بیٹھ کر اشارے سے پڑھ لیتے تھے خواہ سواری کا رخ کسی طرف بھی ہوتا۔

حل لغات

''صَحِبَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے'اس کا معنی ہے: ساتھی' دوست' ہم نشین' ہم رکاب' ہمراہ۔ ''تَطَوُّعًا'' نفل نماز۔ ''یُوْمِیْ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افعال سے ہے'اس کا معنی ہے: اشارہ کرنا' اشارے سے نماز پڑھنا۔

عذر کی وجہ سے سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے

اس حدیث سے تین احکام ثابت ہو رہے ہیں:

پہلا حکم: سواری پر نماز کا جواز صرف نوافل کے ساتھ مخصوص ہے اور نوافل سے فرائض اور واجب کے علاوہ تمام نمازیں مراد ہیں اس میں سنن مؤکدہ وغیرہ اور نماز تہجد وغیرہ سب شامل ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فجر کی سنت سواری سے اتر کر زمین پر پڑھنا مستحب ہے کیونکہ تمام سنن سے زیادہ اس کی تاکید کی گئی ہے جبکہ امام صاحب کی دوسری روایت میں سواری سے اتر کر زمین پر فجر کی سنتیں پڑھنا واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بغیر عذر کے صبح کی سنتیں بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے' باقی رہے فرائض (اور وتر) تو وہ بغیر عذر سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہیں اور اعذار کی مثال یہ ہے کہ آدمی جنگل میں ہو اور سواری سے اتر کر نماز پڑھنے پر درندہ سے جان کی ہلاکت کا خوف ہو یا چور کی چوری کی وجہ سے مال کے ضائع ہونے کا خوف ہو یا قافلہ سے بچھڑنے یا راستہ بھولنے کا خوف ہو یا سواری سرکش ہو کہ اترنے کے بعد دوبارہ سوار ہونا ممکن نہ ہو یا سوار نمازی عمر رسیدہ بوڑھا اور ایسا کمزور ہو کہ اترنے کے بعد اس کے لیے سوار ہونا ممکن نہ ہو اور کوئی سوار کرانے والا مددگار نہ ہو یا اس جگہ کیچڑ وغیرہ ہو جس پر نماز ناممکن ہو تو فرائض وغیرہ بھی ان اعذار کی وجہ سے سواری پر پڑھ سکتے ہیں اور اگر بارش ہو رہی ہو تو پھر اترنے کی بجائے سواری پر فرض نماز پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ ضروریات قواعد شرع سے مستثنیٰ ہوتی ہیں جیسا کہ ہدایہ کی شروحات میں مذکور ہے اور سفر السعادۃ میں فرمایا کہ مستقیم الاسناد (صحیح سند) کی حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ایک گھاٹی میں پہنچے اور آپ اس وقت اپنی سواری پر سوار تھے اوپر سے بارش شروع ہو گئی اور نیچے کیچڑ ہو گیا' اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا' سو مؤذن نے اذان دی اور اقامت کہی' پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سواری پر سوار ہو کر آگے بڑھے اور صحابہ کرام کو نماز باجماعت پڑھائی اور آپ اشارہ کے ساتھ نماز پڑھاتے رہے جس میں آپ سجدہ کے لیے رکوع سے زیادہ جھکتے تھے اور امام محمد نے مؤطا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ اور تابعین سے احادیث کثیر نقل کی ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام سواری سے اتر کر وتر زمین پر پڑھتے تھے اور حضرت مجاہد سے بھی یہی مروی ہے کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف دوران سفر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رفیق سفر رہا اور آپ فرائض اور وتر کے علاوہ تمام نفل نمازیں سواری پر پڑھتے رہے جبکہ سواری کا رخ مدینہ منورہ کی طرف ہوتا تھا اور آپ رکوع اور سجود کے لیے اشارہ کرتے تھے اور سجدہ کے لیے رکوع سے زیادہ جھکتے تھے اور فرائض اور وتر کی نمازیں سواری سے اتر کر زمین پر پڑھتے تھے' سو میں نے اس کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔ علامہ شمنی نے کہا کہ نماز جنازہ اور نذر کی نمازیں اور وہ سجدہ تلاوت جس کو زمین پر تلاوت کیا گیا ہو سواری پر پڑھنا جائز نہیں۔

دوسرا حکم: سواری پر نماز کا جواز سفر کے ساتھ مشروط ہے اور جمہور کا یہی مسلک ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے کیونکہ سواری پر نماز کا جواز ضرورت کے تحت ہے کہ آدمی اپنے قافلہ سے دور نہ رہ جائے اور قافلہ حالت سفر کے ساتھ مخصوص ہے اور امام ابوحنیفہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ نمازی کا شہر سے باہر ہونا سواری پر نماز پڑھنے کے لیے شرط ہے خواہ وہ مسافر ہو یا مسافر نہ ہو کیونکہ بعض اوقات سفر کے بغیر بھی ضروریات متحقق ہو جاتی ہیں' سو اگر مطلق کو مقید پر محمول نہ کیا جائے جیسا کہ ہمارا مذہب ہے تو سفر کی قید خود بخود ختم ہو جائے گی۔ پھر شہر کے اندر مسافر کے لیے سواری پر نماز پڑھنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں جبکہ امام محمد نے فرمایا: جائز ہے مگر مکروہ ہے اور امام ابویوسف نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں دراز گوش پر سوار ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ لگام پکڑ کر آگے چل رہے تھے جبکہ سواری پر سوار ہونے کی حالت میں آپ نوافل ادا فرما رہے تھے۔ شرح ہدایہ میں اسی طرح مذکور ہے' پھر سواری پر نفل نماز کے جواز کے لیے شہر سے باہر مسافت کی مقدار میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک دو فرسخ ہے اور بعض کے نزدیک تین فرسخ ہیں اور بعض کے نزدیک ایک میل ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ شہر کے مکانات عبور کر جائے تو سواری پر نفل نماز جائز ہو جائے گی۔ جیسا کہ مسافر کے لیے نماز قصر کے جواز میں شہر کی آبادی سے نکل جانا کافی ہے۔ [لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۴ ص ۱۴۳' مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیۃ' لاہور' اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۶۳ - ۵۶۲' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

تیسرا حکم: فرض نمازیں اور وتر کی نماز سواری پر پڑھنا جائز نہیں جیسا کہ حضرت مجاہد کی روایت کردہ حدیث ابن عمر سے ثابت ہوا لیکن شیخین (امام بخاری' امام مسلم) کی متفق علیہ حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سواری پر وتر نماز پڑھ لیتے تھے جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر نے عذر کی بنا پر وتر کی نماز سواری پر پڑھی تھی اور یہ جائز ہے کیونکہ تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ بارش اور کیچڑ وغیرہ عذر کی بنا پر فرض نماز بھی سواری پر پڑھنا جائز ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ عمل اس وقت تھا جب وتر واجب نہیں ہوئے تھے صرف سنت تھے لیکن اب چونکہ وتر واجب ثابت ہو چکے ہیں اس لیے اب سواری پر نہیں پڑھے جا سکتے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۸۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۲۲۲' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

٥١- بَابُ الْحَثِّ عَلَى الْوِتْرِ

نماز وتر کی ترغیب کا بیان

١٥٣- أَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ أَبِيْ يَعْفُوْرِ الْعَبْدِيِّ عَمَّنْ حَدَّثَهٗ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ زَادَكُمْ صَلٰوةً وَّهُوَ الْوِتْرُ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ إِنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْكُمْ وَزَادَكُمْ الْوِتْرَ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ إِنَّ اللّٰهَ زَادَكُمْ صَلٰوةَ الْوِتْرِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے (پنجگانہ فرض نمازوں کے علاوہ) تمہیں ایک زائد نماز عطا فرمائی ہے اور وہ وتر کی نماز ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر (پانچ نمازیں) فرض فرمائی ہیں اور اس نے تمہیں وتر کی نماز زیادہ عطا کی ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وتر کی نماز یقیناً

زیادہ عطا کی ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ إِنَّ اللّٰهَ زَادَكُمْ صَلٰوةً وَّهِيَ الْوِتْرُ فَحَافِظُوْا عَلَيْهَا.

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک اضافی نماز عطا کی ہے اور وہ وتر کی نماز ہے' سوتم اس کی خوب حفاظت کیا کرو۔

ابوداؤد(١٤١٨)ترمذی(٤٥٢)ابن ماجہ(١١٦٨)

١٥٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ اسحاق عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ قَالَ سَاَلْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ الْوِتْرِ اَحَقٌّ هُوَ قَالَ اَمَّا كَحَقِّ الصَّلٰوةِ فَلَا وَلٰكِنْ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يَّتْرُكَهٗ.

حضرت عاصم بن ضمرہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نماز وتر کے بارے میں سوال کیا کہ کیا وتر حق (واجب) ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ فرض نماز کی طرح نہیں ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت (سے ثابت) ہیں' سو اس لیے اس کو ترک کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔

ترمذی(٤٥٤)نسائی(١٦٧٧)ابن ماجہ(١١٦٩)

حل لغات

''زَادَكُمْ'' زاد صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: زیادہ ہونا' زائد ہونا' بڑھ جانا۔ ''كُمْ'' ضمیر جمع مذکر مخاطب مفعول بہ ہے۔ ''حَافِظُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: حفاظت کرنا' پابندی کرنا' خیال رکھنا' یاد رکھنا۔

نماز وتر کے وجوب کا ثبوت

اس حدیث میں فرمایا: ''ان اللّٰہ زاد کم صلاۃ وھی الوتر '' یعنی اللہ تعالیٰ نے پانچ فرض نمازوں کے علاوہ ایک زائد نماز تمہیں عطا کی ہے اور وہ وتر ہیں اور چونکہ زائد مزید علیہ کی جنس سے ہوتا ہے اس لیے اس اعتبار سے وتر پنجگانہ نمازوں کی طرح فرض ہونے چاہئے تھے لیکن چونکہ وتر کا ثبوت ظنی دلیل سے ہے اس لیے ہمارے امام اعظم نے فرمایا کہ وتر واجب ہیں یعنی اعتقاد کے اعتبار سے واجب ہیں اور عمل کے اعتبار سے فرض ہیں کہ فرض کی طرح اس کی ادا و قضا لازم ہے اور بعض علمائے اسلام نے فرمایا کہ قرآن مجید میں صلاۃ وسطیٰ سے وتر مراد ہیں کیونکہ حدیث میں وتر کے لیے ''حافظوا علیھا'' کہ نماز وتر کی خوب حفاظت کرو فرمایا' جبکہ قرآن مجید میں ''حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى'' فرمایا۔

ان اللّٰہ امر کم بصلاۃ ھی خیر من حمر النعم وھی الوتر فجعلھا لکم مابین العشاء الی طلوع الفجر.

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ایسی نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے جو (سب سے زیادہ قیمتی) سرخ اونٹوں سے بہت بہتر ہے اور وہ وتر کی نماز ہے' سو اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے عشاء سے لے کر فجر کے طلوع ہونے تک مقرر کیا ہے۔

امام حاکم نے کہا: یہ صحیح حدیث ہے۔

(٢) امام ابوداؤد نے عبداللہ بن بریدہ سے روایت بیان کی ہے کہ ان کے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا:

الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منی.

وتر واجب ہیں' سو جو شخص وتر نہیں پڑھتا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

(ابوداؤد میں ''فلیس منا'' ہے)۔

(٣) امام حاکم اور امام بزار نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''الوتر واجب علی کل مسلم'' نماز وتر ہر مسلمان پر واجب ہے۔ امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

[انتخاب از شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ٥٤٥-٥٤٣]

(٤) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''الوتر حق او واجب'' یعنی نماز وتر برحق اور لازم ہے یا پھر واجب ہے۔

(٥) حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ھو واجب'' وہ (نماز وتر) واجب ہے۔

(٦) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''من لم یوتر فلیس منا'' جو شخص وتر کی نماز نہیں پڑھتا پس وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(٧) حضرت عبداللہ اپنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا'' نماز وتر ثابت اور واجب ہے' سو جو شخص وتر نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

[ماخوذ از مصنف ابن ابی شیبہ ج ٢ ص ١٩٧' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

٥٢- بَابُ الْقِرَاءَةِ فِيْ ثَلَاثِ رَكْعَاتِ الْوِتْرِ

نماز وتر کی تینوں رکعات میں قراءت کا بیان

١٥٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ يَقْرَاُ فِي الْاُوْلٰى سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے' آپ پہلی رکعت میں ''سبح اسم ربك الاعلٰی'' پڑھتے اور دوسری رکعت میں ''قل یا ایھا الکافرون'' پڑھتے اور تیسری رکعت میں ''قل ھو اللہ احد'' پڑھتے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى مِنَ الْوِتْرِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ وَقُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ.

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی پہلی رکعت ام الکتاب (سورۂ فاتحہ) پڑھتے اور (اس کے بعد) ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى'' اور دوسری رکعت میں ام القرآن (سورۂ فاتحہ) اور اس کے بعد ''قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ'' پڑھتے اور تیسری رکعت میں ام الکتاب اور ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھتے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے۔

ابوداؤد(١٤٢٣-١٤٢٤)ترمذی(٤٦٣)نسائی(١٧٠٠)ابن ماجہ(١١٧٣)

١٥٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ زُبَيْدِ بْنِ الْحَارِثِ الْيَامِيِّ عَنْ اَبِيْ عُمَرَ عن عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ فِيْ وِتْرِهٖ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی نماز میں (پہلی رکعت میں) ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى'' اور دوسری رکعت میں ''قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ'' اور تیسری رکعت میں

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَقُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ فِي الثَّانِيَةِ وقُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ فِي الثَّالِثَةِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَقْرَاُ فِي الْوِتْرِ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَ فِي الثَّانِيَةِ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَعْنِيْ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ فَهٰكَذَا فِيْ قِرَاءَةِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَفِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ. وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ كَانَ يَقْرَاُ فِي الْوِتْرِ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ وَّفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلٰثِ رَكَعَاتٍ يَقْرَاُ فِيْهَا سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَقُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَقُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ.

''قل هو الله احد'' پڑھا کرتے تھے۔اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى'' اور دوسری رکعت میں ''قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ'' حضرت ابن مسعود کی قراءت میں اسی طرح ہے اور تیسری رکعت میں ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھتے تھے۔اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى'' اور دوسری رکعت میں ''قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ'' اور تیسری رکعت میں ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھا کرتے تھے۔اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے جس میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى'' اور ''قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ'' اور ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھتے۔

ابوداؤد (١٤٢٣-١٤٢٤) ترمذی (٤٦٣) نسائی (١٧٠٠) ابن ماجہ (١١٧٣)

نماز وتر کی تین رکعات اور مستحب قراءت کا ثبوت

معلوم ہونا چاہیے کہ ان احادیث میں دو مسائل قابل غور ہیں۔ایک یہ کہ تین رکعت وتر میں کون کون سی سورتیں پڑھنی چاہئیں۔ دوسرا یہ کہ وتر کی رکعات کتنی ہیں اور کس طرح پڑھنی ہیں۔ جہاں تک سورتوں کے پڑھنے کا مسئلہ ہے تو وہ یہ ہے کہ ان احادیث میں مذکورہ سورتوں کو پڑھنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا معمول اکثر انہیں تین سورتوں کو پڑھنے کا تھا لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان سورتوں کے علاوہ دیگر سورتوں کو پڑھنا جائز ہی نہیں کیونکہ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ سورت فاتحہ کے بعد مطلقاً سورتوں کا ملانا اور پڑھنا واجب ہے جبکہ ان مذکورہ سورتوں کا ملانا اور پڑھنا مستحب ہے۔[شرح مسند امام اعظم ص ٤٩ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وتر کی رکعات کتنی ہیں اور کس طرح پڑھنی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں جبکہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک وتر کی نماز ایک رکعت ہے اور وہ اس طرح کہ دو رکعت پر سلام پھیر کر ایک رکعت نماز الگ پڑھی جائے۔اس کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے کہ علامہ ملا علی قاری نے فرمایا: ایک رکعت کے نماز ہونے پر کوئی صحیح یا ضعیف حدیث موجود نہیں ہے بلکہ بتیراء (ایک رکعت نماز) کے بارے میں نہی وارد ہے۔اگرچہ وہ مرسل حدیث ہے لیکن مرسل حدیث جمہور کے نزدیک حجت ہے' چنانچہ علامہ زیلعی نے نصب الرایۃ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بتیراء سے منع فرمایا ہے اور بتیراء یہ ہے کہ کوئی آدمی ایک رکعت پڑھ کر اسے وتر قرار دے دے۔امام محمد بن حسن شیبانی نے اپنی مؤطا میں روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ایک رکعت نماز کو کافی نہیں سمجھتا۔امام طبرانی نے اپنی معجم میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود کو جب یہ خبر پہنچی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا: میں فقط ایک رکعت نماز کو جائز قرار نہیں دیتا۔علامہ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ یہ موقوف روایت مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔نیز اصحاب شافعی ایک رکعت نماز کو مکروہ قرار دیتے ہیں' سو اگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل اور عمل سے ایک رکعت نماز ثابت ہوتی

تو پھر اسے مکروہ قرار دینا کسی کے لیے جائز نہیں خصوصاً شافعی قاعدہ کے مطابق کیونکہ ان کے نزدیک مکروہ وہ ہوتا ہے جس کے بارے میں نہی وارد ہو' لہٰذا امام شافعی کے اصحاب کا ایک رکعت نماز کو مکروہ قرار دینا اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ بتیراء (ایک رکعت نماز) کے بارے میں وارد نہی صحیح ہے۔[ماخوذ از بذل المجہود ج ٢ ص ٣٢٤ 'مطبوعہ مکتبہ قاسمیہ' ملتان]

دوسری بات یہ ہے کہ تین رکعات وتر کے بارے میں احادیث کثیرہ صحیحہ وارد ہیں اس لیے ترجیح اسی کو حاصل ہے۔مسند امام اعظم کی روایت کردہ احادیث کے علاوہ یہاں مزید چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(١) اس باب کی پہلی حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔اس کو امام اعظم کے علاوہ ابوداؤد' ترمذی' نسائی' امام احمد' ابن ماجہ اور ابن حبان نے صحابہ کرام کی پوری ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب وتر کی نماز پڑھتے تو تین رکعت وتر پڑھتے' سو پہلی رکعت میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى'' اور دوسری رکعت میں ''قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ'' اور تیسری رکعت میں ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھتے تھے۔

(٢) نسائی اور ابن السنی دونوں نے حضرت عبد الرحمٰن بن ابزیٰ سے روایت کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ان رسول الله ﷺ کان یوتر بثلاث ولا یسلم الا فی آخرهن.

بے شک رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور ان کے آخر میں سلام پھیرتے تھے۔

اور امام حاکم نے اس حدیث کو روایت کیا اور کہا کہ یہ بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے۔

(٣) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یوتر بثلاث ولا یسلم فی رکعتی الوتر.

رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے اور وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

اس کو نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور عثمان نے کہا ہے کہ یہ روایت بھی بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

(٤) ابن ماجہ اور نسائی کی روایت میں ہے:

انه علیه الصلوٰة والسلام کان یوتر بثلاث ویقنت قبل الرکوع.

بے شک نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام وتر کی تین رکعت پڑھتے تھے اور دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ٥٠ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

(٥) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

(٦) حضرت ابوعمر زاذان سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہی کرتے تھے۔

(٧) حضرت ابوغالب فرماتے ہیں: ''کان ابو امامة یوتر بثلاث رکعات'' کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

(٨) حضرت جابر بن زید فرماتے ہیں: وتر تین رکعت ہیں۔

(٩) حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ وتر تین رکعت ہیں:

(١٠) حضرت مکحول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ ''انه اوتر بثلاث رکعات لم یفصل بینهن بسلام'' یعنی حضرت عمر تین رکعت وتر پڑھتے' ان کے درمیان سلام کے ساتھ فاصلہ نہیں کرتے تھے۔

(١١) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ:

اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی آخرهن.

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ وتر تین رکعت ہیں۔ ان کے آخر میں سلام پھیرا جائے گا۔

(۱۲) حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور وتر میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

(۱۳) حضرت مکحول تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۱۴) حضرت سعید بن میبب وتر میں دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۱۵) حضرت علی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کے اصحاب وتر میں دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۱۶) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ وتر میں دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۱۷) حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے آخر میں تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

[مذکورہ بالا احادیث پانچ نمبر سے آخر تک ماخوذ ہیں مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۹۵۔ ۱۹۴ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

٥٣- بَابُ لَا فَصْلَ فِي الْوِتْرِ بِسَلَامٍ

وتر کی نماز میں سلام کے ساتھ فاصلہ نہیں

١٥٧- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا فَصْلَ فِي الْوِتْرِ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وتر کی نماز میں (دو رکعت پر سلام کے ساتھ) فاصلہ نہیں ہے۔

نسائی (۱۷۱۵) ابن ماجہ (۱۱۹۲) طحاوی (۱٦٨٨) الکبیر للطبرانی (ج ۲۳ ص ۲۷۸)

نماز وتر کے آخر میں سلام مسنون ہے

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ امام حاکم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ آپ فرماتی ہیں:

(۱) کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یوتر بثلاث لا یسلم الا فی آخرهن.

رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے صرف ان کے آخر میں سلام پھیرتے۔

(۲) امام نسائی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

کان النبی صلی اللہ علیه وسلم لا یسلم فی رکعتی الوتر.

نبی کریم ﷺ وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۳) امام ابن ابی شیبہ (امام بخاری کے استاد) اپنی سند کے ساتھ حضرت حسن بصری سے نقل کرتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعت ہیں صرف ان کے آخر میں سلام پھیرا جائے گا۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۵۱۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

(۴) حضرت مکحول حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں:

انه وتر بثلاث رکعات لم یفصل بینهن بسلام. [رقم الحدیث: ۱۴]

بے شک حضرت عمر نے تین رکعات وتر پڑھے ان کے درمیان سلام کے ساتھ فاصلہ نہیں کیا۔

(۵) حضرت حسن بصری سے مروی ہے:

اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلاث لا

تمام مسلمانوں نے اس بات پر اجماع اور اتفاق کیا ہے کہ وتر تین

یسلم الا فی آخرهن. [رقم الحدیث: ۱۷]

رکعات ہیں صرف ان کے آخر میں سلام پھیرا جاتا ہے۔

(۶) حضرت مکحول سے مروی ہے کہ آپ تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ (رقم الحدیث: ۱۹)

(۷) حضرت سعید بن میبب نے فرمایا:

لا یسلم فی الرکعتین من الوتر. (رقم الحدیث: ۲۰)

یعنی وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرا جائے گا۔

(۸) انه اوتر بثلاث لم یسلم الا فی آخرهن. (رقم الحدیث: ۲۳)

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے تین رکعات وتر پڑھے صرف ان کے آخر میں سلام پھیرا۔

(۹) حضرت ابو اسحاق نے بیان فرمایا:

کان اصحاب علی واصحاب عبد اللہ لا یسلمون فی رکعتی الوتر. (رقم الحدیث: ۲۴)

یعنی حضرت علی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۱۰) حضرت سعید بن ہشام اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا یسلم فی رکعتی الوتر. (رقم الحدیث ۲۵)

رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

[مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۹۴۔ ۱۹۵ باب (۱۲۴) من کان یوتر بثلاث او اکثر مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

٥٤- بَابُ تِبْيَانِ الْوِتْرِ فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَاَوْسَطِهٖ وَآخِرِهٖ

رات کے شروع، درمیان اور اس کے آخر میں وتر پڑھنے کا بیان

١٥٨- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْوِتْرُ اَوَّلُ اللَّيْلِ مَسْخَطَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَاَكْلُ السُّحُوْرِ مَرْضَاةُ الرَّحْمٰنِ. مسند الحارثی (١٤٢)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: رات کے پہلے حصہ میں وتر کی نماز پڑھنا شیطان کو غضب ناک کرنا ہے اور سحری کھانا رحمٰن تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے۔

١٥٩- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلَ اللَّيْلِ وَاَوْسَطَهٗ وَاٰخِرَهٗ لِكَيْ يَكُوْنَ وَاسِعًا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ اَيَّ ذٰلِكَ اَخَذُوْا بِهٖ كَانَ صَوَابًا غَيْرَ اَنَّهٗ مَنْ طَمِعَ لِقِيَامِ اللَّيْلِ فَلْيَجْعَلْ وِتْرَهٗ فِيْ اٰخِرِ اللَّيْلِ فَاِنَّ ذٰلِكَ اَفْضَلُ. وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَاَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّهُمَا قَالَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابومسعود الانصاری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے پہلے حصہ میں اس کے درمیان میں اور اس کے آخر میں وتر پڑھے ہیں تاکہ مسلمانوں پر وسعت و کشادگی اور آسانی ہو وہ جس حصہ پر بھی عمل کر لیں وہی صحیح ہو۔ البتہ جو شخص رات کو (نماز تہجد کے لئے) اٹھنے کی امید رکھتا ہو تو وہ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھا کرے کیونکہ یہ افضل و بہتر عمل ہے۔ اور ایک روایت میں ہے حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما دونوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کبھی رات کے پہلے حصہ میں کبھی درمیانی حصہ میں اور کبھی اس کے آخری حصہ میں وتر کی نماز پڑھا کرتے تھے تاکہ مسلمانوں

يُوْتِرُ اَحْيَانًا اَوَّلَ اللَّيْلِ وَاَوْسَطَهُ وَاٰخِرَهُ لِيَكُوْنَ سَعَةً لِّلْمُسْلِمِيْنَ. کے لیے وسعت وآسانی ہو۔

نسائی (۱٦۸۲) ابن ماجہ (۱۱۸۷)

حل لغات

''مَسْخَطَةٌ'' اگرچہ علامہ ملا علی قاری نے اپنی شرح مسند امام اعظم میں اس میں میم اور خاء کو مفتوح قرار دیا ہے جس کا معنی ہے ناراض ہونا' غصہ کرنا' غضب ناک ہونا لیکن دو احتمال اور بھی ممکن ہیں: (۱) میم مضموم اور خا مکسور اسم فاعل صیغہ واحد مؤنث باب افعال سے ہوگا (۲) میم مکسور اور خا مفتوح اسم آلہ ہوگا ''مَرْضَاةٌ'' میم مکسور اسم آلہ معنی ہے: رضا کا ذریعہ یا میم مفتوح مصدر میمی رضا حاصل کرنا۔ ''طَمِعَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: امید رکھنا۔ ''اَحْيَانًا'' حین کی جمع ہے' بہ معنی وقت۔

نماز وتر کے اوقات کا ذکر

اس باب کی پہلی حدیث میں دو مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ رات کے پہلے حصے میں وتر ادا کرنا شیطان کے غضب و ناراضگی اور اس کی کدورت و نفرت کا سبب ہے کیونکہ وہ اس کے فوت ہونے سے مایوس ہو جاتا ہے لیکن یہ عمل ہر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو رات کے آخر وقت میں بیدار ہونے اور اٹھ کر وتر ادا کرنے پر وثوق و اعتماد نہ رکھتا ہو ورنہ تاخیر افضل و بہتر ہے اور اس کا ثواب زیادہ کامل ہوتا ہے۔ بے شک حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ''اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترًا'' یعنی تم رات کو اپنی نماز کے آخر میں وتر ادا کیا کرو۔ اور آپ سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ رات کے آخر وقت تک وتر کی نماز کو مؤخر کر کے پڑھتے تھے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ سحری کھانا رب رحمٰن و رحیم جل جلالہ وعم نوالہ وتم برہانہ کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہے کیونکہ سحری کھا کر آدمی اللہ تعالیٰ کی طاعت پر قوی ہو جاتا ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر تعاون و امداد حاصل کرتا ہے' سو ہر وہ چیز جو دنیا کی لذتوں میں سے ہو لیکن وہ آخرت کے درجوں کے حصول پر معاون و مددگار ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا سبب ہوتی ہے' چنانچہ امام احمد بن حنبل حضرت ابوسعید خدری ﷛ سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ

السحور اكله بركة فلا تدعوه ولو ان تجرع احدكم جرعة من ماء فان الله و ملآئكته يصلون على المتسحرين.

یعنی سحری کے کھانے میں برکت ہے' سو تم اسے نہ چھوڑو اگرچہ تم میں سے کوئی شخص (سحری کے وقت) صرف ایک گھونٹ پانی پی لے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر درود بھیجتے ہیں۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۲۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

اصحاب سنن اربعہ نے مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہے:

من خشي منكم ان لا يستقيظ من آخر الليل فليوتر من اوله ومن طمع منكم ان يقوم من آخر الليل فليوتر من آخر الليل فان قراءة القرآن في آخر الليل محصورة وهي فضل.

تم میں سے جس شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخر میں بیدار نہیں ہو سکے گا تو وہ رات کے پہلے حصے میں وتر پڑھ لے اور تم میں سے جس شخص کو یہ امید قوی ہو کہ وہ رات کے آخر میں اٹھ جائے گا تو وہ رات کے آخر میں وتر پڑھے کیونکہ رات کے آخر وقت میں قرآن مجید کی تلاوت سننے کے لیے فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ بڑی فضیلت ہے۔

[مسند امام اعظم ص ۹۲ حاشیہ نمبر ۱' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۵۵- بَابُ يَجِبُ السَّجْدَتَانِ فِيْ سَهْوِ الصَّلٰوةِ

نماز میں بھول جانے پر دو سجدے واجب ہیں

۱٦۰- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلٰوةً اِمَّا الظُّهْرَ وَاِمَّا الْعَصْرَ فَزَادَ اَوْ نَقَصَ فَلَمَّا فَرَغَ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ لَهُ اَحَدَثَ فِي الصَّلٰوةِ اَمْ نَسِيْتَ قَالَ اُنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا اُنْسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ ثُمَّ حَوَّلَ وَجْهَهُ اِلَى الْقِبْلَةِ وَسَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ وَتَشَهَّدَ فِيْهِمَا ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ.

بخاری (۴۰۱) مسلم (۱۲۷۴) ابوداؤد (۱۰۲۰) ترمذی (۳۹۲) نسائی (۱۲۴۴) ابن ماجہ (۱۲۱۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور ایک رکعت زیادہ یا کم پڑھا دی' پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور سلام پھیر لیا تو آپ سے عرض کی گئی کہ کیا نماز کے بارے کوئی نیا حکم آ گیا ہے یا آپ (بتقاضائے بشریت کسی حکمت کے تحت) بھول گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں (تعلیم امت کے لئے) بھلایا جاتا ہوں جیسا کہ تم (غفلت کی بنا پر) بھلائے جاتے ہو' سو جب میں بھلایا جاؤں تو تم مجھے یاد دلایا کرو۔ پھر آپ نے اپنا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر لیا اور دو سجدے سہو کے ادا کیے اور بعد ازاں تشہد پڑھا' پھر دائیں اور بائیں جانب سلام پھیر دیا۔

حل لغات

''اُنْسٰى'' صیغہ واحد متکلم فعل مضارع مجہول ہے اور ''تَنْسَوْنَ'' صیغہ جمع مذکر حاضر فعل مضارع مجہول ہے' دونوں باب افعال سے ہیں' ان کا معنی ہے: بھلایا جانا۔ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ دونوں مجہول مخفف ہیں جبکہ ایک نسخہ میں دونوں مبنی للفاعل سین مشدد کے ساتھ ہیں لیکن پہلی بات درست ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۲۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت] ''انسیت'' صیغہ واحد متکلم فعل ماضی مجہول باب افعال سے ہے' بہ معنی بھلایا جانا۔ ''ذَكِّرُوْنِيْ'' میں ''ذَكِّرُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: یاد دلانا' یاد کرانا ''نی'' میں نون وقایہ اور یائے متکلم ہے۔ ''حَوَّلَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: پھیرنا' گھمانا۔

سجدہ سہو میں ائمۂ دین کے مختلف اقوال

شیخین (بخاری ومسلم) وغیرہما نے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ظہر کی پانچ رکعت نماز پڑھا دی تو آپ سے عرض کیا گیا کہ کیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا ہوا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آپ نے پانچ رکعت نماز پڑھائی ہے' سو آپ نے سلام پھیر کر دو سجدے کیے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں (الٰہ نہیں ہوں) میں بھی بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو' سو جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دہانی کرا دیا کرو اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک وشبہ پڑ جائے تو وہ غور وفکر کی کوشش کرے اور سوچے جو صحیح اور درست ہو اس پر اپنی نماز مکمل کرے' پھر سلام پھیر کر دو سجدے سہو کے کرے۔ [تنسیق النظام فی شرح مسند الامام حاشیہ نمبر ۳' ص ۹۲' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

سجدۂ سہو میں ائمۂ دین کے مسالک حسب ذیل ہیں:

حنفیہ: سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔

شافعیہ: سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے۔

مالکیہ: نماز میں اگر کسی فعل کی کمی ہو تو سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے اور اگر کسی فعل کی زیادتی ہو تو سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔

حنابلہ: جن صورتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام سے پہلے سجدہ کیا ہے وہاں پہلے سجدہ کرے اور جن صورتوں میں آپ نے بعد میں سجدہ کیا ہے ان میں بعد میں سجدہ کرے۔

غیر مقلدین: ان صورتوں کے سوا سجدہ نہ کرے جن میں آپ نے سجدہ کیا۔

اور وہ پانچ صورتیں ہیں' اول: دو رکعت کے بعد بلاقعدہ آپ کھڑے ہو گئے جیسا ابن بحسینہ کی روایت میں ہے۔ ثانی: دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا جیسا کہ ذوالیدین کی روایت ہے۔ ثالث: تین رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا جیسے عمران بن حصین کی روایت ہے۔ رابع: پانچ رکعت پڑھا دیں جیسا کہ عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے۔ خامس: شک کی صورت میں سجدہ کیا جیسا کہ ابوسعید خدری کی روایت ہے۔ سجدہ سہو میں ائمہ کا یہ اختلاف اولویت (افضل ہونے) میں ہے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ صحیح احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صریح قول ہے کہ "سلام کے بعد دو سجدے کرے" شوافع جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں ان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل (اور عمل) کا ذکر ہے کہ آپ نے سلام سے پہلے سجدہ کیا اور یہ احادیث ان احادیث کے معارض (ومخالف) ہیں جن میں یہ ہے کہ آپ نے سلام کے بعد سجدہ کیا ہے۔ رہا یہ کہ بعض احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے کہ "سلام سے پہلے سجدہ کرو" تو ان روایات کی اسانید میں ضعف ہے مثلاً حضرت ابوسعید کی روایت مسلم میں متصل ہے لیکن امام مسلم اس کے اتصال میں منفرد ہیں۔ امام مالک اس کو مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ حضرت معاویہ کی روایت جو نسائی میں ہے اس کی سند میں یوسف ہے' اس کے بارے میں نسائی کہتے ہیں کہ یہ غیر مشہور راوی ہے۔ علی ہذا القیاس اس کے برخلاف صحیح روایات میں آپ کا قول ہے کہ سلام کے بعد سجدہ کرو۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن جعفر سے مروی ہے:

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم قال من شک فی صلاتہ فلیسجد سجدتین بعد مایسلم. [صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۱۲۵' ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۸]	جس شخص کو نماز میں شک ہو جائے تو وہ سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے۔
وعن ثوبان لکل سھو سجد تان بعدما یسلم. [سنن کبریٰ ج ۲ ص ۳۳۷]	حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ ہر سہو میں سلام کے بعد دو سجدے ہیں۔

امام مالک نے ایک مرتبہ ہارون الرشید کے سامنے بیان کیا کہ اگر نماز میں کسی فعل کی کمی ہو تو سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے اور اگر کسی فعل کی زیادتی ہو تو بعد میں سجدہ سہو کرے۔ امام ابویوسف نے اعتراض کیا کہ اگر کسی شخص سے نماز میں کمی بھی ہو اور زیادتی بھی ہو تو وہ کیا کرے؟ امام مالک سے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں بن سکا۔ امام احمد بن حنبل کے مذہب پر بھی یہ اعتراض بعینہٖ وارد ہوتا ہے۔ رہے غیر مقلدین تو وہ جن پانچ صورتوں میں سجدہ سہو کے قائل ہیں' ان کے علاوہ دیگر صورتوں میں بھی کمی زیادتی سے سہو ہو سکتا ہے اس کی تلافی کے لیے آخر کیا طریقہ کار ہوگا؟

امام ابوحنیفہ کے نزدیک تشہد پڑھنے کے بعد سلام پھیرے۔ امام شافعی سجدہ سہو کے لیے تشہد کے قائل نہیں ہیں۔ نیز امام ابوحنیفہ کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک سنت ہے۔ امام اعظم کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں آپ نے سجدہ کرنے کا امر (حکم) فرمایا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ امر وجوب کے لیے آتا ہے۔

[شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴۰۔ ۱۳۹' مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور]

یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خیال کے مطابق نماز مکمل کر کے سلام پھیرا اور فارغ ہوئے تو ایک صحابی نے آپ کو نماز میں کمی بیشی سے آگاہ کیا اور اس مسئلہ پر آپ سے گفتگو کی اور آپ نے اسے اس کا جواب دیا اور دیگر صحابہ کرام نے بھی سائل کی تصدیق کی' غرضیکہ طویل باہمی گفتگو کے بعد آپ نے اسی نماز کو سجدۂ سہو کر کے مکمل کر لیا۔ حالانکہ اب تو نماز کے دوران کلام و گفتگو کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں جس طرح دوران نماز سلام کا جواب دینا جائز تھا' پھر بعد میں منسوخ ہو گیا اسی طرح پہلے نماز کے دوران کلام و گفتگو کرنا جائز تھا اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی تھی' پھر بعد میں منسوخ ہو گیا جیسا کہ آگے ناسخ حدیث آ رہی ہے اور چونکہ یہ واقعہ نسخ سے پہلے ہوا ہے اس لیے یہ اعتراض اس پر وارد نہیں ہوتا۔

٥٦- بَابُ سَجْدَةِ التِّلَاوَةِ فِیْ سُوْرَةِ صٓ

سورت صٓ میں سجدۂ تلاوت کا بیان

١٦١- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِیَاضٍ الْاَشْعَرِیِّ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِیْ صٓ.	حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ صٓ میں سجدہ کیا۔

بخاری (١٠٦٩) ترمذی (٥٧٤) ابوداؤد (١٤٠٩) نسائی (٩٥٨)

سجدۂ تلاوت کے مقامات اور شرعی حیثیت کا تذکرہ

قرآن مجید میں چودہ آیات ایسی ہیں جن کو پڑھنے اور سننے سے سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے اور وہ آیات سورۂ اعراف' سورۂ رعد' سورۂ نحل' سورۂ بنی اسرائیل' سورۂ مریم' سورۂ حج' سورۂ فرقان' سورۂ نمل' سورۂ الم تنزیل سجدہ' سورۂ صٓ' سورۂ حم سجدہ' سورۂ نجم' سورۂ اذا السماء انشقت اور سورۂ اقرأ میں ہیں۔

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

سجدۂ تلاوت کے بارے میں ائمۂ دین کا اختلاف ہے۔ ہمارے (یعنی احناف) کے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب ہے اور امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک سنت ہے' اس کا ادا کرنا ترک کرنے سے افضل اور بہتر ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کے نزدیک بھی سجدۂ تلاوت واجب ہے اور اس کے وجوب کی مذمت اور ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور فقہاء نے فرمایا ہے کہ سجدہ نماز کا جز اور رکن ہے' سو اس اعتبار سے سجدہ تلاوت فرض ہونا چاہیے جیسا کہ نماز جنازہ میں قیام فرض ہے۔ لیکن چونکہ سجدہ تلاوت کے دلائل قطعی نہیں ہیں اس لیے ہم (حنفی حضرات) اس کو واجب قرار دیتے ہیں فرض قرار نہیں دیتے اور دوسرے ائمہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت زید نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سورۂ والنجم کی تلاوت کی مگر آپ نے سجدہ نہیں کیا۔ اس کا (ایک) جواب یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت اسی وقت فوراً ادا کرنا واجب نہیں ہے' سو ممکن ہے کہ آپ نے بعد میں کسی وقت ادا کر لیا ہو' (دوسرا جواب یہ ہے کہ) ہو سکتا ہے جس وقت تلاوت کی گئی ہو وہ مکروہ وقت ہو جس کی وجہ سے آپ نے اس وقت سجدہ نہیں کیا' پھر بعد میں کر لیا ہو' (تیسرا جواب یہ ہے کہ) آپ نے تاخیر کے جواز کو بیان کرنے کے لیے اس وقت سجدہ نہیں کیا تاکہ امت کے لیے سہولت و آسانی پیدا ہو جائے اور سجدہ تلاوت کے لیے طہارت و پاکیزگی شرط ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ سوائے ابن عمر کے مگر علماء اور فقہاء میں سے امام شعبی کے علاوہ کسی نے ان کی موافقت نہیں کی۔ اور ہم

(حنفیوں) اور جمہور کے نزدیک قاری اور سامع دونوں پر سجدہ تلاوت نماز کی شرائط کے ساتھ واجب ہے۔

[اشعۃ اللمعات ج ا ص ٤٦ ٤ 'مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

علامہ ملاعلی قاری لکھتے ہیں:

سورۂ ص کا سجدہ ہمارے نزدیک واجب ہے جبکہ امام شافعی اس سجدے کے قائل نہیں ہیں (وہ اس کی بجائے سورۃ الحج میں دو سجدوں کے قائل ہیں)۔

امام نسائی نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "سجد فی ص وقال سجدها نبی الله داؤد توبةً و نحن نسجدها شكرًا"۔ سورۂ ص میں سجدہ کیا اور فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہاں سجدۂ توبہ کیا اور ہم یہاں سجدۂ شکر کرتے ہیں' سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں سجدہ کا سبب توبہ بیان فرمایا اور ہمارے حق میں سجدہ کا سبب شکر بیان فرمایا اور اس سجدے کا سبب شکر ہونا وجوب کے منافی نہیں کیونکہ تمام فرائض اور واجبات اللہ تعالیٰ کی مسلسل اور متواتر ملنے والی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے لیے واجب ولازم ہوتے ہیں۔

[شرح مسند امام اعظم ص ٢٧٥ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

٥٧- بَابُ نَسْخِ الْكَلَامِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں بات چیت کے منسوخ ہونے کا بیان

١٦٢- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ لَمَّا قَدِمَ مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَةِ سَلَّمَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ سُخْطِ نِعْمَةِ اللّٰهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا ذَاكَ قَالَ سَلَّمْتُ عَلَيْكَ فَلَمْ تَرُدَّ عَلَيَّ قَالَ اِنَّ فِي الصَّلٰوةِ لَشُغْلًا قَالَ فَلَمْ نَرُدَّ السَّلَامَ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ يَّوْمَئِذٍ.

بخاری (١١٩٩) مسلم (١٢٠١) ابوداؤد (٩٢٣) نسائی (١٢٢٢)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ سرزمین حبشہ سے (مدینہ منورہ میں) واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو سلام پیش کیا جبکہ آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے' سو آپ نے انہیں سلام کا جواب نہیں دیا' پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت ابن مسعود نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ (نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے غضب و ناراضگی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ عرض کیا: حضور میں نے آپ کو سلام عرض کیا لیکن آپ نے مجھے جواب عنایت نہیں فرمایا' آپ نے فرمایا: بے شک نماز میں (ذات الٰہی کے جلووں میں) مشغولیت و مصروفیت ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا: پس اس روز سے ہم (تمام صحابہ کرام) نماز کے دوران کسی کو سلام کا جواب نہیں دیتے۔

حل لغات

"قَدِمَ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: آنا' آگے ہونا۔ "لَمْ تَرُدَّ" صیغہ واحد مذکر حاضر معروف فعل نفی جحد بلم باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: لوٹانا' جواب دینا' واپس کرنا۔ "لَشُغْلًا" میں لام تاکید کے لیے ہے اور شغلا مصدر ہے' اس کی جمع اشغال ہے' اس کا معنی ہے: مشغول و مصروف ہونا۔

نماز میں بولنا اور باتیں کرنا حرام ہے

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز میں بات چیت کرنا حرام اور ناجائز ہے خواہ کسی حاجت و ضرورت کے لیے ہو یا بغیر ضرورت کے' نیز نماز کی مصلحت کے لیے ہو یا بغیر مصلحت کے ہو' پھر اگر نماز میں تنبیہ کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو اگر نمازی مرد ہو تو وہ صرف سبحان اللہ کہے اور اگر عورت ہو تو اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے اور امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل اور سلف و خلف میں سے جمہور کا یہی مذہب ہے جبکہ ایک گروہ نے کہا: ان میں سے امام اوزاعی بھی ہیں کہ نماز کی مصلحت کے لیے حضرت ذوالیدین کی حدیث کی بنا پر نماز میں بات چیت کرنا جائز ہے (حالانکہ ذوالیدین کی حدیث نسخ اور ممانعت سے پہلے کی ہے) لیکن بھول کر یا اپنے آپ کو نماز سے باہر خیال کرتے ہوئے بات چیت کرے تو شافعیہ کے نزدیک اس کی نماز باطل نہیں ہوگی' اسے امام نووی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ علمائے سلف و خلف میں سے جمہور کا یہی قول ہے اور ابن عباس' ابن زبیر' ان کے بھائی عروہ بن زبیر' عطاء بن ابی رباح' حسن بصری' شعبی' قتادہ' اوزاعی' امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور تمام محدثین کا بھی یہی قول ہے اور صحیح ترین روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب اور امام سفیان ثوری نے فرمایا کہ بھول یا انجانے میں دوران نماز بات چیت کرنا نماز کو باطل کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت زید بن ارقم کی حدیث میں مذکور ہے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام حاشیہ ٦ ص ٩٢ 'مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

علامہ ملاعلی قاری لکھتے ہیں کہ امام ترمذی نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت زید فرماتے ہیں:

ہم نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے گفتگو اور باتیں کرتے تھے۔ ہم میں سے کوئی نمازی مرد اپنے پہلو کی طرف موجود آدمی سے بات کر لیتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل کی گئی: "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ" اور تم اللہ تعالیٰ کی خاطر ادب و احترام کے ساتھ خاموش کھڑے رہو' سو اس لیے ہمیں نماز میں خاموشی کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے اور قنوت بہ معنی سکوت ہے اور بعض کا قول ہے: اس سے خشوع و خضوع مراد ہے اور اس حدیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد "ان فی الصلوٰة لشغلًا" کو شیخین (بخاری و مسلم)' امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے حضرت معاویہ بن حکم سلمی کی حدیث روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اور اس دوران لوگوں میں سے ایک آدمی کو چھینک آ گئی تو میں نے اسے کہہ دیا "یرحمك الله" سو لوگ اپنی آنکھوں کے اشاروں سے مجھے گھورنے لگے تو میں نے کہا: افسوس! تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم مجھے گھور کر دیکھتے ہو' سو انہوں نے (بولنے کی بجائے) اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارے تو میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے خاموش کرا رہے ہیں اس لیے میں خاموش ہو گیا۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھا چکے تو مجھے اپنے پاس بلا لیا' میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں! میں نے آپ جیسا معلم نہ آپ سے پہلے دیکھا ہے نہ آپ کے بعد دیکھا کیونکہ آپ کی تعلیم سب سے زیادہ عمدہ اور اچھی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ نے مجھے نہ ڈانٹا نہ مارا اور نہ مجھے گالی دی بلکہ فرمایا: بے شک یہ نماز ہے' اس میں انسانوں کے کلام کی اجازت نہیں ہے' اس میں صرف حمد و ثناء' تسبیح' تکبیر اور قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ٩٦-٩٥ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

٥٨- بَابُ جَوَازِ الصَّلٰوةِ فِيْ جَانِبَةِ امْرَاءَةٍ

عورت کے پہلو میں نماز پڑھنے کا جواز

١٦٣- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ وَاَنَا نَائِمَةٌ اِلٰى جَنْبِهٖ وَجَانِبُ الثَّوْبِ وَاقِعٌ عَلَيَّ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز (تہجد) پڑھتے تھے جبکہ میں آپ کے پہلو میں سورہی ہوتی تھی اور کپڑے کا ایک حصہ میرے اوپر ہوتا تھا۔

بخاری(٣٨٣-٥١٢٠)مسلم(١١٤٧)ابوداؤد(٧١١)نسائی(٧٦٠)ابن ماجہ(٩٥٨)

حل لغات

''نَائِمَةٌ'' صیغہ واحد مونث اسم فاعل باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: سونا' اونگھنا۔

چند فوائد کا ذکر

اس حدیث سے چند اہم ترین مسائل کا ثبوت ملتا ہے۔ایک یہ کہ نفلی عبادت کے لیے لوگوں کو عموماً اور اپنے اہلخانہ کو خصوصاً مجبور کرنا جائز نہیں ہے ورنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اہلیہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نماز تہجد کے لیے ضرور اٹھاتے اور نماز تہجد پڑھواتے' البتہ نرمی سے ترغیب دینا مستحب عمل ہے لیکن سختی کرنا یا ان پر زبان طعن دراز کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے بلکہ زیادتی ہے۔دوسرا یہ کہ شریعت کے علوم اور طریقت کے اسرار کے حاملین اور منصب نبوی کے ورثاء علماء اور اولیاء اللہ کے لیے نماز تہجد اور دیگر ماثورہ نوافل پڑھنا نہ صرف سنت نبوی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و رضا اور سعادت و فلاح دارین کا ذریعہ بھی ہیں اس لیے یہ حضرات نماز تہجد' اشراق' چاشت' اوابین' تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء کے نوافل پنجگانہ نمازوں کے ساتھ پابندی سے ادا کریں' پھر تبلیغ دین میں تاثیر اور مقبولیت فی الناس مشاہدہ فرمائیں بہ شرطیکہ تمام عبادات حضور قلب' خلوص نیت اور ذوق و شوق سے ادا کی جائیں۔ تیسرا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تنگدستی و غربت اور ضرورت کے باوجود پوری چادر خود اوڑھنے کی بجائے ایک حصہ اپنی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اوڑھا دینا عدل و انصاف کی اعلیٰ ترین مثال ہے جو تمام بنی نوع انسان خصوصاً ملت اسلامیہ کے پیروکاروں کے لیے اسوۂ حسنہ اور مشعل راہ ہے کہ اپنے افراد خانہ خصوصاً بیوی کے ساتھ عدل و انصاف قائم کرنا سنت نبوی ہے۔عموماً سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں دوست احباب مل کر گھر کے ایک دن کی ہانڈی روٹی کے خرچ سے بڑھ کر فی کس رقم جمع کرتے اور دعوت کا اہتمام کرتے ہیں جس میں کھانے کی مختلف ڈشیں' پھل فروٹ اور مشروبات کا خوب اہتمام کیا جاتا ہے' ایسے موقع پر افراد خانہ کے لیے کھانے کا اچھا انتظام عدل و انصاف کی رو سے ضروری ہو جاتا ہے۔ چوتھا یہ کہ تنگدستی کے باوجود ازواج مطہرات کا صبر و شکر کے ساتھ گزارا کرنا اور شوہر نامدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے جھگڑنے کی بجائے فرماں بردار بن کر رہنا مسلم خواتین کے لیے مشعل راہ اور درس عبرت ہے۔اس حدیث کی مزید تشریح آگے دوبارہ بیان کی جائے گی۔

٥٩- بَابٌ كَيْفَ يَطَّلِعُ الْاِمَامُ لِلْحَاجَةِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں بوقت ضرورت امام کو کس طرح آگاہ کیا جائے؟

١٦٤- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَنَّ فِي الصَّلٰوةِ اِذَا نَابَهُمْ فِيْهِ شَيْءٌ التَّسْبِيْحَ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقَ لِلنِّسَاءِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مقتدیوں کو نماز میں کوئی عارضہ پیش آ جائے تو (امام کو آگاہ کرنے کے لئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ مقرر فرمایا ہے کہ مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں ہتھیلی پر ہتھیلی ماریں۔

بخاری(٦٨٤)مسلم(٩٥٤)ابوداؤد(٩٤٠)ترمذی(٣٦٧)ابن ماجہ(١٠٣٥)نسائی(١٢٠٨)

حل لغات

''سَنَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے یہ سنۃ (سین مضموم نون مشدد مفتوح) سے مشتق ہے' اس کا معنی ہے: طریقہ مقرر کرنا' خصلت' طبیعت' شریعت۔''نَابَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کوئی حادثہ' عارضہ' معاملہ' امر پیش آنا' نائب یا قائم مقام ہونا۔''اَلتَّسْبِيْحُ'' کا معنی سبحان اللہ کہنا ہے اور''اَلتَّصْفِيْقُ'' کا معنی ہے: عورت کا اپنی ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی پر مارنا۔

نماز میں امام کو تلقین کرنے کا طریقہ

واضح رہے کہ جب نماز میں کلام و گفتگو اور بات چیت کرنے سے منع کر دیا گیا تو اس کے بعد اگر نماز میں کوئی ایسا حادثہ پیش آ جائے جس کی وجہ سے اپنے امام کو اطلاع دینی ہو یا پھر کوئی بے خبری میں آگے سے گزرے یا اسے پکارے یا سلام وغیرہ کرے تو اسے آگاہ کرنے کے لیے شریعت نے مردوں کے لیے سبحان اللہ کہنا اور عورتوں کے لیے دائیں ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارنے کا حکم دیا ہے۔علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

عورت کو سبحان اللہ کہنے کی بجائے ہاتھ پر ہاتھ مارنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت یعنی قابل ستر چیز ہے جو غیر محرم نہ سنے۔امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:''التسبيح للرجال والتصفيق للنساء''یعنی سبحان اللہ کہنا مردوں کے لیے ہے اور ہاتھ پہ ہاتھ مارنا عورتوں کے لیے ہے۔[شرح مسند امام اعظم ص ١١٨' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

٦٠- بَابُ مَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ وَمَا لَا يَقْطَعُ

کون سی چیز نماز کو توڑتی ہے اور کون سی چیز نہیں توڑتی

١٦٥- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّهٗ سَاَلَ عَائِشَةَ عَمَّا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَتْ يَا اَهْلَ الْعِرَاقِ تَزْعُمُوْنَ اَنَّ الْحِمَارَ وَالْكَلْبَ وَالسِّنَّوْرَ يَقْطَعُوْنَ الصَّلٰوةَ فَقَرَنْتُمُوْنَا بِهِمْ اِدْرَاْ مَا اسْتَطَعْتَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَاَنَا نَائِمَةٌ اِلٰى جَنْبِهٖ عَلَيْهِ ثَوْبٌ جَانِبُهٗ عَلَيَّ.

حضرت اسود بن یزید بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ کون سی چیز نماز کو توڑ دیتی ہے؟ سو آپ نے فرمایا: اے اہل عراق! تم یہ خیال کرتے ہو کہ گدھا' کتا اور بلی (نمازی کے سامنے سے گزر کر اس کی) نماز کو توڑ دیتے ہیں۔تم نے ہم (عورتوں) کو بھی ان کے ساتھ ملا دیا ہے جہاں تک ہو سکے تم (آگے گزرنے والے کو) روکو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے جبکہ میں آپ کے پہلو میں سو رہی ہوتی تھی (اور) آپ کے اوپر اوڑھے ہوئے کپڑے کا ایک حصہ مجھ پر ہوتا ہے۔

بخاری(٥١٤-٥١٥)مسلم(١١٤٣)

حل لغات

''يَقْطَعُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: توڑنا' کاٹنا۔

''تَزْعُمُوْنَ'' صیغہ جمع مذکر حاضر فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: گمان کرنا' خیال کرنا۔ ''قَرَنْتُمُوْنَا'' میں ''قَرَنْتُمْ'' صیغہ جمع مذکر حاضر فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ملانا اور ''نا'' ضمیر جمع متکلم مفعول بہ ہے۔ ''اِدْرَأْ'' صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف' باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: روکنا' دور کرنا' ہٹانا۔

نمازی کے سامنے سے آدمی وغیرہ کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی

یاد رہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنا اگرچہ سخت گناہ ہے لیکن اس سے جمہور کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی اور جن احادیث میں ہے کہ نمازی کے آگے سے عورت' گدھا اور کتا وغیرہ گزر جائیں تو نماز ٹوٹ جاتی ہے تو یہ روایات ان احادیث سے منسوخ ہیں جن میں ہے کہ نمازی کے آگے سے کسی چیز کے گزر جانے سے نماز نہیں ٹوٹتی یا پھر ان کا مطلب یہ ہے کہ نماز تو بے شک نہیں ٹوٹتی لیکن نمازی کا خیال بٹ جانے سے حضور قلب' توجہ الی اللہ اور خشوع وخضوع ٹوٹ جائے گا جو نماز کی روح اور جان ہے اور ان تین چیزوں کے ذکر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ذہن اور دل بہت جلد اور بڑی شدت سے ان تین چیزوں کی طرف متوجہ اور مشغول ہو جاتا ہے۔ عورت تو ظاہر ہے کہ مرد کا ذہن وقلب بہت جلد اس کی طرف راغب ومشغول ہو جاتا ہے ''الا قلیل ''۔ رہا گدھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان اس کا ساتھی ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ لگا رہتا ہے' چنانچہ جس طرح شیطان سے تعوذ کے ذریعے پناہ مانگنا مستحب ہے اسی طرح گدھے کی بے ڈھنگی آواز سن کر تعوذ پڑھنا اور پناہ مانگنا مستحب ہے۔ باقی رہا کتا وغیرہ تو غلیظ ترین نجس وناپاک ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔[ماخوذ از اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ا ص ۳۵۱' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

زیر بحث حدیث میں بلی کا ذکر کیا گیا ہے' شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ نجس وناپاک ہونے کے ساتھ یہ گھروں میں کثرت سے آنے جانے والا جانور ہے' اس سے پرہیز کرنا اور بچنا مشکل ہوتا ہے۔

٦١- بَابُ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ

سورج گرہن کی نماز

١٦٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ فَقَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا تَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَصَلُّوْا وَاحْمَدُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْهُ وَسَبِّحُوْهُ حَتّٰى يَنْجَلِيَ اَيُّهُمَا انْكَسَفَ ثُمَّ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا' اس روز سورج کو گرہن لگ گیا' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (منبر پر چڑھ کر) کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا: بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' ان کو نہ تو کسی شخص کی موت کی وجہ سے گرہن لگتا ہے اور نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے سو اس لیے جب تم ان کو اس حالت میں دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کی تعریف کرو اور اس کی تکبیر وتسبیح بیان کرو یہاں تک کہ ان دونوں میں سے جس کو گرہن لگا ہے وہ ختم ہو جائے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھائی۔

بخاری(١٠٤٣) مسلم(٢١٢٢) ابوداؤد(١١٩١) نسائی(١٥٠٣) ابن ماجہ(١٢٦٢)

١٦٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا جس دن انتقال ہوا اسی دن سورج کو

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّاسُ اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ اِبْرَاهِيْمَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيَامًا طَوِيْلًا حَتّٰى ظَنُّوْا اَنَّهٗ لَا يَرْكَعُ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهٗ قَدْرَ قِيَامِهٖ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ فَكَانَ قِيَامُهٗ قَدْرَ رُكُوْعِهٖ ثُمَّ سَجَدَ قَدْرَ قِيَامِهٖ ثُمَّ جَلَسَ فَكَانَ جُلُوْسُهٗ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَدْرَ سُجُوْدِهٖ ثُمَّ سَجَدَ قَدْرَ جُلُوْسِهٖ ثُمَّ صَلَّى الرَّكْعَةَ الثَّانِيَةَ فَفَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى اِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ مِنْهَا بَكٰى فَاشْتَدَّ بُكَاؤُهٗ فَسَمِعْنَاهُ وَهُوَ يَقُوْلُ اَلَمْ تَعِدْنِيْ اَنْ لَّا تُعَذِّبَهُمْ وَاَنَا فِيْهِمْ ثُمَّ جَلَسَ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَاَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِمَا عِبَادَهٗ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا كَانَ كَذٰلِكَ فَعَلَيْكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَلَقَدْ رَاَيْتُنِيْ اُدْنِيْتُ مِنَ الْجَنَّةِ حَتّٰى لَوْ شِئْتُ اَنْ اَتَنَاوَلَ غُصْنًا مِّنْ اَغْصَانِ شَجَرِهَا فَعَلْتُ وَلَقَدْ رَاَيْتُنِيْ اُدْنِيْتُ مِنَ النَّارِ حَتّٰى جَعَلْتُ اَتَّقِيْ وَلَقَدْ رَاَيْتُ سَارِقَ رَسُوْلِ اللّٰهِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ سَارِقَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ يُعَذَّبُ بِالنَّارِ وَلَقَدْ رَاَيْتُ فِيْهَا عَبْدَ بْنَ دَعْدَعٍ سَارِقَ الْحُجَّاجِ بِمِحْجَنِهٖ وَلَقَدْ رَاَيْتُ فِيْهَا امْرَاَةً اَدْمَاءَ حِمْيَرِيَّةً تُعَذَّبُ فِيْ هِرَّةٍ لَّهَا رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَاْكُلُ مِنْ خُشَاشِ الْاَرْضِ وَحَشَرَاتِهَا. وَفِيْ رِوَايَةٍ نَحْوَهٗ وَفِيْهِ لَقَدْ رَاَيْتُ عَبْدَ بْنَ دَعْدَعٍ سَارِقَ الْحُجَّاجِ بِمِحْجَنِهٖ فَكَانَ اِذَا خَفِيَ ذَهَبَ وَاِذَا رَاٰهُ اَحَدٌ قَالَ اِنَّمَا تَعَلَّقَ بِمِحْجَنِيْ. وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ اذا خَفِيَ لَهٗ شَيْءٌ ذَهَبَ بِهٖ وَاِذَا ظَهَرَ عَلَيْهِ قَالَ اِنَّمَا تَعَلَّقَ بِمِحْجَنِيْ.

بخاری(١٠٥٢) مسلم(٢١٠٢) ابوداؤد(١١٩٤) نسائی(١٤٨٣) ابن ماجہ(١٢٦٥)

گرہن لگ گیا تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت ابراہیم کی وفات کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے۔ سو اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کسوف پڑھاتے ہوئے بہت طویل قیام فرمایا یہاں تک کہ لوگوں نے گمان کیا کہ آپ رکوع نہیں کریں گے۔ پھر آپ نے رکوع کیا تو آپ کا رکوع بھی آپ کے قیام کے برابر تھا۔ پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا (اور تسمیع کہنے کے لیے سیدھے کھڑے ہو گئے)' سو آپ کا قومہ آپ کے رکوع کے برابر تھا۔ پھر آپ نے قیام کے برابر سجدہ کیا' پھر آپ بیٹھ گئے اور دو سجدوں کے درمیان آپ کا بیٹھنا سجدے کے برابر تھا۔ پھر آپ نے دوسرا سجدہ کیا جو آپ کے جلسہ کے برابر تھا۔ پھر آپ نے دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھائی' یہاں تک کہ جب آپ نے دوسری رکعت کا سجدہ کیا تو آپ بہت روئے اور کثرت سے آنسو بہائے' سو ہم نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ (اے میرے اللہ!) کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں فرمایا کہ میری موجودگی میں تو انہیں عذاب نہیں دے گا۔ پھر آپ بیٹھے اور تشہد پڑھا' پھر سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوتے ہی صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جن کے گرہن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے ان دونوں کو نہ تو کسی شخص کی موت کی وجہ سے گرہن لگتا ہے اور نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے' سو جب ایسی خوف ناک صورتحال پیدا ہو جائے تو تم پر لازم ہے کہ نماز پڑھو اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں جنت کے بالکل قریب کر دیا گیا ہوں' یہاں تک کہ اگر میں چاہتا کہ اس کے درختوں کی شاخوں میں سے کسی شاخ کو توڑ لوں تو میں ایسا کر سکتا تھا اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں دوزخ کے بالکل قریب کر دیا گیا ہوں یہاں تک کہ میں اس کی تپش سے بچنے لگا اور میں نے اللہ کے رسول کے چور کو دیکھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کے گھر سے چوری کرنے والے شخص کو دوزخ کے عذاب میں مبتلا دیکھا اور میں نے عبد بن دعدع کو بھی دوزخ میں دیکھا ہے جو اپنی لاٹھی کے ذریعے حاجیوں کا سامان چوری کر رہا تھا اور میں نے دوزخ میں قبیلہ حمیر کی گندمی رنگ کی ایک عورت کو دیکھا ہے جس کو اپنی ایک بلی کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا

جسے اس نے ایک رسی کے ساتھ باندھ رکھا تھا اور نہ اسے کھلایا پلایا اور نہ اسے چھوڑا تا کہ وہ خود زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی۔ اور ایک روایت میں اسی طرح ہے اور اس میں یہ (اضافہ) بھی ہے کہ میں نے عبد بن دعدع کو اپنی لاٹھی کے ذریعہ حاجیوں کا سامان چوری کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ جب اسے کوئی نہ دیکھتا تو وہ سامان اٹھا کر لے جاتا اور جب اسے کوئی دیکھ لیتا تو وہ کہہ دیتا کہ یہ سامان میری خمدار لاٹھی کے ساتھ چمٹ کر لٹک گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی چیز مخفی ہوتی (جو لوگوں کو نظر نہ آنے والی ہوتی) تو وہ اسے اٹھا کر لے جاتا اور جب کوئی چیز کسی پر ظاہر ہوتی تو کہتا کہ یہ چیز میری لاٹھی کے ساتھ چمٹ کر لٹک گئی ہے۔

حل لغات

''اِنْکَسَفَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب انفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: سورج اور چاند کو گرہن لگنا۔ ''یَنْجَلِیْ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب انفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: روشن ہو جانا۔ ''اِشْتَدَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: شدید وسخت ہونا۔ ''نُخَوِّفُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مثبت باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: ڈرانا' خوف دلانا۔ ''اُدْنِیْتُ'' صیغہ واحد متکلم فعل ماضی مجہول مثبت باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: قریب کرنا' نزدیک کرنا۔ ''اَدْمَاءُ'' فعلاء کے وزن پر اسم مؤنث ہے' اس کا معنی ہے: گندمی رنگ' گندم گوں۔ ''رَبَطَتْهَا'' میں ''رَبَطَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: باندھنا' آخر میں ''ھا'' ضمیر مؤنث مفعول بہ ہے۔

زمانہ جاہلیت کے ایک باطل عقیدہ کی تردید

حکماء اور فلاسفہ کے پیروکار لوگ زمانہ جاہلیت کے مطابق یہ گمان کرتے تھے کہ سورج اور چاند کو کسی عظیم ترین ہستی کی ولادت یا اس کی موت کی وجہ سے گرہن لگ جاتا ہے اس لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس باطل خیال کی تردید فرمائی اور اگرچہ کسوف اور خسوف اکثر ہم معنی مراد لیے جاتے ہیں لیکن کسوف کا لفظ اکثر سورج گرہن پر بولا جاتا ہے جبکہ خسوف کا لفظ اکثر چاند گرہن پر بولا جاتا ہے۔ نیز سورج گرہن پر باجماعت نماز پڑھی جائے گی اور چاند گرہن میں سنت کے مطابق فرداً فرداً تنہا پڑھی جائے گی اور سورج گرہن میں جس طرح بالاتفاق نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے اسی طرح فرداً فرداً تنہا بھی پڑھی جا سکتی ہے اور بخاری میں حدیث ہے اور اسے امام ترمذی نے شمائل میں بھی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج گرہن ہوا۔ سو آپ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے اور جب آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی تو سورج روشن ہو گیا اور آپ نے اس نماز میں ہر رکعت میں ایک رکوع کیا تھا اور نسائی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نماز اسی طرح پڑھائی جس طرح لوگ دوسری نمازیں پڑھتے ہیں (یعنی ہر رکعت میں ایک رکوع کیا) اور امام ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورج اور چاند گرہن میں تمہاری نماز کی طرح دو رکعت نماز پڑھائی۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسوف وخسوف کی نماز عام نمازوں کی طرح پڑھی جائے گی (جس میں ہر رکعت میں ایک قیام' ایک قراءت اور

ایک رکوع ہوگا) جبکہ امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ہر رکعت میں دو سجدوں کی طرح دو قیام' دو قراءتیں اور دو رکوع ہوں گے۔ پھر امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام شافعی تو یہ فرماتے ہیں کہ اس نماز میں قراءت آہستہ پڑھی جائے گی اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: اس نماز میں قراءت بلند آواز سے کی جائے گی۔ نیز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقع پر جو خطبہ دیا ہے وہ محض وعظ ونصیحت کے لیے تھا' سو اس لیے امام ابوحنیفہ کے نزدیک وعظ ونصیحت کے لیے خطبہ دینا اس موقع پر جائز تو ہے لیکن مسنون نہیں ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک دو خطبے مسنون ہیں۔ [ماخوذ از شرح مسند امام اعظم لملاعلی القاری ص ۴۲-۴۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

٦٢- بَابُ صَلٰوةِ الْاِسْتِخَارَةِ
نمازِ استخارہ کا بیان

١٦٨- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّاصِحٍ عَنْ يَّحْيٰى عَنْ اَبِىْ سَلْمَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں استخارہ کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔

بخاری(١١٦٢)ابوداؤد(١٥٣٨)ترمذی(٤٨٠)ابن ماجہ(١٣٨٣)نسائی(٣٢٥٥)

١٦٩- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِى الْاَمْرِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ.

حضرت عبداللہ ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر معاملے میں استخارہ کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن مجید کی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَمْرًا فَلْيَتَوَضَّاْ وَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَتَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا الْاَمْرُ خَيْرًا لِّىْ فِىْ مَعِيْشَتِىْ وَخَيْرًا لِّىْ فِىْ عَاقِبَةِ اَمْرِىْ فَيَسِّرْهُ لِىْ وَبَارِكْ لِىْ فِيْهِ. وَزَادَ فِىْ رِوَايَةٍ وَاِنْ كَانَ غَيْرُهٗ فَاقْدُرْ لِىَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِىْ بِهٖ.

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو پہلے وضو کرے اور فرض کے علاوہ دو رکعت نماز نفل پڑھے' پھر وہ دعا کرتے ہوئے یہ کہے کہ اے میرے اللہ! بے شک میں تیرے علم کے ذریعہ تجھ سے خیر و بھلائی چاہتا ہوں اور میں تیری قدرت کے ذریعہ تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں اور میں تجھ سے تیرا فضل و کرم مانگتا ہوں' پس بے شک تو سب کچھ جانتا ہے اور میں سب کچھ نہیں جانتا اور تو ہر چیز پر قدرت و اختیار رکھتا ہے اور میں ہر چیز پر قدرت و اختیار نہیں رکھتا اور تو تمام غیبوں (اور پوشیدہ چیزوں) کو خوب جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر یہ کام میری معیشت و زندگی میں میرے لیے بہتر ہے اور میرے کام کے انجام کے لحاظ سے میرے لیے بہتر ہے تو اسے تو میرے لیے آسان بنا دے اور اس میں میرے لیے برکتیں عطا فرما۔ اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ اگر اس کے خلاف ہے (یعنی اگر وہ کام میرے لیے بہتر نہیں) تو تو میرے لیے خیر و بھلائی مقدر فرما دے جہاں بھی ہو' پھر تو مجھے اس پر

بخاری(١١٦٢)ابوداؤد(١٥٣٨)ترمذی(٤٨٠)
ابن ماجہ(١٣٨٣)نسائی(٣٢٥٥)

راضی فرما۔

حل لغات

''یُعَلِّمُنَا'' اس میں ''یُعَلِّمُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: تعلیم دینا، علم سکھانا اور ''نا'' ضمیر جمع متکلم مفعول بہ ہے۔ ''اَسْتَخِیْرُكَ'' اس میں ''اَسْتَخِیْرُ'' صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف مثبت باب استفعال سے ہے اس کا معنی ہے: خیر و بھلائی طلب کرنا اور ''كَ'' ضمیر واحد مذکر مخاطب مفعول بہ ہے۔ ''اَسْتَقْدِرُ'' صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف مثبت باب استفعال سے ہے اس کا معنی ہے: قدرت طلب کرنا۔ ''اَقْدِرْ'' صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: مقدر کرنا۔ ''رَضِّنِیْ'' اس میں ''رَضِّ'' صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف باب تفعیل ناقص یائی ''رَضِیَ یَرْضٰی'' سے ہے اس کا معنی ہے: راضی کرنا، اس میں نون وقایہ اور یاء متکلم کی ضمیر ہے اور مفعول بہ ہے۔

نماز استخارہ کی اہمیت

استخارہ کا معنی ہے: خیر و بھلائی طلب کرنا، اپنے لیے اچھائی چاہنا اور کسی معتبر ہستی سے خیر و بھلائی کا مشورہ کرنا، چونکہ استخارہ کی دعا اور نماز میں آدمی اللہ تعالیٰ سے خیر و بھلائی طلب کرتا ہے اور خیر و بھلائی کا مشورہ طلب کرتا ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں اس لیے اس کو استخارہ کہتے ہیں، نماز استخارہ مکروہ اوقات کے علاوہ کسی دن اور رات کے کسی وقت بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ پہلی رکعت میں ''قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ'' اور دوسری رکعت میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھے کہ یہی آسان ہے (مرقات) حدیث میں ہے کہ جو آدمی استخارہ کرے گا وہ نقصان میں نہیں رہے گا اور جو آدمی استخارہ کر لیا کرے وہ نادم و پشیمان نہ ہوگا۔ اس استخارہ کے بعد پھر جدھر دل متوجہ ہو جائے وہ کرے، ان شاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہوگی۔ بعض صوفیاء فرماتے ہیں اگر سوتے وقت نماز نفل کی دو رکعتیں پڑھ کر مذکورہ بالا حدیث میں مذکور دعا کو پڑھے، پھر باوضو قبلہ رو سو جائے۔ اگر خواب میں سبزی یا سفید جاری پانی یا روشنی دیکھے تو کامیابی کی علامت ہے اور اگر سیاہی یا گدلا پانی یا اندھیرا دیکھے تو ناکامی اور نامرادی کی علامت ہے۔ سات روز یہ عمل کرے ان شاء اللہ العزیز اس دوران خواب میں اشارہ ہو جائے گا۔ استخارہ کے اور بہت سے طریقے صاحب مرقات نے بیان کیے ہیں اور فرمایا: جسے بہت جلدی ہو وہ صرف یہ کہے: ''اَللّٰهُمَّ خِرْلِیْ وَاخْتَرْلِیْ وَاجْعَلْ لِّیَ الْخَیْرَ'' ان شاء اللہ العزیز اس کام میں خیر و برکت ہوگی۔

[ماخوذ بہ تصرف قلیل از مرأۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۰۳۔۳۰۱، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات]

استخارہ کرنے سے پہلے چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے

(۱) محرمات و ممنوعات میں سے کسی چیز کے بارے میں استخارہ کرنا کہ یہ کام کروں کہ نہ کروں ناجائز اور گناہ ہے کیونکہ ان چیزوں کا ترک ہر حال میں واجب و لازم ہے۔

(۲) فرائض اور واجبات میں سے کسی چیز کے بارے میں استخارہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کا ادا کرنا ہر حال میں واجب و ضروری ہے۔

(۳) روزمرہ کے کاموں میں استخارہ نہیں ہوتا جیسے کھانے پینے، سونے جاگنے اور لباس تبدیل کرنے وغیرہ کے بارے میں استخارہ کرنا غلط ہے۔

(۴) ایسے نادر اور اہم کام کے بارے میں استخارہ کرنا سنت ہے جس کے متعلق انسان متردد مضطرب اور پریشان ہو کہ یہ کام کروں یا نہ کروں۔ نیز وہ کام خیر و شر اور نفع و نقصان دونوں کا احتمال رکھتا ہو جیسے تجارت، حج، جہاد اور بیرون ملک ملازمت وغیرہ کا سفر یا

شادی بیاہ، نئے رشتے ناتے جوڑنے کے بارے میں استخارہ کرنا۔

(۵) اپنے کام کے لیے خود آپ استخارہ کرے تو بہتر اور افضل ہے ورنہ کسی دوسرے معتمد و معتبر اور اہل آدمی سے استخارہ کرا لے تو یہ بھی جائز ہے۔

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

(۱) امام حاکم اور امام ترمذی نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ: انسان کی سعادت و نیک بختی ہے کہ وہ اپنے ہر اہم اور نادر کام کے لیے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے اور اس کی شقاوت و بدبختی ہے کہ وہ اپنے کسی نادر و اہم کام کے لیے کبھی اللہ تعالیٰ سے استخارہ نہ کرے۔

(۲) امام طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے:
جو آدمی کسی اہم اور نادر کام کے لیے استخارہ کر لیتا ہے وہ کبھی ذلیل و رسوا نہیں ہوتا اور جو آدمی اپنے کسی کام میں اپنے معتبر دوست وغیرہ سے مشورہ کر لیتا ہے وہ کبھی نادم و شرمندہ نہیں ہوتا (جس سے مشورہ لیا جائے اس کا فرض ہے کہ اچھا مشورہ دے)۔

(۳) بعض حکماء (اسلامی دانشوروں) نے کہا ہے کہ جو شخص چار کام کرتا ہے اس سے چار بھلائیاں نہیں روکی جاتیں (۱) جو شخص نعمت خداداد پر اس کا شکر ادا کرتا ہے اس سے نعمتوں میں اضافہ نہیں روکا جاتا (۲) جو شخص سچی توبہ کر لیتا ہے اس سے توبہ کی قبولیت نہیں روکی جاتی۔ (۳) جو شخص کسی نادر اور اہم کام کے لیے استخارہ کر لیتا ہے تو اس سے خیر و بھلائی نہیں روکی جاتی (۴) جو شخص اپنے کسی اہم کام میں کسی اہل آدمی سے مشورہ کر لیتا ہے تو اس سے اس کے کام کا صحیح اور درست ہونا نہیں روکا جاتا۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۰، مطبوعہ بیروت]

٦٣- بَابُ صَلٰوةِ الضُّحٰی

چاشت کی نماز

١٧٠- **اَبُوْحَنِیْفَةَ** عَنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِیءٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَضَعَ لَامَتَهٗ وَدَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهٗ عَلَیْهِ ثُمَّ دَعَا بِثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَصَلّٰی فِیْهِ زَادَ فِیْ رِوَایَةٍ مُتَوَشِّحًا. وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ لَامَتَهٗ یَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَاُتِیَ بِهٖ فِیْ جَفْنَةٍ فِیْهَا خُبْزُ الْعَجِیْنِ فَاسْتَتَرَ بِثَوْبٍ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَعَا بِثَوْبٍ فَتَوَشَّحَ بِهٖ ثُمَّ صَلّٰی رَكْعَتَیْنِ قَالَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ وَهِیَ الضُّحٰی وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ یَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَامَتَهٗ وَدَعَا بِمَاءٍ فَاُتِیَ بِهٖ فِیْ جَفْنَةٍ فِیْهَا اَثَرُ عَجِیْنٍ فَاغْتَسَلَ وَصَلّٰی اَرْبَعًا اَوْ رَكْعَتَیْنِ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ مُتَوَشِّحًا.

بخاری (۱۱۷۶) مسلم (۱٦۷۵) ابوداؤد (۱۲۹۰)

حضرت ام ہانی ء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنی زرہ اتاری اور پانی منگایا اور اسے اپنے بدن پر بہاتے ہوئے غسل کیا، پھر آپ نے ایک کپڑا منگایا اور اس میں نماز پڑھی۔ ایک روایت میں اتنا اضافہ ہے: کپڑا لپیٹ کے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنی زرہ اتاری، پھر پانی منگایا تو آپ کی خدمت میں ایک ٹب میں پانی پیش کیا گیا جس میں آٹا گوندھنے کے نشانات تھے۔ سو آپ نے ایک کپڑے سے پردہ بنایا، پھر اس میں سے غسل فرمایا۔ پھر آپ نے ایک کپڑا منگایا اور اس کو اپنے جسم پر لپیٹ کر باندھ لیا، پھر دو رکعت نماز پڑھی۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ یہ چاشت کی نماز تھی۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنی زرہ اتاری اور پانی منگوایا، سو پانی ایک ٹب میں لایا گیا جس میں آٹے کے نشانات تھے۔ آپ نے غسل کیا اور آپ نے ایک کپڑا لپیٹ کر اس میں چار رکعات یا دو رکعات نماز

ترمذی(٤٧٤)مسند احمد(٢٧٤٢٥)ابن خزیمہ(٣٣٧) ادا فرمائی۔

حل لغات

"لَامَّۃٌ" اس میں لام اور میم مفتوح اور ہمزہ ساکن ہے' اس کا معنی ہے: زرہ۔ "مُتَوَشِّحًا" صیغہ واحد مذکر اسم فاعل باب تفعل سے ہے' توشح سے مشتق ہے' اس کا معنی ہے: کپڑا پہننا' کپڑا لپیٹنا' کپڑے کو بغل سے نکال کر کندھے پر ڈالنا۔ "جَفْنَۃٌ" اس کا معنی ہے: بہت بڑا پیالہ' ٹب' پرات' تھال' "استتر" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: چھپانا' ڈھانپنا' پردہ کرنا۔ "عَجِیْنٌ" کا معنی ہے: آٹا گوندھنا' گندھا ہوا آٹا۔

نماز اشراق اور چاشت کی وضاحت اور ثبوت

یاد رہے کہ ضحوٗ' ضحوۃ اور عشیۃ کی طرح ضحیۃ کا معنی ہے: سورج کا طلوع ہو کر بلند ہونا اور جب ضاد پر ضمہ اور آخر میں الف مقصورہ ضحیٰ پڑھا جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے: سورج کی شعاع اور اس کی روشنی جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا O" [الشمس:١] سورج اور اس کی روشنی کی قسم O

اور یہ وقت سورج کے طلوع ہو کر بلند ہونے سے لے کر چوتھائی حصہ آسمان کے پہنچنے تک ہوتا ہے اور جب ضاد پر فتحہ اور آخر میں الف ممدودہ ضحاء پڑھا جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے: نصف النہار جبکہ لوگوں میں دن کا پہلا حصہ مشہور ہے اور نماز کی دو قسمیں ہیں: ایک نماز اشراق ہے اور یہ طلوع آفتاب کے بعد ایک نیزہ یا دو نیزے کے برابر سورج بلند ہونے پر پڑھی جاتی ہے اور دوسری نماز چاشت ہے اور یہ طلوع آفتاب کے بعد ایک نیزہ یا دو نیزے کے برابر سورج کے بلند ہونے سے زوال سے پہلے تک پڑھی جاتی ہے اور بہت سی احادیث میں صلاۃ الضحیٰ کا نام ان دونوں نمازوں اور دونوں وقتوں کو شامل ہے جبکہ بعض احادیث میں صلاۃ الضحیٰ صرف نماز اشراق پر بولا جاتا ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی نے طبرانی کی حدیث ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ام ہانی! یہ اشراق کی نماز ہے' نیز امام سیوطی نے اس کے بعد ایک اور حدیث طبرانی کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) اے ابن آدم! تو مجھے دن کے پہلے حصہ میں دو رکعت نماز پڑھنے کی ضمانت دے دے تو میں اس کے دوسرے حصے میں تمہاری کفایت کروں گا۔ ارشاد باری تعالیٰ "بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ" کی تفسیر میں علامہ بیضاوی نے فرمایا کہ اشراق کا وقت تب ہوتا ہے کہ سورج طلوع ہو جائے اور اس کی روشنی صاف اور واضح ہو جائے اور یہی چاشت کا وقت ہوتا ہے لیکن شروق الشمس کا معنی ہے: طلوع آفتاب' چنانچہ جب سورج طلوع ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے: "شرقت الشمس" اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ اشراق کی نماز ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے اس آیت کریمہ سے چاشت کی نماز معلوم کر لی اور امام اجل شیخ علی متقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تبویب جمع الجوامع المعروف الجامع الکبیر میں نماز اشراق کے لیے علیحدہ عنوان قائم کیا ہے اور اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی سنن ترمذی کی حدیث بیان کی ہے کہ

من صلی صلوۃ الفجر فی جماعۃ ثم جلس یذکر اللہ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین کان لہ اجر حجۃ وعمرۃ تامتین.

یعنی جو شخص نماز فجر با جماعت ادا کرے' پھر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے' پھر وہ دو رکعت نماز نفل پڑھے تو اس کو ایک کامل حج اور ایک کامل عمرے کا اجر و ثواب ملے گا۔

اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو اس نماز کی ترغیب دی ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے خود ان دونوں وقتوں میں نماز پڑھی ہے اور حقیقت میں یہ ایک وقت ہے اور یہ ایک نماز ہے اس کا اول وقت اشراق ہے اور آخری وقت زوال

سے تھوڑی دیر پہلے تک ہے اور چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض اوقات ان دونوں وقتوں میں نماز پڑھی ہے اس لیے اس کے متعلق لوگوں نے یہ گمان کر لیا کہ یہاں دو نمازیں ہیں اور دو وقت ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اس نماز کے بارے میں اور اس کی ترغیب کے بارے میں بہت زیادہ احادیث اور آثار وارد ہیں' چنانچہ مواہب لدنیہ' فرمایا کہ شیخ ولی الدین بن عراق نے فرمایا ہے کہ اس نماز کے بارے میں بہت سی صحیح اور مشہور احادیث وارد ہیں یہاں تک کہ علامہ محمد بن جریر طبری نے کہا ہے کہ اس نماز کے حق میں احادیث تواتر معنوی اور یقین محکم کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں۔ علامہ قاضی ابوبکر بن عربی مالکی نے کہا ہے کہ یہ نماز سابق انبیاء و مرسلین کی نماز ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ O [ص:١٨] بے شک ہم نے پہاڑوں کو اس کے ساتھ مسخر کر دیا ہے جو شام کے وقت اور سورج کے چمکنے کے وقت تسبیح کرتے ہیں O

پھر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے دین میں اس تسبیح کو نماز عصر اور نماز اشراق کی صورت میں قائم اور باقی رکھا ہے۔

علامہ سیوطی نے امام دیلمی کے حوالے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نفل نماز میں سب سے زیادہ نماز چاشت ہوتی تھی اور علامہ ابن النجار کے حوالے سے حضرت ثوبان کی حدیث بیان کی ہے کہ نماز چاشت وہ نماز ہے جس کی حفاظت حضرت آدم' حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام فرماتے رہے اور اکثر علمائے دین کا مذہب یہ ہے کہ نماز چاشت پڑھنا مستحب عمل ہے کیونکہ مثبت حدیث منفی حدیث سے مقدم ہوتی ہے اور بعض علماء نے اس کو مکروہ اور بدعت قرار دیا ہے اور اس کی نفی میں احادیث بیان کی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عمر نے فرمایا یہ بہترین بدعت ہے اور مسلمانوں نے سب سے بہتر بدعت نماز چاشت کی ایجاد کی ہے۔

محققین علماء نے ان احادیث میں یوں تطبیق دی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس نماز کو اس اندیشہ کی بنا پر ہمیشہ نہیں پڑھا کہ کہیں یہ نماز امت پر فرض نہ ہو جائے اور مسلمان مشقت میں مبتلا نہ ہو جائیں لیکن اس کے باوجود آپ نے خود بھی اکثر اوقات یہ نماز پڑھی ہے اور اپنی امت کو ترغیب بھی دی ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔

اس لیے نفی کی احادیث رواۃ کے عدم علم اور عدم رویت پر مبنی ہیں یا ان میں دوام و ہمیشگی کی نفی مراد ہے اور بدعت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نفل نماز کو اہتمام کے ساتھ ہمیشہ مسجد میں پڑھنا بدعت ہے ورنہ نہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے حضرت مسروق سے فرمایا کہ تم بندوں پر وہ بوجھ کیوں ڈالتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نہیں ڈالا' اگر تم نے یہ نماز چاشت ضرور پڑھنی ہے تو مسجدوں میں ہمیشہ پڑھنے کی بجائے اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔ اس لیے بعض علماء نے کہا کہ نماز چاشت کبھی پڑھی جائے اور کبھی ترک کی جائے اور صرف گھروں میں پڑھی جائے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کو ہمیشہ پڑھنا مستحب عمل ہے کیونکہ اب فرضیت کا تو وہم ختم ہو چکا ہے۔ نماز چاشت کی تعداد کے بارے میں مختلف احادیث وارد ہیں اور یہ مختلف احوال اور مختلف اوقات کی وجہ سے ہوا ہے' سو اس لیے دو رکعت نماز سے لے کر بارہ رکعات تک پڑھی جا سکتی ہے البتہ اکثر علماء نے چار رکعات کو مختار قرار دیا ہے۔

[لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ٣ ص ١٢٢-١٢١' مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیۃ' شیش محل روڈ' لاہور' ١٩٧٥ء/١٣٩٥ھ]

٦٤- بَابُ كَثْرَةِ الْعِبَادَةِ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ

ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں کثرت عبادت کا بیان

١٧١- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ عَنْ رَّجُلٍ عَنْ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ماہ رمضان

عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ قَامَ وَنَامَ وَإِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ شَدَّ الْمِيزَرَ وَاَحْيَى اللَّيْلَ.

شروع ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو اٹھ کر عبادت کرتے اور (رات کے شروع میں) سو جاتے اور جب آخری عشرہ آتا تو آپ کمر کس لیتے اور رات کو جاگ کر عبادت کرتے۔

بخاری(٢٠٢٤)مسلم(٢٧٨٧)ابوداؤد(١٣٧٦)ترمذی(٧٩٥)نسائی(١٦٤٠)ابن ماجہ(١٧٦٨)مسند احمد(٢٤٦٣٢)ابن خزیمہ(٢٢١٤)

حل لغات

''شَدَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: تہبند یا چادر باندھنا' اس سے عبادت کے لیے جدوجہد کرنا مراد ہے۔ ''اَحْیٰ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: زندہ کرنا۔

آخری عشرہ میں عبادت نبوی کی توضیح

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے پہلے نصف حصہ میں آرام کرنے کے لیے سو جاتے اور رات کے پچھلے نصف حصہ میں اٹھ کر عبادت الٰہی میں مصروف و مشغول رہتے اور یہ آپ کی دائمی عادت تھی اور جب ماہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو کمربستہ ہو جاتے' اس سے یا تو ترک جماع مراد ہے یا پھر کثرت عبادت مراد ہے کہ ان دنوں میں آپ اعتکاف کرتے اور بہت زیادہ عبادت کرتے یہاں تک کہ رات کا اکثر اور غالب حصہ بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہتے یا رات بھر جاگ کر عبادت کرتے رہتے لیکن پہلا طریقہ زیادہ ظاہر ہے کیونکہ کسی روایت میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے آپ پر جبر کر کے پوری رات آرام اور نیند کو ترک کر دیا ہو (کیونکہ اپنی ذات کو حد سے زیادہ مشقت دینے کی بجائے اسے قدرے آرام پہنچانا بھی فرض ہے)۔

(١) بخاری' مسلم' ابوداؤد اور نسائی میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو خود بھی بیدار ہو کر عبادت کرتے اور اپنے اہل و عیال کو بھی بیدار کرتے اور خوب محنت کرتے اور کمر کس لیتے۔

(٢) صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور حدیث یوں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس قدر ماہ رمضان المبارک میں عبادت الٰہی کے لیے محنت و کوشش کرتے تھے اس قدر دیگر مہینوں میں نہیں کرتے تھے اور اس ماہ مقدس کے آخری عشرہ میں جس قدر عبادت کے لیے محنت کرتے تھے اس قدر اس کے دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ٤٢٢-٤٢١' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

٦٥- بَابُ صَلٰوةِ التَّهَجُّدِ

نماز تہجد کا بیان

١٧٢- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ زِيَادٍ عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ عَامَّةَ اللَّيْلِ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقَالَ لَهٗ اَصْحَابُهٗ اَلَيْسَ قَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے اکثر حصہ میں عبادت کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ آپ کے دونوں قدم ورم آلود ہو جاتے' ایک مرتبہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف نہیں فرما چکا؟ آپ نے فرمایا: تو کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

بخاری(١١٣٠)مسلم(٧١٢٤)ترمذی(٤١٢)ابن ماجہ(١٤١٩)نسائی(١٦٤٥)

١٧٣- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ اَنَّ صَلٰوةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ كَانَتْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهُنَّ ثَلٰثُ رَكَعَاتِ الْوِتْرِ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ.

حضرت ابوجعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو تیرہ رکعات نماز پڑھتے تھے' ان میں سے تین رکعت وتر ہوتے اور دو رکعت فجر کی سنتیں ہوتیں۔

بخاری(١١٤٠)مسلم(١٧٢٦)ابوداؤد(١٣٣٤)ترمذی(٤٤٢)نسائی(١٨٢٨)

حل لغات

''تَوَرَّمَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ورم آلود ہونا' سوج جانا۔

نماز تہجد کی مختلف روایات کا بیان

حضرت سعد بن ہشام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد میں نو رکعات نماز پڑھتے تھے اور حضرت عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر سمیت تہجد میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور مؤذن کے آنے کے بعد دو رکعت سنت فجر پڑھتے تھے۔ حضرت ہشام بن عروہ کی سند میں حضرت عروہ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ سنت فجر سمیت تیرہ رکعات پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے ایک روایت یہ ہے کہ رمضان ہو یا غیر رمضان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے' دو مرتبہ چار چار رکعت پڑھتے' اس کے بعد تین رکعت وتر پڑھتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے ایک اور روایت یہ ہے کہ آپ تیرہ رکعات پڑھتے تھے' پہلے آٹھ رکعات پڑھتے' پھر تین رکعت وتر پڑھتے' پھر بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے' ایک اور روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ نے اس کی تفصیل بیان کی اور فرمایا: ان میں دو رکعت سنت فجر تھیں۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو (کبھی) سات اور (کبھی) نو رکعات پڑھتے تھے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشمول سنت فجر تیرہ رکعات پڑھتے تھے۔

تہجد کی روایات میں تطبیق

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان روایات میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ' حضرت ابن عباس اور حضرت خالد بن زید رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے مشاہدہ کے مطابق رکعات تہجد کو روایت کیا ہے۔ رہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اپنی روایات میں اختلاف تو وہ یا راویوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے ہے کہ حضرت عائشہ نے مختلف مواقع پر مختلف رکعات کا مشاہدہ کیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کا اغلب و اکثر معمول بشمول وتر گیارہ رکعات ہو اور بعض اوقات آپ نے زیادہ سے زیادہ بشمول سنت فجر اور وتر پندرہ رکعات پڑھی ہوں اور کم از کم وتر سمیت سات رکعات پڑھی ہوں اور نماز تہجد میں کمی اور زیادتی کا باعث نیند' دیگر مصروفیات اور مرض و تکلیف کے سبب' نیز وقت میں کمی اور زیادتی کی وجہ سے ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اوائل میں آپ نے زیادہ رکعات پڑھی ہوں اور سن رسیدہ ہونے کے بعد کم رکعات پڑھی ہوں کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ سن رسیدہ ہو گئے تو رات کو سات رکعات پڑھتے تھے۔

[شرح مسلم للنووی ج ١ ص ٢٥٣' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' شرح صحیح مسلم ج ٢ ص ٤٧٠-٤٦٩' مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار' لاہور]

نمازِ تہجد کا حکم

امام مسلم صحیح مسلم میں حضرت زرارہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ہشام بن عامر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے قیام (یعنی نمازِ تہجد) کے بارے سوال کیا تو حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: کیا تم یٰاَیُّہَا الْمُزَّمِّلُ نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کہ اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر رات کا قیام فرض کیا تھا' لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام ایک سال تک رات کو نمازِ تہجد پڑھتے رہے' اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخری حصہ کو بارہ ماہ تک آسمان پر روکے رکھا' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر (دوسرے رکوع) میں تخفیف نازل فرمائی' پھر رات کا قیام (یعنی نمازِ تہجد) فرض ہونے کے بعد نفل ہو گیا۔

[صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵٦' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۷' مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور]

٦٦- بَابُ مَذَمَّةِ الدَّيْنِ وَالرِّيَاءِ وَفَضِيْلَةِ سُنَّةِ الْفَجْرِ

قرض و ریاء کی مذمت اور سنت فجر کی فضیلت

١٧٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ الْاَقْمَرِ عَنْ حُمْرَانَ قَالَ مَالُقِيَ ابْنُ عُمَرَ قَطُّ اِلَّا وَاَقْرَبُ النَّاسِ مَجْلِسًا حُمْرَانُ فَقَالَ ذَاتَ يَوْمٍ يَا حُمْرَانُ لَا اَرَاكَ تُوَاظِبُنَا اِلَّا وَاَنْتَ تُرِيْدُ لِنَفْسِكَ خَيْرًا فَقَالَ اَجَلْ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ اَمَّا اِثْنَتَانِ فَاِنِّيْ اَنْهَاكَ عَنْهُمَا وَاَمَّا وَاحِدَةٌ فَاِنِّيْ اٰمُرُكَ بِهَا فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُ بِهَا قَالَ مَا هِيَ تِلْكَ الْخِصَالُ الثَّلٰثُ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ لَا تَمُوْتَنَّ وَعَلَيْكَ دَيْنٌ اِلَّا دَيْنًا تَدَعُ بِهٖ وَفَاءً وَّلَا تُسَمِّعَنَّ مِنْ تِلَاوَةِ اٰيَةٍ فَاِنَّهٗ يُسَمِّعُ بِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا سَمِعْتَ بِهٖ قِصَاصًا وَّلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا وَاَمَّا الَّذِيْ اٰمُرُكَ بِهٖ كَمَا اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَكْعَتَا الْفَجْرِ فَلَا تَدَعْهُمَا فَاِنَّ فِيْهِمَا الرَّغَائِبَ. مسند الحارثی (٥٩٩)

حضرت ابن الاقمر حضرت حمران کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب بھی ملاقات کی جاتی تو ان کی مجلس میں تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ ان کے قریب حضرت حمران ہی ہوتے' ایک دن حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ اے حمران! میں اپنی مجلس میں تمہاری دائمی حاضری کو یہی خیال کرتا ہوں کہ تم صرف خیر و بھلائی کے طلب گار ہو' سو حضرت حمران نے عرض کیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! جی ہاں (میرا یہی مقصد ہے)! حضرت ابن عمر نے فرمایا: لیکن میں تمہیں دو کاموں سے منع کرتا ہوں اور البتہ میں تمہیں ایک کام کرنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کام کے کرنے کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے۔ حضرت حمران نے عرض کیا: اے ابوعبدالرحمٰن! وہ تین خصلتیں کون سی ہیں؟ حضرت ابن عمر نے فرمایا: تمہیں اس حال میں موت نہ آئے کہ تم پر کوئی قرض ہو مگر یہ کہ تم اس کے برابر پورا مال چھوڑ جاؤ (جس سے قرض کی مکمل ادائیگی ہو سکے) اور تم قرآن مجید کی کوئی آیت لوگوں کو سنانے (یعنی دکھاوا کرنے) کے لیے تلاوت نہ کرنا کیونکہ قیامت کے دن قصاص کے طور پر تمہاری ریاکاری کی تشہیر کی جائے گی' جس طرح تم نے ریاکاری کے لیے تلاوت کی ہوگی اور تمہارا رب تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور باقی رہا وہ کام جس کا میں تمہیں اسی طرح حکم دینے لگا ہوں جس طرح مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا' سو وہ یہ ہے کہ تم فجر کی دو رکعت سنت نماز کو ہرگز نہ چھوڑنا کیونکہ ان دونوں

رکعتوں میں رغبتوں کے بہت سے اسباب ہیں۔

١٧٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عُبَيْدِ ابْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَاكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ مُعَاهَدَةً مِّنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فرائض کے علاوہ تمام سنن و) نوافل میں فجر کی دو رکعت سنتوں سے زیادہ کسی چیز کی حفاظت و رعایت نہیں فرماتے تھے۔

بخاری (۱۱٦۹) مسلم (١٦٨٦) ابوداؤد (١٢٥٤) نسائی (١٧٥٩-١٧٦٠) مسند احمد (٢٤٦٦٨) ابن خزیمہ (١١٠٨)

حل لغات

''مَالُقِيَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول منفی باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ملاقات کرنا' زیارت کرنا' ملنا۔ ''اَنْهَاكَ'' اس میں ''اَنْهٰى'' صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: روکنا' منع کرنا۔ اس کے آخر میں ک ضمیر مخاطب مفعول بہ ہے۔ ''تدع'' صیغہ واحد مذکر حاضر فعل مضارع معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: چھوڑنا' رخصت کرنا۔ ''لَاتَسْمَعُنَّ'' صیغہ واحد مذکر حاضر فعل نہی معروف با نون ثقیلہ باب تفعیل ہے' اس کا معنی ہے: شہرت و ریاءکاری اور دکھاوے کے لیے کام کرنا۔ ''اَشَدُّ'' صیغہ واحد مذکر اسم تفضیل باب نَصَرَ يَنْصُرُ ہے' اس کا معنی ہے: بہت سخت۔

فجر کی نماز سنت کی اہمیت

اس باب کی پہلی حدیث کو امام احمد بن حنبل اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کیا ہے جبکہ دوسری حدیث کو شیخین وغیرہما نے روایت کیا ہے اور فجر کی سنتوں کے بارے میں بہت سی احادیث مرفوعہ اور موقوفہ وارد ہوئی ہیں جن میں بہت سخت تاکید کی گئی ہے اس لیے فجر کی سنت نماز تمام سنن سے اقویٰ اور موکدہ ترین ہے یہاں تک کہ بعض علماء نے کہا: فجر کی سنتیں واجب ہیں۔

(۱) امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام صبح کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعتیں (سنت فجر) ضرور پڑھتے تھے اور ان کو کبھی ترک نہیں کرتے تھے۔

(۲) انہیں سے مروی ہے کہ آپ رات کو تیرہ رکعات نماز پڑھتے' پھر جب صبح کی اذان سنتے تو دو رکعت نماز (سنت فجر) مختصر کر کے پڑھتے۔

(۳) حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ آپ طلوع فجر کے بعد دو رکعت ہلکی نماز پڑھتے تھے۔

(۴) حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم فجر کی دو رکعت سنت کبھی نہ چھوڑنا اگرچہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔

(۵) حضرت حفصہ بنت عمر سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب صبح کی اذان ہو جاتی تو آپ (مسجد میں) نماز پڑھانے جانے سے پہلے گھر میں ہلکی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

(٦) حضرت عائشہ صدیقہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ آپ صبح جب وضو کرتے تو دو رکعت نماز پڑھتے' پھر نماز پڑھانے تشریف لے جاتے۔

(۷) حضرت علی سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اقامت سے پہلے دو رکعتیں نماز پڑھتے۔ پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے اور اکثر ائمہ کے نزدیک سنن مؤکدہ پانچ ہیں: (۱) نمازِ فجر سے پہلے دو رکعت سنتیں (۲) ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعات سنتیں (۳) ظہر کی نماز کے بعد دو رکعت سنتیں (۴) نمازِ مغرب کے بعد دو رکعت سنتیں (۵) نمازِ عشاء کے بعد دو رکعت سنتیں ان میں سب سے زیادہ مؤکدہ فجر کی سنتیں ہیں پھر مغرب کی پھر نمازِ ظہر کے بعد کی دو رکعت پھر نمازِ عشاء کے بعد کی دو رکعت پھر نمازِ ظہر سے پہلے کی چار رکعات۔ [ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۹۷ رقم التحیہ ۱-۲]

٦٧- بَابُ سُنَّةِ الْقِرَاءَةِ فِی رَكْعَتَیِ الْفَجْرِ
فجر کی پہلی دو رکعت میں سنت قراءت کا بیان

۱۷٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَمَقْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اَوْ شَهْرًا فَسَمِعْتُهٗ يَقْرَاُ فِیْ رَكْعَتَیِ الْفَجْرِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَّقُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ.

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ چالیس روز یا ایک ماہ تک مسلسل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بڑے غور سے دیکھتا رہا اور آپ سے سنتا رہا کہ آپ (اس عرصہ میں) فجر کی دو رکعت سنتوں میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" اور "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" پڑھتے رہے۔

مسلم (۱٦۹۰) ترمذی (٤۱۷) ابوداؤد (۱۲۵٦) نسائی (۹٤٦) ابن ماجہ (۱۱٤۹) مسند احمد (ج ۲ ص ۹۵)

حل لغات

"رَمَقْتُ" صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کو دیر تک دیکھنا، غور و فکر کرنا۔

فجر کی سنتوں میں "قُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھنا مستحب ہے

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ و قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" کے درمیان واؤ عاطفہ مطلق جمع کے لیے ہے سو یہ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی (اس لیے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" اور دوسری میں "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" پڑھی گئی ہو) کیونکہ اس بارے میں وارد احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فجر کی سنتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد پہلی رکعت میں "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" اور دوسری رکعت میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اتنا عرصہ مسلسل فجر کی دو رکعت سنتوں میں ان دو سورتوں کا ہمیشہ پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ فجر کی سنتوں میں ان دو سورتوں کو ہمیشہ پڑھنا مستحب عمل ہے اور اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں اخلاص کی سورتیں ہیں کیونکہ پہلی سورت یعنی "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" میں تمام معبودانِ باطلہ کی نفی کی گئی ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے معبود برحق ہونے کا اقرار و اعتراف کیا گیا ہے اور دوسری سورت یعنی "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" میں اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کا احد اور صمد ہونا ثابت کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی عقیدۂ توحید حاصل ہو جاتا ہے جو دینِ اسلام کے مشن کا دائمی مدار ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۹۱-۱۹۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان]

(۱) امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت مجاہد کے طریقہ سے حضرت ابن عمر سے مرفوع حدیث روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: میں نے ایک پورا مہینہ دیکھا اور سنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نمازِ فجر سے پہلے دو رکعت سنت میں "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھا کرتے تھے۔

(۲) امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوحازم کے طریقہ سے حضرت ابوہریرہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نمازِ فجر سے پہلے دو رکعت سنتوں میں "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھتے تھے۔

(۳) امام ابن ماجہ نے حضرت عبد اللہ بن شقیق کے واسطہ سے حضرت عائشہ صدیقہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ نمازِ فجر سے پہلے دو رکعت سنتیں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے وہ دو سورتیں بہت اچھی ہیں جو آپ فجر کی دو رکعت سنتوں میں پڑھتے ہیں۔ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" اور "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ"۔ امام ترمذی نے حضرت ابن عمر کی حدیث تخریج کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس باب میں ابن مسعود، انس بن مالک، ابوہریرہ، ابن عباس، حفصہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے روایات مروی ہیں۔ نیز امام ترمذی نے کہا کہ حضرت ابن عمر کی حدیث حسن ہے۔ نیز حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت دفعہ فجر کی دو رکعت سنت کی پہلی رکعت میں "قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا" (پوری آیت) اور دوسری رکعت میں "اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ" پڑھتے تھے اور حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں "قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا"، (پوری آیت) اور دوسری رکعت میں "رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ○ یا اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ○" پڑھا کرتے تھے۔ راوی کو شک ہے۔ [ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام حاشیہ نمبر ۴، ص ۹۸، مکتبہ رحمانیہ لاہور]

٦٨- بَابُ الْجُلُوْسِ بَعْدَ الْفَجْرِ اِلٰی طُلُوْعِ الشَّمْسِ
نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک اسی جگہ بیٹھنے کا بیان

۱۷۷- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّی الصُّبْحَ لَمْ يَبْرَحْ عَنْ مَّكَانِهٖ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَتَبْيَضَّ. مسلم (۱۵۲٦) ترمذی (۵۸۵)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی جگہ سے نہیں اٹھتے تھے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جاتا اور اس کی سفید روشنی خوب پھیل جاتی۔

حل لغات

"لَمْ يَبْرَحْ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل نفی جحد بلم معروف باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی جگہ کا چھوڑنا، کسی مکان سے ہٹنا، جدا اور زائل ہونا، جب اس کے شروع میں حرف نفی آ جاتا ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے: جگہ سے نہ ہٹنا یعنی ہمیشہ رہنا۔

"تَبْيَضُّ" صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع معروف باب افعلال سے ہے اس کا معنی ہے: سفید ہونا، روشن ہونا۔

نمازِ فجر کے بعد اسی جگہ ذکر و اذکار کی فضیلت

اس حدیث کو امام حاکم، امام مسلم اور ائمہ ثلاثہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھے رہتے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جاتا۔
[شرح مسند امام اعظم الملا علی قاری ص ۲۷۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت]

(۱) حضرت معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اپنی نماز کی جگہ پر طلوعِ آفتاب اور اس کے روشن و بلند ہونے تک بیٹھا رہا یہاں تک کہ اس کے بعد اس نے نمازِ اشراق کی دو رکعتیں پڑھ لیں۔ اس دوران اس نے صرف خیر و بھلائی کا کلام پڑھا تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہوں۔ [رواہ ابوداؤد]

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نمازِ اشراق کے دوگانہ کی حفاظت کرے گا اور

اسے پابندی سے پڑھے گا تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

[رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ]

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی پہلی حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ کلام خیر سے مراد وہ کلام ہے جس پر آخرت میں ثواب ملے جیسے اللہ تعالیٰ کا ذکر' حمد وثناء اور تسبیح وتہلیل اور تکبیر وغیرہ' نیز تلاوت قرآن مجید اور اگر مسلمان کے حق میں کوئی مفید ونفع بخش بات کی جائے تو اس کا حکم بھی یہی ہے اور یہاں صلوٰۃ ضحیٰ سے اشراق کی نماز مراد ہے اور دیگر احادیث میں اشراق وچاشت دونوں نمازوں کا احتمال ہے اور اس حدیث کے ظاہر سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ یہ اجر وثواب اور مغفرت وبخشش اسی شخص کو حاصل ہوگا جو صبح کی نماز پڑھ کر اسی جگہ پر بیٹھا رہے گا لیکن اگر وہاں سے اٹھ کر خلوت میں چلا گیا اور ذکر وغیرہ میں مشغول ہو گیا تو اس کو یہ ثواب نہیں ملے گا اور دوسری حدیث میں بھی مذکور ہے کہ ہر وہ شخص جو نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھا رہے اور ذکر وغیرہ کرتا رہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور مشائخ کرام کے وصایا میں مذکور ہے کہ اگر عبادت وریاضت کے دوران یکسوئی کی بجائے افتراق و انتشار کے پیدا ہونے اور ریاکاری ودکھاوے کا اندیشہ لاحق ہو تو خلوت گاہ میں چلا جائے اور عبادت وریاضت اور وظائف میں مشغول ہو جائے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ ہر جگہ بیٹھ کر ذکر واذکار میں مشغول ہونے پر ثواب مل جاتا ہے لیکن نماز پڑھ کر اسی جگہ اپنے آپ کو روک کر بیٹھنا اور وہاں کی مشقت کو برداشت کرنا اور صبر کرنا یہ دوسرا عمل ہے (جس پر اضافی ثواب حاصل ہوگا)' نیز علمائے کرام فرماتے ہیں کہ آدمی نماز کے بعد قبلہ رو ہو کر بیٹھے اگر نیند آنے لگے تو دوزانو ہو کر بیٹھے اور نیند کو دفع کرے۔ شیخ الاسلام حضرت شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس نماز کا دنیا میں نقد فائدہ یہ ہے کہ اس سے دل میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے' سو جو مسلمان دل میں نور چاہتا ہے وہ اشراق کی نماز کی پابندی کرے اور ان حروف کا کاتب (محدث دہلوی) عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ جس طرح آفاقی آفتاب طلوع ہوتا ہے تو تمام روئے زمین کو روشن کر دیتا ہے اس طرح ذکر واذکار کا آفتاب جب دل میں جلوہ گر ہو کر بلند ہوتا ہے تو وہ سینہ کے میدان کو روشن کر دیتا ہے اور یہ معنی مشہود ومحسوس دریافت ہو چکا ہے۔

[اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۵۳' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی مرحوم دوسری حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں: یہاں بھی ضحیٰ سے مراد اشراق کے نفل ہیں۔ حفاظت سے مراد انہیں ہمیشہ پڑھنا ہے' بحالت سفر اگر اتنی دیر مصلیٰ پر نہ بیٹھ سکے تو سفر جاری کر دے اور سورج چڑھ جانے پر یہ نفل پڑھ لے۔ اللہ تعالیٰ اس پابندی کی برکت سے گناہ بخش دے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفل پر ہمیشگی اختیار کرنا منع نہیں' البتہ انہیں فرض وواجب سمجھ کر ہمیشگی کرنا ممنوع ہے' لہٰذا جو لوگ بارھویں تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں یا ہمیشہ گیارھویں کو فاتحہ کرتے ہیں وہ اس ہمیشگی کی وجہ سے گنہگار نہیں۔ [مرأۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۹۹' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

٦٩- بَابُ فَضِيْلَةِ اَرْبَعِ رَكْعَاتٍ بَعْدَ الْعِشَآءِ

نماز عشاء کے بعد چار رکعات نفل کی فضیلت

١٧٨- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْعِشَآءِ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ قَبْلَ اَنْ يَّخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ عَدَلْنَ مِثْلَهُنَّ مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز عشاء کے بعد مسجد سے نکلنے سے پہلے چار رکعات نفل پڑھ لے تو وہ شب قدر کے (چار رکعات نفل کے) برابر ہو جائیں گے۔

المجمع الہیثمی (ج ۲ ص ۲۳۱) نیل الاوطار للشوکانی (۸۹۸)

١٧٩- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى اَرْبَعًا بَعْدَ الْعِشَاءِ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِتَسْلِيْمٍ يَقْرَاُ فِي الْاُوْلٰى بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَتَنْزِيْلِ السَّجْدَةِ وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَحٰمٓ الدُّخَانُ وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّالِثَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَيٰسٓ وَفِي الرَّكْعَةِ الْاَخِيْرَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَتَبَارَكَ الْمُلْكُ كُتِبَ لَهُ كَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَشُفِّعَ لَهُ فِيْ اَهْلِ بَيْتِهِ كُلِّهِمْ مِمَّنْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ وَاُجِيْرَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَرُوِيَ مَوْقُوْفًا عَنِ ابْنِ عُمَرَ. الہیثمی (ج ۲ ص ۲۳۰) الکبیر للطبرانی (۱۲۲۴۰) سنن بیہقی (۴۳۸۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص عشاء کی نماز کے بعد چار رکعات نفل (اس طرح) پڑھ لے کہ ان کے درمیان سلام کے ساتھ فاصلہ نہ کرے' (نیز) پہلی رکعت میں سورت فاتحہ اور "تنزیل السجدۃ" اور دوسری رکعت میں سورت فاتحہ اور "حم الدخان" اور تیسری رکعت میں سورت فاتحہ اور یٰس اور آخری رکعت میں سورت فاتحہ اور "تبارک الذی بیدہ الملک" پڑھ لے تو اس کے لیے شب قدر میں قیام (یعنی عبادت) کرنے کا ثواب لکھا جائے گا اور اس کے تمام گھر والوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کر لی جائے گی جن پر دوزخ کی آگ واجب ہو چکی ہوگی اور اسے قبر کے عذاب سے نجات عطا کی جائے گی اور یہ حدیث حضرت ابن عمر سے موقوفاً بھی روایت کی گئی ہے۔

حل لغات

"عَدَلْنَ" صیغہ جمع مؤنث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: مساوی ہونا' برابر ہونا۔ "شُفِّعَ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: شفاعت کا قبول کیا جانا' سفارش کو قبول کرنا۔ "اُجِيْرَ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب افعال سے ہے بہ معنی پناہ لینا۔

اس حدیث کی فنی حیثیت

یہ حدیث اس مسند امام اعظم میں مرفوع واقع ہے اور یہ حدیث دوسری سند کے ساتھ حضرت ابن عمر سے موقوفاً بھی مروی ہے لیکن یہ بھی مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ ایسی بات راوی کی رائے سے بیان نہیں کی جا سکتی جیسا کہ حفظ قرآن کی نماز کے بارے میں حدیث وارد ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور طبرانی اور ابن السنی نے یہ حدیث عمل الیوم واللیلۃ میں روایت کی ہے اور اس کی تفصیل حصن حصین کی شرح میں مذکور ہے اور اس باب کی پہلی حدیث میں مذکورہ "عدلن" کا مطلب یہ ہے کہ نماز عشاء کے بعد چار رکعات نفل پڑھنے کا اجر وثواب شب قدر میں پڑھی گئی چار رکعات نفل کے برابر ہوگا۔ نیز اس پہلی حدیث میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ مسجد میں نوافل ادا کرنا جائز ہے اگرچہ فرض نماز کے علاوہ نوافل وغیرہ گھر میں پڑھنا افضل وبہتر ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۲۶۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

٧٠- بَابُ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ

نماز ظہر کے بعد دو رکعت سنت پڑھنے کا ثبوت

١٨٠- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بَعْدَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر کے بعد دو رکعت نماز (سنت مؤکدہ) پڑھا کرتے تھے۔

بخاری (۱۱۸۰) مسلم (۱۶۹۸) ابوداؤد (۹۵۵) ترمذی (۴۳۶)

ظہر کی نماز سے پہلے اور بعد نماز سنن کی فضیلت

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمیشہ نماز ظہر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور بہت کم کبھی کبھار ان کو ترک فرماتے اور اس لیے ہمارے علمائے کرام (یعنی حنفی علماء) نے فرمایا ہے کہ یہ دو رکعت نماز سنن مؤکدہ میں سے ہیں۔

(۱) اور صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نماز ظہر سے پہلے دو رکعتیں (تحیۃ المسجد) اور ظہر کی نماز کے بعد دو رکعتیں (سنت مؤکدہ) پڑھتے تھے۔

(۲) سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سورج ڈھلنے کے بعد اور ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے جن کے درمیان سلام کے ذریعہ فاصلہ نہیں کرتے تھے (بلکہ ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے) اور فرماتے کہ جب سورج ڈھلتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۲۶۵ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

(۳) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعات (سنت مؤکدہ) اور اس کے بعد چار رکعات (دو مؤکدہ اور دو غیر مؤکدہ) کی حفاظت و پابندی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو آگ پر حرام کر دے گا۔ [رواہ احمد' ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ]

(۴) حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سورج ڈھلنے کے بعد نماز ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور فرماتے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں' سو میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا نیک عمل اوپر اٹھایا جائے۔ [رواہ الترمذی' مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۴ 'مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

اس حدیث کے تحت شیخ محقق لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقت اجابت و قبولیت کا ہوتا ہے' جو نیک عمل اس وقت کیا جاتا ہے وہ مقبول ہوتا ہے اور چونکہ نماز تمام اعمال میں افضل و اعلیٰ ہے اس لیے اس وقت نماز پڑھنا افضل و ارجح ہے۔

[اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۰۰ 'مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

۷۱- بَابُ فَضِیْلَةِ الصَّلٰوةِ النَّافِلَةِ فِی الْبُیُوْتِ
نفل نماز گھر میں پڑھنے کی فضیلت

۱۸۱- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا فِیْ بُیُوْتِكُمْ وَلَا تَجْعَلُوْهَا قُبُوْرًا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ۔

بخاری(۴۳۲) مسلم(۱۸۲۱) ابوداؤد(۱۰۴۳) ترمذی(۴۵۱) نسائی(۱۵۹۹) ابن ماجہ(۱۳۷۷)

سنن و نوافل گھر میں پڑھنا مستحب ہے

نبی کریم ﷺ کے ارشاد "صلوا فی بیوتکم" کا مطلب ہے: تم نفل نمازیں اپنے گھروں میں پڑھا کرو اور "لا تجعلوها قبورًا" کا مطلب ہے کہ تم اپنے گھروں کو قبرستان کی طرح عبادت سے خالی اور ویران نہ بناؤ (بلکہ نفلی عبادت کے ذریعہ انہیں آباد و آراستہ رکھو) اور اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم اپنے گھروں میں اپنے مردوں کو دفن کر کے انہیں مدفن و مقبرے نہ بناؤ بلکہ تم اپنے مردوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن کیا کرو اور اس حدیث کو امام ترمذی اور امام نسائی نے بعینہٖ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت

کیا ہے جبکہ امام دارقطنی نے الافراد میں حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ "صلوا فی بیوتکم ولا تترکوا النوافل فیها" تم اپنے گھروں میں نمازیں پڑھا کرو اور ان میں نوافل پڑھنے کو ترک نہ کرو اور صحیح بخاری میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ "صلوا ایها الناس فی بیوتکم فان افضل الصلوٰة صلاة المرء فی بیته الا المکتوبة" اے لوگو! تم (نفل) نمازیں اپنے گھروں میں پڑھا کرو کیونکہ فرض نماز کے علاوہ افضل و بہترین نماز وہی ہے جو آدمی اپنے گھر میں پڑھے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۹۳ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت] خلاصہ یہ ہے کہ نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل و بہتر ہے اور رسول اللہ ﷺ کا عمل اسی طرح رہا ہے ماسوا عذر یا کسی خصوصی سبب کے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ اے لوگو! تم اپنے گھروں میں نمازیں پڑھا کرو کیونکہ فرض نماز کے علاوہ افضل نماز وہی ہے جو آدمی اپنے گھر میں پڑھے خصوصاً مغرب کی سنتیں کسی وقت مسجد میں ادا نہ کرے۔ چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے: اگر کوئی آدمی یہ دو رکعت سنتیں مسجد میں پڑھے گا تو سنت ادا نہیں ہوگی اور امام مروزی نے کہا کہ جس شخص نے نماز مغرب کے بعد یہ دو رکعتیں مسجد میں ادا کر لیں تو وہ گنہگار ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصحاب میں سے ابوثور سے اسی طرح منقول ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا یہ حکم وارد ہے کہ "اجعلوها فی بیوتکم" تم ان نمازوں کو اپنے گھروں میں پڑھو۔ اور اصل میں امر وجوب کے لیے آتا ہے اور واجب کا تارک عاصی و گنہگار ہوتا ہے لیکن جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ امر صرف استحباب کے لیے ہے' سو اس لیے فرض نمازوں کے علاوہ دیگر سنن و نوافل گھر میں پڑھنا افضل و اولیٰ ہے اور ہدایہ کے حاشیہ میں الجامع الصغیر سے منقول ہے کہ اگر کسی آدمی کو گھر میں لوٹ جانے کے بعد دیگر کاموں میں مشغول ہو جانے کا خوف و اندیشہ ہو تو وہ اگر مغرب کی دو رکعت سنتیں مسجد میں ادا کر لے تو وہ سنت ہی ادا ہوں گی اور اگر یہ اندیشہ نہ ہو تو پھر یہ سنتیں گھر میں پڑھنا افضل ہے اور اگر وہ گھر نہ جا سکے تو پھر اگر امام نے مسجد کے اندر نماز پڑھائی تو یہ مسجد کے باہر صحن میں سنتیں ادا کرے اور اگر مسجد کا خارجی حصہ نہ ہو صرف ایک کمرہ نما مسجد ہو تو پھر ستونوں کے پیچھے سنتیں وغیرہ ادا کر لے۔

[لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۳ ص ۴۲ 'مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیۃ' لاہور' اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۰۴-۵۰۳ 'مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

۷۲- بَابُ الصَّلٰوةِ فِی الْكَعْبَةِ
خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کا ثبوت

۱۸۲- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَاَلْتُ بِلَالًا اَیْنَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْكَعْبَةِ وَكَمْ صَلّٰی قَالَ صَلّٰی رَكْعَتَیْنِ مِمَّا یَلِی الْعَمُوْدَیْنِ اللَّتَیْنِ تَلِیَانِ بَابَ الْكَعْبَةِ وَالْبَیْتُ اِذْ ذَاكَ عَلٰی سِتَّةِ اَعْمِدَةٍ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے (فتح کے دن) کعبہ معظمہ میں داخل ہو کر کہاں اور کتنی رکعتیں نماز پڑھی؟ حضرت بلال نے کہا کہ آپ نے ان دو ستونوں کے پاس دو رکعتیں پڑھی تھیں جو کعبہ مکرمہ کے دروازہ کے قریب ہیں اور اس وقت خانہ کعبہ چھ ستونوں پر استوار تھا۔

بخاری(۵۰۵) مسلم(۳۲۳۰) ابوداؤد(۲۰۲۳) نسائی(۶۹۳) ابن ماجہ(۳۰۶۳)

۱۸۳- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عن سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَهٗ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْكَعْبَةِ یَوْمَ دَخَلَهَا فَقَالَ صَلّٰی فِی الْكَعْبَةِ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ فَقَالَ لَهٗ اَرِنِی الْمَكَانَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ان سے سوال کیا کہ نبی کریم ﷺ جب کعبہ معظمہ میں داخل ہوئے تو کتنی رکعت نماز پڑھی؟ حضرت ابن عمر نے فرمایا آپ نے خانہ کعبہ میں (داخل ہو کر) چار رکعت نماز پڑھی' سو اس آدمی نے حضرت ابن عمر سے

الَّذِیْ صَلّٰی فِیْهِ فَقَالَ فَبَعَثَ مَعَهٗ اِبْنَهٗ ثُمَّ ذَهَبَ تَحْتَ الْاُسْطُوَانَةِ بِحِيَالِ الْجِذْعَةِ. وَفِیْ رِوَايَةٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْكَعْبَةِ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ قُلْتُ لَهٗ اَرِنِی الْمَكَانَ الَّذِیْ صَلّٰى فِيْهِ فَبَعَثَ مَعِیَ ابْنَهٗ فَاَرَانِی الْاُسْطُوَانَةَ الْوُسْطٰى تَحْتَ الْجِذْعَةِ. مسند الحارثی (٤٧٥-٤٧٦)

عرض کیا کہ آپ مجھے وہ جگہ دکھادیں جس میں آپ ﷺ نے نماز پڑھی ہے۔ راوی نے کہا کہ حضرت ابن عمر نے اس آدمی کے ساتھ اپنے بیٹے کو بھیج دیا' پھر وہ اسے کھجور کے تنے کے سامنے درمیان والے ستون کے نیچے لے گیا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے خانہ کعبہ میں چار رکعت نماز پڑھی تو میں نے (یعنی حضرت سعید ابن جبیر نے) کہا: مجھے وہ جگہ دکھادیں جس میں آپ نے نماز پڑھی ہے تو حضرت ابن عمر نے اپنے بیٹے کو میرے ساتھ بھیج دیا' سو اس نے مجھے درمیان والا ستون دکھایا جو کھجور کے تنے کے سامنے ہے۔

حل لغات

''یَلِیَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معرف مثبت باب حَسِبَ یَحْسِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: قریب ونزدیک ہونا' متصرف وقادر ہونا' ناصر ومددگار ہونا' حبیب ودوست ہونا۔ ''اَعْمِدَةٍ'' عماد کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: ستون' کھنبا' سہارا۔ ''اَلْجِذْعَةُ'' کھجور کے درخت کی جڑ۔

خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی توضیح

معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کے ساتھ خانہ کعبہ کے اندر داخل نہیں ہوئے تھے جیسا کہ شیخین (بخاری ومسلم) نے آپ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ کعبہ معظمہ میں داخل ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید' حضرت عثمان بن طلحہ اور حضرت بلال بن رباح داخل ہوئے' پھر دروازہ بند کردیا گیا اور آپ ساتھیوں سمیت کافی دیر تک خانہ کعبہ کے اندر رہے' پھر جب آپ باہر تشریف لے آئے تو میں نے حضرت بلال سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ میں کیا کیا؟ سو حضرت بلال نے کہا کہ آپ نے کعبہ معظمہ کے ستون کو اپنی بائیں جانب اور دو ستونوں کو اپنی دائیں جانب اور تین ستونوں کو اپنے پیچھے کیا اور اس وقت خانہ کعبہ چھ ستونوں پر قائم تھا' پھر نماز پڑھی۔ اس حدیث میں ابن عمر نے نماز کو مجمل رکھا اور امام اعظم ابوحنیفہ نے روایت میں تفصیل بیان کی (کہ آپ نے چار رکعات نماز پڑھی تھی)۔

امام بخاری اور امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف لائے اور بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اس میں باطل معبودوں کے مجسمے اور ان کی تصویریں دیکھیں' سو آپ نے انہیں اتارنے اور باہر نکالنے کا حکم دیا اور انہیں وہاں سے نکال دیا گیا' نیز وہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی تصویریں رکھی ہوئی تھیں جن کے ہاتھوں میں فال کے تیر دیئے ہوئے تھے' سو آپ نے انہیں بھی نکالنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کفار مکہ کو ہلاک وتباہ کردے' وہ یقیناً جانتے تھے کہ یہ دونوں پیغمبران خدا فال کے تیر نہیں نکالتے تھے اور نہ ان سے نیک شگون لیتے تھے' پھر آپ بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے اور اس کے چاروں اطراف میں نعرۂ تکبیر کہا اور باہر نکل آئے اور اس میں نماز نہیں پڑھی اور یہ حدیث بہ ظاہر سابقہ حدیث کے منافی اور اس کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا خانہ کعبہ میں داخلہ متعدد بار پر محمول ہے کسی بار نماز پڑھ لی اور کسی بار نماز کی بجائے صرف تکبیر پر اکتفا فرمالیا ورنہ مثبت حدیث منفی حدیث پر مقدم اور راجح ہوتی ہے' علاوہ ازیں حضرت

اسامہ بن زید کی حدیث حضرت ابن عباس کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے' نیز حضرت اسامہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خانہ کعبہ کے اندر گئے' سب کچھ مشاہدہ فرمایا اور عمر میں بڑے ہونے کے اعتبار سے آپ ابن عباس سے زیادہ حدیث کو محفوظ ومضبوط رکھنے والے ہیں۔ اس کے برعکس حضرت ابن عباس' رسول اللہ کے ساتھ نہیں تھے اور عمر میں بھی چھوٹے ہیں۔

(شرح مسند امام اعظم ص ٩٧' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان)

نیز ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ وہ حضرت عبداللہ بن صفوان سے مروی ہے' آپ نے کہا: میں نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ جب نبی کریم ﷺ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے تو آپ نے کیا کیا تھا؟ حضرت عمر نے فرمایا کہ آپ نے اس کے اندر دو رکعت نماز پڑھی تھی' اسے ابوداؤد' ابن سعد اور طحاوی وغیرہ نے روایت کیا ہے اور حضرت اسامہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کعبہ معظمہ میں داخل ہوکر نماز پڑھی۔ اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ میں داخل ہوکر دو رکعت نماز پڑھی' اس کو ابن النجار نے روایت کیا ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ١٩٧' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

٧٣- بَابُ مَنْ مَّاتَ وَلَدَاهُ اَوْ ثَلَاثَةٌ — جس شخص کے دو یا تین بیٹے فوت ہوجائیں

١٨٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مَّيِّتٍ يَّمُوْتُ لَهٗ ثَلٰثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ تَعَالَى الْجَنَّةَ فَقَالَ عُمَرُ اَوِاثْنَانِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوِ اثْنَانِ.

بخاری (١٢٤٩) مسلم (٦٦٩٨) ترمذی (١٠٦٠) نسائی (١٨٧٤) ابن ماجہ (١٦٠٦)

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس مرنے والے مسلمان کے تین (نابالغ) بچے فوت ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ (ان کی شفاعت سے قیامت کے دن) اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ سو حضرت عمر نے عرض کیا: یا دو (فوت ہو جائیں)' آپ نے فرمایا: (ہاں!) یا دو (فوت ہوجائیں)۔

١٨٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ رَّجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الشَّامِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّكَ لَتَرَى السِّقْطَ مُحْبَنْطِئًا يُقَالُ لَهٗ اُدْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ لَا حَتّٰى يَدْخُلَ اَبَوَایَ. ابن ماجہ (١٦٠٨)

حضرت عبدالملک سے وہ ایک شامی صحابی سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم (قیامت کے دن) ماں کے پیٹ سے ناتمام گرنے والے بچے کو کسی کی تلاش میں حیران وپریشان دیکھو گے' اسے کہا جائے گا کہ تم جنت میں داخل ہوجاؤ تو وہ کہے گا: میں نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ میرے ماں باپ جنت میں داخل ہوجائیں۔

حل لغات

''اَلسِّقْطُ'' ناتمام بچہ' عورت کا ادھورا بچہ گرانا' ناتمام بچہ جو اپنی میعاد سے گرجائے' ناکارہ چیز۔ ''مُحْبَنْطِأً'' میم مضموم حا ساکن اور با مفتوح نون ساکن طاء مکسور' اس کا معنی ہے: جھگڑالو اور حیران وپریشان ہوکر کسی کا متلاشی۔

نابالغ مرنے والے بچوں کی شفاعت

مطلب یہ ہے کہ جس مسلمان کے مرنے سے پہلے اس کی زندگی میں تین یا دو یا ایک بچہ بلوغت سے پہلے فوت ہوجائے اور وہ اس مصیبت وصدمہ پر اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی ہوکر صبر کرے اور کسی قسم کا شکوہ نہ کرے تو ان بچوں کی سفارش کرنے پر اللہ تعالیٰ ان کے والدین کو بخش کر جنت میں داخل کرے گا۔

(۱) امام مسلم اور امام ابن ماجہ نے حضرت عتبہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس مسلمان کے تین بچے بلوغت سے پہلے فوت ہو جائیں گے وہ جنت کے آٹھوں دروازوں پر اس کا استقبال کریں گے وہ جس دروازے سے چاہے گا' داخل ہو جائے گا۔

(۲) امام ترمذی نے کتاب الشمائل میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے جس شخص کے دو ذخیرے (فوت ہونے والے دو بچے) ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان دو ذخیروں کی شفاعت پر اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ یہ ارشاد سن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ کی امت میں سے جس شخص کا ایک ذخیرہ ہو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کا بھی یہی حکم ہے (کہ اسے جنت میں داخل کیا جائے گا)' حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا: آپ کی امت میں سے جس کا کوئی ذخیرہ نہ ہو (یعنی وہ بے اولاد ہو جیسے خود حضرت عائشہ صدیقہ بے اولاد تھیں) تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: میں خود اپنی امت کا ذخیرہ ہوں اور انہیں مجھ جیسا کوئی نہیں ملے گا۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۸۷ ۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

٧٤- بَابُ شَهَادَةُ الصَّالِحِيْنَ فِي الْعَبْدِ الشَّرِيْرِ مَقْبُوْلَةٌ عِنْدَاللّٰهِ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک برے آدمی کے بارے میں نیکوں کی گواہی مقبول ہے

١٨٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عن سُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الدِّمَشْقِيِّ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ التُّسْتُرِيِّ عَنْ يَّحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَامِرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ الْعَبْدُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مِنْهُ شَرًّا وَّيَقُوْلُ النَّاسُ فِيْ حَقِّهٖ خَيْرًا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمَلَائِكَتِهٖ قَدْ قَبِلْتُ شَهَادَاتِ عِبَادِيْ عَلٰى عَبْدِيْ وَغَفَرْتُ عِلْمِيْ.

حضرت عبداللہ بن عامر اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مسلمان آدمی فوت ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی بداعمالی کو خوب جانتا ہے لیکن لوگ اس کے حق میں اچھی بات کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: بے شک میں نے اپنے اس بندے کے حق میں اپنے (نیک) بندوں کی گواہیاں قبول فرمالی ہیں اور میں نے اپنے علم کے باوجود اسے بخش دیا ہے۔

١٨٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِيءٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَلِمَ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُلَهٗ فَهُوَ مَغْفُوْرٌ لَّهٗ.

القوائد المجموعۃ للشوکانی (١٤٤٠)

حضرت ام ھانیء رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص یقین سے جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے بخش دے گا تو اسے ضرور بخش دیا جائے گا۔

حل لغات

''قَبِلْتُ'' صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: قبول کرنا' کوئی چیز لے لینا' ''غَفَرْتُ'' صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: معاف کرنا' بخش دینا' پردہ پوشی کرنا۔ ''عَلِمَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: جاننا لیکن یہاں صرف جاننا مراد نہیں بلکہ ایمان و یقین کے ساتھ جاننا اور ماننا مراد ہے۔

صالحین امت کی گواہی کی اہمیت

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس باب کی پہلی حدیث میں ''يقول الناس خيرًا'' میں ''الناس'' سے صالحین مراد ہیں یعنی جب نیک لوگ مرنے والے کے حق میں خیر و بھلائی کی گواہی دیں اور یہ کہیں کہ یہ آدمی اچھا تھا تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: میں نے اپنے اس نیک بندے کی گواہی اپنے اس مرنے والے بندے کے حق میں قبول فرمالی ہے کیونکہ شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے' باقی کسی کے پوشیدہ حالات کو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب کی امت کے صالحین کی گواہی قبول فرمالینا دراصل اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے کہ:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ. [البقرۃ:۱۴۳]

اور اسی طرح ہم نے تمہیں معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے ہو جاؤ۔

(۱) امام طبرانی نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: تم زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو اور فرشتے آسمان پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۵۰۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

علامہ ملا علی قاری اس باب کی دوسری حدیث (حدیث ام ھانیء) کے تحت لکھتے ہیں: اصل حدیث جسے امام بخاری' امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے (وہ مفصل ہے اور) اس میں ہے کہ جب کوئی بندہ کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو عرض کرتا ہے: اے میرے مالک و پروردگار! میں نے گناہ کرلیا ہے' سو آپ مجھے بخش دیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے: میرا بندہ خوب جانتا ہے کہ اس کا ایک مالک و پروردگار ہے جو گناہ کو بخش دیتا ہے اور اس پر گرفت بھی کر لیتا ہے' سو میں نے اپنے بندے کو بخش دیا ہے' پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ گناہ سے رکا رہتا ہے' پھر وہ کسی گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے اور عرض کرتا ہے: اے میرے مالک پروردگار! میں نے دوسرا گناہ کرلیا ہے' پس آپ مجھے بخش دیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے: میرا بندہ خوب جانتا ہے کہ اس کا ایک مالک و پروردگار ہے جو گناہ کو بخش دیتا ہے اور اس پر گرفت بھی کر لیتا ہے' سو میں نے اپنے بندے کو بخش دیا ہے' پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ گناہ سے رکا رہتا ہے' پھر وہ گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے اور عرض کرتا ہے: اے میرے پروردگار! میں نے اور گناہ کرلیا ہے' سو آپ مجھے بخش دیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ میرا بندہ خوب جانتا ہے کہ اس کا ایک مالک و خالق ہے جو گناہ کو بخش دیتا ہے اور اس پر گرفت بھی کر لیتا ہے' سو میں نے اپنے بندے کو تینوں مرتبہ بخش دیا ہے اب جو چاہے عمل کرے۔ دراصل یہ اس کی عادت معروفہ کے مراتب کا بیان ہے کہ وہ اپنی خصلت و عادت کے مطابق گناہ میں مبتلا بھی ہو جاتا ہے اور توبہ کی طرف رجوع بھی کر لیتا ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ مخالفت الٰہی کو مباح اور جائز سمجھنے کی وجہ سے یہ برا عمل کر لیتا ہے جیسا کہ میں نے شرح حصن حصین میں اس کی وضاحت بیان کر دی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی معاون و مددگار اور توفیق دینے والا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۴۷۵۔۴۷۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

٧٥- بَابُ حَمْلِ الْجَنَازَةِ بِجَوَانِبِهِ الْاَرْبَعَةِ

جنازہ کی چارپائی کو چاروں کناروں سے اٹھانے کا بیان

١٨٨- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ نِسْطَاسٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کی چارپائی کو کناروں سے اٹھایا جائے (اور ہر پائے کو

قَالَ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ تَحْمِلَ بِجَوَانِبِ السَّرِيْرِ فَمَا زَادَ عَلٰى ذٰلِكَ فَهُوَ نَافِلَةٌ. ابن ماجہ(١٤٧٨)

پکڑ کر دس دس قدم چلا جائے)' پھر جو شخص اس سے زیادہ (میت کی چار پائی کو اٹھا کر) چلے گا تو وہ نفلی عمل ہوگا۔

حل لغات

''تَحْمِلُ'' صیغہ واحد مذکر مخاطب فعل مضارع معروف مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: اٹھانا' برداشت کرنا۔ ''جَوَانِبُ'' جانب کی جمع ہے' طرف کنارہ' گوشہ' یہاں چار پائی کے چاروں پائے مراد ہیں۔ ''اَلسَّرِيْرُ'' جنازہ اٹھانے کی چار پائی۔

جنازہ کو اٹھانے کا مسنون طریقہ

سنت طریقہ یہ ہے کہ چار اشخاص جنازہ اٹھائیں' ایک ایک پایہ ایک ایک شخص لے اور اگر صرف دو اشخاص نے جنازہ اٹھایا' ایک سرہانے اور ایک پائنتی تو بلاضرورت مکروہ ہے اور اگر ضرورت سے ہو مثلاً جگہ تنگ ہو تو کوئی حرج نہیں' نیز سنت یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے چاروں پایوں کو کندھا دے اور ہر بار دس دس قدم چلے اور پوری سنت یہ ہے کہ پہلے داہنے سرہانے کندھا دے' پھر داہنی پائنتی' پھر بائیں سرہانے' پھر بائیں پائنتی اور دس دس قدم چلے تو اس طرح کل چالیس قدم ہوئے کیونکہ حدیث میں ہے: جو شخص چالیس قدم جنازے کے ساتھ چلے اس کے چالیس کبیرہ گنا مٹا دیئے جائیں گے' نیز حدیث میں ہے: جو جنازہ کے چاروں پایوں کو کندھا دے اللہ تعالیٰ اس کی حتمی مغفرت و بخشش فرمائے گا۔[بہار شریعت حصہ چہارم بحوالہ الجوہرۃ النیرۃ' فتاویٰ عالم گیری' درمختار] اگرچہ جنازہ کے آگے' پیچھے اور دائیں بائیں چلنا جائز ہے لیکن فضیلت و استحباب میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کے نزدیک جنازہ کے پیچھے چلنا افضل و مستحب عمل ہے جبکہ امام ثوری اور ایک گروہ جنازہ کے آگے پیچھے چلنے کو مساوی و یکساں قرار دیتے ہیں اور امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل جنازہ کے آگے چلنے کو افضل کہتے ہیں۔ علامہ شمنی نے اسی طرح کہا ہے اور ہمارے (یعنی احناف کے) دلائل درج ذیل احادیث ہیں:

(۱) صحیحین میں مروی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نماز جنازہ پڑھتا ہے اسے ایک قیراط ثواب ملے گا اور جو شخص جنازہ کے پیچھے بھی جاتا ہے یہاں تک کہ میت کو قبر میں دفن کر دیا جائے تو اس کو دو قیراط ثواب ملے گا (ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے)۔

(۲) امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت معمر اور ابن طاؤس کے واسطے سے حضرت طاؤس سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات تک پوری زندگی جنازہ کے پیچھے چلتے رہے۔

(۳) امام عبدالرزاق اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں: میں ایک دفعہ جنازہ کے ساتھ جا رہا تھا جس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کے آگے چل رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جنازہ کے پیچھے چل رہے تھے۔ میں نے حضرت علی سے عرض کیا کہ آپ تو جنازہ کے پیچھے چل رہے تھے اور یہ دونوں حضرات اس کے آگے چل رہے ہیں۔ حضرت علی نے جواب میں فرمایا کہ بے شک ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ جنازہ کے پیچھے چلنے کی فضیلت اس کے آگے چلنے پر اس طرح ہے جس طرح نماز باجماعت کی فضیلت تنہا نماز پڑھنے پر ہے لیکن یہ دونوں حضرات لوگوں پر آسانی چاہتے ہیں (کہ سب کے پیچھے چلنے پر رش ہو جانے کی وجہ سے لوگوں پر چلنے میں دشواری ہوگی) اور اس لیے بھی کہ جنازہ کے پیچھے چلنا عبرت و نصیحت اور غور و فکر میں زیادہ موثر ہوتا ہے اور بوقت ضرورت میت کی معاونت کے لیے زیادہ

قریب ہوتا ہے۔

(۴) امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: جنازہ متبوع ہے (جس کے پیچھے چلا جائے) اور جو شخص جنازہ کے آگے چلتا ہے وہ گویا جنازہ کے ساتھ شریک نہیں ہے اور ائمہ ثلاثہ کی ایک دلیل اس کتاب (مشکوٰۃ) میں مذکور حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے جس میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر کو جنازہ کے آگے چلتے ہوئے دیکھا ہے اور دوسری دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا: سوار آدمی جنازہ کے پیچھے چلے اور پیدل آدمی جنازہ کے پیچھے' آگے' دائیں اور بائیں نزدیک رہ کر چلتا رہے۔ نیز حضرت رزین نے حضرت انس سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: تم میت کے سفارشی ہو' لہٰذا تم اس کے پیچھے' آگے' دائیں اور بائیں چل سکتے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث سے صرف جواز ثابت ہوتا ہے اور کتب فقہ میں امام ابوحنیفہ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا ہے کہ جنازہ کے آگے اس کی دائیں اور بائیں جانب چلنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ جائز ہے لیکن افضل و بہتر اور مستحب عمل جنازہ کے پیچھے چلنا ہے تاکہ تمام احادیث پر عمل ہو۔[لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۴ ص ۳۳۸۔ ۳۳۷' مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیۃ' لاہور]

٧٦- بَابُ لَا يَجُوْزُ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَتَّبِعَ الْجَنَازَةَ

عورت کا جنازہ کے پیچھے آنا جائز نہیں

١٨٩- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنْ اَبِىْ عَطِيَّةَ بْنِ الْوَدَاعِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِيْ جَنَازَةٍ فَرَاٰى اِمْرَاَةً فَاَمَرَبِهَا فَطُرِدَتْ فَلَمْ يُكَبِّرْ حَتّٰى لَمْ يَرَهَا. بخاری(١٢٧٨) مسلم(٢١٦٧) ابوداؤد(٣١٦٧) ابن ماجہ(١٥٧٨)

حضرت ابوعطیہ بن الوداعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جنازہ میں شریک ہونے کے لیے باہر تشریف لائے تو آپ نے ایک عورت کو جنازہ کے پیچھے آتے ہوئے دیکھا' سو آپ نے اسے واپس بھیجنے کا حکم دیا تو اسے واپس کر دیا گیا اور آپ نے جنازہ کی تکبیر اس وقت تک نہیں پڑھی جب تک وہ آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوگئی۔

حل لغات

''طُرِدَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: دھتکارنا' بھگانا' دور کرنا' واپس دھکیلنا۔

جنازہ کے پیچھے عورتوں کے آنے یا نہ آنے کی وضاحت

امام ابوداؤد نے حضرت ام عطیہ سے روایت کیا ہے' آپ فرماتی ہیں کہ ہمیں جنازہ کے پیچھے آنے سے منع کر دیا گیا ہے اور ہم سے جنازہ کے ساتھ نہ جانے کا پختہ عہد لیا گیا ہے لیکن غالب بن ہذیل سے مروی ہے کہ کچھ عورتیں ایک جنازہ کے ساتھ جا رہی تھیں کہ حضرت عمر نے انہیں واپس لوٹانے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ مرگ کا زمانہ قریب ہے (اور غم تازہ ہے)۔

امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عمر سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلنے میں عورتوں کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں ہے۔ امام طبرانی نے جامع الکبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جنازہ میں عورتوں کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے۔[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام حاشیہ نمبر ۳۲' ص ۱۰۲' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

٧٧- بَابُ تَكْبِيْرَاتِ الْجَنَازَةِ اَرْبَعَةٌ

نماز جنازہ میں چار تکبیروں کا بیان

١٩٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَمَعَ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهُمْ عَنِ التَّكْبِيْرِ قَالَ لَهُمْ انْظُرُوْا اٰخِرَ جَنَازَةٍ كَبَّرَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدُوْهُ قَدْ كَبَّرَ اَرْبَعًا حَتّٰى قُبِضَ قَالَ عُمَرُ فَكَبِّرُوْا اَرْبَعًا. طحاوی(٢٧٧٤)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرام علیہم الرضوان کو ایک جگہ جمع کیا اور نماز جنازہ میں تکبیرات کی تعداد کے بارے میں سوال کیا اور فرمایا کہ تم دیکھو اور معلوم کرو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری نماز جنازہ پر کتنی تکبیریں پڑھی تھیں' سو صحابہ کرام نے تحقیق کر کے یہ معلوم کیا کہ آپ نے چار تکبیریں پڑھی تھیں یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا' چنانچہ حضرت عمر نے فرمایا: پس اب تم چار تکبیریں پڑھا کرو۔

حل لغات

''جَمَعَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: جمع کرنا' اکٹھا کرنا۔

''قُبِضَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: فوت ہو جانا' روح قبض ہو جانا۔

نماز جنازہ میں چار تکبیروں کا ثبوت

شیخ محقق علامہ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

چاروں اماموں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز جنازہ کی چار تکبیریں ہیں اور اس کے بارے میں کتب صحاح ستہ کی احادیث صحیحہ وارد ہو چکی ہیں' البتہ بعض روایات میں پانچ تکبیرات اور اس سے زائد کا ذکر آیا ہے لیکن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری عمل سے چار تکبیریں ثابت ہیں اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس بارے میں اسلاف کا اختلاف ہے' چنانچہ امام مسلم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے نماز جنازہ پر پانچ تکبیریں پڑھیں اور انہوں نے اس عمل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رفع (منسوب) کیا اور امام ابن المنذر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے قبیلہ بنی اسد کے ایک آدمی کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس میں پانچ تکبیریں پڑھیں اور امام ابن منذر وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل بدر پر چھ تکبیریں پڑھتے تھے اور باقی صحابہ پر پانچ تکبیریں پڑھتے تھے اور دیگر تمام لوگوں پر چار تکبیریں پڑھتے تھے اور بکر بن عبداللہ المزنی کا مذہب یہ ہے کہ تین تکبیروں سے کم نہیں اور سات سے زیادہ نہیں اور امام احمد نے اسی طرح کہا ہے لیکن انہوں نے کہا: چار تکبیروں سے کم نہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے ایک جنازہ پر بھول کر تین تکبیریں پڑھیں' پھر جب آپ نماز جنازہ سے فارغ ہوئے تو آپ سے کہا گیا: اے ابوحمزہ! آپ نے تین تکبیریں پڑھی ہیں۔ آپ نے فرمایا: پھر صفیں بناؤ' سو صفیں بنائی گئیں تو آپ نے چوتھی تکبیر پڑھی اور فرمایا: ہم اسی عمل کو اختیار کرتے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کیونکہ آپ نے تمام لوگوں کو چار تکبیریں پڑھنے پر جمع فرما دیا ہے اور امام بیہقی نے کئی سندوں کے ساتھ حضرت ابووائل سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان چار' پانچ' چھ اور سات تکبیریں پڑھتے تھے۔ پھر حضرت عمر نے سب لوگوں کو چار تکبیروں پر جمع کر دیا اور علامہ ابن عبدالبر نے کہا: میں تمام ممالک کے فقہاء میں سے کسی کے بارے میں نہیں جانتا جو چار تکبیروں سے زائد پڑھتا ہو ماسوا ابن ابی لیلیٰ کے اور علامہ شمنی نے ذکر کیا ہے کہ کتاب الآثار میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حماد اور حضرت ابراہیم نخعی کے واسطے سے امام ابوحنیفہ سے نقل فرمایا ہے کہ پہلے لوگ نماز جنازہ پر پانچ' چھ اور چار تکبیریں پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال فرما گئے۔ پھر اسی طرح حضرت ابوبکر کے دور خلافت میں پڑھتے رہے پھر حضرت عمر خلیفہ مقرر ہوئے تو پہلے یہی معمول رہا' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو بلا کر فرمایا: تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی جماعت ہو' جب تم اختلاف کرو گے تو تمہارے بعد لوگوں میں بھی اختلاف رہے گا۔ لوگ عہد جاہلیت کے قریب ہیں' سو تم کسی ایک چیز پر اکٹھے ہو جاؤ تاکہ بعد والے لوگ اس پر جمع ہو جائیں' چنانچہ تمام صحابہ کرام اس بات پر متفق ہو گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری نماز جنازہ دیکھیں کہ آپ نے اس میں کتنی تکبیریں پڑھیں یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا تاکہ وہ اس کو لے لیں اور اس کے سوا باقی سب طریقوں کو چھوڑ دیں' چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھیں تھیں' پھر ظاہر الروایۃ مطابق چوتھی تکبیر کے بعد کوئی دعا نہیں ہے بلکہ بغیر کسی چیز کے ذکر کے صرف سلام پھیرنا ہے' البتہ بعض مشائخ کرام نے ''ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة الخ'' اور ''ربنا لا تزع قلوبنا بعد اذ هديتنا'' ان دو آیتوں کا پڑھنا مستحسن قرار دیا ہے' شرح ابن الہمام میں اسی طرح مذکور ہے۔

[لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ٤ ص ٣٢٩۔٣٢٨' مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیۃ' لاہور)

٧٨- بَابُ الدُّعَاءِ لِلْمَيِّتِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز جنازہ میں میت کے لیے دعا کرنا

١٩١- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَّحْيٰى عَنْ اَبِيْ سلمة عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا صَلّٰى عَلَى الْمَيِّتِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَ ذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی مرنے والے کی نماز پڑھاتے تو آپ (تیسری تکبیر کے بعد) کہتے تھے: اے اللہ! ہمارے زندوں' ہمارے فوت ہونے والوں' ہمارے حاضرین' ہمارے غائبین' ہمارے چھوٹوں' ہمارے بڑوں' ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں (سب) کو بخش دے۔

ترمذی(١٠٢٤) ابوداؤد(٣٢٠١) ابن ماجہ(١٤٩٨) نسائی(١٩٨٨) مسند احمد(ج ٢ ص ٣٦٨)

مکمل دعا کا ذکر

اس حدیث کو امام احمد' ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے' ان میں مزید یہ الفاظ بھی مروی ہیں:

اللهم من احييته منا فاَحيه على الاسلام ومن توفيته منا فتوفه على الايمان. اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده.

[مشکوٰۃ المصابیح باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیہ]

اے اللہ! ہم میں سے جسے تو نے زندہ رکھنا ہے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے تو نے وفات دینی ہے اسے ایمان پر وفات دینا۔ اے اللہ! اس کے اجر و ثواب سے ہمیں محروم نہ رکھنا اور اس کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈالنا۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی دعائیں مروی ہیں مگر سب سے زیادہ یہی دعا مشہور ہے۔

٧٩- بَابٌ اَللَّحْدُ سُنَّةُ الْقَبْرِ

قبر تیار کرنے کے لیے لحد بنانا سنت ہے

١٩٢- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اُلْحِدَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُخِذَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَ نُصِبَ عَلَيْهِ اللَّبِنُ نَصْبًا.

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے لحد تیار کی گئی اور قبلہ کی طرف سے آپ کو قبر میں اتارا گیا اور (لحد میں لٹا کر) اس پر کچی اینٹیں نصب کی گئیں۔

مسلم(٢٢٤٠) نسائی(٢٠٠٩) ابن ماجہ(١٥٥٦) ابن حبان(٦٦٣٥)

حل لغات

''اُلْحِدَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب افعال سے ہے'اس کا معنی ہے: قبر کھود کر قبلہ کی جانب بغلی گڑھا کھودنا'لحد بنانا۔ ''نُصِبَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے'اس کا معنی ہے: کھڑا کرنا' گاڑنا' بلند کرنا۔ ''اَللَّبِنُ'' لام مفتوح با مکسور کے ساتھ' کچی اینٹ۔

قبر تیار کرنے کے دو طریقے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ کا انتقال ہوا تو مدینہ منورہ میں ایک شخص لحد کھودتا تھا اور دوسرا سیدھی قبر بناتا تھا۔ صحابہ کرام نے کہا کہ ہم اپنے رب تعالیٰ سے استخارہ کرتے ہیں اور ان دونوں کو بلوا بھیجتے ہیں' جو شخص پہلے آ جائے گا اسی کے طریقہ پر عمل کیا جائے گا' چنانچہ انہوں نے دونوں کو بلانے کے لیے آدمی بھیج دیئے تو لحد کھودنے والا پہلے آ گیا' سو اس لیے نبی کریم ﷺ کے لیے لحد کھودی گئی۔ [سنن ابن ماجہ ج ١ ص ٤٤٢ 'باب ماجاء فی الشق' مترجم' فرید بک سٹال' لاہور] حضرت ابن عباس اور حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللحد لنا والشق لغيرنا'' لحد ہمارے لیے ہے اور سادہ قبر دوسروں کے لیے ہے۔ [سنن ابن ماجہ ج ١ ص ٤٤٢-٤٤١ 'باب ماجاء فی استحباب اللحد' فرید بک سٹال' لاہور] یاد رہے کہ قبر بنانے کے دو طریقے ہیں' ایک یہ کہ صندوق نما مستطیل گڑھا کھودا جاتا ہے جس میں میت آسانی سے رکھی جاتی ہے۔ اسے عرف عام میں سادہ قبر اور عربی میں شق کہا جاتا ہے۔ آج کل عام اور زیادہ اسی کا رواج ہے۔ دوسرا یہ کہ مستطیل گڑھا کھود کر اس کے قبلہ کی طرف ایک اور گڑھا کھودا جاتا ہے جسے اردو وغیرہ میں بغلی قبر اور عربی میں لحد کہا جاتا ہے۔ یہ صرف اس قدر ہوتا ہے کہ میت اس میں آسانی سے آ جاتی ہے۔ پھر کچی اینٹوں' پتھروں یا تختوں سے بند کر کے گیلی مٹی سے لیپ کر دیا جاتا ہے' اس کے بعد باہر والے مستطیل گڑھے کو مٹی سے بھر کر قبر بنا دی جاتی ہے۔ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ

اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ لحد بنانا سنت ہے جیسا کہ ہمارے (حنفی) علماء کرام کا مؤقف ہے' البتہ جہاں زمین نرم ہو اور قبر کے لیے بیٹھ جانے کا خوف ہو وہاں شق یعنی عام سادہ قبر بنائی جائے گی (جیسے تھل اور دیگر نرم اور ریتلے علاقوں میں کچی اینٹوں سے اونٹ کی کوہان کی طرح محراب نما قبر تیار کی جاتی ہے)۔

امام مسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے مرض موت میں وصیت کی تھی کہ میرے لیے لحد کی صورت میں قبر تیار کرنا اور اس کے بعد میری لحد پر کچی اینٹیں نصب کر دینا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے کیا گیا تھا اور حضرت سعد ہی سے یہ روایت مروی ہے کہ آپ ﷺ کے لیے لحد تیار کی گئی تھی اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے لحد تیار کی گئی تھی اور اس پر کچی اینٹیں نصب کی گئی تھیں اور آپ کی قبر کو زمین سے ایک بالشت اونچا بنایا گیا تھا۔ امام ابن ابی شیبہ نے حضرت حماد بن ابی سلیمان کے واسطے سے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو قبلہ کی جانب سے قبر میں دفن کیا گیا اور پاؤں کی طرف سے نہیں لایا گیا اور امام ابن ابی شیبہ نے مزید یہ بھی روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کو اونچا اور بلند بنایا گیا تھا تاکہ پہچانی جا سکے۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسد اطہر کو قبلہ کی طرف سے لے کر قبر میں اتارا گیا اور آپ کا رخ انور قبلہ کی طرف کر دیا گیا۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت بیان کی ہے اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رات کے وقت قبر میں دفن کیا گیا اور آپ کی تدفین کے لیے چراغ روشن کیا گیا اور آپ کو قبلہ کی طرف سے لا کر قبر میں اتارا گیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ بے شک آپ خوف خدا میں بہت رونے والے اور قرآن مجید کی بہت تلاوت کرنے والے تھے اور آپ کے نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھی گئیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے یہ روایت تخریج کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یزید بن مکفف پر چار تکبیریں کہی تھیں اور انہیں قبلہ کی جانب سے لا کر قبر میں دفن کیا۔ [مع التقدیم والتاخیر شرح مسند امام اعظم ص ٣٧٧' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

٨٠- بَابُ السُّؤَالِ فِي الْقَبْرِ

قبر میں سوال و جواب

١٩٣- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ رَّجُلٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ الْمُؤْمِنُ فِيْ قَبْرِهٖ اَتَاهُ الْمَلَكُ فَاَجْلَسَهٗ فَقَالَ مَنْ رَّبُّكَ فَقَالَ اللّٰهُ قَالَ وَمَنْ نَّبِيُّكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قَالَ وَمَا دِيْنُكَ قَالَ الْاِسْلَامُ قَالَ فَيُفْسَحُ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ وَيُرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ فَاِذَا كَانَ كَافِرًا اَجْلَسَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ مَنْ رَّبُّكَ فَقَالَ هَاهْ لَا اَدْرِيْ كَالْمُضِلِّ شَيْئًا فَيَقُوْلُ مَنْ نَّبِيُّكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ لَا اَدْرِيْ كَالْمُضِلِّ شَيْئًا فَيُقَالُ مَا دِيْنُكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ لَا اَدْرِيْ كَالْمُضِلِّ شَيْئًا فَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ وَيُرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ فَيَضْرِبُهٗ ضَرْبَةً يَسْمَعُهٗ كُلُّ شَيْءٍ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ ثُمَّ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُO(ابراہیم: ٢٧)

بخاری(١٣٣٨) مسلم(٧٢١٦) ابوداؤد(٣٢٣١) ترمذی(١٠٧١) نسائی(٢٠٥٣)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مومن کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور اسے اٹھا کر بٹھاتا ہے اور اس سے سوال کرتے ہوئے کہتا ہے: تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے: اللہ (میرا رب اور خالق ہے)' فرشتہ پوچھتا ہے: تیرا نبی کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے (کہ میرے نبی) حضرت محمد ﷺ ہیں' فرشتہ پھر پوچھتا ہے: تیرا دین کیا ہے؟ مومن جواب دیتا ہے: (میرا دین) اسلام ہے۔ فرمایا: پھر اس کے لیے اس کی قبر کو کشادہ اور فراخ کر دیا جاتا ہے اور اسے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے اور اگر مرنے والا کافر ہو تو فرشتہ اسے اٹھا کر بٹھا دیتا ہے اور اس سے کہتا ہے: بتا تیرا رب کون ہے؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے: ہائے افسوس! میں تو کچھ نہیں جانتا جیسے کسی چیز کو بھول جانے والا کہتا ہے' پھر فرشتہ کہتا ہے: تیرا نبی کون ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے: ہائے افسوس! میں نہیں جانتا جیسے کسی چیز کو بھول جانے والا کہتا ہے' پھر اس سے کہا جاتا ہے: بتا تیرا دین کیا ہے؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے: ہائے افسوس! میں کچھ نہیں جانتا کسی چیز کو بھول جانے والے کی طرح' پھر اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے اور اسے دوزخ میں اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے اور فرشتہ اسے (لوہے کا ہتھوڑا) اتنے زور سے مارتا ہے کہ اس کی آواز جن و انس کے علاوہ ہر مخلوق سن لیتی ہے' پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو حق بات (کلمہ توحید) پر ثابت رکھتا ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت (قبر) میں بھی اور اللہ تعالیٰ ظالموں (یعنی کافروں) کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

١٩٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا' نبی کریم ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ قبر

عَنْ اُمِّ هَانِيءٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْقَبْرِ ثَلٰثُ سُؤَالٌ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى وَ دَرَجَاتٌ فِي الْجَنَانِ وَ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ عِنْدَ رَاْسِكَ.

مسند الحارثی (٧٥٣-٧٥٤)

میں تین چیزیں پیش آنے والی ہیں: ایک اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں دوسرا جنت کے درجات کے بارے میں اور تیسرا یہ کہ تمہارے سر کے پاس قرآن مجید کی تلاوت ہوگی۔

حل لغات

''فَاَجْلَسَهٗ'' میں اجلس صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: بٹھانا۔ آخر میں ضمیر متصل مفعول بہ ہے۔ ''يُفْسَحُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کشادہ کرنا' فراخ کرنا' وسیع کرنا۔

اہل قبور کے احوال

ملاعلی قاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں ہے: ''اذا وضع المومن اتاه الملك الخ'' یہاں مومن سے اس امت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء کا مومن مراد ہے اور وضع المومن سے مومن کو قبر میں دفن کرنا مراد ہے خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً ہو۔ اگرچہ اس حدیث میں ایک فرشتہ کا ذکر ہے لیکن یہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے جس میں ہے کہ میت کے پاس سیاہ رنگت نیلی آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں' ان میں سے ایک کو نکیر اور دوسرے کو منکر (کاف مفتوح ہے) کہا جاتا ہے۔ ایک اور روایت میں یہ اضافہ ہے کہ مومن کو دوزخ کا وہ ٹھکانہ بھی دکھایا جاتا ہے جو اسے کافر ہونے کی صورت میں نصیب ہوتا اور اسے کہا جاتا ہے کہ اگر تو کافر ہو جاتا تو یہ تیرا ٹھکانہ ہوتا مگر اب مومن ہونے کی بنا پر یہ ٹھکانہ جنت میں تبدیل کر دیا گیا ہے جس سے مومن کو بہت زیادہ مسرت وخوشی حاصل ہوتی ہے اور کافر ومنافق کو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے: اگر تو نیک مسلمان ہوتا تو یہ جنت کا ٹھکانہ تیرا ہوتا مگر کفر ونفاق اختیار کرنے کی بنا پر یہ ٹھکانہ دوزخ کے ٹھکانہ میں تبدیل کر دیا گیا ہے جس سے اس کا رنج وغم بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس (درج ذیل) ارشاد کا یہی معنی ہے کہ ''القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النيران'' یعنی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مسلمان سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' سو اس لیے اللہ تعالیٰ کے اس (درج ذیل) ارشاد کا یہی معنی ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ. [ابراہیم: ٢٧]

یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں (یعنی مرنے کے بعد قبر میں) حق بات پر ثابت رکھتا ہے۔

اور صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ آیت قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے' جب مسلمان میت سے کہا جاتا ہے: تیرا رب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ تعالیٰ ہے اور میرے نبی حضرت محمد ﷺ ہیں اور اس کے بارے میں احادیث تو بہت زیادہ وارد ہیں اور یہ احادیث معنی کے اعتبار سے تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں اور تمام اہل سنت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ قبر میں سوال وجواب اور عذاب وثواب برحق ہے' اس کا منکر گمراہ ہے اور اہل بدعت اور اہل ہواء کے سوا اس کا کوئی مخالف نہیں۔ [شرح مسند امام اعظم ص ٣٦٨-٣٦٦' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت]

٨١- بَابُ زِيَارَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَبْرِ اُمِّهٖ

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنا

١٩٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَاَتٰى قَبْرَ اُمِّهٖ فَجَاءَ وَهُوَ يَبْكِيْ اَشَدَّ الْبُكَاءِ حَتّٰى كَادَتْ نَفْسُهٗ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ بَيْنِ جَنْبَيْهِ قَالَ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ اِسْتَاْذَنْتُ رَبِّيْ فِيْ زِيَارَةِ قَبْرِ اُمِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَذِنَ لِيْ وَاسْتَاْذَنْتُهٗ فِي الشَّفَاعَةِ فَاَبٰى عَلَيَّ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اسْتَاْذَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّهٗ فِيْ زِيَارَةِ قَبْرِ اُمِّهٖ فَاَذِنَ لَهٗ فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَتّٰى انْتَهَوْا اِلٰى قَرِيْبٍ مِّنَ الْقَبْرِ فَمَكَثَ الْمُسْلِمُوْنَ وَمَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَكَثَ طَوِيْلًا ثُمَّ اشْتَدَّ بُكَاؤُهٗ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ لَا يَسْكُنُ فَاَقْبَلَ وَهُوَ يَبْكِيْ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ مَا اَبْكَاكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ قَالَ اسْتَاْذَنْتُ رَبِّيْ فِيْ زِيَارَةِ قَبْرِ اُمِّيْ فَاَذِنَ لِيْ وَاسْتَاْذَنْتُهٗ فِي الشَّفَاعَةِ فَاَبٰى فَبَكَيْتُ رَحْمَةً لَهَا وَبَكَى الْمُسْلِمُوْنَ رَحْمَةً لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

مسلم (٢٢٥٩) ابوداؤد (٣٢٣٤) نسائی (٢٠٣٦) ابن ماجہ (١٥٧٣)

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ کے لیے نکلے تو (میت کو دفنانے کے بعد) آپ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لائے اور یہاں پہنچ کر شدید گریہ زاری کی اور بہت زیادہ روئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ کی روح آپ کے جسم سے پرواز کر جائے۔ حضرت بریدہ کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو اس قدر کس چیز نے رلا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب تعالیٰ سے محمد ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو اس نے مجھے اجازت دے دی اور میں نے اس سے سفارش کرنے کی اجازت طلب کی تو اس نے مجھے انکار کر دیا (تاکہ والدہ ماجدہ کے متعلق گناہ کا خیال نہ آسکے) اور حضرت بریدہ کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے رب تعالیٰ سے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو زیارت کی اجازت دیدی' سو آپ تشریف لے گئے اور مسلمان بھی آپ کے ساتھ چل پڑے یہاں تک کہ جب سب حضرات قبر کے قریب پہنچ گئے تو مسلمان ٹھہر گئے اور نبی کریم ﷺ قبر تک تشریف لے گئے' پھر آپ وہاں کافی دیر تک ٹھہرے رہے اور روتے رہے' پھر آپ کا گریہ (رونا) شدید ہو گیا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ کی آہ وبکا نہیں رکے گی' پھر آپ روتے ہوئے ہماری طرف پلٹے تو حضرت عمر نے آپ سے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہو جائیں آپ کو کس چیز نے رلایا۔ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب تعالیٰ سے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو اس نے انکار کر دیا' سو میں تو اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ شفقت ورحمت کی بنا پر رویا ہوں اور تمام مسلمان (یعنی صحابہ کرام) نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت ورحمت کی بنا پر رو پڑے۔

حل لغات

''يَبْكِيْ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: رونا۔ ''اِسْتَاْذَنْتُ'' صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: اجازت طلب کرنا' اجازت مانگنا۔ ''فَمَكَثَ'' صیغہ واحد

مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ٹھہرنا۔ ''مَضٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: گزرنا' گزر جانا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کی نجات کا ثبوت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباء واجداد اور امہات خصوصاً والدین کریمین کی نجات کے متعلق مکمل تفصیل وتشریح فقیر کی کتاب دلائل النجات لاصول سید الکائنات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے' یہاں اختصار کے پیش نظر متاخرین محققین کا صرف اصولی مؤقف پیش کیا جارہا ہے:

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین زمانہ فترت میں فوت ہو گئے تھے (جس زمانہ میں کوئی پیغمبر تشریف نہ لائے اس کو زمانہ فترت کہتے ہیں) کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ا؎ عرصہ کے دوران میں کوئی پیغمبر تشریف نہیں لایا اور قرآن مجید میں ایک اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تک کسی قوم میں پیغمبر تشریف نہ لائے اس وقت تک اس قوم کو عذاب نہیں دیا جائے گا تاکہ وہ قوم قیامت کے دن یہ عذر پیش نہ کر سکے کہ اے اللہ! اگر ہمارے پاس تیری طرف سے کوئی نبی' رسول تیری شریعت لے کر آتا تو ہم اس پر ضرور ایمان لے آتے مگر جب تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر ہی نہیں بھیجا تو عذاب کیوں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا O اور ہم (کسی قوم کو) عذاب نہیں دیں گے جب تک (ان کی طرف پہلے) رسول نہ بھیج دیں O [بنی اسرائیل:١٥]

سو اس لیے نبی کریم کے والدین عذاب قبر اور عذاب آخرت سے محفوظ و مامون ہیں۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین سے کفر و شرک سمیت کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب ثابت نہیں ہے بلکہ وہ موحد و پارسا تھے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین حنیف پر کاربند تھے جیسا کہ خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلان نبوت سے پہلے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے دین حنیف پر قائم تھے۔ اسی طرح زید بن عمرو بن نفیل' ورقہ بن نوفل' عبید اللہ بن جحش' عثمان بن حویرث' رباب بن براء' اسعد ابوکریب حمیری' قس بن ساعدہ ایادی اور ابوقیس بن صرمہ۔

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ (علی کل شی قدیر) نے ان کو زندہ فرمایا اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت پر ایمان لائے اور دین اسلام میں داخل ہو کر خیر الامم امت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء میں شامل ہوئے اور شرف صحابیت حاصل کیا۔ امام ابن شاہین' علامہ ابوبکر خطیب بغدادی' علامہ سہیلی' علامہ قرطبی' علامہ محب طبری اور علامہ ناصر الدین بن المنیر وغیرہم کا یہی مسلک ہے۔ [الحاوی للفتاوی ج ٢' رسالہ مسالک الحنفاء ص ٢٣٣-٢٠٢]

شیخ محقق دہلوی مزید لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے والدین کو زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ فی حد ذاتہ ضعیف ہے لیکن بعض محققین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہونے کی بنا پر درجہ صحت کو پہنچ چکی ہے اور یہ علم متقدمین علماء سے مستور و مخفی رہا ہے' پھر اسے اللہ تعالیٰ نے متاخرین پر منکشف کر دیا اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جس کو چاہتا ہے جس چیز کے ساتھ چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے۔

[لمعات التنقیح ج ٢ ص ٣٨١' مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیۃ' لاہور' اشعۃ اللمعات ج ١ ص ٧١٨' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر]

٨٢- بَابُ الرُّخْصَةِ فِيْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ
زیارت قبور کی اجازت کا ثبوت

١٩٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ وَّحَمَّادٍ اَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْقُبُوْرِ اَنْ يَزُوْرُوْهَا فَزُوْرُوْهَا وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا.

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد (حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں پہلے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا' سو اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو لیکن تم کوئی بری اور بے ہودہ بات نہ کہنا۔

مسلم(٢٢٦٠) ابوداؤد(٣٢٣٥) ترمذی(١٠٥٤) نسائی(٢٠٣٥) ابن ماجہ(١٥٧١)

١٩٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ اِلَى الْمَقَابِرِ قَالَ السَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ.

حضرت ابن بریدہ اپنے والد (حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قبرستان تشریف لے جاتے تو فرماتے: اے قبروں میں رہنے والے مسلمانو! تم پر سلام ہو اور ان شاء اللہ ہم بھی تم سے یقیناً ملنے والے ہیں' ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے خیر و عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

مسلم(٢٢٥٧) ابوداؤد(٣٢٣٧) نسائی(٢٠٤٢) ابن ماجہ(١٥٤٧)

حل لغات

''تَزُوْرُوْا'' صیغہ جمع مذکر مخاطب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: زیارت کرنا' ملاقات کرنا۔ ''هُجْرًا'' (مضموم الهاء) اس کا معنی ہے: لغو بات' لایعنی بات' بے ہودہ بات' بے کار بات کہنا۔ ''اَلْمَقَابِرُ'' یہ مقبرۃ کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: قبرستان۔ ''لَاحِقُوْنَ'' صیغہ جمع مذکر اسم فاعل باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ملنا' لاحق ہونا۔

زیارت قبور کے فوائد

حضرت شیخ محقق محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

زیارت قبور مستحب عمل ہے کیونکہ یہ دلوں میں رقت و نرمی اور خدا خوفی پیدا کرتا ہے اور موت کو یاد کراتا ہے' اپنی فنا اور اللہ تعالیٰ کی بقاء و قدرت کی یاد دلاتا ہے' اس سے دیگر بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اس میں عمدہ ترین فائدہ یہ ہے کہ اس میں اہل قبور مسلمانوں کے لیے خیر و فلاح اور نجات کی دعا اور ان کے لیے استغفار کی جاتی ہے اور اس کے بارے میں سنت وارد ہو چکی ہے کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت البقیع میں تشریف لے جاتے تھے اور انہیں سلام عقیدت پیش کرتے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اہل قبور سے امداد طلب کرنا تو بہت سے فقہاء نے اس کا انکار کیا ہے اور انہوں نے کہا: زیارت قبور میں صرف مردوں کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کی جائے اور ان کو تلاوت قرآن اور دعائے مغفرت کے ذریعہ ایصال ثواب کیا جائے جبکہ مشائخ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم اور بعض محقق فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے صالحین کی قبور سے امداد طلب کرنے کو ثابت کیا ہے اور یہ مسئلہ اہل کشف اور کاملین اہل اللہ کے نزدیک مسلم و مقرر ہے۔ ان کے نزدیک اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے حتیٰ کہ ان میں سے بعض حضرات کو اہل اللہ کی ارواح مقدسہ سے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ (۱) امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر دعا کی قبولیت کے لیے مجرب تریاق ہے۔ (۲) حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے فرمایا کہ جس بزرگ سے اس کی زندگی میں مدد حاصل کی جاتی ہے اس کی موت کے بعد بھی اس سے مدد حاصل کی جاسکتی

ہے۔(۳) مشائخ عظام میں سے ایک بزرگ نے اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میں نے چار مشائخ عظام کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں اسی طرح تصرف فرماتے ہیں جس طرح وہ اپنی زندگی میں تصرف فرماتے تھے۔ ان میں ایک حضرت شیخ کامل معروف کرخی اور دوسرے غوث الثقلین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ دو آدمیوں کا ذکر کیا۔

(۴) سیدی احمد بن زروق رحمہ اللہ تعالیٰ جو مغرب کے ممالک میں علمائے صوفیہ اور اعاظم فقہاء میں سے ہیں' انہوں نے فرمایا کہ ایک دن میرے کریم شیخ حضرت ابوالعباس حضرمی نے مجھ سے فرمایا کہ بتاؤ زندہ آدمی کی امداد زیادہ قوی ہوتی ہے یا فوت ہو جانے والے کی امداد؟ سو میں نے عرض کیا: بے شک لوگ تو کہتے ہیں کہ زندہ آدمی کی امداد زیادہ قوی ہوتی ہے' آپ نے فرمایا: لیکن میں تو کہتا ہوں کہ مرنے والے آدمی کی امداد زیادہ قوی ہوتی ہے۔ آپ نے فوراً فرمایا: ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو کیونکہ مرنے والا دنیاوی عوارض و آلائش سے پاک اور اللہ تعالیٰ کے آستانہ فیض میں حاضر ہوتا ہے اور اس کے بارے میں اس جماعت سے بہت سی باتیں منقول ہیں اور یہ چیزیں اگرچہ کتاب و سنت میں معروف نہیں ہیں اور اقوال سلف بھی اس کے منافی ہیں لیکن یہ کیسے غلط ہو سکتا ہے کیونکہ دین اسلام میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور اس کو زائرین (یعنی زیارت کرنے والوں) کا علم و شعور ہوتا ہے اور کاملین کو حق تعالیٰ کی جناب میں قرب و مرتبہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ دنیا کی زندگی میں تھا یا اس سے زیادہ کامل قرب و مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور وہ اپنے دوستوں کے لیے کائنات میں کرامات و تصرفات کو ثابت کرتے ہیں اور یہ کمالات صرف ان کی ارواح مقدسہ کی وجہ سے انہیں حاصل ہوتے ہیں اور وہ باقی ہیں اور البتہ حقیقی متصرف تو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے اور ہر چیز اس کی قدرت و اختیار میں ہے اور بزرگان دین حق تعالیٰ کے جلال میں زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی فنا ہوتے ہیں' سو اللہ تعالیٰ کے ہاں اولیائے کرام کو جو شان و عظمت اور قرب و مرتبہ حاصل ہے اس کی وجہ سے اگر اولیاء اللہ میں سے کسی کے توسل و توسط سے کسی آدمی کو کچھ عطا ہو جائے جیسا دنیا کی زندگی میں ہوتا ہے تو یہ کوئی بعید و ناممکن بات نہیں کیونکہ ان دونوں حالتوں میں حقیقی تصرف و کردار صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور ان دونوں حالتوں میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو فرق کو واجب کر دے اور شریعت میں بھی اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔

(۵) حدیث شریف میں ہے کہ "لعن اللّٰہ الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیائھم مساجدا" اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ علامہ ابن حجر مکی اس حدیث کی شرح میں کہتے ہیں کہ یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو قبر کی تعظیم کے لیے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے کیونکہ یہ حرام ہے لیکن کسی نبی و رسول یا کسی نیک بزرگ کے پڑوس میں مسجد تعمیر کرنا اور قبر کے نزدیک اس کی تعظیم یا اس کی توجہ حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ صاحب قبر بزرگ سے مدد حاصل کرنے کے لیے نماز پڑھنا تا کہ بزرگ کی پاک روح کے پڑوس کی برکت سے اس کی عبادت مکمل و کامل ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

<u>آداب زیارت قبر</u>: زیارت کے آداب میں سے یہ ہے کہ زیارت کرنے والا آدمی قبلہ کو پشت کر کے مواجہ کے سامنے قبر کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو اور صاحب قبر کو سلام کرے اور قبر کو نہ تو چھوئے اور نہ اسے بوسہ دے اور نہ جھکے اور نہ قبر کی مٹی چہرے پر ملے' سو یہ نصاریٰ کی عادت ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی تلاوت مکروہ ہے اور امام محمد بن حسن شیبانی کے نزدیک قرآن مجید کی تلاوت بلا کراہت جائز ہے اور ہمارے حنفی مشائخ میں سے حضرت صدر الشہید نے امام محمد کے قول کو قبول کیا ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

شیخ جلیل امام ابوبکر محمد بن الفضل نے بیان فرمایا ہے کہ مقبرہ کے نزدیک قرآن مجید کو بلند آواز سے پڑھنا مکروہ ہے لیکن آہستہ

آواز سے تلاوت کرنا مکروہ نہیں ہے اگرچہ پورا قرآن ختم کر لے۔

شیخ محمد بن ابراہیم سے منقول ہے کہ آپ قبرستان میں سورۂ ملک بلند آواز سے اور آہستہ آواز سے دونوں طرح پڑھتے تھے اور ظاہر الروایۃ میں بلند آواز اور آہستہ آواز کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا کیونکہ اس کے جواز میں اثر (حدیث) وارد ہو چکی ہے...... شیخ ابوبکر بن سعد سے منقول ہے کہ زیارت قبور کے وقت سات مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشنا مستحب عمل ہے اور سب سے زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ یہ ثواب میت کو پہنچتا ہے اور جمعۃ المبارک کے دن اہل قبور کی زیارت کرنا سب سے افضل ہے خصوصاً دن کے پہلے حصہ میں اور حرمین شریفین میں یہی متعارف اور مشہور ہے کہ وہاں کے رہنے والے جنت البقیع اور جنت المعلٰی کے قبور کی زیارت کے لیے اسی وقت جاتے ہیں اور بعض روایات میں آیا ہے کہ باقی دنوں کی نسبت جمعۃ المبارک کے دن میں میت کو علم و ادراک زیادہ عطا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ باقی دنوں کی نسبت اس دن زائرین کو زیادہ پہچانتا ہے اور عوام الناس میں جو مشہور ہے کہ جمعہ کے دن زیارت قبور منع ہے یہ غلط ہے' اس کے بارے میں کوئی روایت وارد نہیں ہوئی' البتہ قبروں کو پاؤں سے روندنا یہ بغیر ضرورت مکروہ ہے اور آدمی کے مرنے کے بعد اس کی طرف سے سات دن تک صدقہ وخیرات کرنا مستحب عمل ہے اور میت کی طرف سے اس کے ایصال ثواب کی نیت سے صدقہ وخیرات کرنا اس کو فائدہ اور نفع دیتا ہے اس میں کسی عالم کا اختلاف نہیں ہے' سب علماء اس پر متفق ہیں کیونکہ اس کے بارے میں صحیح احادیث وارد ہیں خصوصاً پانی کا صدقہ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ صرف صدقہ وخیرات اور دعاء میت کو پہنچتے ہیں اور بعض روایات میں آیا ہے کہ جمعرات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ آیا اس کے لیے صدقہ وغیرہ کیا جاتا ہے؟ واللہ تعالیٰ اعلم!

[لمعات التنقیح ج ۴ ص ۳۸۰-۳۷۷' مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیۃ' لاہور' اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۷۱۷-۷۱۵' مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

علامہ ملا علی قاری یہاں اس باب کی حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

(۱) اس حدیث کو امام حاکم نے المستدرک میں حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا فانھا ترق القلب و تدمع العین و تذکر الآخرۃ ولا تقولوا ھجرًا.

یعنی میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے پہلے منع کیا تھا آگاہ ہو جاؤ اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ دلوں کو نرم کرتی ہے اور آنکھوں کو رلاتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے لیکن تم کوئی بری بات نہ کہنا۔

(۲) امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان (درج ذیل) الفاظ میں روایت کیا ہے:

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا فانھا تزھد فی الدنیا وتذکر الآخرۃ.

میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا سن لو اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ دنیا سے بے رغبت کرتی ہے اور آخرت یاد دلاتی ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۱۰۵' مطبوعہ بیروت]

ملا علی قاری اس باب کی دوسری حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

(۱) امام مسلم' نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے بعینہ یہ حدیث روایت کی ہے' البتہ ابن ماجہ کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ

انتم لنا فرط وانا بکم لاحقون اللھم لاتحرمنا

یعنی تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ

اجرهم ولاتفتنا بعدهم. تعالیٰ! ہمیں ان کے اجر وثواب سے محروم نہ رکھنا اور ان کے بعد ہمیں کسی فتنہ میں نہ ڈالنا۔

(۲) مسلم نسائی اور ابن ماجہ کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یوں مروی ہے:

السلام عليكم على اهل الديار من المومنين والمسلمين ويرحم الله المستقدمين منا والمستاخرين وانا ان شاء الله بكم لاحقون. قبرستان میں رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ ہمارے پہلوں پر اور ہمارے پچھلوں پر رحم فرمائے اور بے شک اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم تم سے ملنے والے ہیں۔

(۳) امام ترمذی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں یوں ہے:

السلام عليكم يا اهل القبور يغفر الله لنا ولكم انتم سلفنا ونحن بالاثر. [شرح مسند امام اعظم ص ۳۷۲۔ ۳۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت] یعنی اے قبروں میں رہنے والو! اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں بخش دے تم ہم سے پہلے جانے والے اور ہم (تمہارے) پیچھے آنے والے ہیں۔ اس طرح اور روایات بھی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

۵- كِتَابُ الزَّكٰوةِ

زکوٰۃ کے احکام

۱- بَابُ الرِّكَازِ

رکاز کا مطلب

۱۹۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرِّكَازُ مَا رَكَزَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى الْمَعَادِنِ الَّذِیْ يَنْبُتُ فِی الْاَرْضِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رکاز وہ خزانہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کانوں میں گاڑ کر چھپا رکھا ہے جو زمین کے اندر پیدا ہوتا ہے اور بڑھتا ہے۔

سنن بیہقی (۷۴۲۸) مسند ابویعلیٰ (۶۶۰۹) کنز العمال (۵۰۹۶۱)

حل لغات

"رَكَزَ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اور رکاز سے مشتق ہے اس کا معنی ہے: زمین کے اندر قدرتی گڑھی ہوئی دھاتیں کسی چیز کو زمین میں گاڑنا دفن کرنا۔ "اَلْمَعَادِنُ" یہ معدن کی جمع ہے اس کا معنی ہے: سونے وغیرہ کی کان کسی چیز کی کان ہر چیز کا منبع۔ "يَنْبُتُ" صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: اگنا بڑھنا نشوونما پانا زمین سے اگنے والا سبزہ پودا بیلیں۔

رکاز کا ثبوت اور اس کا حکم

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے المؤطا میں بیان فرمایا کہ مشہور و معروف حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "فی الرکاز الخمس" رکاز میں پانچواں حصہ صدقہ ہے۔ آپ سے عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ! رکاز کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: رکاز وہ مال ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر اسی دن پیدا فرما دیا جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سوان معادن (کانوں) میں پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنا ہے (باقی چار حصے زمین سے نکالنے والے مالک کے لیے ہیں)۔

اور اس قسم کی احادیث کی بنا پر امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا یہی قول ہے اور امام بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث تخریج کی ہے کہ رکاز وہ مال ہے جو زمین کے اندر پیدا ہوتا ہے اور نشوونما پاتا ہے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند للامام ص ۱۰۶ حاشیہ نمبر ۴ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رکاز وہ سونا اور چاندی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن زمین میں پیدا فرما دیا جس دن زمین کو پیدا کیا گیا تھا اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے اور طبرانی نے الجامع الکبیر میں حضرت ابوثعلبہ سے اور الاوسط میں حضرت جابر کی وساطت سے حضرت عبداللہ بن مسعود سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ "فی الرکاز الخمس" یعنی رکاز میں خمس (پانچوں حصہ صدقہ کرنا) ہے اور صاحب النھایۃ نے کہا ہے کہ اہل حجاز (امام مالک وغیرہ) کے نزدیک رکاز سے مراد زمین میں دفن کیے گئے اہل جاہلیت کے خزانے ہیں اور یہ اہل عراق (امام ابوحنیفہ وغیرہ) کے نزدیک معادن (زمین میں پیدا ہونے والی کانیں) ہیں اور رکاز لغت کے اعتبار سے دونوں احتمالات کو شامل ہے کیونکہ یہ دونوں زمین کے پوشیدہ خزانے ہیں جو زمین میں مرکوز و ثابت ہیں۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۵۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

۲- بَابٌ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ

ہر خیر و بھلائی صدقہ ہے

۱۹۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ فَعَلْتَهُ اِلٰى غَنِيٍّ وَّفَقِيْرٍ صَدَقَةٌ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ نیکی جو تم کسی مال دار اور فقیر و محتاج کے ساتھ کرو وہ صدقہ ہے۔

بخاری (۶۰۲۱) مسلم (۲۳۲۸)

ہر کار خیر کے صدقہ ہونے کا ثبوت

(۱) خطیب بغدادی نے الجامع میں حضرت جابر سے اور امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ "کل معروف صدقة" ہر نیکی صدقہ ہے۔

(۲) امام احمد اور بخاری نے حضرت جابر سے اور امام احمد مسلم اور ابوداؤد نے حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے کہ ہر نیکی صدقہ ہے اور مریض مسلمان حالت مرض میں جو کچھ علاج و معالجہ پر خرچ کرتا ہے وہ اس کے نامہ اعمال میں صدقہ لکھا جاتا ہے۔

(۳) امام حاکم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ مسلمان اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ اس کے حق میں صدقہ لکھا جاتا ہے اور مسلمان جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہے ماسوا اس خرچ کے جو گناہ کے کام میں یا ضرورت سے زائد عمارت کی تعمیر پر خرچ کیا جاتا ہے۔

(۴) امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر نیکی صدقہ ہے اور نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مظلوم و محتاج کی امداد کو بہت پسند کرتا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۱۴۶۔ ۱۴۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان]

(۵) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر صدقہ ہے صحابہ نے عرض کیا: اگر وہ نہ پائے؟ فرمایا: وہ اپنے ہاتھ سے کام کرے خود بھی نفع اٹھائے اور صدقہ خیرات بھی کرے صحابہ نے عرض کیا کہ اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے یا وہ یہ نہ کرے آپ نے فرمایا کہ وہ کسی مظلوم و حاجت مند کی مدد کرے عرض کیا کہ اگر وہ یہ بھی نہ کرے۔ فرمایا: تو وہ

خیر و بھلائی اور نیکی کا حکم دے' عرض کیا: اگر وہ یہ بھی نہ کرے' آپ نے فرمایا: تو وہ برائی سے بچے کیونکہ اس کے لیے یہی صدقہ ہے۔ (متفق علیہ)

(٦) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے ہر جوڑ پر ہر روز صدقہ ہے جس میں سورج طلوع ہوتا ہے' دو آدمیوں کے درمیان انصاف کر دے یہ بھی صدقہ ہے اور کسی شخص کی مدد کرتے ہوئے اسے اس کے گھوڑے پر سوار کر دے یا اس کا سامان اس کے گھوڑے پر چڑھا دے تو یہ بھی صدقہ ہے اور ہر اچھی بات صدقہ ہے اور ہر وہ قدم جس سے نماز کی طرف جائے وہ بھی صدقہ ہے اور راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دے تو یہ بھی صدقہ ہے۔ (متفق علیہ)

(٧) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اولادِ آدم میں ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے' سو جو شخص اللہ تعالیٰ کی تکبیر کہے' اس کی حمد و ثناء کرے' تہلیل کرے' تسبیح پڑھے' اللہ تعالیٰ سے مغفرت و معافی چاہے' لوگوں کے راستے سے پتھر یا کانٹا یا ہڈی ہٹا دے یا اچھی بات کا حکم دے یا برائی سے منع کرے اس تین سو ساٹھ کی گنتی کے برابر تو وہ اس دن اس طرح چلے گا کہ گویا اس نے اپنی جان کو آگ سے دور کر لیا۔ (مسلم)

(٨) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر تسبیح میں صدقہ ہے' ہر تکبیر میں صدقہ ہے' ہر حمد میں صدقہ ہے' ہر تہلیل میں صدقہ ہے اور نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے' برائی سے روکنے میں صدقہ ہے' ہر حلال صحبت میں صدقہ ہے لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی شخص اپنی (بیوی سے) شہوت پوری کرے تو اس میں اسے ثواب ملتا ہے' آپ نے فرمایا کہ بتاؤ اگر تم یہ شہوت حرام میں خرچ کرتے تو اس پر گناہ نہ ہوتا' سو اسی طرح جب تم اسے حلال میں خرچ کرو گے تو اس پر ثواب ملے گا۔ (مسلم) [مشکوٰۃ شریف باب فضل الصدقۃ الفصل الاول ص ١٦٧' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

٣- بَابُ قُبُوْلِ الْهَدِيَّةِ مِمَّنْ تَصَدَّقَ عَلَيْهِ

جس پر صدقہ کیا جائے اس سے ہدیہ قبول کرنا

٢٠٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُصُدِّقَ عَلٰى بَرِيْرَةَ بِلَحْمٍ فَرَاٰهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَّلَنَا هَدِيَّةٌ. بخاری (٢٥٧٧) مسلم (٣٧٨٢)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو صدقہ کا گوشت دیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے دیکھا اور فرمایا کہ یہ اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

غلام اور لونڈی کے ولاء کا حق دار آزاد کرنے والا مولیٰ ہے

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ کنیز تھیں اور ان کے شرف اسلام اور صحابیت پر سب اہل سیر کا اتفاق ہے۔ حضرت بریرہ پہلے جس شخص کی لونڈی تھیں اس نے ان سے طے کیا تھا کہ یہ نو اوقیہ سونا سالانہ قسطوں میں ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جائیں گی لیکن انہیں اتنا طویل عرصہ غلامی میں گزارنا گوارا نہ ہوا' چنانچہ انہوں نے ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میری مدد کیجئے اور مجھے اپنی کنیز بنا لیجئے۔ ام المومنین نے زرِ مکاتبت کی پوری رقم یک مشت دینے کا وعدہ فرما لیا' جب ان کے آقا سے دریافت کیا گیا تو وہ ان کو فروخت کرنے پر رضامند تو ہو گیا لیکن اپنا حق ولاء (وراثت کا حق) برقرار رکھنے پر مصر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا کہ وراثت کا حق اسی شخص کو پہنچتا ہے جو کسی غلام (یا لونڈی) کو خرید کر آزاد کر دے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جمع کیا اور ایک خطبہ

دیا' اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ بعض لوگ ایسی شرطیں کرنا چاہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں ہیں۔ یاد رکھو جو شرط اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں ہے وہ باطل ہے' اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نہایت سچا ہے اور اس کی شرط نہایت پختہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ولاء (غلام یا لونڈی کی وراثت) آزاد کرنے والے ہی کی ہوتی ہے' چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ نے حضرت بریرہ کو خرید کر آزاد کر دیا لیکن انہوں نے ام المومنین کی خدمت میں ہی رہنا پسند کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے فیض صحبت کے ساتھ وہ فیضان نبوی سے بھی خوب بہریاب ہوئیں اور معدن فضل و کمال بن گئیں۔ مسند ابوداؤد میں ہے کہ حضرت بریرہ کی شادی حضرت مغیث سے ہوئی تھی جو ایک حبشی غلام تھے اور صحابی تھے لیکن حضرت بریرہ نے آزادی حاصل کرنے کے بعد رسول اللہ کے ذریعہ ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور حکم نبوی پر مطلقہ کی طرح عدت پوری کی۔ حضرت بریرہ اس قدر مفلس تھیں کہ ان پر صدقہ کا مال حلال تھا' چنانچہ بعض لوگ ان کو صدقہ بھیجا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ان کے پاس جو کچھ صدقہ آتا تھا وہ ازواج مطہرت کو بطور ہدیہ دے دیا کرتی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ چولھے پر ہانڈی رکھی ہے اور اس میں گوشت پک رہا ہے لیکن کھانے کے وقت آپ کے سامنے گوشت کے بجائے کوئی اور چیز رکھی گئی تو آپ نے اس کا سبب دریافت فرمایا' ازواج مطہرات (یا حضرت عائشہ صدیقہ) نے آپ کو بتایا کہ گوشت بریرہ کو صدقے میں ملا ہے اور انہوں نے ہمیں ہدیۃً دیا ہے۔ ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ صدقے کا گوشت آپ کی خدمت میں پیش کریں' آپ نے فرمایا کہ یہ بریرہ کے لیے صدقہ ہے لیکن ہمارے لیے ہدیہ ہے۔ [ماخوذ از: تذکار صحابیات]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملکیت کے تبدیل ہو جانے سے مال کی حیثیت بھی تبدیل ہو جاتی ہے' اس لیے اب اس مال کا حکم بھی بدل جاتا ہے جیسے زکوٰۃ کا مال کہ غنی سے فقیر کی ملکیت میں تبدیل ہو جانے سے اس کی حیثیت صدقہ سے ہدیہ میں تبدیل ہو گئی تو اب اس کا حکم بھی بدل گیا کہ پہلے صرف فقیر کھا سکتا تھا مگر اب امیر و فقیر سب کھا سکتے ہیں' چنانچہ شیخ محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کوئی چیز فقیر کو زکوٰۃ کے طور پر دی' پھر فقیر نے وہ چیز کسی ایسے (مالدار) شخص کو دے دی جس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں تو وہ چیز اس شخص کے لیے حلال و جائز ہے کیونکہ وہ اب فقیر کے ملک میں آ چکی ہے' وہ جس کو دے دے جائز ہے۔

[اشعۃ اللمعات ج ٢ ص ٧٢' مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ملکیت بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے' لہٰذا اگر فقیر کو زکوٰۃ دی گئی' اس نے اس زکوٰۃ سے غنی یا سید کی دعوت و ضیافت کر دی یا وہ زکوٰۃ کی رقم کسی مسجد سرائے یا کنویں پر خیرات کر کے لگا دی تو یہ جائز ہے کہ زکوٰۃ تو فقیر پر ختم ہو گئی' اب یہ فقیر کی طرف سے ہدیہ ہے' دیکھو نبی کریم ﷺ نے حضرت بریرہ پر صدقہ کیا ہوا گوشت کھا لیا کہ اب یہ ہدیہ اور نذرانہ بن گیا تھا' اس سے بہت سے فقہی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ [مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ٣ ص ٤٨' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

٦- كِتَابُ الصَّوْمِ

روزہ کے احکام

١- بَابُ فَضِيْلَةِ الصَّوْمِ

روزے کی فضیلت

٢٠١- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

الزَّيَّاتِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّيَامُ فَهُوَ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ.

کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کا ہر عمل اس کے لیے ہے ماسوا روزوں کے کیونکہ روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کا بدلہ عطا کروں گا۔

بخاری(١٨٩٤)مسلم(٢٧٠٨)ترمذی(٧٦٤)نسائی(٢٢٢١)ابن ماجہ(١٦٣٨)

حل لغات

''اَجْزِیْ'' صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف یا مجہول مثبت باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بدلہ' صلہ' عوضانہ دینا۔

روزوں کے فوائد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اولاد آدم کی ہر نیکی دس گناہ سے لے کر سات سو گنا تک بڑھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سوائے روزہ کے کیونکہ روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کا بدلہ عطا کروں گا' وہ میری وجہ سے اپنی نفسانی خواہش اور اپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کے وقت اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ و بہتر ہے اور روزے ڈھال ہیں اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ نہ بری بات کہے اور نہ شور مچائے' سو اگر کوئی شخص اس سے گالی گلوچ کرے یا لڑائی جھگڑا کرے تو وہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ متفق علیہ [مشکوٰۃ المصابیح ص ١٧٣' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ' ملتان]

(٢) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ روزہ دار کی نیند عبادت ہے اور اس کی خاموشی تسبیح ہے اور اس کا عمل بڑھا چڑھا کر عطا کیا جائے گا اور اس کی دعا مقبول ہوتی ہے اور اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ [کنز العمال: ٢٣٥٥٧]

(٣) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ روزے ڈھال ہیں جب تک انہیں جھوٹ اور غیبت کی وجہ سے توڑ نہ دیا جائے۔

[کنز العمال: ٢٣٥٦٢]

(٤) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: روزے نصف صبر ہیں اور ہر چیز پر زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزے ہیں۔

[کنز العمال: ٢٣٥٦٦]

(٥) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

روزہ اور قرآن مجید قیامت کے دن روزہ دار بندے کی سفارش کریں گے' روزہ کہے گا: اے رب! بے شک میں نے دن کو اسے کھانے پینے اور خواہشات نفسانی روکے رکھا' سو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما اور قرآن مجید کہے گا: اے رب! میں نے رات کو اسے سونے سے روکے رکھا' سو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما' چنانچہ دونوں کی شفاعت اس کے حق میں قبول کی جائے گی۔ [کنز العمال: ٢٣٥٧٠]

(٦) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بے شک جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ریان کہا جاتا ہے۔ قیامت کے دن اس سے صرف روزے دار جنت میں داخل ہوں گے' ان کے علاوہ اس سے کوئی اور داخل نہیں ہوگا' اس دن کہا جائے گا کہ روزے دار کہاں ہیں؟ تو وہ کھڑے ہو جائیں گے اور اس دروازے سے داخل ہو جائیں گے' جب تمام روزہ دار داخل ہو جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا' پھر کوئی داخل نہیں ہو

سکے گا اور جو شخص اس میں داخل ہوگا اسے ایسا مشروب پلایا جائے گا جس کے بعد کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

[کنز العمال: ٢٣٥٧٤۔٢٣٥٧٥]

(٧) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: روزہ دار دن بھر عبادت میں رہتا ہے اگرچہ وہ بستر پر سو رہا ہو۔ [کنز العمال: ٢٣٦٠٢]

(٨) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سات اعمال ہیں' دو عمل واجب کرنے والے ہیں اور دو عملوں کا ایک گنا بدلہ ملے گا اور ایک عمل کا دس گنا بدلہ ملے گا اور ایک عمل کا سات سو گنا ثواب ملے گا اور ایک عمل ایسا ہے جس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن دو واجب کرنے والے اعمال میں ایک یہ کہ جو شخص اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا کہ وہ (دنیا میں) اس کی خالص عبادت کرتا رہا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور دوسرا وہ شخص جو اس حال میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا کہ وہ (دنیا میں) اس کے ساتھ شرک کرتا رہا تو اس کے لیے دوزخ کی آگ واجب ہوگئی اور جس نے کوئی برائی کی تو اسے اسی کی مثل ایک سزا ملے گی اور جس نے کسی نیکی کا پختہ ارادہ کیا (مگر اس کو کر نہ سکا) تو اس کو اسی کے مثل ایک ثواب ملے گا اور جس نے نیکی کر لی تو اسے دس گنا ثواب عطا کیا جائے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا تو اس کا اجر و ثواب بڑھایا جائے گا۔ ایک درہم خرچ کرنے پر سات سو درہم اور ایک دینار پر سات سو دینار خرچ کرنے کا اسے ثواب ملے گا (یعنی سات سو گنا ثواب ملے گا) اور روزے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' ان کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ [کنز العمال: ٢٣٦١٦]

(٩) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: روزے رکھا کرو صحت مند ہو جاؤ گے۔ [کنز العمال: ٢٣٦٠٠]

(١٠) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میری امت کے نوجوان خصی ہونے کے لیے (یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو کنٹرول کرنے اور زنا کاری سے بچنے کے لئے) دن کو روزہ رکھیں اور رات کو اٹھ کر عبادت کریں۔ [کنز العمال: ٢٣٥٩٣]

(١١) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: تین قسم کے آدمی جس قدر کھائیں پئیں ان پر حساب نہیں ہوگا بہ شرطیکہ کھانا پینا حلال ہونا: (١) روزہ دار (٢) سحری کھانے والا (٣) اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دینے والا۔ [کنز العمال: ٢٣٥٩٩]

(١٢) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تین قسم کے آدمیوں سے نعمتوں کے بارے میں سوال نہیں ہوگا (١) کھلانے پلانے والا (٢) سحری کھانے والا (٣) مہمان نوازی کرنے والا اور تین قسم کے آدمیوں کو سوءِ خلق کے ساتھ پیش آنے پر ملامت نہیں کیا جائے گا (١) مریض (٢) روزہ دار جب تک روزہ افطار نہ کرلے (٣) عادل امام۔ [کنز العمال: ٢٣٦٣٢]

(١٣) حضرت ام عمارہ بنت کعب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: بے شک جب روزہ دار کے پاس کھانا کھایا جاتا ہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ [کنز العمال: ٢٣٦٣٧]

(١٤) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جو شخص روزہ دار ہو اور روزے کی حالت میں فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے قیامت تک روزے لکھ دے گا۔ [کنز العمال: ٢٣٦٣٨]

(١٥) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب قیامت کا دن ہوگا تو روزے دار اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ انہیں ان کے روزوں کی ہوا سے پہچان لیا جائے گا کیونکہ ان کے مونہوں کی بو مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ اور بہتر ہوگی اور انہیں دسترخوانوں اور مشک سے مہر شدہ چاندی کے آب خوروں کے پاس بلایا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا: تم بھوکے ہو کھانا کھالو اور تم پیاسے ہو مشروبات پی لو' تم تھکے ماندے ہو آرام کرو' چنانچہ جب یہ روزہ دار لوگ آرام کریں گے اور کھائیں اور پئیں گے تو دوسرے

لوگ بھوک کے پیاسے حساب میں معلق ہوں گے۔[کنز العمال:۲۳۶۳۹]

نوٹ: یہ چند احادیث مرفوع اور قولی ذکر کی گئی ہیں۔ مکمل تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

[کنزالعمال کتاب الصوم من قسم الاقوال ج۸ ص ۲۰۷ تا ۲۲۵ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان]

۲- بَابُ فَضِیْلَةِ الْجُوْعِ مَعَ اِجْتِنَابِ الْمَحَارِمِ
محرمات سے بچنے اور بھوک کی فضیلت

۲۰۲- **اَبُوْحَنِیْفَةَ** عَنْ اِسْمَاعِیْلَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِیءٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُؤْمِنٍ جَاعَ یَوْمًا فَاجْتَنَبَ الْمَحَارِمَ وَلَمْ یَاْکُلْ مَالَ الْمُسْلِمِیْنَ بَاطِلًا اِلَّا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ. مسند الحارثی(۷۵۶)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مؤمن دن بھر بھوکا رہے اور حرام کاموں سے بچتا رہے اور مسلمانوں کا مال ناحق نہ کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل کھلائے گا۔

حل لغات

''جاع'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف ثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: بھوکا رہنا۔ ''اِجْتَنَبَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف ثبت باب افتعال سے ہے اس کا معنی ہے: بچنا' پرہیز کرنا۔ ''المحارم'' یہ محرمۃ کی جمع ہے اس کا معنی ہے: حرام وناجائز ہونا۔ ''اَطْعَمَهُ'' اس میں ''اَطْعَمَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف ثبت باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے: کھانا کھلانا' کھلانا' آخر میں ہ ضمیر مفعول بہ ہے۔

بھوک کے فضائل اور ناجائز کاموں سے پرہیز کی تاکید

اس حدیث میں تین اعمال کی فضیلت واہمیت بیان کی گئی ہے (۱) بھوکا رہنا۔ دراصل تمام مذاہب میں عقلاً اور شرعاً بھوک برداشت کرنا اور بھوکا رہنا پسندیدہ عمل ہے خصوصاً روزے کی حالت میں بھوکا پیاسا رہنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامی میں ہر عاقل' بالغ' صحت مند اور مقیم مسلمان پر سال بھر میں ماہ رمضان المبارک میں پورے ایک ماہ کے روزے فرض کر دیئے گئے تاکہ انسان میں بھوک و پیاس برداشت کرنے اور نفسانی خواہشات کو کنٹرول کرنے کی عادت وصفت پیدا ہو جائے

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ. [البقرۃ:۱۵۵]

اور البتہ ہم کچھ خوف وڈر' بھوک اور کچھ مالوں' جانوں اور پھلوں کے نقصان میں تمہیں مبتلا کر کے ضرور آزمائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) بطن جائع احب الی اللّٰه من سبعین عابدا غافلا.[طبقات الکبریٰ ج ۴ ص ۱۶۳]

بھوکے پیٹ والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ستر غافل عبادت گزاروں سے زیادہ محبوب ہے۔

پس بھوکا رہنا بہت بلند مقام ہے اور تمام امتوں اور ملتوں میں پسندیدہ ہے۔ ظاہر ہے بھوک سے انسان کا دل ودماغ بہت تیز ہوتا ہے اور اس کی طبیعت صحت مند اور چست ہوتی ہے کیونکہ بھوک نفس کو انکساری اور دل کو عجز ونیاز سکھاتی ہے۔ بھوکے آدمی کا جسم منکسر

اور دل عاجز ہوتا ہے اور قوت نفس بھوک سے ختم ہوجاتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۲) اجیعوا بطونکم واعروا اجسادکم واظمأوا اکبادکم لعلکم قلوبکم تری اللّٰه عیانا فی الدنیا.[شرح احیاء العلوم سادۃ المتقین ج۷ ص ۳۸۸]

شکم کو بھوکا اور جگر کو پیاسا رکھو اور جسم کو (ضرورت سے زائد) لباس سے آزاد رکھو تاکہ تمہارے دل دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے فیض یاب ہوں۔

جسم کو بھوک سے تکلیف تو ہوتی ہے مگر دل کو روشنی ملتی ہے۔ روح کو صفا اور دل کو ضیا نصیب ہوتی ہے۔ بھلا جسمانی تکلیف سے کیا نقصان ہوتا ہے' البتہ بسیار خوری کوئی قابل توقیر چیز نہیں ورنہ مویشیوں کو زیادہ نہ کھلایا جاتا۔ بسیار خوری تو مویشیوں کا کام ہے اور بھوک بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔ بھوک باطن کی پرورش کرتی ہے۔ پیٹ بھر کر کھانا تن پروری ہے' بھلا وہ آدمی جو ساری عمر تن پروری میں مصروف رہے اور جسمانی خواہشات پر خرچ کرے اس شخص کے برابر کس طرح ہو سکتا ہے جو ساری عمر اپنے باطن کی پرورش کرے۔ راہ حق میں منفرد ہو اور علائق دنیا سے آزاد ہو۔ ایک دنیادار ہے جسے دنیا صرف کھانے کے لیے درکار ہے اور دوسرا دوست حق ہے جسے کھانا صرف عبادت کرنے کے لیے ضروری ہے۔ ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ پہلے لوگ صرف اس لیے کھاتے تھے کہ زندہ رہیں اور تم اس لیے زندہ رہتے ہو کہ کھاتے رہو حالانکہ بھوک صدیقوں کا طعام اور مریدوں کا مسلک اور شیاطین کی قید ہے۔[ماخوذ از کشف المحجوب' باب بھوک اور اس سے متعلق امور ص ۴۴۸۔۴۴۷ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور]

(۲) محارم سے بچنا جیسے عیب جوئی' غیبت' حسد' کینہ' عداوت ودشمنی اور چغل خوری وغیرہم سے بچنا کیونکہ یہ سب خرابیاں سخت حرام ہیں' ان سے امت میں افتراق وانتشار پیدا ہوتا ہے اور اپنی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں' نیز ان عیبوں کی وجہ سے آدمی خود غرض اور غیر معتبر ہو جاتے ہیں اور معاشرے سے تنہا رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ

(۱) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اے میرے صحابیو!) کیا میں روزے' صدقہ وخیرات اور نماز سے بڑھ کر درجہ والی چیز نہ بتاؤں۔ راوی کہتا ہے: ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں ضرور بتائیں' آپ نے فرمایا: آپس کے باہمی تعلقات ومعاملات کی اصلاح کرنا اور (یاد رکھو) آپس کے تعلقات ومعاملات کا بگاڑ (نیکیوں کو) مونڈ دینے والا ہے۔ اس کو ابوداؤد اور ابوعیسیٰ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔[مرأۃ ج۶ ص ۶۱۴]

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ایاکم والحسد فان الحسد یا کل الحسنات کما تا کل النار الحطب. [رواہ ابوداؤد]

اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے' جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا دیتی ہے۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے اور تم نہ تو عیب جوئی کرو اور نہ کسی کی خفیہ باتیں سنو اور نہ تم ایک دوسرے کو دھوکہ دو اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو اور نہ ایک دوسرے سے بغض وکینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ تم نفسانیت وانانیت کی وجہ سے ایک دوسرے کے خلاف فساد نہ پھیلاؤ۔ ''متفق علیہ'' [مرأۃ ج۶ ص ۶۰۸۔۶۰۷]

(۳) ناحق اور ناجائز طریقے سے مسلمانوں کے مال کھانے سے بچنا جیسے چوری' خیانت وبددیانتی' ڈاکہ زنی' جوابازی' رشوت' سود' موسیقی' گلوکاری' دھوکہ دہی' ملاوٹ اور دوسرے حیلوں بہانوں کے ذریعہ مسلمانوں کا مال کھانا باطل وحرام اور ناحق وناجائز ہے جس سے بچنا واجب وضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ. [النساء:٢٩]

اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت کو خطاب ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا مال ناحق نہ کھائے۔ جوا' سود' دھوکے سے بنا ہوا مال' غصب شدہ مال' کسی کے حق کا انکار مثلاً کسی کی مزدوری' اجرت یا کرایہ کا انکار کر کے اس کا حق مار لینا یا وہ مال جس کو شریعت نے حرام کر دیا ہے مثلاً فاحشہ کی اجرت اور شراب اور مردار کی قیمت یہ تمام قسم کے مال حرام ہیں اور ان کا کھانا جائز نہیں ہے۔ [تفسیر تبیان القرآن ج ا' ص ٧٤٠' مطبوعہ فرید بک سٹال ٣٨ اردو بازار' لاہور]

٣- بَابُ فَضِيْلَةِ الصَّوْمِ فِيْ يَوْمِ عَاشُوْرَآءِ

عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت

٢٠٣- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْحُمَيْرِيِّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ مُرْقَوْمَكَ فَلْيَصُوْمُوْا هٰذَا الْيَوْمَ قَالَ اِنَّهُمْ طَعِمُوْا قَالَ وَّاِنْ كَانُوْا قَدْ طَعِمُوْا.

بخاری(٢٠٠٧) مسلم(٢٦٦٩) ابن ماجہ(١٧٣٥)

حضرت حمید بن عبدالرحمٰن حمیری رضی اللہ عنہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے صحابہ کرام میں سے ایک صحابی سے دس محرم الحرام کے دن فرمایا کہ تم اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ آج کے دن کا روزہ رکھیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو کھا پی چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ وہ کھا پی چکے ہیں (پھر بھی اس دن کی حرمت میں روزہ دار کی طرح باقی دن کچھ نہ کھائیں پئیں)۔

حل لغات

''مُرْ'' صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر حاضر معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: حکم دینا۔ ''فَلْيَصُوْمُوْا'' صیغہ جمع مذکر غائب فعل امر غائب معروف باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: روزہ رکھنا۔ ''طَعِمُوْا'' صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کھانا۔

عاشورہ کے دن اور ماہ رمضان کے روزوں کی اہمیت

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

(١) ثلاثیات البخاری میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ (دس محرم) کے دن ایک آدمی کو بھیجا کہ لوگوں میں اعلان کر دے کہ جس نے کھا پی لیا تو وہ روزہ رکھے (یعنی احتراماً کھانا پینا بند رکھے) اور جس نے کچھ نہیں کھایا تو اب وہ نہ کچھ کھائے نہ پئے (بلکہ روزے کی نیت کرے) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جس نے کھا پی لیا ہے تو وہ باقی دن کا روزہ رکھ لے اور جس نے کچھ نہیں کھایا پیا تو وہ روزہ رکھ لے کیونکہ یہ دن عاشورہ کا دن ہے۔

(٢) صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کے روزہ رکھنے کا ہمیں حکم دیتے تھے اور ہمیں ترغیب دیتے تھے یا ہم سے عہد لیتے تھے' پھر جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو ہم سے عہد نہیں لیا اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ پھر جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہو گئے تو آپ نے فرمایا: جو شخص چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ [شرح امام اعظم ص ٢٩١' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

(٣) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان المبارک کے بعد افضل و بہتر روزے اللہ تعالیٰ

کے ہاں محرم کے ہیں اور فرض نماز کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے۔ [رواہ مسلم]

(٤) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کسی دن کے روزوں کو دوسرے دنوں پر فضیلت و بزرگی دیتے ہوئے کوشش کرتے ہوں سوائے عاشورہ کے دن اور ماہ رمضان المبارک کے (متفق علیہ)۔

(٥) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن روزہ رکھا اور اس کے روزے کا حکم دیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ وہ دن ہے جس کی یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ہم آئندہ سال زندہ رہے تو نویں محرم کا روزہ بھی رکھیں گے۔ [رواہ مسلم] [مشکوٰۃ ص ١٧٨' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

(٦) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم کس سبب کی بنا پر اس دن روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ ایک عظیم الشان دن ہے کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات عطا فرمائی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکر ادا کرنے کے لیے اس دن روزہ رکھا' سو ہم بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے شکر ادا کرنے کا تم سے زیادہ ہمارا حق ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کا روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

[صحیح مسلم رقم الحدیث ٢٥٥٤' ج ١ ص ٣٥٩' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ١٣٧٥ھ/١٩٥٦ء]

عاشورہ کے روزے کا حکم

اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اب عاشورہ کا روزہ سنت ہے' البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ماہ رمضان المبارک سے پہلے جب عاشورہ کا روزہ شروع ہوا تو اس وقت یہ واجب تھا یا مستحب' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت یہ واجب تھا اور امام شافعی کے نزدیک اس وقت یہ مستحب تھا لیکن اس کا استحباب مؤکد تھا' بعد میں صرف مستحب رہ گیا۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے: آپ نے روزے کا حکم دیا اور امر وجوب کے لیے ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو آپ نے فرمایا: جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے عاشورہ کے روزے کو ترک کرنے کا اختیار نہیں تھا اور یہ وجوب کی علامت ہے اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر عاشورہ کا روزہ نہیں لکھا'' لیکن اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ فرضیت کی نفی ہے وجوب کی نفی نہیں ہے اس لیے امام اعظم کا فرمانا ہی صحیح ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ ہے کہ عاشورہ سے ایک روز پہلے اور ایک روز بعد روزہ رکھنا چاہیے تاکہ یہود کی مخالفت ہو۔ محیط میں ہے کہ تنہا عاشورہ کا روزہ رکھنا یہود کی مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہے۔ بدائع میں ہے کہ بعض فقہاء نے تنہا عاشورہ کا روزہ مکروہ قرار دیا ہے اور اکثر فقہاء نے کہا ہے کہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ دن فضیلت والے دنوں میں سے ہے۔ [عمدۃ القاری ج ١١ ص ١١٨' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ١٣٤٨ھ]

عاشورہ کے دن کی فضیلت

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ اس دن کو یوم عاشورہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے دس انبیائے کرام علیہم السلام کو کرامات واعزازات سے نوازا:

(١) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس دن کامیاب کیا کہ ان کے لیے دریا کو چیرا اور فرعون اور اس کے لشکر کو اس میں غرق کر دیا

(٢) حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی دن جودی پہاڑ پر ٹھہری (٣) حضرت یونس علیہ السلام نے اس دن مچھلی کے پیٹ سے نجات پائی (٤) حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اس دن قبول ہوئی (٥) حضرت یوسف علیہ السلام کو اس دن کنوئیں سے نکالا گیا (٦) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دن پیدا ہوئے اور اسی دن ان کو آسمان پر اٹھایا گیا (٧) حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ اس دن قبول ہوئی (٨) حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی دن پیدا ہوئے (٩) حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی اس دن لوٹ آئی (١٠) رسول اللہ ﷺ کی مغفرت وعصمت کا اعلان اسی دن کیا گیا۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ (١١) حضرت ادریس علیہ السلام کو اسی دن آسمان کے بلند مقام پر اٹھالیا گیا (١٢) حضرت ایوب علیہ السلام نے اسی دن بیماری سے شفاء پائی تھی (١٣) حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسی دن ملک دیا گیا۔ [شرح صحیح مسلم ج ٣ ص ١٢٨۔ ١٢٧ 'مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار لاہور]

٤- بَابُ جَوَازِ اَكْلِ الْاَرْنَبِ وَفَضِيْلَةِ الصَّوْمِ فِى الْاَيَّامِ الْبِيْضِ

خرگوش کھانے کا جواز اور ایام بیض کے روزوں کی ترغیب

٢٠٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ مُّوْسَى ابْنِ طَلْحَةَ عَنِ ابْنِ الْحُوْتَكِيَّةِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اُتِىَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَرْنَبٍ فَاَمَرَ اَصْحَابَهٗ فَاَكَلُوْا وَقَالَ لِلَّذِىْ جَاءَ بِهَا مَالَكَ لَا تَاْكُلُ مِنْهَا قَالَ اِنِّىْ صَائِمٌ قَالَ وَمَا صَوْمُكَ قَالَ تَطَوُّعٌ قَالَ فَهَلَّا الْبِيْضَ.

نسائی (٢٤٢٣-٢٤٢٩-٢٤٣٠-٢٤٣١)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک (پکا پکایا) خرگوش پیش کیا گیا' سو آپ نے اپنے صحابہ کرام کو اس کے کھانے کا حکم دیا تو انہوں نے کھا لیا اور آپ نے خرگوش لانے والے آدمی سے پوچھا: تم اس میں سے کیوں نہیں کھاتے؟ اس نے عرض کیا کہ میں روزے سے ہوں۔ آپ نے فرمایا: تمہارا کون سا روزہ ہے؟ اس نے کہا: نفلی روزہ ہے۔ آپ نے فرمایا: تم ایام بیض (ہر ماہ کے تیرہ' چودہ' پندرہ) کے روزے کیوں نہیں رکھتے؟

حل لغات

''اُتِیَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: آنا لیکن جب اسے حرف باء وغیرہ سے متعدی کیا جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے لانا جیسے یہاں ''اَتٰی بِاَرْنَبٍ'' میں ہے۔ ''اَرْنَبٌ'' کا معنی ہے: خرگوش۔
''بِیْضٌ'' یہ اسم تفضیل ابیض کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: سفید' روشن' چمک دار۔

خرگوش کے حلال ہونے کا بیان

معلوم ہونا چاہئے کہ اس حدیث میں تین مسائل کا ذکر کیا گیا ہے: (١) خرگوش کا کھانا (٢) نفلی روزہ افطار کرنے کا جواز (٣) ایام بیض کی ترغیب وفضیلت۔

اس حدیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو خرگوش کے کھانے کا حکم دیا اور انہوں نے اس کو کھایا۔ اس سے ایک یہ ثابت ہوا کہ خرگوش پکا پکایا پیش کیا گیا اور دوسرا یہ ثابت ہوا کہ خرگوش حلال ہے' اس کا کھانا جائز ہے ورنہ آپ صحابہ کرام کو اس کے کھانے کا حکم نہ دیتے۔ نیز اس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خرگوش نہ کھانے پر کوئی صریح دلیل نہیں ہے لیکن ابوداؤد نے اپنی سنن میں خالد بن حویرث سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ خرگوش کو حیض (خون) آتا ہے۔ خالد بن حویرث کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس کو نہیں جانتا' البتہ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ان کی صرف یہی ایک حدیث معروف ہے اور اس کی تائید اس حدیث ہوتی ہے جسے امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما

سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک خرگوش پیش کیا گیا تو آپ نے نہ اسے خود کھایا اور نہ اس کے کھانے سے منع کیا اور انہوں نے خیال کیا کہ اس کو حیض آتا ہے۔ انتھیٰ اور ظاہر یہ ہے کہ زعم میں ضمیر ابن عمر کی طرف لوٹتی ہے یعنی ابن عمر نے گمان کیا کہ اس کو حیض آتا ہے اور اگر اپنی طبیعت کے مقتضیٰ کے مطابق رسول اللہ کا خرگوش کھانا صحیح ثابت نہ بھی ہو لیکن جب آپ نے صحابہ کرام کو کھانے کا حکم دے دیا تو یہ دلیل ہے کہ خرگوش اصل میں حلال ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ تمام علمائے دین کے نزدیک خرگوش کا کھانا حلال ہے سوائے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور ابن ابی لیلیٰ کے' ان کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اس کا کھانا مکروہ قرار دیا ہے۔

(١) جمہور اہل سنت کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ایک جماعت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت انس نے بیان فرمایا کہ ہم نے مرالظہران میں ایک خرگوش کو تیز تیز چلتے ہوئے دیکھا تو لوگ اس کے پیچھے دوڑ پڑے اور اسے گھیر لیا اور میں نے اسے پا کر پکڑ لیا' پھر میں اس کو لے کر حضرت ابوطلحہ کے پاس آیا تو انہوں نے اسے ذبح کیا اور انہوں نے خرگوش کی سرین کا حصہ اور اس کی ایک ران رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دی اور آپ نے اسے قبول فرما لیا۔ امام بخاری نے کتاب الھبۃ میں مزید یہ جملہ روایت کیا ہے کہ ''واکل منھا'' اور رسول اللہ نے اس میں سے کچھ خود تناول فرمایا اور ابوداؤد میں یوں ہے: (حضرت انس کہتے ہیں) کہ میں بلوغت کے قریب نوخیز لڑکا تھا' سو میں نے خرگوش ذبح کیا اور میں نے اس کو بھونا' پھر حضرت ابوطلحہ نے اس کی سرین کا حصہ نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ حلال ہے۔

(٢) امام احمد' نسائی' ابن ماجہ' حاکم اور ابن حبان نے حضرت محمد بن صفوان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے دو خرگوش شکار کیے اور انہیں دو چھریوں سے ذبح کیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں خرگوش کھانے کا حکم دیا۔

اور ابن ابی لیلیٰ اور ان کے دیگر موافقین نے اس حدیث سے استدلال کیا جسے امام ترمذی نے حبان بن جزء کی وساطت سے ان کے بھائی خزیمہ بن جزاء سے روایت کیا ہے۔ خزیمہ نے کہا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ خرگوش کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ میں اس کو حرام قرار دیتا ہوں۔ راوی کہتا ہے: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا: بے شک میں گمان کرتا ہوں کہ اسے خون آتا ہے۔ راوی کہتا ہے: میں نے عرض کیا: آپ بجو کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اور بجو کو کون کھائے گا؟ امام ترمذی نے فرمایا: اس حدیث کی اسناد قوی نہیں اور اس کو ابن ماجہ نے حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ سے روایت کیا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ میں نے آپ سے بھیڑیئے کے بارے میں دریافت کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ بھیڑیئے کو کوئی ایسا شخص نہیں کھا سکتا جس میں ذرہ بھر بھلائی ہو اور ضعیف ہونے کے باوجود ان دونوں احادیث میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو خرگوش کو حرام قرار دینے پر دلالت کرتی ہو۔ ان دونوں (ابن عمرو بن عاص اور خزیمہ بن جزء) کی حدیثوں کی غایت یہ ہے کہ خرگوش کھانے کے جواز کے باوجود اسے خون آنے کی وجہ سے گھن آتی ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ٤١١۔ ٤١٠ 'مطبوعہ بیروت]

نفلی روزہ افطار کرنے کا جواز

سو اس پر تو سب متفق ہیں کہ دعوت وضیافت وغیرہ جیسے عذر کی وجہ سے نفلی روزے کو افطار کرنا جائز ہے' البتہ اس کے قضاء کے وجوب میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ نفلی روزہ افطار کرنے پر اس کی قضاء واجب ہو جاتی ہے اور عقل

سلیم بھی اس کی تائید کرتی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں آپ فرماتی ہیں کہ میں اور حضرت حفصہ روزہ سے تھیں اور ہمارے پاس ہماری چاہت وخواہش کے مطابق پسندیدہ کھانا آیا تو ہم نے اسے کھالیا' پھر حضرت حفصہ نے یہ واقعہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: تم اس کی جگہ دوسرے دن قضاء روزہ رکھ لو اور امر وجوب کے لیے آتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ نفلی روزہ کی قضا واجب ہے۔ باقی یہ شبہ پیدا کرنا کہ ممکن ہے وہ روزہ قضا یا نذر کا ہو تو یہ عقل وقیاس سے بہت بعید ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر اس کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی اس لیے کہ قضا اور نذر کا روزہ ہر حال میں واجب ہوتا ہے اور اس کا وجوب کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا' پھر ایسی صورت میں تو آپ ان کو ڈانٹ دیتے' نیز صحابہ کرام خود فرائض وواجبات پر سختی سے پابندی کرتے تھے اور کسی صورت میں ان کو نہیں توڑتے تھے خصوصاً ارکان اربعہ ضروریہ (نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ) کو نہ کبھی چھوڑتے تھے اور نہ ان کو شروع کر کے توڑتے بلکہ بڑی پابندی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

ایام بیض کے روزوں کی فضیلت

چونکہ یہ روزے سنت سے ثابت ہیں اس اعتبار سے یہ روزے مسنون ہیں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر ہر زمانہ کے اہل علم بزرگان دین نے انہیں پسند کیا اور اپنے اعمال صالحہ میں شامل رکھا اس لیے اس اعتبار سے یہ روزے مستحب ہیں اور چونکہ ان دنوں میں روزے رکھنا آپ کی عادت میں شامل تھا اس لیے یہ آپ کی عملی سنت بھی ہیں۔ بہرحال ان روزوں کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں لیکن یہاں چند احادیث پیش کی جارہی ہیں:

(۱) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوذر غفاری سے فرمایا: جب تم مہینہ کے تین روزے رکھنا چاہو تو ہر مہینے کی تیرہ' چودہ اور پندرہ تاریخ کو روزے رکھا کرو۔ [رواہ احمد وترمذی ونسائی وابن حبان]

(۲) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمایا: اگر تم روزے رکھنا چاہو تو مہینہ کے روشن وسفید دنوں تیرہ' چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزوں کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ اس حدیث کو نسائی نے تخریج کیا ہے۔ [تنسیق النظام ص ۱۰۸ حاشیہ ۱' مکتبہ رحمانیہ لاہور]

(۳) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کے آخر میں ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ماہ کے تین روزے اور ایک رمضان کے بعد دوسرے رمضان کے روزے تمام عمر کے روزے ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ وہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے پر ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو معاف فرمادے گا اور مجھے اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھنے سے وہ ایک سال پہلے کے گناہ معاف فرمادے گا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ باب صیام التطوع الفصل الاول ص ۱۷۹' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

(۴) ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام چار کام کبھی نہیں چھوڑتے تھے: عاشورہ کا روزہ' بقرعید کے دس دن کے روزے اور ہر مہینے کے تین روزے اور نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں (سنت)۔ ''رواہ النسائی'' [مشکوٰۃ ص ۱۸۰' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی] یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات تک یہ تینوں روزے رکھے' لہٰذا یہ سب سنت ہیں۔ بقرعید کے دس دن سے نو دن مراد ہیں ورنہ دسویں بقرعید کو روزہ حرام ہے' نیز یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکثری عمل مراد ہے نہ کہ ہمیشہ کا۔ لہٰذا یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ کی اس گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں آپ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کو بقرعید کے عشرہ میں روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ بقرعید کا عشرہ بہت ہی بہترین زمانہ ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ رمضان کے آخری عشرہ کی راتیں بہترین ہیں کہ ان سب میں شب قدر ہے اور بقرعید کے پہلے عشرہ کے دن افضل ہیں کہ ان میں عرفہ کا دن ہے۔

[مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۹۵' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایام بیض (روشن دنوں تیرہ' چودہ اور پندرہ) کے روزے کبھی نہ چھوڑتے تھے نہ گھر میں اور نہ سفر میں۔ ''رواہ النسائی'' [مشکوٰۃ ص ۱۸۰' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی] ملا علی قاری نے یہاں مرقات میں فرمایا کہ ایام بیض کے متعلق ۹ قول ہیں جن میں زیادہ قوی قول یہ ہے کہ چاند کی تیرہویں' چودھویں اور پندرھویں کی راتیں مراد ہیں۔ انہیں ایام بیض یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ ان دنوں کی راتیں اجیالی اور روشن ہوتی ہیں یا اس لیے کہ ان تاریخوں کے روزے دلوں کو بھی نورانی اور اجیالا کر دیتے ہیں یا اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اعضاء جنت سے آکر سیاہ ہوگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان تین روزوں کا حکم دیا۔ ہر روزے سے آپ کا تہائی جسم نورانی اور چمکیلا ہوجاتا حتیٰ کہ تین روزوں کے بعد سارا جسم نہایت حسین وجمیل ہوگیا۔ [مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۹۶-۱۹۵' نعیمی کتب خانہ' گجرات]

٥- بَابٌ لَّا يَمْنَعَنَّ اَحَدَكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ عَنْ سُحُوْرِهٖ

تم میں سے کوئی شخص حضرت بلال کی اذان پر اپنی سحری بند نہ کرے

٢٠٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ بِلَالًا يُّنَادِىْ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِىَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَاِنَّهٗ يُؤَذِّنُ وَقَدْ حَلَّتِ الصَّلٰوةُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک (حضرت) بلال رات کو اذان دیتے ہیں' سو تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ (حضرت) ابن ام مکتوم اذان دیں کیونکہ وہ اس وقت اذان دیتے ہیں جبکہ نماز فجر کا وقت شروع ہوچکا ہوتا ہے۔

بخاری (۱۹۱۸-۱۹۱۹) مسلم (۲۵۳۶) ترمذی (۷۰۶) نسائی (٦٣٨)

حل لغات

''يُنَادِىْ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: پکارنا' بہ آواز بلند بلانا' آواز لگانا' اذان دینا۔ ''حَلَّتْ'' صیغہ واحد مونث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: حلال ہونا' جائز ہونا' وقت کا داخل ہونا۔

حضرت بلال لوگوں کو سحری کھانے کے لیے اذان کے ذریعہ بیدار کرتے تھے

واضح رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ماہ رمضان المبارک میں دو اذانیں ہوتی تھیں۔ ایک اذان سحری کے لیے جگانے اور نماز تہجد میں مشغول ومصروف حضرات کو سحری کھانے کے لیے بروقت آگاہ کرنے کے لیے ہوتی تھی تاکہ سونے والے اٹھ کر سحری کا انتظام کرلیں اور نماز تہجد والے تہجد ختم کر کے سحری کھالیں اور یہ اذان صبح صادق سے بہت پہلے رات کو ہوتی تھی اور یہ اذان حضرت بلال پڑھتے تھے اور دوسری اذان صبح صادق طلوع ہوجانے کے بعد نماز فجر کی اطلاع دینے کے لیے ہوتی تھی اس لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غالباً پہلے رمضان المبارک میں صحابہ کرام پر واضح فرمادیا کہ حضرت بلال کی اذان پر سحری کھانا بند نہ کرو کیونکہ وہ تو صبح صادق سے بہت پہلے رات کو اذان دیتے ہیں' لہٰذا تم سحری کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں کیونکہ وہ صبح صادق کے بعد نماز فجر کا وقت شروع ہونے پر اذان دیتے ہیں۔

وقت سے پہلے اذان دینے کی تحقیق وتردید

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی اذان کو اس کے وقت سے پہلے دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اذان کا مقصد مسلمانوں کو یہ بتلانا ہوتا ہے کہ نماز کا وقت شروع ہو گیا۔ اگر نماز کے وقت سے پہلے اذان دے دی جائے تو اول تو یہ مقصد فوت ہو جائے گا۔ ثانیاً ہو سکتا ہے کہ وقت سے پہلے اذان دینے کی صورت میں کوئی شخص اذان سن کر نماز پڑھ لے اور وقت سے پہلے بالاتفاق نماز نہیں ہوتی' سو اس صورت میں قبل از وقت نماز پڑھنے کی وجہ سے جس کی نماز نہیں ہوگی اس کا ذمہ دار وقت سے پہلے اذان دینے والا ہوگا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''المؤذن مؤتمن''۔ [جامع ترمذی' ص ٥٧] مؤذن امین (امانت دار) ہوتا ہے کیونکہ مسلمانوں کی نمازیں اس کی امانت ہوتی ہیں۔ اس کے برخلاف امام شافعی کے نزدیک فجر کی اذان وقت سے پہلے دینا جائز ہے۔ ان کی دلیل یہی حدیث ہے جسے امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ان بلالا یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی یؤذن ابن ام مکتوم.

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بلال رات کے وقت اذان دیتے ہیں' پس تم کھاتے پیتے رہو حتیٰ کہ ابن مکتوم اذان دیں۔

اس حدیث سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ فجر سے پہلے رات کو اذان دی گئی لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ اذان نماز فجر کے لیے دی گئی تھی کیونکہ اگر یہ اذان نماز فجر کے لیے ہوتی تو پھر صبح صادق کے بعد حضرت ابن مکتوم سے دوبارہ اذان دلوانے کی کیا ضرورت تھی؟ ثانیاً یہ کہ اس حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ یہ اذان (رمضان میں) سحری کے لیے ہوتی تھی اور اس پر مزید قرینہ یہ ہے کہ امام بخاری اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلال کی اذان سن کر کوئی شخص سحری کھانا نہ چھوڑے کیونکہ ان کی اذان اس لیے ہوتی تھی کہ سحری کے لیے نماز تہجد پڑھنے والا تہجد ختم کر دے یا سونے والا بیدار ہو جائے۔ [صحیح بخاری ج ا ص ٨٧] نیز امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بلال نے طلوع فجر سے پہلے اذان دے دی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اذان دہرانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ اعلان کریں کہ انہوں نے بھولے سے اذان دے دی تھی۔ اسی باب میں امام ابوداؤد ایک اور سند کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تؤذن حتی یتبین لک الفجر.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (اے بلال!) تم اس وقت تک اذان نہ دو جب تک فجر ظاہر نہ ہو جائے۔

[سنن ابوداؤد ج ا' ص ٧٩]

[شرح صحیح مسلم ج ا ص ٧٢ - ١٠٧٣ - ١٠٧٣' فرید بک سٹال' اردو بازار لاہور]

٦- بَابُ جَوَازِ الْحَجَامَةِ لِلصَّائِمِ
روزہ دار کے لیے پچھنے لگوانے کا جواز

٢٠٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى السَّوَارِ وَيُقَالُ لَهٗ اَبُو السَّوْرَاءِ وَهُوَ السُّلَمِيُّ عَنِ ابْنِ حَاضِرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ بِالْقَاحَةِ وَهُوَ صَائِمٌ. وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقَاحَةِ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ. وَفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَاَعْطَى الْحَجَّامَ اَجْرَهٗ وَلَوْ كَانَ خَبِيْثًا مَّا اَعْطَاهُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان) قاحہ نامی جگہ میں پچھنے لگوائے حالانکہ آپ اس وقت روزہ دار تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قاحہ نامی جگہ میں پچھنے لگوائے حالانکہ اس وقت آپ

(حج وعمرہ کے لیے احرام باندھ کر) محرم اور روزہ دار تھے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے اور آپ نے پچھنے لگانے والے مزدور (ابوطیبہ) کو اجرت بھی دی اور اگر یہ حرام ہوتی تو آپ اسے کبھی اجرت نہ دیتے۔

بخاری (١٩٣٨) ابوداؤد (٢٣٧٣) ترمذی (٧٧٧) ابن ماجہ (١٦٨٢) ابن حبان (٣٥٣١-٣٥٣٢) مسند احمد (١٨٤٩)

٢٠٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ سُفْيَانَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِحْتَجَمَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا قَالَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ. دار قطنی (ج ٢ ص ١٨٢)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (پہلے) فرمایا: پچھنے لگانے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے' پھر اس کے بعد آپ نے خود پچھنے لگوائے۔ (سو آپ کے آخری عمل سے پہلا حکم منسوخ ہو گیا)۔

٢٠٨- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الزُّهْرِىِّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ. وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ اَخْبَرَنِى ابْنُ شِهَابٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ وَّلَمْ يَذْكُرْ اَنَسًا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے حالانکہ آپ روزہ دار تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: مجھے حضرت ابن شہاب زہری نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے تھے اور انہوں (حضرت محمد بن مسلم المعروف ابن شہاب زہری) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا۔

بخاری (١٩٣٨) ابوداؤد (٢٣٧٣) ترمذی (٧٧٧) ابن ماجہ (١٦٨٢) ابن حبان (٣٥٣١-٣٥٣٦) مسند احمد (١٨٤٩)

حل لغات

''اِحْتَجَمَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: پچھنے لگوانا' سینگی لگوانا۔ ''لقاحۃ'' مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ ''خَبِيْثًا'' اس کا معنی ہے: حرام وناجائز۔ ''اَفْطَرَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: افطار کرنا' روزہ توڑ دینا۔

روزہ دار کے فصد لگانے میں ائمہ کا اختلاف

معلوم ہونا چاہیے کہ جب انسان کے جسم میں خون حد اعتدال سے زیادہ ہو جائے یا فاسد مواد کی وجہ سے خون گندہ ہو جائے تو شریانوں کے ذریعہ اس کو خارج کروا دیا جاتا ہے اور اس کو فصد اور پچھنے لگوانا یا سینگی کھچوانا کہا جاتا ہے' اس میں سینگی لگانے والا پہلے نشتر یا چاقو وغیرہ سے رگ پر زخم لگاتا ہے' پھر سینگی کا چوڑا حصہ زخم پر رکھ کر اس کا باریک حصہ اپنے منہ میں لے کر زور سے چوستا ہے اور یہ عمل سنت سے ثابت ہے' البتہ روزے کی حالت میں پچھنے لگوانا جائز ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے' ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک روزہ دار کے لیے بغیر کراہت فصد اور پچھنے وغیرہ لگوانا جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک پچھنے لگانے والے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس کی قضا واجب ہے' البتہ ان پر کفارہ لازم نہیں ہے اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ پچھنے لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ کر باطل ہو جاتا ہے اور اس پر کفارہ بھی لازم ہو جاتا ہے۔ علامہ طیبی نے یہ ذکر کیا ہے جبکہ امام اوزاعی نے کہا کہ پچھنے لگوانے والے کا روزہ ضعف وکمزوری کے خوف کے پیش نظر مکروہ ہو جاتا ہے [مرقات' شرح مشکوٰۃ ج ۴'

ص ۲۶۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان] ملا علی قاری چند صفحات کے بعد لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا واقعہ حجۃ الوداع سن دس (۱۰ھ) ہجری میں پیش آیا تھا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روزے اور احرام کی حالت میں پچھنے لگوائے تھے۔ یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ ناسخ ہے کیونکہ جس حدیث میں ہے کہ افطر الحاجم والمحجوم کہ پچھنے لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا ہے۔ آپ نے یہ ارشاد فتح مکہ کے سال سن آٹھ ہجری (۸ھ) میں فرمایا اور اسی طرح حضرت شداد بن اوس کی حدیث بھی مدینہ منورہ میں بیان فرمائی تھی۔ چونکہ حضرت ابن عباس کی حدیث سب سے مؤخر ہے اس لیے یہ ناسخ ہے اور باقی منسوخ ہیں اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ دونوں حضرات پچھنے لگانے والا اور لگوانے والا اس وقت غیبتیں کر رہے تھے' سو اس غیبت کی وجہ سے آپ نے فرمایا: ان کا روزہ ٹوٹ گیا یعنی ثواب جاتا رہا لیکن پچھنے لگانے اور لگوانے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ [ماخوذ از مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۲۷۰' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

۷- بَابُ الْاِصْبَاحِ جُنُبًا فِي الصَّوْمِ

حالت جنابت میں روزہ دار کا صبح کرنا

۲۰۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ يُصْبِحُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُنُبًا مِّنْ غَيْرِ احْتِلَامٍ ثُمَّ يُتِمُّ صَوْمَهٗ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بغیر احتلام کے (صرف عمل زوجیت کی وجہ سے) جنابت کی حالت میں صبح اٹھتے' پھر (روزہ کی نیت کر کے) اپنا روزہ مکمل کر لیتے تھے۔

بخاری (۱۹۲۵) مسلم (۲۵۹۲) ابوداؤد (۲۳۸۸) ابن حبان (۳۴۸۹)

۲۱۰- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ اَبِيْ سُلَيْمَانَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ اِلٰى صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَرَاْسُهٗ يَقْطُرُ مَاءً مِّنْ غُسْلِ جَنَابَةٍ وَّجِمَاعٍ ثُمَّ يَظَلُّ صَائِمًا.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کبھی فجر کی نماز کے لیے تشریف لے جاتے حالانکہ مباشرت و جنابت کے غسل کی وجہ سے آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوتے' پھر آپ دن بھر روزہ سے رہتے۔

ابن ماجہ (۱۷۰۳) ابن حبان (۳۴۹۰) طحاوی (۳۳۸۰)

حل لغات

''يُصْبِحُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: صبح میں داخل ہونا' صبح کے وقت اٹھنا' صبح کرنا۔ ''يُتِمُّ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: پورا کرنا' مکمل کرنا' تمام کرنا۔ ''يَقْطُرُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: پانی کے قطروں کا ٹپکنا' پانی کا قطرہ قطرہ گرنا' بہنا۔

جنبی کے روزے اور احتلام سے انبیاء کے محفوظ ہونے کی وضاحت

اس حدیث کو امام مالک اور صحاح ستہ کے اصحاب نے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

كان يدرك الفجر في رمضان وهو جنب من اهله ثم يغتسل ويصوم.

(یعنی کبھی ایسا اتفاق بھی ہو جاتا کہ) آپ ﷺ کو ماہ رمضان المبارک میں اپنی کسی بیوی کے ساتھ جماع کی وجہ سے جنابت کی حالت میں صبح صادق ہو جاتی تھی' سو آپ غسل کرتے اور روزہ رکھ لیتے۔

اور تمام علماء دین کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ جو شخص جنابت کی حالت میں روزہ رکھ لے اس کا روزہ صحیح ہے (کیونکہ روزہ رکھنے کے لیے طہارت شرط نہیں ہے)' البتہ جنبی آدمی کے لیے مستحب ہے کہ وہ صبح صادق سے پہلے غسل کر لے تاکہ حالت طہارت میں سحری کھا کر روزہ رکھ سکے اور بعض سلف سے منقول ہے کہ اس کا روزہ باطل ہو جائے گا اور دن بھر کھانے پینے اور خواہش نفسانی سے رکا رہے گا اور بعد ازاں اس کی قضا کرے گا اور حضرت حسن بصری سے منقول ہے: اگر کوئی جنبی آدمی بغیر کسی عذر کے غسل میں تاخیر کر لے تو اس کا روزہ باطل ہو جائے گا ورنہ نہیں اور حضرت ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ اگر جنبی آدمی نے فرض روزے کی نیت کی تو اس کی قضا کرنی پڑے گی۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۵۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ' بیروت' لبنان]

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نیند میں خواب دیکھنے کی وجہ سے احتلام نہیں ہو سکتا کیونکہ احتلام شیطانی اثر سے ہوتا ہے کہ ابلیس عورت وغیرہ کی شکل میں خواب میں آتا ہے اور یہ حضرات اس کے اثر سے محفوظ و معصوم ہیں بلکہ جو بیبیاں رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنے والی ہوتی ہیں انہیں بھی کبھی خواب سے احتلام نہیں ہوتا جیسا کہ ہم باب الغسل میں عرض کر چکے ہیں' ہاں اس میں اختلاف ہے کہ بغیر خواب دیکھے منی کی زیادتی کے سبب نیند میں انہیں انزال ہو سکتا ہے یا نہیں تو حق یہ ہے کہ وہ حضرات اس سے بھی محفوظ و معصوم ہیں' یہاں ام المومنین حضرت عائشہ کا ''من غير احتلام'' فرمانا یہ بتانے کے لیے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جنابت مقاربت و مباشرت کی وجہ سے ہوتی تھی اور یہ منشاء ہرگز نہیں کہ وہاں احتلام کا امکان ہے بلکہ حضرت ام المومنین کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مخالطت و مجامعت کی وجہ سے ہی جنبی ہوتے تھے نہ کہ احتلام کی وجہ سے کیونکہ وہاں احتلام کا تو امکان ہی نہیں۔ [مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۲۶۱' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۸۶' مطبوعہ نوریہ رضویہ' سکھر' مرأۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۵۹' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

۸- بَابُ جَوَازِ قُبْلَةِ الصَّآئِمِ زَوْجَتَهٗ

روزہ دار کے لیے اپنی بیوی کا بوسہ لینا جائز ہے

۲۱۱- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ اِلَى الْفَجْرِ وَرَاْسُهٗ يَقْطُرُ وَيَظَلُّ صَائِمًا. وَبِاِسْنَادِهٖ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ نِسَاءَهٗ فِيْ رَمَضَانَ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز کے لیے تشریف لے جاتے حالانکہ اس وقت (غسل کی وجہ سے) پانی کے قطرے آپ کے سر کے بالوں سے گر رہے ہوتے تھے اور آپ دن بھر روزے سے رہتے اور اسی سند کے ساتھ مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ماہ رمضان المبارک میں اپنی ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے تھے۔

ابن ماجہ (۱۷۰۳) طحاوی (۳۳۸۰) ابن حبان (۳۴۹۰)

۲۱۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَّسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصِيْبُ مِنْ وَّجْهِهَا وَهُوَ صَائِمٌ تَعْنِي الْقُبْلَةَ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں ان کے چہرے کا بوسہ لیتے تھے۔

بخاری (۱۹۲۹) مسلم (۲۵۸۵) ابوداؤد (۲۳۸۲) ترمذی (۷۲۹) ابن ماجہ (۱۶۸۷)

۲۱۳- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ زِيَادٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ. سابقہ(۲۱۲)

روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا کرتے تھے۔

حل لغات

''یَظَلُّ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ہمیشہ رہنا' دن کا سایہ دار رہنا' سایہ ڈالنا۔ ''یُقَبِّلُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: چومنا' بوسہ لینا' کسی کو ذمہ دار بنانا۔ ''یُصِیْبُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: درست کرنا' کسی رائے یا فعل کو درست اور صحیح پانا' درست اور ٹھیک خیال کرنا' پہنچانا۔

روزہ دار کے لیے اپنی بیوی کا بوسہ لینے میں احناف کا مؤقف

امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس بوس و کنار کے مسئلہ کے بارے میں حضرت عمر بن خطاب' حضرت حفصہ' حضرت سلمٰہ' حضرت ابن عباس' حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث حسن صحیح ہے۔

اور اہل علم صحابہ کرام اور دیگر ائمہ کا روزہ دار کے لیے بوسہ لینے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض نے عمر رسیدہ روزہ دار کے لیے بوسہ لینے کی رخصت دی ہے جوان کے لیے نہیں اور عورت کے بدن سے بدن ملانا جسے مباشرت کہتے ہیں اس سے زیادہ سخت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینے میں اجر و ثواب کم ہو جائے گا لیکن روزہ نہیں ٹوٹے گا اور ہمارا (حنفیوں کا) مذہب یہ ہے کہ اگر روزہ دار کو اپنے آپ پر کنٹرول حاصل ہو' نفس پر قابو ہو اور جماع اور انزال سے امن ہو تو بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اسے اپنے نفس پر قابو نہ ہو اور جماع اور انزال کا اندیشہ ہو تو بوسہ لینا مکروہ ہے کیونکہ بوسہ بذاتہ مفطر (روزہ توڑنے والا) نہیں لیکن ممکن ہے کہ بوسہ وہاں تک پہنچا دے' سو اس لیے امن کی حالت میں اس کی ذات کا اعتبار کیا گیا ہے اور اندیشہ کی حالت میں اس کے انجام کا اعتبار کیا گیا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مؤطا میں فرمایا کہ روزہ دار کے لیے اپنے آپ کو بوس و کنار سے باز رکھنا ہی افضل و بہتر ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی فرمان ہے اور ہمارے اکثر پیش رو علماء کا یہی مسلک ہے اور مباشرت (بدن سے بدن ملانا' بغل گیر ہونا) بوسہ لینے کے حکم میں ہے' یہی ظاہر الروایت کے مطابق ہے اور خوف فتنہ کے غلبہ کی وجہ سے مباشرت فاحشہ (ننگے بغل گیر ہونا) مکروہ ہے اور موطا میں فرمایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بوس و کنار دونوں سے منع کرتے تھے اور حضرت عمر بن خطاب بوسہ لینے سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ کسی شخص کو وہ کنٹرول اور عصمت و حفاظت حاصل نہیں ہے جو نبی کریم ﷺ کو اپنی ذات اور اپنی نفسانی حاجت پر حاصل تھا۔ [اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۸۰۵' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایسے واقعات بیان فرمانا شرعی مسائل بیان کرنے کے لیے ہے' اس پر زبان طعن دراز کرنا پرلے درجے کی منافقت ہے اور اسے بے غیرتی کہنا حماقت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ O'' [المومنون: آیت ۵] اور مومن تو وہ لوگ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں O طبیب لوگ بیماریوں و علاجوں کے بیان کے لیے کھلی کھلی باتیں بیان کرتے ہیں۔ بے غیرتی کے لیے نہیں بلکہ علاج کے بیان کے لیے کرتے ہیں۔

[ماخوذ از مرات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۵۹' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

۹- بَابُ رُخْصَةِ اِفْطَارِ الصَّوْمِ فِی السَّفَرِ

سفر میں روزہ کھولنے کی اجازت

۲۱۴- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ ابْنِ حَبِیْبٍ الصَّیْرَفِیِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلَیْلَتَیْنِ خَلَتَا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ مِنَ الْمَدِیْنَةِ اِلٰی مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰی اَتٰی قُدَیْدًا فَشَكَا النَّاسُ اِلَیْهِ الْجُهْدَ فَاَفْطَرَ فَلَمْ یَزَلْ مُفْطِرًا حَتّٰی اَتٰی مَكَّةَ. بخاری(۴۲۷۶) مسلم(۲۶۰۸) ترمذی(۷۱۰) نسائی(۲۲۶۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان کی دو راتیں گزر جانے کے بعد تین تاریخ کو مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف سفر پر تشریف لے گئے اور آپ نے روزہ رکھا (اور صحابہ کرام نے بھی روزہ رکھا) یہاں تک کہ آپ (بمع لشکر) قدید کے مقام پر پہنچ گئے تو لوگوں نے سفر کی مشقت و تھکاوٹ کی شکایت کی' سو آپ نے روزہ کھول دیا' پھر آپ نے روزے نہ رکھے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔

۲۱۵- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَافَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ یُرِیْدُ مَكَّةَ فَصَامَ وَصَامَ النَّاسُ مَعَهٗ. وَفِیْ رِوَایَةٍ خَرَجَ مِنَ الْمَدِیْنَةِ اِلٰی مَكَّةَ فِیْ رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰی انْتَهٰی اِلٰی بَعْضِ الطَّرِیْقِ فَشَكَا النَّاسُ اِلَیْهِ الْجُهْدَ فَاَفْطَرَ فَلَمْ یَزَلْ مُفْطِرًا حَتّٰی اَتٰی مَكَّةَ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ماہ رمضان میں مکہ مکرمہ کے عزم سے اس کی طرف سفر شروع کیا اور آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی روزہ رکھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ جب رمضان میں مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف سفر پر روانہ ہوئے تو آپ نے روزہ رکھا یہاں تک کہ آپ بعض راستے پر پہنچے تو لوگوں نے آپ سے سفر کی صعوبت و مشقت کی شکایت کی' سو آپ نے (لوگوں کی سہولت کے لئے) روزہ کھول دیا پھر آپ نے روزہ نہ رکھا' یہاں تک کہ آپ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ سَافَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ یُرِیْدُ مَكَّةَ فَصَامَ وَصَامَ الْمُسْلِمُوْنَ حَتّٰی اذا کَانَ بِبَعْضِ الطَّرِیْقِ شَكَا بَعْضُ الْمُسْلِمِیْنَ الْجُهْدَ فَدَعَا بِمَاءٍ فَاَفْطَرَ وَاَفْطَرَ الْمُسْلِمُوْنَ. سابقہ(۲۱۴)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت انس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کے ارادے سے اس کی طرف سفر پر روانہ ہوئے تو آپ نے روزہ رکھا اور دیگر مسلمانوں نے بھی روزہ رکھا یہاں تک کہ جب آپ بعض راستے پر پہنچے تو لوگوں نے مشقت و تھکاوٹ کی شکایت کی' سو آپ نے پانی منگوایا اور روزہ کھول دیا اور تمام مسافر مسلمانوں نے بھی روزے کھول دیئے۔

حل لغات

''خَلَتَا'' صیغہ مونث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: خالی ہونا' گزر جانا۔ ''شَكَا'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: شکایت کرنا۔ ''قُدَیْدٌ'' مکہ مکرمہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ ''اَلْجُهْدُ'' محنت و مشقت' تھکاوٹ۔

مسافر کے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے میں اختلاف کا تذکرہ

معلوم ہونا چاہئے کہ مسافر کے لیے روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے بارے میں مختلف احادیث وارد ہیں۔ بعض احادیث روزہ کھولنے کے مباح ہونے میں وارد ہیں بغیر اس بات کے کہ روزہ رکھنا افضل ہے یا کھولنا افضل ہے اور بعض احادیث سفر میں روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے درمیان مسافر کو اختیار دینے کے بارے میں وارد ہیں اور بعض احادیث روزہ نہ رکھنے کے جواز اور نہ رکھنے کی مذمت

میں وارد ہیں اور دراصل یہ احادیث مختلف اوقات واحوال کے پیش نظر وارد ہوئی ہیں۔ اہل فتویٰ میں سے جمہور علمائے دین اس پر متفق ہیں کہ مسافر کے لیے روزہ رکھنا اور کھولنا دونوں طریقے جائز ہیں' البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان دو طریقوں میں سے افضل طریقہ کون سا ہے؟ یا دونوں برابر ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی' امام سفیان ثوری اور ان کے علاوہ دیگر علماء و مشائخ کا مؤقف یہ ہے کہ روزہ رکھنے کی استطاعت رکھنے والے قوی اور طاقت ور مسافر کے لیے روزہ افضل ہے' ایک تو فرض کی ذمہ داری سے سبک دوش ہونے کی وجہ سے دوسرا ماہ رمضان میں دوسرے مسلمانوں کی موافقت میں روزہ رکھنا آسان ہوتا ہے اور رمضان گزر جانے کے بعد قضاء کرنا مشکل ہوتا ہے اور روزہ رکھنے میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل ان کے لیے بہترین حجت ہے۔

(۲) امام احمد' اسحاق' امام اوزاعی اور حضرت سعید بن مسیب کے نزدیک افطار یعنی روزہ نہ رکھنا مطلقاً افضل و بہتر ہے اور امام شافعی کے اصحاب میں سے بعض نے یہی قول امام شافعی سے بھی نقل کیا ہے اور انہوں نے ارشاد باری تعالیٰ:

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ.[البقرۃ:۱۸۴]

یہ گنتی کے چند روز ہیں' سوتم میں سے جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنے روزوں کی گنتی پوری کرے۔

کے ظاہر سے استدلال کیا ہے اور ان احادیث سے استدلال کیا ہے جو سفر میں روزے رکھنے کی مذمت میں وارد ہوئیں ہیں یہاں تک کہ اصحاب ظواہر میں سے بعض نے سفر میں روزہ رکھنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر مسافر سفر میں روزہ رکھ لے تو اس کی قضا کرے۔

(۳) اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حالت سفر میں روزہ رکھنے اور نہ رکھنے میں جو آسان ہو وہی افضل ہے (۴) اور بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں برابر ہیں اور آدمی کو اختیار دیا گیا ہے چاہے تو روزہ رکھ لے نہ چاہے تو نہ رکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم! [اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۹۲' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر' مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۲۷۴' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

١٠ - بَابُ النَّهْيِ عَنْ صَوْمِ الْوِصَالِ وَالصَّمْتِ

وصال اور خاموشی کے روزے کی ممانعت

٢١٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَدِيٍّ عَنْ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ اَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ صَوْمِ الْوِصَالِ وَ صَوْمِ الصَّمْتِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال کے روزے اور خاموشی کے روزے سے منع فرمایا ہے۔

بخاری(١٩٦٢) مسلم(٢٥٧٢) ابوداؤد(٢٣٦٠) ترمذی(٧٧٨)

٢١٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيٰى عَنِ الْمُهَاجِرِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الصَّمْتِ وَصَوْمِ الْوِصَالِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی کے روزے سے اور وصال کے روزے سے منع فرمایا ہے۔

سابقہ(٢١٦)

حل لغات

''نَهٰى'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: روکنا' منع کرنا' ترک فعل طلب

کرنا۔ ''وِصَالٌ'' جوڑنا' ملانا' جمع کرنا لیکن یہاں مسلسل کئی روز تک کھائے پیئے بغیر روزے پہ روزے رکھنا مراد ہے۔ ''اَلصَّمْتُ'' اس کا معنی ہے: خاموش رہنا اور چپ کر کے زبان بند رکھنا لیکن یہاں صبح صادق سے شام تک ہر قسم کی گفتگو سے خاموشی اختیار کرنا مراد ہے۔

وصال کے روزوں کی ممانعت کی حکمتیں

امام مسلم صحیح مسلم میں (۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہ رمضان میں وصال کے روزے رکھے (یعنی بغیر افطار اور بغیر کچھ کھائے پیئے روزے پر روزے رکھے) اور صحابہ کرام نے بھی وصال کے روزے شروع کر دیئے تو آپ نے انہیں منع فرمایا۔ آپ سے عرض کی گئی کہ آپ تو خود وصال کے روزے رکھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''انی لست مثلکم انی اطعم واسقی'' بے شک میں تمہاری مثل نہیں ہوں کیونکہ مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (صحابہ کرام سے) فرمایا: تم وصال کے روزے نہ رکھو۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ تو خود وصال کے روزے رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''انکم لستم فی ذالك مثلی'' بے شک تم اس معاملہ میں میری مثل نہیں ہو' میں تو اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب تعالیٰ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے' سو تم وہ کام کیا کرو جو آسانی سے کر سکو۔ دوسری روایت میں ہے کہ تم وہ کام کیا کرو جس کی تمہیں طاقت ہو۔ [صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۲-۳۵۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی] حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں وصال کے روزوں کی ممانعت کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ تم سے مشکل کی بجائے آسان اعمال کرانے مقصود و مطلوب ہیں تاکہ تکلیف مالایطاق لازم نہ آئے اور وصال کے روزے تمہارے لیے مشکل ہیں' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. [البقرۃ:۱۸۵]

اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ تم پر تختی اور مشقت نہیں چاہتا۔

صوم وصال میں مذاہب

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ شوافع کے نزدیک صوم وصال مکروہ (تنزیہی) ہیں۔

امام احمد بن حنبل کے نزدیک بلا کراہت جائز ہیں اور جمہور کے نزدیک مکروہ تحریمی ہیں۔

[شرح مسلم ج ۱ ص ۳۵۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۷۵ھ]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صوم وصال پر اشکال کا جواب

حدیث نمبر ۲۴۶۷ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب تعالیٰ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اس پر سوال ہوتا ہے کہ جب آپ نے کھا' پی لیا تو وصال کے روزے کیسے ہوئے؟ علامہ نووی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ مجھے کھانے پینے کی قوت حاصل ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ وصال کے روزے دنیاوی کھانے پینے کے اعتبار سے تھے اور آپ کو جنت کے کھانے کھلائے جاتے تھے۔ امام رازی نے یہ لکھا ہے کہ آپ کو جمال رب تعالیٰ کا دیدار کرا دیا جاتا تھا اور اس دیدار سے آپ اس قدر شادکام ہوتے تھے کہ پھر آپ کو کھانے پینے کی ضرورت نہیں رہتی تھی' یعنی میرا کھانا پینا یہی ہے کہ میں اپنے رب تعالیٰ کو دیکھ لوں۔

نبی کریم ﷺ کے مثل کی تحقیق

اس باب کی احادیث میں ہے کہ تم میں میری مثل کون ہے؟ اور قرآن مجید میں ہے:

''اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ.'' [الکہف:۱۱۵' فصلت:٦] ''میں تمہاری مثل ہوں۔''

بہ ظاہر ان میں تعارض ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے جس مثلیت کو ثابت کیا ہے وہ عدمی معنی ہے' یعنی معبود نہ ہونے میں' میں تم جیسا ہوں' نہ تم معبود ہو نہ میں معبود ہوں اور کسی وجودی معنی میں کائنات کا کوئی شخص آپ کی مثل نہیں ہے۔

[شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۹۰۔۸۹' مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار لاہور]

نوٹ: اس کی مکمل تحقیق ہماری مترجم تفسیر مدارک' جلد دوم' سورۃ الکہف کی آخری آیت کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

صوم سکوت کی ممانعت کی وجہ

خاموشی اور چپ کے روزے کی ممانعت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس سے خیر و بھلائی اور دینِ حق کی گفتگو سے بھی خاموشی لازم آتی ہے جو نا جائز ہے' اس لیے خاموشی کا روزہ ممنوع ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خاموشی کا روزہ رکھنا نصاریٰ کا عمل ہے' جس کی وجہ سے خاموشی اور چپ کے روزے سے کفار کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جو نا جائز ہے' اس لیے خاموشی کا روزہ ممنوع ہے۔

١١ - بَابُ النَّهْيِ عَنْ صِيَامِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ

ایام تشریق میں روزے رکھنے کی ممانعت

٢١٨ - اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ قَزْعَةَ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ صِيَامِ ثَلٰثَةِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ وَبِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ صِيَامِ الْيَوْمِ الَّذِیْ يُشَكُّ فِيْهِ مِنْ رَّمَضَانَ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایامِ تشریق کے تین دن (گیارہ' بارہ اور تیرہ ذی الحج کے) روزوں سے منع فرمایا ہے اور اسی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دن کے روزے سے بھی منع فرمایا ہے' جس میں ماہِ رمضان کا ہونا مشکوک ہو۔

بخاری(١١) مسلم(٢٦٧٧) ابوداؤد(١٣٣٤) ترمذی(٦٨٦) نسائی(٢١٩٠) ابن ماجہ(١٦٤٥)

حل لغات

''يُشَكُّ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: شک کرنا' شبہ کرنا اور شک و شبہ میں مبتلا ہو جانا' جیسے انتیس شعبان کی شام کو اَبر آلود موسم کے باعث چاند نظر نہ آنے پر شک ہو کہ یہ رات تیس شعبان کی ہے یا یکم رمضان کی ہے' اسی بناء پر اگلے دن اس نیت سے روزہ رکھنا ممنوع ہے کہ تیس شعبان ہو گی تو نفلی روزہ ہو گا اور اگر یکم رمضان ہو گی تو رمضان کا پہلا فرض روزہ ہو جائے گا۔

ایام تشریق اور ان میں روزوں کی ممانعت کی وضاحت

ایامِ تشریق کی تکبیرات نو (۹) ذی الحج سے تیرہ ذی الحج تک ہر فرض نماز با جماعت کے بعد پڑھی جاتی ہیں' لیکن یہاں ایام تشریق سے عید الاضحیٰ کے بعد گیارہ' بارہ اور تیرہ تین دن مراد ہیں' انہیں دنوں میں اہل عرب قربانی کے گوشت کے پارچے بنا کر سورج کی دھوپ میں خشک کرتے تھے' چونکہ عید الفطر' عید الاضحیٰ اور یہ تین دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے ضیافت کے دن ہیں'

اس لیے ان دنوں میں روزے رکھنا ممنوع ہے' چنانچہ صاحب مشکوٰۃ لکھتے ہیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا صَوْمَ فِیْ يَوْمَيْنِ عِيْدِ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى. [متفق علیہ]

دو دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں' ایک عید الفطر کے دن اور دوسرا عید قربان کے دن۔

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ. [متفق علیہ]

رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر اور عید قربان کے دن روزے سے منع فرمایا ہے۔

(۳) حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ. [رواہ مسلم]

تشریق کے دن کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔

[مشکوٰۃ المصابیح باب صیام التطوع' الفصل الاوّل' ص ۱۷۹' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

(۴) امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماہِ رمضان شروع ہونے سے ایک دن پہلے اور عید قربان اور عید الفطر کے دن اور تشریق کے (تین) دنوں میں روزے رکھنے سے منع فرمایا۔ سو اس لیے ان چھ دنوں کے روزے تمام ائمہ دین کے نزدیک حرام ہیں اور اسی طرح امام شافعی کے نزدیک شک کے دن روزہ رکھنا حرام ہے اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک احتیاط واجب ہے اور ہمارے (احناف کے) نزدیک شک کے دن محض نفل کی نیت سے روزہ رکھنا خواص کے لیے مستحب ہے' لیکن عوام دوپہر تک کھانے پینے سے رُکے رہیں گے (پھر اگر ماہِ رمضان کا چاند ہونا معلوم نہ ہوا تو افطار کر لیں گے)۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری' ص ۲۴۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

١٢ - بَابُ اِيْفَاءُ النَّذْرِ وَاجِبٌ

منت کا پورا کرنا واجب ہے

٢١٩ - اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ نَذَرْتُ اَنْ اَعْتَكِفَ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فِی الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا اَسْلَمْتُ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَوْفِ بِنَذْرِكَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں منت مانی تھی کہ میں مسجد حرام میں اعتکاف بیٹھوں گا' پھر جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا' آپ نے فرمایا: تم اپنی منت پوری کرو۔

بخاری(٢٠٣٢) مسلم(٤٢٩٢) ابوداؤد(٣٣٢٥) ترمذی(١٥٣٩) نسائی(٣٨٥٢) ابن ماجہ(٢١٣٩) ابن حبان(٤٣٨٠) مسند احمد (ج ۲ ص ۲۰)

حل لغات

''نَذَرْتُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل ماضی معروف مثبت' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: نذر ماننا' منت ماننا۔ ''اَعْتَكِفُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل مضارع معروف مثبت' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: اعتکاف کرنا' روکنا' کسی چیز کے اردگرد چکر لگانا' ہمیشہ لازم رہنا۔ ''اَوْفِ'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل امر حاضر معروف باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: پورا کرنا۔

نذر کے اعتکاف کے احکام ومسائل

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور عرض کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں منت مانی تھی کہ

اَنْ اَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ فَاَوْفِ بِنَذْرِكَ. [متفق علیہ]

میں ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا' آپ نے فرمایا: تم اپنی نذر (منت) پوری کرو۔

امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اعتکاف میں روزہ رکھنا شرط نہیں ہے۔ مگر روزہ کے التزام کے ساتھ' کیونکہ اگر اعتکاف میں روزہ رکھنا شرط ہوتا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عمر کو نذر پوری کرنے کا حکم نہ دیتے۔ اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضرت عمر نے عرض کیا تھا: میں نے مسجد حرام میں ایک دن اعتکاف بیٹھنے کی منت مانی ہے تو آپ نے فرمایا: تم اپنی منت پوری کرو۔ لہٰذا جس حدیث میں رات کو اعتکاف کرنے کا ذکر ہے' اس سے رات کے ساتھ دن بھی مراد ہے' جیسا کہ دن کے اعتکاف سے دن کے ساتھ رات بھی مراد ہوتی ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک اعتکاف میں روزہ رکھنا شرط ہے' خواہ اعتکاف واجب ہو یا نفل ہو اور ان کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے' جس میں ہے کہ "لَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ." [رواہ ابوداؤد] یعنی اعتکاف روزہ کے بغیر جائز نہیں ہے۔ یہ حدیث اس بات میں صریح ہے کہ اعتکاف روزہ کے ساتھ مشروط ہے۔ [اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ٢ ص ١٢٠' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

نذر کے اعتکاف کی صورتیں

اگر کوئی شخص یہ منت مان لے کہ وہ اتنے دن اعتکاف کرے گا تو اس کو راتوں کے وقت میں بھی قیام کرنا ہوگا خواہ اس نے مسلسل کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو' کیونکہ اعتکاف میں اصل تسلسل ہے تو مطلق اعتکاف میں بھی اس کا لحاظ رکھنا ہوگا' ہاں! البتہ اگر وہ ایام کو خاص کر لیتا ہے (یعنی کہتا ہے کہ صرف دن کے وقت اعتکاف ہوگا رات کو نہیں) تو الگ بات ہے۔

اگر کسی شخص نے دو دن اعتکاف کی منت مانی تو بالاتفاق درمیانی رات اعتکاف میں شامل ہوگی' رہی پہلے دن سے ماقبل کی رات تو امام ابویوسف کے نزدیک وہ اعتکاف میں شامل نہیں ہوگی' کیونکہ وہ ان دونوں میں شامل نہیں' البتہ طرفین کے نزدیک پہلی بھی شامل ہوگی کیونکہ دن رات کے ساتھ متعارف ہوتا ہے (یعنی دن بول کر دن اور رات دونوں مراد ہوتے ہیں)۔ اگر غیر مسلم نے اعتکاف کی نیت کی' پھر اسلام قبول کر لیا تو اس پر اعتکاف واجب نہیں کیونکہ نذر بالقربت عبادت ہے اور کافر اسلام قبول کرنے سے پہلے اس کا اہل نہیں۔ اور اگر مسلمان نے منت مانی اور العیاذ باللہ پھر وہ مرتد ہو گیا' پھر اس نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا تو اس پر اس نذر کا پورا کرنا واجب نہیں کیونکہ ارتداد پہلی تمام عبادات کو باطل کر دیتا ہے۔ رہی وہ حدیث جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعتکاف کے بارے میں ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے اسلام سے پہلے نذر مانی تھی' ہو سکتا ہے انہوں نے یہ منت اسلام قبول کرنے کے بعد (اعلانیہ اظہار اسلام سے پہلے ابتدائی دور میں) مانی ہو' لیکن دورِ جہالت کے قرب کی وجہ سے انہیں یہ نذر پوری کرنے کا موقع ہی نہ ملا ہو' کیونکہ ابتدائے اسلام میں مسجد حرام پر کفار کو غلبہ حاصل تھا اور وہ اس پر چھائے ہوئے تھے۔

اگر کوئی شخص ماہِ رمضان میں اعتکاف کی نذر مانتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ ماہِ رمضان میں اعتکاف کرے' اگر یہ نہیں کہا کہ فلاں سال کے رمضان میں (یعنی تعیین نہیں کی) تو جس رمضان میں چاہے اعتکاف کر سکتا ہے' اس پر کوئی پابندی نہیں ہے' ہاں اگر تعیین کر دیتا ہے (کہ اسی سال رمضان میں اعتکاف بیٹھوں گا) تو پھر اسی سال اعتکاف کرنا واجب ہے' ماہِ رمضان میں اعتکاف کے لیے

فرض روزے کافی ہیں۔

اگر کسی وجہ سے نہ اعتکاف ہو سکا اور نہ روزے رکھے جا سکے تو اعتکاف اور روزوں دونوں کی قضاء کرے گا۔ اگر روزے تو رکھ لیے لیکن کسی وجہ سے اعتکاف نہیں کر سکا تو امام ابویوسف کے نزدیک اس پر کوئی قضاء نہیں۔ یہی قول امام زفر کا بھی ہے کیونکہ اعتکاف روزوں کے بغیر جائز نہیں اور اس پر روزے واجب ہیں نہیں کہ وہ اعتکاف میں روزے بھی رکھے' رہا دوسرے روزوں کا واجب کرنا تو یہ بلا موجب ہوگا' البتہ ہمارے نزدیک وہ اعتکاف کی وجہ سے واجب و لازم ہوں گے کیونکہ نذر کا پورا کرنا اس کے ذمہ واجب تھا اور روزے بھی واجب تھے' لیکن فرض روزوں کی وجہ سے واجب روزے اس کے ذمے واجب الاداء نہیں تھے' اب جبکہ وہ مانع (رمضان کے روزے) نہیں ہیں تو اعتکاف کے ساتھ ساتھ روزے بھی واجب ہوں گے' اسی لیے اس اعتکاف میں دوسرے روزوں کی ادائیگی صحیح نہیں ہوگی (مثلاً کسی اور رمضان کے قضاء روزے) کیونکہ نذر کے واجب کرنے کی وجہ سے اس پر نئے روزے واجب ہو چکے ہیں۔ [ارکان اسلام ص ٦٤٠-٦٣٩' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار لاہور]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

٧- كِتَابُ الْحَجِّ

حج کے احکام کا بیان

١ - بَابُ التَّعْجِيْلِ فِي الْحَجِّ

حج کی ادائیگی میں جلدی کرنے کا بیان

٢٢٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيُعَجِّلْ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حج کرنے کا ارادہ کر لے تو اسے چاہیے کہ وہ اس فریضہ کو جلدی ادا کرے۔

ابوداؤد (١٧٣٢) ابن ماجہ (٢٨٨٣) مسند احمد (١٩٧٤)

حل لغات

"اَرَادَ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: ارادہ کرنا' چاہنا۔ "فَلْيُعَجِّلْ" اس میں حرف فاء جزائیہ ہے اور "لِيُعَجِّلْ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل امر غائب معروف' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: جلدی کرنا' سبقت کرنا' برانگیختہ کرنا۔

حج کی ادائیگی میں جلدی کی حکمتیں

اس حدیث کو امام ابوداؤد' امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' جس کے یہ الفاظ ہیں کہ "من اراد الحج فليتعجل" جو شخص حج کا ارادہ کر لے تو وہ اسے جلدی ادا کرے۔ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی شخص حج یا عمرہ یا پھر دیگر عبادات میں کسی بھی عبادت کا ارادہ کر لے تو اسے جلد از جلد ادا کرنے کی کوشش کرے اور بلاوجہ تاخیر نہ کرے' کیونکہ تاخیر کرنے کی صورت میں بہت سی مشکلات و آفات پیش آ سکتی ہیں' چنانچہ امام احمد اور امام ابن ماجہ کی حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کردہ روایت میں یوں ہے کہ جو شخص حج کا ارادہ کر لے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی ادائیگی میں جلدی کرے' کیونکہ کبھی وہ بیمار کی بیمار پرسی میں مصروف ہو جائے گا اور کبھی وہ گم شدہ چیز کی تلاش میں گم ہو جائے گا اور کبھی کسی حاجت و ضرورت کی وجہ سے مقروض ہو جائے گا۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ٢٩٧' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

حج کی فرضیت کا بیان

ہر عاقل' بالغ' آزاد' صاحبِ استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط [آل عمران:۹۷] اور اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر لوگوں پر اس گھر کے حج کا فرض ہونا ثابت و واجب ہو گیا ہے جو بھی وہاں تک پہنچنے کے لیے راستے کی طاقت رکھتا ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا' فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج کرنا فرض کر دیا گیا ہے' سو تم حج کرو' ایک آدمی (حضرت اقرع بن حابس) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہر سال (حج فرض ہے)؟ آپ خاموش رہے' یہاں تک کہ اس آدمی نے تین بار یہ سوال دُہرایا تو آپ نے فرمایا: اگر میں صرف ہاں کہہ دیتا تو حج (ہر سال) فرض ہو جاتا اور تم اسے نہ کر سکتے' پھر آپ نے فرمایا کہ تم مجھ سے وہ سوال کرنا چھوڑ دو جو میں تم سے بیان کرنا چھوڑ دوں' کیونکہ تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں سے زیادہ سوالات کرنے اور ان سے زیادہ جھگڑنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے' لہٰذا جب تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے تم اسے کر گزرو اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو تم اسے فوراً چھوڑ دو۔ [رواہ مسلم] [مشکوٰۃ المصابیح' کتاب المناسک' الفصل الاوّل' ص ۲۲۱-۲۲۰' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

لغت میں حج کا معنی ہے: قصد و ارادہ کرنا' اور شریعت کی اصطلاح میں عبادت کی نیت سے کعبہ کی زیارت کا قصد اور ارادہ کرنا حج ہے۔ حج کا سبب کعبہ معظمہ ہے' بیت اللہ کو سب سے پہلے فرشتوں نے بیت المعمور کے بالمقابل سرزمین حجاز میں تعمیر کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے فرشتے اس کا حج کرتے تھے' پھر آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم ﷺ تک صرف انبیائے کرام نے کعبہ کا حج کیا کیونکہ کسی اُمت پر حج فرض نہیں تھا اور یہ حج سن پانچ ہجری (۵ھ) یا سن چھ ہجری (۶ھ) یا ۹ھ میں مسلمانوں پر فرض کیا گیا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حج کی فرضیت اور ہجرت سے پہلے جو حج کیے' وہ بطور عادت کیے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے پیدل چل کر چالیس حج کیے۔ نبی کریم ﷺ کے حج میں حضرت موسیٰ' حضرت یونس اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے بھی شرکت کی اور آپ کے ساتھ حج کیا' جس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام زندہ ہیں اور عبادتیں ادا کرتے ہیں' مگر ان کی یہ عبادتیں شرعی تکلیف کی بناء پر نہیں بلکہ خود اپنی خوشی کی وجہ سے ادا کرتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔

[مرأۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۸۶-۱۵' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات' بہ حوالہ مرقات' لمعات' اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ]

۲- بَابٌ فِيْ فَضِيْلَةِ الْحَجِّ وَالْحَاجِّ

حج اور حاجی کی فضیلت

۲۲۱- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَاجُّ مَغْفُوْرٌ لَّهٗ وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهٗ اِلَى انْسِلَاخِ الْمُحَرَّمِ. ابن ماجہ (۲۸۹۲)

حضرت علقمہ (بن مرثد) رضی اللہ عنہ' نبی کریم ﷺ سے (مرسل) حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: حاجی کے گناہ معاف کر کے اسے بخش دیا جاتا ہے اور اس شخص کو بھی بخش دیا جاتا ہے' جس کے لیے حاجی مغفرت و بخشش کی دعا کر دے' یہ مغفرت و بخشش کا انعام محرم الحرام کے اختتام تک جاری رہتا ہے۔

۲۲۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ طَارِقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْحَجِّ الْعَجُّ وَالثَّجُّ فَاَمَّا الْعَجُّ فَالْعَجِيْجُ وَاَمَّا الثَّجُّ فَثَجُّ الْبُدْنِ قَالَ فَثَجُّ الدَّمِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَمَّا الثَّجُّ فَنَحْرُ الْهَدْيِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افضل ترین حج عج اور ثج ہے' لیکن رہا عج تو وہ عجیج (یعنی بہ آواز بلند تلبیہ پڑھنا) ہے اور لیکن رہا ثج تو وہ قربانی کے جانور کا خون بہانا ہے' پس ثج کا معنی خون بہانا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ثج قربانی کے جانور کو ذبح کرنا ہے۔

ترمذی (۸۲۷) ابن ماجہ (۲۹۲۴) ابن ابی شیبہ (۳۳۰) ابویعلیٰ (۵۰۱۶) سنن بیہقی (۷۰۳۹)

حل لغات

''اِنْسِلَاخٌ'' یہ باب انفعال کا مصدر ہے' اس کا معنی ہے: مہینہ کا آخر' ختم کرنا' کھال اُتارنا۔ ''عَجٌّ وَعَجِيْجٌ'' دونوں کا معنی ہے: چلاّنا' زور سے پکارنا' لیکن یہاں بلند آواز سے پکارتے ہوئے ''لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ'' پورا تلبیہ کہنا مراد ہے اور ''ثَجٌّ'' کا معنی ہے: پانی بہانا' خون بہانا' جانور ذبح کر کے خون بہانا۔ ''اَلْهَدْيُ'' سے مراد قربانی کا وہ جانور ہے جو مکہ مکرمہ میں ذبح کے لیے بھیجا جائے۔

حج میں حاجی کے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں

الحاج مغفورلہ کا مطلب ہے کہ حاجی کے صغیرہ گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے اور اس کے کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مشیت پر موقوف ہوتے ہیں مگر جن کا تدارک ممکن ہو جیسے نماز اور روزے کی قضاء اور مظالم وغیرہ کا ازالہ کرنا۔

(۱) امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ جب تم حاجی سے ملاقات کرو تو اسے سلام کرو' اور اس سے مصافحہ کرو اور اسے کہو کہ وہ اپنے گھر میں آنے سے پہلے تمہارے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کرے کیونکہ وہ خود بخشا ہوا ہے۔

(۲) امام دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ حاجی حضرات' اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہوتے ہیں' جاتے وقت بھی اور واپس آتے وقت بھی۔

حج' عمرہ اور ان میں خرچ ہونے والی رقم کی اہمیت

(۳) امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بلایا تو انہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگیں گے وہ انہیں عطاء فرمائے گا اور جو کچھ خرچ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ایک درہم خرچ کرنے پر انہیں ہزار در ہزار بدلہ عطاء فرمائے گا اور ایک روایت میں مزید یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا! راہِ حج میں خرچ ہونے والا ایک درہم تمہارے اس پہاڑ سے زیادہ وزنی ہو گا اور آپ نے ابوقبیس پہاڑ کی طرف اشارہ فرمایا۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۲۴۷-۲۴۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا' عرض کی گئی: پھر کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا' عرض کیا گیا: پھر کون سا؟ فرمایا: حج مبرور۔ [متفق علیہ]

(۵) انہیں سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ (کی رضا اور خوشنودی) کے لیے حج کرے اور

وہ نہ بُری بات کرے اور نہ بُرا کام کرے تو وہ (گناہوں سے پاک ہوکر) اس طرح واپس لوٹے گا جس طرح اس کی ماں نے اسے آج جنا ہے۔

(۶) انہیں سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک عمرہ دوسرے عمرے تک درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے' اور حج مبرور (مقبول) کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔ [متفق علیہ]

(۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک ماہِ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔

[متفق علیہ][مشکوٰۃ المصابیح' کتاب المناسک' الفصل الاوّل' ص ۲۲۱' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

۳- بَابُ تِبْيَانِ الْمَوَاقِيْتِ لِلْحَجِّ

حج کے لیے احرام باندھنے کے مقامات

۲۲۳- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ يَحْيٰى اَنَّ نَافِعًا قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ يَقُوْلُ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَيْنَ الْمَهَلُّ قَالَ يُهِلُّ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِى الْحُلَيْفَةِ وَيُهِلُّ اَهْلُ الْعِرَاقِ مِنَ الْعَقِيْقِ وَيُهِلُّ اَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ وَيُهِلُّ اَهْلُ نَجْدٍ مِّنْ قَرْنٍ.

بخاری(۱۵۲۵)مسلم(۲۸۱۰)ابوداؤد(۱۷۳۷-۱۷٤۰)ترمذی(۸۳۱-۸۳۲)نسائی(۲٦۵۳)ابن ماجہ (۲۹۱٤)

حضرت نافع نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک آدمی نے کھڑے ہوکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! (بتایئے کہ) حج کا احرام باندھنے کے لیے میقات کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: مدینہ منورہ کے رہنے والے ذوالحلیفہ کے مقام سے احرام باندھیں گے اور عراق کے باشندے عقیق سے احرام باندھیں گے اور اہل شام جُحفہ سے احرام باندھیں گے اور نجد کے رہنے والے قرن سے احرام باندھیں گے۔

۲۲٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ مَنْ اَرَادَ مِنْكُمُ الْحَجَّ فَلَا يُحْرِمَنَّ اِلَّا مِنَ الْمِيْقَاتِ وَالْمَوَاقِيْتُ الَّتِىْ وَقَّتَهَا نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ مَّرَّبِهَا مِنْ غَيْرِ اَهْلِهَا ذُوالْحُلَيْفَةِ وَلِاَهْلِ الشَّامِ وَمَنْ مَّرَّبِهَا الْجُحْفَةُ وَلِاَهْلِ نَجْدٍ وَمَنْ مَّرَّبِهَا مِنْ غَيْرِ اَهْلِهَا قَرْنٌ وَّلِاَهْلِ الْيَمَنِ وَمَنْ مَّرَّبِهَا مِنْ غَيْرِ اَهْلِهَا يَلَمْلَمُ وَلِاَهْلِ الْعِرَاقِ وَلِسَائِرِ النَّاسِ ذَاتُ عِرْقٍ. بخاری(۱۵۳۱)

حضرت اسود بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: تم میں سے جو شخص حج کرنا چاہے وہ صرف میقات سے احرام باندھے اور وہ احرام گاہیں جنہیں تمہارے نبی نے مقرر و متعین فرما دیا ہے' (وہ یہ ہیں:) مدینہ والوں اور مدینہ منورہ کے راستے سے گزرنے والے دوسرے قبیلوں اور لوگوں کے لیے ذوالحلیفہ کو مقرر فرمایا اور اہلِ شام اور اس راستے سے گزرنے والوں کے لیے جُحفہ کا مقام مقرر فرمایا اور اہلِ نجد اور وہاں سے گزرنے والے دوسرے لوگوں کے لیے قرن کو مقرر فرمایا اور اہلِ یمن اور ان کے علاوہ وہاں سے گزرنے والے دوسرے لوگوں کے لیے یلملم کو مقرر فرمایا اور اہلِ عراق اور دیگر تمام لوگوں کے لیے ذاتِ عرق کو مقرر فرمایا۔

حل لغات

''اَلْمَهَلُّ'' یہ اسم ظرف مکان کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے: بلند آواز سے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھنے کی جگہ لیکن یہاں اس سے میقات مراد ہے جہاں تلبیہ پڑھ کر احرام باندھا جاتا ہے اور بغیر احرام کے وہاں سے گزرنے پر دم لازم آتا ہے۔ ''يُهِلُّ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: چاند دیکھتے وقت لوگوں کا آواز بلند کرنا' نیا چاند دیکھنا

تسبیح پڑھنا' ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہنا' تلبیہ پڑھنا۔ ''فَلَا يُحْرِمَنَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف نہی بانون ثقیلہ' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: احرام باندھنا۔ ''وَقَّتَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: وقت مقرر کرنا' زمانہ کا تعین کرنا' میقات بنانا۔

میقات کا مفہوم اور ہر سمت کے الگ میقات کا ذکر

میقات وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں پر حج یا عمرہ کے ارادے سے مکہ معظمہ جانے والوں کے لیے احرام باندھنا واجب ہے اور یہاں سے حاجی یا عمرہ کرنے والے کو بغیر احرام آگے بڑھنا حرام اور ممنوع ہے' لہٰذا اگر کوئی شخص بغیر احرام کے میقات سے آگے گزر جائے تو اس پر دم لازم آجائے گا (یعنی ایک جانور کی قربانی کرنا واجب ہے)۔ تمام ائمہ کبار کا اس پر اتفاق ہے کہ اہلِ عراق کا میقات ذاتِ عرق ہے' البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اہل عراق کے لیے ذاتِ عرق کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر و متعین فرما دیا تھا یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اہلِ عراق کے لیے ذاتِ عرق کو میقات مقرر فرمایا۔ شوافع کے نزدیک حضرت عمر نے اپنے اجتہاد سے اہلِ عراق کے لیے ذاتِ عرق کو میقات مقرر فرمایا اور ہمارے (احناف کے) نزدیک خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ عراق کے لیے ذاتِ عرق کو میقات مقرر فرما دیا تھا۔ ہمارے دلائل میں سے دو دلیلیں مسند امام اعظم کی مذکورہ بالا دو حدیثیں ہیں' چنانچہ پہلی حدیث میں آپ نے فرمایا کہ اہلِ عراق عقیق نامی گاؤں سے احرام باندھیں اور دوسری حدیث میں حضرت عمر نے بیان کیا کہ تمہارے نبی نے اہلِ عراق کے لیے ذاتِ عرق کو میقات مقرر فرما دیا تھا اور عقیق اور ذاتِ عرق ایک دوسرے کے بالکل قریب ہیں' اس لیے شیخ محقق دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ یہ دونوں ایک جگہ کے نام ہیں۔ ملا علی قاری نے مرقات میں فرمایا کہ عقیق' ذاتِ عرق کی حد میں واقع ہے۔ بہرحال ان دونوں حدیثوں سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل عراق کے لیے میقات خود مقرر فرما دیئے تھے' اس کے علاوہ مزید دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہلِ مدینہ کا میقات (احرام گاہ) ذوالحلیفہ ہے اور (اگر براستہ شام مکہ مکرمہ میں آنا چاہیں تو) دوسرے راستے میں جُحفہ میقات ہے اور اہلِ عراق کا میقات ذاتِ عرق ہے اور اہلِ نجد کا میقات قرن ہے اور اہلِ یمن کا میقات یلملم ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے صحیح مسلم میں روایت کیا ہے۔

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ عراق کے لیے ذاتِ عرق کو میقات مقرر و متعین فرما دیا تھا۔ اس کو امام ابوداؤد نے سنن ابوداؤد میں اور امام نسائی نے سنن نسائی میں روایت کیا ہے۔ [مشکوٰۃ' کتاب المناسک' الفصل الاوّل میں' الفصل الثانی ص ۲۲۲-۲۲۱' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

(۵) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ اہلِ مدینہ کا میقات ذوالحلیفہ ہے اور اہلِ شام کا میقات جحفہ اور اہلِ یمن کا میقات یلملم اور اہلِ نجد کا میقات قرن اور اہلِ مشرق (یعنی اہلِ عراق) کا میقات ذاتِ عرق ہے' پھر آپ نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا' اور عرض کیا: اے اللہ! ان دلوں کو متوجہ فرما!

[سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۰۵' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار' لاہور]

(۶) علاوہ ازیں امام بزار نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس سے اور امام عبدالرزاق نے حضرت ابن عمر سے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے اہلِ عراق کے لیے ذاتِ عرق کو میقات مقرر فرما دیا تھا۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۵۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بصرہ اور کوفہ کے شہر فتح ہوئے تو وہاں کے لوگ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ نجد کے لیے قرن کو میقات مقرر فرمایا ہے جو ہمارے راستے سے بہت دور ہے' اگر ہم قرن جانے کا ارادہ کریں تو ہمارے لیے بہت مشکل اور دشوار ہے' حضرت عمر نے فرمایا: تم اپنے راستے میں کوئی جگہ مقرر کرلو پھر آپ نے ان کے لیے ذاتِ عرق کو میقات مقرر فرما دیا۔ امام شافعی اور ان کے متبعین اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اہلِ عراق کے لیے ذاتِ عرق ہی میقات ہے' لیکن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقرر وتعین سے نہیں بلکہ حضرت عمر نے اپنے اجتہاد سے اس کا تقرر وتعین فرمایا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ انہیں نبی کریم کے تقرر کی خبر نہیں ملی تھی' اس لیے انہوں نے اپنے اجتہاد سے ذاتِ عرق کو اہلِ عراق کے لیے میقات مقرر فرما دیا اور آپ کا یہ اجتہاد صحیح اور سنت نبوی کے موافق ثابت ہوا' کیونکہ آپ کی اکثر آراء قرآن وسنت کے موافق ثابت ہوتی تھیں (جب آپ کو ذاتِ عرق کے میقات کے تقرر کی حدیث نبوی مل گئی تو آپ نے برملا خطبہ میں بیان فرما دیا) اور عراق اور اس کے دیگر شہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فتح نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ کی وفات کے بعد فتح ہوئے مگر چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ عنقریب عراق وغیرہ فتح ہو جائے گا اور وہاں سے لوگ حج کرنے آیا کریں گے' اس لیے آپ نے اپنی دنیوی زندگی میں اہلِ عراق کے لیے ذاتِ عرق کو میقات مقرر فرما دیا تھا جیسا کہ آپ نے اہلِ مصر اور اہلِ شام کے لیے ان کے فتح ہونے سے پہلے میقات مقرر فرما دیئے تھے' لہٰذا حضرت عمر نے اپنے اجتہاد سے اس کی تجدید کی' از خود تقرر نہیں کیا۔ [مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۲۷۱' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو تقرر فرمایا ہے' وہاں اس سے عملی تقرر مراد ہے۔

[مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۹۲' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

٤- بَابُ اِلْبَاسِ الْمُحْرِمِ

محرم کے لباس کا بیان

۲۲۵- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاذَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ قَالَ لَا يَلْبَسُ الْقَمِيْصَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا الْقَبَاءَ وَلَا السَّرَاوِيْلَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهٗ وَرْسٌ اَوْ زَعْفَرَانٌ وَّمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! محرم کون سے کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ محرم نہ قمیص پہن سکتا ہے اور نہ عمامہ' نہ شیروانی وغیرہ' نہ شلوار' نہ ٹوپی اور نہ ایسا کپڑا پہن سکتا ہے جس میں ورس یا زعفران کے رنگ کی آمیزش ہو اور جس شخص کے پاس جوتے نہ ہوں' وہ موزے پہن لے اور وہ انہیں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے۔

بخاری (۱۳٤) مسلم (۲۷۹۲) ابوداؤد (۱۸۲٤) ترمذی (۸۳۳) نسائی (۲٦٦۸) ابن ماجہ (۲۹۲۹) ابن حبان (۳۷۸٤) دارمی (ج ۲ ص ۳۱)

۲۲٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ اِزَارٌ فَلْيَلْبَسْ سَرَاوِيْلَ وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ نِعَالٌ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کے پاس تہبند نہ ہو وہ شلوار یا پائجامہ پہن لے اور جس آدمی کے پاس جوتے نہ ہوں' وہ موزے پہن لے۔

بخاری (۱۸٤۱) مسلم (۲۷۹۷) ابوداؤد (۱۸۲۹) ترمذی (۸۳٤) نسائی (۲٦۷۳) ابن ماجہ (۲۹۳۱) ابن حبان (۳۷۸۵)

حل لغات

''یَلْبَسُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: پہننا' کپڑے پہننا۔ ''اَلْعِمَامَةُ'' پگڑی۔ ''اَلْقَبَاءُ'' شیروانی' کوٹ' واسکٹ وغیرہ۔ ''اَلسَّرَاوِيْلُ'' شلوار' پاجامہ۔ ''اَلْبُرْنُسُ'' لمبی ٹوپی' اس سے مراد ہے: سر کو ڈھانپنے والا کپڑا۔ ''مَسَّهٗ'' اس میں مسّ صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب سَمِعَ یَسْمَعُ اور نَصَرَ یَنْصُرُ دونوں سے آتا ہے' اس کا معنی ہے: چھونا' پہنچنا' ''ہٗ'' ضمیر مفعول بہ ہے۔ ''وَرْسٌ'' ایک خاص قسم کی خوشبودار گھاس ہے جو رنگائی کے کام آتی ہے۔

محرم کے لیے جائز اور ناجائز لباس کی تفصیل

سائل کو سوال کرنا نہیں آیا کیونکہ پوچھنے والی بات یہ تھی کہ محرم کون سے کپڑے نہ پہنے؟ لیکن سائل نے پوچھا کہ محرم کون سے کپڑے پہن سکتا ہے؟ حالانکہ مسلک حنفی میں تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے' پھر شریعت نے جن کو منع کر دیا وہ حرام ہو گئیں اور جن کو لازم قرار دے دیا وہ فرض اور واجب ہو گئیں' باقی اپنی اصل پر مباح رہیں۔ [شرح مسند امام اعظم للملا علی قاری] یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی فصاحت و بلاغت کا کمال ہے کہ آپ نے حکیمانہ فصیح و بلیغ جواب دیا اور نہ پہننے والے چند کپڑے بیان فرمائے جن کو یاد رکھنا آسان ہے' ورنہ پہننے والے کپڑے تو بے شمار ہیں۔ بہرحال چونکہ روئے سخن مرد حجاج کی طرف ہے' اس لیے پگڑی' ٹوپی کا بھی ذکر فرمایا' مطلب یہ ہے کہ حاجی مرد سلا ہوا کپڑا نہ پہنے اور نہ سر کو ڈھانپے' ان دونوں حکموں سے عورتیں علیحدہ ہیں' پہننے سے مراد عادت کے مطابق ہے' پائنچوں میں پاؤں ڈال کر اور قمیص کی آستینوں میں ہاتھ ڈال کر' اگر کوئی محرم تہبند کی طرح پاجامہ لپیٹ لے اور چادر کی قمیص اوڑھ لے تو جائز ہے کہ یہ پہننا نہیں۔ برنس ایک خاص قسم کی لمبی ٹوپی کو کہتے ہیں جو پہلے مروّج تھی مگر یہاں مطلقاً سر ڈھانپنے والا کپڑا مراد ہے' لہٰذا محرم سر پر کپڑا' چادر' دوپٹہ وغیرہ نہیں ڈال سکتا' جب کہ وہ سر سے متصل ہو' ہاں چھتری لگانا' خیمہ میں بیٹھنا درست ہے کہ چھتری اور خیمہ کی چھت سر سے علیحدہ رہتی ہے۔

احناف کے نزدیک یہاں کعبین سے مراد قدم کے درمیان اُبھری ہوئی سخت ہڈی ہے' اس کا کھلا رکھنا ضروری ہے اور ڈھانپنا منع ہے۔ شوافع کے نزدیک وہی عرفی ٹخنے یعنی قدم کے آس پاس کی دو ہڈیاں مراد ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ محرم کو بہ حالت احرام نہ موزہ پہننا درست ہے' نہ جوتا یا بوٹ' جس سے وسط قدم کی اُبھری ہوئی ہڈی ڈھک جائے' خفین چمڑے کے موزے کو کہتے ہیں' سوتی یا اونی موزے کو جُراب کہا جاتا ہے' وہ ممنوع نہیں ہیں' مطلب یہ ہے کہ اگر حاجی کے پاس جوتے نہ ہوں تو چمڑے کے موزے کو کاٹ کر جوتے کی طرح بنا لے' پھر اسے پہن لے۔ اور حضرت ابن عمر کی حدیث یہاں تک متفق علیہ ہے جبکہ امام بخاری نے یہ اضافہ بھی روایت کیا ہے کہ ''ولا تنتقب المرأة المحرمة ولا تلبس القفازين'' اور محرمہ عورت نہ منہ پر نقاب ڈالے اور نہ دستانے پہنے۔ ورس عرب کی ایک مشہور گھاس ہے' جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں' اس کا رنگ بھی زعفران کی طرح پیلا ہوتا ہے' یعنی کوئی محرم مرد ہو یا عورت' زعفران یا ورس میں رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے۔ یہاں پہننے سے مراد استعمال کرنا ہے' لہٰذا اس رنگ کی چادر یا تہبند بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ [ماخوذ از مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۱۸٤-۱۸۳' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

٥- بَابُ عَدَمِ جَوَازِ الطِّيْبِ لِلْمُحْرِمِ بَعْدَ الْاِحْرَامِ

احرام کے بعد محرم کے لیے خوشبو لگانا جائز نہیں

۲۲۷- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ عُمَرَ اَیَتَطَیَّبُ الْمُحْرِمُ قَالَ لَاَنْ اُصْبِحَ اَنْضَحُ قَطِرَانًا اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُصْبِحَ اَنْضَحُ طِیْبًا فَاَتَیْتُ عَائِشَةَ فَذَکَرْتُ لَهَا فَقَالَتْ اَنَا طَیَّبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَطَافَ فِیْ اَزْوَاجِهٖ ثُمَّ اَصْبَحَ تَعْنِیْ مُحْرِمًا وَفِیْ رِوَایَةٍ کُنْتُ اُطَیِّبُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ یَطُوْفُ فِیْ نِسَائِهٖ ثُمَّ یُصْبِحُ مُحْرِمًا. مسلم(۲۸٤۲)نسائی(۲۷۰۵)

حضرت ابراہیم بن محمد اپنے والد (حضرت محمد بن منتشر) سے بیان کرتے ہیں' انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کیا محرم خوشبو استعمال کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: البتہ میں اس حال میں صبح کروں کہ مجھ سے تارکول کی بدبو آ رہی ہو' تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے' اس سے کہ میں اس حال میں صبح کروں کہ مجھ سے خوشبو کی مہک آ رہی ہو' پھر میں حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس حاضر ہوا' سو میں نے ان سے اس سوال کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشبو لگائی اور آپ اپنی ازواج پاک کے پاس تشریف لے گئے' پھر آپ صبح احرام باندھ کر محرم ہو گئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشبو لگایا کرتی تھی' پھر آپ اپنی ازواج کے پاس تشریف لے جاتے' پھر آپ صبح احرام باندھ لیتے۔

حل لغات

''یَتَطَیَّبُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف' باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے: خوشبو لگانا۔ ''اَنْضَحُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل مضارع معروف' باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: چھڑکنا' مراد مہکنا ہے۔ ''قَطِرَانًا'' اس کا معنی ہے: تارکول' یہ تیل کی طرح ایک سیال بدبودار مادہ ہوتا ہے جو ابہل یا صنوبر وغیرہ کے درختوں سے نکلتا ہے اور خارش زدہ اونٹوں کو لگایا جاتا ہے۔ بعض قراءتوں میں ''قِطْرَانٌ'' (قاف کے نیچے زیر کے ساتھ) آیا ہے' اس کا معنی ہے: پگھلا ہوا تانبا' یا پیتل۔ ''طَیَّبْتُ'' صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: خوشبو لگانا۔

اس حدیث میں حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ صدیقہ کے اقوال میں بہ ظاہر تضاد اور تعارض معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت ابن عمر نے محرم کے لیے خوشبو کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور اس کی بجائے تارکول کی بدبو کو ترجیح دی ہے جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ نے رسول اللہ کے عمل سے محرم کے لیے خوشبو کے جواز کو ثابت کیا ہے لیکن حقیقت میں کوئی تضاد اور تعارض نہیں ہے' اس لیے کہ خوشبو لگانے کی دو صورتیں ہیں' ایک احرام سے پہلے خوشبو لگانا' پھر احرام باندھنا جبکہ خوشبو باقی ہو تو یہ جائز ہے' اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل سے یہی ثابت کیا ہے' دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی احرام باندھ لینے کے بعد خوشبو لگائے تو یہ ممنوع اور ناجائز ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسی کو ناپسندیدہ اور مکروہ قرار دیا ہے۔

ممنوعاتِ احرام کی حکمتیں

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ (حضرت ابن عمر کی حدیث میں) مذکورہ لباس کی تحریم اور تہبند و چادر کی اباحت میں حکمت و مصلحت یہ ہے کہ محرم تکبر و غرور اور اکڑنے' اِترانے سے دور رہے اور خشوع و خضوع' تواضع' انکساری اور عاجزی کی صفات کے ساتھ متصف ہو جائے اور اسے ہمیشہ یہ یاد رہے کہ وہ محرم ہے اور اس حالت میں کثرت کے ساتھ دعائیں مانگے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و رفعت اور کبریائی و بڑائی کا اعتراف کرے اور اس کے اذکار سے کوتاہی نہ کرے اور اپنے آپ کو محظورات و محرمات سے محفوظ رکھے اور احرام کے اَن سلے سادہ کپڑوں کے ذریعہ موت کو اور کفن پہننے کو اور قیامت کے روز دوبارہ زندہ ہو کر اُٹھنے اور ننگے بدن ننگے پاؤں حق

کے داعی کی دعوت پر سر اور نگاہیں جھکا کر اس کی طرف سرپٹ دوڑنے کو یاد کرے اور خوشبو لگانے اور عورتوں کے پاس قربت سے منع کرنے میں یہ حکمت ہے کہ محرم کو دنیا کی نعمتوں' لذتوں اور اس کی زیب و زینت اور ہار سنگار سے دور رکھا جائے کیونکہ حاجی احرام و سفر کی حالت میں پراگندہ بالوں اور غبار آلود چہرے والا عاشق زار فقیر ہوتا ہے اور وہ اپنے عزم و ارادہ اور اپنے مقصدِ سفر کو آخرت کے مقاصد کے لیے جمع رکھے اور احرام کے بعد حاجی کے لیے مکہ مکرمہ کے علاقہ میں شکار کے مارنے کو حرام قرار دینے کی حکمت بیت اللہ اور اس کے حرم پاک کی تعظیم و تکریم ہے اور وہاں کے شکار کو مارنے اور درختوں کو کاٹنے سے منع کرنے کی حکمت بھی یہی تعظیم و تکریم ہے۔ [مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۵ ص ۳۷۷' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

٦- بَابُ التَّمَتُّعِ
حج تمتع

۲۲۸- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَصْحَابَهٗ اَنْ یُّحِلُّوْا مِنْ اِحْرَامِهِمْ بِالْحَجِّ وَیَجْعَلُوْا عُمْرَةً.

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم فرمایا کہ وہ حج کے لیے باندھے گئے اپنے احرام کھول دیں اور اسے عمرہ کا احرام بنا لیں۔

مسلم(۲۹٤۵)نسائی(۲۸۰۷)ابن ماجہ(۲۹۸۲)

۲۲۹- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَا اَمَرَ بِهٖ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ قَالَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا عَنْ عُمْرَتِنَا اَلَنَا خَاصَّةً اَمْ لِلْاَبَدِ قَالَ هِیَ لِلْاَبَدِ. مسلم(۲۹٤۳)ابوداؤد(۱۷۸۷)نسائی(۲۸۰۸) ابن ماجہ(۲۹۸۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں (حج کو منسوخ کر کے عمرہ کرنے کا) جو حکم دینا تھا وہ حکم دے دیا تو حضرت سراقہ بن مالک نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ہمیں اس عمرہ کے بارے میں بتائیے کہ کیا یہ عمرہ ہمارے ساتھ خاص ہے یا یہ ہمیشہ کے لیے ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

حل لغات

''یُحِلُّوْا'' صیغہ جمع مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: حلال کرنا' عہد و میثاق سے آزاد ہو جانا' محرم کا احرام سے نکلنا' سزا کا مستحق ہونا' واجب کرنا۔ ''اَخْبِرْ'' صیغہ واحد مذکر' فعل امر حاضر معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: آگاہ کرنا' خبردار کرنا' خبر دینا' بتانا' آزمانا' امتحان لینا' تجربہ کرنا۔

حج کی اقسام اور ایک بُری رسم کی تردید

حج کی تین اقسام ہیں: (۱) حج افراد یعنی صرف حج کے لیے احرام باندھنا (۲) حج تمتع یہ ہے کہ پہلے عمرہ کے لیے احرام باندھنا اور عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول دینا' پھر آٹھ ذی الحج کو حج کا احرام باندھ لینا (۳) حج قران یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھنا اور عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد احرام نہ کھولنا بلکہ بدستور احرام پر قائم رہنا اور حج کرنے کے بعد احرام کھولنا۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں مشرکین یہ خیال کرتے تھے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا بدترین گناہ ہے' چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کے اس باطل اور من گھڑت گمان اور اس بدترین رسم کو ختم کرنے کے لیے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ حج کا احرام کھول دیں اور اسے عمرہ بنا لیں اور چونکہ مشرکین کی اس بُری رسم کو مٹانے کے لیے صرف اس سال حجۃ الوداع میں حج کو فسخ کر کے عمرہ میں تبدیل کیا گیا تھا' اس لیے حضرت سراقہ بن مالک نے سوال کیا کہ حج کے مہینوں میں عمرے کا جواز بھی صرف ہمارے لیے

مخصوص ہے یا یہ ہمیشہ کے لیے ہے' آپ نے فرمایا: اس کا جواز ہمیشہ کے لیے ہے اور یہ حدیث صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۷۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج مفرد کا احرام باندھ کر روانہ ہوئے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صرف عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہوئی تھیں۔ جب ہم سرف کے مقام پر پہنچے تو حضرت عائشہ صدیقہ حائضہ ہو گئیں' جب ہم مکہ مکرمہ میں پہنچے تو بیت اللہ کا اور صفا و مروہ کا طواف کیا' پھر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ جس کے پاس ھدی (قربانی کا جانور) نہ ہو' وہ حلال ہو جائے' ہم نے عرض کیا: حلال ہونے سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ احرام کھول کر مکمل حلال ہو جائیں' سو ہم نے اپنی بیویوں سے جنسی عمل کیا' خوشبو لگائی اور سلے ہوئے کپڑے پہن لیے' اس وقت یوم عرفہ میں چار دن باقی تھے' پھر یوم ترویہ (آٹھ ذوالحج) کو ہم نے حج کا احرام باندھا اور رسول اللہ ﷺ' حضرت عائشہ کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں' آپ نے وجہ پوچھی اور فرمایا: کیا بات ہے کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: مجھے حیض آ گیا ہے اور لوگ عمرہ کے احرام سے حلال ہو گئے ہیں جبکہ میں حلال نہیں ہو سکتی کیونکہ نہ میں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور نہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی ہے اور لوگ اب حج کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ ایک عارضہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں کے لیے مقدر فرما دیا ہے' سو تم غسل کرو اور حج کا احرام باندھ لو' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور تمام مواقف پر ٹھہریں' جب وہ پاک ہو گئیں تو انہوں نے کعبہ معظمہ اور صفا و مروہ کا طواف کیا' پھر آپ نے فرمایا: تم حج اور عمرہ دونوں سے حلال ہو گئیں۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنے دل میں کھٹک محسوس کرتی ہوں کہ میں نے حج سے پہلے بیت اللہ (اور صفا و مروہ) کا طواف نہیں کیا' آپ نے فرمایا: اے عبدالرحمٰن! تم اپنی بہن کو لے جاؤ اور ان کو تنعیم کے مقام سے عمرہ کراؤ اور یہ واقعہ محصب کی رات ہوا۔

[صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۹۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء]

۷- بَابُ حَجِّ الْحَائِضِ
حیض والی عورت کا حج

۲۳۰- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ عَنْ رَّجُلٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَدِمَتْ وَهِیَ مُتَمَتِّعَةٌ وَّهِیَ حَائِضٌ فَاَمَرَهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَضَتْ عُمْرَتَهَا.

بخاری (۱۵۵٦) مسلم (۲۹۱۱) ابوداؤد (۱۷۸۲) ترمذی (۹٤۵) نسائی (۲۷٤۲) ابن ماجہ (۳۰۰۰)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ حج تمتع کی نیت سے مکہ مکرمہ پہنچیں تو اسی دوران انہیں حیض آ گیا' سو نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنا عمرہ چھوڑ دیں۔

۲۳۱- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَدِمَتْ مُتَمَتِّعَةً وَّهِیَ حَائِضٌ فَاَمَرَهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَضَتْ عُمْرَتَهَا. سابقہ (۲۳۰)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ حج تمتع کی نیت سے مکہ مکرمہ پہنچیں تو انہیں اس دوران حیض کا عارضہ لاحق ہو گیا' سو نبی کریم ﷺ انہیں عمرہ کو فسخ کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے اپنا عمرہ ترک کر دیا۔

۲۳۲- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَدِمَتْ مُتَمَتِّعَةً وَّهِیَ حَائِضٌ فَاَمَرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَضَتْ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ حج تمتع کا ارادہ کر کے مکہ مکرمہ میں آئیں اور اسی دوران انہیں حیض آ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں عمرہ فسخ کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے اپنا عمرہ چھوڑ

عُمْرَتَهَا وَاسْتَانَفَتِ الْحَجَّ حَتّٰی اِذَا فَرَغَتْ مِنْ حَجِّهَا اَمَرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَصْدُرَ اِلَی التَّنْعِیْمِ مَعَ اَخِیْهَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ. سابقہ (۲۳۰)

دیا اور نئے سرے سے حج کا احرام باندھ لیا' یہاں تک کہ جب آپ حج کے اعمال سے فارغ ہو گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اب وہ اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن کے ساتھ تنعیم کے مقام پر جائیں اور وہاں سے عمرے کا احرام باندھ کر آئیں (اور اس کی قضاء پوری کریں)۔

حل لغات

''قَدِمَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: آنا' لوٹنا' ارادہ کرنا' جرأت کرنا۔ ''رَفَضَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی معروف' باب نصر سے ہے' اس کا معنی ہے: ترک کرنا' چھوڑنا' پھینکنا۔ ''اِسْتَانَفَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی معروف' باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: نئے سرے سے کوئی کام کرنا۔

عمرے کی قضاء

چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس سفر میں حج تمتع کی نیت کی وجہ سے پہلے صرف عمرے کا احرام باندھا تھا لیکن حج سے پہلے عمرہ نہ کر سکیں کیونکہ مکہ مکرمہ میں پہنچتے ہی انہیں حیض آ گیا' جس کی وجہ سے آپ بیت اللہ کا طواف نہ کر سکیں (کیونکہ مسجد میں طہارت کے بغیر داخلہ ممنوع ہے) اور طواف کعبہ کے بغیر صفا و مروہ کے درمیان سعی بھی نہیں ہو سکتی' اس لیے آپ عمرے کا کوئی رکن ادا نہ کر سکیں' جس کی بناء پر نبی کریم ﷺ نے انہیں عمرے کو چھوڑ کر حج کا احرام باندھنے کا حکم دے دیا' چنانچہ آپ نے اپنا عمرہ فسخ کر دیا اور حج کا احرام باندھ لیا اور حج کے اعمال سے فارغ ہونے کے بعد اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ تنعیم کے مقام پر جا کر عمرہ کا احرام باندھا اور عمرے کی قضا پوری کی اور مقامِ تنعیم مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر حدود حرم سے باہر واقع ہے' اب وہاں مسجد عائشہ بنی ہوئی ہے' عام حجاج کرام وہاں جا کر نفلی عمروں کا احرام باندھتے ہیں کیونکہ یہ جگہ حرم کی حدود سے قریب ترین ہے۔

۸- بَابُ اِهْرَاقِ الدَّمِ عَلٰی رَفْضِ الْعُمْرَةِ بَعْدَ الْاِحْرَامِ
احرام کے بعد عمرہ چھوڑنے پر قربانی دینے کا حکم

۲۳۳- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ عَنْ رَّجُلٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَبَحَ لِرَفْضِهَا الْعُمْرَةَ بَقَرَةً. بخاری (۲۹٤۰) مسلم (۲۹۱۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے (حضرت عائشہ صدیقہ) کے عمرہ چھوڑنے پر ایک گائے ذبح کی۔

۲۳٤- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ رِبْعِیِّ ابْنِ حِرَاشٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِرَفْضِهَا الْعُمْرَةَ دَمًا. سابقہ (۲۳۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے عمرہ چھوڑنے پر انہیں دم دینے (یعنی جانور قربانی کرنے) کا حکم دیا۔

۲۳۵- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ یَصْدُرُ النَّاسُ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ وَاَصْدُرُ بِحَجَّةٍ فَاَمَرَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَكْرٍ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! لوگ حج اور عمرہ ادا کر کے جانے لگے ہیں اور میں صرف حج کر کے جانے لگی ہوں' تو نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو حکم دیا کہ ان کو تنعیم پر لے جائیں تا کہ یہ وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ

فَقَالَ انْطَلِقْ بِهَا إِلَى التَّنْعِيْمِ فَلْتُهِلَّ ثُمَّ لِتَفْرُغْ مِنْهَا ثُمَّ لِتُعَجِّلْ عَلَيَّ فَإِنِّيْ انْتَظِرُهَا بِبَطْنِ الْعُقْبَةِ.

لیں' پھر جب عمرہ کے اعمال سے فارغ ہو جائیں تو اس کے بعد جلدی سے میرے پاس پہنچ جائیں' سو میں بطن عقبہ میں ان کا انتظار کروں گا۔

بخاری (۱۷۸۷) مسلم (۲۹۲۷)

ایک قربانی میں گائے ذبح کرنے کی حکمت

چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایامِ حیض کے عارض ہونے کے عذر کے سبب احرام باندھنے کے بعد عمرہ کو فسخ کر دیا تھا' اس لیے ان کی طرف سے قربانی کے ذریعہ عمرہ توڑنے کے نقصان کو پورا کیا گیا' نیز اگرچہ اس نقصان کی تلافی کے لیے ایک بکری کی قربانی بھی کافی تھی' لیکن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی محبوبہ زوجہ محترمہ کی طرف سے خیر و بھلائی میں اضافہ کرنے اور صدقہ و خیرات کی مد میں زیادہ سے زیادہ نیکی کرنے کے لیے سات حصوں کی حامل گائے کو ذبح کر کے قربانی دی۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۴۰۶-۲۴۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

۹- بَابٌ يَجُوْزُ أَكْلُ صَيْدِ الْحَلَالِ لِلْمُحْرِمِ

غیر محرم کا شکار محرم کے لیے کھانا جائز ہے

۲۳۶- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ قَالَ تَذَاكَرْنَا لَحْمَ صَيْدٍ يَصِيْدُهُ الْحَلَالُ فَيَأْكُلُهُ الْمُحْرِمُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَائِمٌ حَتّٰى ارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُنَا فَاسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ فِيْمَا يَتَنَازَعُوْنَ فَقُلْنَا فِيْ لَحْمِ صَيْدٍ يَّصِيْدُهُ الْحَلَالُ فَيَأْكُلُهُ الْمُحْرِمُ قَالَ فَاَمَرَنَا بِاَكْلِهٖ. مسلم (۲۸۶۰) نسائی (۲۸۱۹)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم شکار کے گوشت کے متعلق آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بحث کر رہے تھے کہ غیر محرم جسے شکار کرے تو اسے محرم کھا سکتا ہے (کہ نہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو رہے تھے' یہاں تک کہ ہماری آوازیں بلند ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہو گئے اور فرمایا: تم کس بات میں جھگڑ رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ شکار کے گوشت کے متعلق جسے غیر محرم آدمی نے شکار کیا ہو تو اس کو محرم کھا سکتا ہے (کہ نہیں) پس آپ نے ہمیں اسے کھانے کی اجازت دے دی۔

۲۳۷- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْتُ فِيْ رَهْطٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِي الْقَوْمِ حَلَالٌ غَيْرِيْ فَنَظَرْتُ نُعَامَةً فَسِرْتُ اِلٰى فَرَسِيْ فَرَكِبْتُهَا وَعَجِلْتُ عَنْ سَوْطِيْ فَقُلْتُ لَهُمْ نَاوِلُوْنِيْهِ فَاَبَوْا فَنَزَلْتُ عَنْهَا فَاَخَذْتُ سَوْطِيْ فَطَلَبْتُ النُّعَامَةَ فَاَخَذْتُ مِنْهَا حِمَارًا فَاَكَلْتُ وَاَكَلُوْا.

بخاری (۲۵۷۰) مسلم (۲۸۵۱) نسائی (۲۸۲۹) ابن ماجہ (۳۰۹۳)

حضرت ابوقتادہ نے بیان فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا اور میرے علاوہ ان میں کوئی شخص غیر محرم نہیں تھا' سو میں نے جنگلی گدھوں کو دیکھا تو میں اپنے گھوڑے کے پاس چلا گیا اور اس پر سوار ہو گیا اور میں جلدی میں اپنا کوڑا اُٹھانا بھول گیا تو میں نے اپنے محرم ساتھیوں سے کہا کہ تم مجھے یہ کوڑا پکڑا دو' لیکن انہوں نے انکار کر دیا' چنانچہ میں اپنے گھوڑے سے نیچے اُترا اور میں نے اپنا کوڑا اُٹھایا اور میں جنگلی گدھوں کی تلاش میں نکل پڑا' اور میں نے ان میں سے ایک جنگلی گدھے کو پکڑ لیا' پس میں نے خود بھی اس میں سے کھایا اور میرے دیگر محرم ساتھیوں نے بھی کھایا۔

حل لغات

''تَذَاكَرْنَا'' صیغہ جمع متکلم' فعل ماضی معروف مثبت' باب تفاعل سے ہے' اس کا معنی ہے: بحث و مباحثہ کرنا' تکرار کرنا' مذاکرہ کرنا۔ ''يَصِيْدُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: شکار کرنا۔ ''نُعَامَةً'' شتر مرغ یا جنگلی گدھوں کا غول۔ ''سِرْتُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل ماضی معروف مثبت' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: چلنا' سیر کرنا۔ ''نَاوِلُوْنِيْهِ'' اس میں ''نَاوِلُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر معروف' باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: کوئی چیز کسی کو دینا' کوئی چیز کسی کو پکڑانا' اس کے آخر میں نون وقایہ' یائے متکلم اور ہ ضمیر مفعول بہ ہے۔

محرم کے لیے غیر محرم کے شکار کے جواز میں ائمہ کا اختلاف

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ:

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ (المائدہ:۹۶)

دریا کا شکار کرنا اور اس کا کھانا تمہارے لیے حلال کیا گیا ہے' تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے اور خشکی کا شکار کرنا تم پر حرام کیا گیا ہے جب تم احرام میں ہو۔

اس آیت میں یہ مسئلہ بیان فرمایا گیا ہے کہ محرم کے لیے دریا کا شکار حلال ہے اور خشکی (یعنی جنگل) کا شکار حرام ہے اور دریا کا شکار وہ ہے جس کی پیدائش دریا میں ہو اور خشکی کا وہ ہے جس کی پیدائش خشکی میں ہو۔

[تفسیر خزائن العرفان ص ۲۲۲' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور]

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں کہ امام شافعی فرماتے ہیں: بیع اور ہبہ کے ذریعے محرم کے لیے شکار کے جانور کا مالک ہونا حرام ہے اور اگر محرم خود شکار کرے یا اس کے لیے شکار کیا جائے خواہ اس کی اجازت سے ہو یا نہ ہو تو وہ شکار محرم پر حرام ہے اور اگر غیر محرم اپنے لیے جانور کو شکار کرے اور وہ محرم کا قصد نہ کرے' پھر اس کا گوشت محرم کو ہبہ کرے یا فروخت کر دے تو محرم کے لیے اس کا کھانا جائز ہے' یہی ہمارا مذہب ہے۔ امام مالک' امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب محرم کی اعانت نہ ہو تو پھر محرم کے لیے شکار کا گوشت حرام نہیں ہے خواہ غیر محرم نے اپنے لیے شکار کیا ہو یا محرم کے لیے کیا ہو۔

[شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۳۱۳' فرید بک سٹال' لاہور]

احناف کی سب سے قوی دلیل (صحیح مسلم میں) اس باب کی ۲۷۴۷ سے لے کر ۲۷۵۵ تک کی روایات ہیں' ان تمام روایات میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے شکار کا ذکر ہے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ غیر محرم تھے' انہوں نے جنگلی گدھا شکار کیا اور محرم ساتھیوں نے ان کے اصرار کے باوجود ان کی کوئی مدد نہیں کی۔ شکار کا گوشت سب نے کھا لیا' بعد میں تردّد ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے محرم صحابہ سے فرمایا: تم میں سے کسی نے اس کا حکم دیا تھا یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا یا اس کے پکڑنے میں مدد کی تھی؟ سب نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تم اس کا باقی ماندہ گوشت بھی کھا لو' اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اس میں سے کچھ باقی ہے؟ صحابہ نے عرض کی: ایک ٹانگ باقی ہے' آپ نے وہ ٹانگ لے کر کھا لی' یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔

اس حدیث سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ محرم کے لیے غیر محرم کے شکار کو کھانے کی حرمت کی جتنی وجوہات ہو سکتی تھیں وہ آپ نے بیان فرما دیں کہ کسی محرم نے شکار کا حکم تو نہیں دیا؟ اس کی طرف اشارہ تو نہیں کیا؟ شکار کرنے میں مدد تو نہیں کی؟ سو اگر محرم کی خاطر شکار کرنے کی وجہ سے بھی غیر محرم کا شکار محرم پر حرام ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس صورت کو بھی بیان فرما دیتے۔ اس موقع پر رسول

اللہ ﷺ نے وہ تمام سوالات کیے ہیں' جن کی وجہ سے غیر محرم کا شکار محرم پر حرام ہوتا ہے اور یہ حلال اور حرام میں امتیاز کرنے کا موقع تھا کیونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے یہی مسئلہ دریافت کیا تھا کہ آیا غیر محرم کا شکار محرم کے لیے جائز ہے یا نہیں اور جب رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر یہ سوال نہیں کیا کہ آیا یہ شکار محرم کے لیے اور اس کی خاطر کیا گیا تھا؟ تو پتا چلا کہ اس کا حرمت سے کوئی تعلق نہیں ہے' لہٰذا جب محرم نے غیر محرم کو شکار کا نہ حکم دیا ہو نہ اس کی طرف اشارہ کیا ہو اور نہ اس میں مدد کی ہو تو اس غیر محرم کے شکار کا گوشت محرم کے لیے کھانا بلاشبہ جائز ہے' خواہ غیر محرم نے وہ شکار اپنے لیے کیا ہو یا محرم کے لیے کیا ہو اور یہی احناف کثرھم اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے۔[شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۳۱۵' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

۱۰- بَابُ مَا يَجُوْزُ لِلْمُحْرِمِ قَتْلُهٗ — محرم کے لیے موذی جانور کو مارنا جائز ہے

۲۳۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ الْفَارَةَ وَالْحَيَّةَ وَالْكَلْبَ وَالْحِدَاةَ وَالْعَقْرَبَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ محرم آدمی چوہے' سانپ' کتے' چیل اور بچھو کو قتل کر سکتا ہے۔

بخاری(۳۳۱۴) مسلم(۲۸۶۸) ابوداؤد(۱۸۴۶) ترمذی(۸۳۸) نسائی(۲۸۳۵) ابن ماجہ(۳۰۸۸)

حل لغات

''يَقْتُلُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: قتل کرنا' جان سے مار ڈالنا۔ ''اَلْفَارَةُ'' کا معنی ہے: چوہا۔ ''اَلْحَيَّةُ'' کا معنی ہے: سانپ۔ ''اَلْكَلْبُ'' کا معنی ہے: کتا۔ ''اَلْحِدَاةُ'' کا معنی ہے: چیل۔ ''اَلْعَقْرَبُ'' کا معنی ہے: بچھو۔

موذی جانوروں کا ذکر

اس حدیث کو مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے' چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

(۱) اور اس حدیث کو مسلم' نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ پانچ موذی جانور ہیں جن کو حل میں اور حرم میں مار ڈالنا جائز ہے: سانپ' چتکبرا کوا' چوہا' دیوانہ کتا اور چیل۔

(۲) اور اس حدیث کو ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ پانچ جانوروں کو حرم میں قتل کرنا جائز ہے: سانپ' بچھو' چیل' چوہا اور دیوانہ کتا۔

(۳) اور اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پانچ جانور ہیں جو سب کے سب فاسق و موذی ہیں' ان کو حرم میں قتل کرنا جائز ہے: چوہا' بچھو' سانپ' دیوانہ کتا اور کوا۔

(شرح مسند امام اعظم ص ۱۸۹-۱۸۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

ان احادیث میں پانچ کا ذکر حصر کے لیے نہیں ہے بلکہ تمام موذی جانور اور تمام شکاری درندوں کا یہی حکم ہے جیسے شیر' بھیڑیا اور چیتا وغیرہ' دیوانے کتے میں داخل ہیں اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ محرم کے لیے ان جانوروں کا اور دیگر تمام موذی جانوروں کا قتل کرنا جائز ہے خواہ حل میں ہوں یا حرم میں' البتہ مجرم کا قتل خواہ اس نے حرم میں جرم کیا ہو یا حل میں' امام شافعی کے نزدیک اس کا قتل کرنا جائز ہے اور ہمارے (حنفیوں کے) نزدیک اگر مجرم نے حرم میں جرم کا ارتکاب کیا ہو یا باہر جرم کر کے حرم میں پناہ حاصل کر لے

تو اس پر کھانا پینا وغیرہ بند کر کے مجبور کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ حرم کی حدود سے باہر نکل آئے' پھر اسے جرم کی سزا میں قتل کیا جائے گا یا اس پر حد قائم کی جائے گی۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ''الغراب الابقع'' کا ذکر آیا ہے' جس کا معنی ہے: چتکبرا کوا' یہ جنگلی کوا کہلاتا ہے جس کی پیٹھ اور پیٹ سفید ہوتا ہے اور باقی جسم کالا سیاہ ہوتا ہے اور یہ رنگ پرندوں اور کتوں میں بھی ہوتا ہے اور حضرت سیدنا امام حسین سلام اللہ علیہ وعلیٰ آبائہ الکرام کے قاتل کی حالت کے بارے میں حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک چتکبرے کتے کو دیکھتا ہوں کہ میرے اہل بیت کے خون میں منہ مار رہا ہے' چنانچہ شمر ملعون' امام حسین سلام اللہ علیہ کا قاتل کوڑھ کا مریض تھا' جسم پر سفید داغ دھبے تھے۔[اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۷۷' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

۱۱- بَابٌ يَجُوْزُ نِكَاحُ الْمُحْرِمِ — محرم کا نکاح کرنا جائز ہے

۲۳۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَزَوَّجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَيْمُوْنَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ بنت حارث سے نکاح فرمایا حالانکہ آپ اس وقت محرم تھے۔

بخاری(۱۸۳۷) مسلم(۳۴۵۲) ابوداؤد(۱۸۴۴) ترمذی(۸۴۲) نسائی(۲۸۴۰) ابن ماجہ(۱۹۶۵) مسند احمد(۱۹۱۹)

حل لغات

''تَزَوَّجَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے: شادی کرنا' نکاح کرنا۔

حضرت میمونہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے نکاح کی تفصیل

یاد رہے کہ یہ نکاح سن سات ہجری (۷ھ) کو عمرۃ القضاء کے موقع پر بمقام سرف ہوا تھا جو مکہ مکرمہ سے چھ میل کے فاصلہ پر وادی فاطمہ کے قریب واقع ہے' چونکہ حضرت میمونہ کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا' اس لیے انہوں نے اپنے بہنوئی حضرت عباس کو اپنے نکاح کا وکیل مقرر کر کے اپنا معاملہ ان کے سپرد کر دیا تھا' جس کی وجہ سے حضرت عباس اور ان کی زوجہ محترمہ اُم فضل جو کہ حضرت میمونہ کی سگی بہن تھیں' دونوں آپ کے نکاح کے لیے فکر مند رہتے تھے اور اسی بناء پر حضرت عباس نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت میمونہ کے ساتھ رشتے کی بات کی تو آپ راضی ہو گئے' چنانچہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے تو ادھر حضرت عباس' حضرت میمونہ کے رشتے کی بات طے کرنے کے لیے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے اور سرف کے مقام پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت عباس کی باہم ملاقات ہوئی اور یہیں پر ایجاب وقبول کے ذریعہ نکاح ہوا' پھر آپ عمرہ ادا کر کے حضرت میمونہ کو لے کر مقام سرف میں تشریف لائے اور یہیں پر آپ نے شب زفاف فرمایا۔ اور تاریخ کا عجیب اتفاق ہے کہ حضرت میمونہ کی وفات اور تدفین بھی یہیں مقام سرف میں ہوئی۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ ہیں' ان کی سگی بہن حضرت اُم الفضل لبابۃ الکبریٰ ہیں' جو حضرت عباس کے نکاح میں تھیں (انہیں سے حضرت عبداللہ بن عباس پیدا ہوئے جو حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں) اور حضرت میمونہ کی اخیافی بہن حضرت اسماء بنت عمیس' حضرت جعفر کے نکاح میں تھیں اور دوسری اخیافی بہن حضرت سلمیٰ بنت عمیس' حضرت حمزہ کے نکاح میں تھیں اور حضرت میمونہ نے اپنے بہنوئی حضرت عباس کو اپنے نکاح کا وکیل مقرر کر دیا اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے آپ کا نکاح کیا' پھر جب آپ نے عمرہ کی قضاء پوری کر کے احرام کھول دیا تو واپسی پر سرف کے مقام پر حضرت میمونہ سے شب زفاف ہوا۔ نیز تاریخ کا عجیب اتفاق ہے

کہ حضرت میمونہ کی وفات اور تدفین اسی جگہ میں ہوئی اور وادی فاطمہ کے پاس مکہ مکرمہ کے نزدیک حرمین شریفین کے درمیان آپ کی قبر مشہور و معروف زیارت گاہ ہے اور علامہ طبری نے کہا کہ مقامِ سرف مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلے پر واقع ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۳۸۰' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان)

شیخ محقق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت ابن عباس کی حدیث اور حضرت یزید بن اصم کی حدیث دونوں آپس میں متعارض ہیں کیونکہ حدیث ابن عباس یہ ثابت کرتی ہے کہ حضرت میمونہ کا نکاح حالتِ احرام میں ہوا' جبکہ حدیث یزید بن اصم دلالت کرتی ہے کہ یہ نکاح حالتِ حلال میں ہوا' سو ہمارے اصحاب حضرت ابن عباس کی حدیث کو ابن اصم کی حدیث پر ترجیح دیتے ہیں' اس لیے کہ حضرت ابن عباس حفظ و اتقان اور علم و فقہ میں حضرت یزید بن اصم سے افضل و اکمل ہیں' نیز حدیث ابن عباس متفق علیہ ہے' باقی رہی امیر المؤمنین حضرت عثمان کی حدیث جو نہی پر دلالت کرتی ہے تو یہ نہی تنزیہی سے مؤوّل ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ محرم کی شان اور اس کے حال کے مناسب نہیں کہ وہ اذکار حج کی بجائے دوران احرام اپنا نکاح کرے یا کسی دوسرے کا نکاح کرائے بلکہ حج کے علاوہ دوسرے کاموں سے پرہیز کرنا افضل و مستحب ہے' لیکن اس سے تحریمی نہی مراد نہیں ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۳۷۲' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر)

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ علامہ ابن الھمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یزید بن اصم کی حدیث حضرت ابن عباس کی حدیث کی طرح قوی نہیں ہے کیونکہ حدیث ابن عباس پر ائمہ ستہ متفق ہیں جبکہ حدیث یزید کو نہ امام بخاری نے تخریج کیا ہے اور نہ امام نسائی نے روایت کیا ہے' نیز حدیث یزید حفظ و اتقان میں حدیث ابن عباس کے مساوی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرو بن دینار نے امام زہری سے فرمایا: یزید بن اصم کچھ نہیں جانتا وہ تو دیہاتی اور پینڈو آدمی ہے' وہ اس طرح اور اس طرح ایک چیز ہے' نیز فرمایا: کیا تم اسے ابن عباس کے برابر قرار دے دو گے؟ اور رہی ابو رافع کی حدیث کہ آپ نے حضرت میمونہ سے حالت حلال میں نکاح کیا اور میں ان دونوں کے درمیان قاصد تھا' سو اس حدیث کو صحیحین میں سے کسی نے روایت نہیں کیا اور اگرچہ صحیح ابن حبان میں اس کو روایت کیا گیا ہے لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ درجۂ صحت کو نہیں پہنچتی' اسی لیے امام ترمذی نے اس کے بارے میں سوائے ''حَدِیْثٌ حَسَنٌ'' کے کچھ نہیں کہا' اس بحث کی مزید تفصیل مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۳۸۱-۳۸۰'' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۲ - بَابُ حِجَامَةِ الْمُحْرِمِ
محرم کا پچھنے لگوانا

۲۴۰- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھنے لگوائے حالانکہ آپ اس وقت محرم تھے۔

بخاری (۱۸۳۵) مسلم (۲۸۸۵) ابوداؤد (۱۸۳۵) ترمذی (۸۳۹) نسائی (۲۸٤۸) ابن ماجہ (۳۰۸۱)

حل لغات

''اِحْتَجَمَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: سینگی لگوانا' پچھنے لگوانا' رگ سے خون کشید کرنا۔ ''مُحْرِمٌ'' صیغہ واحد مذکر' اسم فاعل' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: احرام باندھنا' اَن سلے کپڑے پہننا۔

محرم کے پچھنے لگوانے میں اختلاف

علامہ نووی نے کہا کہ تمام علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ عذر کی بناء پر سر وغیرہ میں محرم کے لیے پچھنے لگوانا جائز ہے' اگرچہ ایسی حالت میں بال کٹوانے پڑیں' البتہ بالوں کے کٹوانے کی صورت میں فدیہ دینا ہوگا' لیکن اگر بال نہ کٹیں تو پھر فدیہ بھی لازم نہیں اور اس مسئلہ کی دلیل یہ (درج ذیل) آیت ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ. (البقرہ:۱۹۶)

''پھر تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو اس کا فدیہ (بدلہ) روزے رکھنا یا صدقہ کرنا یا قربانی کرنا ہے''۔

اور عمدۃ القاری للعینی میں ہے کہ یہ حدیث محرم کے لیے مطلقاً پچھنے لگوانے کے جواز پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے اور حضرت عطاء' حضرت مسروق' امام شعبی' امام ثوری اور امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے اور امام شافعی' امام احمد اور حضرت اسحاق نے بھی یہی کہا' انہوں نے حدیث کے ظاہر کو لیا اور کہا: جب تک بال نہ کٹیں' اور ایک قوم نے یہ بھی کہا ہے کہ محرم بغیر ضرورت کے پچھنے نہیں لگوا سکتا اور ان کی دلیل یہ ہے کہ بعض رواۃ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی ضرر اور تکلیف کی وجہ سے پچھنے لگوائے تھے۔

(تنسیق النظام ص ۱۱۷' مکتبہ رحمانیہ' لاہور)

۱۳ - بَابُ اِسْتِلَامِ الْحَجَرِ وَالرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ
حجر اسود اور رکن یمانی کو چھونا

۲٤۱- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ مَا تَرَكْتُ اِسْتِلَامَ الْحَجَرِ مُنْذُ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهٗ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حجر اسود کو چومتے (یا اسے چھوتے) ہوئے دیکھا ہے' تب سے میں نے حجر اسود کو چومنے (یا چھونے) کے عمل کو ترک نہیں کیا۔

بخاری (۱٦۰٦) مسلم (۳۰٦۵) ابوداؤد (۱۸۷٦) نسائی (۲۹۵٦)

۲٤۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا انْتَهَيْتُ اِلَى الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ اِلَّا لَقِيْتُ عِنْدَهٗ جِبْرِيْلَ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ قَالَ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تُكْثِرُ مِنْ اِسْتِلَامِ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ قَالَ مَا اَتَيْتُ عَلَيْهِ قَطُّ اِلَّا وَجِبْرِيْلُ قَائِمٌ عِنْدَهٗ يَسْتَغْفِرُ لِمَنْ يَّسْتَلِمُهٗ. مسند الحارثی (۳٦۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں جب بھی رکن یمانی کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت جبریل علیہ السلام سے میری ملاقات ہوگئی اور حضرت عطاء بن ابی رباح سے یوں مروی ہے کہ کسی شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ رکن یمانی کو کثرت سے چھوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں جب بھی اس کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت جبریل کو کھڑے ہوئے دیکھا جو رکن یمانی کو چھونے والے لوگوں کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کر رہے ہیں۔

۲٤۳- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ بَيْنَ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ وَالْحَجَرِ الْاَسْوَدِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَالذُّلِّ وَمَوْقِفِ الْخِزْيِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے کہ اے اللہ! میں کفر و شرک' فقر و فاقہ' ذلت و رسوائی اور دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کے مقام سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

ابوداؤد(۱۸۹۲)ابن ماجہ(۲۹۵۷)اخبار مکہ للفاکھی(۱٦۷)

۲٤٤- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَيْتِ وَهُوَ شَاكٍ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ يَسْتَلِمُ الْاَرْكَانَ بِمِحْجَنِهٖ. وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَهُوَ شَاكٍ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کسی بیماری کی وجہ سے بیت اللہ کا طواف اپنی سواری پر کیا جبکہ آپ اپنی خمیدہ چھڑی کے ساتھ حجر اسود اور رکن یمانی کو چھولیتے۔ اور ایک روایت میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے کسی بیماری کی وجہ سے اپنی سواری پر سوار ہو کر صفا اور مروہ کے درمیان طواف (سعی) کیا۔

بخاری(۱٦۰۷)مسلم(۳۰۷۳)ابوداؤد(۱۸۸۱)نسائی(۲۹۵۷)ابن ماجہ(۲۹٤۸)

حل لغات

''مَا اِنْتَهَيْتُ'' صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف منفی' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: پہنچنا۔ ''مَوْقِفٌ'' اسم ظرف مکان واحد کا صیغہ ہے' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ٹھہرنے کی جگہ۔ ''شَاكٍ'' صیغہ واحد مذکر' اسم فاعل' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: شکایت کرنا۔

رکن اسود اور رکن یمانی کی فضیلت

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رکن یمانی پر دو فرشتے مقرر ہیں جو ہر اس شخص کی دعا پر آمین کہتے ہیں جو ان دونوں کے پاس گزرتا ہے اور حجر اسود پر تو بے شمار ہوتے ہیں۔ علامہ ازرقی نے اس کو موقوف روایت کیا ہے اور اس طرح کی بات توقیف سے نہیں کہی جاتی' سو اس لیے یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہو جاتی ہے جس کو امام ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں رکن یمانی کے پاس جب بھی گزرا ہوں' اس کے پاس میں نے ایک فرشتہ کو پایا جو پکار پکار کر آمین' آمین کہتا ہے' سو جب تم اس کے پاس سے گزرو تو (دعا میں یوں) کہا کرو:

اللّٰھم ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار. (اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی عطاء فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا)۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر فرما دیے ہیں جو آدمی یہ دعا پڑھتا ہے کہ ''اللّٰھم انی اسئلك العفو والعافیة فی الدنیا والاخرة ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار'' تو وہ تمام فرشتے آمین کہتے ہیں۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے' لیکن یہ قوی ہے کیونکہ فضائلِ اعمال میں اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالاحوال!

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۲٦' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

باقی رہا یہ سوال کہ صرف رکن یمانی اور حجر اسود کو کیوں چھوا جاتا ہے' کسی اور رکن کو کیوں نہیں چھوا جاتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رکن یمانی کو چھونا اور حجر اسود کو چومنا ہی سنت ہے' چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔

(۳) لم ار النبی ا یستلم من البیت الا الرکنین الیمانیین. [متفق علیہ] میں نے نبی کریم ﷺ کو بیت اللہ کے دو یمانی رکنوں کے سوا کسی اور چیز کو چومتے نہیں دیکھا۔

ایک رکن اسود ہے اور دوسرا رکن یمانی ہے جو اس کے سامنے ہے' اسی کا نام رکن یمانی ہے' لیکن یہاں بطور تغلیب دونوں ارکان کو یمانی رکن کہا ہے اور بیت اللہ کے دو رکن اور بھی ہیں' ایک رکن عراقی ہے اور دوسرا رکن شامی ہے اور ان ہر دو کو رکنان شامیان (دو شامی رکن) بھی کہتے ہیں اور رکن یمانی اس اعتبار سے افضل ہے کہ یہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی اصل بنیاد پر واقع ہے اور اسی وجہ سے اس کو استلام کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے اور رکن اسود اس لیے افضل ہے کہ اس میں حجر اسود واقع ہے' اس لیے اسے چوما جاتا ہے! اور رکن یمانی میں صرف اسے ہاتھ لگانے اور چھونے پر اکتفاء کیا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے رکن یمانی کو چومنا اور بوسہ لینا ثابت نہیں ہے اور جمہور کا یہی مؤقف ہے۔

[اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۳۲' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ دوسرے دو رکنوں (رکن عراقی اور رکن شامی) کو استلام کرنا اور چھونا مکروہ ہے' کیونکہ ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ بدعت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں ارکان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر نہیں ہیں۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۸۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

حجر اسود کی فضیلت کا بیان

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حجر اسود جنت سے اترا ہے اور یہ دودھ سے زیادہ سفید تھا لیکن انسانوں کے گناہوں نے اس کو کالا سیاہ کر دیا۔ اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اُٹھائے گا' اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے یہ دیکھتا ہوگا اور ایک زبان ہوگی جس سے بولتا ہوگا' یہ اپنے چومنے والوں کے متعلق حق کے ساتھ گواہی دے گا۔ اس کو ترمذی' ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث بالکل ظاہر ہے کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں' قیامت کے روز قرآن مجید اور ہمارے نیک اعمال وغیرہ تمام کی شکلیں ہوں گی اور سب کلام کریں گے بلکہ ہمارے اعضاء بھی بولیں گے' ربِ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَO'' (یٰس: ٦۵) جو رب تعالیٰ ان چیزوں کو گویائی بخش سکتا ہے' وہ سنگ اسود کو بھی گویائی اور آنکھیں وغیرہ بخش سکتا ہے۔ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حجر اسود حاجیوں کی شفاعت کرے گا' دوسرے یہ کہ حجر اسود بہ حکم الٰہی نافع ہے' تیسرے یہ کہ حجر اسود کا چومنا مفید ہے' قیامت میں کام آئے گا' چوتھے یہ کہ کروڑوں آدمیوں نے اسے چوما' یہ ان سب کو جانتا پہچانتا ہے' پانچویں یہ کہ حجر اسود ہمارے دلوں کے اخلاص و نفاق کو بھی جانتا ہے کہ کون اخلاص سے چوم رہا ہے اور کون نفاق سے' چھٹے یہ کہ حجر اسود حاجیوں کے اچھے بُرے انجام اور خاتمہ کو جانتا ہے کہ کون ایمان پر مرا اور کون کفر پر' تب ہی تو وہ مؤمن مخلص کی شفاعت کرے گا اور مرتد و منافق کی شفاعت نہیں کرے گا' جب ایک جنتی پتھر کے علم و نفع کا یہ حال ہے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کو اللہ تعالیٰ نے سیّد الخلق بنایا ہے' ان کے علوم و معارف کا کیا پوچھنا' جو لوگ رسول اللہ کے لیے علومِ خمسہ نہیں مانتے' وہ اس حدیث میں غور کریں۔

[مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ٤ ص ۱۳۳' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ رکن اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی روشنی کو چھپا لیا اور اگر اللہ تعالیٰ ان کی روشنی کو نہ چھپاتا تو یہ مشرق و مغرب کے درمیان کو روشن کر دیتا۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ کفار قرامطہ نے جب مکہ معظّمہ پر غلبہ حاصل کر لیا تو انہوں نے بہت قتل و غارت گری اور خون خرابہ کیا' یہاں تک کہ انہوں نے مسجد حرام اور چاہِ زمزم کو لاشوں سے بھر دیا اور ان میں سے بعض لوگوں نے حجر اسود کو اکھاڑ لیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کب تک تیری پوجا کی جاتی رہے گی' پھر وہ مسلمانوں کو شکست دینے کے بعد حجر اسود کو اُٹھا کر اپنے ملک لے گئے اور یہ پچیس سال تک ان کے قبضہ میں رہا' پھر جب اسے واپس لینے کے لیے بہت سا مال دے کر صلح کی گئی تو انہوں نے کہا کہ یہ پتھر ہمارے دوسرے پتھروں میں مخلوط ہو گیا ہے اور ہم اسے دوسرے پتھروں سے الگ نہیں کر سکتے' سو اگر تمہارے پاس اس کی کوئی علامت ہے تو اسے پہچان کر لے جاؤ' چنانچہ مکہ مکرمہ کے علماء سے اس کی امتیازی علامت و نشان پوچھی گئی تو انہوں نے جواب میں بتایا کہ حجر اسود میں آگ اثر نہیں کرتی کیونکہ یہ جنتی پتھر ہے۔ جب انہیں یہ بتایا گیا تو انہوں نے اس کا امتحان لیا اور ہر وہ پتھر جس کو آگ میں ڈالا جاتا' وہ ٹوٹ جاتا اور آگ سے خوب گرم ہو جاتا' لیکن جب حجر اسود کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ نے کچھ بھی اثر نہ کیا اور وہ ہلکا سا بھی گرم نہ ہوا' جس سے وہ جان گئے کہ یہی وہ پتھر ہے' سو انہوں نے یہ پتھر مسلمانوں کو واپس کر دیا اور یہ اسے واپس مکہ مکرمہ لائے اور اپنی جگہ پر لا کر نصب کر دیا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے لے جاتے وقت اس پتھر کے بوجھ سے کوئی سو اونٹ دب کر مر گئے تھے' لیکن واپسی کے وقت ایک دُبلا اونٹ اسے مکہ مکرمہ لے آیا اور ذرا برابر متاثر نہ ہوا۔ [مرقات شرح مشکوۃ ج ۵ ص ۳۲۰' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

۱۴ - بَابُ الرَّمْلِ

کعبہ کے اردگرد پہلے تین طواف میں رمل کرنا

۲۴۵ - **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَلَ مِنَ الْحَجَرِ اِلَى الْحَجَرِ. بخاری (۱۶۰٤) مسلم (۳۰۵۲) ابوداؤد (۱۸۹۱) ترمذی (۸۵۷) نسائی (۲۹٤۷) ابن ماجہ (۲۹۵۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود سے لے کر حجر اسود تک (پورے چکر میں) رمل کیا (یعنی بہادروں کی طرح سینہ تان کر کندھوں کو ہلاتے ہوئے تیز تیز قدم چلتے ہوئے پہلے تین طواف ادا کیے)۔

حل لغات

''رَمَلَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بہادروں کی طرح سینہ تان کر کندھوں کو مٹکاتے ہوئے اکڑ کر تیز تیز قدموں سے چلنا۔

رمل اور اس کے آغاز و اختتام کا ثبوت

اس حدیث کو امام مسلم' امام ابوداؤد اور امام نسائی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح بیان کیا ہے اور امام مسلم اور ابوداؤد کے علاوہ دیگر اصحابِ سنن نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے' نیز امام احمد بن حنبل نے حضرت ابوالطفیل سے اور شیخین (بخاری و مسلم) نے از نافع از ابن عمر مرفوع ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بیت اللہ کا طواف کرتے تو پہلے تین طوافوں میں رمل کرتے اور باقی چار طوافوں میں عام رفتار سے چلتے تھے اور حضرت سالم سے بھی اسی طرح مروی ہے اور امام محمد نے الموطأ میں از مالک از جعفر الصادق از والد خود محمد الباقر از جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اس حدیث کو تخریج کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود سے حجر اسود تک رمل فرمایا (رمل کا آغاز بھی حجر اسود سے فرمایا اور اختتام بھی حجر اسود پر فرمایا) اور یہ اسناد صحیح اور قوی ہے' بلکہ اس سلسلے کی تمام

روایات سے یہ زیادہ صحیح ہے اور امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے' انتہیٰ۔ باقی رہا یہ سوال کہ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان (رمل کرنے کی بجائے) عام رفتار سے چلتے ہوئے طواف فرمایا تو اس کا جواب علامہ نووی اور علامہ قسطلانی نے یہ دیا ہے کہ یہ روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہے' کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث عمرۃ القضاء کے بارے میں ہے: جو فتح مکہ سے پہلے سن سات ہجری (۷ھ) میں ادا کیا گیا' پھر اس کے بعد جب نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع ادا فرمایا تو حجر اسود سے حجر اسود تک رمل فرمایا' جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے اور چونکہ حدیث جابر میں نبی کریم ﷺ کا آخری عمل رمل بیان کیا گیا ہے' اس لیے یہ متاخر ہونے کی بناء پر ناسخ اور قابلِ عمل ہے اور حدیث جابر مثبت ہے جبکہ حدیث ابن عباس منفی ہے' ایسی صورت میں مثبت کو منفی پر ترجیح دی جاتی ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ ان دونوں احادیث کو تطبیق دینا اور جمع کرنا ممکن ہے اور وہ اس طرح ہے کہ چونکہ ہر دو رکنوں کے درمیان صحابہ کرام کا رمل کرنا باقی اطراف کی نسبت بہت ہلکا تھا' اس لیے بعض لوگوں نے گمان کیا کہ صحابہ اور نبی کریم ﷺ رمل کی بجائے عام چال چلے اور رمل نہیں کیا حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ [ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۱۸' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۱۵ - بَابُ جَمْعِ الصَّلَاتَيْنِ بِالْمُزْدَلِفَةِ

مزدلفہ میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا

۲٤۶ - **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِىْ حَيَّةَ اَبِىْ جَنَابٍ عَنْ هَانِىءِ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَفَضْنَا مَعَهٗ مِنْ عَرَفَاتٍ فَلَمَّا نَزَلْنَا جَمْعًا اَقَامَ فَصَلَّيْنَا الْمَغْرِبَ مَعَهٗ ثُمَّ تَقَدَّمَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّ عَلَيْهِ ثُمَّ اٰوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ فَقَعَدْنَا نَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ طَوِيْلًا ثُمَّ قُلْنَا يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الصَّلٰوةُ فَقَالَ اَيُّ الصَّلٰوةِ فَقُلْنَا الْعِشَاءُ الْاٰخِرَةُ فَقَالَ اَمَّا كَمَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ صَلَّيْتُ وَفِىْ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ. بخاری (۱۶۷۵) مسلم (۳۱۱۵)

حضرت ھانیء بن یزید رضی اللہ عنہما' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں' فرماتے ہیں کہ ہم ان (حضرت ابن عمر) کے ساتھ عرفات سے روانہ ہوئے اور جب ہم مزدلفہ میں اترے تو وہیں قیام کیا اور ہم نے مغرب کی نماز آپ کے ساتھ ادا کی' پھر آپ آگے بڑھے اور (مسافر ہونے کی بناء پر عشاء کی) دو رکعتیں نماز ادا کیں' پھر پانی منگایا اور اپنے اوپر بہا کر غسل کیا' پھر اپنے بستر پر لیٹ گئے اور ہم کافی دیر تک نماز کے لیے ان کا انتظار کرتے رہے' پھر آخر کار ہم نے عرض کیا: اے ابوعبدالرحمٰن! (حضرت ابن عمر کی کنیت ہے) نماز کے لیے تشریف لائیے! فرمایا: کون سی نماز؟ ہم نے عرض کیا: عشاء کی نماز' سو آپ نے فرمایا: لیکن جس طرح رسول اللہ ﷺ نے (مغرب و عشاء جمع کر کے) نماز پڑھی تھی' میں نے اسی طرح پڑھ لی ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عمر نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں (ایک وقت میں) اکٹھے ادا کیں۔

حل لغات

''اَفَضْنَا'' صیغہ جمع متکلم' فعل ماضی معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: لوٹنا' رجوع کرنا' واپس کرنا۔ ''جَمْعًا'' اس سے مزدلفہ مراد ہے کیونکہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ جمع کر کے ایک وقت میں

پڑھی جاتی ہیں' اس لیے اسے جمع کہا جاتا ہے۔ ''آوٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: ٹھکانہ لینا۔

مزدلفہ میں مغرب وعشاء اور عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کرنا مسنون ہے

یاد رہے کہ جس طرح مزدلفہ میں مغرب کی نماز کو عشاء کے وقت میں نمازِ عشاء کے ساتھ جمع کر کے پڑھنا سنت سے ثابت ہے' اسی طرح عرفہ کے دن (نویں ذی الحج کو) عرفات میں ظہر کے وقت میں عصر کی نماز کو ظہر کی نماز کے ساتھ پڑھنا سنت سے ثابت ہے' چنانچہ مشکوٰۃ میں امام ابن شہاب زہری سے مروی ہے' آپ نے بیان فرمایا کہ مجھے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے خبر دی کہ حجاج بن یوسف نے جس سال حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر حملہ کیا تھا' اسی سال اس نے (دورانِ حج) حضرت عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا کہ ہم عرفہ کے دن قیام گاہ میں کیا کریں؟ حضرت سالم نے کہا: اگر تو سنت پر عمل پر کرنا چاہتا ہے تو عرفہ کے دن نمازِ ظہر دوپہر میں (زوال ہوتے) ہی پڑھ لے' اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ سچ کہہ رہے ہیں کیونکہ صحابہ کرام سنت کے مطابق ظہر وعصر جمع کر کے پڑھتے تھے۔ (ابن شہاب زہری کہتے ہیں:) سو میں نے حضرت سالم سے کہا کہ کیا یہ کام (ظہر وعصر جمع کر کے پڑھنا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کیا ہے؟ اس پر حضرت سالم نے کہا: صحابہ کرام یہ کام نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی پیروی میں ہی کرتے ہیں۔ [رواہ البخاری][مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۰' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

نیز یہ یاد رہے کہ حقیقی جمع صلاتین صرف انہیں دو مقام پر ہوئی تھی' ایک مزدلفہ میں کہ مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں نماز عشاء کے ساتھ پڑھی گئی' دوسرا عرفات میں نو ذی الحج کو عصر کی نماز ظہر کے وقت میں نمازِ ظہر کے ساتھ پڑھی گئی' چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیاں کرتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز مقررہ وقت کے بغیر پڑھی ہو' ماسوا دو نمازوں کے (کیونکہ) مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھا گیا ہے اور اس دن آپ نے فجر کی نماز وقتِ معتاد سے پہلے پڑھ لی۔ (متفق علیہ)[مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۰' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

یہ حدیث امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی سفر میں جمع بین صلوٰتین نہیں کیا' یعنی چند نمازیں ایک ہی وقت نہیں پڑھیں' وہاں جمع صوری تھی کہ ظہر آخر وقت میں پڑھی اور عصر اوّل وقت میں پڑھی' رہا غزوۂ خندق کی نمازیں یک دم پڑھنا' وہ جمع نہ تھا بلکہ قضاء پڑھی گئی تھیں' جمع اور ہے قضاء کچھ اور ہے' البتہ مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو حقیقۃً جمع فرمایا کہ مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی اور دوسری عرفات میں کہ وہاں عصر' ظہر کے وقت میں پڑھی چونکہ عرفات میں جمع صلوٰتین دن میں اور سب کے سامنے ہوا تھا' اس لیے اس کا علیحدہ نام نہیں لیا اور مزدلفہ میں نمازوں کا اجتماع رات کے وقت ہوا تھا' جس میں سارے حجاج جمع نہیں تھے' اس لیے صرف اس کا ذکر صراحۃً علیحدہ بھی کر دیا' لہٰذا حدیث واضح ہے' دو نمازوں سے مراد عرفہ اور مزدلفہ ہیں' نیز اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ نمازِ فجر خوب اُجالے اور خوب روشنی میں پڑھتے تھے' مگر آج مزدلفہ میں پو پھٹنے کے فوراً بعد اندھیرے میں پڑھ لی' یہ حدیث امام اعظم قدس سرہٗ کی قوی دلیل ہے کہ نمازِ فجر ہمیشہ اُجالے میں پڑھی جائے' صرف مزدلفہ میں اندھیرے منہ پڑھے کیونکہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ نمازِ فجر پو پھٹتے ہی پڑھتے ہوتے تو آج وقت معتاد سے پہلے پڑھنے کے کیا معنیٰ' کیا وقت سے پہلے پڑھ لی تھی' ہرگز نہیں! لہٰذا قولِ احناف بہت قوی ہے' یہاں تمام ائمہ کرام کے نزدیک وقت سے مراد وقت معتاد ہے۔

[مرأۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۴ ص ۱۵۰-۱۴۹' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

۲۴۷- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَدِيٍّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فِيْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ بِالْمُزْدَلِفَةِ.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مزدلفہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھی ہیں۔

بخاری (۱۶۷۴) مسلم (۳۱۰۸) ابوداؤد (۱۹۲۶) نسائی (۲۰۳۹) ابن ماجہ (۳۰۲۰)

۲۴۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ بِاَذَانٍ وَّاِقَامَةٍ وَّاحِدَةٍ. سابقہ (۲۴۷)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھیں۔

مزدلفہ میں مغرب وعشاء ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھی جائیں گی

ہمارے ائمہ ثلاثہ (یعنی امام ابوحنیفہ' امام ابویوسف' امام محمد) کے نزدیک امام ایک ہی اذان اور اقامت کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھائے گا' بہ خلاف امام زفر کے' وہ فرماتے ہیں کہ اذان ایک ہو گی لیکن اقامت الگ الگ کہی جائے گی۔

ہماری دلیل امام مسلم کی یہ روایت ہے:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزدلفہ میں ایک ہی اقامت کے ساتھ عشاء اور مغرب کی نمازوں کو ایک ساتھ اکٹھا ادا کیا' مغرب کی تین رکعتیں اور عشاء کی دو رکعتیں ادا فرمائیں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اقامت کے ساتھ ادا فرمائیں۔ [رواہ النسائی]

(۳) امام ابن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ہم سے حاتم بن اسماعیل نے بیان کیا:

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت محمد باقر رضی اللہ عنہ سے' وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ ایک اذان اور اقامت کے ساتھ ادا کیں اور دونوں نمازوں کے درمیان نفلی نماز نہیں پڑھی۔

فتح القدیر میں ہے کہ یہ متن غریب ہے (یعنی اس کی روایت میں ایک جگہ صرف ایک راوی ہے) جبکہ مسلم کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ طویل حدیث میں مذکور ہے کہ:

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں نمازوں کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمایا۔

(۵) حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدانِ عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں اور دونوں کے درمیان نفل نماز نہیں پڑھی اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں اور دونوں کے درمیان نفل نہیں پڑھے۔

شاید یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس طویل حدیث کا ایک جزء ہے' جسے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور یہاں راوی کا نام ساقط کر کے حدیث کو مرسل بنا دیا ہے۔

اقامت کے بارے میں احادیث میں تعارض ہے۔ امام ابوحنیفہ اوران کے دونوں شاگردوں نے ایک اقامت والی احادیث کو ترجیح دی ہے کیونکہ عشاء کی نماز اپنے وقت میں پڑھی جارہی ہے' بہ خلاف عصر کی نماز کے' کیونکہ وہ اپنے وقت میں نہیں پڑھی گئی۔ واللہ اعلم! [ارکان اسلام ص ۲۹۴- ۲۹۳' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار لاہور]

خیال رہے کہ عرفات میں تو عصر کی نماز اپنے وقت سے پہلے پڑھتے ہیں کہ ظہر کے وقت میں پڑھی جاتی ہے' اس لیے یہاں دونوں نمازوں کے لیے تکبیریں (اقامتیں) بھی دو ہوں گی اور جو حاجی نماز امام کے ساتھ پڑھے گا' وہی جمع صلوٰتین کرے گا' مگر مزدلفہ میں مغرب کی نماز اپنے وقت سے پیچھے ہٹ گئی کہ عشاء کے وقت میں پڑھی جاتی ہے تو خواہ باجماعت نماز پڑھے یا علیحدہ اور خواہ امام کے ساتھ باجماعت پڑھے یا اپنی جماعت میں علیحدہ کرے' بہرحال جمع صلوٰتین کرے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ عرفات میں دونوں نمازوں کے لیے اذان ایک ہوگی اور اقامتیں دو ہوں گی مگر مزدلفہ میں دونوں نمازوں کے لیے ایک اذان اور ایک اقامت ہو گی۔ [ماخوذ از مرأۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۱۴۹' نعیمی کتب خانہ' گجرات]

١٦- بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ

جمرات کو کنکریاں مارنا

۲۴۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ سَلْمَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ عَجَّلَ ضَعَفَةَ اَهْلِهٖ وَقَالَ لَهُمْ لَا تَرْمُوْا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے گھروالوں میں سے کمزور افراد (عورتوں اور بچوں) کو مزدلفہ سے منٰی کی طرف جلدی روانہ کردیا اوران سے فرمایا کہ تم جمرہ عقبہ کو کنکریاں نہ مارنا یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجائے۔

ابوداؤد (۱۹۴۰) ترمذی (۸۹۳) نسائی (۳۰۶۷) ابن ماجہ (۳۰۲۵) مسند احمد (ج ۱ ص ۲۲۰)

۲۵۰- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعَفَةَ اَهْلِهٖ وَقَالَ لَهُمْ لَا تَرْمُوْا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل خانہ کے کمزور افراد کو پہلے بھیج دیا اوران سے فرمایا: تم جمرۂ عقبہ کو کنکریاں نہ مارنا یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجائے۔

۲۵۱- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبّٰى حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ وَكَانَ غُلَامًا حَسَنًا فَجَعَلَ يُلَاحِظُ النِّسَاءَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْرِفُ وَجْهَهٗ فَلَبّٰى حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے آغاز تک تلبیہ پڑھتے رہتے اور حضرت ابن عباس کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فضل بن عباس کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے سوار کرلیا اور وہ ایک حسین وجمیل اور خوبصورت لڑکے تھے' سو وہ عورتوں کو دیکھنے لگے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے چہرے کو عورتوں سے پھیرنے لگے اور آپ جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے شروع تک تلبیہ پڑھتے رہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الْفَضْلِ اَخِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَزَلْ يُلَبِّيْ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ.

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے آغاز تک مسلسل تلبیہ پڑھتے تھے۔

بخاری (۱۶۸۵ تا ۱۶۸۷) ابوداؤد (۱۸۱۵) ترمذی (۹۱۸) نسائی (۳۰۸۳) ابن ماجہ (۳۰۳۹)

حل لغات

''لَا تَرْمُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل نہی معروف' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: پھینکنا' لیکن اس سے جمرات کو کنکریاں مارنا مراد ہے۔ ''لَبّٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب تفعیل سے ہے' جس کا معنی تلبیہ پڑھنا ہے۔ ''اَرْدَفَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب افعال سے ہے' جس کا معنی ہے: ردیف بنانا' پیچھے بٹھانا' پیچھے آنا۔ ''یُلَاحِظُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف' باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: کن انکھیوں سے دیکھنا۔

جمرات کو طلوعِ آفتاب کے بعد کنکریاں مارنا سنت ہے

مزدلفہ میں وقوف سنت ہے اور پورا مزدلفہ موَقف ہے' یہاں ٹھہرنا رکن نہیں ہے' اس لیے اگر کوئی آدمی مزدلفہ نہیں پہنچ پاتا تو بھی اس کا حج ہوجائے گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل خانہ میں سے کمزور افراد کو مزدلفہ کی رات یہاں ٹھہرنے سے پہلے ہی منٰی بھیج دیا تھا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: میں بھی ان لوگوں کے ساتھ تھا جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزدلفہ میں قیام سے پہلے سیدھا منٰی بھیج دیا تھا' نیز مزدلفہ میں رات گزار کر صبح سویرے نمازِ فجر پڑھنے کے بعد امام اور دوسرے حاجی حضرات منٰی کی طرف کوچ کریں اور منٰی میں پہنچ کر جمرۂ عقبہ سے رمی کا آغاز کریں' یہاں ٹھیکریوں کی مانند سات کنکریاں ماریں اور پہلی کنکری پھینکنے کے ساتھ تلبیہ ختم کر دیں اور اس کا مسنون وقت سورج طلوع ہونے کے بعد قربانی کا دن اور چاشت کا وقت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے دن چاشت کے وقت رمی کی تھی' باقی دنوں میں زوال کے بعد رمی کرے اور ہر کنکری پھینکتے وقت تکبیر کہے۔ چنانچہ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ سورج طلوع ہونے کے بعد جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنا سنت کے مطابق عمل ہے' ورنہ چاروں ائمہ کے نزدیک قربانی کے دن صبح صادق کے طلوع ہوجانے کے بعد رمی کرنا جائز ہے اور یہ حدیث ہمارے لیے روشن دلیل ہے کہ رات کو کنکریاں مارنا جائز نہیں' جیسا کہ صبح سے پہلے طوافِ زیارت کرنا جائز نہیں اور امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں' البتہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نصف رات کے بعد رمی کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں اور حضرت مجاہد' امام ابراہیم نخعی اور امام سفیان ثوری اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سورج طلوع ہونے کے بعد جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنا جائز ہے' پہلے نہیں حالانکہ سنن اربعہ (ترمذی' نسائی' ابوداؤد' ابن ماجہ) کے اصحاب نے از عطاء از ابن عباس روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل خانہ کے کمزور افراد کو اندھیرے میں آگے منٰی کی طرف پہلے روانہ کردیتے تھے اور انہیں حکم دیتے کہ تم جمرہ عقبہ کو صبح کے وقت کنکریاں مارنا۔ اور امام طحاوی نے بھی اس کو روایت کیا ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں: ''لا ترموا الجمرة الا مصبحين'' ''تم جمرہ کو صبح کے وقت کنکریاں مارنا۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی القاری ص ۶۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

١٧- بَابُ الرُّكُوْبِ عَلَى الْبُدْنِ لِلْمُحْرِمِ

محرم کا قربانی کے جانور پر سوار ہونا

۲۵۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَسُوْقُ بَدَنَةً فَقَالَ اِرْكَبْهَا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو قربانی کے اونٹ کو ہانکتا ہوا پیدل چل رہا تھا' تو آپ نے اسے فرمایا: تم اس پر سوار ہوجاؤ۔

بخاری(۱۶۸۹)مسلم(۳۲۰۸)ابوداؤد(۱۷۶۰)ترمذی(۹۱۱)نسائی(۲۸۰۱)ابن ماجہ(۳۱۰۳)

حل لغات

''یَسُوْقُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: جانور کو پیچھے سے آگے ہانکنا۔ ''اِرْکَبْهَا'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل امر معروف' باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: سوار ہونا' آخر میں ضمیر مفعول بہ ہے۔

شدید ضرورت کے وقت قربانی کے جانور پر سوار ہونا جائز ہے

اس حدیث کو صحاح ستہ کے اصحاب نے روایت کیا ہے' مگر امام ابوداؤد نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کو مرفوع روایت کیا ہے کہ ایک آدمی قربانی کے جانور کو ہانکتا ہوا پیدل چل رہا تھا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھ کر فرمایا کہ تم اس پر سوار ہو جاؤ' اس نے عرض کیا: یہ قربانی کا جانور ہے' تو آپ نے دو یا تین دفعہ فرمایا: تم اس پر سوار ہو جاؤ' جبکہ امام بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے تیسری مرتبہ اس آدمی کو فرمایا: تم اس پر سوار ہو جاؤ اور تم پر بڑا افسوس ہے اور امام مسلم نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دیگر طریقوں سے بھی روایت کیا ہے۔ امام طحاوی نے حمید اور قتادہ کے طریقہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا ہے اور اعرج' ابن عجلان' ابوسلمہ' ابوعثمان نہدی اور عکرمہ کے طریق سے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے اور نافع کے طریق سے حضرت ابن عمر سے اور حضرت جابر کی حدیث بھی اسی طرح روایت کی ہے اور ارشاد الساری میں ہے کہ بعض علماء نے فرمایا کہ وہ آدمی پیدل چلنے کی مشقت کے سبب ہلاکت کے قریب پہنچ چکا تھا' اس لیے آپ نے اسے سوار ہونے کا حکم دیا اور ابوالزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت جابر سے قربانی کے جانور پر سوار ہونے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم قربانی کے جانور پر سوار ہونے کے لیے مجبور ہو جاؤ تو بڑی احتیاط کے ساتھ بقدرِ ضرورت اس پر سوار ہو جاؤ' یہاں تک کہ تم کوئی دوسری سواری پالو۔ اور امام محمد نے الموطأ میں از مالک از ہشام بن عروۃ از والد خود موقوف روایت بیان کی ہے کہ حضرت عروہ نے فرمایا: جب تم اپنی قربانی کے جانور پر سوار ہونے کے لیے انتہائی مجبور ہو جاؤ تو تم اس پر اس طرح سوار ہو جاؤ کہ اس میں کوئی عیب پیدا نہ ہو جائے اور امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر سے' جبکہ امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس سے حدیث نقل کی ہے اور اس میں ہے کہ پیدل چلنے کی وجہ سے وہ آدمی انتہائی مشقت میں مبتلا ہو چکا تھا اور اس سے مزید پیدل چلنا دشوار تھا (لیکن قربانی کے جانور کی تعظیم کی وجہ سے وہ آدمی اس پر سواری نہیں کر رہا تھا) اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس کی حدیث روایت کی ہے اور امام ترمذی نے حضرت انس کی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کہا ہے: اس باب میں حضرت علی' حضرت ابوہریرہ' حضرت جابر سے یہ حدیث مروی ہے' امام ترمذی نے کہا: صحابہ کرام اور دیگر حضرات میں سے اہلِ علم کی ایک جماعت نے بہ وقتِ ضرورت قربانی کے اونٹ پر سوار ہونے کی اجازت دی ہے اور امام شافعی' امام احمد' حضرت اسحاق بن راھویہ کا یہی موقف ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ قربانی کے جانور پر سخت مجبوری کے وقت سواری کرنا جائز ہے ورنہ نہیں' پھر یہاں مختلف اقوال ہیں' ایک قول یہ ہے کہ قربانی کے اونٹ پر سوار ہونا واجب ہے کیونکہ یہ امر وجوب کے لیے ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً سوار ہونا ممنوع و حرام ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ سوار ہونا مطلقاً جائز ہے اور بعض معاصرین اور ملا علی قاری کا شرح مسند میں اور ارشاد الساری میں علامہ قسطلانی کا کلام صریح اور ظاہر ہے کہ امام شافعی اس مسئلہ میں ہمارے (یعنی احناف کے) مذہب کے موافق ہیں کہ بہ وقتِ ضرورت سواری کرنا جائز ہے ورنہ

نہیں' لیکن امام ترمذی' علامہ طیبی' کرمانی اور نووی وغیرہم کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں مذہبوں میں فرق ہے' کیونکہ امام شافعی کے نزدیک محض حاجت وضرورت کے وقت قربانی کے جانور پر سوار ہونا جائز ہے' اگرچہ یہ حاجت وضرورت انتہائی اضطرار اور اشد ضرورت کی حد تک نہ پہنچی ہو جس کی وجہ سے پیدل چلنا ناممکن یا تقریباً دشوار ہو جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک انتہائی اضطرار اور شدید ضرورت کے وقت سوار ہونا جائز ہے ورنہ نہیں۔ [ماخوذ مع الاختصار تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۲۱' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۱۸ - بَابُ سُنَّةِ حَجَّةِ الْقِرَانِ

حج قران مسنون ہے

۲۵۳- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الصُّبَیِّ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ اَقْبَلْتُ مِنَ الْجَزِیْرَةِ حَاجًّا فَمَرَرْتُ بِسَلْمَانَ ابْنِ رَبِیْعَةَ وَزَیْدِ بْنِ صُوْحَانَ وَهُمَا شَیْخَانِ بِالْعُذَیْبَةِ قَالَ فَسَمِعَانِیْ اَقُوْلُ لَبَّیْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ فَقَالَ اَحَدُهُمَا هٰذَا الشَّخْصُ اَضَلُّ مِنْ بَعِیْرِهٖ وَقَالَ الْاٰخَرُ هٰذَا اَضَلُّ مِنْ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَمَضَیْتُ حَتّٰی اِذَا قَضَیْتُ نُسُكِیْ مَرَرْتُ بِاَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُهٗ كُنْتُ رَجُلًا بَعِیْدَ الشِّقَّةِ قَاصِیَ الدَّارِ اَذِنَ اللّٰهُ لِیْ فِیْ هٰذَا الْوَجْهِ فَاَحْبَبْتُ اَنْ اَجْمَعَ عُمْرَةً اِلٰی حَجَّةٍ فَاَهْلَلْتُ بِهِمَا جَمِیْعًا وَلَمْ اَنْسَ فَمَرَرْتُ بِسَلْمَانَ بْنِ رَبِیْعَةَ وَزَیْدِ بْنِ صُوْحَانَ فَسَمِعَانِیْ اَقُوْلُ لَبَّیْكَ بِعُمْرَةٍ وَّحَجَّةٍ مَعًا فَقَالَ اَحَدُهُمَا هٰذَا اَضَلُّ مِنْ بَعِیْرِهٖ وَقَالَ الْاٰخَرُ هٰذَا اَضَلُّ مِنْ كَذَا وَكَذَا وَقَالَ فَصَنَعْتَ مَاذَا قَالَ مَضَیْتُ فَطُفْتُ طَوَافًا لِعُمْرَتِیْ وَسَعَیْتُ سَعْیًا لِعُمْرَتِیْ ثُمَّ عُدْتُ فَفَعَلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ بَقِیْتُ حَرَامًا اَصْنَعُ كَمَا یَصْنَعُ الْحَاجُّ حَتّٰی قَضَیْتُ اٰخِرَ نُسُكِیْ قَالَ هُدِیْتَ لِسُنَّةِ نَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت صبی بن معبد بیان کرتے ہیں کہ میں (بصرہ کے ایک علاقہ) سرزمین جزیرہ سے حج کرنے کے لیے روانہ ہو کر یہاں آیا تو میں حضرت سلمان بن ربیعہ اور حضرت زید بن صوحان کے پاس سے گزرا' اور یہ دونوں مقام عذیبہ کے شیخ (یعنی سردار) تھے تو انہوں نے مجھ سے عمرہ اور حج دونوں کا تلبیہ اکٹھے پڑھتے ہوئے سنا' سو ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ شخص اپنے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ ہے اور دوسرے نے کہا: یہ تو فلاں فلاں سے بھی زیادہ گمراہ ہو چکا ہے لیکن میں اپنے طریقۂ کار کے مطابق چلتا رہا اور مناسک حج ادا کرتا رہا' یہاں تک کہ جب میں ارکانِ حج سے فارغ ہو گیا تو میں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا' اور میں نے آپ کو بتایا کہ میں دور دراز علاقہ اور بہت دور مکان کا رہنے والا آدمی ہوں' اللہ تعالیٰ نے مجھے اس حج (قران) کی توفیق عطاء فرمائی تو میں نے چاہا کہ میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر دونوں کو اکٹھا ادا کر لوں' سو میں نے ان دونوں کا اکٹھا احرام باندھ لیا ہے اور میں نے یہ کام بھول کر نہیں کیا' پھر میں سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان کے پاس سے گزرا تو انہوں نے مجھ سے عمرہ اور حج کو ملا کر دونوں کا تلبیہ اکٹھے کہتے ہوئے سنا' سو ان میں سے ایک نے کہا: یہ آدمی اپنے اونٹ سے زیادہ گمراہ ہے اور دوسرے نے کہا: یہ فلاں فلاں سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: پھر تم نے کیا کیا؟ عرض کیا: میں اپنے طریقہ پر عمل کرتا رہا' چنانچہ میں نے اپنے عمرہ کے لیے طواف کیا اور اپنے عمرہ کے لیے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی' پھر دوبارہ بیت اللہ میں لوٹ آیا اور میں نے پہلے کی طرح حج کے لیے طواف (قدوم) کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی' پھر میں احرام کی حالت میں محرم ہی رہا اور میں اسی طرح کرتا رہا جس طرح حاجی کرتے ہیں' یہاں تک کہ میں نے حج کا آخری رکن ادا کر لیا۔ حضرت عمر نے فرمایا

کہ تجھے تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کی سنت کے مطابق ہدایت عطاء کی گئی۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنِ الصُّبَیِّ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ کُنْتُ حَدِیْثَ عَھْدٍ بِنَصْرَانِیَّۃٍ فَقَدِمْتُ الْکُوْفَۃَ اُرِیْدُ الْحَجَّ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَھَلَّ سَلْمَانُ وَ زَیْدُ بْنِ صُوْحَانَ بِالْحَجِّ وَحْدَہٗ وَاَھَلَّ الصُّبَیُّ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَۃِ فَقَالَا وَیْحَکَ تَمَتَّعْتَ وَقَدْ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُتْعَۃِ قَالَا لَہٗ وَاللّٰہِ لَاَنْتَ اَضَلُّ مِنْ بَعِیْرِکَ قَالَ نَقْدِمُ عَلٰی عُمَرَ وَ تَقْدِمُوْنَ فَلَمَّا قَدِمَ الصُّبَیُّ مَکَّۃَ طَافَ بِالْبَیْتِ وَسَعٰی بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ لِعُمْرَتِہٖ ثُمَّ رَجَعَ حَرَامًا لَّمْ یَحِلَّ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ طَافَ بِالْبَیْتِ وَبَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ لِحَجَّتِہٖ ثُمَّ اَقَامَ حَرَامًا لَّمْ یَحْلِلْ مِنْہُ حَتّٰی اَتٰی عَرَفَاتٍ وَّ فَرَغَ مِنْ حَجَّتِہٖ فَلَمَّا کَانَ یَوْمَ النَّحْرِ حَلَّ فَاَھْرَقَ دَمًا لِّمُتْعَتِہٖ فَلَمَّا صَدَرُوْا مِنْ حَجِّھِمْ مَرُّوْا بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَہٗ زَیْدُ بْنُ صُوْحَانَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّکَ نَھَیْتَ عَنِ الْمُتْعَۃِ وَاَنَّ الصُّبَیَّ بْنَ مَعْبَدٍ قَدْ تَمَتَّعَ قَالَ صَنَعْتَ مَاذَا یَا صُبَیُّ قَالَ اَھْلَلْتُ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَۃِ فَلَمَّا قَدِمْتُ مَکَّۃَ طُفْتُ بِالْبَیْتِ وَطُفْتُ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ لِعُمْرَتِیْ ثُمَّ رَجَعْتُ حَرَامًا وَّلَمْ اَحِلَّ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ طُفْتُ بِالْبَیْتِ وَ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ لِحَجَّتِیْ ثُمَّ اَقَمْتُ حَرَامًا یَوْمَ النَّحْرِ فَاَھْرَقْتُ دَمًا لِمُتْعَتِیْ ثُمَّ اَحْلَلْتُ قَالَ فَضَرَبَ عُمَرُ عَلٰی ظَھْرِہٖ وَقَالَ ھُدِیْتَ لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت صبی بن معبد نے بیان کیا کہ میں نے تھوڑا عرصہ پہلے عیسائیت کو چھوڑ دیا تھا' پھر میں حضرت عمر بن خطاب کے عہدِ خلافت میں حج کے ارادے سے کوفہ میں آیا اور یہاں سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان نے صرف حج کا احرام باندھا اور میں (یعنی صبی بن معبد) نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام (حج قِران کے طور پر) اکٹھے باندھ لیا' وہ دونوں کہنے لگے: تم پر افسوس ہے کہ تم دونوں کا احرام باندھ کر حج تمتع کر رہے ہو' حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع سے منع فرمایا اور وہ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کی قسم! تم اپنے اونٹ سے زیادہ گمراہ ہو۔ حضرت صبی بن معبد نے جواب دیتے ہوئے کہا: ہم اور تم حضرت عمر کے پاس پہنچیں گے (تو ان سے فیصلہ کرا لیں گے)' پھر جب حضرت صبی بن معبد مکہ مکرمہ میں پہنچے تو اپنے عمرہ کے لیے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی' پھر احرام کی حالت میں واپس لوٹ آئے اور اپنے اوپر کسی چیز کو حلال نہیں کیا' پھر اپنے حج کے لیے بیت اللہ کا طواف (قدوم) کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی' پھر محرم ہو کر ہی قیام پذیر ہو گئے۔ اپنے احرام سے حلال نہیں ہوئے یہاں تک کہ عرفات میں آئے (اور وقوف کیا) اور اپنے حج سے فارغ ہو گئے' پھر جب دس ذی الحج کو انہوں نے احرام کھول کر حلال ہونے کا ارادہ کیا تو دم تمتع (یعنی حج قِران) کی نیت سے قربانی کی' پھر جب یہ لوگ اپنے حج سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو (مدینہ منورہ میں) حضرت عمر کے پاس حاضر ہوئے اور زید بن صوحان نے کہا: اے امیر المؤمنین! بے شک آپ نے متعہ سے منع کیا ہوا ہے (یہ حج قِران اور حج تمتع دونوں کو شامل ہے) اور صبی بن معبد نے تمتع کیا ہے' حضرت عمر نے فرمایا: اے صبی! تم نے کیا کیا؟ حضرت صبی نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! میں نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام اکٹھے باندھا' پھر جب میں مکہ مکرمہ میں پہنچا تو عمرہ کرنے کے لیے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان عمرہ کے لیے سعی کی' پھر میں حالت احرام میں ہی واپس لوٹ آیا اور حلال نہیں ہوا' پھر میں نے حج کرنے کے لیے طواف

قدوم کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی' پھر میں دس ذی الحج تک احرام کی حالت میں رہا اور میں نے متعہ (حج اور عمرہ کی اکٹھے سعادت حاصل) کرنے پر قربانی دے کر خون بہایا' پھر میں احرام کھول کر حلال ہو گیا۔ راوی نے بیان کیا کہ حضرت عمر نے حضرت صبی کی کمر پر ہاتھ پھیرا (یعنی شاباش دی) اور فرمایا کہ تمہیں تمہارے نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق ہدایت عطاء کی گئی ہے۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنِ الصُّبَیِّ قَالَ خَرَجَ ھُوَ وَسَلْمَانُ بْنُ رَبِیْعَۃَ وَزَیْدُ بْنُ صُوْحَانَ یُرِیْدُوْنَ الْحَجَّ قَالَ فَاَمَّا الصُّبَیُّ فَقَرَنَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ جَمِیْعًا وَاَمَّا سَلْمَانُ وَ زَیْدٌ فَاَفْرَدَا الْحَجَّ ثُمَّ اَقْبَلَا عَلَی الصُّبَیِّ یَلُوْمَانِہٖ فِیْمَا صَنَعَ ثُمَّ قَالَا لَہٗ اَنْتَ اَضَلُّ مِنْ بَعِیْرِکَ تَقْرِنُ بَیْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَۃِ وَقَدْ نَھٰی اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَنِ الْعُمْرَۃِ وَالْحَجِّ قَالَ تَقْدِمُوْنَ عَلٰی عُمَرَ وَاَقْدِمُ قَالَ فَمَضَوْا حَتّٰی دَخَلُوْا مَکَّۃَ فَطَافَ بِالْبَیْتِ لِعُمْرَتِہٖ وَسَعٰی بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ لِعُمْرَتِہٖ ثُمَّ عَادَ فَطَافَ بِالْبَیْتِ لِحَجَّتِہٖ ثُمَّ سَعٰی بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ ثُمَّ اَقَامَ حَرَامًا کَمَا ھُوَ لَمْ یَحِلَّ لَہٗ شَیْءٌ حُرِّمَ عَلَیْہِ حَتّٰی اِذَا کَانَ یَوْمُ النَّحْرِ ذَبَحَ مَااسْتَیْسَرَ مِنَ الْھَدْیِ شَاۃً فَلَمَّا قَضَوْا نُسُکَھُمْ مَرُّوْا بِالْمَدِیْنَۃِ فَدَخَلُوْا عَلٰی عُمَرَ فَقَالَ لَہٗ سُلْمَانُ وَ زَیْدٌ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّ الصُّبَیَّ قَرَنَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَۃِ قَالَ صَنَعْتَ مَا ذَا قَالَ لَمَّا قَدِمْتُ مَکَّۃَ طُفْتُ طَوَافًا لِعُمْرَتِیْ ثُمَّ سَعَیْتُ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ لِعُمْرَتِیْ ثُمَّ عُدْتُ فَطُفْتُ بِالْبَیْتِ لِحَجَّتِیْ ثُمَّ سَعَیْتُ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ لِحَجَّتِیْ قَالَ ثُمَّ صَنَعْتَ مَاذَا قَالَ اَقَمْتُ حَرَامًا لَمْ یَحِلَّ لِیْ شَیْءٌ حُرِّمَ عَلَیَّ حَتّٰی اِذَا کَانَ یَوْمُ النَّحْرِ ذَبَحْتُ مَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْھَدْیِ شَاۃً قَالَ فَضَرَبَ عُمَرُ عَلٰی کَتِفِہٖ ثُمَّ قَالَ ھُدِیْتَ لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت صبی سے ایک اور روایت یوں مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ وہ اور سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان تینوں حضرات حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ راوی نے بتایا کہ حضرت صبی نے حج قِران کی نیت سے حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھے احرام باندھا' لیکن حضرت سلمان اور حضرت زید نے حج مفرد کا احرام باندھا' پھر یہ دونوں حضرت صبی کو حج قِران کی نیت کرنے پر ملامت کرنے لگے اور دونوں کہنے لگے: تم تو اپنے اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ ہو کہ تم حج اور عمرہ کو ملا کر قِران کرنے لگے' حالانکہ امیر المؤمنین (حضرت عمر) نے حج اور عمرہ اکٹھے کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔ حضرت صبی نے کہا: تم اور میں حضرت عمر کے پاس چلیں گے۔ راوی نے کہا: پھر وہ چل پڑے' یہاں تک کہ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے' سو حضرت صبی نے عمرہ کرنے کے لیے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی' پھر واپس لوٹ آئے اور اپنے حج کے لیے بیت اللہ کا طواف کیا' پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی' پھر جیسے وہ محرم تھے ویسے ہی احرام کی حالت میں قیام پذیر ہو گئے اور کوئی حرام کی ہوئی چیز اپنے لیے حلال نہیں کی' یہاں تک کہ جب دس ذی الحج کا دن آیا تو قربانی کے جانور بکری میں سے جو میسر ہو سکا' انہوں نے اسے ذبح کیا' پھر جب یہ لوگ مناسک حج سے فارغ ہو گئے تو مدینہ منورہ چلے گئے اور حضرت عمر کے پاس حاضر ہوئے اور حضرت سلمان اور حضرت زید نے ان سے کہا: اے امیر المؤمنین! بے شک (حضرت) صبی نے حج اور عمرہ ملا کر قِران کیا ہے' حضرت عمر نے حضرت صبی سے فرمایا: تم نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ جب میں مکہ مکرمہ میں آیا تو میں نے عمرہ کے لیے طواف بیت اللہ کیا' پھر میں نے اپنے عمرہ کے لیے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی' پھر میں لوٹ آیا' پس

وَسَلَّمَ.

ابوداؤد(۱۷۹۹)نسائی(۲۷۲۰)ابن ماجہ(۲۹۷۰)

میں نے بیت اللہ کا اپنے حج کے لیے طواف کیا اور اپنے حج کے لیے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی' حضرت عمر نے فرمایا: پھر تم نے کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں احرام ہی کی حالت میں مقیم رہا اور میں نے اپنے اوپر حرام کی ہوئی کس چیز کو اپنے حلال نہیں کیا' یہاں تک کہ جب قربانی کا دن (دس ذی الحج) آیا تو قربانی کے جانور میں سے ایک بکری میسر ہوئی' جسے میں نے ذبح کیا' کہتے ہیں: حضرت عمر نے ان کے کندھے پر ہاتھ پھیر کر شاباش دی' پھر فرمایا: تجھے تیرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق ہدایت ورہنمائی عطاء کی گئی ہے۔

حل لغات

''اَقْبَلْتُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل ماضی معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: سامنے آنا۔ ''اَضَلُّ'' صیغہ واحد مذکر اسم تفضیل ہے' اس کا معنی ہے: گمراہ ہونا' بھٹک جانا' راہ بھول جانا' گم ہونا۔ ''اَلْقَاصِیْ'' بہ معنی دور ہے۔ ''اَذِنَ'' صیغہ واحد مذکر' فعل ماضی معروف' باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی اجازت دینا' اطلاع دینا' اعلان کرنا' حکم سنانا۔ ''لَمْ اَنْسَ'' صیغہ واحد متکلم' فعل نفی جحد بلم معروف' باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بھول جانا۔ ''طُفْتُ'' یہ صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: طواف کرنا' چکر لگانا۔ ''هُدِیْتَ'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل ماضی مجہول مثبت' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ہدایت دینا' راہ دکھانا۔

حج قران سب سے افضل اور سنت ہے

حضرت صبی بن معبد کی روایت کردہ اس حدیث کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح ابن حبان میں روایت کیا ہے اور امام احمد بن حنبل' اسحاق بن راھویہ' ابوداؤد طیالسی اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مسانید میں اس کو روایت کیا ہے اور دار قطنی نے کتاب العلل میں کہا ہے کہ حضرت صبی بن معبد کی یہ حدیث صحیح حدیث ہے اور امام محمد بن حسن شیبانی نے المبسوط میں روایت کیا ہے کہ حضرت صبی بن معبد نے حج قران کیا تھا' سو انہوں نے بیت اللہ کا دو دفعہ طواف کیا اور صفا اور مروہ کے درمیان دو دفعہ سعی کی (پہلی دفعہ عمرہ کے لیے اور دوسری دفعہ حج کے لیے)' پھر جب حضرت عمر بن خطاب سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے حضرت صبی سے فرمایا: تم نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو پالیا اور البنایہ للعینی میں اسی طرح مذکور ہے اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حنفیہ کے نزدیک حج قران افضل ہے' پھر حج تمتع' پھر حج مفرد اور متقدمین شافعیہ میں علامہ مزنی' ابواسحاق مروزی' ابن المنذر اور اسی طرح علامہ ابن جریر طبری کا یہی مختار ہے اور متاخرین میں سے امام تقی الدین سبکی کا یہی مختار ہے' نیز امام سفیان ثوری' اسحاق بن راھویہ' کثیر اہل الحدیث اور ظاہریہ کا یہی قول ہے اور حج قران کی احادیث حضرت عمر' حضرت علی' حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت ابوطلحہ' حضرت عمران بن حصین' حضرت سراقہ بن مالک' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس' حضرت براء بن عازب' حضرت ابن الزیاد الباہلی' حضرت سبرہ اور اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور شافعیہ کے نزدیک حج مفرد افضل ہے' امام احمد بن حنبل نے بھی یہی فرمایا ہے اور مالکیہ کے نزدیک حج تمتع افضل ہے' ایک قول کے مطابق امام شافعی نے بھی یہی فرمایا ہے۔ مزید تفصیل اور دلائل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۲۳' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور' نیز شرح مسند امام اعظم لملاعلی القاری ص ۱۱۴-۱۱۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ'

بیروت' لبنان۔

۱۹- بَابُ فَضِیْلَةِ الْعُمْرَةِ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ

ماہِ رمضان المبارک میں عمرہ کرنے کی فضیلت

۲٥٤- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمْرَةٌ فِیْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ماہِ رمضان میں ایک عمرہ کرنا ایک حج کے برابر ہے۔

بخاری(۱۸٦۳)مسلم(۳۰۳۸)ابوداؤد(۱۹۸۸-۱۹۹۰)ترمذی(۹۳۹)ابن ماجہ(۲۹۹۱)

حل لغات

''تَعْدِلُ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' یہ ''عدلٌ'' مصدر سے مشتق ہے' اس کا لغوی معنی ہے: مساوی ہونا' یکساں ہونا' برابر ہونا اور انصاف کرنے کو بھی عدل اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں دونوں فریقوں کے درمیان بغیر کسی جانب داری کے یکساں اور برابر فیصلہ کیا جاتا ہے۔

ماہِ رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت کی وجوہات

ماہِ رمضان میں عمرہ کرنے کا اجر وثواب بڑھ کر حج کے اجر وثواب کے مساوی اور برابر ہو جاتا ہے' ایک تو ماہِ رمضان کی فضیلت و برتری کی وجہ سے اور دوسرا اس لیے کہ اس ماہ میں عبادت کا درجہ اور اجر وثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور اس حدیث کو امام احمد' امام بخاری اور امام ابن ماجہ نے حضرت جابر سے اور امام احمد' شیخین' ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے اور علامہ طبرانی نے حضرت زبیر سے روایت کیا ہے اور سمویہ نے از عطاء از انس ایک روایت بیان کی ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ''عمرة فی رمضان کحجة معی'' یعنی ماہِ رمضان میں عمرہ کرنا اس طرح ہے جس طرح میرے ساتھ حج کرنے کی سعادت ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۱۴۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

۲۰- بَابٌ فِیْ دُخُوْلِ الْمَكَّةِ الْمُكَرَّمَةِ

مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا بیان

۲٥٥- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ عَلٰی بَعِیْرٍ اَوْرَقَ اِلٰی سَوَادٍ وَهُوَ النَّاقَةُ الْقُصْوٰی مُتَقَلِّدًا بِقَوْسٍ مُتَعَمِّمًا بِعِمَامَةٍ سَوْدَاءَ مِنْ وَبْرٍ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دن مائل بہ سیاہی مٹیالے رنگ کی ایک اونٹنی پر سوار تھے اور یہ اونٹنی قصویٰ کے نام سے مشہور ومعروف تھی' آپ نے گلے میں کمان لٹکائی ہوئی تھی اور اونٹ کی پشم سے تیار کردہ سیاہ عمامہ سر پر باندھ رکھا تھا۔

حل لغات

''اَوْرَقَ'' سیاہی کی طرف مائل ہلکا سفید رنگ' مٹیالا رنگ' خاکستری رنگ' خشکی کا سال' قحط کا سال۔ ''مُتَقَلِّدًا'' صیغہ واحد مذکر' اسم فاعل' باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کو گردن میں لٹکانا۔ ''مُتَعَمِّمًا'' یہ صیغہ واحد مذکر' اسم فاعل' باب تفعل سے ہے'

اس کا معنی ہے: عمامہ باندھنا' پگڑی باندھنا۔

فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے داخلے کا منظر

صحیح اسناد کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے' اس وقت آپ کے سر پر سیاہ عمامہ بندھا ہوا تھا اور صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کعبہ معظمہ کے دروازہ کے پاس جب لوگوں کو خطبہ دیا اس وقت آپ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔ حضرت مالک نے فرمایا جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ محرم نہیں تھے اور اس بات کی گواہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث دیتی ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے داخل ہوئے اور اس وقت آپ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا' میں کہتا ہوں کہ یہ حکم ظاہر کے اعتبار سے ہے جبکہ اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ آپ محرم تھے لیکن کسی عذر کے پائے جانے کے سبب عمامہ پہنا ہوا تھا اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے آدمی پر احرام واجب ہے یا نہیں؟ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مطلقاً واجب ہے اور مشہور یہی ہے اور ان میں سے ہر ایک سے ایک روایت یہ ہے کہ واجب نہیں ہے اور ہمارے (حنفی) علماء نے اندرونِ میقات رہنے والوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے' چنانچہ ان پر صرف اس وقت احرام باندھنا واجب ہوگا جب وہ حج وعمرہ میں سے کسی کو ادا کرنا چاہیں گے اور ممکن ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احرام نہ باندھنا اس وقت آپ کے خصائص میں سے ہو' جیسا کہ اس وقت حرم میں قتال کرنا آپ کے لیے جائز کر دیا گیا تھا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۲۲۳-۲۲۴' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

شیخ محقق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سیاہ عمامہ پہننے کے استحباب کی دلیل ہے جیسا کہ حنفی مذہب ہے اور بعض علماء کہتے ہیں: عمامہ سیاہ نہیں تھا بلکہ تیل اور لوہے کی خود استعمال کرنے کی وجہ سے سیاہ نظر آتا تھا (حالانکہ یہ تاویل حدیث کے صریح الفاظ کے خلاف ہے)' نیز یہ حدیث دلیل ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے پر احرام واجب نہیں ہے مگر جب حج اور عمرہ کرنے کی نیت سے داخل ہونا چاہے تو پھر اس پر احرام باندھنا واجب ہوگا اور امام شافعی کے دو قول ہیں اور صحیح ترین قول یہی ہے اور حنفیہ کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے حرمِ مکہ اس وقت حلال کر دیا گیا تھا۔

[اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۸۵' مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

۲۱- بَابُ زِيَارَةِ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کرنا

۲۵۶- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مِنَ السَّنَةِ اَنْ تَاْتِيَ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَتَجْعَلَ ظَهْرَكَ اِلَى الْقِبْلَةِ وَتَسْتَقْبِلَ الْقَبْرَ بِوَجْهِكَ ثُمَّ تَقُوْلَ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ تم نبی کریم ﷺ کی قبر کے پاس قبلہ کی جانب سے حاضری دو اور اپنی پشت کو قبلہ کی طرف کر لو اور اپنے چہرے کو قبر کی طرف کر لو' پھر کہو: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" یعنی اے (غیب کی خبریں بتانے والے) نبی! آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔

نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کے فضائل ودلائل

تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کرنا عظیم ترین قربات میں سے ہے کہ اور افضل ترین مشروعات میں سے ہے اور جس شخص نے اس کے مشروع ومباح ہونے میں جھگڑا کیا وہ یقیناً گمراہ ہے اور اس نے دوسروں کو گمراہ کیا ہے' سو بعض علماء نے کہا: یہ زیارت سنت ہے اور بعض علماء نے کہا کہ یہ زیارت واجب ولازم ہے جبکہ بعض حضرات نے کہا: یہ واجب کے قریب ہے کیونکہ حدیث میں ہے' آپ نے فرمایا: "من حج ولم یزرنی فقد جفانی" "جس آدمی نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی تو اس نے یقیناً مجھ پر ظلم کیا ہے اور بہت سی احادیث ہیں جو طبرانی' دارقطنی اور ابن عدی وغیرہما میں روایت کی گئی ہیں اور بلاشبہ ابن تیمیہ نے بہت بڑی غلطی کی کہ اس نے گمان کیا کہ اس باب میں جس قدر احادیث وارد ہوئی ہیں' وہ سب ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ حضرت ابن عمر کا "من السنة" فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف پشت کر کے قبر کی طرف چہرہ کرنا اور سلام عرض کرنا صحابہ کرام اور تابعین کی سنت ہے۔ [شرح مسند امام اعظم مع الحاشیہ ص ۲۰۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کی فضیلت واہمیت کے بیان میں الشیخ الامام الفقیہ المحدث علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام" مطبوعہ المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ' الجامع البغدادی' لائلپور (فیصل آباد) سے چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) من زار قبری وجبت له شفاعتی. (رواہ الدارقطنی والبیہقی وغیرہما)

جس نے میری قبر کی زیارت کر لی' اس کے لیے میری شفاعت واجب اور لازم ہو گئی۔

(۲) من زار قبری حلت له شفاعتی. (رواہ البزار والدارقطنی)

جس نے میری قبر کی زیارت کر لی' اس کے لیے میری سفارش حلال ہو گئی۔

(۳) من جاء نی زائرًا لا یعمله حاجة الا زیارتی کان حقًا علی ان اکون له شفیعًا یوم القیامة. (رواہ الطبرانی والدارقطنی)

جو شخص میری زیارت کے لیے آئے' میری زیارت کے سوا کوئی اور حاجت نہ ہو تو مجھ پر لازم ہو جاتا ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔

(۴) من حج فزار قبری بعد وفاتی فکأنما زارنی فی حیاتی. (رواہ الدارقطنی وابن عدی فی الکامل والبیہقی فی السنن)

جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

(۵) من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی. (رواہ ابن عدی فی الکامل)

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہیں کی تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

(۶) من زار قبری کنت له شفیعا. (رواہ ابوداؤد الطیالسی فی مسندہ)

جس نے میری قبر کی زیارت کی' میں اس کی شفاعت کروں گا۔

(۷) من زارنی متعمدًا کان فی جواری یوم القیامة. (رواہ العقیلی وغیرہ)

جس نے جان بوجھ کر قصداً میری زیارت کی' وہ قیامت کے دن میرا پڑوسی ہوگا۔

(۸) من زارنی حتّٰی ینتهی الٰی قبری کنت له

جس نے میری قبر پر پہنچ کر میری زیارت کی تو میں قیامت کے

یوم القیامة شفیعًا. (رواہ العقیلی)

دن اس کی شفاعت کروں گا۔

(۹) من لم یزر قبری فقد جفانی.

(رواہ ابن النجار فی الدرۃ الثمینۃ عن علی رضی اللہ عنہ)

جس نے میری قبر کی زیارت نہیں کی' اس نے یقیناً مجھ پر ظلم کیا ہے۔

(۱۰) من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی. (رواہ الدارقطنی)

جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۸- كِتَابُ النِّكَاحِ

نکاح کے احکام

۱- بَابُ خُطْبَةِ النِّكَاحِ

خطبۂ نکاح کا بیان

۲۵۷- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَةَ الْحَاجَةِ يَعْنِي النِّكَاحَ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَسْتَهْدِيْهِ مَنْ يَّهْدِى اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبۂ حاجت یعنی خطبہ نکاح کی ہمیں تعلیم دی۔ (اس کا ترجمہ یہ ہے:) تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں ہم بھی اسی کی تعریف کرتے ہیں' ہم اس سے مدد مانگتے ہیں' ہم اسی سے مغفرت و بخشش طلب کرتے ہیں اور ہم اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں' جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عنایت کر دے' اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور وہ جس کو گمراہی پہ ڈال دے' اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے خاص بندے اور اس کے (آخری) رسول ہیں۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا○ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا○ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا○

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم صرف مسلمان رہ کر ہی مرنا○ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات توڑنے سے ڈرو' بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے○ اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور سچی بات کہا کرو○ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے تو اس نے یقیناً بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی○

ابوداؤد (۲۱۱۸) ترمذی (۱۱۰۵) نسائی (۳۲۷۹) ابن ماجہ (۱۸۹۲)

حل لغات

''نَسْتَعِيْنُهٗ' نَسْتَغْفِرُهٗ' نَسْتَهْدِيْهِ'' تینوں صیغے جمع متکلم' فعل مضارع معروف مثبت' باب استفعال سے ہیں' پہلے کا معنی مدد

طلب کرنا' دوسرے کا معنی بخشش طلب کرنا اور تیسرے کا معنی ہدایت و رہنمائی طلب کرنا ہے۔ ''تَسَآءَلُوْنَ'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل مضارع مثبت' باب تفاعل سے ہے' دراصل ''تَتَسَآءَ لُوْنَ'' ہے' اس کا معنی ہے: ایک دوسرے سے سوال کرنا۔ ''يُصْلِحُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: اصلاح کرنا' سنوارنا' درست کرنا۔

نکاح کی حکمتوں اور قسموں کی وضاحت

اس حدیث میں خطبہ نکاح کو خطبۂ حاجت کا نام دیا گیا ہے' راوی نے النکاح کہہ کر وضاحت کی ہے کہ خطبہ حاجت سے مراد خطبہ نکاح ہی ہے' گویا نکاح کو حاجت قرار دیا گیا ہے کیونکہ انسان تمدنی اور معاشرتی زندگی میں نیز قضائے شہوت' گھریلو معاملات کے انتظام و انصرام اور نسل انسانی کی بقاء کے لیے نکاح کا حاجت مند اور ضرورت مند رہتا ہے' سو اس لیے نکاح کو حاجت کا نام دیا گیا ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو ائمہ اربعہ (ترمذی' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ) اور امام حاکم اور امام ابوعوانہ سب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے' نیز امام احمد بن حنبل اور امام دارمی نے اس حدیث کو مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے' جس کی تفصیل میں نے شرح الحصن الحصین میں بیان کر دی ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۴۴۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

لوگوں کے اعتبار سے نکاح کی چار قسمیں ہیں' ایک قسم یہ ہے کہ شہوت کا غلبہ بھی ہو اور نکاح کرنے کی طاقت بھی ہو تو ایسے شخص کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے' دوسری قسم یہ ہے کہ نہ شہوت کا غلبہ ہو اور نہ نکاح کی طاقت ہو' اس کے حق میں نکاح مکروہ ہے' تیسری قسم یہ ہے کہ شہوت کا غلبہ تو ہو لیکن نکاح کی طاقت نہ ہو' اس کے حق میں بھی نکاح مکروہ ہے اور اس شخص کو اپنی شہوت کم کرنے اور اس کو کنٹرول کرنے کے لیے روزے رکھنے چاہئیں اور چوتھی قسم یہ ہے کہ شہوت کا غلبہ تو نہ ہو لیکن نکاح کرنے کی طاقت ہو' جمہور شافعیہ کے نزدیک اس کے حق میں نکاح کرنا مکروہ تو نہیں ہے لیکن اس کے لیے افضل یہ ہے کہ نکاح نہ کرے بلکہ عبادت کے لیے خلوت اختیار کر لے اور امام ابوحنیفہ' بعض شافعیہ اور بعض مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ نکاح کرنا افضل ہے۔

[شرح المسلم للنووی ج ۱ ص ۴۴۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ]

علامہ نووی نے امام ابوحنیفہ کا جو مذہب بیان کیا ہے' وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جس شخص پر شہوت کا غلبہ ہو' اس کے لیے نکاح کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک افضل و مستحب نہیں' بلکہ واجب ہے اور جس شخص کو یہ خطرہ ہو کہ اگر وہ نکاح نہیں کرے گا تو زنا میں مبتلا ہو جائے گا' اس پر نکاح فرض ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی' علامہ نووی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آپ کو معلوم ہوگا کہ احناف کی کتابوں میں امام اعظم کا جو مذہب بیان کیا گیا ہے' وہ علامہ نووی کے ذکر کردہ بیان کے خلاف ہے' چنانچہ تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے کہ غلبۂ شہوت کے وقت نکاح واجب ہوتا ہے اور اگر اس کو یقین ہو کہ اگر اس نے نکاح نہ کیا تو زنا میں مبتلا ہو جائے گا تو اس پر نکاح فرض ہے' اسی طرح النھایۃ میں لکھا ہے' یہ اس وقت ہے کہ جب وہ حق مہر ادا کرنے اور بیوی کا خرچ اُٹھانے کی طاقت رکھتا ہو' ورنہ نکاح نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' اسی طرح بدائع میں ہے اور صحیح مذہب یہ ہے کہ نکاح سنت مؤکدہ ہے اور اس کے ترک سے انسان گنہگار ہوگا اور جب اسے مہر' بیوی کے خرچ اور عمل ازدواج پر قدرت ہو اور وہ پاکیزگی اور اولاد کے حصول کے لیے نکاح کرے تو اس کو ثواب ملے گا۔

[تفسیر روح المعانی ج ۴ ص ۱۹۴ 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت]

نوٹ: ماخوذ از: شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۷۸۲-۷۸۱ 'مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور

٢- بَابُ الْاَمْرِ بِالنِّكَاحِ

نکاح کا حکم

٢٥٨- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجُوْا فَاِنِّیْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے میں دوسری اُمتوں پر فخر کروں گا۔

ابوداؤد (۲۰۵۰) نسائی (۳۲۲۹) ابن ماجہ (۱۸۶۳) مسند احمد (ج ۳ ص ۱۵۸)

حل لغات

''تَزَوَّجُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل امر معروف' باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے: نکاح کرنا' شادی کرنا۔ ''مُكَاثِرٌ'' صیغہ واحد مذکر' اسم فاعل' باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: کثرت میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا۔

نکاح کے فوائد

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کرنے کا ایک فائدہ یہ بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن آپ دوسری اُمتوں کے مقابلے میں اپنی اُمت کی عددی کثرت پر فخر کریں گے جبکہ دنیا میں بھی طاغوتی اور اسلام دشمن قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کو عددی برتری حاصل ہوگی' چنانچہ نکاح کرنے کے فوائد میں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء ة فلیتزوج فانه اغض للبصر وأحسن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء. (متفق علیہ)

اے نوجوانو کی جماعت! تم میں سے جو شخص نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے ضرور نکاح کرنا چاہیے کیونکہ یہ نگاہ کو جھکانے والا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جو شخص نکاح کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو اس پر روزے رکھنا لازم ہیں کیونکہ یہ قوتِ مردانہ کو توڑنے والے ہیں۔

(۲) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین آدمیوں کا ایک گروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے پاس حاضر ہوا' اور آپ کی عبادت وریاضت کے متعلق سوال کرنے لگے' سو جب انہیں آپ کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے اپنی عبادات کو بہت کم خیال کیا اور آپس میں کہنے لگے: کہاں ہم اور کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلند وبالا عظمت وشان' انہیں تو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے گناہوں سے معصوم پیدا کیا ہے' چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا' دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے رکھا کروں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا اور تیسرا کہنے لگا: میں عورتوں سے دور رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا' سو اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا: تم نے اس طرح اور اس طرح باتیں کی ہیں' سنو! اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں' لیکن میں نماز نہیں پڑھتا ہوں اور آرام کرنے کے لیے سوتا بھی ہوں اور میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور میں عورتوں شادی بیاہ اور نکاح بھی کرتا ہوں۔

فمن رغب عن سنتی فلیس منی. (متفق علیہ)

سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا تو وہ میرا (اُمتی) نہیں ہے۔

(۳) حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکاح کرنے کا حکم دیتے تھے اور مجرد (بے نکاح) رہنے سے سخت منع فرماتے تھے اور آپ فرمایا کرتے:

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر لکم الانبیآء یوم القیامة.

تم محبت کرنے والی' بچے جننے والی عورتوں سے شادی کیا کرو' کیونکہ قیامت کے دن میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام پر فخر کروں گا۔

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ابوداؤد اور نسائی کی حدیث اس کی شاہد وگواہ ہے' نیز امام ابن حبان نے یہ حدیث حضرت معقل بن یسار سے روایت کی ہے۔

[الالمام تخریج احادیث منظومة بلوغ المرام التحیة علی منظومة بلوغ المرام من أدلة الاحکام ص ۲۱۸ 'طبعت علی نفقة الشیخ علی بن عاسر الاسدی المدرس بدار الحدیث بمکة المکرمة فی ۲۱ ذی القعدة سنة ۱۳۹۶ ھجریة بمطبعة' دار نشر الثقافة بالاسکندریة]

نکاح کے فوائد میں سے یہ ہے کہ انسان کی خواہش نفسانی اور شہوت کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور وہ شیطان کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے اور شہوانی خرابیوں کا سدباب ہو جاتا ہے' اس کی نظر پاکیزہ ہو جاتی ہے اور شرمگاہ گناہوں سے بچی رہتی ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص نکاح کر لیتا ہے' وہ اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیتا ہے' پس باقی نصف دین کو محفوظ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ [طبرانی] جو شخص بغیر نکاح کے مجرد زندگی گزارتا ہے' اس کو معاشرے میں زیادہ عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ ایسے شخص کو بسا اوقات کسی مہذب سوسائٹی میں رہنے کے لیے مکان کے حصول میں بھی بڑی دشواری ہوتی ہے۔ نکاح کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ نکاح کی وجہ سے انسان کی قوتِ عمل میں اضافہ ہو جاتا ہے' اس پر بیوی اور بچوں کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہیں اور ان کے حقوق وفرائض اس کے ساتھ متعلق ہو جاتے ہیں' وہ ان کی فلاح وبہبود اور بہتری کے لیے کوشش کرتا ہے' ان کو بُرے اور ناجائز کاموں سے دور رکھتا ہے اور ان کے لیے نیکی اور خیر وبھلائی کے حصول کی کوشش کرتا ہے' بسا اوقات ان کی ناگوار اور ناپسندیدہ باتوں پر صبر کرتا ہے اور صبر کا اجر وثواب لامحدود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (الزمر: ۱۰)

بے شک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر وثواب عطاء کیا جائے گا ۝

نیز بیوی بچوں کی وجہ سے انسان کا گھر میں دل بہلتا ہے' بیمار ہو جائے تو بیوی بچے اس کی تیمارداری کرتے ہیں' بچوں اور بیوی کی کفالت کی وجہ سے انسان کے دل میں زیادہ سے زیادہ کمانے اور محنت کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے' جس سے ملک وملت کی تعمیر اور ترقی میں اضافہ ہوتا ہے' بچوں کی وجہ سے انسان کے دل میں رحم وشفقت اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے' معاشرہ میں وہ الگ تھلگ نہیں رہتا اور اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے' نیز اولاد کی وجہ سے انسان کی تمدنی زندگی میں اضافہ ہوتا ہے' اولاد کی شادی' بیاہ کے معاملات کی وجہ نئے نئے لوگوں سے تعلقات پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۷۷۸-۷۷۶ 'مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور۔

٣- بَابُ الْحَثِّ عَلٰی نِكَاحِ الْاَبْكَارِ

کنواری لڑکیوں سے نکاح کی ترغیب

٢٥٩- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نوجوان کنواری لڑکیوں سے نکاح کیا کرو کیونکہ ان کے رحم جلد

وَسَلَّمَ اِنْكِحُوا الْجَوَارِيَ الشَّوَابَّ فَاِنَّهُنَّ اَنْتَجُ اَرْحَامًا وَاَطْيَبُ اَفْوَاهًا وَاَعَزُّ اَخْلَاقًا.
ابن ماجہ (١٨٦١)

بچے جننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان کے منہ مکالمے اور بات چیت میں بہت اچھے اور ملائم ہوتے ہیں اور وہ اخلاق میں عمدہ اور مہذب ہوتی ہیں۔

حل لغات

''اِنْكِحُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل امر معروف' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: نکاح کرنا' جمع ہونا۔ ''اَلْجَوَارِیْ'' ''جَارِیَۃٌ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: لڑکی۔ ''اَلشَّوَابَ'' یہ ''شَابَّۃٌ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: نوجوان لڑکی۔ ''انتج'' اس کا معنی ہے: بچہ دینا۔

نوجوان کنواریوں سے نکاح کے فوائد

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد ''انکحوا الجواری'' کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹی عمر کی نوجوان کنواری لڑکیوں سے نکاح کیا کرو' ''فانھن انتج ارحاما'' کیونکہ ان کے رحم بہت جلد اور بہت زیادہ بچے جننے والے ہوتے ہیں' اس لیے کہ ان کے رحموں میں قوتِ حرارت زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ مردانہ نطفہ کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔ اور ''اطیب افواھا'' کا مطلب ہے کہ وہ شیریں لسان ہوتی ہیں' ان کی گفتگو میٹھی ہوتی ہے اور ان کا اندازِ کلام مہذب و شائستہ اور شیریں ہوتا ہے' نیز وہ نرم و ملائم کلام ہوتی ہیں' بے ہودہ اور فحش باتیں نہیں کرتیں اور ''اعز اخلاقا'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاشرت و مباشرت کے معاملات میں عمدہ اخلاق' خوشگوار برتاؤ' پسندیدہ اطوار' دلکش رہن سہن اور دل پسند طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتی ہیں' مطلقہ یا بیوہ کی طرح بے باک' تیز زبان اور بے لحاظ نہیں ہوتیں کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے شوہر نہیں دیکھا ہوتا' اس لیے وہ مطلقہ یا بیوہ عورتوں کی طرح پہلے اور موجودہ خاوند کے درمیان موازنہ نہیں کرتیں۔ امام ابن ماجہ اور امام بیہقی نے حضرت عویم بن ساعدہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عليكم بالأبكار فانهن اعذب افواها وأنتق أرحاما وأرضى باليسير.

تم کنواری نوجوان لڑکیوں سے نکاح کرو کیونکہ ان کے منہ گفتگو میں نرم و ملائم اور شیریں لسان ہوتے ہیں اور ان کے رحم زیادہ بچے جننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ تھوڑی چیز پر راضی ہو جاتی ہیں۔

ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ ''وأقل خبا'' اور وہ بہت کم دھوکہ باز ہوتی ہیں اور دوسری روایت میں ہے: ''وأسخن أقبالا'' اور ان کی شرمگاہیں قوتِ حرارت زیادہ رکھتی ہیں۔ [شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۲۳۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

٤- بَابُ التَّنْزِيْهِ مِنْ نِكَاحِ النِّسَآءِ الْخَمْسَةِ

پانچ قسم کی عورتوں کے نکاح سے بچنے کا بیان

٢٦٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَخْبَرَنِيْ شَيْخٌ مِّنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهٗ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ هَلْ تَزَوَّجْتَ قَالَ لَا قَالَ تَزَوَّجْ تَسْتَعِفُّ مَعَ

عِفَّتِكَ وَلَا تَزَوَّجَنَّ خَمْسًا قَالَ مَا هُنَّ قَالَ لَا تَزَوَّجَنَّ شَهْبَرَةً وَّلَا نَهْبَرَةً وَّلَا لَهْبَرَةً وَّلَا هَبْدَرَةً وَّلَا لَفُوْتًا قَالَ زَيْدٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَا اَعْرِفُ شَيْئًا مِّمَّا قُلْتَ قَالَ بَلٰى اَمَّا الشَّهْبَرَةُ فَالزَّرْقَاءُ الْبَدِيْنَةُ وَاَمَّا النَّهْبَرَةُ فَالطَّوِيْلَةُ الْمَهْزُوْلَةُ وَاَمَّا اللَّهْبَرَةُ فَالْعَجُوْزُ الْمُدْبِرَةُ وَاَمَّا الْهَبْدَرَةُ فَالْقَصِيْرَةُ الذَّمِيْمَةُ وَاَمَّا اللَّفُوْتُ فَذَاتُ الْوَلَدِ مِنْ غَيْرِكَ قَالَ الشَّيْبَانِيُّ ضَحِكَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ مِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ طَوِيْلًا. مسند الحارثی (٤٨٥)

حضرت ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ مجھے مدینہ منورہ کے ایک شیخ (بزرگ) نے خبر دی ہے کہ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے کسی عورت سے شادی کر لی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! آپ نے فرمایا: تم شادی کر لو تا کہ تم اپنی (پہلی) عفت و عصمت کے ساتھ مزید عفت و پاک دامنی حاصل کر لو' البتہ تم پانچ قسم کی عورتوں سے شادی نہ کرنا' عرض کیا: وہ کون سی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم شہبرہ سے شادی نہ کرو اور نہ نہبرہ سے' نہ لہبرہ سے اور نہ ہبدرہ سے اور نہ لفوت سے۔ حضرت زید نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے جو کچھ فرمایا ہے میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! لیکن شہبرہ تو وہ گربہ چشم (نیلی آنکھوں والی) موٹے بدن والی عورت ہے اور نہبرہ تو وہ دراز قد دبلی پتلی لاغر و کمزور عورت ہے' اور باقی لہبرہ تو وہ ایسی انتہائی بوڑھی عورت جو جذباتِ شہوانی اور خواہشاتِ نفسانی سے خالی ہو اور ہبدرہ تو وہ بونے قد کی بدصورت عورت ہے اور باقی رہی لفوت تو وہ تیرے علاوہ کسی دوسرے خاوند سے بچہ لانے والی عورت ہے۔ حضرت شیبانی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ اس حدیث کی وجہ سے کافی دیر تک مسکراتے رہے۔

حل لغات

''تَسْتَعِفُّ'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل مضارع معروف مثبت' باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: پاک دامن بننا' پاک دامنی طلب کرنا' پاک دامنی حاصل کرنا۔ ''اَلزَّرْقَاءُ'' نیلی آنکھوں والی۔ ''اَلْبَدِیْنَۃُ'' موٹے بدن والی۔ ''اَلْقَصِیْرَۃُ'' کوتاہ قد' بونی' ٹھگنی۔

مذکورہ بالا عورتوں سے نکاح جائز' پرہیز افضل ہے

اس حدیث کو حضرت ابراہیم نخعی کا مدینہ منورہ کے کسی نامعلوم شیخ سے روایت کرنے کی بناء پر راوی کی جہالت میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ خود بھی ثقہ ہیں اور روایت بھی ثقہ راوی سے بیان کرتے ہیں جیسا کہ احناف کے نزدیک مقرر و ثابت ہے اور علامہ ملا علی قاری نے اپنی شرح میں اس کا کئی جگہ ذکر کیا ہے' علاوہ ازیں ضعیف حدیث بھی فضائل اعمال میں مقبول و معمول بہ ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ان پانچ قسم کی عورتوں سے شادی کرنا نہ تو کبیرہ گناہ ہے اور نہ صغیرہ گناہ ہے بلکہ ان کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے لیکن ان سے شادی نہ کرنا بہتر و مستحب ہے اور اس حدیث میں ان سے شادی نہ کرنے کی جو نہی وارد ہوئی ہے وہ نہی تنزیہی ہے' تحریمی نہیں ہے یعنی اس قسم کی عورتوں کے ساتھ شادی سے اجتناب اور پرہیز کرنا افضل و مستحب ہے اور ان سے شادی کرنا حرام نہیں ہے۔ [تنسیق النظام فی شرح مسند الامام حاشیہ نمبر ۸' ص ۱۲۹' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

پھر یہ بات بھی یاد رہنی چاہیے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ماسوا باقی سب خواتین پہلے سے شادی شدہ تھیں' صرف حضرت عائشہ صدیقہ کنواری تھیں' باقی بعض مطلقہ تھیں' بعض بیوہ تھیں اور بعض بوڑھی تھیں' بعض بھاری جسم والی دراز قد بھی تھیں اور بعض پہلے خاوند سے صاحب اولاد بھی تھیں۔

٥- بَابُ نِكَاحِ السَّوْدَآءِ الْوَلُوْدِ اَحَبُّ مِنَ الْحَسْنَاءِ الْعَاقِرِ

بانجھ حسینہ کی بجائے بچے دینے والی سیاہ رنگ لڑکی سے نکاح کرنا بہتر ہے

٢٦١- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ رَّجُلٍ شَامِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَزَوَّجُ فُلَانَةً فَنَهَاهُ عَنْهَا ثُمَّ اَتَاهُ اَيْضًا فَنَهَاهُ عَنْهَا ثُمَّ اَتَاهُ فَنَهَاهُ عَنْهَا ثُمَّ قَالَ سَوْدَاءُ وَلُوْدٌ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ حَسْنَاءَ عَاقِرٍ.

کنزالعمال (٤٤٤٢٧) مسند الہیثمی (ج ٤ ص ٢٥٨) ابن ماجہ (١٨٥٩)

ایک شامی صحابی بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں فلاں عورت سے شادی کرلوں؟ تو آپ نے اس کو اس عورت کے ساتھ شادی کرنے سے منع کر دیا' پھر وہ دوبارہ حاضر ہوا تو آپ نے اس کو اس سے منع کر دیا' پھر وہ تیسری بار حاضر ہوا تو آپ نے اس کو اس سے منع کیا' پھر فرمایا: بچے دینے والی سیاہ رنگ کی لڑکی سے نکاح کرنا میرے نزدیک خوب صورت بانجھ عورت سے بہت بہتر ہے۔

حل لغات

"اَتَزَوَّجُ" صیغہ واحد متکلم' فعل مضارع معروف مثبت' باب تفعل سے ہے' اس سے پہلے حرف استفہام مقدر ہے' اس کا معنی ہے: شادی کرنا' نکاح کرنا۔ "نَهَا" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: منع کرنا' روکنا۔ "سَوْدَاءُ" کالی سیاہ رنگ والی عورت۔ "وَلُوْدٌ" زیادہ بچے جننے والی عورت۔ "حَسْنَاءُ" خوب صورت عورت۔ "عَاقِرٌ" بانجھ عورت۔

نکاح کے مقصد و معیار کی نشاندہی

دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہ عورت اگرچہ حسینہ جمیلہ اور خوب صورت ہے لیکن یہ بانجھ ہے' بچے جننے کی صلاحیت نہیں رکھتی' اس لیے جب سائل نے اس عورت سے شادی کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے پہلے اسے اجمالی طور پر منع کر دیا لیکن جب اس نے کئی بار سوال دُہرایا تو آپ نے تیسری بار تفصیل کے ساتھ اس کی علتِ حکمت کو فرمایا کہ بانجھ اور بچے نہ جننے والی خوب صورت عورت سے زیادہ بچے جننے والی کالی سیاہ رنگ والی عورت سے شادی کرنا میرے نزدیک بہت بہتر ہے کیونکہ نکاح اور شادی کی غرض وغایت مسلمانوں کی کثرت اور نسل انسانی کی بقاء ہے' محض شہوت رانی اور نفسانی خواہش کی تکمیل وتفریح نہیں' چنانچہ امام ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم عورتوں سے ان کے حسن وجمال اور ان کی خوبصورت شکل وصورت کی وجہ سے نکاح نہ کرو' ممکن ہے ان کا حسن وجمال انہیں ہلاک کر دے اور تم عورتوں کے مال دار ہونے کی بناء پر بھی ان سے نکاح نہ کرو کیونکہ ممکن ہے ان کا مال انہیں سرکش ومغرور بنا دے' لیکن تم ان کے دین دار ہونے کی وجہ سے ان سے نکاح کرو' بے شک عقل مند دین دار کالی سیاہ رنگ والی لونڈی افضل وبہتر ہے۔

[تنسیق النظام ص ١٣٠' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

علامہ طبرانی' حضرت معاویہ بن حیدہ کی حدیث بیان کرتے ہیں' جس کے الفاظ یہ ہیں: (ترجمہ) کالی سیاہ رنگت والی عورت جو بچے جنتی ہو تو وہ اس خوب صورت عورت سے بہت بہتر ہے جو بچے نہ جنتی ہو اور بے شک میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری اُمتوں پر فخر کروں گا یہاں تک کہ نامکمل کچے بچے پر بھی (فخر کروں گا) جو جنت کے دروازے پر کھڑا انتظار کر رہا ہوگا' اسے کہا جائے گا: تم جنت میں داخل ہو جاؤ' تو وہ بچہ عرض کرے گا: اے میرے رب تعالیٰ! میرے ماں باپ! سو اس بات پر اسے کہا جائے گا: تم بھی جنت

میں داخل ہو جاؤ اور تمہارے ماں باپ بھی جنت میں داخل ہو جائیں۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ٢٥٣' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

٦- بَابُ ثُبُوْتِ الشُّؤْمِ فِيْ ثَلَاثٍ

تین چیزوں میں نحوست کا ثبوت

٢٦٢- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ تَذَاكَرَ الشُّؤْمُ ذَاتَ يَوْمٍ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الشُّؤْمُ فِي الدَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْمَرْاَةِ فَشُؤْمُ الدَّارِ اَنْ تَكُوْنَ ضَيِّقَةٌ لَهَا جِيْرَانٌ سُوْءٌ وَّ شُؤْمُ الْفَرَسِ اَنْ تَكُوْنَ جَمُوْحًا وَشُؤْمُ الْمَرْاَةِ اَنْ تَكُوْنَ عَاقِرًا زَادَالْحَسَنُ بْنُ سُفْيَانَ سَيِّئَةَ الْخُلُقِ عَاقِرًا. وَفِيْ رِوَايَةٍ اِنْ يَّكُنِ الشُّؤْمُ فِيْ شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ وَالْمَرْاَةِ وَالْفَرَسِ فَاَمَّا الدَّارُ فَشُؤْمُهَا ضَيِّقُهَا وَاَمَّا الْمَرْاَةُ فَشُؤْمُهَا سُوْءُ خُلُقِهَا وَعَقْرُ رَحِمِهَا وَاَمَّا شُؤْمُ الْفَرَسِ فَاَنْ تَكُوْنَ جَمُوْحًا. بخاری (٢٨٥٨) مسلم (٥٨٠٧) ابوداؤد (٣٩٢٢) نسائی (٣٥٩٨) ابن ماجہ (١٩٩٤)

حضرت (سلیمان) ابن بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بعض صحابہ کرام نے باہم ایک دوسرے سے نحوست کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ نحوست گھر' گھوڑے اور عورت میں ہوتی ہے' سو گھر کی نحوست تو یہ ہے کہ وہ تنگ ہو اور اس کے پڑوسی بُرے لوگ ہوں اور گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ وہ سرکش ہو (مالک کو سوار نہ ہونے دے) اور عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ بانجھ ہو (اولاد کے قابل نہ ہو)۔ حضرت حسن بن سفیان نے (اپنی مسند میں) اتنا زیادہ بیان کیا ہے کہ وہ بدخلق اور بانجھ ہو۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی ہے تو گھر' عورت اور گھوڑے میں ہوتی ہے' گھر کی نحوست اس کا تنگ ہونا ہے اور عورت کی نحوست اس کا بداخلاق ہونا اور اس کے رحم کا بانجھ ہونا ہے اور گھوڑے کی نحوست اس کا سرکش ہونا ہے۔

حل لغات

"تَذَاكَرَ" صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل مضارع مجہول' باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: ایک دوسرے سے کسی چیز کا ذکر کرنا۔ "اَلشُّؤْمُ" اس کا معنی ہے: نحوست۔ "ضَيِّقَةٌ" تنگ ہونا۔ "جِيْرَانٌ" بہ معنی پڑوسی۔ "جَمُوْحًا" سرکش اور منہ زور گھوڑا۔

ہر چیز بالذات مفید ہے لیکن مقصدِ تخلیق کے اعتبار سے مفید نہ ہو تو منحوس ہے

واضح ہو کہ اس میں اختلاف ہے کہ کوئی چیز کسی اعتبار سے منحوس ہوتی ہے یا نہیں؟ (١) اس میں بعض علماء کا نظریہ یہ ہے کہ نحوست کا کوئی ثبوت نہیں ہے' البتہ احادیث میں صرف فرض اور تقدیر کی صورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر فرض کریں کہ نحوست ہو سکتی ہے تو تین چیزوں میں ہو سکتی ہے: گھر' عورت اور گھوڑے میں' لیکن چونکہ اس کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے' اس لیے ان تینوں میں بھی نحوست نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ (٢) اور جمہور کا نظریہ' یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بالذات کسی اعتبار سے منحوس پیدا نہیں فرمائی' بلکہ ہر چیز بذاتِ خود مفید اور حکمت ومصلحت پر مبنی پیدا کی گئی ہے' خواہ اس کی افادیت کم ہو یا زیادہ ہو' خواہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے' لہٰذا کوئی چیز تخلیق کے طور پر بُری اور نامبارک نہیں ہے' البتہ اگر مقصد تخلیق کے اعتبار سے مفید ہے تو مبارک ہے ورنہ منحوس ہے' چنانچہ عورت بذاتِ خود ماں' بہن' بیٹی اور بیوی کے کسی روپ میں ہو' عقیدت وشفقت' محبت وپیار' خدمت وتربیت اور نسلِ انسانی کی بقاء کی ضامن ہے اور یہ مقدس رشتے ہیں' لیکن اگر یہ عورت بداخلاق وبدکردار اور نافرمان وسرکش اور بانجھ ہو جائے تو حدیث نبوی کی رو سے منحوس قرار پاتی ہے اور گھر بذاتِ خود امن وسکون حاصل کرنے اور گرمی وسردی سے بچنے کا ضامن ہوتا ہے لیکن اگر یہ گھر تنگ ہو' ضروریاتِ زندگی کے لیے کافی نہ ہو اور پڑوسی ظالم وفاسق' جھگڑالو اذیت ناک اور نقصان دِہ ہوں تو پھر یہ گھر نامبارک ومنحوس قرار پاتا

ہے اسی طرح گھوڑا اور سواری کی کوئی اور چیز اصل میں سہولت و آرام کے ساتھ آمد و رفت جاری رکھنے اور اس پر سوار ہو کر پیدل چلنے کی مشقت سے بچنا ہے لیکن اگر یہ سواری کی چیز کارآمد نہ ہو' سرکش ہو' سوار نہ ہونے دے اور اگر مشکل سے اس پر سواری کر لی جائے تو وہ سوار کو گرا دے یا گاڑی کی بریکیں فیل ہو جائیں یا کوئی ایسی خرابی پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے وہ قابلِ استعمال نہ رہے تو پھر یہ گھوڑا' نیز گاڑی وغیرہ نامبارک و منحوس قرار پائیں گی اور ان تین کی تخصیص کی وجہ بھی غالباً زندگی بھر اپنے مالک کے کام آنا ہے۔

بہرحال اس کی وضاحت دوسری حدیث سے ملتی ہے' جسے امام حاکم نے المستدرک میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ترجمہ) تین چیزیں سعادت و نیک بختی میں سے ہیں اور تین چیزیں شقاوت و بدبختی اور نحوست میں سے ہیں' سو سعادت و نیک بختی میں سے ایک وہ عورت ہے جو نیک اور اچھی ہو' جسے تم جب دیکھو تو وہ تمہیں مسرور و خوش کر دے اور تمہیں بہت اچھی لگے اور جب تم اس سے غائب ہو جاؤ تو تمہیں اپنی غیر موجودگی میں اس کی عزت و آبرو اور اپنے اموال و اولاد کے متعلق اس پر پورا اعتماد اور بھروسہ اور امن حاصل ہو' اور دوسری چیز وہ سواری ہے جس پر تم سہولت و آسانی کے ساتھ سوار ہو کر اپنے دوست و احباب کے پاس اور اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکو اور تیسری چیز وہ گھر جو اتنا زیادہ وسیع اور کشادہ ہو کہ ضروریاتِ زندگی اور سامانِ زیست کے لیے کافی ہو اور شقاوت و بدبختی اور نحوست میں سے ایک وہ عورت ہے جسے تم جب دیکھو تو وہ تمہیں اپنے تکلیف دہ رویے کی وجہ سے بُری لگے اور وہ تم پر اپنی زبان چلانے لگے اور اگر تم اس سے کہیں دور چلے جاؤ تو تمہیں اپنی غیر موجودگی میں اس کی عزت و آبرو اور اپنے اموال و اولاد کے متعلق اس پر اعتماد و بھروسہ اور امن حاصل نہ ہو اور دوسری چیز وہ گھوڑا اور سواری ہے جو اس قدر سرکش اور خراب ہو کہ جب تم اس پر سوار ہو کر اسے مارو اور تیز چلاؤ تو وہ (اپنی سست رفتاری) سرکشی اور خرابی کی وجہ سے تمہیں تھکا دے اور اگر تم اسے اس کے حال پر چھوڑ دو تو وہ تمہیں منزلِ مقصود تک نہ پہنچائے اور تیسری چیز وہ گھر ہے جو اس قدر تنگ ہو کہ ضروریات زندگی کے لیے ناکافی ہو۔[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۳۰' حاشیہ: ۳' اوّل' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

٧- بَابُ اِسْتِيْذَانِ الْوَالِدِ مِنْ بِنْتِهِ الْبِكْرِ

والد کا اپنی کنواری بیٹی سے اجازت لینے کا بیان

٢٦٣- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ لِفَاطِمَةَ اَنَّ عَلِيًّا يَذْكُرُكِ. مسند الحارثی (٢٢)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمایا کہ علی تمہارا ذکر کرتے ہیں (یعنی نکاح کا پیغام دے رہے ہیں)۔

٢٦٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيٰى عَنِ الْمُهَاجِرِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يُّزَوِّجَ اِحْدٰى بَنَاتِهِ يَقُوْلُ اِنَّ فُلَانًا يَذْكُرُ فُلَانَةَ ثُمَّ يُزَوِّجُهَا. وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زَوَّجَ اِحْدٰى بَنَاتِهِ اَتٰى خِدْرَهَا فَيَقُوْلُ اِنَّ فُلَانًا يَذْكُرُ فُلَانَةَ ثُمَّ يُزَوِّجُهَا. وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خُطِبَ اِلَيْهِ اِبْنَةٌ مِّنْ بَنَاتِهِ اَتٰى خِدْرَهَا فَقَالَ اِنَّ فُلَانًا يَذْكُرُ فُلَانَةَ ثُمَّ ذَهَبَ فَاَنْكَحَ.

سنن کبریٰ بیہقی (١٢٧٣٩) مسند احمد (٢٣٩٣٦) ابن عدی (٧٥٢) ابن ابی حاتم (١١٦٨)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کا نکاح کرنا چاہتے تو اس سے فرماتے کہ فلاں صاحب فلاں لڑکی کا ذکر کرتے ہیں (یعنی نکاح کا پیغام دے رہے ہیں) پھر آپ ان کا اس شخص سے نکاح کر دیتے۔

اور ایک روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ آپ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی کسی صاحبزادی کا نکاح کرنا چاہتے تو آپ اس کے پردے کے پاس تشریف لاتے اور فرماتے کہ فلاں شخص فلاں لڑکی کا ذکر کرتا ہے پھر آپ اس (صاحبزادی) کا اس شخص سے نکاح کر دیتے۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی صاحبزادی کے بارے میں نکاح کا پیغام دیا جاتا تو آپ اس کے پردے کے پاس تشریف لاتے اور فرماتے کہ فلاں آدمی فلاں لڑکی کا ذکر کر رہا ہے' پھر تشریف لے جاتے اور نکاح پڑھا دیتے۔

حل لغات

''یَذْکُرُ'' صیغہ: واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ذکر کرنا' یاد کرنا' لیکن یہاں ''یذکر'' بہ معنی ''یَخْطُبُ'' ہے' یعنی نکاح کا پیغام دینا۔ ''خِدْر'' اس کا معنی ہے: پردہ' لیکن یہاں خلوت کی جگہ مراد ہے۔

نکاح کے لیے عاقل و بالغ لڑکی کی رضامندی ضروری ہے

ان دونوں احادیث میں ''یذکر'' بہ معنی ''یخطب'' ہے' جس کا واضح مطلب ہے: نکاح اور شادی کا پیغام دینا اور رشتہ مانگنا' مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر واضح لفظ کی بجائے ''یذکر'' فرمایا' اس طرح آپ نے کنایہ اور اشارہ سے بات سمجھا کر اپنی اُمت کو شرم و حیاء اور تہذیب و شائستگی کا سبق دیا اور لڑکیوں سے اجازت لینے کا یہ طریقہ نہایت مؤدب و مہذب اور مناسب و موزوں ہے' جو پیغامِ نکاح کے وقت بہت ہی ضروری ہے جبکہ واضح اور صاف الفاظ میں اجازت لینا شرم و حیاء' ادب و احترام اور حجاب کے منافی ہے۔

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

یہ احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ عاقل و بالغ کنواری لڑکی کو نکاح پر اس کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کیا جا سکتا' چنانچہ سنن ابوداؤد' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کی گئی ہے کہ ایک کنواری لڑکی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے آپ کو بتایا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح ایسے آدمی کے ساتھ کر دیا جسے وہ ناپسند کرتی ہے' سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دے دیا (چاہے تو اس نکاح پر راضی رہے' ورنہ انکار کر دے)۔

امام دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ ایک آدمی نے اپنی کنواری لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف کر دیا اور دوسرے نے اپنی شادی شدہ (مطلقہ یا بیوہ) کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف کر دیا تو آپ نے ان دونوں کے نکاح فسخ کر دیئے۔ اور صحیح مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور موطأ امام مالک میں ایک حدیث مروی ہے' جس میں رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بے شوہر عورت اپنے نفس پر اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے اس کے نفس کے بارے میں اجازت حاصل کی جائے اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے۔[شرح مسند امام اعظم ص ۱۵۳' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

٨- بَابُ تَجْهِيْزِ الْجِهَازِ لِلْعُرُوْسَةِ الْيَتِيْمَةِ

یتیم دلہن کے لیے ضروری سامانِ جہیز تیار کرنا

٢٦٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ عَائِشَةَ زَوَّجَتْ يَتِيْمَةً كَانَتْ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک یتیم لڑکی تھی' جس کی انہوں نے شادی کر دی تو

عِنْدَهَا فَجَهَّزَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهٖ. ابن ماجہ(١٩٠٠)مشکوٰۃ(٣١٥٤)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے اس کے جہیز کا سامان عطاء فرمایا۔

حل لغات

''جَهَّــزَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: سامان مہیا کرنا' سامان تیار کر دینا۔

یتیم اور غریب لڑکیوں کی شادی کے لیے مدد کرنا سنت نبوی ہے

اس حدیث سے واضح ہوا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یتیم لڑکی جس کا کوئی ولی اور وارث نہیں تھا اور بے سہارا تھی' پر رحمت وشفقت فرمائی اور خود بنفس نفیس اس یتیم لڑکی کا ضروری سامانِ جہیز تیار کر کے مہیا فرمایا اور اس طرح آپ نے اپنی اُمت کے سرمایہ دار اور امراء حضرات کو ضرورت مند ونادار اور بے سہارا یتیم بچیوں' نیز غریب ونادار لوگوں کی لڑکیوں کی شادیوں میں مالی امداد کرنے اور ضروری سامانِ جہیز مہیا کرنے کی ترغیب دی ہے' لہٰذا ضرورت مند لڑکیوں کی شادی کرانے کے لیے ضروری سامان جہیز مہیا کرنا' نہ صرف جائز ہے بلکہ سنت نبوی ہے' البتہ سامانِ جہیز جمع کرنے والے پیشہ ور لوگوں سے بچنا اور ہوشیار رہنا چاہیے کیونکہ یہ ظالم اور پیشہ ور لوگ ضرورت منداور غریب ونادار لوگوں کی بچیوں کا حق بھی مارتے ہیں اور ان کا اعتماد بھی ختم کر دیتے ہیں' لہٰذا تحقیق وتفتیش کے بعد ضرورت مند ونادار لڑکیوں کے لیے سامانِ جہیز مہیا کر کے سنتِ نبوی پر عمل کرتے ہوئے ان کی شادی کرا دینی چاہیے۔

٩- بَابُ اِسْتِيْمَارِ الْبِكْرِ وَاِسْتِيْذَانِ الثَّيِّبِ

کنواری سے رضامندی اور مطلقہ یا بیوہ سے اجازت حاصل کرنے کا بیان

٢٦٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ يَحْيٰى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ عَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ عِكْرِمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرَ وَرِضَاهَا سُكُوْتُهَا وَلَا تُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا تُزَوَّجُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرَ وَرِضَاهَا سُكُوْتُهَا وَلَا تُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرَ وَاِذَا سَكَتَتْ فَهُوَ اِذْنُهَا وَلَا تُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ.

بخاری(٥١٣٦)مسلم(٣٤٧٣)ابوداؤد(٢٠٩٤)ترمذی(١١٠٩)نسائی(٣٢٦٧)ابن ماجہ(١٨٧١)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کنواری لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ پہلے اس سے رضامندی حاصل کی جائے اور اس کی رضا اس کی خاموشی ہے اور مطلقہ اور بیوہ کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ پہلے اس سے واضح اجازت لی جائے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ کنواری لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ پہلے اس سے اس کی رضا حاصل کی جائے اور اس کی رضا اس کی خاموشی ہے اور مطلقہ اور بیوہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ کنواری کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہ کیا جائے اور جب وہ جواب میں خاموشی اختیار کر لے تو یہی اس کی طرف سے اجازت ہے اور مطلقہ اور بیوہ کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ پہلے اس سے اجازت لی جائے۔

حل لغات

''تُسْتَــاْمَرُ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل مضارع مجہول مثبت' باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: رائے طلب کرنا' مشورہ

طلب کرنا' حکم معلوم کرنا۔ ''اَلثَّيِّــبُ'' جس عورت کی بکارت عملِ زوجیت کی وجہ سے زائل ہو چکی ہو' یعنی جو عورت شادی شدہ رہ چکی ہو۔

کسی عاقل وبالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ عاقل وبالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت اور اس کی رضامندی کے بغیر نہیں ہو سکتا خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ یعنی مطلقہ یا بیوہ ہو کیونکہ عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے نفس کی خود مختار ہے' اس کو کوئی شخص خواہ اس کا ولی کیوں نہ ہو' اس کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور نہیں کر سکتے' البتہ اجازت اور رضامندی کی نوعیت میں فرق ہے' کنواری لڑکی کی خاموشی اور آنسوؤں سے رونا ہی اس کی طرف سے اجازت اور رضامندی ہے بشرطیکہ اس کا ولی یا ولی کا وکیل اجازت ورضامندی حاصل کرلے جبکہ مطلقہ اور بیوہ سے صریح اور واضح اجازت لینا ضروری ہے اور معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے احناف کے نزدیک عاقلہ بالغہ کنواری لڑکی کو نکاح کے لیے مجبور کرنا جائز نہیں جبکہ امام شافعی کے نزدیک مجبور کیا جا سکتا ہے' دراصل احناف کے نزدیک بلوغ اور صغر کا ہونا معتبر ہے' اس لیے ہمارے ہاں بالغ وعاقل لڑکی کے نکاح کے لیے اس کی اجازت شرط اور ضروری ہے' اسے کسی صورت میں اس کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا' البتہ بالغہ مجنونہ ہو تو پھر اس کی اجازت شرط نہیں اور صغیرہ یعنی نابالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر اس کا ولی ہی کر سکتا ہے' خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو جبکہ امام شافعی کے نزدیک باکرہ اور ثیبہ ہونا معتبر ہے' لہٰذا ان کے نزدیک باکرہ کی اجازت شرط اور ضروری نہیں' خواہ بالغ ہو یا نابالغ' اس کا ولی اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح جہاں چاہے کر سکتا ہے اور ثیبہ کی اجازت ضروری ہے خواہ بالغ ہو یا نابالغ ہو۔

١٠- بَابُ تَفْرِيْقِ النِّكَاحِ عِنْدَ كِرَاهَةِ الْمَرْاَةِ

عورت کے ناپسند کرنے پر نکاح کی تفریق

٢٦٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَاَةً تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا ثُمَّ جَاءَ عَمُّ وَلَدِهَا فَخَطَبَهَا فَاَبَى الْاَبُ اَنْ يُّزَوِّجَهَا وَزَوَّجَهَا مِنَ الْاٰخَرِ فَاَتَتِ الْمَرْاَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهٗ فَبَعَثَ اِلٰى اَبِيْهَا فَحَضَرَ فَقَالَ مَا تَقُوْلُ هٰذِهٖ قَالَ صَدَقَتْ وَلٰكِنِّيْ زَوَّجْتُهَا مِمَّنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَزَوَّجَهَا عَمَّ وَلَدِهَا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا' پھر (عدت ختم ہونے کے بعد) اس کا دیور اس کے پاس آیا اور اسے نکاح کا پیغام دیا لیکن اس عورت کے باپ نے دیور کے ساتھ اس کی شادی کرنے سے انکار کر دیا اور اس نے اپنی اس بیٹی کا نکاح کسی اور آدمی سے کر دیا' سو وہ عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے سارا واقعہ ذکر کر دیا۔ آپ نے اس کے والد کو بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا تو وہ حاضر ہو گیا' اور آپ نے فرمایا: یہ کیا کہہ رہی ہے؟ اس نے کہا: یہ سچ کہتی ہے' لیکن میں نے اس کا نکاح ایسے آدمی سے کیا ہے جو اس کے دیور سے بہتر ہے' سو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور اس عورت کا نکاح اس کے دیور سے کر دیا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اَسْمَاءَ خَطَبَهَا عَمُّ وَلَدِهَا وَرَجُلٌ اٰخَرُ اِلٰى اَبِيْهَا فَزَوَّجَهَا مِنَ الرَّجُلِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت میں یوں ہے کہ حضرت اسماء نامی ایک عورت کے دیور نے اسے نکاح کا پیغام دیا اور

فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَكَتْ ذٰلِكَ اِلَيْهِ فَنَزَعَهَا مِنَ الرَّجُلِ وَزَوَّجَهَا عَمَّ وَلَدِهَا.

ایک دوسرے آدمی نے بھی اس کے والد کے پاس اس عورت سے نکاح کرنے کا پیغام بھیج دیا تو اس کے والد نے اس کا نکاح دوسرے آدمی سے کر دیا۔ سو یہ عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے اس کی شکایت کی' چنانچہ آپ نے اس عورت کو اس آدمی سے چھڑوایا اور اس کے دیور سے اس کا نکاح کر دیا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ امْرَاَةً تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا فَخَطَبَهَا عَمُّ وَلَدِهَا فَزَوَّجَهَا اَبُوْهَا بِغَيْرِ رِضَاهَا مِنْ رَّجُلٍ اٰخَرَ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهٗ فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَزَوَّجْتَهَا بِغَيْرِ رِضَاهَا قَالَ زَوَّجْتُهَا مِمَّنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ فَفَرَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ زَوْجِهَا وَزَوَّجَهَا مِنْ عَمِّ وَلَدِهَا.

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا تو اس کے دیور نے اسے نکاح کا پیغام دیا لیکن اس عورت کے والد نے اس کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح دوسرے آدمی سے کر دیا تو یہ عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور آپ سے یہ سارا واقعہ ذکر کر دیا اور نبی کریم ﷺ نے اس کے والد کو بلا کر فرمایا: کیا تم نے اس کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر کر دیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس کا نکاح اس کے دیور سے بہتر آدمی سے کر دیا ہے' سو نبی کریم ﷺ نے اس عورت کے اور اس کے دوسرے خاوند کے درمیان تفریق کر دی (ایک دوسرے سے الگ کر دیا) اور اس عورت کا نکاح اس کے دیور سے کر دیا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ امْرَاَةً تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَلَهَا مِنْهُ وَلَدٌ فَخَطَبَهَا عَمُّ وَلَدِهَا اِلٰى اَبِيْهَا فَقَالَتْ زَوِّجْنِيْهِ فَاَبٰى وَزَوَّجَهَا مِنْ غَيْرِهٖ بِغَيْرِ رِضًى مِّنْهَا فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهٗ فَسَاَلَهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ نَعَمْ زَوَّجْتُهَا مِنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْ عَمِّ وَلَدِهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَزَوَّجَهَا مِنْ عَمِّ وَلَدِهَا. ابوداؤد(٢٠٩٦) نسائی(٣٢٧٠) ابن ماجہ(١٨٧٥) دارقطنی (ج٣ ص٢٣٤)

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت کا شوہر فوت ہو گیا اور اس کا اس شوہر سے ایک بیٹا بھی تھا تو اس عورت کے دیور نے اس کے والد کے پاس اس سے نکاح کا پیغام بھیجا تو اس عورت نے (اپنے والد سے) کہا کہ میرا اس سے نکاح کر دیجئے' لیکن اس نے انکار کر دیا اور اس کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر کسی اور آدمی سے کر دیا' چنانچہ یہ عورت نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور یہ سارا واقعہ آپ سے ذکر کر دیا اور آپ نے اس کے والد سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: جی ہاں! (یہ سچ کہتی ہے' لیکن) میں نے اس کا نکاح اس کے دیور سے زیادہ بہتر آدمی کے ساتھ کر دیا ہے' سو آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور اس کا نکاح اس کے دیور کے ساتھ کر دیا۔

حل لغات

"تُوُفِّيَ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی مجہول' باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے: فوت ہو جانا' وفات پا جانا' مر جانا۔ "خَطَبَ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: نکاح کا پیغام دینا' منگنی کرنا۔ "فَرَّقَ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: تفریق کرنا' ایک دوسرے سے جدا کرنا۔

عاقل و بالغ لڑکی کو اس کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا

جاننا چاہیے کہ ہمارے (احناف) اور شوافع کے درمیان یہاں دو مسائل میں اختلاف ہے:

(١) ایک یہ ہے کہ عاقل و بالغ عورت کو اپنے نفس پر نکاح کا اختیار حاصل ہے یا نہیں اور اگر وہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس کا نکاح منعقد ہو گا یا نہیں؟

(٢) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آیا ولی عاقلہ بالغہ کنواری لڑکی کو نکاح پر مجبور کر سکتا ہے یا نہیں؟

پہلے مسئلہ میں امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ عورت کو اپنے نفس پر از خود اختیار حاصل نہیں' اگر وہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس کا نکاح منعقد نہیں ہو گا اور ہمارے نزدیک عاقلہ بالغہ عورت کو اپنے نفس پر مکمل اختیار حاصل ہے' لہٰذا اس کا اپنا کیا ہوا نکاح منعقد ہو جائے گا' شوافع کے دلائل درج ذیل ہیں:

(١) قرآن مجید میں ہے: "فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ" (ترجمہ:) تم ان عورتوں کو ہونے والے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع نہ کرو۔ شوافع کے نزدیک اس آیت میں عورتوں کے ولیوں (یعنی سربراہوں) کو خطاب کر کے نکاح روکنے سے منع کیا گیا ہے' لہٰذا اگر عورتوں کے نکاح کا اختیار ولیوں کو حاصل نہ ہوتا تو انہیں منع کیوں کیا جاتا' پس ثابت ہو گیا کہ ولیوں کو اپنی عورتوں کے نکاح کا مکمل اختیار حاصل ہے' جہاں چاہیں نکاح کر دیں' عورتوں کو دخل دینے یا احتجاج کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

(٢) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس کا نکاح باطل ہے' اس کو تین بار فرمایا۔ اس حدیث کو ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

(٣) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ "لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ" یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔ [رواہ الترمذی وغیرہ]

(٤) حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیث کو امام دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح جائز نہیں۔

(٥) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور کوئی عورت اپنا نکاح نہ کرے کیونکہ جو عورت اپنا نکاح خود کرتی ہے وہ زانیہ ہے۔ [رواہ ابن ماجہ]

اور شوافع کی عقلی دلیل یہ ہے کہ چونکہ نکاح کے مقاصد میں نسل انسانی کی بقاء اور بیوی بچوں کی صحیح تربیت اور ان کے حقوق کی تکمیل شامل ہے' لہٰذا عورت کو نکاح کرنے کا اختیار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ ناقص عقل ہوتی ہے' جلد دھوکہ کھا سکتی ہے اور غلط انتخاب کر سکتی ہے۔

احناف کے جوابات و دلائل کا بیان

(١) آیت کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ولیوں کو خطاب نہیں ہے بلکہ سابق شوہروں کو خطاب ہے کہ تم اپنی مطلقہ عورتوں کو دوسری جگہ نکاح کرنے سے منع نہ کرو' چنانچہ اس سے پہلے اسی آیت کے شروع میں ارشاد ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا　اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر

تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (البقرة:٢٣٢) لیس تو تم ان کو نئے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو۔

(٢) حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرة:٢٣٠) یہاں تک کہ وہ عورت پہلے خاوند کے علاوہ دوسرے ہونے والے شوہر سے نکاح کر لے۔

اس آیت میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے' جو اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح کا اختیار عورت کو حاصل ہے۔

(٣) فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرة:٢٣٤) جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم پر اس کام میں کوئی گرفت نہیں ہوگی جو وہ عورتیں اپنے بارے میں شریعت کے مطابق خود فیصلہ کریں۔

اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ عورتیں اپنے نکاح کے بارے میں خود مختار ہیں۔

باقی رہیں شوافع کی طرف سے پیش کردہ احادیث تو ان کے جوابات درج ذیل ہیں:

(١) ایک جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں بعض ضعیف بھی ہیں اور مجہول بھی ہیں۔

(٢) دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان احادیث میں کمال کی نفی ہے' صحت کی نہیں' یعنی ولی کی اجازت کے بغیر ان کا نکاح تو صحیح ہوگا' البتہ کامل نہیں ہوگا۔

(٣) ان احادیث میں نابالغ بچیاں اور بالغ غیر عاقل یعنی مجنونہ لڑکیاں مراد ہیں کہ ان کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں بلکہ ولی ہی ان کا نکاح کرے گا۔ شوافع کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ تصرف واختیار کا مدار بلوغ پر ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (النساء:٦) تم یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر' یعنی بالغ ہونے کی عمر کو پہنچ جائیں۔

البتہ غیر کفو میں نکاح کرنے کی صورت میں ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہے کیونکہ عورت میں سوءِ تدبیر اور اختیارِ بد کا اندیشہ ہے کہ وہ کم ظرف اور کمین و گھٹیا قوم میں نکاح کر لے جو اس کے خاندان کے لیے اور قوم و برادری کے لیے باعثِ عار و شرمندگی اور ذلت ورسوائی کا سبب بن جائے جبکہ اپنی قوم و برادری اور عزیز واقارب میں یہ بات نہیں ہوتی۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ شوافع کے مذہب میں ولی عاقلہ بالغہ کنواری لڑکی کو نکاح پر مجبور کر سکتا ہے لیکن ہمارے (احناف کے) نزدیک ولی ایسا نہیں کر سکتا' دراصل شوافع کے مذہب میں ولایت واجبار کا مدار بکارت پر ہے جبکہ ہمارے نزدیک ولایت واجبار کا مدار صغر و بچپن اور عدم بلوغت ہے۔

[ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ١٣٣' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

صحیح مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور موطأ امام مالک میں مرفوع حدیث مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَّلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِيْ نَفْسِهَا وَاِذْنُهَا صِمَاتُهَا. مطلقہ اور بیوہ عورت اپنی ذات پر اپنے ولی (سربراہ) سے زیادہ حق رکھتی ہے اور کنواری سے (نکاح کے لیے) اس کی ذات کے بارے میں اجازت مانگی جائے اور اس کا خاموش رہنا اس کی طرف سے اجازت ہے۔

اور کلام کا ماحصل یہ ہے کہ یہاں گفتگو بڑی عورت (یعنی عاقلہ بالغہ) کے بارے میں ہے خواہ وہ کنواری ہو یا ثیبہ یعنی مطلقہ یا بیوہ ہو' اس کے نکاح کے لیے اس کی اجازت و رضامندی شرط ہے لیکن ثیبہ کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے' باقی رہی باکرہ (کنواری) تو سنن ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک کنواری لڑکی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے آپ کو بتایا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح ایسے آدمی کے ساتھ کر دیا ہے جسے وہ ناپسند کرتی ہے' سو نبی کریم ﷺ نے اس کو اختیار دے دیا (چاہے اس پر راضی ہو جائے اور چاہے تو انکار کر دے) اور یہ حدیث صحیح ہے' جیسا کہ علامہ امام ابن الہمام نے اس کی تصریح کر دی ہے' نیز علامہ ابن القطان نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح ہے اور یہ لڑکی خنساء بنت حزام نہیں ہے جس کے والد نے اس کا ایسے آدمی سے نکاح کر دیا جس کو یہ ناپسند کرتی تھی اور نبی کریم ﷺ نے اس کا نکاح ختم کر دیا تھا کیونکہ یہ لڑکی باکرہ (کنواری) ہے جبکہ خنساء بنت حزام ثیبہ تھی۔ اور ایک روایت کے مطابق خنساء بنت حزام بھی باکرہ تھی' چنانچہ امام نسائی نے سنن نسائی میں حدیث بیان کی ہے' جس میں مذکور ہے کہ یہ باکرہ یعنی کنواری تھیں' لیکن بخاری کی روایت کو ترجیح دی جاتی ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ خنساء نام کی متعدد عورتیں ہوں۔

علامہ ابن القطان نے کہا ہے کہ ثیبہ اور باکرہ دونوں کے لیے مکمل اختیار کے ثبوت کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ثیبہ اور باکرہ دونوں کے وہ نکاح رد کر دیئے تھے جو ان کے والدین نے ان کی مرضی اور پسند کے خلاف کیے تھے۔ [شرح مسند امام اعظم للملا علی قاری ص ٣٨٨-٣٨٧' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

١١ - بَابٌ جَمْعُ الْمَرْاَةِ مَعَ عَمَّتِهَا وَخَالَتِهَا مَمْنُوْعٌ

عورت کو اپنی پھوپھی اور خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع کرنا ممنوع ہے

٢٦٨- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُزَوَّجُ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا وَخَالَتِهَا.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کسی عورت کو اس کی پھوپھی اور خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔

٢٦٩- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُنْكَحُ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا وَلَا عَلٰى خَالَتِهَا وَلَا تُنْكَحُ الْكُبْرٰى عَلَى الصُّغْرٰى وَلَا الصُّغْرٰى عَلَى الْكُبْرٰى.

حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم' یہ دونوں صحابہ کرام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی عورت کا اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ پر نکاح نہ کیا جائے اور بڑی (پھوپھی اور خالہ) کا چھوٹی (بھتیجی اور بھانجی) پر نکاح نہ کیا جائے اور نہ چھوٹی کا بڑی پر نکاح کیا جائے۔

بخاری (٥١٠٨) مسلم (٣٤٤٠) ابوداؤد (٢٠٦٥) ترمذی (١٢٦٦) نسائی (٣٢٩٧) ابن ماجہ (١٩٢٩)

مذکورہ بالا ممانعت کی توضیح

ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بھتیجی کو پھوپھی کے ساتھ اور بھانجی کو خالہ کے ساتھ ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے' اسی طرح اس کے برعکس پھوپھی کو بھتیجی کے ساتھ اور خالہ کو بھانجی کے ساتھ ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے اور یہاں نفی کو محض تاکید کی خاطر مکرر ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ وہم دفع ہو جائے کہ جس طرح آزاد عورت کا نکاح لونڈی کی موجودگی میں اس کے خاوند کے ساتھ جائز ہے کہ آزاد عورت کو لونڈی پر ایک درجہ فضیلت و برتری حاصل ہے لیکن اس کا

برعکس جائز نہیں' اسی طرح شاید پھوپھی کا نکاح بھتیجی کی موجودگی میں اس کے خاوند کے ساتھ جائز ہو اور خالہ کا نکاح بھانجی کی موجودگی میں اس کے خاوند کے ساتھ جائز ہو' کیونکہ پھوپھی کو بھتیجی پر اور خالہ کو بھانجی پر ایک درجہ فضیلت و برتری حاصل ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتوں کو ایک شخص کے نکاح میں یا ایک شخص کی وطی میں جمع کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے کہ جب ان میں سے کسی ایک کو مرد فرض کیا جائے تو دوسری اس کے لیے حلال و جائز نہ رہے بلکہ حرام ہو جائے' سو اس لیے بھتیجی اور پھوپھی' نیز بھانجی اور خالہ کو آزاد ہونے کی صورت میں ایک شخص کے نکاح میں اور لونڈی ہونے کی صورت میں ایک شخص کی وطی اور جماع میں جمع کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ اور امام مسلم' امام ترمذی' امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ بڑی کا چھوٹی پر اور چھوٹی کا بڑی پر نکاح نہ کیا جائے۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۲۵۶-۲۵۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

۱۲ - بَابُ حُرْمَةِ الْمُتْعَةِ

متعہ (عارضی نکاح) کی حرمت کا ثبوت

۲۷۰- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ.

مسلم(۳۴۲۶) ابوداؤد(۲۰۷۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔

۲۷۱- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنِ الْمُتْعَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن متعہ سے منع فرمادیا۔

۲۷۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمادیا۔

۲۷۳- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ رَّجُلٍ مِّنْ اٰلِ سَبْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَامَ الْفَتْحِ.

حضرت ابن شہاب' آل سبرہ کے ایک آدمی سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرما۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ فتح کے سال منع فرمادیا۔

۲۷۴- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ يُّوْنُسَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ رَّبِيْعِ بْنِ سَبْرَةَ الْجُهَنِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ عَامَ الْحَجِّ. وَفِيْ رِوَايَةٍ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ الْفَتْحِ. مسلم(۳۴۲۷)

حضرت ربیع بن سبرہ الجہنی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح کے دن عورتوں سے متعہ کرنے سے منع فرمادیا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے سال متعہ سے منع فرمایا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح کے دن عورتوں سے متعہ کی ممانعت فرمائی۔

۲۷۵- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ غَزْوَةِ خَيْبَرَ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَعَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گھر کے پالتو گدھوں کے گوشت اور عورتوں سے متعہ کرنے سے منع فرمادیا۔

بخاری(۵۱۱۵) مسلم(۳۴۳۱) ترمذی(۱۱۲۱) نسائی(۳۳۶۸) ابن ماجہ(۱۹۶۱)

حل لغات

''نَهٰى'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: منع کرنا' روکنا۔ ''اَلْمُتْعَةُ'' اس کا معنی ہے: فائدہ اٹھانا' لطف اندوز ہونا' یہاں اس سے مراد ہے: محدود ایام کے لیے مقررہ رقم کے عوض عورت سے فائدہ حاصل کرنا اور لطف ولذت اندوز ہونا۔

حرمت کی تحقیق

متعہ کا مطلب ہے: کسی معین مدت تک باہمی رضامندی سے معین ومقرر رقم کے عوض محض شہوت رانی کی خاطر عارضی نکاح کرنا' چونکہ شرعی نکاح کی طرح اس سے توالد وتناسل اور گھرداری کا نظام چلانا مقصود نہیں ہوتا' اس لیے اس میں طلاق' عدت' وراثت اور نان ونفقہ نہیں ہوتا۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں کہ متعہ کے متعلق صحیح مسلم میں مختلف روایات ہیں' اس میں ایک روایت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر کے دن متعہ کی ممانعت کردی اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فتح مکہ کے دن متعہ کی ممانعت کردی۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ سے اباحتِ متعہ کے متعلق احادیث مروی ہیں' چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' حضرت جابر' حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہم سے اباحت متعہ کے بارے میں احادیث مروی ہیں لیکن کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ وطن میں مقیم لوگوں کو متعہ کی اجازت دی گئی ہو بلکہ ان تمام احادیث میں یہ ہے کہ متعہ کی اجازت مجاہدین کو سفر میں دی گئی تھی' جہاں ان صحابہ کرام کی عورتیں موجود نہیں تھیں جبکہ وہ گرم علاقے تھے اور عورتوں کے بغیر ان کا رہنا مشکل ہو گیا تھا' اس سبب سے جہاد کے مواقع پر ضرورت کی بناء پر متعہ کی اجازت دی گئی اور حضرت ابن عمر کی روایت میں یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں ضرورت کی بناء پر متعہ کی اجازت تھی جیسے ضرورت کے وقت مردار کا کھانا مباح ہو جاتا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے موقع پر (صرف تین دن کے لیے) متعہ کی اباحت روایت کی ہے' اسی طرح حضرت سبرہ بن معبد نے روایت کیا ہے اور انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ اسی دن سے متعہ حرام کردیا گیا' حضرت علی کی روایت میں فتح مکہ سے پہلے جنگ خیبر کے دن حرمتِ متعہ کی روایت بیان کی گئی ہے۔ اسحاق بن راشد نے امام زہری سے روایت کی ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر متعہ کو حرام کیا گیا' موطأ امام مالک میں جنگ خیبر کے دن حرمت کی روایت ہے اور سنن ابوداؤد میں حجۃ الوداع کے وقت ممانعت کی روایت ہے' تاہم صحیح یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر متعہ کو قیامت تک کے لیے حرام کردیا گیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے اس کی حرمت کو تاکید کی بناء پر محض دہرایا ہے۔ دراصل صحیح اور صواب یہ ہے کہ متعہ کی تحریم اور اباحت دوبار واقع ہوئی ہے۔ خیبر سے پہلے مباح تھا' پھر خیبر کے موقع پر حرام کیا گیا' پھر فتح مکہ کے دن مباح کیا گیا اور یہی یومِ اوطاس ہے' پھر قیامت تک کے لیے متعہ حرام کردیا گیا اور اس کی حرمت قائم ودائم ہے۔ علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ متعہ میں ایک مدت تک کے لیے عقد ہوتا ہے' اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی اور بغیر طلاق کے اس میں انقطاع ہو جاتا ہے اور سوائے شیعہ کے تمام علمائے اسلام کا اجماع ہے کہ متعہ حرام ہے۔ حضرت ابن عباس سے متعہ کی اباحت منقول ہے' لیکن ان سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے اپنے فتویٰ سے رجوع کرلیا۔

صحیح مسلم میں حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے متعدد اسانید کے ساتھ یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر قیامت تک کے لیے متعہ حرام کردیا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ ہم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے عہد میں متعہ کیا ہے' یہ اس

پر محمول ہے کہ ان تک حرمت متعہ کے احکام نہیں پہنچے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی اچھی طرح تبلیغ کرنے کے بعد متعہ کی حرمت اور ممانعت پر سختی سے عمل کرایا اور بدکاری کے ارتکاب کے لیے اس چور دروازے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

[شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۷۹۷' فرید بک سٹال لاہور]

۱۳- بَابُ الْعَزْلِ

عزل کا بیان

۲۷۶- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ سُئِلَ عَنِ الْعَزْلِ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ اَنَّ شَيْئًا اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَهٗ اُسْتُوْدِعَ صَخْرَةً لَّخَرَجَ.

حضرت اسود بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے عزل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے کسی ایسی چیز کو پیدا کرنے کا عہد کر رکھا ہے جو کسی پتھر میں امانتاً رکھی گئی ہے تو وہ ضرور نکلے گی۔

ابن ماجہ (۸۹) ابن حبان (۴۱۹۴)

حل لغات

''عَزْلٌ'' کا لغوی معنی علیحدگی ہے اور یہاں بیوی کے ساتھ جماع کرتے ہوئے بہ وقتِ انزال منی کو زنانہ شرمگاہ سے باہر نکال دینا ہے۔ ''اُسْتُوْدِعَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول مثبت' باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: کوئی چیز امانت رکھوانا۔
''صَخْرَةٌ'' اس کا معنی ہے: پتھر۔

عزل کے لغوی اور اصطلاحی معانی

عزل کا لغوی معنی ہے: علیحدہ کرنا' جدا کرنا' الگ کرنا اور اصطلاح میں عزل کا معنی ہے کہ مرد کا عورت سے جماع کرتے ہوئے انزال کے وقت اپنا آلۂ تناسل عورت کی شرمگاہ سے نکال کر منی باہر نکال دینا تاکہ حمل قائم نہ ہو۔

تنگیٔ رزق کی بناء پر عزل یا ضبطِ تولید ناجائز ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ○ (الاسراء: ۳۱)

تم تنگیٔ رزق کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو' ان کو اور تم کو ہم رزق دیتے ہیں' بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے ○

موجودہ دور میں ضبطِ تولید اور خاندانی منصوبہ بندی کے جو طریقے رائج ہیں' ان میں سے اگرچہ کوئی طریقہ بھی قتل ولد کی تعریف میں نہیں آتا کیونکہ ولد تو نطفہ کے استقرار کے نو ماہ بعد وجود میں آتا ہے اور ضبطِ تولید کا عمل استقرارِ نطفہ کے وقت کیا جاتا ہے' جب ولد کا کسی قسم کا وجود نہیں ہوتا' پس جب ولد ہی نہیں ہے تو قتل ولد کا تحقق کیسے ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ نے قتل ولد کی حرمت کی جو علت بیان کی ہے وہ تنگیٔ رزق کا ڈر ہے' پس جو شخص ضبطِ تولید کا عمل تنگیٔ رزق کی بناء پر کرتا ہے' اس کا یہ فعل بلاشبہ حرام ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قتلِ اولاد کو حرام کرنے کی یہی علت بیان فرمائی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کرنے والے' ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کو کم کرنے کے لیے' تنگیٔ رزق سے ڈر کر ضبطِ تولید کی ترویج کرتے ہیں اور ان کے تمام تر اشتہارات اور ترغیبات کا حاصل یہی ہوتا ہے کہ بچے کم ہوں گے تو خوشحال گھرانہ ہوگا اور یہ فکر قرآن مجید کے بیان کردہ حکم کے یکسر خلاف ہے۔

عزل یا ضبطِ تولید کی جائز وجوہات

عزل کی ایک وجہ تو یہی ہے جس کا سطورِ بالا میں ذکر کیا گیا اور یہ قرآن مجید کی رو سے حرام ہے۔ دوسری وجہ ہے: عورت کی بیماری' کیونکہ بعض صورتوں میں عورت کو ایامِ حمل میں اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ وہ ہلاکت کے قریب پہنچ جاتی ہے' تیسری وجہ ہے: بچے کا پیٹ میں آڑا ہونا یا ہڈی کا تنگ ہونا' جس کی وجہ سے بچہ آپریشن کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے اور دو یا تین بار کے بعد مزید آپریشن کی گنجائش نہیں رہتی' اس کے بعد عورت کے بیضہ والی نس کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے اور یہ بھی ضبطِ تولید کا ایک طریقہ ہے اور چوتھی وجہ دودھ پینے والے بچے کی تربیت اور اس کی نگہداشت میں خلل واقع ہونا' کیونکہ اگر گھر میں صرف ایک عورت ہے جو بچہ کو دودھ پلا رہی ہے اور نو دس ماہ کے بعد اس کے ہاں ایک اور بچہ ہو جائے تو وہ دونوں بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش صحیح نہیں کر سکتی' اس لیے ان کے درمیان وقفہ ہونا چاہیے۔ یہ چاروں وجہیں جائز ہیں اور ان صورتوں میں عزل بھی کیا جا سکتا ہے اور ضبطِ تولید کے کسی بھی طریقے پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ [شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۸۷۹-۸۷۸' مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار' لاہور]

۱۴- بَابُ جَوَازِ جِمَاعِ النِّسَآءِ مِنْ كُلِّ جِهَةٍ مِّنْ غَيْرِ الدُّبُرِ

پچھلی شرمگاہ کو چھوڑ کر ہر طرف سے عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کا جواز

۲۷۷- حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَنْ اَبِی الْهَیْثَمِ عَنْ یُوْسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ امْرَاَةً اَتَتْهَا فَقَالَتْ اِنَّ زَوْجِیْ يَاْتِيْنِیْ مُجْبِيَةً وَّمُسْتَقْبِلَةً فَكَرِهْتُهٗ فَبَلَغَ ذٰلِكَ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا بَاْسَ اِذَا كَانَ فِیْ صِمَامٍ وَّاحِدٍ.

نبی کریم ﷺ کی زوجہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرا خاوند میرے پہلو سے اور میرے سامنے سے آتا ہے (یعنی جماع کرتا ہے)' سو میں اس کے اس فعل کو ناپسند کرتی ہوں' پس جب یہ خبر نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ ایک ہی سوراخ میں ہو۔

مسلم (۳۵۳۷) ابوداؤد (۲۱۶۴) ترمذی (۲۹۷۹) ابن ماجہ (۱۹۲۵)

حل لغات

''مُجْبِيَةٌ'' اس کا معنی ہے: پہلو جانب۔ ''مُسْتَقْبِلَةٌ'' سامنے سے آنا۔ ''كَرِهْتُ'' صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف' باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کو ناپسند کرنا۔ ''صِمَامٌ'' بہ معنی سوراخ ہے۔

بیوی کے ساتھ جماع کی جائز صورتیں

جامع ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں تو ہلاک ہو گیا کیونکہ آج رات میں نے اپنی سواری کی سمت و جہت تبدیل کر لی تھی (اگلی طرف سے آنے کی بجائے پچھلی طرف سے آ کر اگلی شرمگاہ میں جماع کر لیا)' سو انہوں نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وحی فرمائی:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ. (البقرہ: ۲۲۳)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں' سو تم جس طرح چاہو اپنی کھیتیوں میں آؤ۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی بیوی کے پاس سامنے سے آؤ اور اس کے پیچھے سے آؤ لیکن تم دبر (پچھلی شرمگاہ) اور حیض سے دور رہو اور اس سے بچو۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۵۵۲-۵۵۱ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

علامہ ابوالبرکات نسفی لکھتے ہیں:

''نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ'' تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں' یعنی تمہارے لیے کھیتی باڑی کرنے کی جگہیں ہیں اور یہ مجاز ہے' ان کو کھیتیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ان کے رحموں کے اندر جو نطفہ ڈالا جاتا ہے جس سے نسل پیدا ہوتی ہے' اس کو زمین میں بیج بونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس سے پہلے ارشاد ''فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ'' کی توضیح وتشریح اور اس کا بیان ہے' یعنی بے شک وہ مقام جہاں آنے کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے' وہ فقط حرث (کھیتی) کا مقام ہے فرث (گوبر) کا مقام نہیں ہے اور یہاں تنبیہ کی گئی ہے کہ بیویوں کے پاس جانے کا اصل مقصد اولاد اور نسل کی طلب ہے' شہوت وخواہش کی تکمیل کرنا نہیں' لہٰذا تم ان کے پاس اسی جگہ میں جاؤ جہاں یہ مقصد پورا ہوتا ہے۔ ''فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ'' سو تم جس طرح چاہو اپنی کھیتیوں میں آؤ' یعنی تم اپنی بیویوں سے جماع کرو جس وقت چاہو جیسے چاہو پچھلی طرف سے یا سیدھا لٹا کر یا پہلو پر لٹا کر بشرطیکہ جماع کی جگہ ایک ہو اور وہ کھیتی کی جگہ (اگلی شرمگاہ) ہے اور یہ ایک تمثیل ہے' یعنی جس طرح تم اپنی اراضی میں بیج بونے کے ارادے سے جس طرف سے چاہتے ہو' آتے ہو اور کوئی سمت تمہارے لیے ممنوع نہیں ہوتی' اسی طرح تم اپنی بیویوں کے پاس جا سکتے ہو۔ [تفسیر مدارک التنزیل' مترجم' ج ۱ ص ۲۲۹-۲۲۸ 'فرید بک سٹال' لاہور]

۱۵- بَابُ حُرْمَةِ وَطْيِ الْمَرْأَةِ فِيْ دُبُرِهَا
عورت کی دبر میں جماع کرنا حرام ہے

۲۷۸- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ حَمِيْدِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِتْيَانُ النِّسَاءِ نَحْوَ الْمَحَاشِّ حَرَامٌ.

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عورت کی پچھلی شرمگاہ میں بدفعلی کرنے کے لیے اس کے پاس آنا حرام ہے۔

ترمذی (۱۱۶٤) مسند احمد (ج ۱ ص ۸٦)

حل لغات

''اِتْيَانٌ'' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ کا مصدر ہے' اس کا معنی ہے: آنا' لیکن یہاں عورتوں کے پاس مخصوص عملِ زوجیت کے لیے آنا مراد ہے۔ ''مَحَاشٌّ'' اس کی شین مشدد ہے اور یہ ''مَحَشَّةٌ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: دُبر' یعنی پچھلی شرمگاہ۔

لواطت کی مذمت

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اُمت میں سے جو شخص قومِ لوط جیسا عمل کرے گا' اللہ تعالیٰ اس شخص کو انہیں لوگوں کی طرف منتقل کر دے گا یہاں تک کہ قیامت کے روز اس شخص کو انہیں لوگوں کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔ [رقم الحدیث:۱۳۱۱٦]

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے عورتوں یا مردوں کی پچھلی شرمگاہ میں بدفعلی کی' اس نے یقیناً کفر کیا (یا اس نے ناشکری کی)۔ [رقم الحدیث:۱۳۱۲۳]

(۳) انہیں سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص اپنی بیوی کی پچھلی شرمگاہ میں بدفعلی کرے گا تو اللہ تعالیٰ

قیامت کے دن اس کی طرف نظرِ رحمت سے ہرگز نہیں دیکھے گا۔ [رقم الحدیث:۱۳۱۲۴]

(۴) حضرت ابوصخرہ جامع بن شداد رحمۃ اللہ علیہ مرسل حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں لواطت کرنے والے بدکردار' لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرنے سے چالیس سال پہلے اپنی عورتوں کے ساتھ بدفعلی کرتے رہے تھے۔

[رقم الحدیث:۱۳۱۳۱]

(۵) امام محمد باقر رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت علی اوسط امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی وساطت سے اپنے دادا امام حسین بن حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس شخص نے قومِ لوط کے عمل کو پسند کیا خواہ وہ بدکار ہو یا نیکوکار ہو' سو وہ بھی اسی شخص کی طرح ہے جس نے قومِ لوط کے عمل جیسا بدفعلی کا عمل کیا۔ [رقم الحدیث:۱۳۱۳۲]

(٦) مسند عثمان رضی اللہ عنہ میں حضرت سالم بن عبد اللہ' حضرت ابان بن عثمان اور حضرت زید بن حسین رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ حضرت عثمان کے پاس ایک آدمی کو پیش کیا گیا جس نے ایک قریشی لڑکے کے ساتھ بدفعلی کی تھی' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا یہ آدمی شادی شدہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ نکاح تو کیا ہے لیکن رخصتی نہ ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ دخول نہیں کیا' اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ اگر یہ آدمی اپنی بیوی کے ساتھ دخول کر لیتا تو اس پر رجم (یعنی سنگسار) کرنا واجب ہو جاتا لیکن جب اس نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول نہیں کیا تو اس کو کوڑے مارنے کی سزا دو۔ یہ بات سن کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہی فرماتے ہوئے سنا ہے جس کا ابوالحسن نے ذکر کیا ہے' چنانچہ حضرت عثمان نے اس آدمی کو کوڑے مارنے کی سزا کا حکم دیا۔ [رقم الحدیث:۱۳٦۳۸]

(۷) مسند علی رضی اللہ عنہ میں حضرت محمد بن منکدر سے مروی ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ عرب کے بعض اطراف میں ایک آدمی (لڑکے کے ساتھ) جماع کرتے ہوئے پایا گیا جیسا کہ عورتوں کے ساتھ جماع کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے بعض صحابہ کرام کو اس مسئلہ کے حل کے لیے جمع کیا جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شامل تھے اور اس مسئلہ پر سب سے زیادہ سخت گفتگو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تھی' آپ نے فرمایا: یہ ایک ایسا گناہ ہے کہ تمام اُمتوں میں سے ماسوا ایک اُمت کے اس کام کا کسی نے ارتکاب نہیں کیا' سو تم اس پر ایسی سزا کا فیصلہ کرو جس کو تم سب سے زیادہ سخت جانتے ہو اور میری رائے یہ ہے کہ اس آدمی کو آگ میں جلا دو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے حضرت خالد بن ولید کو لکھا کہ تم اس آدمی کو آگ میں جلا دو۔ [رقم الحدیث:۱۳٦۳۹]

(۸) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قومِ لوط میں سے جنہوں نے اس بدفعلی کا ارتکاب کیا تھا وہ صرف تیس افراد سے کچھ زیادہ تھے لیکن ان کی تعداد چالیس افراد سے بہرحال کم تھی لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے (مسلمانوں کے سوا) سب کو ہلاک کر دیا اور اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہو اور بُرائی سے منع کرتے رہو' ورنہ تم سب کو عذابِ الٰہی گھیر لے گا۔ [رقم الحدیث:۱۳٦۴۳]

نوٹ: اس مضمون کی تمام احادیث کنز العمال' کتاب الحدود' ج ۵ ص ۱۳۵-۱۳۴' نیز ص ۱۸٦-۱۸۵' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ' ملتان سے ماخوذ ہیں۔

۲۷۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مَعْنٍ قَالَ وَجَدْتُّ بِخَطِّ اَبِيْ اَعْرِفُهٗ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ نُهِيْنَا اَنْ نَاْتِيَ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں عورتوں کے پاس ان کی پچھلی شرمگاہ میں آنے سے (قرآن وسنت میں) منع کیا

النِّسَاءَ فِيْ مَحَاشِهِنَّ.

ترمذی(۱۱٦٤)مسند احمد(ج۱ص۸٦)

گیا ہے۔

۲۸۰- **حَمَّادٌ** عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِي الْمِنْهَالِ عَنْ اَبِي الْقَعْقَاعِ الْخُشَنِيِّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ قَالَ حَرَامٌ اَنْ تُؤْتَى النِّسَاءُ فِي الْمَحَاشِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم پر عورتوں کی پچھلی شرمگاہ میں آنا حرام ہے۔

بیوی کی دُبر میں جماع کرنے والے لعنتی ہیں

(۱) امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص لعنتی ہے جو اپنی بیوی کے پاس اس کی پچھلی شرمگاہ میں آیا۔

(۲) امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس آدمی کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرماتا جس نے اپنی عورت کے ساتھ اس کی پچھلی شرمگاہ میں جماع کیا۔

(۳) حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا (تین بار دُہرایا)' سو تم اپنی عورتوں کی پچھلی شرمگاہ میں مت آیا کرو۔

(۴) حضرت محمد بن منکدر' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ یہودی کہا کرتے تھے: جو شخص اپنی بیوی کی پچھلی طرف سے اس کی اگلی شرمگاہ میں جماع کرلے تو اس کا بیٹا بھینگا پیدا ہوگا' سو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں یہ آیت نازل فرمائی:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ. (البقرہ:۲۲۳) تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں' سو تم اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ۔

(۵) امام ترمذی نے حضرت علی بن طلق سے روایت بیان کی ہے کہ ایک دیہاتی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے بعض لوگ جنگل میں ہوتے ہیں کہ ان کے پیٹ سے ہوا خارج ہو جاتی ہے اور وہاں پانی کی قلت ہوتی ہے' نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جب تم میں سے کسی آدمی کی ہوا خارج ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ نئے سرے سے وضو کرلے اور تم اپنی عورتوں کی پچھلی شرمگاہ میں جماع نہ کیا کرو' سو اللہ تعالیٰ حق بات کرنے سے نہیں شرماتا۔ اور امام ترمذی نے کہا: اس باب میں حضرت عمر' حضرت خزیمہ بن ثابت' حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں اور حضرت علی بن طلق کی حدیث حسن ہے۔ [ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۳۸' حاشیہ ۳' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۱٦- بَابُ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ
بچہ بستر والے کا ہوتا ہے

۲۸۱- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ حَمَّادِ بْنِ اَبِيْ سُلَيْمَانَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بچہ صاحبِ بستر کا ہوتا ہے اور زانی کے لیے محرومی ہے۔

بخاری(٦۸۱۸)مسلم(۳٦۱۵)ترمذی(۱۱۵۷)ابوداؤد(۲۲۷٤)نسائی(۳۵۱۲)ابن ماجہ(۲۰۰٦)

حل لغات

"اَلْفِرَاشُ" اس کا معنی ہے: بستر' اس سے مراد بستر والا ہے' اور یہ یا تو کنایہ ہے یا محض مجاز ہے یا پھر مجاز الحذف ہے' اصل میں "ذِی الْفِرَاشِ" ہے۔ "اَلْعَاهِرُ" کا معنی ہے: زانی' بدکار۔

بیوی کا بچہ شوہر کا اور لونڈی کا بچہ مالک کا ہوگا

"الفراش" اگرچہ بستر کو کہا جاتا ہے' لیکن اس سے مقصود منکوحہ بیوی یا جائز الوطی مملوکہ لونڈی ہے کیونکہ یہ دونوں وطی اور جماع کے لیے فرش وبستر بنتی اور بچھتی ہیں اور یہاں فراش سے صاحبِ فراش یعنی شوہر یا آقا مراد ہے' خود فراش و بستر مراد نہیں ہے اور "الولد للفراش" کا معنی ہے کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے اور وہ بیوی کا شوہر یا لونڈی کا مالک ہے کیونکہ شوہر اپنی بیوی کو اور مالک و آقا اپنی لونڈی کو جماع کرنے کے لیے بچھاتے ہیں اور وہی اصل میں حق دار ہیں اور زانی تو انہیں ناحق اور ناجائز استعمال کرتا ہے اور "العاهر" کا معنی زانی ہے کیونکہ "عَهْرٌ" بہ معنی زنا اور "عَهَرْتُ" بہ معنی "زَنَتْ" آتا ہے اور "اَلْحَجَرُ" کا معنی پتھر' یعنی ذلت و محرومی ہے جو زانی کو بچے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے' اہلِ عرب کی عادت ہے کہ کسی آدمی کی ناکامی و محرومی کے موقع پر کہتے ہیں: "لَهُ الْحَجَرُ" فلاں کے لیے پتھر ہے' یعنی اس کے نصیب میں محرومی اور ذلت و رسوائی ہے اور اس کے منہ میں خاک اور پتھر ہے اور اس قسم کے کلام سے ان کا یہی مقصد ہوتا ہے۔ اور بعض علماء نے زانی کو پتھر سے سنگسار کرنا مراد لیا ہے' لیکن یہ ضعیف قول ہے' ایک تو اس لیے کہ ہر زانی کو سنگسار نہیں کیا جاتا بلکہ شرعاً صرف شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جاتا ہے اور دوسرا اس لیے کہ زانی کو سنگسار کرنے سے بچہ کی اس سے نفی لازم نہیں آتی' حالانکہ حدیث میں زانی سے بچہ کی نفی وارد ہوئی ہے اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بچہ تو اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا' باقی رہا زانی تو اس کے لیے محرومی اور ذلت و رسوائی ہے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۴۰' حاشیہ ۷' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

اسلام میں ثبوتِ نسب کا طریقہ

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کی لونڈیاں زنا کراتی تھیں' اس دوران ان کے مالک بھی ان سے وطی کرتے تھے' جب لونڈیوں کے پاس بچہ پیدا ہوتا تو کبھی مالک اس بچہ کا دعویٰ کرتا اور کبھی زانی اس بچہ کا دعویٰ کرتا' چنانچہ زمعہ بن قیس جو اُم المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے' ان کی لونڈی بھی زمانۂ جاہلیت کی لونڈیوں کی طرح تھی اور زمعہ بن قیس بھی ان سے وطی کرتے تھے' جب وہ حاملہ ہوگئی تو اس کے بارے میں یہ گمان کیا گیا کہ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا حمل ہے' عتبہ حالتِ کفر میں مرگیا تھا لیکن اس نے مرنے سے پہلے اپنے بھائی حضرت سعد سے وصیت کی تھی کہ زمعہ بن قیس کی لونڈی سے جو بچہ پیدا ہوگا' اس کو میرے نسب کے ساتھ لاحق کر دینا' کیونکہ اس لونڈی کا حمل میرے اس کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے ہوا ہے' چنانچہ جب فتح مکہ کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص نے اس بچہ کو اپنے بھائی کے نسب کے ساتھ لاحق کرنا چاہا تو زمعہ بن قیس کے بیٹے عبد بن زمعہ نے اختلاف کیا اور جھگڑا کیا۔ حضرت سعد زمانۂ جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق کہتے تھے کہ یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اور اس نے مرنے سے پہلے اس کی وصیت کی تھی اور عبد بن زمعہ کہتے تھے کہ وہ میرا بھائی ہے کیونکہ وہ میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے اور ان کا استدلال اسلام کے اس اصول پر مبنی تھا کہ بچہ اس کا ہے' جس کے بستر پر پیدا ہو' سو اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے اصول کے مطابق عبد بن زمعہ کے حق میں فیصلہ کر دیا اور زمانۂ جاہلیت کے رسم و رواج کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے مٹا دیا لیکن آپ کے نزدیک اس بچہ کا نسب حقیقت میں عتبہ بن ابی وقاص سے لاحق تھا' اسی وجہ سے آپ نے حضرت سودہ کو حکم دیا کہ تم اس

سے پردہ کرو ورنہ اگر آپ اس کو حقیقت میں زمعہ کا بیٹا قرار دیتے تو حضرت سودہ کو پردے کا حکم نہ دیتے کیونکہ وہ اس صورت میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا حقیقی بھائی ہوتا' ہر چند کہ امام بخاری نے مغازی میں یہ الفاظ روایت کیے ہیں: "هو لك هو اخوك يا عبد بن زمعة" "اے عبد ابن زمعہ! یہ تمہارا ہے' یہ تمہارا بھائی ہے' لیکن اس کے برخلاف سندِ صحیح کے ساتھ مسند امام احمد اور سنن نسائی میں یہ الفاظ ہیں: "ليس لك بأخ" آپ نے حضرت سودہ سے فرمایا کہ یہ تمہارا بھائی نہیں ہے' درحقیقت وہ لڑکا عتبہ بن ابی وقاص کے نطفہ سے پیدا ہوا تھا لیکن چونکہ زمعہ بن قیس کے بستر پر پیدا ہوا تھا' اس لیے اصولِ اسلام کے مطابق اس کو عبد بن زمعہ کا بھائی قرار دے دیا اور اس کے حوالے کر دیا' لیکن وہ حقیقت میں زمعہ بن قیس کا بیٹا نہیں تھا بلکہ حکماً اس کا بیٹا تھا' اسی وجہ سے ایک طرف بخاری کی روایت میں اس کو عبد بن زمعہ کا بھائی قرار دے دیا اور دوسری طرف مسند امام احمد اور سنن نسائی کی روایت میں حضرت سودہ کے بھائی ہونے کی نفی بھی کر دی اور حضرت سودہ کو اس سے پردے کا حکم بھی دے دیا۔

[ماخوذ از شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۹۳۳-۹۳۲' فرید بک سٹال' لاہور]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۹- كِتَابُ الْاِسْتِبْرَآءِ

عورت کے رحم کی صفائی کے احکام

۱ - بَابُ مُمَانَعَةِ الْوَطْيِ بِالْحُبْلٰى

حاملہ عورت کے ساتھ جماع کی ممانعت

۲۸۲- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُوْطَاَ الْحُبَالٰى حَتّٰى يَضَعْنَ مَا فِيْ بُطُوْنِهِنَّ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاملہ عورتوں کے ساتھ جماع کرنے سے منع فرما دیا یہاں تک کہ وہ اسے جنم دیں جو ان کے پیٹوں میں ہے۔

ابوداؤد (۲۱۵۷) مسند احمد (ج ۳ ص ۲۸)

حل لغات

"تُوْطَاَ" صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل مضارع مجہول مثبت' باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: روندنا' مباشرت کرنا' عمل زوجیت کرنا۔ "اَلْحُبَالٰى" یہ "حُبْلٰى" کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: حاملہ عورت۔ "يَضَعْنَ" جمع مؤنث غائب' فعل مضارع معروف' باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: رکھنا' مراد بچہ جنم دینا ہے۔

استبراء کا لغوی اور شرعی معنی' نیز استبراء کی حکمت

لغت میں استبراء کا معنی ہے: پاکی اور صفائی حاصل کرنا اور شریعت میں اس کا معنی ہے: عورت کے رحم کا حمل سے پاک و صاف ہونا طلب کرنا اور ہر وہ شخص جو خرید نے یا وصیت یا ہبہ یا وراثت کے ذریعہ کسی لونڈی کا مالک بن جائے تو اس لونڈی کے ساتھ وطی و جماع کرنا یا اسبابِ وطی جیسے بوس و کنار' چوما چاٹی اور معانقہ کی صورت میں مباشرت کرنا اس شخص کے لیے حرام ہے' یہاں تک کہ حیض کے ذریعہ اس لونڈی کے رحم کا حمل سے پاک صاف ہونا ظاہر ہو جائے' اگر وہ حیض والی ہو یا ایک ماہ گزر جائے' اگر اسے حیض نہیں آتا یا وہ بچہ جن دے اگر وہ حاملہ ہو اور ہر لونڈی کا استبراء واجب و لازم ہے' خواہ وہ کنواری ہو یا کسی عورت سے خریدی ہو یا محرم سے یا کسی بچے کے مال سے ملی ہو اور قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ ان صورتوں میں استبراء واجب نہ ہو کیونکہ استبراء میں حکمت و مصلحت یہ ہے کہ عورت کے رحم کا مرد کے نطفہ سے پاک صاف ہونا ظاہر ہو جائے اور مذکورہ بالا صورتوں میں رحم پاک صاف ہوتا ہے' لیکن یہاں قیاس کو نص کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اوطاس کی قیدی لونڈیوں کے بارے میں فرمان ہے' چنانچہ آپ نے

فرمایا: لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ اوطاس کی قیدی کسی لونڈی سے وطی نہ کی جائے' حاملہ سے وضع حمل تک اور غیر حاملہ سے ایک حیض کے گزر جانے تک وطی نہ کی جائے اور اس میں باکرہ اور عورت سے خریدی ہوئی لونڈی اور ان جیسی سب کے لیے یہی حکم واجب و لازم ہے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام حکم دیا ہے' سو اس لیے اس حکم کے عموم کو قیاس کی وجہ سے مخصوص نہیں کر سکتے اور حکمت کی رعایت نوع میں ہوتی ہے' ہر ہر فرد میں نہیں ہوتی' شریعت کا یہی ضابطہ ہے' جیسا کہ شراب کی حکمت و علت یہ ہے کہ شیطان لوگوں میں شراب نوشی کے ذریعہ عداوت و دشمنی ڈالتا ہے اور انہیں نماز سے روکتا ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے لیکن یہاں یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں شراب بھی پیا کروں گا اور میں لوگوں میں سے کسی کے ساتھ نہ جھگڑا کروں گا نہ لڑائی کروں گا اور میں کسی کے ساتھ عداوت و دشمنی نہیں کروں گا نہ میں نماز کو چھوڑوں گا کیونکہ تخصیص میں بے ضابطگی' خبط اور لوگوں کے لیے خسارہ ہے' خلاصہ یہ ہے کہ یہ امر تعبدی ہے اور شریعت کے حکم سے عموم و اطلاق کے ساتھ ثابت ہے' اس لیے اس میں تقیید و تخصیص جائز نہیں ہے۔

[اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۱۸۹-۱۸۸' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۱۰- كِتَابُ الرِّضَاعِ

دودھ پلانے کے احکام

۱ - بَابٌ يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ

دودھ سے وہی رشتہ حرام ہوتا ہے جو نسب سے حرام ہوتا ہے

۲۸۳- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ شُرَيْحٍ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ قَلِيْلُهٗ وَ كَثِيْرُهٗ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دودھ پلانے سے وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ ہو۔

بخاری (۲٦٤٦) مسلم (۳٥٦۹) ابوداؤد (۲۰٥٥) ترمذی (۱۱٤۷) نسائی (۳۳۰٤) ابن ماجہ (۱۹۳۷)

۲۸٤- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَآءَ اَفْلَحُ ابْنُ اَبِى الْقُعَيْسِ لِيَسْتَاْذِنَ عَلٰى عَائِشَةَ فَاحْتَجَبْتُ مِنْهُ فَقَالَ تَحْتَجِبِيْنَ مِنِّيْ وَاَنَا عَمُّكِ فَقَالَتْ فَكَيْفَ ذٰلِكَ قَالَ اَرْضَعَتْكِ امْرَاَةُ اَخِيْ بِلَبَنِ اَخِيْ قَالَتْ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرِبَتْ يَدَاكِ اَمَا تَعْلَمِيْنَ اَنَّهٗ يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ افلح بن ابوالقعیس آئے' تاکہ وہ عائشہ (مجھ) سے گھر کے اندر میرے پاس آنے کی اجازت طلب کریں تو میں نے ان سے پردہ کر لیا' وہ کہنے لگے: تم مجھ سے پردہ کر رہی ہو حالانکہ میں تمہارا چچا ہوں' آپ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا: وہ کیسے؟ تو انہوں نے کہا کہ میری بھابی نے میرے بھائی کے عقد میں تمہیں اپنا دودھ پلایا ہے۔ (حضرت عائشہ صدیقہ) فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں! کیا تم یہ نہیں جانتی کہ دودھ پلانے سے وہی رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔

بخاری (٥۲۳۹) مسلم (۳٥۷۱) ابوداؤد (۲۰٥۷) ترمذی (۱۱٤۸) نسائی (۳۳۰۳) ابن ماجہ (۱۹٤۹)

حل لغات

''فَاحْتَجَبْتُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل ماضی معروف' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: پردہ کرنا' حجاب میں آنا۔ ''اَرْضَعَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: دودھ پلانا۔ ''تَرِبَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی معروف' باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: مٹیالہ ہونا' خاک آلود ہونا' زیادہ مٹی والی جگہ' محتاج ہونا' خاک نشین ہونا۔

حرمتِ رضاعت کی تحقیق

اس باب کی پہلی حدیث کے الفاظ ''قلیله و کثیره'' کا معنی اور مطلب بیان کرتے ہوئے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ دودھ پینے کی مقدار کم ہو یا زیادہ ہو' دونوں حرمت میں مساوی ہیں' جس طرح کثیر اور زیادہ مقدار میں دودھ پلانے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح کم اور تھوڑی سی مقدار دودھ پلانے سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور یہ اضافہ حدیث کے اطلاق وعموم سے مستفاد ہو رہا ہے' سو اس میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ اضافہ (''قلیله و کثیره'') مرفوع ہو اور آپ ﷺ ہی کا ارشاد ہو' اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ موقوف ہو اور حضرت علی کی طرف سے تفسیر ہو' بہرحال یہ حدیث اپنے اطلاق وعموم کی وجہ سے ہمارے نزدیک حجت ہے' پس پستان سے صرف ایک چسکی بھر دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے' اس کو امام ابن المنذر نے حضرت علی' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عطاء' حضرت طاؤس' حضرت حسن بصری' حضرت سعید بن میتب' حضرت مکحول' حضرت زہری' حضرت قتادہ' حضرت الحکم' حضرت حماد' حضرت مالک' حضرت سفیان ثوری اور امام اوزاعی سے روایت کیا ہے اور امام شافعی' امام احمد' حضرت اسحاق فرماتے ہیں کہ کم از کم پانچ چسکیوں سے رضاعت ثابت ہوتی ہے کیونکہ امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ پہلے قرآن مجید میں نازل کیا گیا تھا کہ متعین دس بار دودھ کی چوسنیاں حرمت ثابت کرتی ہیں' پھر اس میں سے پانچ چوسنیاں منسوخ کر دی گئیں اور پانچ چوسنیاں باقی رہ گئیں' جو رسول اللہ ﷺ کی وفات تک باقی رہیں اور ہماری (احناف کی) دلیل اللہ تعالیٰ کا مطلق ارشاد ہے کہ

اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ. (النساء:۲۳)

تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں تم پر حرام کر دی گئیں۔

اس آیت میں تعداد کی کوئی قید نہیں اور اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباس سے صحیحین (بخاری ومسلم) میں مروی حدیث میں مطلق حکم بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب'' رضاعت سے وہی رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ اور علامہ ابن الہمام' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ تعداد کی تقیید پہلے تھی' پھر منسوخ ہوگئی اور اب اطلاق باقی رہ گیا ہے اور یہی زیادہ محتاط ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۶۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

علامہ ابوالبرکات نسفی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رضاعت کو نسب کے قائم مقام کیا ہے' چنانچہ مرضعہ کو رضیع کے لیے ماں قرار دیا اور اس کے دودھ پینے والے بچے اور بچی کو بھائی اور بہن قرار دیا اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے شوہر کو اس کا والد قرار دیا اور اس کے والد کو اس کا دادا قرار دیا اور اس کی ہمشیرہ کو اس کی پھوپھی قرار دیا اور اس کی تمام اولاد کو خواہ اس نے اس کے ساتھ دودھ نہ بھی پیا ہو یا اس سے پہلے دودھ پیا ہو یا اس کے بعد دودھ پیا ہو' وہ اس کے والد کی طرف سے بہن بھائی ہیں اور دودھ پلانے والی کی ماں اس کی نانی اور اس کی بہن اس کی خالہ اور دودھ پلانے والی کا ہر وہ بچہ یا بچی جو اس کے خاوند سے ہوں' وہ اس دودھ پینے والے بچے کے

ماں باپ شریک بہن بھائی ہوں گے اور اس کا ہر وہ بچہ یا بچی جو اس خاوند سے نہ ہوں وہ اس کے ماں شریک بہن بھائی ہوں گے اور اس کی اصل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ رضاعت کی وجہ سے ہر اس رشتہ دار سے نکاح حرام ہو جاتا ہے جس سے نسب کی وجہ سے حرام ہوتا ہے۔ [تفسیر مدارک التنزیل' مترجم ج ۱ ص ۳۴۳-۷' مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار لاہور]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۱۱ - كِتَابُ الطَّلَاقِ

طلاق کے احکام

۱ - بَابُ الْهَزْلِ فِي الطَّلَاقِ

طلاق دینے میں مذاق کرنا

۲۸۵ - اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ يُوْسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَةٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ الطَّلَاقُ وَالنِّكَاحُ وَالرَّجْعَةُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور ان میں مذاق بھی سنجیدگی ہے: (۱) طلاق (۲) نکاح (۳) رجوع کرنا۔

ابوداؤد (۲۱۹۴) ترمذی (۱۱۸۴) ابن ماجہ (۲۰۳۹)

حل لغات

''جِدٌّ'' جیم مکسور اور دال مشدد کے ساتھ' اس کا معنی ہے: سنجیدگی' کوشش' مہارت' تحقیق میں جلدی پہنچنا۔ ''هَزْلٌ'' مذاق کرنا' ٹھٹھا کرنا' بے ہودہ گفتگو کرنا۔

مذاق میں طلاق دینا' نکاح اور رجوع کرنا ثابت ہو جاتا ہے

سنن ابوداؤد میں از عبدالرحمٰن بن حبیب از عطاء بن ابی رباح از ابن ماھک از ابی ہریرۃ' یہی حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور ان میں مذاق بھی سنجیدگی ہے: نکاح' طلاق اور رجوع کرنا۔ اور سنن ابن ماجہ میں اسی اسناد کے ساتھ اس کی مثل مروی ہے اور جامع ترمذی میں بھی اسی طرح مروی ہے' امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور صحابہ کرام اور دیگر اہل علم حضرات کے نزدیک اسی پر عمل ہوتا ہے۔ علامہ ابن حجر نے بلوغ المرام میں کہا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن حبیب کی سند مختلف فیہ ہے' نسائی نے کہا: یہ منکر الحدیث ہے جبکہ دوسروں نے انہیں ثقہ اور مستند قرار دیا ہے' سو اس لیے یہ حدیث حسن ہے اور حضرت عبدالرحمٰن بن حبیب' ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ کی سند میں موجود ہیں۔ علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں کہا کہ نبی کریم ﷺ سے مروی حدیث ابی ہریرہ محفوظ ہے' آپ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور ان میں مذاق بھی سنجیدگی ہے: نکاح' طلاق اور رجوع کرنا' اس کو امام احمد' ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی تخریج کیا ہے۔

مصنف امام عبدالرزاق میں حضرت ابوذر غفاری کی حدیث عتاق وارد ہے' حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مذاق اور کھیل کے طور پر اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی طلاق جائز اور واقع ہو جائے گی اور جس شخص نے مذاق اور کھیل کے طور پر اپنے غلام یا لونڈی کو آزاد کر دیا تو وہ آزاد ہو جائیں گے۔

علامہ ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی

ہیں جن میں کھیل اور مذاق کی گنجائش نہیں ہے' ان میں سے جس کے ساتھ مذاق اور کھیل کے طور پر بات کرے گا وہ اس پر واجب ہو جائے گی: (۱) طلاق (۲) عتاق (آزاد کرنا) (۳) نکاح۔

امام عبدالرزاق نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث تخریج کی ہے' انہوں نے بیان فرمایا کہ آپ کا ارشاد ہے: تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مذاق اور کھیل کرنے کی گنجائش نہیں: (۱) نکاح (۲) طلاق (۳) عتاق۔ ان دونوں سے مروی ایک اور روایت میں چار چیزوں کا ذکر ہے اور اس میں زائد چوتھی چیز نذر ہے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۴۳-۱۴۲' الہامش الثالث' مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۲- بَابُ ثُبُوْتِ الطَّلَاقِ فِي الْحَيْضِ

طلاق کے بعد عدت گزارنے کا ثبوت

۲۸۶- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِسَوْدَةَ حِيْنَ طَلَّقَهَا اِعْتَدِّيْ. سنن بیہقی (ج ۷ ص ۳۴۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو ان سے فرمایا: تم اپنی عدت گزارو۔

۲۸۷- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِسَوْدَةَ حِيْنَ طَلَّقَهَا اِعْتَدِّيْ.

سنن بیہقی (ج ۷ ص ۳۴۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو ان سے فرمایا: تم اپنی عدت گزارو۔

حل لغات

''طَلَّقَ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: چھوڑ دینا' طلاق دینا۔ ''اِعْتَدِّيْ'' صیغہ واحد مؤنث حاضر' فعل امر معروف مثبت' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: گنتی پوری کرنا' عدت گزارنا۔

طلاق دینے کے بعد رجوع کا ثبوت

ابوعصمہ نے امام صاحب سے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔

(۱) ابن خسرو نے از الامام از الہیثم دوسرے طریق سے اتنا زیادہ بیان کیا ہے کہ طلاق ملنے کے بعد حضرت سودہ' رسول اللہ کے راستے میں بیٹھ گئیں' جب آپ وہاں سے گزرے تو حضرت سودہ نے عرض کیا: میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتی ہوں کہ آپ مجھ سے رجوع فرمالیں! بے شک میں نے اپنی رات دن کی باری حضرت عائشہ صدیقہ کو بخش دی ہے' چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سودہ کی دل جوئی کے لیے طلاق سے رجوع فرمالیا۔

(۲) امام بیہقی نے حضرت عروہ سے مرسل حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ کو طلاق دے دی' پھر جب آپ نماز کے لیے باہر تشریف لائے تو حضرت سودہ نے آپ کو کپڑے کے دامن سے پکڑ کر روک لیا اور عرض کی کہ مجھے اس بڑی عمر میں مردوں کی کوئی حاجت نہیں رہی لیکن میں چاہتی ہوں کہ میں قیامت کے روز آپ کی بیویوں میں اُٹھائی جاؤں' تو آپ نے ان سے رجوع فرمالیا اور انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ کو ہبہ کر دی۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ معجم ابی العباس دغولی میں حضرت ہشام دستوائی کے طریق سے حضرت قاسم بن ابوبزہ سے اسی طرح مروی ہے۔

(۳) علامہ ابن سعد نے حضرت قاسم بن ابی بزہ سے مرسل حدیث ایک ایسی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس کے تمام روات ثقات ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ کو (رجعی) طلاق دے دی اور وہ آپ کے راستے میں بیٹھ گئیں اور آپ سے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! مجھے مردوں کی طرف کوئی حاجت نہیں رہی لیکن میں یہ پسند کرتی ہوں کہ قیامت کے دن میں آپ کی ازواجِ مطہرات میں اُٹھائی جاؤں اور میں آپ کو اس ذات کی قسم دیتی ہوں جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی! کیا آپ نے مجھ پر ناراض ہو کر مجھے طلاق دی ہے؟ رسول اللہ نے فرمایا: نہیں! تو کہنے لگیں: میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتی ہوں کہ آپ طلاق سے رجوع فرمالیں! سو آپ نے رجوع فرمالیا اور حضرت سودہ نے اپنی دن رات کی باری حضرت عائشہ صدیقہ کو ہبہ کر دی اور شاید ملا علی قاری اس روایت پر مطلع نہیں ہوئے یا انہوں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی' کیونکہ انہوں نے یہ تاویل کی ہے کہ رسول اللہ نے حضرت سودہ کو طلاق دینے کا صرف ارادہ کیا اور فرمایا: تم عدت کے ذریعہ مفارقت کے لیے تیار ہو جاؤ اور یہ کہا ہے کہ ممکن ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سودہ کو طلاقِ رجعی دی ہو' پھر حضرت سودہ کی دل جوئی کے لیے آپ نے ان سے رجوع فرمالیا ہو۔

[ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۴۳' حاشیہ ۴' مکتبہ رحمانیہ لاہور]

یہاں یہ یاد رہے کہ عدت اس عورت پر لازم ہے جسے دخول یا خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دی جائے' لیکن اگر نکاح کرنے کے بعد عورت کے ساتھ مباشرت کرنے سے پہلے اور خلوتِ صحیحہ کے پائے جانے سے بھی پہلے طلاق دے دی جائے تو پھر ایسی عورت پر عدت پوری کرنا ضروری نہیں' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا (الاحزاب:۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرلو' پھر تم انہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کچھ عدت نہیں جسے تم شمار کرو' سو تم انہیں فائدہ کی کوئی چیز دے دو اور تم انہیں اچھے طریقے سے چھوڑ دو۔

۳- بَابُ وُقُوْعِ الطَّلَاقِ فِي الْحَيْضِ

حیض کی حالت میں طلاق کے وقوع کا ثبوت

۲۸۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ رَجُلٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ وَهِيَ حَائِضٌ فَعِيْبَ ذٰلِكَ عَلَيْهِ فَرَاجَعَهَا فَلَمَّا طَهُرَتْ مِنْ حَيْضِهَا طَلَّقَهَا وَاحْتُسِبَ بِالتَّطْلِيْقَةِ الَّتِيْ كَانَ اَوْقَعَ عَلَيْهَا وَهِيَ حَائِضٌ.

مسلم (۳۶۸۵) ابوداؤد (۲۱۸۱) ترمذی (۱۱۷۶) ابن ماجہ (۲۰۲۳) نسائی (۳۴۲۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ اپنی بیوی کو ماہواری کے ایام میں طلاق دے دی تو ان پر عیب زنی کی گئی' سو انہوں نے اس سے رجوع کر لیا' پھر جب وہ اپنے حیض سے پاک ہو گئی تو انہوں نے اسے (دوبارہ) طلاق دے دی اور وہ طلاق بھی شمار کی گئی جو انہوں نے اسے حالتِ حیض میں دی تھی۔

حل لغات

''فَعِيْبَ'' عیب صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی مجہول' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: عیب دار کرنا' عیب

لگانا۔ ''طَهُرَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی معروف' باب کرم یکرم سے ہے' اس کا معنی ہے: پاک ہونا۔ ''اُحْتُسِبَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی مجہول' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: حساب کرنا' شمار کرنا۔

حالتِ حیض میں طلاق دینے کی بحث

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ علامہ ابن ہمام نے کہا ہے: امامیہ فرقہ اور محدثین میں سے اسماعیل بن علیہ کا مؤقف اس کے برخلاف ہے' پھر اس پر تمام علماء کا اجماع اور اتفاق ہے کہ حالتِ حیض میں طلاق دینے والا گنہگار ہوگا اور اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اس سے رجوع کر لے' کیونکہ صحیحین میں حضرت ابن عمر کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر سے فرمایا کہ تم اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ اپنی جس بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے چکا ہے اس سے رجوع کر لے۔ پھر صاحب ہدایہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب وہ عورت (حیض کے بعد) پاک ہو جائے اور بعد ازاں اسے حیض آ جائے' پھر وہ پاک ہو جائے تو اب شوہر اگر چاہے تو اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اگر چاہے تو اس کو روک لے۔ اور امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ شوہر نے جس حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے کر رجوع کر لیا ہے' اس کے بعد متصل طہر میں طلاق دینا بھی جائز ہے اور پہلی توجیہ امام ابوحنیفہ کی ظاہر الروایت کے مطابق ہے۔ الکافی میں ذکر کیے گئے کی بناء پر اور امام مالک' امام احمد بن حنبل اور مشہور قول میں امام شافعی نے بھی یہی کہا ہے اور دوسری توجیہ جس کو امام طحاوی نے ذکر کیا ہے' وہ بھی امام ابوحنیفہ کی روایت ہے جیسا کہ الکافی میں ذکر کیا گیا ہے اور یہی شافعیہ کی توجیہ ہے اور پہلی توجیہ سنت سے ثابت ہے' جیسا کہ صحیحین میں مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے اور اپنے پاس روک لے' یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے' پھر اس کو حیض آ جائے اور پاک ہو جائے تو اب اگر وہ طلاق دینا چاہے تو اسے طلاق دے دے' بشرطیکہ بیوی کے پاس مباشرت کرنے سے پہلے طلاق دے دے' پھر وہ عدت گزارے جیسا اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے حکم دیا ہے اور دوسری توجیہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر کی حدیث کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو فرمایا کہ تم ابن عمر کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے' پھر اس کو طہر میں طلاق دے' خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو۔ اور پہلی توجیہ ہی مناسب و بہتر ہے' کیونکہ اس میں حضرت سالم کی روایت کی نسبت زیادہ تفسیر ہے اور یہ صحت و درایت میں زیادہ قوی ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ١٣٨' بیروت]

٤- بَابُ مَمَانَعَةِ اللَّعِبِ بِحُدُوْدِ اللّٰهِ فِي الطَّلَاقِ

طلاق دینے میں حدودِ الٰہی کو کھیل تماشا بنانے کی ممانعت

٢٨٩- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ قَوْمٍ يَلْعَبُوْنَ بِحُدُوْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُوْنَ قَدْ طَلَّقْتُكِ قَدْ رَاجَعْتُكِ. ابن ماجہ (٢٠١٧)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس قوم کا کیا حال ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے ساتھ کھیل تماشا کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں: بے شک میں نے تجھے طلاق دے دی ہے' بے شک میں نے تجھ سے رجوع کر لیا ہے۔

حل لغات

''بَالُ'' حال' حالت جیسے رخی البال' آسودہ حال اور ''کاسف البال'' بُرے حال والا' بُری حالت والا۔ ''يَلْعَبُوْنَ'' صیغہ جمع مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کھیلنا' مزاح کرنا' بے فائدہ کام کرنا' بچے کے منہ سے رال ٹپکنا۔

طلاق دینے میں حد بندی کا پسِ منظر

امام ابن ماجہ نے بھی اسی اسناد کے ساتھ یعنی از ابی اسحاق از ابی بردۃ از والد خود حضرت ابی موسیٰ الاشعری سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود کے ساتھ کھیلتے ہیں' ان میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے کبھی کہتا ہے: میں نے تجھے طلاق دی' کبھی کہتا ہے: میں نے تجھ سے رجوع کر لیا ہے' پھر کبھی کہہ دیتا ہے کہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے۔ امام ترمذی نے ہشام بن عروۃ از والد خود از حضرت عائشہ کے طریق سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لوگوں کا یہ حال تھا کہ ان میں سے کوئی آدمی جب چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا' پھر جب عدت کے اندر رجوع کر لیتا تو وہ اس کی بیوی ہی رہتی' اگرچہ سو مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ طلاق دیتا رہتا' یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا: میں تجھے ایسی طلاق کبھی نہیں دوں گا جس کی وجہ سے تو مجھ سے الگ ہو سکے اور میں تجھے ہمیشہ اذیت و تکلیف دیتا رہوں گا۔ عورت نے کہا: وہ کیسے؟ تو اس آدمی نے کہا: میں تجھے طلاق دوں گا' پھر جب تو اپنی عدت کو ختم کرنا چاہے گی تو میں تجھ سے رجوع کر لوں گا' چنانچہ وہ عورت حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس گئی اور اس کو ساری حقیقت بیان کی' وہ خاموش رہیں' جب ان کے پاس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ نے آپ کو اس عورت کی کہانی سنائی تو آپ بھی خاموش رہے' یہاں تک کہ قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (البقرہ:٢٢٩)

دو بار طلاق دینے کے بعد بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا حسنِ سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگوں نے از سرِ نو طلاقوں کا خیال رکھنا شروع کیا اور وہ سنبھل گئے' نیز اس آیت کے آخر میں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O (البقرہ:٢٣١)

یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں' سو تم ان سے آگے نہ بڑھو اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرتا ہے تو وہی ظالم ہیں O

اور اس کے علاوہ اسی سورت کی آیت: ٢٣١ میں فرمایا:

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا.

اور تم ان (عورتوں) کو نقصان پہنچانے کے لیے نہ روک لو تا کہ تم ان پر ظلم و زیادتی کرو' اور جو شخص یہ کرتا ہے تو یقیناً اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ۔

٥- بَابٌ لَّا يَجُوْزُ طَلَاقُ الْمَعْتُوْهِ

دیوانے کی طلاق جائز نہیں

٢٩٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجُوْزُ لِلْمَعْتُوْهِ طَلَاقٌ وَّلَا بَيْعٌ وَّلَا شِرَاءٌ.

بخاری (باب:١٠' فی الطلاق)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دیوانے کی نہ طلاق جائز ہے اور نہ خرید و فروخت جائز ہے۔

حل لغات

''لَا یَجُوْزُ'' بہ معنی ''لَا یَنْفُذُ'' ہے یعنی دیوانے آدمی کی دی گئی طلاق شرعاً نافذ اور واقع نہیں ہوگی۔ ''اَلْمَعْتُوْہُ'' یہ صیغہ واحد مذکر اسم مفعول ہے اس کا معنی ہے: کم عقل آدمی ایسا آدمی جس کی عقل میں فتور ہو دیوانہ اور مغلوب العقل۔

نابالغ' دیوانے اور مدہوش کی طلاق وغیرہ واقع نہیں ہوتی

معتوہ مجنون کی طرح دیوانہ ہوتا ہے اور بعض نے کہا: معتوہ کم فہم اور کم عقل کو کہا جاتا ہے جس کی گفتگو خلط ملط ہو تدبیر اور سوچ و بچار فاسد ہو لیکن ایسا آدمی بلا سبب نہ کسی کو مارتا ہے اور نہ کسی کو گالیاں دیتا ہے بخلاف مجنون کے بہر حال معتوہ' سوتے ہوئے' مدہوش اور جس پر غشی اور بے ہوشی طاری ہو جائے' ان سب کا حکم یہ ہے کہ ان کی نہ طلاق واقع ہوتی ہے اور نہ خرید و فروخت اور نہ دیگر شرعی معاملات جائز ہو سکتے ہیں۔ علامہ ابن ہمام نے کہا: یہ حکم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی بناء پر ہے کہ

کل طلاق جائز الا طلاق الصبی والمجنون والذی فیه شیء. — ہر شخص کی طلاق جائز ہے مگر بچے کی' دیوانہ کی اور جس کی عقل و فہم میں فتور اور خرابی ہو (ان کی طلاق جائز نہیں)۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے:

کل طلاق جائز الا طلاق المعتوه والمغلوب علی عقله. — ہر طلاق جائز ہے سوائے مجنوں اور بے عقل کے۔

امام ترمذی نے اس کو ضعیف کہا۔ (بلکہ صحیح بخاری اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہما کی بہت سی احادیث اس کی تائید میں وارد ہیں' جن کی بناء پر یہ حدیث بھی قوی ہو گئی ہے) اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ ''لا یجوز طلاق الصبی'' بچے کی طلاق جائز نہیں ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت بیان کی ہے کہ ''کل طلاق جائز الا طلاق المعتوہ'' ہر طلاق جائز ہے سوائے مجنوں کی طلاق کے۔ اور امام بخاری نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے معلق روایت بیان کی ہے اور یہاں جائز سے نافذ ہونا مراد ہے یعنی ایسے لوگوں کی طلاق شرعاً نافذ نہیں ہوگی۔ اور امام بخاری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

لیس للمجنون ولا سکران طلاق. — یعنی دیوانے اور نشے باز کی حالتِ نشہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۷۷-۴۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رفع القلم من ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یبلغ وعن المعتوه حتی یعقل. — تین آدمیوں سے (جزاء و سزا کا) قلم اُٹھا لیا گیا ہے' ایک سویا ہوا آدمی یہاں تک کہ بیدار ہو جائے' دوسرا بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے اور تیسرا مجنوں یہاں تک کہ عقل مند ہو جائے۔

اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے حضرت علی سے اور امام دارمی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے اور امام ابن ماجہ نے حضرت علی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ نابالغ بچہ' سوتا ہوا آدمی اور دیوانہ مرفوع القلم ہیں' ان پر شرعی احکام جاری نہیں' لہٰذا اگر یہ لوگ اپنی

بیویوں کو طلاق دے دیں تو واقع نہیں ہوگی' اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ بچہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی' یونہی اگر کوئی شخص سوتے میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا کوئی دیوانہ حالتِ دیوانگی میں طلاق دے دے تو ان کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہ حدیث جامع صغیر' امام احمد' ابوداؤد' نسائی اور حاکم نے مختلف صحابہ کرام سے مختلف الفاظ میں نقل فرمائی ہے۔ بخاری نے تعلیقاً موقوفاً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے' غرضیکہ یہ حدیث صحیح ہے۔ [مشکوٰۃ باب الخلع والطلاق' الفصل الثانی' بمع شرح مراٰۃ ج ۵ ص ۱۱۷' بہ حوالہ مرقات' نعیمی کتب خانہ' گجرات]

٦- بَابُ عَدْمِ وُقُوْعِ الطَّلَاقِ بِمُجَرَّدِ التَّخْيِيْرِ

عورت کو محض اختیار دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

۲۹۱- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَیَّرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرْنَاهُ فَلَمْ یَعُدَّ ذٰلِكَ طَلَاقًا.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (طلاق لینے کا) ہمیں اختیار دے دیا تو ہم نے (طلاق کی بجائے) آپ کو اختیار کر لیا' سو آپ نے اس اختیار کو طلاق شمار نہیں کیا۔

بخاری (۵۲۶۲) مسلم (۳۶۸۷) ابوداؤد (۲۲۰۳) ترمذی (۱۱۷۹) نسائی (۳۴۷۵) ابن ماجہ (۲۰۵۲) مسند احمد (ج ۶ ص ۲۳۹)

حل لغات

''خَیَّرْنَا'' اس میں ''خَیَّرَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: اختیار دینا۔ ''نَا'' ضمیر جمع متکلم مفعول بہ ہے۔ ''لَمْ یَعُدَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف نفی جحد بلم بہ معنی فعل ماضی' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: شمار کرنا' گنتی کرنا۔

تخییر کی بحث اور اس کا پس منظر

بخاری نے اس حدیث کو روایت کیا ہے' اس کے یہ الفاظ ہیں: ''فاخترنا اللّٰه ورسوله فلم یعد ذالك علینا شیئًا'' سو ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے مکرم رسول کو اختیار کر لیا اور آپ نے ہم پر اس (تخییر) کو کچھ شمار نہیں کیا۔ اور اہلِ علم کا اس تخییر کے حکم میں اختلاف ہے' چنانچہ حضرت عمر' ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا: جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو اختیار دے دے اور وہ اپنے شوہر کو اختیار کر لے تو طلاق وغیرہ کچھ واقع نہیں ہوگا اور اگر وہ اپنے آپ کو اختیار کر لے تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور امام ابوحنیفہ' عمر بن عبدالعزیز' ابن ابی لیلیٰ' امام سفیان اور امام شافعی کا یہی قول ہے' مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک طلاقِ بائنہ واقع ہوگی اور دوسروں کے نزدیک ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگی اور حضرت زید بن ثابت نے فرمایا کہ جب بیوی اپنے شوہر کو اختیار کر لے تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور جب وہ اپنے آپ کو اختیار کر لے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور حضرت حسن بصری کا یہی قول ہے اور امام مالک نے بھی یہی کہا ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب عورت اپنے شوہر کو اختیار کر لے تو ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی اور جب وہ اپنے آپ کو اختیار کر لے تو پھر ایک بائنہ طلاق واقع ہوگی۔

علامہ حسین بن مسعود بغوی شافعی درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ — اے غیب کی خبریں دینے والے (پیغمبر)! آپ اپنی بیویوں سے

اَلْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًاO وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًاO (الاحزاب:٢٨-٢٩)	فرما دیں: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں خوب اچھی طرح رخصت کر دوں O اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے O

اور صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے بیان فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہیں' سو بہت سے لوگوں کو آپ کے دروازے پر بیٹھے پایا' جن میں سے کسی کو اجازت نہیں ملی تھی۔ حضرت جابر فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر کو اجازت مل گئی اور وہ اندر داخل ہو گئے' پھر حضرت عمر آئے اور اجازت مانگی تو انہیں بھی اجازت مل گئی اور وہ اندر داخل ہو گئے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کو غمگین خاموش بیٹھا ہوا پایا اور آپ کے اردگرد آپ کی ازواج بیٹھی تھیں' حضرت عمر نے دل میں سوچا کہ میں ایسی بات ضرور کہوں گا جس کے ذریعہ میں نبی کریم ﷺ کو ہنسا دوں گا' چنانچہ حضرت عمر نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر (میری بیوی) بنت خارجہ مجھ سے نان و نفقہ کا مطالبہ کرتی تو آپ دیکھتے کہ میں اس کی طرف کھڑا ہو جاتا اور میں اس کی گردن مروڑ دیتا' سو یہ بات سن کر نبی کریم ﷺ مسکرا پڑے اور فرمایا: یہ میری بیویاں میرے اردگرد موجود ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو' یہ مجھ سے نان نفقہ کا مطالبہ کر رہی ہیں' سو حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عائشہ صدیقہ کی طرف اُٹھے کہ ان کی گردن مروڑ دیں اور حضرت عمر' حضرت حفصہ کی طرف اُٹھے کہ ان کی گردن مروڑ دیں۔ یہ دونوں کہنے لگے: کیا تم رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز مانگتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہے' سو انہوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز کبھی نہیں مانگیں گی جو آپ کے پاس نہیں ہو گی' پھر آپ اپنی ازواجِ پاک سے ایک پورا مہینہ یا انتیس دن علیحدہ رہے' پھر یہ (مذکورہ بالا) آیت نازل ہوئی۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ صدیقہ سے ابتداء فرمائی اور آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میں تم پر ایک چیز پیش کرنا چاہتا ہوں اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم اس میں جلدی نہ کرو' یہاں تک کہ پہلے اپنے والدین سے مشورہ کر لو' وہ کہنے لگیں: یارسول اللہ! وہ کیا ہے؟ تو رسول اللہ نے ان کو آیت (مذکورہ بالا) تلاوت فرما کر سنائی' حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں آپ کے بارے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں؟ بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے محترم و مکرم رسول اور آخرت کے گھر کو اختیار کرتی ہوں اور میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ اپنی ازواج میں سے کسی بی بی کو نہ بتائیں جو میں نے آپ سے عرض کیا ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا: ان میں سے کوئی عورت مجھ سے نہ پوچھے گی مگر میں اسے یہ خبر ضرور بتا دوں گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ تو مشقت میں ڈالنے والا بنا کر بھیجا ہے اور نہ مشقت میں پڑنے والا' بلکہ مجھے علم کی تعلیم دینے والا اور آسانیاں پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اور ایک روایت میں مذکور ہے کہ اس وقت آپ کے نکاح میں نو بیویاں تھیں اور جب آیت تخییر نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ابتداء فرمائی اور وہ رسول اللہ کو سب سے زیادہ پسند تھیں' سو آپ نے انہیں اختیار دیا اور قرآن مجید (کی مذکورہ بالا آیت) تلاوت کی تو حضرت عائشہ صدیقہ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے محترم و مکرم رسول اور آخرت کے گھر کو اختیار کر لیا' جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ میں فرحت و خوشی دیکھی گئی اور دیگر تمام ازواجِ پاک نے اس معاملے میں حضرت عائشہ صدیقہ کی پیروی کی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب تمام ازواجِ مطہرات نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر یہ صلہ عطاء فرمایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صرف انہیں بیویوں کے ساتھ محدود

پابند کر دیا اور فرمایا: "لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ." (الاحزاب:٥٢) (اے محبوب!) اس کے بعد آپ کے لیے اور عورتیں حلال نہیں ہیں۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ٤٥-٤٤' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

دراصل واقعہ کی ترتیب یہ ہوئی کہ پہلے ازواجِ مطہرات نے ایک عرصہ تک زیادہ خرچہ کا مطالبہ کیا' جس پر رسول اللہ ﷺ نے ایلاء کی قسم کھائی (کہ میں تمہارے پاس ایک مہینے تک نہیں آؤں گا) پھر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کا یہ واقعہ پیش آیا' جس پر ازواج نے یہ وعدہ کیا جو یہاں مذکور ہے' پھر رسول اللہ نے علیحدگی اختیار فرمائی' جب ایلاء کی مدت ختم ہوئی تو آیت کا نزول ہوا' جس میں ازواج کو طلاق لینے کا اختیار دیا گیا' لیکن انہوں نے طلاق لینے اور دنیا کی زیب و زینت اختیار کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ' رسول اللہ اور آخرت کے گھر کو اختیار کر لیا اور سب فقر و غربت کی زندگی گزارنے پر راضی ہو گئیں اور سب نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ زندگی گزارنے کو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت سمجھا۔

٧- بَابُ ثُبُوْتِ الْاِخْتِیَارِ لِلْاَمَۃِ الْمَنْکُوْحَۃِ بَعْدَ الْعِتْقِ	**منکوحہ لونڈی کے لیے آزادی کے بعد اختیار کا ثبوت**
٢٩٢- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّھَا اَعْتَقَتْ بَرِیْرَۃَ وَلَھَا زَوْجٌ مَوْلًی لِاٰلِ اَبِیْ اَحْمَدَ فَخَیَّرَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَھَا فَفَرَّقَ بَیْنَھُمَا وَکَانَ زَوْجُھَا حُرًّا. نسائی (٣٤٧٩)	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے اپنی لونڈی حضرت بریرہ کو آزاد کر دیا اور ان کے خاوند ابواحمد کی آل کے آزاد کردہ غلام تھے' سو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اختیار دے دیا تو انہوں نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا اور آپ نے ان دونوں میاں بیوی کے درمیان تفریق کرا دی' حالانکہ ان کا خاوند آزاد تھا۔

حل لغات

"اِعْتَقَتْ" صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: آزاد کرنا۔ "فَرَّقَ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: تفریق کرنا' ایک دوسرے سے جدا کرنا۔

منکوحہ لونڈی کو آزادی ملنے کے بعد شوہر کے پاس رہنے یا نہ رہنے کے اختیار کی تحقیق

جان لینا چاہیے کہ جب شادی شدہ لونڈی کو آزاد کر دیا جائے تو اسے یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ چاہے تو اپنے شوہر کے پاس رہے اور چاہے تو اس سے علیحدگی اختیار کر لے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو' جبکہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کسی لونڈی کا شوہر آزاد ہو تو پھر اس لونڈی کو آزادی کے بعد اختیار حاصل نہیں ہوتا اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل نے بھی یہی کہا ہے اور اس اختلاف کا منشاء حضرت بریرہ کے شوہر کے بارے میں آزاد ہونے یا غلام ہونے کے متعلق وارد مختلف روایات ہیں' سو جو روایت اس بات پر دلالت و رہنمائی کرتی ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر آزاد تھے' وہ ہے جس کو امام مسلم کے علاوہ دیگر محدثین کی جماعت نے حضرت ابراہیم نخعی کی حدیث از الاسود بن یزید از عائشہ بیان کی ہے' امام بخاری نے اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: یارسول اللہ! میں بریرہ کو اس لیے خریدنا چاہتی ہوں کہ میں اسے آزاد کر دوں مگر اس کے مالک کہتے ہیں کہ اس کی ولاء (ترکہ اور ورثہ) انہیں کے لیے ہو گی' سو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم اسے آزاد کر دو کیونکہ ولاء کا حق دار صرف آزاد کرنے والا ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے بریرہ کو خریدا اور اسے آزاد کر دیا اور حضرت بریرہ نے خیار عتق کا حق استعمال کرتے ہوئے اپنے شوہر کو اختیار کرنے کی بجائے اپنے آپ کو اختیار کر لیا (یعنی اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر لی) اور

کہنے لگی: اگر مجھے اتنا اور اتنا زیادہ مال و دولت عطاء کیا جائے تو پھر بھی میں اپنے خاوند کے ساتھ نہیں رہوں گی۔ حضرت اسود نے بیان فرمایا کہ حضرت بریرہ کا خاوند آزاد تھا' نیز امام بخاری نے حدیث الحکم از ابراہیم بیان کی ہے اور اس کے آخر میں حضرت حکم نے فرمایا کہ حضرت بریرہ کا خاوند آزاد تھا اور جو روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت بریرہ کا شوہر غلام تھا' وہ ہے جس کو امام مسلم کے علاوہ دیگر محدثین کی جماعت نے از عکرمہ از ابن عباس روایت کیا ہے کہ حضرت بریرہ کا شوہر حبشی غلام تھا' رنگ کا کالا تھا' اسے مغیث کہا جاتا تھا گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی بیوی بریرہ کے پیچھے گھوم رہا ہے اور رو رو کر آنسو بہا رہا ہے اور اس کے آنسو اس کی ڈاڑھی پر بہہ رہے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا کہ کیا تمہیں بریرہ کے ساتھ مغیث کی شدید محبت پر اور مغیث کے ساتھ بریرہ کی شدید نفرت پر تعجب نہیں آتا؟ پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بریرہ سے فرمایا: کاش! تم اپنے خاوند کی طرف رجوع کر لیتی' تو حضرت بریرہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ مجھے رجوع کا حکم دے رہے ہیں یا صرف سفارش کر رہے ہیں' سو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں تو صرف سفارش کر رہا ہوں' حضرت بریرہ کہنے لگیں: مجھے اس کی طرف کوئی ضرورت نہیں ہے۔ امام طحاوی نے فرمایا: جب آثار مختلف ہیں اور اخبار واحادیث صحیح ہیں تو ان کے درمیان تطبیق وتوفیق کرنا واجب ہوگی' جیسا کہ اہل تحقیق کی شان ہے' سو ہم کہتے ہیں کہ بے شک ہم نے آزادی کو غلامی کے بعد پایا ہے (کہ پہلے آدمی غلام ہوتا ہے تو پھر اسے آزادی ملتی ہے) اور اس معاملہ کا برعکس نہیں ہوتا (کہ پہلے آزاد ہو' پھر غلام ہو جائے) سو جس روایت میں ہے کہ حضرت بریرہ کے شوہر آزاد تھے' اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ جب حضرت بریرہ نے ان سے علیحدگی اختیار کی' اس وقت وہ آزاد تھے' لیکن اس سے پہلے وہ غلام تھے' پھر امام طحاوی نے حضرت طاؤس سے مسند حدیث بیان کی کہ حضرت طاؤس نے فرمایا کہ جب لونڈی کو آزاد کر دیا جائے تو اسے خیارِ عتق حاصل ہو جاتا ہے' اگرچہ وہ کسی قرشی کے نکاح میں کیوں نہ ہو اور حضرت محمد بن سیرین اور حضرت عامر شعبی سے مروی ہے کہ لونڈی کو آزادی کے بعد علیحدگی کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے' خواہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام ہو اور حضرت مجاہد سے بھی مروی ہے کہ لونڈی کو آزادی پانے کے بعد خاوند سے علیحدگی کا اختیار ہو جاتا ہے' اگرچہ وہ امیر المؤمنین کے نکاح میں ہو۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۶۰-۵۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

۸- بَابُ طَلَاقِ الْاَمَةِ

لونڈی کی طلاق کا بیان

۲۹۳- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَاقُ الْاَمَةِ اِثْنَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لونڈی کی طلاقیں صرف دو ہیں اور اس کی عدت صرف دو حیض ہیں۔

ابوداؤد (۲۱۸۹) ترمذی (۱۱۸۲) ابن ماجہ (۲۰۷۹) دارقطنی (ج ۴ ص ۳۸

لونڈی کے لیے صرف دو طلاقیں اور صرف دو حیض ہیں

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لونڈی کے لیے صرف دو طلاقیں ہیں' خواہ اس کا خاوند غلام ہو یا آزاد ہو' جب اس کا خاوند اسے دو طلاقیں دے دے گا تو یہ لونڈی صرف دو طلاقوں کی وجہ سے مغلظہ ہو جائے گی' پھر بغیر حلالہ کے طلاق دینے والے خاوند کے نکاح میں دوبارہ نہیں آسکتی' اسی طرح لونڈی کی عدت صرف دو حیض ہیں' لہٰذا طلاق کے بعد دو حیض مکمل ہو جانے پر یہ اپنے خاوند کے نکاح سے خارج ہو جائے گی اور اس سے رجوع کا حق ختم ہو جائے گا۔ اس حدیث سے دو مسائل ثابت ہوئے ہیں' ایک یہ کہ طلاق کا اعتبار عورت سے ہے کہ اگر عورت آزاد ہوگی تو اس کی طلاقیں تین ہوں گی خواہ آزاد ہو یا غلام ہو اور اگر عورت لونڈی اور مملوکہ ہوگی تو اس کی

طلاقیں صرف دو ہوں گی اور خواہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام ہو' اسی طرح اگر عورت آزاد ہوگی تو اس کی عدت تین حیض ہوگی' خواہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام ہو اور اگر عورت مملوکہ اور لونڈی ہوگی تو اس کی عدت صرف دو حیض ہوگی اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ طلاق کی عدت حیض ہے طہر نہیں ہے' جیسا کہ اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے کہ طلاق یافتہ لونڈی کی عدت دو حیض ہیں' لہٰذا قرآن کریم میں جو "ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ" فرمایا گیا ہے' اس میں "قروء" کے معنی طہر کے نہیں ہیں' بلکہ اس کے معنی حیض ہیں' یہی احناف کہتے ہیں لیکن امام شافعی' امام مالک اور امام احمد بن حنبل عدت میں تو ہماری طرح عورت کا اعتبار کرتے ہیں اور طلاق میں عورت کی بجائے مرد کا اعتبار کرتے ہیں اور یہ حدیث احناف کی طرف سے ان کے خلاف حجت ہے کیونکہ اس میں طلاق اور عدت دونوں میں عورت کا اعتبار کیا گیا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ اگر لونڈی مہینہ سے عدت گزارنے والی ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی کیونکہ آزاد عورت کی عدت تین مہینے ہیں' اس لیے لونڈی کے لیے اس کا نصف ایک ماہ پندرہ روز ہوگی' لیکن چونکہ تین حیض کی تنصیف نہیں ہو سکتی' اس لیے لونڈی کی عدت دو حیض ہوگی۔

۹- بَابُ ثُبُوْتِ النَّفَقَةِ وَالسُّكْنٰى لِلْمَبْتُوْتَةِ

طلاقِ مغلظہ میں عورت کے لیے مکان اور نفقہ کا ثبوت

۲۹۴- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا نَدَعُ كِتَابَ رَبِّنَا وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِ امْرَاَةٍ لَا نَدْرِيْ صَدَقَتْ اَمْ كَذَبَتْ اَلْمُطَلَّقَةُ ثَلٰثًا لَهَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةُ. مسلم (۳۷۱۰) ابوداؤد (۲۲۹۱) ترمذی (۱۱۸۰) نسائی (۳۵۷۹)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم کسی عورت کے کہنے پر اپنے ربِ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو نہیں چھوڑیں گے کیونکہ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ عورت سچ کہتی ہے یا جھوٹ' اس لیے جس عورت کو تین طلاقیں دے دی گئی ہوں' اس کو مکان اور نان ونفقہ دونوں ملیں گے۔

حل لغات

"لَا نَدَعُ" صیغہ جمع متکلم' فعل مضارع معروف منفی' باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ترک کرنا' چھوڑنا۔ "كَذَبَتْ" صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی معروف' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: جھوٹ بولنا۔

مطلقہ مغلظہ کے لیے مکان اور نان نفقہ کی بحث

جان لینا چاہیے کہ معتدہ رجعیہ (یعنی طلاقِ رجعی کی عدت گزارنے والی عورت) نان نفقہ اور مکان کی مستحق ہوتی ہے' اس کے شوہر پر واجب ہے کہ جب تک یہ عورت عدت میں رہے' اسے نان ونفقہ اور رہائش دیتا رہے' اس پر سب کا اتفاق ہے لیکن تین طلاقوں کی وجہ سے عدت گزارنے والی عورت کے لیے اکثر اہل علم کے نزدیک رہائش اس کا حق ہو' خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو۔ حضرت حسن بصری' حضرت عطاء' امام شعبی' حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت سفیان ثوری کا یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی بھی یہی کہتے ہیں' باقی رہا خاوند فوت ہو جانے کی وجہ سے عدت گزارنے والی عورت کا معاملہ تو اکثر اہل علم کے نزدیک اس کے لیے نان نفقہ تو نہیں ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو' کیونکہ کھانے پینے کا خرچہ خاوند کے ذمہ ہوتا ہے' وہ فوت ہو چکا ہے' البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر یہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہے' حاملہ ہو تو اسے خاوند کے ترکہ سے وضع حمل تک خرچہ دیا جائے گا۔ قاضی شریح' امام عامر شعبی' حضرت ابراہیم نخعی اور امام ثوری کا یہی قول ہے جبکہ اس کے لیے رہائش دینے کے بارے میں اختلاف ہے' بعض علماء کہتے ہیں کہ

اسے رہائش نہیں دی جائے گی بلکہ وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔ حضرت علی' حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے اور حضرت عطاء اور حضرت حسن بصری نے بھی یہی کہا ہے اور امام شافعی کا ایک قول یہی ہے جبکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ رہائش اس کا حق ہے' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے اور امام مالک' امام سفیان ثوری' امام احمد بن حنبل' حضرت اسحاق نے بھی یہی کہا ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ بھی یہی کہتے ہیں اور اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جسے امام مالک نے موطأ میں اور امام احمد' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' طحاوی اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے' وہ یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری کی بہن حضرت فریعہ بنت مالک بن سنان کے خاوند کو جب قتل کر دیا گیا تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں' فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنے (میکے کے) گھر لوٹ جاؤں کیونکہ میرے خاوند نے مجھے کسی ایسے گھر میں نہیں چھوڑا جس کا وہ مالک ہو اور نہ کوئی خرچہ چھوڑا ہے' آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں! سو میں لوٹ پڑی یہاں تک کہ جب میں حجرہ میں یا مسجد میں پہنچی تو آپ نے مجھے بلا لیا یا کسی خادم کو مجھے بلانے کا حکم دیا' بہرحال مجھے واپس بلا لیا گیا اور فرمایا: تم نے کیسے کہا تھا؟ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے خاوند کا سارا قصہ آپ سے دوبارہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر میں رہو یہاں تک کہ کتاب (قرآن مجید) کا حکم اپنی میعاد کو پہنچ جائے' چنانچہ میں نے اپنے شوہر کے رہائشی مکان میں چار ماہ دس دن عدت پوری کی' آپ فرماتی ہیں: جب حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے مجھ سے عدت کے بارے میں پوچھا' سو میں نے انہیں اپنی عدت کی بات بتائی تو انہوں نے بھی اسی پر عمل کیا اور شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک کتاب اللہ سے درج ذیل ارشادات باری تعالیٰ کے عموم مراد ہیں:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ (الطلاق:١)	اور تم انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں مگر یہ کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرلیں۔
اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ (الطلاق:٦)	تم ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق وہاں جگہ دو جہاں تم رہتے ہو اور تم انہیں تکلیف نہ دو تاکہ تم ان پر تنگی اور سختی کرو۔
لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ (الطلاق:٧)	چاہیے کہ مالی وسعت رکھنے والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے۔
وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ (البقرہ:٢٣٣)	اور بچے کے باپ کے ذمے دستور کے مطابق ان (بچوں کی ماؤں) کو خوراک اور لباس دینا واجب ہے۔

اور سنت سے مراد وہ طویل حدیث ہے جسے امام مسلم اور امام ابوداؤد نے حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اس میں ہے کہ دستور کے مطابق تم پر ان (عورتوں) کا خرچہ اور ان کا لباس واجب ہے۔

اور امام مالک' امام شافعی اور مشہور قول کے مطابق امام احمد نے فرمایا ہے: طلاق ثلاثہ کی وجہ سے عدت گزارنے والی عورت کے لیے خرچہ نہیں ہے' ماسوا اس صورت کے کہ وہ حاملہ ہو تب بالاجماع اس کو خرچہ دینا ضروری ہے کیونکہ بخاری کے علاوہ ایک جماعت نے حضرت عامر شعبی کے واسطے سے حضرت فاطمہ بنت قیس سے روایت بیان کی ہے کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دے دیں تو میں ان کا جھگڑا رسول اللہ کے پاس لے گئی' سو آپ نے میرے لیے نہ رہائش مقرر فرمائی اور نہ خرچہ مقرر فرمایا اور آپ نے مجھے حکم دیا

کہ میں حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم کے گھر میں عدت گزاروں (حضرت فاطمہ کے گھر سے منتقلی کی وجہ اپنے دیوروں پر زبان درازی تھی' جیسا کہ حضرت سعید بن میتب نے روایت کیا ہے۔ [مشکوۃ باب العدۃ' الفصل الاوّل] ورنہ عدت کا خرچہ اور مکان خاوند کے ذمہ واجب ہے) اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے حضرت ابواسحاق نے بیان کیا ہے' انہوں نے فرمایا کہ امام شعبی نے جب حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان (فاطمہ بنت قیس) کے لیے نہ مکان ہے اور نہ خرچہ ہے تو حضرت اسود بن یزید نے ایک مٹھی میں کنکریاں لے کر اس کی طرف پھینکیں اور فرمایا: تم پر بہت افسوس ہے کہ یہ غلط حدیث بیان کر رہے ہو' حالانکہ حضرت عمر نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) اور اپنے پیغمبر کی سنت کو کسی عورت کے قول پر نہیں چھوڑیں گے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس نے یاد رکھا ہے یا بھول گئی ہے' بہرحال مطلقہ مغلظہ کے لیے مکان اور خرچہ دونوں خاوند پر لازم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ. (الطلاق:١)	اور تم ان (مطلقہ) عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔

اور امام مسلم نے عبدالرحمان بن قاسم از والد خود از حضرت عائشہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: فاطمہ کو کیا ہو گیا ہے' جو یہ حدیث بیان کرتی ہیں' یعنی ان کا یہ کہنا کہ مطلقہ مغلظہ کے لیے نہ مکان ہے نہ نفقہ ہے' بخاری میں یوں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: فاطمہ کو کیا ہوا ہے' کیا وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتیں' جو یہ کہتی ہیں کہ نہ مکان ہے اور نہ نفقہ ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ٨٧-٨٥' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

١٠ - بَابُ عِدَّةِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا

جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت کا بیان

٢٩٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ اَنَّ سُبَيْعَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ الْاَسْلَمِيَّةَ مَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَهِيَ حَامِلٌ فَمَكَثَتْ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ وَضَعَتْ فَمَرَّ بِهَا اَبُو السَّنَابِلِ بْنُ بَعْكَكٍ فَقَالَ تَشَوَّفْتِ تُرِيْدِيْنَ الْبَاءَةَ كَلَّا وَاللّٰهِ اَنَّهٗ لَاَبْعَدُ الْاَجَلَيْنِ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ كَذَبَ اِذَا حَضَرَ فَاْذِنِيْنِيْ.

بخاری(٥٣١٨) مسلم(٣٧٢٢) ابوداؤد(٢٣٢٠) ترمذی(١١٩٣) نسائی(٣٥٤٨) ابن ماجہ(٢٠٢٧)

حضرت اسود بیان کرتے ہیں کہ حضرت سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے خاوند فوت ہو گئے اور وہ اس وقت حاملہ تھیں' سو ابھی صرف پچیس دن ہی گزرے تھے کہ انہوں نے ایک بچے کو جنم دیا' اتفاق سے ابوالسنابل بن بعکک کا وہاں سے گزر ہوا تو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ تم زیب و زینت اختیار کر کے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہو؟ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے' اللہ تعالیٰ کی قسم! تمہاری عدت دونوں مدتوں میں سے لمبی مدت ہے (یعنی چار ماہ دس دن اور وضع حمل میں سے لمبی مدت تمہاری عدت ہے اور وہ چار ماہ دس دن ہے)' چنانچہ حضرت سبیعہ اسلمیہ' نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ کے سامنے یہ سارا واقعہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: اس نے غلط کہا ہے' جب وہ آئیں تو مجھے بتا دینا (تاکہ اس کی اصلاح کر دوں)۔

حل لغات

"مَكَثَتْ" صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی معروف مثبت ہے' چونکہ اس میں کاف کو مضموم اور مفتوح دونوں طرح پڑھنا جائز ہے' اس لیے یہ کاف مضموم کی صورت میں باب كَرُمَ يَكْرُمُ سے اور کاف مفتوح کی صورت میں باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا

معنی ہے: ٹھہرنا۔ "تَشَوَّفْتِ" صیغہ واحد مؤنث حاضر فعل ماضی معروف مثبت باب تفعل سے ہے اس کا معنی ہے: زیب و زینت اور بناؤ سنگار کرنا۔ "اَلْبَاءَ ۃَ" اس کا معنی ہے: نکاح کرنا جماع کرنا۔ "فَاٰذِنِیْنِیْ" صیغہ واحد مؤنث حاضر فعل امر معروف مخاطب باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: اجازت دینا اطلاع دینا خبر دینا اس میں حرف فاء جزائیہ ہے جبکہ اس کا آخری نون وقایہ اور یاء متکلم کی ہے۔

حاملہ عورت کی عدت اس کا وضع حمل ہے

اس حدیث کو ابن خسرو نے حامد بن ھوذہ کے طریق سے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوالسنابل نے حضرت سبیعہ سے کہا: تم نے زیب و زینت اختیار کر رکھی ہے کیا تم نکاح کرنا چاہتی ہو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا رب کعبہ کی قسم! جب تک تم عدت کی دو مدتوں میں سے لمبی مدت پوری نہ کرو۔ نیز اس حدیث کو ائمہ ستہ نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے چنانچہ ان میں سے صحیح بخاری میں یوں ہے کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ اپنی ماں حضرت اُم سلمہ زوجۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث بیان کرتی ہیں کہ بنی اسلم کی ایک عورت تھی جس کو سبیعہ کہا جاتا تھا جب اس کے خاوند فوت ہوئے تو اس وقت وہ حاملہ تھیں سوا سے حضرت ابوالسنابل بن بعکک نے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے نکاح سے انکار کر دیا اور ابوالسنابل نے اس سے کہا: تم ابھی نکاح نہیں کر سکتیں جب تک عدت کی دونوں مدتوں میں سے لمبی مدت کے ساتھ عدت نہیں گزار لیتیں چنانچہ حضرت سبیعہ تقریباً دس روز تک ٹھہری رہیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنا ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا: تم (وضع حمل کے بعد) نکاح کر سکتی ہو۔ اور امام زہری کی حدیث میں ہے کہ انہیں عبیداللہ بن عبداللہ نے اپنے والد کی طرف سے لکھا کہ ان کے والد نے حضرت زید بن ارقم کو لکھا کہ وہ حضرت سبیعہ اسلمیہ سے پوچھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کس طرح فتویٰ دیا ہے۔ حضرت سبیعہ نے پوچھنے پر بتایا کہ رسول اللہ نے مجھے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جب تم بچہ جن لو تو نکاح کر لو۔ اور حضرت مسور بن مخرمہ سے مروی حدیث عروہ میں ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ کو خاوند کی وفات کے بعد بچہ جننے پر نفاس جاری ہو گیا جو چند روز جاری رہا اور آپ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر نکاح کی اجازت چاہی تو آپ نے انہیں اجازت دے دی تو انہوں نے نکاح کر لیا۔ اس مسئلہ پر بہت سی احادیث مروی ہیں بہرحال مختصر یہ کہ ائمہ اربعہ اور سلف و خلف میں سے جمہور اہل علم اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت وضع حمل (بچے کو جننا) ہے اور صحابہ کرام میں سے اس کے خلاف کوئی روایت مروی نہیں البتہ حضرت علی سے ایک منقطع طریق سے اور حضرت ابن عباس سے صحیح طریق سے اختلاف مروی ہے لیکن حضرت ابن عباس نے اس سے رجوع کر لیا تھا جیسا کہ علامہ ابن عبدالبر سے منقول ہے دراصل اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ عورت وضع حمل کے بعد نفاس کے خون ختم ہونے سے پہلے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ نکاح تو کر سکتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم اور سنن نسائی وغیرہما کی روایات میں ہے لیکن اس کا خاوند نفاس کے خون ختم ہونے سے پہلے اپنی اس بیوی سے جماع نہیں کر سکتا بلکہ نفاس کے خون ختم ہو جانے کے بعد جماع کرے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۴۹-۱۴۸ حاشیہ ۱۸ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

یاد رہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے بطور احتیاط دونوں حکموں میں تطبیق و جمع کی خاطر یہ طریقہ اپنایا کہ عورت وہ عدت گزارے گی جس کی مدت دراز اور لمبی ہو گی مثلاً اگر وضع حمل پہلے ہو جائے تو وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور اگر چار ماہ دس دن گزر جانے کے بعد وضع حمل ہونا ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہو گی اور اسی کو ابعد الاجلین کہتے ہیں جیسا کہ حضرت ابوالسنابل نے متن کی اس حدیث میں کہا ہے لیکن اگلی حدیث کی وضاحت اور رسول اللہ کے اس طریقہ کو غلط قرار دینے کے بعد اس کا جواز ختم

ہو جاتا ہے۔

۲۹۶- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ مَنْ شَاءَ بَاهَلْتُهٗ اَنَّ سُوْرَةَ النِّسَاءِ الْقُصْرٰی نَزَلَتْ بَعْدَ الطُّوْلٰی. وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَسَخَتْ سُوْرَةُ النِّسَاءِ الْقُصْرٰی کُلَّ عِدَدِ اُوْلَاتِ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ.

ابوداؤد(۲۳۰۷) ابن ماجہ(۲۰۳۰) نسائی(۳۵۵۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو آدمی چاہے میں اس سے اس مسئلہ پر مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں کہ سورتِ طلاق سورتِ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سورۃ الطلاق نے حاملہ کی تمام عدتوں کو منسوخ کر دیا ہے اب حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل ہے۔

حل لغات

"بَاهَلْتُ" صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف مثبت باب مفاعلہ سے ہے اس کا معنی ہے: مباہلہ کرنا اہل باطل کی ہلاکت کی دعا کرنا۔ "نَسَخَتْ" صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف مثبت باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: مٹانا ختم کرنا اور کسی شرعی حکم کی مدتِ اختتام بیان کرنا۔ "عِدَدَ" عین مکسور اور دالِ اوّل مفتوح عدت کی جمع ہے۔ "اَحْمَالُ" حمل کی جمع ہے جیسے "اَقْوَالُ قَوْلٌ" کی جمع ہے۔ "اَنْ یَّضَعْنَ" صیغہ جمع مؤنث غائب فعل مضارع معروف باب فتح یفتح سے ہے اس کا معنی ہے: رکھنا بچے کو زمین پر رکھنا یعنی جننا۔

وفاتِ ازواج کی آیت کا حکم حاملہ اور لونڈیوں کے علاوہ خواتین کے لیے ہے

اس حدیث کو امام بزار نے اپنی مسند میں اسی سند کے ساتھ تخریج کیا ہے اور ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص چاہے میں اس سے لعان کے لیے تیار ہوں سورتِ طلاق سورتِ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے باقی رہا یہ کہ سورتِ بقرہ کی آیت "وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا الخ" آیا حدیث سبیعہ سے منسوخ ہے یا مخصوص ہے یا پھر یہ حدیث اس آیت کا بیان ہے کہ یہ ان بیوگان کے بارے میں ہے جنہیں وضع حمل نہیں ہوتا (کہ صرف انہیں کی عدت چار ماہ دس دن ہے) شافعیہ تو اس میں مضطرب اور ڈانواں ڈول ہیں لیکن ہمارے (حنفیوں کے) نزدیک یہ حدیث نہ تو ناسخ ہے اور نہ یہ مخصص ہے کیونکہ یہ خبر واحد ہے اور نہ یہ بیان ہے کیونکہ آیت مجمل نہیں ہے بلکہ یہ آیت تاریخ کے ثبوت اور سورۂ طلاق کے مؤخر نازل ہونے کی بناء پر منسوخ ہے اس لیے کہ یہ یقینی بات ہے کہ مدینہ منورہ میں سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت سورۃ البقرۃ ہے اور سورتِ طلاق کا سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہونا حضرت ابن مسعود کی حدیثِ مشہورہ سے ثابت ہے اور باقی احادیث و اخبار اس کی مؤید و مصدق ہیں۔ [تنسیق النظام ص ۱۴۵]

حدیثِ ابن مسعود میں سورۃ النساء القصریٰ سے سورۃ طلاق مراد ہے یعنی خواتین کے احکام و مسائل کی چھوٹی سورت اور سورۃ النساء الطولیٰ سے سورۃ البقرۃ مراد ہے کہ یہ سورۃ الطلاق سے بڑی سورت ہے۔

واضح رہے کہ سورۂ بقرہ کی آیتِ وفات ازواج کو سورۂ طلاق کی آیتِ وضع حمل سے منسوخ قرار دینے کی بجائے مخصوص قرار دی جائے تو مناسب و بہتر ہے کیونکہ یہ آیت بالکل منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ لونڈیوں اور حاملہ خواتین کے علاوہ باقی مسلمہ کتابیہ حائضہ مستحاضہ بالغ جوان سن رسیدہ نابالغ اور آئسہ (یعنی حیض سے مایوس) سب خواتین کو شامل ہے ان میں سے جس کا خاوند فوت ہو

جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے' البتہ حاملہ خواتین کی عدت وضع حمل اور لونڈیوں کی نصف عدت ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے اسی طرح لکھا ہے' تفصیل کے لیے دیکھئے: تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۱۴۹' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور

١١ - بَابُ الْمَرْاَةِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صُدَاقًا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا

جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور اس نے نہ اس کا مہر مقرر کیا ہو اور نہ اس کے ساتھ جماع کیا ہو

٢٩٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فِي الْمَرْاَةِ تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صُدَاقًا وَلَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا صَدَقَةُ نِسَائِهَا وَلَهَا الْمِيْرَاثُ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ فَقَالَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانِ الْاَشْجَعِيُّ اَشْهَدُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِيْ بِرْوَعِ بِنْتِ وَاشِقٍ مِثْلَ مَا قَضَيْتَ.

ابوداؤد (٢١١٥) ترمذی (١١٤٥) نسائی (٣٥٥٤) ابن ماجہ (١٨٩١) مسند احمد (ج ۳ ص ۴۸۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور اس نے اس عورت کا نہ حق مہر مقرر کیا ہو اور نہ اس کے ساتھ جماع کیا ہو تو (حضرت ابن مسعود نے اس عورت کے بارے میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ) اس کو مہر مثلی ملے گا (یعنی جیسا اس کی رشتہ دار عورتوں کو مہر دیا جاتا ہے) اور اس کو میراث بھی ملے گی اور اس پر عدت گزارنا بھی واجب ہو گا' سو حضرت معقل بن سنان اشجعی نے یہ فیصلہ سن کر فرمایا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بروع بنت واشق کے متعلق اسی طرح فیصلہ فرمایا جس طرح آپ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔

حل لغات

''لَمْ يَفْرِضْ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع نفی جحد بلم بہ معنی فعل ماضی منفی' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: مقرر کرنا' لازم کرنا۔ ''صُدَاقًا'' اس کا معنی ہے: مہر۔ ''مِيْرَاثٌ'' اس کا معنی ہے: وراثت' ترکہ۔

مہر کے تقرر اور رخصتی سے پہلے بیوہ ہونے والی عورت مہر مثلی' میراث اور عدت کی حق دار ہو گی

یاد رہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں مختلف روایات مروی ہیں' بعض مختصر اور بعض مفصل' سب کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آپ سے دریافت کیا کہ ایک شخص کے ساتھ ایک لڑکی کی شادی ہوئی ہے' لیکن نہ تو اس لڑکی کا مہر مقرر کیا گیا اور نہ ابھی رخصتی ہوئی تھی' یعنی میاں بیوی کو ہمبستری کا موقع نہیں ملا تھا کہ اس سے پہلے اس کے شوہر فوت ہو گئے' اب تین مسائل قابل غور اور دریافت طلب ہیں: (۱) یہ عورت عدت گزارے گی یا نہیں؟ (۲) اس کو حق مہر ملے گا یا نہیں؟ (۳) اس عورت کو اپنے شوہر کے ترکہ سے وراثت ملے گی یا نہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سوال سن کر فرمایا: کیا تمہیں اس بارے میں کوئی حدیث معلوم ہے؟ ان لوگوں نے عرض کیا: ہمیں اس کے متعلق کوئی حدیث معلوم نہیں' آپ نے فرمایا: جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے' آج تک اس سے زیادہ مشکل مسئلہ مجھ سے نہیں پوچھا گیا' تم جاؤ کسی اور سے پوچھ لو' لیکن یہ لوگ ایک ماہ تک بار بار آپ کے پاس آتے رہے اور آخری بار انہوں نے کہا کہ ہم آپ سے نہ پوچھیں تو پھر اور کس سے پوچھیں' کیونکہ آپ تو اس شہر مدینہ منورہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام میں سے ہیں اور ہم آپ کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں پاتے جو اس مسئلہ کو حل کر سکے' سو آپ نے فرمایا: میری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس عورت کو مثلی حق مہر ملے گا (یعنی جو اس کی رشتہ دار عورتوں کو مہر ملتا ہے اتنا اسے ملے گا) نہ کم ملے گا اور نہ اس سے زیادہ ملے گا اور اس کو میراث بھی ملے گی اور اس پر عدت گزارنا بھی

واجب ہے' پس اگر یہ جواب صحیح اور درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر یہ غلط ہے تو پھر یہ میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس غلطی سے بری اور پاک ہیں' چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ سن کر قبیلہ اشجع کے بہت سے لوگ گواہی کے لیے کھڑے ہوئے' خصوصاً حضرت معقل بن سنان اشجعی' حضرت جراح اشجعی اور حضرت ابوسنان اشجعی کھڑے ہوئے اور سب نے کہا: اے ابن مسعود! ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے قبیلہ کی ایک خاتون حضرت بروع بنت واشق کے بارے میں اسی طرح فیصلہ کیا تھا' جس طرح آج آپ نے یہ فیصلہ کیا ہے کیونکہ ان کے شوہر حضرت ہلال بن مرہ اشجعی ان کی رخصتی اور ان کے لیے حق مہر مقرر کرنے سے پہلے فوت ہو گئے تھے' اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور نعرۂ تکبیر لگایا اور آپ کو اسلام قبول کرنے کے بعد اس قدر زیادہ خوش ہوتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا' یہ محض اس بناء پر کہ آپ کا فیصلہ رسول اللہ کے فیصلے کے موافق ہو گیا۔

[ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۵۰' حاشیہ ۲' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

حضرت بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی حدیث کو امام ابن ابی شیبہ' امام عبدالرزاق' امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے اور اس کو روایت کرنے میں حضرت معقل بن سنان اشجعی منفرد نہیں ہیں بلکہ آپ نے اور قبیلہ اشجع کی ایک جماعت نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت بروع کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ کیا تھا' آپ نے اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۲۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

١٢ - بَابُ الْفَيْءِ فِي الْاِيْلَاءِ بِاللِّسَانِ

ایلاء میں زبانی رجوع کرنا

٢٩٨- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ فِي الْمُوْلِيْ فَيْئُهُ الْجِمَاعُ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ عُذْرٌ فَفَيْئُهٗ بِاللِّسَانِ.

حضرت علقمہ' ایلاء کرنے والے کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ اس کا رجوع جماع کرنا ہے' مگر یہ کہ اس کے لیے کوئی عذر ہو تو اس کا زبان سے رجوع کر لینا کافی ہے۔

حل لغات

''اَلْمُوْلِيْ'' صیغہ واحد مذکر اسم فاعل باب افعال سے ہے' جس کا معنی ہے: ایلاء کرنے والا اور ایلاء کا لغوی معنی ہے: قسم کھانا' اور شریعت میں شوہر کا چار ماہ یا اس سے زائد عرصہ تک اپنی بیوی کے ساتھ جماع نہ کرنے کی قسم کھانا۔ ''فَيْءٌ'' اس کا معنی ہے: رجوع کرنا۔

ایلاء میں عذر کی صورت میں زبان سے رجوع کر لینا کافی ہے

زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ معمول تھا کہ اپنی عورتوں سے مال طلب کرتے' اگر وہ دینے سے انکار کر دیتیں تو انہیں تنگ کرنے کے لیے ان کے شوہر ایک سال دو سال تین سال یا اس سے زیادہ عرصہ ان کے پاس نہ جانے اور صحبت و ہمبستری ترک کرنے کی قسم کھا لیتے تھے اور انہیں پریشانی میں چھوڑ دیتے تھے' نہ وہ بیوہ ہوتی تھیں کہ کہیں اپنا ٹھکانہ کر لیتیں نہ شوہر دار کہ شوہر سے آرام پاتیں' سو اسلام نے اس ظلم و ستم کو مٹایا اور ایسی قسم کھانے والوں کے لیے چار مہینے کی مدت مقرر فرما دی کہ اگر کوئی شوہر اپنی عورت سے چار مہینے یا اس سے زائد عرصہ کے لیے یا غیر معین مدت کے لیے ترکِ صحبت کی قسم کھا لے' جس کو ایلاء کہتے ہیں تو اس کے لیے چار ماہ انتظار کی

مہلت ہے' اس عرصہ میں خوب سوچ لے کہ عورت کو چھوڑنا اس کے لیے بہتر ہے یا رکھنا۔ اگر رکھنا بہتر سمجھے اور اس مدت کے اندر رجوع کر لے تو نکاح باقی رہے گا اور قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور اگر اس مدت میں رجوع نہ کیا اور قسم نہ توڑی تو پھر عورت نکاح سے باہر ہو جائے گی اور اس پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

مسئلہ: اگر مرد صحبت پر قادر ہو تو رجوع صحبت ہی سے ہوگا اور اگر کسی وجہ سے قدرت نہ ہو تو قدرت کے بعد صحبت کا زبانی وعدہ رجوع ہے۔ [تفسیر خزائن العرفان ص ۶۵ - ۶۴' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور]

۱۳ - بَابُ خُلْعَةِ الْمَرْأَةِ مِنَ الزَّوْجِ

عورت کے مال کے عوض خاوند سے طلاق لینا

۲۹۹- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَيُّوْبَ السُّخْتَيَانِيِّ اَنَّ امْرَاَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اَتَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ لَا اَنَا وَلَا ثَابِتٌ فَقَالَ اَتَخْتَلِعِيْنَ مِنْهُ بِحَدِيْقَتِهٖ فَقَالَتْ نَعَمْ وَاَزِيْدُ قَالَ اَمَّا الزِّيَادَةُ فَلَا. بخاری(۵۲۷۳)ابوداؤد(۲۲۲۸)ترمذی (۱۱۸۵م)نسائی(۳۵۲۷)ابن ماجہ(۲۸۷۸)

حضرت ایوب سختیانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں ثابت کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور نہ ثابت میرے ساتھ رہ سکتا ہے' تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: کیا تم ان کا باغ واپس دے کر ان سے خلع لینا چاہتی ہو؟ سو اس نے عرض کیا: جی ہاں! اور میں اس سے زیادہ بھی دے دوں گی' آپ نے فرمایا: لیکن زیادہ نہیں۔

حل لغات

''تَخْتَلِعِيْنَ'' صیغہ واحد مؤنث حاضر' فعل مضارع معروف مثبت' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: خلع کرنا' معزول کرنا' الگ اور جدا کرنا' مال کے عوض طلاق لینا۔ ''اَزِيْدُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل مضارع معروف مثبت' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بڑھ کر دینا' زیادہ دینا' اضافہ کرنا۔

خلع کی طلاق کا ثبوت

اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی بیوی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیس کے دین اور خلق سے ناراض نہیں ہوں اور نہ میں ان میں کوئی عیب بیان کرنا چاہتی ہوں' لیکن میں دین اسلام میں ناشکری کو ناپسند کرتی ہوں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس کا (مہر میں دیا گیا) باغ واپس کر دو گی؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے حضرت ثابت بن قیس سے فرمایا: تم اپنا باغ قبول کر لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔ انتہی۔ اس میں زیادہ کا ذکر نہیں ہے اور یہ حدیث مرسل اور مسند دونوں طرح بیان کی گئی ہے' امام ابوداؤد اپنی مراسیل میں اور امام عبدالرزاق دونوں نے حضرت عطاء سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور امام عبدالرزاق کی مسند اقرب الاسانید ہے' چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں حضرت ابن جریج نے حضرت عطاء سے خبر دی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور اپنے خاوند کی شکایت کرنے لگی' سو آپ نے فرمایا: کیا تم اس کا وہ باغ واپس کر دو گی جو انہوں نے تمہیں حق مہر میں دیا تھا' اس عورت نے کہا: جی ہاں! اور اس سے زیادہ بھی دوں گی' رسول اللہ نے فرمایا: لیکن زیادہ نہیں۔ اور امام دارقطنی نے اس روایت کو اسی طرح بیان کیا ہے اور مراسیل صحیح ترین ہیں اور انہوں نے حضرت ابوزبیر سے ایک روایت تخریج کی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کے نکاح میں زینب بنت عبداللہ بن ابی بن سلول تھی' حضرت ثابت نے ایک باغ حق مہر میں ان کو عطاء کیا تھا لیکن وہ انہیں ناپسند کرتی تھیں' سو اس بناء پر نبی کریم ﷺ نے اس عورت سے فرمایا: کیا تم انہیں وہ باغ واپس کر دو گی' جو انہوں نے تمہیں عطاء کیا ہوا ہے؟ اس نے

عرض کی: جی ہاں! اور زیادہ بھی دوں گی' نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لیکن رہا زیادہ مال دینا تو وہ نہیں' البتہ ان کا وہ باغ واپس کر دو جو انہوں نے تمہیں عطاء کر رکھا ہے' اس نے کہا: ٹھیک ہے' چنانچہ حضرت ثابت بن قیس نے اس سے اپنا باغ واپس لے کر اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ امام دارقطنی نے کہا ہے کہ حضرت ابوالزبیر نے اس حدیث کو بہت سے رواۃ سے سنا ہے' پھر انہوں نے حضرت عطاء سے ایک روایت تخریج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی خلع لینے والی عورت سے اپنی عطاء کردہ مہر کی مالیت سے زیادہ رقم ہرگز نہ لے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور اس میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ثابت کو حکم دیا کہ وہ اپنا دیا ہوا باغ واپس لے لیں اور اس سے زیادہ نہ لیں' پس معلوم ہو گیا کہ روایت میں لفظ ''زیادۃ'' ثابت ہے کیونکہ حدیثِ مرسل ہمارے نزدیک مقبول ہے اور ہمارے علاوہ دیگر ائمہ کے نزدیک مرسل حدیث اس وقت مقبول ہوتی ہے جب وہ دوسری مرسل احادیث یا مسند احادیث سے مؤید ہو اور یہ مرسل حدیث بھی دونوں قسم کی احادیث سے مؤید ہے۔ اور امام عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ خاوند نے بیوی کو جو مہر دیا ہے اس سے زیادہ خلع میں نہ لے۔

اور امام وکیع نے یہ حدیث امام ابوحنیفہ سے' انہوں نے حضرت عمران ہمدانی سے' انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے ناپسند کیا کہ خاوند اپنی بیوی سے خلع میں اپنے عطاء کردہ مہر سے زیادہ لے اور حضرت طاؤس نے کہا کہ مرد کے لیے خلع میں اپنے عطاء کردہ حق مہر سے زیادہ مال وصول کرنا حلال نہیں ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۵۷۸ - ۵۷۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۱۲ - كِتَابُ النَّفَقَاتِ

اخراجات کے فضائل

۳۰۰- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا بَاتَ اَحَدُكُمْ مَغْمُوْمًا مَهْمُوْمًا مِّنْ سَبَبِ الْعِيَالِ كَانَ اَفْضَلَ عِنْدَاللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ اَلْفِ ضَرْبَةٍ بِالسَّيْفِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. مسند الحارثی(۴۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بیوی بچوں کے لیے رزقِ حلال کی فکر میں غمگین اور پریشان ہو کر رات گزارتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تلوار کی ان ہزار ضربوں سے بڑھ کر افضل ہوتا ہے' جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہد کو لگتی ہیں۔

۳۰۱- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتّٰى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا اِلٰى فِيْ اِمْرَاَتِكَ. بخاری(۵۶) مسلم(۴۲۰۹)ابوداؤد(۲۸۶۴)ترمذی(۱۹۶۵)

حضرت سعد (بن ابی وقاص) رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی طلب کرنے کے لیے جو چیز بھی خرچ کرو گے' اس پر تمہیں اجر و ثواب ضرور دیا جائے گا یہاں تک کہ اس لقمے پر بھی ثواب ملے گا' جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے۔

حل لغات

''بَاتَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: رات بسر کرنا' رات

گزارنا۔ ''ضَرْبَةً'' ضرب لگانا' چوٹ لگانا' نشان لگانا۔ ''مَغْمُوْمًا'' غمگین۔ ''مَهْمُوْمًا'' رنجیدہ' پریشان۔ ''اُجِرْتَ'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل ماضی مجہول' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: اُجرت' مزدوری' معاوضہ' صلہ' ثواب۔ ''فِیْ اِمْرَأَتِكَ'' میں ''فِیْ'' حرف جار نہیں بلکہ اسم ہے' اس کا معنی ہے: منہ جیسے ''فَمٌ'' کا معنی منہ اور دہن ہے۔

اہل وعیال پر رزقِ حلال خرچ کرنے کے فضائل

علامہ القضاعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں روایت کیا ہے کہ رزقِ حلال طلب کرنا بہت بڑا جہاد ہے۔ امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رزقِ حلال طلب کرنا فرض ہے۔ اور امام دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رزقِ حلال طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اور ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ جو شخص رزقِ حلال کی تلاش میں فوت ہوگا' وہ مغفرت یافتہ ہو کر فوت ہوگا۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۶۲' مطبوعہ بیروت]

امام بخاری نے حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنی بیوی پر ثواب کی نیت سے کچھ خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ جو شخص بیواؤں اور ناداروں کے لیے رزق کی طلب میں کوشاں رہتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد کی طرح ہوتا ہے یا رات بھر عبادت کرنے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کی طرح ہوتا ہے۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص کی مال کی وصیت کے باب میں مرفوع حدیث ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑ کر جاؤ تو یہ تمہارے لیے اس سے بہت بہتر ہے کہ تم سارا مال رفاہی کاموں میں وصیت کر کے اپنے وارثوں کو محتاج وغریب کر کے چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں' سو تم جو کچھ خرچ کرو گے وہ تمہارے لیے صدقہ ہے' یہاں تک کہ تم اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالو گے وہ بھی صدقہ ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ تم رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے جو مال خرچ کرو گے' اس پر تمہیں اجر وثواب ضرور ملے گا یہاں تک کہ تم جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے' اس پر بھی تمہیں اجر وثواب ملے گا' اس حدیث کو امام مسلم اور اصحابِ سنن اربعہ نے روایت کیا ہے اور اہل وعیال پر خرچ کرنے کے فضائل میں بہت زیادہ آیات واخبار اور آثار وارد ہیں' جن سے کتبِ صحاح اور کتب السنن بھری پڑی ہیں۔ [تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۵۱' حاشیہ ۶' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۱۳ - كِتَابُ التَّدْبِیْرِ — مدبر غلام کے احکام

۱ - بَابُ بَیْعِ الْمُدَبَّرِ — مدبر غلام کو فروخت کرنے کا بیان

۳۰۲- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ عَبْدًا كَانَ لِاِبْرَاهِیْمَ بْنِ نُعَیْمِ النَّحَّامِ فَدَبَّرَهٗ ثُمَّ احْتَاجَ اِلٰی ثَمَنِهٖ فَبَاعَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ. وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ الْمُدَبَّرَ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم نعیم النحام کا ایک غلام تھا' جسے اس نے مدبر بنا دیا تھا' پھر بعد ازاں اس کو اس کی قیمت کی ضرورت ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اس کو آٹھ سو درہم کے عوض میں فروخت کر دیا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس مدبر غلام کو فروخت کر دیا۔

بخاری(۲۱۴۱) مسلم(۴۳۳۸) ابوداؤد(۳۹۵۷) ترمذی(۱۲۱۹) نسائی(۴۶۵۶) ابن ماجہ(۲۵۱۳)

حل لغات

''دَبَّرَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی امر میں سوچ بچار کرنا اور اس کے نتیجہ پر غور کرنا' یہاں اس کا معنی ہے کہ مالک کا اپنے غلام سے یہ کہہ دینا کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہوگا۔

غلامی کی رسم کا خاتمہ اور مدبر غلام کی فروخت کی بحث

اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں مردوں کو غلام اور عورتوں کو باندیاں بنانے کا عام رواج تھا' طاقتور اور زبردست لوگ زیردست اور کمزوروں کو غلام بنا لیتے تھے' لیکن جب اسلام کا عہدِ زریں شروع ہوا تو اسلام نے اس ظلم وستم کی لعنت کو ختم کرنے کے لیے غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی اور مختلف اصول وقوانین مقرر کیے کہ قصداً روزہ توڑنے کے کفارہ میں' ظہار کے کفارہ میں اور قسم کے کفارہ میں غلاموں کو آزاد کیا جائے تاکہ اس لعنت کو ختم کر دیا جائے' چنانچہ ایک اصول یہ بھی مقرر کیا گیا کہ اگر کوئی مالک اپنے کسی غلام کی کارکردگی یا اس کی امانت ودیانت داری سے خوش ہو جائے اور اپنے غلام سے یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو اور میرا کوئی وارث تمہیں اپنا غلام نہیں بنا سکے گا تو ایسا غلام اپنے آقا کے مرنے کے بعد فوراً آزاد ہو جائے گا اور شریعت میں آزادی دینے کے اس عمل کو تدبیر اور آقا کے مرنے کے بعد آزادی حاصل کرنے والے غلام کو مدبر کہا جاتا ہے اور اس کو فروخت کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے تاکہ مالک کی طرف سے ایسی صورت میں وعدہ خلافی اور عہد شکنی نہ ہو' اور ایسے غلام کی آزادی کو دوبارہ سلب نہ کیا جا سکے اور یہ ممانعت عام حالات میں ہے لیکن اگر کسی خاص موقع پر مالک کنگال وغریب ہو جائے اور اس کی ضروریات کی تکمیل مشکل ہو جائے تو اس مجبوری کی خاص حالت میں اسے فروخت کیا جا سکتا ہے' چنانچہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: جب تدبیر مطلق ہو تو پھر مدبر غلام کی فروخت جائز نہیں ہے' یعنی جب آقا اپنے مرنے کے بعد اپنے غلام کے آزاد ہونے کی تصریح کر دے اور حدیث جابر امام صاحب کے نزدیک تدبیر مقید پر محمول ہے اور وہ یہ ہے کہ مالک کہہ دے: اگر میں اپنی بیماری سے شفاء یاب ہو گیا' یا اگر میں اپنے سفر سے صحیح سلامت واپس آ گیا تو میرا فلاں غلام آزاد ہو جائے گا تو ایسی صورت میں بہ وقتِ ضرورت شفاء یابی اور سفر سے واپسی سے پہلے مالک کا اس غلام کو فروخت کرنا جائز ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۱۴۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

امام ابوحنیفہ' امام مالک' اہل حجاز' اہل شام اور اہل کوفہ میں سے جمہور علمائے سلف نے فرمایا: مدبر غلام کی فروخت جائز نہیں ہے' علامہ عینی نے البنایۃ میں کہا ہے کہ حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت ابن مسعود اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے اور قاضی شریح' قتادہ' امام ثوری' امام اوزاعی کا یہی قول ہے اور المؤطا میں امام مالک کا یہی مذہب ہے' پھر جمہور کی حجت اور دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام دارقطنی نے حضرت ابن عمر سے مرفوع روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''المدبر لا یباع ولا یوهب وهو حر من ثلث المال'' مدبر غلام کو نہ فروخت کیا جائے اور نہ اسے ہبہ کیا جائے اور وہ تہائی مال میں سے آزاد ہو جائے گا۔ [تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۵۳' حاشیہ ۲ کے آخر میں' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۲ - بَابُ الْوَلَاءِ لِمَنْ اَعْتَقَ — غلام کی وراثت کا حق دار آزاد کرنے والا ہے

۳۰۳- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اَرَادَتْ اَنْ تَشْتَرِیَ بَرِیْرَةَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضرت بریرہ کو خرید کر آزاد کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے مالکوں نے کہا کہ ہم اس

لِتُعْتِقَهَا فَقَالَتْ مَوَالِيهَا لَا نَبِيعُهَا إِلَّا أَنْ تَشْتَرِطَ الْوَلَاءَ لَنَا فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ.

کو اس شرط پر فروخت کریں گے کہ آپ اس کا ولاء (وراثت کا مال) ہمیں دیں گی' سو حضرت عائشہ صدیقہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس شرط کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ولاء اسی کو ملے گی جس نے اسے آزاد کیا ہوگا۔

بخاری(٤٥٦)مسلم(٣٧٧٦)ابوداؤد(٢٩١٥)ترمذی (٢١٢٤)نسائی(٢٦١٥)ابن ماجہ(٢٥٢١)

٣٠٤ - اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهٖ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کو فروخت کرنے اور اسے ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بخاری(٢٥٣٥)مسلم(٣٧٨٨)ابوداؤد(٢٩١٩)ترمذی(١٢٣٦)نسائی(٤٦٦١)ابن ماجہ(٢٧٤٧)

غلام کی ولاء کا حق دار معتق ہے

اس باب کی پہلی حدیث کو بخاری' مسلم' ترمذی' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے' نیز امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کے طریق سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مختلف الفاظ اور متعدد طرق سے روایت کیا ہے اور اس باب کی دوسری حدیث کو بخاری' مسلم' ترمذی' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ اور امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' نیز امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کیا ہے۔

یاد رہے کہ یہاں چند مسائل قابلِ وضاحت ہیں: عتق کے باب میں فقہی اصطلاح کے مطابق ولاء کا معنی یہ ہے کہ آزاد کردہ غلام یا لونڈی کا وہ ترکہ جو ان کے مرنے کے بعد مالک و معتق (آزاد کرنے والے) کو ملے گا' وہ ولاء کہلاتا ہے کیونکہ جس طرح ایک پیدائشی آزاد آدمی کے ترکہ کو میراث یا ورثہ کہا جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء اس ترکہ کے حق دار ہوتے ہیں' اسی طرح غلام یا لونڈی کے آزاد ہونے کے بعد ان کے ترکہ کو ولاء کہا جاتا ہے اور ان کے مرنے کے بعد قرابت دار ورثاء نہ ہونے کی صورت میں ان کے معتق مالک کو وارث قرار دیا گیا ہے' اس لیے ان کے ولاء (ترکہ) کا حق دار صرف آزادی دینے والا مالک ودا تا ہوگا' لہٰذا اگر کوئی غلام فروخت در فروخت ہونے کی بناء پر کئی موالی کا غلام رہا اور اسی طرح کوئی لونڈی اگر فروخت در فروخت ہونے کی بناء پر کسی موالی کی لونڈی رہی تو اس صورت میں جس نے سب سے آخر میں خرید کر آزادی دی ہوگی تو اس آزادی حاصل کرنے والے غلام یا لونڈی کے مرنے کے بعد اس کی ولاء کا حق دار صرف وہی آزاد کرنے والا آخری مالک ہوگا۔

اور دوسرا مسئلہ جو قابل وضاحت ہے' یہ ہے کہ اگر کسی غلام یا لونڈی کا مالک اپنے غلام یا لونڈی فروخت کرتے وقت خریدار کے ساتھ یہ شرط لگالے کہ میں تمہیں اپنا غلام یا لونڈی اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ اس کا ولاء (ترکہ) میرا ہوگا تو یہ شرط باطل ہوگی اور حق ولاء بہرصورت آزاد کرنے والے مالک کے لیے ہوگا اور تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے آزاد کردہ غلام یا لونڈی کا ولاء قبضہ سے پہلے نہ فروخت کرسکتا ہے اور نہ کسی کو ہبہ کرسکتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

١٤ - كِتَابُ الْأَيْمَانِ

قسموں کے احکام

١ - بَابُ النَّهْيِ عَنْ يَمِيْنِ الْفَاجِرَةِ

جھوٹی قسم کھانے کی ممانعت

٣٠٥ - اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَاصِحِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَيُقَالُ ابْنُ عَجْلَانَ يَحْيَى بْنُ يَعْلٰى وَإِسْحٰقُ بْنُ السَّلُوْلِيِّ وَأَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ نُفَيْلٍ عَنْ يَحْيٰى بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِمَّا يُعْصَى اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ شَيْءٌ هُوَ أَعْجَلُ عِقَابًا مِنَ الْبَغْيِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أُطِيْعَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ أَسْرَعُ ثَوَابًا مِنَ الصِّلَةِ وَالْيَمِيْنُ الْفَاجِرَةُ تَدَعُ الدِّيَارَ بَلَاقِعَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے ان میں سے جو عمل سب سے زیادہ عذاب کے جلدی آنے کا سبب ہے' وہ بغاوت ہے اور جن چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کی جاتی ہے' ان میں سے جو عمل سب سے بڑھ کر اجر و ثواب کا جلد از جلد باعث بنتا ہے' وہ صلہ رحمی ہے اور جھوٹی قسم کھانا شہروں اور ملکوں کو ویران کر دیتی ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ مَا مِنْ عَمَلٍ أُطِيْعَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِ بِأَعْجَلَ ثَوَابًا مِنْ صِلَةِ الرَّحِمِ وَمَا مِنْ عَمَلٍ عُصِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ بِأَعْجَلَ عُقُوْبَةً مِنَ الْبَغْيِ وَالْيَمِيْنُ الْفَاجِرَةُ تَدَعُ الدِّيَارَ بَلَاقِعَ.

اور ایک روایت یوں ہے کہ جو عمل بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کیا جائے وہ صلہ رحمی سے بڑھ کر بہت جلد ثواب پانے کا سبب نہیں بنتا اور جو عمل بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کیا جائے' وہ بغاوت سے بڑھ کر عذابِ الٰہی کا سزاوار نہیں بنتا اور جھوٹی قسم شہروں کو ویران کر دیتی ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ مَا مِنْ عُقُوْبَةٍ مِمَّا يُعْصَى اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِ بِأَعْجَلَ مِنَ الْبَغْيِ.

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جو جرم بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کیا جاتا ہے' وہ بغاوت سے بڑھ کر عذاب کا زیادہ جلدی سبب نہیں بنتا۔

البر والصلۃ للجوزی(١٦٧)مسند الحارث(٨٧٥)

حل لغات

''لَيْسَ'' افعالِ ناقصہ میں سے فعل ناقص ہے' جو اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں اور یہاں ''شَيْءٌ''، ''لَيْسَ'' کا اسم ہے اور اعجل اسم تفضیل اس کی خبر ہے۔ ''يُعْصٰى'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع مجہول' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: نافرمانی کرنا' حکم عدولی کرنا۔ ''تَدَعُ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل مضارع معروف' باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ترک کرنا' چھوڑنا' رخصت کرنا۔ ''اَلدِّيَارُ''، ''دَارٌ'' کی جمع ہے' اس سے مراد ممالک و بلاد ہیں۔ ''بَلَاقِعُ''، ''بَلْقَعٌ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: صحراء' جنگل' مراد یہ ہے: ہنستے بستے ملک و شہر جھوٹی قسم کی نحوست کی وجہ سے جنگلوں کی طرح تباہ و برباد اور ویران و اُجاڑ ہو جاتے ہیں۔

قسم کی اقسام' یمین غموس و بغاوت کی مذمت اور صلہ رحمی کی فضیلت

قسم کی تین اقسام ہیں:

(١) یمینِ لغو کہ آدمی کسی واقعہ کو اپنے خیال میں صحیح جان کر قسم کھالے اور حقیقت میں وہ ایسا نہ ہو تو ایسی قسم معاف ہے' اس پر کفارہ لازم نہیں ہے۔

(٢) یمینِ غموس کہ ماضی کے کسی واقعہ پر قصداً جھوٹی قسم کھائے' ایسی قسم کھانے والا گنہگار اور سزا کا مستحق ہے' اس میں کفارہ تو لازم نہیں لیکن توبہ لازم ہے۔

(۳) یمینِ منعقدہ کہ کسی آئندہ امر پر قصداً قسم کھائی جائے' ایسی قسم توڑنا گناہ بھی ہے اور اس پر کفارہ بھی لازم ہے۔

اس حدیث میں یمینِ غموس کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ قسم شہروں کو تباہ و برباد اور انہیں ویران کر دیتی ہے اور غموس کا معنی ہے: ڈبو دینا' چونکہ یہ جھوٹی قسم انسان کو دنیا میں گناہ میں اور آخرت میں دوزخ کی آگ میں ڈبو دیتی ہے' اس لیے اس قسم کا نام یمینِ غموس رکھا گیا ہے اور اس حدیث میں صلہ رحمی کی اہمیت و فضیلت بھی واضح کی گئی ہے کہ جس نیکی پر سب سے زیادہ جلدی اجر و ثواب ملتا ہے وہ صلہ رحمی ہے' یعنی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلق جوڑنا اور بغاوت کی مذمت کر کے واضح کر دیا گیا ہے کہ جس بُرائی پر سب سے جلدی عذاب ملتا ہے وہ بغاوت ہے' بغاوت سے مراد برحق عادل و منصف امام وقت کے خلاف سرکشی اور حکم عدولی کرنا۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یمین غموس جسے یمین فاجرہ بھی کہا جاتا ہے' یعنی جھوٹی قسم اور بغاوت و سرکشی اور قطع رحمی کبیرہ گناہوں میں سے ہیں' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

من الكبائر الاشراك بالله' وعقوق الوالدين' وقتل النفس' واليمين الغموس. [اعلاء السنن ج ۸ ص ۴۰۸۳' بہ حوالہ بخاری' فتح الباری' مطبوعہ دار الفکر' بیروت]

یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا' اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا' اور کسی جان کو ناحق قتل کرنا' اور یمین غموس (یعنی جھوٹی قسم کھانا) کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔

۲- بَابُ وُجُوْبِ الْكَفَّارَةِ وَالْحَنْثِ فِيْ نَذْرِ الْمَعْصِيَةِ

گناہ کی منت میں قسم توڑنا اور کفارہ ادا کرنا واجب ہے

۳۰۶- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عِمْرَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَذَرَ اَنْ يُّطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَّعْصِيَهٗ فَلَا يَعْصِهٖ وَلَا نَذْرَ فِيْ غَضَبٍ.

بخاری (٦٦٩٦) ابوداؤد (٣٢٨٩) ترمذی (١٥٢٦) ابن ماجہ (٢١٢٦) نسائی (٣٨٣٧) ابن حبان (٤٣٨٧) طحاوی (٤٧٢٢) مسند احمد (٢٤٥٧٦)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کرنے کی منت مان لے تو اسے چاہیے کہ وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کر لے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی منت مان لے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہرگز نہ کرے اور شدید غصہ میں منت ماننا معتبر نہیں ہے۔

۳۰۷- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الزُّبَيْرِ الْحَنْظَلِيِّ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ.

مسلم (٤٢٤٥-٤٢٥٣) ابوداؤد (٣٢٩) ابن ماجہ (٢١٢٥) نسائی (٣٨٦٥) ابن حبان (٤٣٩١)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں منت ماننا جائز نہیں ہے اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔

حل لغات

''نَذَرَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: منت ماننا۔ ''فَلْيُطِعْهُ'' اس میں حرف فاء جزاء کا ہے اور اس کے آخر میں ضمیر مذکر مفعول بہ ہے اور باقی ''لِيُطِعْ'' صیغہ واحد مذکر فعل امر غائب معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: اطاعت کرنا' فرماں بردار ہونا۔ ''كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ'' دراصل ''كَكَفَّارَةِ يَمِيْنٍ'' ہے' حرف تشبیہ

محذوف ہے۔

شدید غصہ کی حالت میں نذر کا حکم

اس باب کی پہلی حدیث کو امام بخاری' امام احمد بن حنبل اور ائمہ اربعہ (ترمذی' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ) نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے' مگر ان کی روایت میں ''ولا نذر في غضب'' نہیں ہے' نیز اس حدیث میں فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کی منت مان لے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کا کام نہ کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اپنی ایسی ناروا منت کو پورا نہ کرے بلکہ قسم توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کر دے' جس طرح قسم کا کفارہ ادا کیا جاتا ہے اور اس حدیث کے آخری جملہ ''ولا نذر في غضب'' کا مطلب یہ ہے کہ شدید غضب و غصے کی حالت میں نذر و منت منعقد نہیں ہوتی کیونکہ جوشِ غضب کی وجہ سے انسان کے عقل و شعور میں غور و فکر کرنے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور صحیح فیصلہ کرنے کی قوت و استعداد جواب دے جاتی ہے' اس لیے شدید غیظ و غضب کی حالت میں غیر ارادی فیصلوں پر کوئی حکم نافذ نہیں کیا جاتا' یا اس کا معنی یہ ہے کہ شدید غیظ و غضب کی حالت میں نہ تو نذر ماننا معتبر ہے اور نہ اس کو ترک کرنا معتبر ہے' کیونکہ ایسی حالت میں انسان کا فعل اضطراری اور غیر اختیاری ہوتا ہے' بھلا جو عمل اس کے اختیار میں نہیں ہے' اس کو کیسے معتبر و صحیح مانا جا سکتا ہے؟ لیکن پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے اور شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے کیونکہ آپ نے لغو قسم کے بارے میں فرمایا: ''هو اليمين في الغضب'' یعنی غیظ و غضب کی حالت میں قسم کھانا لغو قسم ہے اور حضرت طاؤس بھی اس مسلک میں آپ کے تابع ہیں۔

اور اس باب کی دوسری حدیث کو امام احمد بن حنبل اور ائمہ اربعہ (ترمذی' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ) نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے' جبکہ امام نسائی نے اس کو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کے کام میں نذر اور منت ماننا جائز نہیں ہے' لیکن اگر کوئی شخص ایسی نذر مان لے تو اسے ہرگز پورا نہ کرے بلکہ قسم توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کر دے جس طرح قسم کا کفارہ ادا کیا جاتا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۵۱۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

۳- بَابُ يَمِيْنِ اللَّغْوِ

لغو قسم کا بیان

۳۰۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ هُوَ قَوْلُ الرَّجُلِ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰى وَاللّٰهِ.

بخاری (٤٦١٣) ابوداؤد (٣٢٥٤) ابن حبان (٤٣٣٣)

حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اللہ عزوجل کے ارشاد: ''لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ'' کا معنی بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ وہ کسی آدمی کا یہ کہنا ہے کہ ''لَا وَاللّٰهِ'' نہیں' اللہ کی قسم! اور ''بَلٰى وَاللّٰهِ'' کیوں نہیں' اللہ کی قسم!

۳۰۹- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ قَالَتْ هُوَ قَوْلُ الرَّجُلِ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰى وَاللّٰهِ مِمَّا يَصِلُ بِهٖ كَلَامَهٗ مِمَّا لَا يَعْقِدُ عَلَيْهِ قَلْبَهٗ حَدِيْثًا.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ عزوجل کے ارشاد: ''لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ'' کے بارے میں فرمایا کہ وہ کسی آدمی کا یہ کہنا ہے کہ ''لَا وَاللّٰهِ'' نہیں' اللہ کی قسم! اور ''بَلٰى وَاللّٰهِ'' کیوں نہیں' اللہ کی قسم! آدمی ان الفاظ کے ساتھ اپنے کلام کو ایسے عمل کے ساتھ ملاتا ہے' جس کا دل سے ارادہ نہیں کرتا' صرف

زبان سے بولتا ہے۔

حل لغات

''لَا یُؤَاخِذُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف منفی' باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی جرم پر گرفت کرنا یا سزا دینا' مواخذہ کرنا۔ ''اَیْمَانٌ'' یہ یمین کی جمع ہے'' یَمِیْنٌ'' کا معنی قسم ہے اور اس کا ایک معنی دایاں ہاتھ بھی ہے۔ ''یَصِلُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: جوڑنا' جمع کرنا اور ملانا۔ ''لَا یَعْقِدُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف منفی' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: گرہ لگانا' پختہ ارادہ کرنا۔

یمین لغو اور غموس کی اقسام کی توضیح

اس باب کی دونوں احادیث کو اصحاب السنن نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۱۰۸' نیز ص ۵۷۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

اگر کوئی شخص ماضی یا حال کے کسی کام پر اپنے گمان میں سچی قسم کھائے' لیکن درحقیقت وہ جھوٹی قسم ہو تو یہ یمین لغو ہے' اس کو لغو اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا کوئی ثمرہ اور نتیجہ مرتب نہیں ہوتا کیونکہ نہ تو یہ گناہ ہے اور نہ اس میں کفارہ ہے۔ امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ انسان کی زبان پر بلاقصد جو قسم جاری ہو جاتی ہے جیسے ''لَا وَاللّٰہِ وَبَلٰی وَاللّٰہِ'' نہیں اللہ کی قسم! اور ہاں اللہ کی قسم! یہ یمین لغو ہے۔ امام محمد نے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ جو قسم بلاقصد ہو وہ یمین لغو ہوتی ہے' لیکن امام ابوحنیفہ کا یہ قول حال یا ماضی کے بارے میں ہے اور اگر مستقبل کے بارے میں بلاقصد قسم کھائی جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں کفارہ ہے' جبکہ امام شافعی کے نزدیک اگر کسی نے مستقبل میں کسی کام کے کرنے کی بلاقصد قسم کھائی تو اس میں کفارہ نہیں ہے۔ اس قول کے اعتبار سے احناف کے نزدیک یمین لغو کی دو قسمیں ہیں: (۱) ماضی یا حال کے کسی کام پر اپنے گمان میں سچی قسم کھانا اور حقیقت میں وہ جھوٹ ہو (۲) ماضی یا حال کی کسی بات میں زبان پر بلاقصد قسم جاری ہو جائے۔ اگر مستقبل میں کسی ممکن کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے تو یہ یمین منعقدہ ہے' اس قسم کو پورا کرنا ضروری ہے' اگر قسم کو پورا نہ کیا تو کفارہ لازم ہوگا۔ یمین منعقدہ میں ممکن کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ اگر وہ کام ممکن نہ ہو تو وہ یمین غموس ہوگی' مثلاً کوئی شخص قسم کھائے کہ اللہ کی قسم! سورج طلوع نہیں ہوگا یا اللہ کی قسم! میں نہیں مروں گا' تو یہ قسم جھوٹ ہے اور قسم کھانے والا گنہگار ہوگا' اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یمین غموس کا تعلق ماضی' حال اور مستقبل تینوں زمانوں کے ساتھ ہے۔ [شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۵۵۹' مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار' لاہور' بہ حوالہ ردالمحتار ج ۳ ص ۶۶' مطبعہ عثمانیہ' استنبول]

٤- بَابُ الْاِسْتِثْنَاءِ فِی الْیَمِیْنِ

قسم میں ان شاء اللہ کہنے کا حکم

۳۱۰- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ وَاسْتَثْنٰی فَلَہٗ ثُنْیَاہُ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی چیز پر قسم کھائی اور اس کے ساتھ استثناء کر لیا تو اس کا استثناء کہنا معتبر ہوگا۔

ابوداؤد (۳۲۶۱) ترمذی (۱۵۳۲) نسائی (۳۸۵۹) ابن ماجہ (۲۱۰۴) ابن حبان (۴۳۳۹)

۳۱۱- حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ وَقَالَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ فَقَدِ اسْتَثْنٰی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے کسی چیز پر قسم کھائی اور اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہہ دیا تو اس نے استثناء صحیح کر لیا۔

ابوداؤد (۳۲۶۱) ترمذی (۱۵۳۲) نسائی (۳۸۵۹) ابن ماجہ (۲۱۰۴) ابن حبان (۴۳۳۹)

حل لغات

''حَلَفَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: حلف اٹھانا' قسم کھانا۔ ''اِسْتَثْنٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: استثناء کرنا' کسی چیز کو سابق حکم سے الگ کرنا' ان شاء اللہ کہنا۔

قسم کے بعد متصل ان شاء اللہ کہنے کا حکم

جمہور فقہاء اسلام کا موقف یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھانے کے بعد متصل ان شاء اللہ کہہ دیا تو یہ استثناء ہے اور اس شخص کی قسم منعقد نہیں ہوگی اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من حلف علٰی یمین فقال ان شآء اللّٰہ فقد استثنٰی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قسم کھا کر ان شاء اللہ کہا' اس نے استثناء کر لیا۔

[سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۸' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان' لاہور]

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ [جامع ترمذی ص ۲۴۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی]

نیز امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم من حلف فاستثنٰی فان شاء رجع وان شاء ترک غیر حنث۔ [سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۸' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان' لاہور]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قسم کھا کر استثناء کر لیا وہ چاہے تو رجوع کر لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اس میں شرط یہ ہے کہ استثناء قسم کے ساتھ متصل ہو اور قسم اور استثناء کے درمیان کوئی اور کلام نہ ہو اور نہ ان کے درمیان اتنا سکوت کرے جس میں کلام ہو سکے' ہاں سانس رکنے کی وجہ سے یا تھکاوٹ سے یا چھینک کر یا کسی اور عارضہ کی وجہ سے جو سکوت ہو' اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام مالک' امام شافعی' ثوری' ابوعبید' اصحاب الرائے (فقہاء حنفیہ) اور اسحاق کا بھی یہی موقف ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''من حلف فاستثنٰی'' جس نے قسم کے بعد استثناء کیا' اس کا تقاضا یہ ہے کہ استثناء قسم کے بعد ہو۔ امام مالک سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر طویل فصل نہ ہو' پھر بھی استثناء صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں قریش سے جنگ کروں گا' پھر آپ کچھ دیر خاموش رہے' اس کے بعد فرمایا: ان شاء اللہ! کیونکہ یہ قریب میں استثناء ہے اور اس کے ساتھ دوسرا کلام مخلوط نہیں ہوا۔ امام مالک' امام ابوحنیفہ' امام شافعی' ثوری' اوزاعی' اسحاق' ابوثور اور ابن منذر کے نزدیک شرط یہ ہے کہ استثناء زبان کے ساتھ ہو اور دل کے ساتھ استثناء کافی اور مفید نہیں ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے حلف اٹھانے کے بعد ان شاء اللہ کہا'' اور کہنا زبان سے بولنا ہے۔

ہر وہ قسم جو کفارے کا موجب ہے' اس میں استثناء صحیح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی قسم یا ظہار یا نذر' اور جب طلاق دینے یا غلام آزاد کرنے میں استثناء کیا تو امام احمد نے اس مسئلہ میں اکثر توقف کیا ہے اور ایک جگہ قطعیت کے ساتھ کہا ہے کہ یہاں استثناء غیر مفید

ہے۔یعنی جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تمہیں طلاق ہے ان شاء اللہ! تو امام احمد نے اس کے جواب میں توقف کیا ہے کیونکہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور ایک روایت میں کہا کہ یہ استثناء مفید نہیں ہے۔ امام اوزاعی' حسن' قتادہ کا بھی یہی مؤقف ہے اور طاؤس' حماد' امام شافعی' ابوثور' اصحاب الرائے (فقہاء احناف) کا مؤقف یہ ہے کہ اس میں بھی استثناء صحیح ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من حلف فقال ان شاء الله لم یحنث. — جس شخص نے حلف اُٹھایا اور ان شاء اللہ کہا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

[شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۵۹۳-۵۹۲' بحوالہ المغنی ج ۹ ص ۴۱۵-۴۱۲ ملخصاً' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۱۵ - کِتَابُ الْحُدُوْدِ — شرعی سزاؤں کے احکام

۱ - بَابُ حُرْمَةِ الْخَمْرِ وَالْقِمَارِ وَغَيْرِهِمَا — شراب' جوا اور دیگر چیزوں کی حرمت

۳۱۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمُ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْمِزْمَارَ وَالْكُوْبَةَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے شراب' جوئے' گانے کے آلات اور شطرنج کو حرام قرار دیا ہے۔

ابوداؤد(۳۶۸۵) مسند احمد(ج ۲ ص ۱۸۵)

حل لغات

"کَرِہَ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے'اس کا معنی ہے: کسی چیز کو ناپسند کرنا' حرام قرار دینا۔ "اَلْخَمْرُ" شراب۔ "اَلْمَیْسِرُ" جوا۔ "اَلْمِزْمَارُ" گانے بجانے کا آلہ۔ "اَلْکُوْبَۃُ" شطرنج' نرد' ڈگڈگی' چھوٹا طبلہ۔

شراب' جوا' نیز آلاتِ غناء کی حرمت کے دلائل

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شراب پینے والا بت پرستی کرنے والے کی طرح ہے۔ [کنزالعمال:۱۳۶۹۳]

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص شراب پی لے' اس کی چالیس راتوں تک نمازیں قبول نہیں ہوتیں' پھر اگر وہ توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے' پھر اگر وہ دوبارہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسے نہرِ خبال سے سیراب کرے' عرض کی گئی: نہر خبال کیا چیز ہے؟ فرمایا: دوزخیوں کی پیپ ہے۔ (کنزالعمال:۱۳۲۰۰)

(۳) حضرت ابن عمر کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ جو شخص شراب پی لیتا ہے' اس کی نمازیں چالیس روز تک اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا' پھر اگر وہ انہیں چالیس دنوں میں فوت ہوجائے تو دوزخ میں داخل ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھے گا۔ [کنزالعمال:۱۳۲۰۱]

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: شراب پینے والے' پلانے والے' اسے تیار کرنے والے' تیار کرانے والے' اس کو فروخت کرنے والے' اس کو خریدنے والے' اس کی قیمت کھانے والے' اس کو اُٹھا کر لے جانے والے اور جس شخص کی طرف اُٹھا کر لے جائی گئی سب پر لعنت کی گئی ہے۔ [کنزالعمال:۱۳۲۰۲]

(۵) امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب' جوا اور شطرنج اور طبلہ وغیرہ کو حرام قرار دیا ہے اور آپ نے فرمایا: ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(۶) شرح السنۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گانے بجانے کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔

(۷) امام احمد' ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: تم گانے بجانے والی لونڈیوں کو نہ فروخت کرو اور نہ انہیں تم خرید کرو اور نہ تم انہیں گانا بجانا سکھاؤ۔

(۸) امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب نوشی' جوا بازی' طبلہ بازی اور خصوصاً جوار اور باجرہ سے تیار کردہ شراب سے منع فرمایا ہے۔

(۹) امام دارمی نے انہیں سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بے شک ماں باپ کا نافرمان جنت میں نہیں جائے گا اور نہ جوا کھیلنے والا' نہ احسان جتانے والا اور نہ ہمیشہ شراب پینے والا جائے گا۔

(۱۰) امام احمد نے حضرت ابوامامہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے سراپا ہدایت ورحمت بنا کر بھیجا ہے اور میرے ربِ عزوجل نے مجھے حکم دیا کہ میں معازف ومزامیر اور بتوں اور صلیب اور امورِ جاہلیت کو مٹادوں اور میرے رب عزوجل نے اپنی عزت وجلال کی قسم اُٹھا کر فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں سے جو بندہ شراب نوشی کرے گا' میں اسے اسی طرح پیپ پلاؤں گا اور جو بندہ میرے خوف کی وجہ سے اسے چھوڑے رکھے گا' میں اسے حوضِ قدس سے سیراب کروں گا (ہاتھوں سے بجائے جانے والے آلاتِ غناء کو معازف اور منہ سے بجائے جانے والے آلاتِ غناء کو مزامیر کہا جاتا ہے) اور شراب پینے والے کی بُرائی میں بہت سی احادیث وارد ہیں اور اسی طرح گانے بجانے کے آلات کی حرمت میں بہت سی احادیث وارد ہیں' یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے معازف ومزامیر کو حرام قرار دیا ہے اور مزامیر اور دیگر محارم سے خالی غناء کے بارے میں طویل کلام کیا ہے اور اکثر فقہاء نے اسے ناپسند کیا ہے' پھر شراب اور جوئے کی حرمت و مذمت کے بارے میں درج ذیل ارشادات باری تعالیٰ کافی ہیں:

(۱) يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ (البقرۃ:۲۱۹)

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں' آپ فرمادیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ بڑا ہے۔

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ

بے شک شراب اور جوا اور پتھر کے بت اور فال کے تیر ناپاک ہیں' شیطان کے کام ہیں' سوتم ان سے بچو تا کہ تم کامیاب ہوجاؤ O بے شک شیطان تو صرف یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان بغض اور دشمنی ڈال دے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آ جاؤ گے O

مُّنْتَهُوْنَ O (المائدہ:۹۰)

[ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص۱۵۶-۱۵۵]

۲- بَابُ حَدِّ الشُّرْبِ وَحَدِّ السَّرِقَةِ

شراب نوشی اور چوری کرنے کی سزا

۳۱۳- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ يَحْيٰى عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اَتَاهُ رَجُلٌ بِابْنِ اَخٍ لَّهُ نَشْوَانَ قَدْ ذَهَبَ عَقْلُهُ فَاَمَرَبِهٖ فَحُبِسَ حَتّٰى اِذَا صَحَا وَاَفَاقَ عَنِ السُّكْرِ دَعَا بِالسَّوْطِ فَقَطَعَ ثَمَرَتَهٗ ثُمَّ رَقَّهٗ وَدَعَا جَلَّادًا فَقَالَ اِجْلِدْهُ عَلٰى جِلْدِهٖ وَارْفَعْ يَدَكَ فِيْ جِلْدِكَ وَلَا تَبْدَأْ ضَبْعَيْكَ. قَالَ وَاَنْشَا عَبْدُ اللّٰهِ يَعُدُّ حَتّٰى اَكْمَلَ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً خَلّٰى سَبِيْلَهٗ فَقَالَ الشَّيْخُ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لِابْنِ اَخِيْ وَمَا لِيْ وَلَدٌ غَيْرُهٗ فَقَالَ شَرُّ الْعَمِّ وَالِي الْيَتِيْمِ اَنْتَ كُنْتَ وَاللّٰهِ مَا اَحْسَنْتَ اَدَبَهٗ صَغِيْرًا وَّلَا سَتَرْتَهٗ كَبِيْرًا. قَالَ ثُمَّ اَنْشَا يُحَدِّثُنَا فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ حَدٍّ اُقِيْمَ فِي الْاِسْلَامِ لِسَارِقٍ اُتِيَ بِهٖ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَتْ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةُ قَالَ انْطَلِقُوْا بِهٖ فَاقْطَعُوْهُ فَلَمَّا انْطَلَقَ بِهٖ نُظِرَ اِلٰى وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّمَا سُفَّ عَلَيْهِ وَاللّٰهِ الرَّمَادُ فَقَالَ بَعْضُ جُلَسَائِهٖ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَكَاَنَّ هٰذَا قَدِ اشْتَدَّ عَلَيْكَ فَقَالَ وَمَا يَمْنَعُنِيْ اَنْ يَّشْتَدَّ عَلٰى اَنْ تَكُوْنُوْا اَعْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ عَلٰى اَخِيْكُمْ قَالُوْا فَلَوْلَا خَلَّيْتَ سَبِيْلَهٗ قَالَ اَفَلَا كَانَ هٰذَا قَبْلَ اَنْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَاِنَّ الْاِمَامَ اِذَا انْتَهٰى اِلَيْهِ حَدٌّ فَلَيْسَ يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ يُّعَطِّلَهٗ قَالَ ثُمَّ تَلَا وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا. (النور:۲۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے بھتیجے کو لے کر ان (حضرت ابن مسعود) کے پاس آیا' وہ لڑکا نشے میں مست تھا' جس کی وجہ سے اس کی عقل ماؤف ہو چکی تھی' ان (حضرت ابن مسعود) کے حکم پر اسے قید کر دیا گیا' یہاں تک کہ جب وہ ہوش میں آ کر صحیح ہو گیا اور نشے کی حالت سے اسے افاقہ حاصل ہو گیا تو حضرت ابن مسعود نے ایک کوڑا منگوایا اور اس کا پھل کاٹ کر پھر اسے نرم کیا اور ایک جلاد کو بلایا اور فرمایا: اس کے جسم پر کوڑے مارو اور کوڑا مارتے وقت اپنا ہاتھ بلند کرنا' لیکن تم اپنی بغلوں کو ظاہر نہ کرنا اور حضرت عبداللہ نے اتنا فرما کر کوڑے گننا شروع کر دیئے' جب جلاد نے پورے اسی کوڑے مار لیے تو آپ نے اس شخص کو چھوڑ دیا' سو اس بوڑھے (چچا) نے کہا: اے ابوعبدالرحمن! (یہ حضرت ابن مسعود کی کنیت ہے) اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ میرا بھتیجا ہے اور اس کے علاوہ میرا کوئی بچہ نہیں ہے' حضرت عبداللہ نے فرمایا: تم اس کے بہت بُرے چچا ہو اور اس یتیم کے تم بہت بُرے سرپرست ہو' اللہ تعالیٰ کی قسم! تم نے اس کو نہ بچپن میں ادب سکھایا اور نہ بڑا ہونے پر تم نے اس کی پردہ پوشی کی' راوی نے کہا: پھر حضرت ابن مسعود ہمیں حدیث بیان کرنے لگے کہ بے شک اسلام میں سب سے پہلے جو حد (سزا) قائم کی گئی' وہ ایک چور پر نافذ کی گئی تھی جسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا' سو جب اس کے خلاف گواہی قائم ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص کو لے جاؤ اور اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دو' چنانچہ جب اسے لے جایا جانے لگے تو آپ کے چہرہ کی طرف دیکھا گیا (تو رنج و غم کی وجہ سے اس قدر چہرہ متغیر ہو گیا کہ) گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ پر راکھ بکھیر دی گئی ہے' سو حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے عرض کی: یارسول اللہ! یقیناً یہ بات آپ پر بہت گراں گزری ہے' تو آپ نے فرمایا: یہ بات مجھ پر گراں کیوں نہیں گزرے گی کہ تم اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں شیطان کے معاون و مددگار بن رہے ہو' لوگوں نے عرض کیا کہ پھر آپ نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا' آپ نے فرمایا: کیا میرے پاس لانے سے پہلے اسے نہیں چھوڑا جا سکتا تھا کیونکہ جب امام کے پاس قابلِ حد جرم ثابت ہو جائے تو اس کے لیے اس جرم پر سزا کو معطل کرنا مناسب و جائز نہیں ہوتا۔ حضرت یحییٰ کہتے ہیں: پھر آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا" (النور:۲۲) اور انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلًا اَتٰى بِابْنِ اَخٍ لَّهٗ سَكْرَانَ فَقَالَ تَرْتِرُوْهُ وَمَزْمِزُوْهُ وَاسْتَنْكِهُوْهُ فَوَجَدُوْا مِنْهُ رِيْحَ شَرَابٍ فَاَمَرَ بِحَبْسِهٖ فَلَمَّا صَحَا دَعَا بِهٖ وَدَعَا بِسَوْطٍ فَاَمَرَ بِهٖ فَقُطِعَتْ ثَمَرَتُهٗ وَذَكَرَ الْحَدِيْثَ.

اور ایک روایت حضرت ابن مسعود سے اس طرح مروی ہے کہ ایک آدمی اپنے بھتیجے کو لے کر آیا جو نشے کی حالت میں بے ہوش تھا' سو حضرت ابن مسعود نے فرمایا: تم اسے حرکت دے کر ہلاؤ اور جھنجھوڑ دو اور اس کی بو سونگھو (جب ایسا کیا گیا) تو انہوں نے اس کے منہ سے شراب کی بو آتی ہوئی پائی' جس کی بناء پر حضرت ابن مسعود نے اس کو قید کرنے کا حکم دیا' پھر وہ صحیح ہو گیا تو آپ نے اس کو بلایا اور ایک کوڑا منگوایا اور اسے درست کرنے کا حکم دیا تو اس سے پھل کاٹ دیا گیا اور باقی حسبِ سابق حدیث ذکر کی۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ اَوَّلَ حَدٍّ اُقِيْمَ فِي الْاِسْلَامِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِسَارِقٍ فَاَمَرَ بِهٖ فَقُطِعَتْ يَدُهٗ فَلَمَّا انْطُلِقَ بِهٖ نُظِرَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّمَا يُسَفُّ فِيْ وَجْهِهِ الرَّمَادُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّهٗ شَقَّ عَلَيْكَ فَقَالَ اَلَا يَشُقُّ عَلٰى اَنْ تَكُوْنُوْا اَعْوَانًا لِّلشَّيْطَانِ عَلٰى اَخِيْكُمْ قَالُوْا فَلَا نَدَعُهٗ قَالَ اَفَلَا كَانَ هٰذَا قَبْلَ اَنْ تُؤْتٰى بِهٖ وَاَنَّ الْاِمَامَ اِذَا رُفِعَ اِلَيْهِ الْحَدُّ فَلَيْسَ يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ يَّدَعَهٗ حَتّٰى يُمْضِيَهٗ ثُمَّ تَلَا وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا الاية. مسند الحارثی (۷۲۴)

اور ایک روایت حضرت ابن مسعود سے یوں مروی ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی حد جو لگائی گئی' وہ یہ تھی کہ ایک چور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا' سو آپ نے اس کے متعلق حکم جاری فرمایا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا' جب اس کو لے کر چلے تو کسی کی نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ پر پڑی کہ گویا آپ کے چہرہ میں راکھ بکھیر دی گئی ہے' کسی صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ پر یہ معاملہ بہت گراں گزرا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ مجھ پر بہت گراں کیوں نہیں گزرے گا کہ تم اپنے ایک مسلمان بھائی کے معاملے میں شیطان کے مددگار بن رہے ہو' انہوں نے عرض کیا: تو کیا ہم اسے چھوڑ نہ دیں؟ آپ نے فرمایا: کیا تم اسے میرے پاس لانے سے پہلے نہیں چھوڑ سکتے تھے' کیونکہ جب امام کے پاس کوئی قابل حد جرم ثابت ہو جائے تو پھر اس کے لیے مجرم کو چھوڑنا جائز نہیں ہوتا' یہاں تک کہ وہ اس پر سزا جاری کر دے' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا" انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔

حل لغات

"نَشْوَانَ" بمعنی سکران ہے' یعنی نشہ میں مدہوش ہونا۔ "حُبِسَ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی مجہول مثبت' باب ضَرَبَ

یَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کو قید کرنا' بند کر دینا۔ "صَحَا" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: ہوش میں آنا۔ حالت سکر سے حالتِ صحو میں آنا۔ "رَقَّهٗ" میں "رَقَّ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: نرم کرنا' اس میں ہ ضمیر مفعول بہ ہے۔ "سَتَرْتَ" صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل ماضی معروف مثبت' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: ڈھانپنا' پردہ ڈالنا' پردہ پوشی کرنا۔ "سُفَّ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی مجہول مثبت' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: بکھیرنا' پھیلانا۔

شرابی کی سزا کے بارے میں چند ضروری احکام

اس حدیث سے درج ذیل مسائل ثابت ہوتے ہیں:

(۱) مجرم کو نشے کی حالت میں سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اسے قید میں رکھا جائے گا' جب نشہ ختم ہو جائے گا تو پھر اسے سزا دی جائے گی تا کہ اسے تکلیف و درد محسوس ہو اور اسے عبرت حاصل ہو۔

(۲) حد جاری کرنے کے لیے شرابی کا مسلمان عاقل' بالغ ناطق غیر مضطر' بلا اکراہ شرعی ہونا ضروری ہے' اگر یہ تمام شرطیں پائی جائیں تو جو خمر کا ایک قطرہ بھی پیے تو اس پر حد قائم کی جائے گی' جب کہ اسے اس کا حرام ہونا معلوم ہو' کافر یا مجنون یا نابالغ یا گونگے نے پی تو حد نہیں' یوں ہی اگر پیاس سے مرا جاتا تھا اور پانی نہ تھا کہ پی کر جان بچالیتا اور اتنی پی کہ جان بچ جائے تو حد نہیں' اگر ضرورت سے زیادہ پی تو حد ہے' یونہیں اگر کسی نے شراب پینے پر مجبور کیا یعنی اکراہ شرعی پایا گیا تو حد نہیں۔ شراب کی حرمت کو جانتا ہو' اس کی صورتیں ہیں' ایک یہ کہ واقع میں اسے معلوم ہو کہ یہ حرام ہے' دوسرا یہ کہ دارالاسلام میں رہتا ہو اگر چہ نہ جانتا ہو' حکم یہی دیا جائے گا کہ اسے معلوم ہے کیونکہ دارالاسلام میں جہل عذر نہیں۔ [بہارِ شریعت' حصہ نہم]

(۳) خمر کے علاوہ اور شرابیں پینے سے حد اس وقت ہے کہ نشہ آ جائے۔ [بہارِ شریعت' حصہ نہم بہ حوالہ درمختار]

(۴) شراب کی حد میں آزاد کو اَسّی (۸۰) کوڑے اور غلام کو چالیس (۴۰) کوڑے مارے جائیں گے۔

(۵) ننگے بدن پر اس کے مختلف حصوں پر کوڑے مارے جائیں گے۔

(۶) لوہے کے سریے یا لکڑی کے موٹے ڈنڈے یا جوتے وغیرہ نہیں مارے جائیں گے بلکہ باریک کوڑے یا چابک سے مارا جائے گا۔

(۷) جلاد کوڑے مارتے وقت ہاتھ اوپر اٹھا کر مارے' دبا کر نہیں کہ اس میں ضرب ہلکی لگتی ہے۔

(۸) کوڑے مارتے وقت جلاد اپنا ہاتھ اس قدر بلند نہ اُٹھائے کہ اس کی بغلیں نظر آئیں۔

(۹) ولی اور سرپرست پر واجب ہے کہ چھوٹے بچوں کی تربیت اور ان کی اخلاقی اور دینی تربیت اچھی طرح کرے تا کہ وہ بڑے ہو کر غلط کام نہ کریں ورنہ ولی اور سرپرست گنہگار ہو گا۔

(۱۰) قاضی کے پاس لانے سے پہلے مجرم سے درگزر کریں اور پردہ پوشی کریں اور اسے نصیحت کرتے ہوئے بُرائی کے انجام سے ڈرائیں اور آئندہ باز آنے کی تلقین کریں۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کے عیبوں اور گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیبوں اور گناہوں کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

(۱۱) اگر شرابی کے منہ سے شراب پینے کی بو آ رہی ہو تو اسے حد لگانے کے لیے یہی ثبوت کافی ہے۔

(۱۲) مجرم کی سزا پر قاضی وغیرہ کا دکھ اور درد محسوس کرنا مستحسن عمل ہے کہ یہ اسلامی اخوت کی دلیل اور ہمدردی کی علامت ہے۔

(۱۳) جب مجرم قاضی کے سامنے پیش ہو جائے اور اس کے خلاف ثبوت جرم ثابت ہو جائے تو پھر حد لگانا واجب ہو جاتا ہے اور ایسی صورت میں درگزر کرنا اور معافی دینا ہرگز جائز نہیں۔

۳- بَابٌ فِيمَا يُقْطَعُ فِيهِ الْيَدُ

ہاتھ کاٹنے کی مالیت کا بیان

۳۱۴- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ يُقْطَعُ الْيَدُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اِنَّمَا كَانَ الْقَطْعُ فِيْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ.

ابوداؤد(٤٣٨٧)نسائی(٤٩٥٠)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں دس درہم چوری کرنے پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا' اور ایک روایت میں ہے کہ دس درہم چوری کرنے پر چور کا ہاتھ کٹتا تھا۔

حل لغات

"يُقْطَعُ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع مجہول' مثبت' باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کو کاٹنا' جدا کرنا' الگ کرنا۔

چور کے ہاتھ کاٹنے کی حکمت

قاضی عیاض نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و کرم اور احسان ہے کہ اس نے چور کے ہاتھ کاٹنے کی حد مقرر فرما کر مسلمانوں کے اموال کو محفوظ کر دیا اور اگر کوئی شخص اُچک کر کوئی چیز لے جائے یا لوٹ کر لے جائے یا غصب کر لے تو اس پر حد مقرر نہیں (ہر چند کہ اس میں تعزیر ہے) کیونکہ یہ جرائم چوری کی بہ نسبت معمولی ہیں اور ان کے خلاف گواہ قائم کیے جا سکتے ہیں اور گواہوں کے ذریعہ عدالت سے اپنا حق آسانی سے وصول کیا جا سکتا ہے' اس کے برخلاف چور چونکہ چھپ کر مال لے جاتا ہے' لہٰذا اس پر گواہ قائم کرنا مشکل ہے' اس لیے اس کی سزا سخت رکھی تا کہ اس سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور چوری کرنے سے باز رہیں اور مسلمانوں کے اموال محفوظ رہ سکیں۔ اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو اس کی دیت (معاوضہ) پانچ ہزار درہم ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں مسلمان کے ہاتھ کی قیمت پانچ ہزار درہم ہے' لیکن یہ اس وقت ہے جب وہ ہاتھ اللہ تعالیٰ کی حدود کی خلاف ورزی نہ کرے' لیکن یہی ہاتھ اگر چوری کر کے حدودِ الٰہیہ کو توڑے تو اس کی قیمت گیارہ درہم بھی نہیں ہے اور صرف دس درہم کی چوری کے عوض اس کے ہاتھ کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے' یعنی جب کوئی شخص ظلماً اس ہاتھ کو کاٹ دے اور یہ مظلوم ہو تو اس کی قیمت پانچ ہزار درہم ہے اور جب یہ ہاتھ چوری کر کے ظلم کرے اور ظالم ہو تو اس کی قیمت دس درہم ہے یا جب یہ ہاتھ امین ہو تو قیمتی ہے اور جب یہ خائن ہو تو بے قیمت ہے۔

علامہ ابن المنظور افریقی لکھتے ہیں کہ اہل عرب اس شخص کو چور کہتے ہیں جو کسی محفوظ جگہ میں چھپ کر جائے اور کسی غیر کا مال اُٹھا کر چلا جائے' اگر وہ چھپ کر اُٹھا لینے کی بجائے ظاہراً اُٹھا لے تو وہ مختلس اور منتہب (اُچکا اور لٹیرا) ہے اور اگر زبردستی چھین لے تو وہ غاصب ہے۔

ائمہ ثلاثہ تین درہم یا چوتھائی دینار کو ہاتھ کاٹنے کا نصاب قرار دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب دس درہم یا ایک دینار کو نصاب قرار دیتے ہیں۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ جو احادیث نصاب کی زیادہ مقدار پر دلالت کرتی ہیں' ان پر عمل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے کیونکہ کم مقدار کو نصاب قرار دینے میں عدم جرم کا شبہ ہے اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں'

بہر حال رسول اللہ ﷺ کے صریح ارشادات' عہدِ رسالت کے معمولات اور صحابہ کرام میں سے حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی تصریحات اور فقہاء تابعین میں سے حضرت عطاء' حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت سعید بن مسیب کے اقوال سے صراحۃً ثابت ہے کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اور ربع دینار اور تین درہم کی روایات کے مقابلہ میں یہ روایات کثرتِ مقدارِ نصاب اور کثرتِ طرق کی وجہ سے راجح اور اولیٰ ہیں اور یہی فقہاء احناف کثرھم اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے۔[دلائل اور تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۷۵۵-۷۴۲' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار' لاہور]

٤- بَابُ الْحُدُوْدُ تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ

شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں

٣١٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم شکوک وشبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دیا کرو۔

ترمذی (١٤٢٤) ابن ماجہ (٢٥٤٥) الصغیر للسیوطی (ج ١ ص ١٢)

حل لغات

''اِدْرَؤُا'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل امر معروف' باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: دور کرنا' دفع کرنا' ساقط کرنا۔

حدود اللہ کے نفاذ میں احتیاط کی تاکید

(١) اس حدیث کو امام ابن عدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ سے روایت کیا ہے: تم حدود کو شبہات کی وجہ سے دور کیا کرو اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدوں کے علاوہ دوسری لغزشوں میں اچھے کام کرنے والوں سے درگزر کیا کرو۔

(٢) دار قطنی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے کہ تم حدود کو (مسلمانوں سے) دور کیا کرو لیکن (ثبوت کے بعد) حاکم کے لیے حدود کو معطل کرنا جائز نہیں ہے۔

(٣) ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے بندوں سے حدود کو دور کرو' جہاں تک تم ان کا دفاع کر سکو۔

(٤) ابن ابی شیبہ' ترمذی' حاکم اور بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سے جہاں تک ہو سکے تم مسلمانوں سے حدودِ الٰہیہ کو دور کرو' سو اگر تم نکلنے کی راہ پاؤ تو ان کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ حاکم کا معاف کرنے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ١٨٦]

٥- بَابُ الرَّجْمِ لِلزَّانِى الْمُحْصِنِ

شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا

٣١٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ مَاعِزَ ابْنَ مَالِكٍ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ الْاٰخِرَ قَدْ زَنٰى فَاَقِمْ عَلَيْهِ الْحَدَّ فَرَدَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَتَاهُ الثَّانِيَةَ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَاهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ

حضرت ابن بریدہ اپنے والد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ' نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ نیکیوں میں پیچھے رہ جانے والے نے زنا کاری کا ارتکاب کر لیا ہے سو آپ اس پر حد جاری فرمائیں تو رسول اللہ ﷺ نے اسے واپس لوٹا دیا' پھر دوبارہ وہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسی طرح

لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَاهُ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اِنَّ الْاٰخِرَ قَدْ زَنٰى فَاَقِمْ عَلَيْهِ الْحَدَّ فَسَاَلَهٗ عَنْهُ اَصْحَابَهٗ هَلْ تُنْكِرُوْنَ مِنْ عَقْلِهٖ قَالُوْا لَا قَالَ انْطَلِقُوْا بِهٖ فَارْجُمُوْهُ قَالَ فَانْطُلِقَ بِهٖ فَرُجِمَ بِالْحِجَارَةِ فَلَمَّا اَبْطَاَ عَلَيْهِ الْقَتْلُ انْصَرَفَ اِلٰى مَكَانٍ كَثِيْرِ الْحِجَارَةِ فَقَامَ فِيْهِ فَاَتَاهُ الْمُسْلِمُوْنَ فَرَجَمُوْهُ بِالْحِجَارَةِ حَتّٰى قَتَلُوْهُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلَّا خَلَّيْتُمْ سَبِيْلَهٗ فَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِيْهِ فَقَالَ قَائِلٌ هٰذَا مَاعِزٌ اَهْلَكَ نَفْسَهٗ وَقَالَ قَائِلٌ اَنَا اَرْجُوْ اَنْ يَّكُوْنَ تَوْبَةً فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ فَلَمَّا بَلَغَ ذٰلِكَ قَوْمًا طَمِعُوْا فِيْهِ فَسَاَلُوْهُ مَا يُصْنَعُ بِجَسَدِهٖ قَالَ اصْنَعُوْا بِهٖ مَا تَصْنَعُوْنَ بِمَوْتَاكُمْ مِنَ الْكَفَنِ وَالصَّلٰوةِ عَلَيْهِ وَالدَّفْنِ قَالَ فَانْطَلَقَ بِهٖ اَصْحَابُهٗ فَصَلَّوْا.

اقرار کیا' پھر تیسری دفعہ آیا اور اسی طرح اقرار کیا' پھر چوتھی دفعہ حاضر ہوا اور اعتراف کیا کہ اس نے زنا کیا ہے' اس لیے آپ اس پر حد جاری فرمائیں تو آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنے صحابہ کرام سے اس کے بارے میں دریافت فرمایا کہ کیا تم اس کی عقل مندی اور سمجھداری سے انکار کرتے ہو (اور اسے دیوانہ قرار دیتے ہو)؟ سب نے کہا: نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کو لے جاؤ اور اسے سنگسار کر دو۔ حضرت بریدہ نے کہا: اس کو لے جایا گیا اور اسے سنگسار کر دیا گیا' لیکن جب اس کے مرنے میں تاخیر ہونے لگی تو اسے زیادہ پتھروں والی جگہ میں لے جا کر وہاں اسے کھڑا کر دیا گیا اور مسلمانوں نے آ کر اس پر پتھر مارنے شروع کیے' یہاں تک کہ انہوں نے اس کو قتل کر دیا حتیٰ کہ یہ خبر نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: تم نے اس کا راستہ کیوں نہیں چھوڑ دیا' سو لوگ اس کے بارے میں باہم اختلاف کرنے لگے' چنانچہ کسی نے کہا کہ ماعز نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا اور کسی کہنے والے نے یہ کہا کہ مجھے اُمید ہے کہ یہی اس کی توبہ ہے اور یہ بات جب نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر لوگوں کی ایک بڑی جماعت ایسی توبہ کر لے تو وہ ان کی طرف سے قبول کر لی جائے گی' پھر جب یہ بات ان کی قوم کو پہنچی تو وہ اس میں ثواب کی اُمید رکھنے لگے اور انہوں نے آپ سے پوچھا کہ ان کی نعش کے ساتھ کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اس کے ساتھ وہی سلوک کرو جو تم اپنے دوسرے مردوں کے ساتھ کرتے ہو کہ انہیں کفن پہناؤ اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھو اور انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرو' چنانچہ اس کے ساتھی اسے لے گئے اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اَتٰى مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَقَرَّ بِالزِّنَا فَرَدَّهٗ ثُمَّ عَادَ فَاَقَرَّ بِالزِّنَا فَرَدَّهٗ ثُمَّ عَادَ فَاَقَرَّ بِالزِّنَا الرَّابِعَةَ فَسَاَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تُنْكِرُوْنَ مِنْ عَقْلِهٖ شَيْئًا قَالُوْا لَا قَالَ فَاَمَرَ بِهٖ اَنْ يُّرْجَمَ فِيْ مَوْضِعٍ قَلِيْلِ الْحِجَارَةِ قَالَ فَاَبْطَاَ عَلَيْهِ الْمَوْتُ فَانْطَلَقَ

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ماعز بن مالک' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زنا کاری کا اقرار کیا تو آپ نے اسے مسترد فرما دیا' پھر اس نے دوبارہ حاضر ہو کر زنا کاری کا اقرار کر لیا تو آپ نے اسے رد فرما دیا' پھر وہ (تیسری دفعہ) واپس لوٹ آیا اور زنا کا اقرار کر لیا مگر آپ نے پھر اسے رد کر دیا' پھر وہ واپس لوٹ آیا اور چوتھی دفعہ اقرار کر لیا' سو نبی کریم ﷺ نے اس کی قوم سے اس کے

يَسْعٰى اِلٰى مَوْضِعٍ كَثِيْرِ الْحِجَارَةِ وَاتَّبَعَهُ النَّاسُ فَرَجَمُوْهُ حَتّٰى قَتَلُوْهُ ثُمَّ ذَكَرُوْا شَانَهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ لَا خَلَّيْتُمْ سَبِيْلَهُ قَالَ فَاسْتَاْذَنَ قَوْمُهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دَفْنِهٖ وَالصَّلٰوةِ عَلَيْهِ فَاَذِنَ لَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ قَالَ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ قُبِلَ مِنْهُمْ.

بارے میں سوال کیا کہ کیا تم اس کی عقل کا کچھ انکار کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں! تو آپ نے تھوڑے پتھروں والی جگہ میں لے جا کر اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ حضرت بریدہ نے کہا کہ جب اس کی موت میں تاخیر ہونے لگی تو حضرت ماعز زیادہ پتھروں والی جگہ کی طرف دوڑے اور لوگوں نے ان کا تعاقب کیا اور وہاں جا کر اسے پتھر مارنے لگے یہاں تک کہ انہوں نے اس کو شہید کر دیا۔ پھر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت ماعز کے بھاگنے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تم نے اس کا راستہ کیوں نہیں چھوڑ دیا۔ راوی نے کہا کہ حضرت ماعز کی قوم نے رسول اللہ ﷺ سے ان کو دفن کرنے اور نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ بے شک ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر لوگوں کی ایک بڑی جماعت ایسی توبہ کر لے تو ان کی طرف سے توبہ قبول کر لی جائے گی۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ اَنْ يُّرْجَمَ قَامَ فِيْ مَوْضِعٍ قَلِيْلِ الْحِجَارَةِ فَاَبْطَاَ عَلَيْهِ الْقَتْلُ فَذَهَبَ بِهٖ مَكَانًا كَثِيْرَ الْحِجَارَةِ وَاتَّبَعَهُ النَّاسُ حَتّٰى رَجَمُوْهُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَّا خَلَّيْتُمْ سَبِيْلَهُ.

اور ایک روایت یوں ہے کہ حضرت بریدہ نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت ماعز بن مالک کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تو وہ کم پتھریلی جگہ میں کھڑے ہو گئے' پھر جب ان کو سنگساری کے ذریعے قتل کرنے میں تاخیر ہوئی تو وہ خود زیادہ پتھریلی جگہ میں چلے گئے اور لوگوں نے اس کا تعاقب کیا' یہاں تک کہ پتھر مار مار کر اس کو ختم کر دیا اور یہ خبر نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: تم نے اس کا راستہ کیوں نہ چھوڑ دیا؟

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّمَّا هَلَكَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ بِالرَّجْمِ اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِيْهِ فَقَالَ قَائِلٌ مَاعِزٌ اَهْلَكَ نَفْسَهُ وَقَالَ قَائِلٌ تَابَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَقُبِلَ مِنْهُ اَوْ تَابَهَا فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ.

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب حضرت ماعز بن مالک سنگساری کی وجہ سے ہلاک ہو گئے تو لوگوں نے ان کے بارے میں مختلف باتیں بنائیں' کسی کہنے والے والے نے کہا کہ ماعز بن مالک نے اپنے آپ کو خود ہلاک کیا اور کسی کہنے والے نے کہا کہ ماعز نے اپنے آپ کو خود پیش کر کے توبہ کی ہے' سو جب یہ باتیں نبی کریم ﷺ کو پہنچیں تو آپ نے فرمایا کہ ماعز بن مالک نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ چونگی اور ٹیکس وصول کرنے والا ظالم شخص بھی کر لیتا تو اس کی توبہ قبول کر لی جاتی یا (یہ فرمایا کہ) ایسی توبہ ایک بڑی جماعت کر لیتی تو قبول کر لی جاتی۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ جَآءَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ زَنَيْتُ فَاَقِمِ الْحَدَّ عَلَيَّ فَاَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَفَعَلَ ذٰلِكَ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذٰلِكَ يَرُدُّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُعْرِضُ عَنْهُ فَقَالَ فِي الرَّابِعَةِ اَنْكَرْتُمْ مِنْ عَقْلِ هٰذَا شَيْئًا قَالُوْا مَا نَعْلَمُ اِلَّا عَاقِلًا وَّمَا نَعْلَمُ اِلَّا خَيْرًا قَالَ فَاذْهَبُوْا بِهٖ فَارْجُمُوْهُ قَالَ فَذَهَبُوْا بِهٖ فِيْ مَكَانٍ قَلِيْلِ الْحِجَارَةِ فَلَمَّا اَصَابَتْهُ الْحِجَارَةُ جَزَعَ قَالَ فَخَرَجَ يَشْتَدُّ حَتّٰى اَتَى الْحَرَّةَ فَثَبَتَ لَهُمْ قَالَ فَرَمَوْهُ بِجَلَا مِيْدِهَا حَتّٰى سَكَتَ قَالَ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاعِزٌ حِيْنَ اَصَابَتْهُ الْحِجَارَةُ جَزَعَ فَخَرَجَ يَشْتَدُّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا خَلَّيْتُمْ سَبِيْلَهُ قَالَ فَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِيْ اَمْرِهٖ فَقَالَتْ طَائِفَةٌ هَلَكَ مَاعِزٌ وَّاَهْلَكَ نَفْسَهُ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ بَلْ تَابَ اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا نَصْنَعُ بِهٖ قَالَ اصْنَعُوْا بِهٖ كَمَا تَصْنَعُوْنَ بِمَوْتَاكُمْ مِّنَ الْغُسْلِ وَالْكَفْنِ وَالْحُنُوْطِ وَالصَّلٰوةِ عَلَيْهِ وَالدَّفْنِ وَقَدْ رُوِيَ الْحَدِيْثُ بِرِوَايَاتٍ مُّخْتَلِفَةٍ نَحْوَ مَا تَقَدَّمَ.

بخاری (٦٨٢٤-٦٨٢٥) مسلم (٤٤٢٨-٤٤٣١-٤٤٣٢) ابوداؤد (٤٤١٩ تا ٤٤٣٤) ترمذی (١٤٢٨-١٤٢٩) ابن ماجہ (٢٥٥٤) ابن حبان (٤٤٣٨ تا ٤٤٤٠)

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ماعز بن مالک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ اس وقت آپ بیٹھے ہوئے تھے' سو اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے زنا کر لیا ہے' اس لیے آپ مجھ پر حد جاری فرمائیں' تو نبی کریم ﷺ نے اس سے دوسری طرف منہ پھیر لیا' حضرت بریدہ نے بتایا کہ حضرت ماعز نے چار مرتبہ اقرار و اعتراف کیا اور نبی کریم ﷺ ہر مرتبہ اس کو ردّ کرتے ہوئے اس سے منہ پھیر لیتے رہے' لیکن چوتھی مرتبہ آپ نے (صحابہ کرام سے) فرمایا: کیا تم اس کی عقل کا انکار کرتے ہو؟ تو سب نے کہا: ہم تو صرف یہی جانتے ہیں کہ یہ عاقل اور دانا آدمی ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ اپنے کردار میں بہترین آدمی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: پھر اس کو لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔ سو لوگ اس کو کم پتھریلی جگہ میں لے گئے اور جب اسے پتھروں کی مار پڑی تو وہ گھبرا گئے اور بھاگ پڑے' یہاں تک کہ وہ زیادہ پتھریلی سرزمین حرہ نامی بستی میں جا پہنچے اور وہاں سنگساری کے لیے ٹھہر گئے اور لوگوں نے اسے بڑے بڑے پتھر مارے یہاں تک کہ ان کا سانس بند ہو گیا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! جب ماعز کو پتھروں کی مار پڑی تو گھبرا گئے اور بھاگ پڑے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم نے ان کا راستہ کیوں نہ چھوڑ دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ ان کے بارے میں لوگ مختلف رائے دینے لگے' چنانچہ ایک گروہ نے کہا کہ ماعز ہلاک ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو خود ہلاک کیا' اور ایک گروہ نے کہا کہ بلکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی توبہ کی ہے کہ اگر لوگوں کی ایک جماعت ایسی توبہ کر لیتی تو ان کی طرف سے قبول کر لی جاتی' ان (حضرت ماعز) کی قوم نے عرض کیا: یارسول اللہ! بتائیے ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کریں؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: تم اس کے ساتھ ویسا سلوک کرو جیسا تم اپنے مرنے والے مسلمانوں کے ساتھ کرتے ہو کہ انہیں غسل دو' کفن دو' خوشبو لگاؤ' ان کی نمازِ جنازہ پڑھو اور انہیں دفن کرو۔ اور یہ حدیث مختلف روایات کے ساتھ بیان کی گئی ہیں' جیسا پہلے گزر چکا ہے۔

حل لغات

''اَلْآخِرُ'' اس میں خاء مکسور ہے کیونکہ اس کا معنی ہے: پچھلا' پیچھے آنے والا' پیچھے رہ جانے والا' یہاں اس کا معنی ہے: نیکیوں

میں پیچھے رہ جانے والا آدمی اس سے حضرت ماعز بن مالک مراد ہیں۔ ''فَارْجُمُوْهُ'' میں ''اِرْجُمُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر معروف باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: کسی کو پتھر مارنا' سنگسار کرنا۔ ''خَلَّیْتُمْ'' صیغہ جمع مذکر حاضر فعل ماضی معروف باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے: چھوڑ دینا' رہا کرنا' آزاد کرنا' خالی کرنا۔ ''فِـئَامٌ'' اس کا معنی ہے: لوگوں کی جماعت' اس کا واحد نہیں آتا۔ ''فِئَةٌ'' کی جماعت ''فِئَاتٌ'' اور ''فِئُوْنٌ'' آتی ہے' المنجد میں اسی طرح ہے۔

رجم کرنے کے دلائل

علامہ ملا علی قاری' مرقات شرح مشکوٰۃ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان اللّٰه بعث محمدًا بالحق وانزل عليه الكتاب فكان مما انزل اللّٰه تعالٰى آية الرجم.

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اوران پر ایک کتاب (قرآن مجید) نازل فرمائی' سو ان آیات میں سے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں' ایک آیتِ رجم تھی۔

(جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور اس کا حکم باقی رہا)۔ اور وہ یہ ہے:

الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموها ألبتة نكالًا من اللّٰه واللّٰه عزيز حكيم.

شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب یہ دونوں زناکاری کریں تو ان دونوں کو سنگسار کرو (یہ سزا) اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ہے اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے' سب سے بڑا دانا ہے۔

(حضرت عمر نے فرمایا:)

رجم رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ورجمنا بعده والرجم في كتاب اللّٰه حق على من زنٰى اذا احصن من الرجال والنسآء اذا قامت البيّنة او كان الحبل او الاعتراف. متفق عليه.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجم جاری کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم جاری رکھا اور رجم اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) میں ہر اس شخص پر واجب و لازم ہے جس نے مردوں اور عورتوں میں سے شادی کر لینے کے بعد زناکاری کی ہو' بشرطیکہ جب گواہوں کی گواہی سے زناکاری ثابت ہو جائے یا عورت بغیر نکاح حاملہ ہو جائے یا خود زانی (چار مرتبہ) اعتراف و اقرار کر لے۔

اس حدیث میں ''الشيخ والشيخة'' کا معنی محصن اور محصنہ یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت ہے اور یہی زیادہ ظاہر تفسیر ہے اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ جب لوگوں پر زمانہ طویل ہو جائے گا' تو کہنے والے کہیں گے کہ ہم رجم کی سزا کتاب اللہ (قرآن مجید) میں نہیں پاتے' سو یہ لوگ ایک ایسے فریضہ کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں گے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں نازل کیا ہے' سو رجم کتاب اللہ میں ثابت ہے اور اس کے آخر میں ہے: اور اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے: (حضرت) عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا ہے تو میں آیتِ رجم کو قرآن مجید میں ضرور لکھوا دیتا۔ اس حدیث کو نسائی کے علاوہ دیگر ائمہ نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے آیتِ رجم کو یوں پڑھا: ''الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموها البتة الخ'' علامہ ابن الہمام نے فرمایا کہ رجم پر صحابہ کرام اور علماء اُمت کا اجماع ہو چکا ہے اور خوارج کا رجم سے انکار کرنا باطل ہے' کیونکہ انہوں نے صحابہ کرام کے اجماع کو حجت ماننے سے انکار کیا ہے اور یہ جہل مرکب

(دگنی جہالت) ہے' ایک تو اس لیے کہ انہوں نے قطعی اجماع کا انکار کیا کیونکہ رجم پر صحابہ کرام کا اجماع قطعی ہے اور دوسرا اس لیے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رجم کے ثبوت کا انکار کیا ہے' حالانکہ یہ تواتر معنوی سے ثابت ہے جیسے حضرت علی کے لیے شجاعت و بہادری اور حاتم کے لیے جود و سخاوت ثابت ہے' البتہ رجم کی تفاصیل اور اس کی خصوصیات احادیث احاد سے ثابت ہیں لیکن اصل رجم بلاشک وشبہ تواتر معنوی سے یقینی طور پر ثابت ہے۔ [مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۷ ص ۱۲۴' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

٦- بَابُ قَتْلِ الْمُسْلِمِ بِالذِّمِّيِّ

مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قتل کرنے کا حکم

۳۱۷- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ رَبِيْعَةَ عَنِ ابْنِ الْبَيْلَمَانِيِّ قَالَ قَتَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْلِمًا بِمُعَاهِدٍ فَقَالَ اَنَا اَحَقُّ مَنْ اَوْفٰى بِذِمَّتِهٖ.

حضرت ابن بیلمانی بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک معاہد (ذمی کافر) کے بدلے میں مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا' اور فرمایا: اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے والوں میں' میں اپنی ذمہ دار کو پورا کرنے کا سب سے زیادہ حق دار ہوں۔

دارقطنی (۲۸٦٥) سنن کبریٰ للبیہقی (۱٤٦٩٤) الخراج لیحییٰ ابن آدم (۲۰۱)

حل لغات

''بِمُعَاهِدٍ'' اگر ھاء کو مکسور پڑھا جائے تو یہ اسم فاعل واحد مذکر کا صیغہ بنے گا اور اس کا معنی عہد و پیمان کرنے والا ہوگا اور اگر ھاء کو مفتوح پڑھا جائے تو یہ اسم مفعول واحد مذکر کا صیغہ ہوگا اور اس کا معنی ہوگا: جس سے عہد لیا گیا ہو اور اس سے یہودی یا نصرانی ذمی مراد ہے۔ ''اَوْفٰی'' یہ صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اور اس کا معنی ہے: پورا کرنا۔

غیر مسلم ذمی کی جان' مال اور آبرو کی حفاظت' مسلمان حکمران کی ذمہ داری ہے

معاہد کا معنی ہے: عہد کرنے والا اور جو غیر مسلم شخص اسلامی سلطنت میں مستقل رہنے کے لیے ایک معاہدہ کے تحت مسلم مملکت کی شہریت حاصل کر چکا ہو' اسے ذمی کہا جاتا ہے اور جو غیر مسلم شخص کسی کاروبار یا سیر و سیاحت کے لیے عارضی قیام کی بناء پر مسلم ملک میں پناہ گزیں ہو' اسے مستأمن کہا جاتا ہے اور جن غیر مسلم اقوام سے ہماری صلح ہو' انہیں معاہد کہا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی کو بلاوجہ قتل کرنا درست نہیں' ہاں! اگر وہ کوئی ایسی حرکت کریں جس سے ان کا قتل شرعاً درست ہو جائے تو ان کو قتل کرنا جائز ہو جاتا ہے' یہاں حدیث میں معاہد سے ذمی کافر مراد ہے۔ چونکہ ذمی کافر اسلامی مملکت کا مستقل شہری اور مسلم حکومت کا تابعدار اور حکومتی قوانین کا پابند ہوتا ہے' اس لیے اس کی جان' مال اور آبرو کی حفاظت' مسلمان حکمرانوں کی ذمہ داری ہوتی ہے' لہٰذا غیر مسلم ذمی کا مال چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور ذمیہ عورت کے ساتھ زناکاری کرنے والے پر حد جاری کی جائے گی اور ذمی کو قتل کرنے والے کو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے' اِلّا یہ کہ اس کے ورثاء قصاص کی بجائے دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہو جائیں یا قاتل کو بالکل معاف کر دیں۔

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں: اور اس لیے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ ذمی کافر کے قتل کرنے پر مسلمان قاتل کو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا' البتہ مستأمن کے بدلے میں مسلمان قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا (بلکہ خون بہا دیا جائے گا) اور امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا: جب کوئی مسلمان کسی ذمی یا معاہد کو قتل کر دے تو اس کے بدلے میں مسلمان قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ امام مالک نے اسی طرح فرمایا مگر یہ استثناء کیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی یا کسی معاہد یا مستأمن کو دھوکے سے قتل کر دے تو پھر اسے ضرور قتل کیا جائے گا اور مقتول کے وارث کو اس صورت میں معاف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ قاتل نے دھوکے سے قتل کر کے حاکم وقت

کے خلاف فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے کا ارتکاب کیا ہے' لیکن اگر مسلمان کسی عام کافر کو قتل کر دے تو اس کے بدلے میں مسلمان قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا' اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۲۲۵' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

١٦ - كِتَابُ الْجِهَادِ

جہاد کے احکام

١ - بَابُ حُرْمَةِ نِسَآءِ الْمُجَاهِدِيْنَ

مجاہدین کی عورتوں کی حرمت

٣١٨- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى حُرْمَةَ نِسَآءِ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ كَحُرْمَةِ اُمَّهَاتِهِمْ وَمَا مِنْ رَّجُلٍ مِّنَ الْقَاعِدِيْنَ يَخُوْنُ اَحَدًا مِّنَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ اَهْلِهٖ اِلَّا قِيْلَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِقْتَصَّ فَمَا ظَنُّكُمْ. مسلم(٤٩٠٨)ابوداؤد (٢٤٩٦)نسائی(١٣٩١)مسند احمد(٢٣٣٦٥)ابن حبان(٤٦٣٤)

حضرت ابن بریدہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد سے پیچھے بیٹھے رہنے والوں پر مجاہدین کی عورتوں کی حرمت اس طرح لازم کر دی ہے جس طرح ان کی ماؤں کی حرمت ان پر لازم ہے اور جہاد سے پیچھے بیٹھے رہنے والوں میں سے جو شخص مجاہدین میں سے کسی مجاہد کے اہل خانہ کے ساتھ خیانت کرے گا' اسے قیامت کے دن کہا جائے گا: اب تم قصاص لے لو' سو اب تمہارا کیا خیال ہے۔

حل لغات

''يَخُوْنُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: امانت میں خیانت کرنا۔ ''اِقْتَصَّ'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل امر معروف' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: قصاص لینا' بدلہ لینا۔

مجاہدین کے اہل وعیال اور مال کی حفاظت فرض ہے

اس حدیث میں مجاہدین سے وہ مسلمان مراد ہیں جو دین اسلام کی سربلندی اور اس کی اشاعت وغلبہ کی خاطر اللہ تعالیٰ کی راہ میں میدانِ کارزار میں جا کر کفار سے برسرِ پیکار ہونے کے لیے گھروں سے غائب ہوں اور قاعدین سے وہ مسلمان مراد ہیں جو کسی عذر کی بناء پر جہاد سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے اپنے گھروں میں موجود ہوں اور ان پیچھے رہ جانے والوں پر مجاہدین کی عورتوں اور دیگر عزیز و اقارب کی خدمت کرنا' ان کی ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھنا' سودا سلف وغیرہ لا کر دینا اور ان کی حرمت وآبرو کی حفاظت کرنا اور ان کی عزت واحترام اور مقام ومرتبہ کی رعایت کرنا واجب ولازم ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی عورتوں کی عزت وحرمت کو گھروں میں بیٹھے رہنے والوں پر ان کی ماؤں کی عزت وحرمت کی طرح قرار دیا ہے' لہٰذا ان میں سے اگر کوئی شخص کسی مجاہد کی عورت کے ساتھ خیانت کرے گا' خواہ مالی خیانت ہو یا آبرو کی خیانت ہو تو قیامت کے دن اس عورت کے مجاہد خاوند کو کہا جائے گا کہ آج تو اپنا حق اس خائن سے لے لے اور یہ اس طرح ہوگا کہ خائن کی نیکیاں مجاہد لے لے گا اور مجاہد کی بُرائیاں خائن پر ڈال دی جائیں گی اور اب تمہارا مجاہدین کے بارے میں کیا خیال ہے' کیا اب بھی تم مجاہدین کو جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کی طرح گمان کرتے ہو؟

اور اس حدیث کو امام احمد' امام مسلم اور امام ابوداؤد نے حضرت بریدہ سے روایت کیا' جس میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن مجاہد کو کہا جائے گا کہ جس شخص نے تیرے پیچھے تیرے اہل خانہ کے ساتھ بُرائی کی ہے' اس کی نیکیوں میں سے جس قدر تم چاہو لے لو' چنانچہ وہ مجاہد اس خائن کی نیکیوں میں سے جس قدر چاہے گا لے لے گا' اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

فرمایا کہ میں یہ خیال نہیں کرتا کہ وہ مجاہد اس شخص کی نیکیوں میں سے کچھ چھوڑ دے گا۔ امام دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: مجاہد اسلام اور عالمِ دین نبوت کے درجہ کے قریب ترین ہوتے ہیں کیونکہ مجاہدین اس دین کی ترویج اور غلبہ کے لیے جہاد کرتے ہیں جس کو مرسلین لے کر تشریف لائے اور علمائے دین لوگوں کو ان تعلیمات کی ہدایات دیتے ہیں جن کو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام لے کر تشریف لائے۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ٣-٤٧٣-٢٧٣' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

٢ - بَابُ الْوَصِيَّةِ لِلْبَعْثِ بِالْمُهِمَّاتِ

لشکر کو بھیجتے وقت اہم اُمور کی وصیت

٣١٩- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا بَعَثَ جَيْشًا اَوْ سَرِيَّةً اَوْصٰى اَمِيْرَهُمْ فِيْ خَاصَّةِ نَفْسِهٖ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَاَوْصٰى فِيْمَنْ مَّعَهٗ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اُغْزُوْا بِسْمِ اللّٰهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ لَا تَغُلُّوْا وَلَا تَغْدِرُوْا وَلَا تَمْثُلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَلَا شَيْخًا كَبِيْرًا فَاِذَا لَقِيْتُمْ عَدُوَّكُمْ فَادْعُوْهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَبَوْا فَادْعُوْهُمْ اِلٰى اِعْطَاءِ الْجِزْيَةِ فَاِنْ اَبَوْا فَقَاتِلُوْهُمْ فَاِذَا حَصَرْتُمْ اَهْلَ حِصْنٍ فَاَرَادُوْكُمْ اَنْ تُنْزِلُوْا عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلَا تَفْعَلُوْا فَاِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ مَا حُكْمُ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَنْزِلُوْهُمْ عَلٰى حُكْمِكُمْ ثُمَّ احْكُمُوْا فِيْهِ بِمَا بَدَا لَكُمْ فَاِنْ اَرَادُوْكُمْ اَنْ تُعْطُوْهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ فَاَعْطُوْهُمْ ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ اٰبَائِكُمْ فَاِنَّكُمْ اَنْ تُخْفِرُوْا بِذِمَمِكُمْ اَهْوَنُ مِنْ اَنْ تُخْفِرُوْا بِذِمَّةِ اللّٰهِ فِيْ رَقَبَتِكُمْ. وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاِنْ اَرَادُوْكُمْ اَنْ تُعْطُوْهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُعْطُوْهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَلَا ذِمَّةَ رَسُوْلِهٖ وَلٰكِنْ اَعْطُوْهُمْ ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ اٰبَائِكُمْ فَاِنَّكُمْ اَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ اٰبَائِكُمْ اَيْسَرُ. مسلم(٤٥٤٢)ترمذی (١٦١٧)ابن ماجہ(٢٥٥٨)مسند احمد(٢٣٣٦٦)

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی لشکر یا کسی فوجی دستہ کو روانہ فرماتے تو ان کے امیر کو خصوصی طور پر اس کی اپنی ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے خوف اور تقویٰ کی وصیت فرماتے اور اس کے ساتھی دوسرے مسلمانوں کو خیر وبھلائی اور بہترین سلوک کرنے کی وصیت فرماتے' پھر فرماتے کہ تم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کی راہ میں جہاد کرو' اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے جنگ کرو' تم نہ خیانت کرو اور نہ دھوکہ دہی کرو اور نہ لاشوں کا مثلہ کرو' اور تم نہ کسی بچے کو قتل کرو نہ کسی بوڑھے بزرگ کو قتل کرو اور جب تمہارا اپنے دشمنوں سے آمنا سامنا ہو تو پہلے تم ان کو اسلام قبول کر لینے کی دعوت دو' سو اگر وہ انکار کر دیں تو تم انہیں جزیہ دینے کی دعوت دو اور اگر وہ انکار کر دیں تو پھر تم ان سے جنگ کرو اور جب تم کسی اہلِ قلعہ کا محاصرہ کر لو اور وہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ کے حکم پر اُتار لو تو تم ایسا ہرگز نہ کرو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ کا حکم کیا ہے' لیکن تم انہیں اپنے فیصلہ پر اُتارو' پھر تم ان کے بارے میں وہی فیصلہ کرو جسے تم مناسب سمجھو اور اگر وہ تم سے یہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ کا ذمہ (امان) دے دو تو تم انہیں اپنا اور اپنے آباء واجداد کا ذمہ دے دو' کیونکہ تمہارا اپنے ذمہ کو اپنی گردن پر توڑنا' اللہ تعالیٰ کے ذمہ کو توڑنے سے زیادہ آسان ہے' اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اگر وہ تم سے یہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ کا ذمہ اور اس کے رسول کا ذمہ دے دو تو تم انہیں نہ تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ دو اور نہ اس کے رسول کا ذمہ' لیکن تم انہیں اپنا اور اپنے باپ دادا کا ذمہ دو کیونکہ تمہارے لیے اپنا اور اپنے باپ دادا کا ذمہ توڑنا زیادہ آسان ہے۔

حل لغات

''اَوْصٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: وصیت کرنا' کسی کام کی تاکید کرنا۔ ''اُغْزُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل امر معروف' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: جہاد کرنا' جنگ کرنا۔ ''لَا تَغُلُّوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل نہی معروف' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: مالِ غنیمت میں خیانت کرنا۔ ''لَا تَغْدِرُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل نہی معروف' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: وعدہ خلافی کرنا' دھوکہ دینا۔ ''لَا تَمَثِّلُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل نہی معروف' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: مثلہ کرنا' یعنی میت کے مختلف اعضاء کاٹ کر اس کی شکل کو بگاڑ دینا۔ ''تَخْفِرُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل مضارع معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: بے حرمتی کرنا۔

امیر لشکر کو اہم اُمور کی تاکید

امام ترمذی نے کتاب السیر کے اواخر میں حضرت سفیان کے طریق سے از علقمہ بن مرثد از سلیمان بن بریدہ از والد خود یہی حدیث بیان کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اس باب میں حضرت نعمان بن مقرن سے یہ حدیث مروی ہے اور حضرت بریدہ کی یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت سفیان کی یہ روایت امام ابوحنیفہ کی اسناد اور اس کے متن کی طرح ہے اور اس حدیث میں چند اُمور کا حکم دیا گیا ہے:

(١) تقویٰ اور خدا خوفی اختیار کرنا' (٢) مسلمانوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا' (٣) اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جنگ کرنا' (٤) اللہ کی رضا کی خاطر اس کی راہ میں جہاد کرنا' (٥) کفار کے خلاف جنگ کرنے سے پہلے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا' (٦) عدم قبول کی صورت میں دوبارہ انہیں جزیہ دینے کی دعوت دینا' (٧) انکار کی صورت میں تیسری مرتبہ ان سے جنگ کرنا۔

اور اس حدیث میں چند اُمور سے منع بھی کیا گیا ہے:

(١) مالِ غنیمت میں خیانت کرنے سے' (٢) خفیہ معاہدہ توڑ کر دھوکہ دینے سے' (٣) مُثلہ (مقتولوں کی شکل بگاڑنے) سے' (٤) نابالغ بچوں کو قتل کرنے سے' (٥) کمزور وناتواں بوڑھوں کو قتل کرنے سے' (٦) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ذمہ (امان) دینے سے' (٧) اللہ تعالیٰ کے حکم پر قلعہ سے اتارنے سے۔ [ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ١٦٢' حاشیہ ا' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

٣- بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْمُثْلَةِ
مثلہ کرنے کی ممانعت

٣٢٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُثْلَةِ.

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بخاری (٥٥١٦) نسائی (٤٤٤٧) ابن ماجہ (٣١٨٥) ابن حبان (٤٤٧٣-٥٦١٧) سنن داری (ج ٢ ص ٨٣)

حل لغات

''اَلْمُثْلَةُ'' میم مضموم کے ساتھ ہے' اس کے لغوی معنی ہیں: سخت سزا دینا۔ اور اصطلاح میں اس کے معنی ہیں: میت یا مقتول کے ہاتھ پاؤں' آنکھ' ناک' کان اور زبان وغیرہ کاٹنا اور بطور قصاص مثلہ اب بھی جائز ہے' لیکن سزا کے طور پر کسی کا مثلہ کرنا جائز نہیں بلکہ ممنوع ہے۔

قبیلہ عُکل اور عرینہ کے مرتدوں کے مثلہ کرنے کی وجہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ عُکل کے کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے اور انہوں نے مدینہ منورہ کو ناموافق محسوس کیا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ صدقہ کے اونٹوں میں جائیں اور ان کے پیشاب اور دودھ پئیں' سو انہوں نے یونہی کیا تو تندرست ہو گئے' پھر وہ مرتد ہو گئے اور انہوں نے صدقہ کے اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پیچھے سپاہی بھیجے اور جب انہیں گرفتار کر کے لایا گیا تو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں' پھر ان کو داغا نہیں گیا' حتیٰ کہ وہ مر گئے۔ [مشکوٰۃ' باب قتل اھل الردۃ والسعاۃ بالفساد' الفصل الاوّل]

صاحبِ اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ وہ سات آدمی تھے' چار قبیلہ عرینہ کے اور تین قبیلہ عکل کے۔ اسی لیے بعض احادیث میں ہے کہ عرینہ کے تھے' بعض میں ہے کہ عُکل کے تھے۔ یہ دونوں روایات درست ہیں کہ وہ لوگ دونوں قبیلوں کے تھے' بہر حال یہ بات خیال میں رہے کہ اب شریعت میں مثلہ کرنا' یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹ دینا اور آنکھیں پھوڑ دینا ممنوع ہے' رسول اللہ کا یہ عمل یا تو مثلہ کی ممانعت سے پہلے ہوا تھا' پھر بعد میں مثلہ کرنے سے منع فرمایا' یا پھر اس لیے تھا کہ ان لوگوں نے رسول اللہ کے چرواہوں کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا تو قصاصاً رسول اللہ نے بھی ان سے یہی سلوک فرمایا' یا پھر اس لیے تھا کہ انہوں نے بہت جرم کیے تھے' مرتد ہو جانا' چرواہوں کو مثلہ کر کے مار ڈالنا اور صدقہ کا مال وغیرہ لوٹ لینا' سو اس لیے ان کو یہ سزا دی گئی' لہٰذا اگر مجرم کئی قسم کے جرم کریں تو حاکم تمام قصاصوں کو جمع کر سکتا۔ [مرقات] یہاں صاحبِ مرقات نے فرمایا کہ اگر مرتد پیاس سے مر رہا ہو اور کسی کے پاس بہ قدرِ وضو پانی ہو تو وہ اسے پانی نہ دے بلکہ وضو کرے اور اگر ذمی کافر یا جانور پیاس سے مر رہا ہو تو وضو نہ کرے' اسے پلائے کیونکہ مرتد کسی رحم کا مستحق نہیں۔ خیال رہے کہ اسلام بہت رحمت والا دین ہے اور رسول اللہ رحمۃ للعالمین ہیں مگر اسلام میں سزائیں سخت ہیں کیونکہ سخت سزا سے ہی جرم بند ہوتے ہیں اور ملک میں امن وامان قائم ہوتا ہے' عرب جیسے ملک میں امن ان ہی سختیوں کی وجہ سے قائم ہوا' آج ہمارے ملکوں میں امن اس لیے نہیں کہ یہاں سزائیں نرم ہیں' ہمیں اپنے ہاں کی بدامنی دیکھ کر ان سزاؤں کی قدر معلوم ہوتی ہے' اگر آج بازار میں ایک دو چوروں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں اور ایک دو زانیوں کو رجم کر دیا جائے تو ان شاء اللہ ہمارے ہاں بھی عرب جیسا امن قائم ہو سکتا ہے کہ وہاں لوگ رات کو گھروں کے دروازے بند نہیں کرتے' قیمتی دُکان کھلی چھوڑ کر مسجد میں نماز کے لیے آ جاتے ہیں' اور اب تو اسلام کی خوبیاں کفار بھی ماننے لگے ہیں۔

[مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ٥ ص ٢٦٧-٢٦٥' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

٤- بَابُ عَلَامَةِ الْبُلُوْغِ
بالغ ہونے کی علامت

٣٢١- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ حَمَّادٍ وَّاَبِيْهِ وَالْقَاسِمِ بْنِ مَعْنٍ وَعَبْدِالْمَلِكِ عَنْ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ قَالَ عُرِضْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ قُرَيْظَةَ قَامَ فَاَمَرَ بِقَتْلِ كِبَارِهِمْ وَسَبْيِ صِغَارِهِمْ فَمَنْ اَنْبَتَ قُتِلَ وَمَنْ لَّمْ يُنْبِتْ اُسْتُحْيِيَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ عُرِضْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اُنْظُرُوْا فَاِنْ كَانَ اَنْبَتَ فَاضْرِبُوْا عُنُقَهٗ فَوَجَدُوْنِيْ

حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بنو قریظہ کے دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا' آپ نے کھڑے ہو کر حکم دیا کہ ان کے بڑوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے چھوٹوں کو قیدی بنا لیا جائے' سو جس کے زیر ناف بال اُگ چکے تھے اسے قتل کر دیا گیا اور جس کے زیر ناف بال نہیں اُگے تھے' اسے زندہ چھوڑ دیا گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: دیکھو! اگر اس کے بال اُگ آئے ہوں تو اس کی گردن

لَمْ أُنْبِتْ فَخَلِّيَ سَبِيْلِيْ. وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ كُنْتُ مِنْ سَبْيِ قُرَيْظَةَ فَعُرِضْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرُوْا فِيْ عَانَتِيْ فَوَجَدُوْنِيْ لَمْ أُنْبِتْ فَأَلْحَقُوْنِيْ بِالسَّبِيْ.

ترمذی(١٥٨٤) ابوداؤد(٤٤٠٤) ابن ماجہ(٢٥٤١) ابن حبان(٤٧٨٠)

اُڑا دو' سوانہوں نے جب مجھے دیکھا تو میرے زیر ناف بال نہیں اُگے تھے تو انہوں نے میرا راستہ چھوڑ دیا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عطیہ نے کہا کہ میں قریظہ کے قیدیوں میں تھا تو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گیا تو لوگوں نے میرے زیر ناف بال دیکھے تو انہوں نے مجھے اس حال میں پایا کہ میرے زیر ناف بال نہیں اُگے تھے' سوانہوں نے مجھے قیدیوں میں شامل کرلیا۔

حل لغات

''عُرِضْنَا'' صیغہ جمع متکلم' فعل ماضی مجہول' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کو پیش کرنا۔ ''اُنْبِتَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: اُگنا۔

بنوقریظہ کی عہد شکنی

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ (جس کا اس وقت یثرب نام تھا) میں تشریف لائے تو اس وقت یہاں یہود کے تین قبیلے (١) بنوقینقاع (٢) بنونضیر (٣) بنوقریظہ سکونت پذیر تھے۔ رسول اللہ نے ان سب کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے' جن معاہدوں کے ذریعے ان کو مکمل مذہبی آزادی دی گئی۔ وہ اپنے مذہبی شعائر اور تقریبات کو کسی روک ٹوک کے بغیر منا سکتے تھے۔ انہیں کاروبار کرنے' زراعت اور دیگر معاشرتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا حق دیا گیا تھا اور انہیں ان کی جان' مال اور آبرو کا تحفظ دیا گیا تھا' ان سے فقط یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ نہ وہ خود مسلمانوں پر حملہ کریں گے' نہ کسی حملہ آور دشمن کا ساتھ دیں گے اور نہ وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں گے۔ ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ خندق ہوا۔ اس سارے عرصہ میں ان قبائل نے ایک دن بھی مسلمانوں کے ساتھ شریفانہ برتاؤ نہیں کیا۔ جب بھی ان کا بس چلا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچائی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں ذرا بھر دریغ نہ کیا۔

بنونضیر نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی ناپاک سازش کی' اگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی خود حفاظت نہ فرماتا تو وہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو ہی چکے تھے۔ بنی قریظہ نے تو اپنے دو ہم مذہب قبیلوں کے جذبۂ اسلام دشمنی کو بھی مات کر دیا۔ عین اس وقت جب کفارِ مکہ سارے عرب کے ساتھ دس بارہ ہزار کا لشکر جرار لے کر مدینہ طیبہ کو روند ڈالنے اور مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دینے کے ارادہ سے چڑھ دوڑے تھے۔ سخت ترین کڑکڑاتا جاڑا' سامان خوردونوش کی شدید قلت' جب مسلمان اپنی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے اور حالات از حد سنگین تھے' اس وقت بنوقریظہ نے وہ وعدہ توڑ دیا جس کے سائے میں انہوں نے پانچ سال تک عزت و خوشحالی کی زندگی بسر کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ اوسی جوان کے دیرینہ حلیف تھے اور سعد بن عبادہ کو اس واقعہ کی تحقیق کے لیے بھیجا تو وہاں کا منظر ہی ہوش ربا تھا۔ تلواروں کی دھاریں تیز کی جارہی تھیں' تیروں کے پیکان درست کیے جارہے تھے' نیزوں کی انیوں کو چمکایا جارہا تھا' مختلف قسم کا اسلحہ' ڈھالیں اور زرہیں تقسیم کی جارہی تھیں' حضرت سعد بن معاذ جوان کے دیرینہ حلیف تھے' ان کو وہ معاہدہ یاد دلایا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ انہوں نے ادب واحترام کے سارے ضابطوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اور اپنے دیرینہ حلیف کے لحاظ کیے بغیر کہا: ''من رسول الله'' کون رسول اللہ؟ ہم کسی کو نہیں جانتے۔ ''لا عهد بيننا وبين محمد ولا عقد'' ہمارے درمیان اور (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کسی قسم کا کوئی عہد و پیمان نہیں۔ حیی بن اخطب

کی انگیخت پر انہوں نے مسلمانوں سے اپنے تعلقات منقطع کر کے ان مشرکین کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دی جو مدینہ طیبہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لیے آئے تھے' بہرحال یہ وہ عہد شکنی ہے جس کی وجہ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوۂ خندق سے فارغ ہونے کے بعد وحی الٰہی کے مطابق بنوقریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور کچھ عرصہ تک وہ لوگ تیراندازی اور سنگ باری وغیرہ کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے' لیکن جب مسلمانوں نے انہیں باقاعدہ اپنی زد میں لے لیا تو انہوں نے پتھر برسانے بند کر دیئے اور صلح کے لیے گفتگو کی اجازت طلب کی' جو انہیں بخشی گئی اور خود انہوں نے اپنے پرانے حلیف حضرت سعد بن معاذ کو اپنا حکم اور ثالث مقرر کیا جسے رسول اللہ نے منظور فرمالیا' چنانچہ حضرت سعد کو بلا کر فریقین کی طرف سے انہیں فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار دیا گیا تو انہوں نے فرمایا: میرا فیصلہ یہ ہے کہ یہود کے جنگ جو جوانوں اور بالغوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور نابالغ بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کے مال اور جائیدادیں مہاجرین وانصار میں تقسیم کر دی جائیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے سعد! تم نے وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر فرمایا ہے۔

[انتخاب واختصار مع تقدیم وتاخیر: ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۴' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور]

چونکہ اس غزوۂ بنوقریظہ میں بالغوں کو قتل کرنے اور نابالغوں کو قیدی بنانے کا فیصلہ کیا گیا تھا' اس لیے حضرت عطیہ قرظی کی مروی اس حدیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالغ ونابالغ کی پہچان کی ایک علامت یہ بیان فرمائی کہ جس کے زیر ناف بال اُگ چکے ہوں وہ بالغ ہے' اسے قتل کر دیا جائے اور جس بچے کے زیر ناف بال نہ اُگے ہوں' وہ نابالغ ہے' اسے عورتوں کے ساتھ قیدی بنا لیا جائے۔

٥- بَابٌ لَا يَجُوْزُ اَخْذُ الْمَالِ بَدَلَ الْجِيفَةِ

لاش کے بدلے میں مال لینا جائز نہیں

٣٢٢- اَبُوْحَنِيْفَةَ وَابْنُ اَبِيْ لَيْلٰى عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ قُتِلَ فِي الْخَنْدَقِ فَاَعْطَى الْمُشْرِكُوْنَ بِجِيْفَتِهٖ مَالًا فَنَهَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ. ترمذی(١٧١٥)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے دن مشرکین کا ایک آدمی خندق میں قتل کر دیا گیا' سو مشرکین اس مردہ آدمی کی لاش وصول کرنے کے بدلے میں بہت سامان دینے لگے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس سے منع کر دیا (اور اس کی لاش بلا معاوضہ واپس کر دی)۔

حل لغات

''جِيفَةٌ'' اس کا معنی ہے: مردار اور اس سے مراد مشرک مقتول کی لاش ہے۔

مردے کو فروخت کرنے کی ممانعت کی وجوہات

امام ترمذی نے محمود بن غیلان' ابواحمد' سفیان' ابن ابی لیلیٰ' حکم بن عتبہ اور مقسم کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ مشرکین نے ایک مشرک کی لاش خریدنا چاہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لاش بیچنے سے انکار کر دیا۔ (امام ترمذی فرماتے ہیں:) یہ حدیث غریب ہے' ہم اس کو صرف حکم بن عتبہ کی روایت سے پہچانتے ہیں۔ اور حجاج بن ارطاۃ نے بھی اس حدیث کو حکم بن عتبہ سے روایت کیا ہے اور احمد بن حسین فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ کی حدیث کو بطورِ حجت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری نے فرمایا کہ ابن ابی لیلیٰ بہت سچے راوی ہیں' لیکن ان کی صحیح اور ضعیف روایت

میں امتیاز نہیں ہوسکتا اور میں ان سے روایت تو نہیں کرتا' البتہ ابن ابی لیلیٰ بہت سچے اور فقیہ ہیں اور بسا اوقات سند میں ان سے خطاء واقع ہوجاتی ہے۔ نصر بن علی نے بواسطہ عبداللہ بن داؤد سفیان ثوری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ اور عبداللہ بن شبرمہ ہمارے فقیہ ہیں۔ [جامع ترمذی' باب ماجاء لاتفادی جیفۃ الاسیر: ١٧٠٠' ج ١ ص ٨٢١' مترجم' فرید بک سٹال' لاہور]

امام ابوداؤد' حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تین افراد کے پاس فرشتے نہیں جاتے: (١) کافر کی لاش (٢) زعفران سے کسی تیز خوشبو میں لتھڑا شخص (٣) جنبی آدمی مگر یہ کہ وضوء کرلے اور امام طبرانی نے معجم الکبیر میں انہی سے روایت کیا ہے' جس کے آخر میں "الا ان یتوضا" کی بجائے "الا ان یبدوله ان یاکل او ینام فیتوضا وضوءه للصلوٰۃ" ہے' یعنی مگر یہ کہ اس کے لیے یہ ظاہر ہو کہ کھانا کھالے یا سو لے تو وہ نماز کی طرح وضوء کرلے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام' حاشیہ ٢' ص ١٦٣' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

اصل میں کسی مردہ لاش کو فروخت کرنا احترام انسانیت' اعلیٰ اخلاق' ہمدردی و رحم دلی اور عقل و دانش کے تقاضوں کے خلاف ہے اور ایسا کرنا کم عقلی' کم ظرفی اور گھٹیا پن ہے اور کسی بھی با مروّت و بااخلاق' عالی ظرف' سلیم الفطرت' مشفق و مربی اور قوم کے معمار کے لیے ایسے معیوب کاروبار کی اجازت دینا ناممکن ہے' اس لیے خلق عظیم کے مالک مصلح اعظم اور محسن انسانیت نبی کریم ﷺ نے اسے فروخت کرنا ناپسند فرمایا اور اس سے منع فرمادیا۔

٦- بَابُ النَّهْيِ عَنْ اَنْ يُّبَاعَ الْخُمُسُ حَتّٰى يُقَسَّمَ

مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے خمس کو فروخت کرنے کی ممانعت

٤٢٣- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ اَنْ يُّبَاعَ الْخُمُسُ حَتّٰى يُقَسَّمَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کے دن مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے حصص کو فروخت کرنے سے منع فرمادیا۔

ترمذی (١٥٦٣) ابوداؤد (٢١٥٨) مسند احمد (ج ٢ ص ١٠٨) نسائی (٤٦٩٤)

٤٢٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُقَسِّمْ شَيْئًا مِّنْ غَنَائِمِ بَدْرٍ اِلَّا بَعْدَ مَقْدَمِهِ بِالْمَدِيْنَةِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدر کے اموال غنیمت میں سے کوئی چیز مدینہ منورہ میں تشریف لانے سے پہلے تقسیم نہیں فرمائی۔

سیرت ابن ہشام (ج ٢ ص ٣٤٦)

حلِ لغات

"یُبَاعَ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع مجہول' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: فروخت کرنا' بیچنا۔ "خُمُسٌ" اس کا معنی ہے: پانچواں حصہ' لیکن یہاں اس سے غانمین کے مطلق حصص مراد ہیں۔ "غنائم" یہ "غنیمۃ" کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: جنگ میں کفار سے حاصل کردہ مال۔

مالِ غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے فروخت کرنا منع ہے

امام دارمی نے حضرت ابوامامہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تقسیم سے پہلے حصص فروخت کرنے سے منع

فرمایا اور اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ اور مستند ہیں اور وہ احمد بن حمید' ابواسامہ' عبدالرحمٰن' مکحول اور ابوامامہ ہیں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قولی حدیث سے بھی نہی ثابت ہے' جیسا کہ از نافع از ابن عمر مرفوع حدیث متن میں امام صاحب سے روایت کردہ گزر چکی ہے اور امام صاحب کی تمام روایات حجت ہیں' چنانچہ امام ابن الہمام نے امام صاحب کی مسانید کی بہت سی روایات کے ساتھ شرح ہدایہ میں استدلال کیا ہے اور امام دارمی کی روایت تقسیم سے پہلے حصص فروخت کرنے سے نہی میں صریح وارد ہے اور اس کی اسناد اصح الاسانید ہے اور امام ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اس کی خریداری سے منع فرمایا ہے۔ امام ترمذی نے کہا: اس باب میں حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے اور یہ حدیث غریب ہے' انتہٰی۔ لیکن یہ غریب' منکر یا ضعیف نہیں ہے' بلکہ راوی کے تفرد کی وجہ سے غریب ہے اور اگر ضعف تسلیم کرلیا جائے تو یہ ضعف متعدد طرق کی وجہ سے جاتا رہا ہے' علاوہ ازیں یہاں تو (دارمی کی روایت) صحیح بھی موجود ہے۔

[ماخوذ از تنسیق النظام' حاشیہ ٣-٢' ص ١٦٣]

اور صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ مال غنیمت دارالحرب میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا' یہاں تک کہ وہاں سے نکال کر اسے دارالاسلام میں پہنچا دیا جائے اور امام شافعی نے کہا: اس میں حرج نہیں جبکہ کفار کو شکست ہوجائے۔ دراصل ہمارے نزدیک دارالحرب میں مال غنیمت کے محفوظ ہوجانے سے ملک ثابت نہیں ہوتا اور امام شافعی کے نزدیک کفار کی شکست سے ملک ثابت ہوجاتا ہے۔ علامہ ابن الہمام نے کہا ہے: لیکن وہ حدیث جسے صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دارالحرب میں مالِ غنیمت تقسیم کرنے سے منع فرمایا ہے تو یہ حدیث غریب ہے' یعنی اس کی اسناد الفاظ کے اعتبار سے غریب ہے' معنی کے اعتبار سے نہیں' کیونکہ اس کی تائید و تصدیق امام صاحب کی حدیث سے حاصل ہوجاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ١٨٩' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

١٧- كِتَابُ الْبُيُوْعِ

خرید و فروخت کے احکام

١- بَابُ الْاِتِّقَاءِ عَنِ الْمُشْتَبِهَاتِ

مشتبہ چیزوں سے بچنے کا بیان

٤٢٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ يَقُوْلُ عَلَى الْمِنْبَرِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَّالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَّ بَيْنَ ذٰلِكَ مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَاَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ.

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما برسرِ منبر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان شک و شبہ میں ڈالنے والی چیزیں ہیں' جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے' سو جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچ گیا' اس نے اپنے دین اور اپنی عزت و آبرو کو بچالیا۔

بخاری (٢٠٥١) مسلم (٤٠٩٤) ابوداؤد (٣٣٢٩) ترمذی (١٢٠٥) نسائی (٤٤٥٨) ابن ماجہ (٣٩٨٤) ابن حبان (٧٢١) سنن دارمی (ج ٢ ص ٢٤٥)

حلِ لغات

"اِتَّقٰى" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: بچنا' پرہیز کرنا' ڈرنا۔ "اِسْتَبْرَاَ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: براءت چاہنا' نجات چاہنا' خلاصی چاہنا۔

مشتبہ چیزوں سے بچنے کی تاکید

ملاعلی قاری لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق حلال واضح ہے' اور اس کی حلت سب پر ظاہر وعیاں ہے اور حرام بھی واضح اور ظاہر ہے' انہیں سب مسلمان جانتے پہچانتے ہیں' البتہ ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہوتی ہیں' یعنی ان میں حرمت کا شبہ بھی ہوتا ہے اور حلت کا شبہ بھی ہوتا ہے جنہیں اکثر عوام الناس نہیں جانتے اور ان مشتبہ چیزوں کا حکم صرف علمائے دین جانتے ہیں (ورنہ کوئی چیز فی نفسہٖ مشتبہ نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول مبعوث فرمایا جنہوں نے اپنی اُمت کے لیے تمام ضروریاتِ دین کو واضح طور پر بیان فرما دیا ہے)' سو جس شخص نے مشتبہ چیزوں سے پرہیز کیا اور ان سے بچتا رہا تو اس نے اپنا دین اور اپنی عزت و آبرو بچالی کہ اب کوئی شخص اس کی دیانت داری اور مروّت و عزت داری میں طعنہ زنی نہیں کر سکتا اور محدثین کی ایک جماعت نے اس حدیث کو طوالت کے ساتھ روایت کیا ہے جیسا کہ الاربعین للنووی میں ذکر کیا گیا ہے۔

امام طبرانی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حلال بھی ظاہر اور واضح ہے اور حرام بھی ظاہر اور واضح ہے' سو تم اس چیز کو چھوڑ دو جو تمہیں شک وشبہ میں ڈالتی ہے اور اس چیز کو اختیار کر لو جو تمہیں شک وشبہ میں نہیں ڈالتی۔

اور جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ اور الحاکم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ حلال وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں حلال بیان فرمایا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ جن چیزوں سے خاموش رہا تو وہ معاف ہیں۔

[شرح مسند امام اعظم للملاعلی قاری ص ۵۳۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

یاد رکھو کہ مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم صرف تقویٰ اختیار کرنے اور احتیاط کرنے کی بناء پر ہے' ورنہ شرعی دلائل سے یہ ثابت ہے کہ تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے (یعنی اصل میں ہر چیز مباح اور جائز ہے) اور حنفیہ اور شافعیہ کے جمہور کا یہی مذہب ہے' جیسا کہ مسلم الثبوت میں ہے اور التوضیح میں اسی پر استدلال کیا گیا ہے اور التوضیح والتلویح میں کئی مواقع پر اس کے ساتھ تمسک کیا گیا ہے اور علامہ قسطلانی نے فتح الباری سے نقل کیا ہے کہ مشتبہات کے حکم میں اختلاف ہے' سو بعض علماء نے کہا ہے: یہ حرام ہیں' اور یہ قول مردود ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ توقف ہے اور یہ شریعت سے پہلے اصل کے خلاف ہے کیونکہ علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی اور علامہ ملاعلی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں اور اصولیین' فقہاء اور شارحینِ حدیث میں سے جمہور علماء نے نصوصِ قرآنیہ' احادیثِ نبویہ اور صحابہ کرام کے آثارِ کثیرہ سے ثابت کیا ہے کہ اصل میں اباحت ہے اور علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار شرح الدر المختار المعروف فتاویٰ شامی میں بڑی تحقیق سے اباحت کو ثابت کیا ہے۔

[تنسیق النظام حاشیہ ۵ ص ۱۹۳' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۲- بَابُ اللَّعْنِ عَلَى الْخَمْرِ وَمُتَعَلِّقِيهَا

شراب اور اس کے کارندوں کے ملعون ہونے کا بیان

۳۲۶- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لُعِنَتِ الْخَمْرُ وَ عَاصِرُهَا وَسَاقِيْهَا وَشَارِبُهَا وَبَائِعُهَا وَ مُشْتَرِيْهَا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شراب پر اور اس کے نچوڑنے والے' پلانے والے' پینے والے' فروخت کرنے والے اور خریدنے والے پر لعنت کی گئی ہے۔

ابوداؤد (۳٦٧٤) ترمذی (۱۲۹٥) ابن ماجہ (۳۳۸۰) مسند احمد (ج ۲ ص ۵۲)

حل لغات

''لُعِنَتْ'' ملاعلی قاری نے کہا کہ یہ صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معروف ہے' یا یہ صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی مجہول ہے اور اکثر روایات کے موافق یہی ہے' اس لیے یہ زیادہ ظاہر و درست ہے اور یہ باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: لعنت کرنا' رحمتِ الٰہی سے کسی کو دور کرنے کی دعائے ضرر کرنا۔ ''عَاصِرٌ'' صیغہ واحد مذکر' اسم فاعل' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: نچوڑنا۔

شراب کے نجس ہونے پر اجماع

ملاعلی قاری لکھتے ہیں کہ بہ ظاہر یہ حدیث موقوف ہے' لیکن یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے اور امام ابوداؤد اور حاکم نے حضرت ابن عمر سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ شراب پر اور اس کے پینے والے' اس کے پلانے والے' اس کو فروخت کرنے والے' خریدنے والے' نچوڑنے والے اور اس کے نچوڑنے کا حکم دینے والے' اُٹھا کر لے جانے والے اور جس کی طرف اُٹھا کر لے جائی جائے اور اس کی قیمت کھانے والے' سب پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی اور شراب کی نجاست پر تمام اُمت کا اجماع اور اتفاق ہے' مگر داؤد سے حکایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ شراب حرام تو ضرور ہے مگر نجس و ناپاک نہیں ہے بلکہ طاہر و پاک ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ٦٣' مطبوعہ بیروت]

۳- بَابُ حُرْمَةِ بَيْعِ الْخَمْرِ وَالشُّحُوْمِ

شراب اور چربی کو فروخت کرنے کی حرمت

۳۲۷- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ عُمَرَ اَوْ سَاَلَهٗ اَبُوْ كَثِيْرٍ عَنْ بَيْعِ الْخَمْرِ فَقَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ فَحَرَّمُوْا اَكْلَهَا وَاسْتَحَلُّوْا بَيْعَهَا وَاَكَلُوْا اَثْمَانَهَا وَاَنَّ الَّذِىْ حَرَّمَ الْخَمْرَ حَرَّمَ بَيْعَهَا وَاَكْلَ ثَمَنِهَا.

بخاری (۲۲۳٦) مسلم (٤٠٥٢) ابوداؤد (۳٤۸۸) ترمذی (۱۲۹۷) ابن ماجہ (۲۱۲۷)

حضرت محمد بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں نے یا ابو کثیر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے شراب کے بیچنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے' ان پر چربی کو حرام کیا گیا تو انہوں نے اس کا کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا لیکن اس کی خرید و فروخت کو حلال اور جائز سمجھا اور اس کی قیمت کو کھاتے رہے' اور بے شک جس ذات نے شراب کو حرام قرار دیا ہے' اسی نے اس کی خرید و فروخت اور اس کی قیمت کھانے کو حرام قرار دیا ہے۔

حل لغات

''حُرِّمَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی مجہول' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: حرام کرنا' ناجائز کرنا' ممنوع کرنا۔ ''اَلشُّحُوْمُ'' ''شَحْمٌ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: چربی' ایک ٹکڑا۔ ''اِسْتَحَلُّوْا'' صیغہ جمع مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: جائز سمجھنا' جائز شمار کرنا' جائز ٹھہرانے کی اجازت چاہنا۔

شراب کی فروخت کی ممانعت کے دلائل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انگور کے شیرہ (جوس) کے بارے میں سوال کیا گیا تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ایک روز ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انگور کی شراب کا ایک بہت بڑا مشکیزہ ہدیۃً پیش کیا تو نبی کریم ﷺ نے اس آدمی سے

فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں! سو اس کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے اس سے سرگوشی کی تو نبی کریم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: تم نے اس آدمی سے سرگوشی میں کیا کہا ہے؟ اس شخص نے عرض کیا: میں نے اس کو شراب فروخت کر دینے کا مشورہ دیا ہے' تو رسول اللہ نے فرمایا: بے شک جس ذات نے شراب کو حرام قرار دیا ہے' اسی نے اس کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔ حضرت نافع' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کرتے ہیں کہ عراق کے رہنے والے ایک آدمی نے حضرت ابن عمر سے کہا کہ ہم لوگ کھجور اور انگور کا پھل اور گنا خریدتے ہیں' پھر اس کو نچوڑ کر اس سے شراب تیار کرتے ہیں اور اسے فروخت کرتے ہیں' سو حضرت ابن عمر نے اس آدمی سے فرمایا کہ بے شک میں تم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کو اور جن وانس میں سے جو سن رہے ہیں ان کو گواہ بناتا ہوں کہ میں تمہیں اس کے فروخت کی اجازت نہیں دیتا' سو تم اس کو فروخت نہ کرو اور نہ اس کو نچوڑو اور نہ اس کو پیا کرو کیونکہ وہ یقیناً نجس و ناپاک ہے' شیطان کا عمل ہے۔

[موطأ امام محمد ص ۳۱۵-۳۱۴' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان' ۱۵ ہسپتال روڈ' لاہور]

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہود پر چربی حرام کر دی ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ. (الانعام:۱۴۶) اور گائے اور بکری کی قسم سے ان دونوں کی چربی ہم نے ان پر حرام کر دی ہے۔

اور انہوں نے چربی کا کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا اور اس کی خرید و فروخت کو جائز سمجھا اور اس کی قیمت کھاتے رہے' حالانکہ یہ آیت مطلق ہے لیکن انہوں نے نفسانی خواہشات کی وجہ سے اس آیت کو مقید و مخصوص کر لیا' بہر حال اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ. (المائدہ:۳) تم پر مردار حرام کر دیا گیا ہے۔

یہ آیت صرف مردار کے کھانے کی حرمت پر محمول ہے اور اس کے چمڑے سے نفع اور فائدہ اُٹھانا جائز ہے کیونکہ شراب کی حرمت اور اس کی خرید و فروخت اور اس کی قیمت کھانے کی حرمت کا بیان' صاحبِ شریعت کی طرف سے مستفید ہوا ہے' فاسد رائے اور کاسد و باطل قیاس سے نہیں اور بے شک جس ذات نے شراب کو حرام قرار دیا ہے' اسی نے اس کی خرید و فروخت اور اس کی قیمت کھانے کو حرام قرار دیا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور ایک جماعت نے حضرت جابر سے اور امام بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور امام احمد بن حنبل' شیخین' نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عمر سے مرفوع حدیث بیان کی ہے' جس کے الفاظ (ترجمہ) یہ ہیں: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک و تباہ کرے' بے شک جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی کو حرام قرار دیا تو انہوں نے اس کو پگھلایا' پھر انہوں نے اسے فروخت کیا اور اس کی قیمت کو کھایا۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۵۵۵-۵۵۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

٤- بَابُ اللَّعْنِ عَلٰى اٰكِلِ الرِّبٰوا — سود کھانے والے پر لعنت

۳۲۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهٗ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے۔

بخاری (۵۳٤۷) مسلم (٤٠٩٣) ابوداؤد (۳۳۳۳) ترمذی (۱۲۰٦) ابن ماجہ (۲۲۷۷) مسند احمد (ج ۱ ص ۳۹۳)

حل لغات

''اٰكِلٌ'' صیغہ واحد مذکر اسم فاعل' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کھانے والا۔ ''مُوْكِلٌ'' صیغہ واحد مذکر' اسم فاعل' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: کھلانے والا۔

سود کھانے کے نقصانات

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شبِ معراج کو میرا ایک ایسی قوم کے پاس سے گزر ہوا جن کے پیٹ مکانوں کی طرح بڑھے ہوئے تھے' ان میں سانپ تھے جو پیٹوں کے اندر باہر سے نظر آ رہے تھے' سو میں نے کہا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبریل نے عرض کیا: یہ سود کھانے والے ہیں۔

ابویعلیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث تخریج کی ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: سود خور قیامت کے روز اس نشانی سے پہچانے جائیں گے کہ وہ کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر جیسے مخبوط الحواس مجنون کھڑا ہوتا ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: سود کھانے والا قیامت کے دن مجنون اور دیوانہ کی طرح کھڑا ہوگا۔ امام طبرانی نے بھی عوف بن مالک سے روایت کیا ہے' جس میں ہے کہ سود خور مخبوط و بدحواس مجنون کی طرح کھڑا ہوگا۔

امام مسلم نے حضرت جابر اور حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے پر لعنت فرمائی ہے اور سود کو زنا سے بدتر قرار دیا ہے۔

امام بخاری نے حضرت ابوجحیفہ سے روایت کی ہے' انہوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے اور ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن مسعود سے اور مسلم نے حضرت جابر سے مزید یہ بھی بیان کیا ہے: ''و كاتبه وشاهديه'' اور سود لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والے پر لعنت فرمائی ہے' اور فرمایا: یہ سب برابر ہیں۔

امام نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت بیان کی ہے' البتہ اس میں ''شاهديه'' کی بجائے ''مانع الصدقة'' ہے۔

حضرت عبداللہ بن حنظلہ ''غسيل الملائكة'' سے مروی ہے' آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: سود کا ایک درہم جس کو آدمی جان بوجھ کر کھاتا ہے' وہ چھتیس دفعہ زنا کاری سے زیادہ سخت گناہ ہے۔ اس کو امام احمد اور دار قطنی نے روایت کیا ہے اور ابن ابی الدنیا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل مروی ہے اور اس میں اتنا زیادہ ہے کہ جس شخص کا گوشت سود سے پلا بڑھا' وہ آگ کے زیادہ لائق ہے' اس کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

امام ابن ماجہ اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سود پر گناہ کے ستر درجے ہیں' اس کا ہلکا درجہ ماں سے زنا کرنا ہے۔ [تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۹۵' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی]

٥- بَابُ حُرْمَةِ الرِّبٰوا فِى النَّسِيْئَةِ — اُدھار میں سود کی حرمت

۳۲۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اِنَّمَا الرِّبٰوا فِى النَّسِيْئَةِ وَمَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلَا بَاْسَ.

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بے شک سود تو صرف اُدھار میں ہوتا ہے اور جو لین دین (ایک مجلس میں فریقین کی طرف سے) دست بدست ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

بخاری (۲۱۷۸) مسلم (٤٠٨٩-٤٠٩٠)

يَدًا بِيَدٍ فَلَا بَأْسَ. بخاری(۲۱۷۸)مسلم(۴۰۸۹- ۴۰۹۰)

نسائی(۴۵۸۵)ابن ماجہ(۲۲۵۷)ابن حبان(۵۰۲۲)

حل لغات

''اِنَّمَا'' یہ حصر کا کلمہ ہے جو کلام میں تخصیص کے لیے استعمال ہوتا ہے۔''اَلنَّسِيْئَةُ'' اس کا معنی ہے: لین دین میں اُدھار کرنا۔

سود کی اقسام اور اس کی توضیح

لغت میں ربا کے معنی زیادتی' بڑھوتری' اضافہ اور بلندی ہیں' یعنی اصل مال پر زیادتی اور اضافہ کو ربا کہتے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں ربا کی دو قسمیں ہیں: (۱) ربا النسیئۃ (اس کو رباء القرآن بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے) (۲) ربا الفضل (اس کو رباء الحدیث بھی کہتے ہیں)۔ ربا النسیئۃ یہ ہے کہ اُدھار کی میعاد پر معین شرح کے ساتھ اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا یا اس پر نفع وصول کرنا' آج کل دنیا میں جو سود رائج ہے' اس پر بھی یہ تعریف صادق آتی ہے۔ امام رازی نے ربا النسیئۃ کی صحیح اور واضح تعریف کی ہے' لکھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ربا النسیئۃ مشہور و معروف تھا' وہ لوگ اس شرط پر قرض دیتے تھے کہ وہ اس کے عوض ہر ماہ (یا ہر سال) ایک معین رقم لیا کریں گے اور اصل رقم مقروض کے ذمہ باقی رہے گی' پھر مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ' مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا اور اگر مقروض اصل رقم ادا نہ کر سکتا تو قرض خواہ مدت اور سود دونوں میں اضافہ کر دیتا' یہ وہ ربا ہے جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھا۔[تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ]

ربا الفضل یہ ہے کہ ایک جنس کی چیزوں میں دست بدست زیادتی کے عوض بیع کرنا' مثلاً چار کلو گندم کو نقد آٹھ کلو گندم کے عوض فروخت کیا جائے۔[ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۲۴-۱۰۲۳' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

علامہ ملا علی قاری اس باب کی حدیثِ اسامہ بن زید کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ علامہ خطابی نے کہا کہ حضرت اسامہ بن زید کی یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ حضرت اسامہ نے پوری حدیث نہیں سنی' بلکہ انہوں نے اس حدیث کے آخری کلمات سنے ہیں' اور ان کو حفظ کر لیا اور پہلے حصہ کو حاصل نہیں کیا' حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو جنسوں کی چیزوں کو تفاضل و اضافہ اور زیادتی کے ساتھ دست بدست (یعنی نقد بہ نقد) خرید و فروخت کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''انما الربا فی النسیئة'' بے شک سود تو صرف اُدھار میں ہوتا ہے' یعنی جب جنسیں مختلف ہوں تو پھر تفاضل و زیادتی کے ساتھ نقد بہ نقد خرید و فروخت کرنا جائز ہو جاتا ہے اور سود نہیں رہتا' کیونکہ سود تب ہوگا جب اُدھار ہوگا۔[شرح مسند امام اعظم ص ۱۵۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

٦- بَابُ حُرْمَةِ الرِّبٰوا بِالْفَضْلِ

ہم جنس اور نقدین دین میں سود کی حرمت

۳۳۰- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْفَضْلُ رِبٰوا وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَزْنًا بِوَزْنٍ وَالْفَضْلُ رِبٰوا وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْفَضْلُ رِبٰوا وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْفَضْلُ رِبٰوا وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَّالْفَضْلُ رِبٰوا.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سونے کو سونے کے بدلے میں برابر برابر فروخت کرو' اور زیادہ لینا دینا سود ہے' اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں برابر برابر وزن کے ساتھ فروخت کرو اور زیادہ لینا دینا سود ہے' اور کھجور کو کھجور کے بدلے میں برابر فروخت کرو اور زیادہ لینا دینا سود ہے اور جَو کو جَو کے بدلے میں برابر برابر فروخت کرو اور زیادہ لینا دینا سود ہے' اور نمک کو نمک کے بدلے میں برابر برابر فروخت کرو اور زیادہ لینا دینا سود ہے۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ يَدًا بِيَدٍ وَالْفَضْلُ رِبٰوا وَالْحِنْطَةُ بِالْحِنْطَةِ كَيْلًا بِكَيْلٍ يَدًا بِيَدٍ وَالْفَضْلُ رِبٰوا وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ كَيْلًا بِكَيْلٍ وَالْفَضْلُ رِبٰوا.

مسلم(۴۰۶۸)نسائی(۴۵۷۳)مسند احمد(ج ۲ ص ۲۶۱)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ سونے کو سونے کے بدلے میں برابر برابر وزن کے ساتھ نقد بہ نقد فروخت کرو' اور زیادہ لینا دینا سود ہے اور گندم کو گندم کے بدلے میں برابر برابر ماپ کر دست بدست فروخت کرو' اور زیادہ لینا دینا سود ہے اور کھجور کو کھجور کے بدلے میں اور نمک کو نمک کے بدلے میں برابر برابر ماپ کر فروخت کرو اور زیادہ لینا دینا سود ہے۔

حل لغات

''اَلذَّهَبُ'' اور اس کے معطوفات فعل محذوف کے مفعول بہ ہونے کی بناء پر منصوب ہیں' اصل میں'' بیعوا الذهب بالذهب'' ہے' ''اَلذَّهَبُ'' بہ معنی سونا' اور ''اَلْفِضَّةُ'' بہ معنی چاندی' اور ''اَلتَّمْرُ'' بہ معنی کھجور' اور ''اَلشَّعِيْرُ'' بہ معنی جَو' اور ''اَلْمِلْحُ'' بہ معنی نمک' اور ''اَلْحِنْطَةُ'' بہ معنی گندم ہے' نیز ''مِثْلًا'' بہ معنی برابر اور ''كَيْلًا'' بہ معنی ماپ یا ناپ ہے۔

ربا الفضل کی ایک علت قدر کی بحث

ائمہ کرام نے احادیث کو سامنے رکھ کر حتی المقدور اس امر کی سعی اور کوشش فرمائی ہے کہ سود کے لیے کوئی اصول وضع کیا جا سکے' کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ احادیث میں جن چھ چیزوں (سونے' چاندی' گندم' جَو' کھجور اور نمک) میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنے کو ربا فرمایا ہے' ان میں حصر نہیں ہے' بلکہ ان چیزوں کو بطور مثال ذکر کیا ہے۔ اسی لیے ائمہ حدیث اور مجتہدین نے انتہائی محنت اور جانفشانی سے ان چیزوں میں کوئی امر مشترک تلاش کر کے اس کو علتِ ربا قرار دیا ہے' جیسا کہ مذکور الصدر تفصیل سے ظاہر ہو چکا ہے (امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرمتِ ربا کی علت قدر اور اتحادِ جنس ہے) ان بزرگوں نے نہایت کاوش کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو سمجھا اور سمجھایا ہے' ہم نے جب ان احادیث پر غور کیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم''۔[صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵' مطبوعہ اصح المطابع' کراچی] جب دو نوع مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو فروخت کرو اور جب ان میں اختلاف نہ ہو تو فرمایا'' مثلًا بمثلٍ '' فروخت کرو اور مثل میں مساوات کا مطلب ہے: قدر میں مساوات اور قدر وزن' کیل اور عدد تینوں کو شامل ہے' جس طرح ایک کلو یا ایک صاع گندم دو کلو یا دو صاع گندم کے مساوی اور برابر نہیں' اسی طرح ایک درجن اخروٹ اور انڈے دو درجن اخروٹ اور انڈوں کی مثل اور برابر نہیں ہیں' یہ ایک بالکل بدیہی بات ہے اور اس میں کوئی خفاء نہیں ہے اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں بھی'' وزنًا' کیلًا ''(ماپ کے ذریعہ) یا'' عددًا '' فروخت ہوتی ہیں' خواہ وہ از قبیل ثمن ہوں' یا از قبیل طعام ہوں' یا عام استعمال کی چیزیں ہوں' لائق ذخیرہ ہوں یا نہ ہوں' جب ان کی بیع ''مثلًا بمثل'' یعنی وزن' ماپ یا عدد کے اعتبار سے برابر برابر اور ''یدًا بید'' یعنی نقد کی جائے گی تو وہ جائز ہوگی' اگر وزن' عدد یا ماپ میں زیادتی کے ساتھ یا اُدھار بیع ہوگی تو ناجائز اور حرام ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حرمتِ ربا کے سلسلہ میں جتنی بھی احادیث روایت کی گئی ہیں' سب میں ''مثلًا بمثل'' کی قید ہے اور فقہاء نے ''مثل'' کا معنی قدر کیا ہے اور قدر وزن' ماپ اور عدد تینوں کو شامل ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ ایک کلو یا ایک صاع گندم تو دو کلو یا دو صاع گندم کے غیر مثل ہوں' لیکن ایک درجن انڈے یا اخروٹ دو درجن انڈوں یا اخروٹوں کے غیر مثل نہ ہوں' اس لیے کہ مثل میں جس طرح وزنی اور ماپ والی چیزیں شامل ہیں' اسی طرح عددی چیزیں بھی شامل ہیں

اوراس پرسب سے واضح دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" (النساء:۱۱) مرد کے لیے عورتوں کی دو مثل (دوگنا) حصہ ہے' فرض کیجئے لڑکی کو ایک کلو چاندی ملتی ہے تو لڑکے کو دو کلو چاندی ملے گی' لڑکی کو ایک سو صاع گندم ملتی ہے تو لڑکے کو دو سو صاع گندم ملے گی اور اگر لڑکی کو ایک ہزار روپے ملتے ہیں تو لڑکے کو دو ہزار روپے ملیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مثل ماپ والی' وزنی اور عددی ہر قسم کی مساوی چیز کو کہتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک دینار کو دو دینار اور ایک درہم کو دو درہموں کے عوض میں فروخت نہ کرو۔ [صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴' سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۷۸]

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جس طرح وزنی اور ماپ والی ایک نوع کی دو چیزوں میں زیادتی کے ساتھ بیع ربا ہے' اسی طرح ایک نوع کی عددی چیزوں میں بھی زیادتی کے ساتھ بیع ربا ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں بہ ظاہر یہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ ایک نوع کی دو چیزیں خواہ وہ از قبیل طعام ہوں یا استعمال ہوں یا ثمن ہوں' اگر ان کی بیع کمی یا زیادتی کے ساتھ ہو' خواہ کمی یا زیادتی عدد میں ہو یا وزن میں ہو یا بیع اُدھار ہو تو وہ ربا ہے اور اگر برابر اور نقد ہو تو جائز اور صحیح ہے۔ "**ھٰذا ما عندی والعلم التام عند اللّٰہ**"۔

[تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۲۷-۱۰۲۶' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار لاہور]

سود کی حرمت کی حکمتیں

سود کو حرام فرمانے میں بہت سی حکمتیں ہیں' ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) سود میں جو زیادتی لی جاتی ہے' وہ معاوضہ مالیہ میں ایک مقدار مال کا بغیر بدل وعوض کے لینا ہے اور یہ صریح ناانصافی ہے۔

(۲) دوم سود کا رواج تجارتوں کو تباہ و برباد اور خراب کر دیتا ہے' کیونکہ سود خور کو بغیر محنت کے مال حاصل ہو جاتا ہے' تجارت کی مشقتوں اور اس کے خطروں سے کہیں زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے اور تجارت میں کمی انسانی معاشرت کو ضرر پہنچاتی ہے۔

(۳) سوم یہ کہ سود کے رواج سے باہمی مودّت' حسن معاشرت اور رواداری کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ جب آدمی سود لینے اور کھانے کا عادی ہو جاتا ہے تو وہ کسی کو قرضِ حسن سے امداد پہنچانا گوارا نہیں کرتا اور نہ وہ صدقات وخیرات دینا پسند کرتا ہے۔

(۴) سود کے کاروبار سے انسان کی طبیعت میں وحشی درندوں سے زیادہ بے رحمی پیدا ہو جاتی ہے اور سود خور اپنے مدیون (مقروض) کی تباہی و بربادی کا خواہش مند رہتا ہے' اس کے علاوہ بھی سود میں اور بڑے بڑے نقصانات ہیں اور شریعت کی ممانعت عین حکمت و مصلحت ہے۔ [ماخوذ از خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص ۸۴-۸۳' مطبوعہ مکتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور]

۷- بَابُ اِشْتِرَاءِ الْعَبْدَيْنِ بِعَبْدٍ — دو غلاموں کو ایک غلام کے عوض خریدنا

۳۳۱- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ اَبِی الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِشْتَرٰى عَبْدَيْنِ بِعَبْدٍ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غلام کے بدلے میں دو غلام خریدے۔

مسلم (٤١١٣) ابوداؤد (٣٣٥٨) ترمذی (١٢٣٩) نسائی (٤٦٢٥)

ربا الفضل کی علت قدر پر دوسری بحث

قارئین کرام! حرمت ربا کے متعلق حضرت ابوسعید کی گزشتہ حدیث کی تشریح میں تفسیر تبیان القرآن سے حرمت ربا کی ایک علت قدر پر تعمیری وتنقیدی مدلل بحث کا کچھ حصہ تحریر کیا گیا ہے اور اب بقیہ حصہ اس حدیث کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔ امام ابوحنیفہ

رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک نوع کی ماپ اور تول والی چیزوں میں سود ہے' ان کے نزدیک علتِ ربا' ماپ اور تول (یعنی قدر) اور اشتراکِ جنس ہے' وہ عددی چیزوں میں حرمت ربا کے قائل نہیں ہیں' مثلاً سیب وزناً بکتا ہے' اس لیے ایک کلوگرام سیب کو دو کلوگرام سیب کے عوض فروخت کرنا ان کے نزدیک سود ہے اور کیلے عدداً فروخت ہوتے ہیں' اس لیے ایک درجن کیلوں کو دو درجن کیلوں کے عوض فروخت کرنا' ان کے نزدیک سود نہیں ہے اور یہ انتہائی تعجب خیز امر ہے کہ سیب میں زیادتی کے ساتھ بیع سود ہو اور کیلوں میں زیادتی کے ساتھ بیع سود نہ ہو۔ بعض چیزوں میں عدداً اور وزناً فروخت ہونے کا عرف بدلتا رہتا ہے' مثلاً پشاور میں پہلے روٹی تول کر فروخت ہوتی تھی اور اب عدداً فروخت ہوتی ہے اور اخروٹ تول کر بھی بکتے ہیں اور عدداً بھی فروخت ہوتے ہیں' یعنی آپ اگر عدداً اخروٹ خریدیں تو ایک سو کے بدلے میں دو سو اخروٹ لے سکتے ہیں اور یہ سود نہیں ہے اور اگر وزناً خریدیں تو ایک کلو کے بدلہ میں دو کلو اخروٹ نہیں لے سکتے اور یہ سود ہے۔ بعض شہروں میں مالٹے ایک ہی دوکان پر عدداً بھی بکتے ہیں اور تول کر بھی بکتے ہیں اور یہ بڑی حیرت انگیز بات ہوگی کہ ایک ہی دوکان دار سے ایک چیز کو وزناً زیادتی کے ساتھ لینا سود ہو اور عدداً لینا سود نہ ہو' ممکن ہے کہ اس کی کوئی توجیہ ہو' لیکن میری ناقص فہم میں یہ بات نہیں آ سکی' رہا یہ کہ بعض احادیث میں ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیع کا جواز ہے (جس طرح مسند کی اس حدیث میں ایک غلام کے بدلے میں دو غلاموں کو خریدنے کا جواز ہے۔ غوثوی) تو اوّلاً تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شارع ہیں' جس چیز کا چاہیں استثناء فرما دیں' اس لیے یہ حدیث خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اپنے مورد میں بند رہے گی' ثانیاً ہو سکتا ہے کہ اس کی یہ وجہ ہو کہ جس طرح دو غیر جاندار چیزوں میں عین کے لحاظ سے مساوات ہوتی ہے' اس طرح دو جاندار چیزوں میں عیناً مساوات نہیں ہوتی اور صفات میں فرق ہوتا ہے' مثلاً ایک غلام عالم ہو تو وہ دس جاہل غلاموں سے قیمتی ہوگا' ایک گھوڑا اعلیٰ نسل کا ہو تو وہ ادنیٰ نسل کے دس گھوڑوں سے قیمتی ہوگا' اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیع جائز فرمائی ہو اور آپ کی تمام حکمتوں کو کون جان سکتا ہے۔

امام شافعی کے نزدیک حرمت ربا کی علت طعم اور ثمنیت ہے' لہٰذا تمام کھانے پینے کی چیزوں اور سونے اور چاندی میں ہم جنس چیزوں کی زیادتی کے ساتھ بیع ان کے نزدیک سود ہے' لیکن جو چیزیں کھانے پینے کی اور ثمن نہ ہوں' مثلاً تانبا' پیتل' چونا' کپڑا' لکڑی وغیرہ' ان میں امام شافعی کے نزدیک ہم جنس اشیاء کی زیادتی کے ساتھ بیع سود نہیں ہے اور یہ عجیب وغریب بات ہے کہ ایک کلو چاندی کی دو کلو چاندی کے بدلہ میں بیع سود ہو اور ایک کلو تانبا یا پیتل کی دو کلو تانبے یا پیتل کے بدلہ میں بیع سود نہ ہو۔ نیز تانبا' پیتل' چونا اور کپڑے وغیرہ میں امام شافعی کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سود ہے اور کھانے پینے کی عددی اشیاء مثلاً انڈے اور اخروٹ میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک سود نہیں اور امام شافعی کے نزدیک سود ہے۔

امام مالک کے نزدیک حرمت ربا کی علت ثمن ہونا اور خوراک کا قابلِ ذخیرہ ہونا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ تانبا' پیتل' لوہا' لکڑی اور دیگر عام استعمال کی اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا سود ہے۔

اور طعام کے علاوہ استعمال کی جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں جیسے پین' پنسل' ہتھیار' میز' کرسی اور عام فرنیچر ان میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا کسی امام کے نزدیک بھی سود نہیں ہے' یعنی ایک انڈے یا ایک اخروٹ کی دو انڈوں یا دو اخروٹوں کے بدلے میں بیع کرنا امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک سود ہے لیکن ایک پین' یا ایک بندوق کی دو پین یا دو بندوقوں کے بدلہ میں بیع کرنا کسی امام کے نزدیک سود نہیں ہے اور یہ انتہائی عجیب بات ہے۔ [تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۲۸-۱۰۲۷' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

امام احمد بن حنبل کے نزدیک سونے چاندی میں حرمت ربا کی علت ثمنیت اور باقی چیزوں میں طعم کو قرار دیا گیا ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے' بہر حال اس تعمیری وتنقیدی جائزہ سے ائمہ اربعہ کی بیان کردہ حرمت ربا کی علل کا غیر جامع ہونا واضح ہو گیا ہے' البتہ جس طرح حدیث میں ''مثلاً بمثل'' مطلق ہے اور شریعت نے اس کو کسی خاص چیز کے ساتھ مخصوص نہیں کیا اور اس کی رو سے ہر چیز کی خرید وفروخت میں مساوات و برابری واجب ولازم ہے' اسی طرح اس کے معنی قدر کو بھی مطلق رکھا جائے اور اس کو صرف مکیلات اور موزونات کے ساتھ خاص نہ کیا جائے بلکہ احناف کے نزدیک ربا کی علت اتحاد جنس اور قدر کو مطلق قرار دیا جائے اور یہ مکیلات' موزونات' معدودات اور مزروعات سب کو شامل ہو' خواہ ثمن کے قبیل سے ہوں یا طعم کے قبیل سے ہوں' قابل ذخیرہ ہوں یا نہ ہوں تو پھر علت ربا کی یہ تعریف صحیح اور جامع ومانع ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

حضرت جابر کی اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک غلام کے عوض میں دو غلام خریدے' سو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ سودا حرمت ربا کی نہی سے پہلے کا ہو' پھر منسوخ ہو گیا ہو اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث فعلی ہے' جس میں آپ کا عمل بیان کیا گیا ہے جبکہ حرمت ربا کی حدیث قولی ہے' جس میں آپ کا فرمان بیان کیا گیا ہے اور قول فعل سے اہم ہوتا ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ دیگر خصوصیات کی طرح صرف آپ کی خصوصیت ہے کسی اور کو اجازت نہیں اور چوتھا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام زیادہ قیمتی ہو اور اس کی قیمت دو غلاموں کے برابر ہو گی' اس لیے آپ نے اپنے ایک غلام کے بدلے میں دو غلام خرید فرمائے۔

٨- بَابٌ لَا يَجُوْزُ بَيْعُ الطَّعَامِ قَبْلَ الْقَبْضَةِ

اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے غلہ فروخت کرنا جائز نہیں

٣٣٢- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اشْتَرٰى طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهٗ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص غلہ خریدے تو وہ اسے آگے کسی کو فروخت نہ کرے یہاں تک کہ پہلے اسے اپنے قبضہ میں کر لے۔

بخاری(٢١٣٥)مسلم(٣٨٣٦)ابوداؤد(٣٤٩٧)نسائی(٤٥٩٩)ترمذی(١٢٩١)ابن ماجہ(٢٢٤٧-٤٩٧٨)مسند احمد(ج ٣ص ٣٩٢)

حل لغات

''طَعَامًا'' اس کا معنی ہے: کھانا' خوراک' یہاں اس سے غلہ مراد ہے۔ ''یَسْتَوْفِیَهٗ'' اس میں ''یَسْتَوْفِیْ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف' باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: پورا وصول کرنا۔

قبضہ سے پہلے فروخت کی ممانعت میں ائمہ اربعہ کا اختلاف

امام مالک کے نزدیک یہ ممانعت صرف غلہ جات کے ساتھ مخصوص ہے' لہٰذا ان کے نزدیک غلہ کے علاوہ دیگر چیزوں کو اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے کسی کو بھی فروخت کیا جا سکتا ہے' لیکن غلہ کو قبضہ میں لینے سے پہلے ان کے نزدیک نہیں بیچا جا سکتا اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ ممانعت ہر مکیلی اور موزونی چیز کو بھی شامل ہے' لہٰذا ان کے نزدیک ہر کیلی اور وزنی چیز کو قبضہ سے پہلے فروخت نہیں کیا جا سکتا خواہ اس کا غلہ اور اناج سے تعلق ہو یا کسی اور جنس سے تعلق ہو اور کیلی اور وزنی اور غلہ کے علاوہ دیگر چیزوں کو قبضہ سے پہلے کسی اور کو فروخت کیا جا سکتا ہے اور امام شافعی کے نزدیک یہ ممانعت ہر چیز کو شامل ہے خواہ وہ کیلی ہو یا وزنی ہو اور خواہ وہ منقول ہو یا

غیر منقولہ ہو' جیسے زمین اور مکانات وغیرہ' لہٰذا ان کے نزدیک کسی قسم کی کوئی چیز قبضہ کرنے سے پہلے آگے کسی اور کو فروخت نہیں کر سکتے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ممانعت ہر منقولہ چیز کو شامل ہے' خواہ وہ کیلی ہو یا وزنی ہو اور غلہ ہو یا کوئی اور منقولہ چیز ہو' لیکن یہ ممانعت غیر منقولہ چیزوں کو شامل نہیں ہے' لہٰذا ان کے نزدیک غیر منقولہ چیز کو اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے آگے کسی اور کو فروخت کیا جا سکتا ہے اور امام ابوحنیفہ کی ایک دلیل اس حدیث میں ''حَتّٰی یَسْتَوْفِیَهٗ'' کے الفاظ ہیں کیونکہ کسی چیز کو مکمل اور پورا وصول کرنا اور قبضہ میں لینا صرف منقولہ چیز میں ہو سکتا ہے کہ غیر منقولہ چیز اپنی جگہ میں قائم رہتی ہے' اسے دیگر منقولہ چیزوں کی طرح وہاں سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جا سکتا اور دوسری دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جسے امام بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اسی جگہ میں غلہ فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے' یہاں تک کہ اس کو (قبضہ میں لے کر) وہاں سے کسی اور جگہ میں منتقل کر لیں اور اس ممانعت کی وجہ باہمی اختلاف ونزاع اور جھگڑے سے بچنا ہے کیونکہ قبضہ میں لینے سے پہلے اسے فروخت کرنے پر ممکن ہے' بعد میں وہ چیز مہیا ہی نہ ہو سکے یا کم وبیش مہیا ہو تو اس پر جھگڑا کھڑا ہو جائے گا' اس لیے پہلے اسے اپنے قبضہ میں لیا جائے' پھر قبضہ کے بعد اسے فروخت کیا جائے تاکہ مہیا نہ ہونے کا اندیشہ ہی نہ رہے اور اگر مبیع چیز کم ہوئی تو مالک کا نقصان ہو گا اور اگر زیادہ ہوئی تو مالک کی ہو گی۔ [ماخوذ از تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ١٦٦' حاشیہ ٣' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

٩- بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ

دھوکے کی خرید وفروخت سے ممانعت

٣٣٣- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دھوکے کی خرید وفروخت سے منع فرمادیا ہے۔

مسلم(٣٨٠٨)ابوداؤد(٣٣٧٦)ترمذی(١٢٣٠)ابن ماجہ(٢١٩٥)ابن حبان(٤٩٧٢)مسند احمد(ج ٢ص ١٤٤)

حل لغات

''اَلْغَرَرُ'' اس میں غین اور پہلی راء مفتوح ہے اور اس کا معنی ہے: فریب دینا' دھوکہ دینا۔

بیع غرر کی توضیح

اس حدیث میں بیع الغرر سے منع کیا گیا ہے اور غرر میں غین اور پہلی راء مفتوح ہیں' یہ غرور سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی فریب اور دھوکہ دینا ہے' گویا ہر وہ خرید وفروخت جس میں فریقین میں سے کسی کو دھوکہ ہو' وہ ممنوع ہے' اس لیے اس حدیث میں ایک اہم ترین جامع اصل اور بنیادی قانون فراہم کیا گیا ہے جو بہت سے فروعی مسائل واحکام کو شامل ہے' چنانچہ غرر کی بیع ملامسہ' منابذہ' حصاۃ اور اس قسم کی تمام بیوع کو شامل ہے[1] اور بیوع کی ان اقسام کو محض اس لیے الگ الگ بیان کیا گیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ مشہور و معروف کاروبار کی حیثیت اختیار کر چکی تھیں اور اس بیع میں مشتری کو دھوکہ ہوتا ہے کیونکہ بیع کی ان تمام اقسام میں مبیع یا ثمن یا مدت مجہول ہوتی ہے یا پھر مبیع وغیرہ کی ادائیگی مشکل وناممکن ہو جاتی ہے' جیسے مفرور اور بھاگے ہوئے غلام کی بیع اور ہوا میں اُڑتے ہوئے پرندے کی فروخت (پانی میں مچھلی کی' جانور کے تھنوں میں دودھ کی اور پیٹ میں بچے کی فروخت) البتہ بعض اوقات دھوکہ بہت کم ہوتا

[1] ملامسہ وہ بیع ہے جس میں خریدار جس چیز کو ہاتھ لگا کر چھولے وہ بک گئی' اب سے کھول کر الٹ پلٹ کر کے دیکھنے کی اجازت نہیں اور منابذہ وہ بیع ہے جس میں بائع اور مشتری اپنا اپنا کپڑا ایک دوسرے کی طرف پھینک دیتے ہیں تو بیع واجب ہو جاتی ہے خواہ وہ کپڑے کیسے ہوں' ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ ہوں' قیمتی ہوں یا نہ ہوں' خواہ ایک اعلیٰ ہو دوسرا ادنیٰ' یا ایک قیمتی ہو دوسرا غیر قیمتی ہو اور حصاۃ وہ بیع ہے جس میں بائع کی برائے فروخت چیزوں میں سے جس چیز پر مشتری کنکریاں پتھر پھینک دے گا اس کی بیع لازم ہو جائے گی' خواہ کیسی ہی ہو۔ [اشعۃ اللمعات ج ٣ص ٣٢' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

ہے اور جہل بھی بہت تھوڑا ہوتا ہے جو معافی اور برداشت کے قابل ہوتا ہے جیسا کہ اُجرت پر حمام میں غسل وغیرہ کے لیے آنے کی اجازت پر اجماع اور اتفاق ہے حالانکہ پانی کے استعمال کرنے اور حمام میں ٹھہرنے کی مقدار میں لوگوں کی عادات مختلف ہوتی ہیں' چنانچہ کوئی شخص زیادہ پانی استعمال کرتا ہے' کوئی کم استعمال کرتا ہے اور اسی طرح کوئی زیادہ دیر لگاتا ہے کوئی تھوڑی دیر لگاتا ہے اور اسی کے مثل مشک سے پانی پینے کا جواز ہے حالانکہ پانی کی مقدار مجہول ہے اور پینے والوں کی عادات مختلف ہوتی ہیں۔

١٠ - بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ

مزابنہ اور محاقلہ کی بیع سے ممانعت

٣٣٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ.

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ کی بیع سے منع فرمادیا ہے۔

بخاری(٢١٨٧)مسلم(٣٩٠٨)ابوداؤد(٣٤٠٥)ترمذی(١٢٩٠)نسائی(٤٦٣٧)ابن ماجہ(٢٢٦٦)ابن حبان(٤٩٩٦)

بیع مزابنہ اور محاقلہ کا مفہوم

بیع مزابنہ یہ ہے کہ تازہ پھلوں کو اسی جنس کے خشک پھلوں کے عوض پیمانوں سے فروخت کیا جائے' جیسے تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض فروخت کیا جائے اور یہ اس لیے ناجائز ہے کہ تازہ کھجوریں خشک ہو جانے کے بعد وزن کے اعتبار سے کم ہو جائیں گی' جس کی وجہ سے خریدار کو دھوکا ہوگا۔ بیع محاقلہ یہ ہے کہ کھیت کی فصل کو اسی جنس کے خشک اناج کے عوض پیمانوں سے فروخت کیا جائے' جیسے کھیت میں لگے خوشوں کے اندر موجود گندم کو کٹی ہوئی صاف گندم کے عوض فروخت کیا جائے اور یہ بیع ناجائز ہے' ایک تو اس لیے کہ اس میں قبضہ سے پہلے فروخت ہے جو ناجائز ہے' دوسرا اس لیے کہ اس میں مبیع مجہول ہے کہ خوشوں کے اندر موجود گندم کے بارے میں معلوم نہیں کہ عمدہ اور اچھی فصل ہوگی یا نہیں' لہٰذا اس میں بھی خریدار کو دھوکہ ہوسکتا ہے۔

١١ - بَابُ النَّهْيِ عَنْ اِشْتِرَاءِ الثَّمْرَةِ قَبْلَ الْاِشْقَاحِ

پھلوں کو تیار ہونے سے پہلے فروخت کرنا منع ہے

٣٣٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ اَنْ يَّشْتَرِيَ ثَمْرَةً حَتّٰى يُشْقِحَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھل خریدنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ تیار ہو کر سرخ یا زرد ہو جائے۔

بخاری(٢١٩٦)ابوداؤد(٣٣٧٠)ابن حبان(٤٩٩٢)

٣٣٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ جَبَلَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهٗ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کی بیع سلم سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ اس کا پھل تیار ہو جائے۔

بخاری(١٤٨٦)مسلم(٣٨٦٢)ابوداؤد(٣٣٦٧)نسائی(٤٥٢٤)ابن ماجہ(٢٢١٤)مسند احمد(ج ٢ص ٥٦)

٣٣٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا طَلَعَ النَّجْمُ رُفِعَتِ الْعَاهَاتُ يَعْنِي الثُّرَيَّا.

فرمایا: جب ستارہ طلوع ہو جاتا ہے تو پھلوں کی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں' یعنی ثریا۔

مسند احمد(٨٤٧٦)طبرانی(١٣٠٥)کتاب الآثار لمحمد(٩٠٧)

حل لغات

''یُشْقِحَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: پھل کا پکنے کے لیے رنگ پکڑنا' زرد یا سرخ ہونا۔ ''یَبْدُوَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ظاہر ہونا۔ ''اَلْعَاهَاتُ'' یہ ''عَاهَةٌ'' کی جمع ہے' بہ معنی آفت۔

باغات کے پھلوں کی مروّجہ بیع کا شرعی حکم

ہمارے زمانہ کے اکثر اسلامی شہروں میں باغات کے پھلوں کی بیع کا طریقہ یہ ہے کہ درختوں پر لگے پھلوں کی بیع کی جاتی ہے اور پھلوں کو درختوں سے توڑ کر بیع نہیں کرتے اور کبھی ان پھلوں کی صلاحیت کے ظہور (یعنی پکنے کے آثار) سے پہلے بیع ہو جاتی ہے اور زیادہ اس وقت بیع ہوتی ہے جب پھلوں کا ظہور بھی نہیں ہوتا اور صرف ان کا بور ظاہر ہوتا ہے اور کبھی اس کے ظہور سے بھی پہلے بیع ہو جاتی ہے' پھلوں کی بیع کی یہ تمام مروّجہ صورتیں باطل ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے ان کی بیع سے منع فرمایا ہے اور آپ نے خریدار اور بائع دونوں کو منع فرمایا ہے' نیز پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع (خرید و فروخت) کے عدم جواز پر تمام فقہاء کا اجماع ہے' جیسا کہ علامہ ابن ہمام نے ذکر کیا ہے اور حدیث میں بھی معدوم چیز کی خرید و فروخت کی ممانعت ہے۔

باغ کے پھلوں کی مروّجہ بیع کے بطلان کی ایک وجہ پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع ہے' جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خریدار ان پھلوں کو ایک معین عرصہ تک درختوں پر برقرار رکھتا ہے اور اگر خریدار پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھنے کی شرط سے بیع کرلے تو یہ بیع بھی بالاجماع باطل ہے جیسا کہ علامہ ابن قدامہ اور علامہ ابن ہمام کے حوالوں سے گزر چکا ہے' لیکن آج کل تقریباً تمام دنیا میں پھلوں کی بیع کا یہی طریقہ رائج ہے اور اسلامی احکام سے جہالت کے غلبہ کی وجہ سے لوگ زمانہ دراز سے اس معمول کے عادی ہوگئے ہیں اور اگر عدم جواز کے اس حکم کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو آج دنیا میں کسی جگہ کوئی پھل کھانا جائز نہیں' الّا یہ کہ کوئی شخص اپنے باغ سے خود پھل توڑ کر کھائے۔ اس مشکل سے نجات کی دو صورتیں ہیں' ایک یہ کہ تمام دنیا کے مسلمان تاجروں کو اسلامی طریقہ سے باغات کے پھلوں کی بیع پر مجبور کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ بہت مشکل ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ باغات کے پھلوں کی مروّجہ بیع میں جواز کا پہلو تلاش کیا جائے۔ الحمد للہ ہمارے فقہائے کرام نے غور و فکر کرکے ایسی فقہی صورتیں بیان کر دی ہیں جن کی رو سے پھلوں کی مروّجہ بیع جائز ہو جاتی ہے' پہلے ہم پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع کے جواز کا حل ذکر کریں گے اور اس کے بعد ایک معین عرصہ تک پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھنے کا حل بیان کریں گے۔ وباللہ التوفیق!

پھلوں کے ظہور سے پہلے بیع کا حل

باغ کے پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع کے جواز کے حل کی متعدد صورتیں عباراتِ فقہاء سے واضح ہوتی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ وہ ظہور سے پہلے پھلوں کو خرید لے اور ایک مدتِ معینہ تک کے لیے باغ کی زمین کو کرایہ پر لے لے' پھر پھلوں کے اتارنے تک جو زمین سے پیداوار ہوگی وہ کرایہ کا عوض اور اس کا جائز حق ہوگا' چنانچہ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

ان هناك لو استاجر الارض مدة معلومة يجوز.

اس صورت میں اگر وہ (خریدار) مدتِ معلومہ کے لیے زمین کو کرایہ پر لے لے تو جائز ہے۔

ہر چند کہ یہ حل بالکل صاف اور بے غبار ہے اور اس پر آسانی سے عمل ہو سکتا ہے لیکن تمام دنیا کے تاجروں کو یک لخت اس حل کی طرف واپس لوٹا دینا عملاً مشکل ہے۔

دوسرا حل یہ ہے کہ اگر بعض پھلوں کے بور کا ظہور ہو گیا ہو لیکن بعض یا اکثر پھلوں کا بور ظاہر نہ ہوا ہو تو جن کا ظہور ہو گیا ہے' ان کو اصل قرار دیا جائے اور جن کا ظہور نہیں ہوا' ان کو تابع قرار دیا جائے۔ یہ امام مالک' امام محمد بن حسن شیبانی' امام حلوانی اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک جائز ہے' اگرچہ یہ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے' چنانچہ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

(ترجمہ) جب بعض پھل لائقِ نفع ہوں اور بعض ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں یا بعض لائق نفع نہ ہوں اور بعض ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں یا وہ قابل نفع نہ ہوں' مثلاً تنکوں کی طرح ہوں (یا بور کی حالت میں ہوں) اور خریدار سب کو خرید لے تو ظاہر مذہب میں یہ عقد (سودا) باطل ہے' البتہ امام مالک کے نزدیک جائز ہے' امام سرخسی فرماتے ہیں: ہمارے استاذ شمس الائمہ (حلوانی) پھلوں' بینگن اور خربوزوں وغیرہ میں اس بیع کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے اور امام محمد بن فضل سے بھی یہ فتویٰ اسی طرح منقول ہے' انہوں نے کہا: میں اس عقد میں موجود کو اصل اور جو بعد میں پیدا ہوں' ان کو تابع قرار دیتا ہوں' انہوں نے کہا: میرے نزدیک یہ بیع مستحسن ہے کیونکہ اس پر لوگوں کا تعامل ہے' سو وہ انگوروں کو اسی طرح فروخت کرتے ہیں اور اس بیع میں ان کی عادت معروف و مشہور ہے اور لوگوں سے ان کی یہ عادت چھڑانے میں بہت حرج ہے' امام محمد بن فضل نے کہا: میں نے اس مسئلہ میں امام محمد کی ایک روایت بھی دیکھی ہے اور وہ درختوں پر گلاب کے پھولوں کی بیع ہے۔ کیونکہ پھول بعد میں بھی آتے ہیں' پھر انہوں نے تمام چیزوں میں اس طریقہ سے مطلقاً بیع کو جائز قرار دیا۔ علامہ سرخسی نے متعدد مستند فقہاء کے حوالوں سے پھلوں کی بیع کی جو یہ صورت ذکر کی ہے' یہ باغ کے پھلوں کی مروّجہ بیع پر مکمل صادق آتی ہے اور بیع کی اس صورت کے جواز سے مسلمانوں سے حرجِ عظیم دور ہو جاتا ہے' ورنہ کسی مسلمان کے لیے بازار سے پھل خرید کر کھانا جائز نہیں ہوگا۔

علامہ سرخسی کی اس عبارت کو تلخیص کے ساتھ علامہ ابن ہمام' علامہ ابن نجیم اور علامہ حصکفی نے بھی نقل کر کے پیش کیا ہے۔ تیسرا حل یہ ہے کہ درختوں پر جس قدر بھی بور یا پھل ہوں ان کو خریدار خرید لے اور اس کے بعد فصل تک جس قدر بھی پھل آئیں' ان سب کو باغ کا مالک خریدار پر حلال کر دے اور فی الواقع پھلوں کی مروّجہ بیع اسی طرح ہوتی ہے کہ خریدار موجود پھل (خواہ وہ جس حال میں بھی ہوں) خرید لیتا ہے اور باغ کا مالک فصل تک پیدا ہونے والے پھل اس کے لیے حلال کر دیتا ہے۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

(ترجمہ:) یا خریدار موجود پھلوں کو پوری قیمت سے خریدے اور بائع اس کے لیے بعد میں پیدا ہونے والے پھلوں کا لینا حلال کر دے' اس طریقہ سے دونوں کا مقصد حل ہو جائے گا۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

(ترجمہ) درختوں کے پھلوں میں جو موجود ہوں ان کو خرید لے اور (فصل تک) بعد میں پیدا ہونے والے پھلوں کو بائع مشتری کے لیے حلال کر دے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

یہ تین حل اس صورت میں ہیں جب باغ کے درختوں میں سے کسی ایک پر بھی کم از کم بور لگ گیا ہو لیکن ہمارے ہاں عموماً اس وقت باغ کے پھلوں کی بیع ہوتی ہے جب باغ کے کسی ایک درخت پر بھی بور تک نہیں ہوتا یا چند درختوں پر بور آیا ہوا ہوتا ہے' اس صورت میں صرف یہ حل ہے کہ اس بیع کو حکماً بیع سلم (جس میں ثمن بروقت اور مبیع بعد میں ادا کرنا ہوتا ہے) قرار دیا جائے' اس لحاظ سے یہ بیع جائز ہو جائے گی اور پھلوں کا کھانا جائز ہو جائے گا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

(ترجمہ) میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانے میں ضرورت کا متحقق ہونا کسی سے مخفی نہیں ہے' خاص طور پر دمشق میں جہاں پھلوں کے درخت اور پھل بہت زیادہ ہوتے ہیں اور چونکہ لوگوں پر جہالت کا غلبہ ہے' اسی لیے شرعی حل پر ان سے عمل کرانا (مثلاً زمین کرایہ پر لینا) ناممکن ہے' ہر چند کہ انفرادی طور پر بعض لوگوں سے اس پر عمل کرانا ممکن ہے' لیکن دنیا کے تمام لوگوں سے اس پر عمل کرانا ناممکن ہے اور لوگوں سے ان کی عادات چھڑانے میں بہت حرج ہے اور اس صورت میں جن شہروں میں صرف اس طرح پھلوں کی بیع ہوتی ہے' یہ لازم آئے گا کہ وہاں پھلوں کا کھانا حرام ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع سلم کی رخصت ضرورت کی بناء پر دی ہے' حالانکہ وہ معدوم کی بیع ہے' پس چونکہ یہاں بھی ضرورت متحقق ہے' اس لیے اسے بیع سلم کے ساتھ دلالت کے طریقہ پر لاحق کرنا ممکن ہے' پس حدیث (''لا يبيع احد ما ليس عنده'' کہ کوئی شخص وہ چیز فروخت نہ کرے جو اس کے پاس نہیں ہے) کے مخالف نہ رہی' اس لیے کہ اس بیع کو استحساناً جائز قرار دیا ہے کیونکہ قیاس کا تقاضا عدم جواز ہے۔

باغ کے پھلوں کی مروّجہ بیع میں پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھنے کا حل

تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ پھل خریدنے کے بعد ان کا درخت سے اتارنا واجب ہے اور اگر خریدار یہ شرط لگائے کہ وہ پکنے تک پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھے گا تو اس کی یہ شرط باطل ہے کیونکہ یہ سود در سود ہے جس کی حدیث میں ممانعت ہے یا اس وجہ سے ممنوع ہے کہ بیع میں ایسی شرط لگائی گئی ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع اور شرط دونوں سے منع فرمایا ہے۔ [طبرانی] باغ کے پھلوں کی بیع میں ایک خاص وقت تک پھل درخت پر رہنے دیئے جاتے ہیں' لہٰذا اس وجہ سے اس بیع میں اشکال پیدا ہو گیا۔ اس اشکال کا ایک حل یہ ہے کہ بیع بغیر شرط کے کی جائے اور پھر اگر بائع پھلوں کو درختوں پر رہنے دینے کی اجازت دے دے تو یہ جائز ہے اور چونکہ عرف یہ ہے کہ بیع میں یہ شرط نہیں لگائی جاتی اور ایک معین مدت تک پھلوں کے درختوں پر برقرار رہنے پر بائع کو اعتراض نہیں ہوتا' اس لیے یہاں حکماً بائع کی اجازت حاصل ہے۔

علامہ ابوالحسن مرغینانی فرماتے ہیں:

ولو اشتراها مطلقًا وتركها باذن البائع طاب له الفضل.

اور اگر خریدار نے پھلوں کو مطلق بیع کے ساتھ خریدا اور بائع کی اجازت سے ان کو درختوں پر چھوڑ دیا تو اس سے جو پھلوں کی زائد پیداوار ہوگی وہ خریدار کے لیے حلال و طیب ہوگی۔

اس اشکال کا دوسرا حل یہ ہے کہ درختوں پر پھلوں کے باقی رکھنے کے عدم جواز کا سوال اس وقت پیدا ہوگا جب بیع کے وقت درختوں پر پھل یا پھلوں کا بور موجود ہو اور ان کی بیع پہلے مذکورہ دو طریقوں سے کی جائے لیکن اگر بیع کے وقت بور یا کوئی چیز موجود نہ ہو اور مروّجہ بیع بھی ایسے ہی ہوتی ہے تو یہ علامہ شامی کے بیان کردہ طریقہ کے مطابق بیع سلم ہے' جو ضرورت کی وجہ سے جائز ہے اور اس پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب مروّجہ طریقہ کے مطابق بیع جائز قرار پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد "ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کو مت فروخت کرو" کا کیا محل ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا اطلاق ضرورت کے مواضع کے ماسوا دیگر مواقع پر ہوگا اور ضرورت کے مواضع (جگہیں) ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں۔ لہٰذا جس طرح بیع سلم ضرورت کی بناء پر جائز ہے' اسی طرح پھلوں کی مروّجہ بیع بھی جائز ہے' اللہ تعالیٰ ہمارے فقہاء پر رحمتیں نازل فرمائے' انہوں نے جزئیات بیان کردی ہیں' جس سے مروّجہ بیع جائز ہوگئی اور بازار میں بکنے والے پھلوں کا کھانا جائز ہوگیا' ورنہ کسی شخص کے لیے بازار سے پھل خرید کر کھانا جائز نہ ہوتا۔ وللہ الحمد!

[شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۹۱-۱۸۷' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار لاہور]

اس باب کی آخری حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جب ثریا نامی ستارہ طلوع ہوتا ہے تو پھلوں کی بیماریاں ختم ہوجاتی ہیں' دراصل موسم گرما کے شروع میں جب گرمی کی شدت بڑھ جاتی تو حجازِ مقدس کے بلاد میں صبح صادق کے بعد ثریا نامی ستارہ طلوع ہوتا اور شدتِ گرمی کے سبب پھلوں پر حملہ آور بیماریاں ختم ہوجاتیں اور پھل پکنا شروع ہوجاتے' لیکن حقیقت میں بیماریوں کا ختم ہونا اور پھلوں کا پکنا اللہ تعالیٰ کی تاثیر سے ہوتا تھا جبکہ ثریا ستارہ کا طلوع ہونا ظاہری سبب اور علامت ہوتا ہے۔

۱۲ - بَابٌ ثَمْرَةُ نَخْلٍ مُؤَبَّرٍ لِلْبَائِعِ

پیوند کردہ کھجور کا پھل بائع کا ہوگا

۳۳۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ بَاعَ نَخْلًا مُؤَبَّرًا اَوْ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَالثَّمَرَةُ وَالْمَالُ لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ الْمُشْتَرِىْ.

وَفِىْ رِوَايَةٍ مَّنْ بَاعَ عَبْدًا وَّلَهُ مَالٌ فَالْمَالُ لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَمَنْ بَاعَ نَخْلًا مُؤَبَّرًا فَثَمْرَتُهُ لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ.

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص پیوندکاری کردہ کھجور کو فروخت کرے یا ایسا غلام فروخت کرے جس کے پاس کچھ مال ہو تو پھل اور مال بائع کا ہوگا مگر یہ کہ مشتری اپنے لیے شرط لگادے۔

اور ایک روایت یوں ہے کہ جو شخص ایسا غلام فروخت کرے جس کے پاس کچھ مال ہو تو مال بائع (فروخت کرنے والے) کا ہوگا مگر یہ کہ مشتری اپنے لیے شرط لگادے اور جو شخص پیوندکاری کردہ کھجور فروخت کرے تو اس کا پھل بائع کا ہوگا مگر یہ کہ مشتری شرط لگادے۔

بخاری(۲۳۷۹)مسلم(۳۹۰۵)ابوداؤد(۳۴۳۳)ترمذی (۱۲٤٤)ابن ماجہ(۲۲۱۱)نسائی(٤٦٤٠)

حل لغات

"مُؤَبَّرًا" صیغہ واحد مذکر اسم مفعول' باب تفعیل سے ہے اور "تابیر" سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے: پیوندکاری کرنا' قلم لگانا۔

"اَلْمُبْتَاعُ" صیغہ واحد مذکر' اسم فاعل' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: مشتری یعنی خریدار۔

پھل دار درختوں کی فروخت میں ائمہ کا موقف

دراصل اہل عرب مادہ کھجور کے گابھے میں نر کھجور کے گابھے کی شاخیں لگادیتے' جس کی بناء پر مادہ اور نر کھجور کی شاخوں کے ملاپ کی وجہ سے پھل اچھے اور زیادہ پیدا ہوتے چونکہ اس عمل سے کھجوروں کی اصلاح ہوتی ہے' اس لیے اس کو عربی میں "تابیر" اور "تلقیح" کہتے ہیں' جبکہ اُردو میں قلم لگانا اور پیوندکاری کرنا کہتے ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک پھل ہر حال میں درخت کے تابع ہوتا ہے' اس لیے دونوں صورتوں میں درخت کا پھل مشتری کا ہوگا اور امام شافعی' امام مالک اور امام احمد کے نزدیک اگر درخت پیوندکاری کے بغیر پھل دار ہے تو پھر یہ پھل درخت سمیت مشتری کا ہوگا مگر یہ کہ بائع درخت فروخت کرتے وقت شرط لگادے کہ پھل اسی کا ہوگا

اور اگر پیوندکاری کے بعد درخت پر پھل لگا ہو تو اس حدیث کے مطابق پھل بائع کا ہوگا مگر یہ کہ مشتری عقد کے وقت شرط لگادے کہ درخت اور پھل دونوں اسی کے ہوں گے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک پھل دار درخت کا پھل ہر حال میں بائع کا ہوگا خواہ پیوندکاری کے بغیر لگا ہو یا پیوندکاری کے بعد لگا' مگر یہ کہ مشتری شرط لگادے کہ پھل بھی اسی کا ہوگا۔

[ماخوذ از مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۸۵' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

۱۳ - بَابُ النَّهْيِ عَنِ السَّوْمِ عَلَى السَّوْمِ

نرخ پر نرخ لگانے کی ممانعت

۳۳۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَمَّنْ لَا اَتَّهِمُ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ وَاَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ لَا يَسْتَامُ الرَّجُلُ عَلٰى سَوْمِ اَخِيْهِ وَلَا يَنْكِحُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ وَلَا تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا وَلَا خَالَتِهَا وَلَا تَسْاَلُ الْمَرْاَةُ طَلَاقَ اُخْتِهَا لِتَكْفَئَ مَا فِىْ صَحْفَتِهَا فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَازِقُهَا وَلَا تُبَايِعُوْا بِاِلْقَاءِ الْحَجَرِ وَاِذَا اسْتَاْجَرْتَ اَجِيْرًا فَاَعْلِمْهُ اَجْرَهٗ.

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی کے نرخ پر نرخ نہ لگائے اور نہ اپنے مسلمان بھائی کے پیغامِ نکاح پر پیغامِ نکاح بھیجے اور نہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ پر نکاح کرے اور نہ کوئی عورت اپنی (اسلامی) بہن کی طلاق کا مطالبہ کرے' تاکہ اس کے پیالہ کا حصہ خود لے لے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اس کو (اور سب کو) روزی دینے والا ہے اور تم پتھر ڈال کر خرید و فروخت نہ کرو' اور جب تم کسی مزدور کو مزدوری پر لو تو اس کی اُجرت اسے بتادو۔

بخاری(۲۱٤٠)مسلم(۳۸۱۱-۳۸۱۲)ابوداؤد(۲۰۸۱)ترمذی(۱۲۹۲)نسائی(۳۲٤۱)ابن ماجہ(۲۱۷۲)

حل لغات

"لَا يَسْتَامُ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل نہی معروف' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کا بھاؤ طے کرنا' نرخ بتانا۔

"خِطْبَةٌ" اس میں خاء مکسور ہے' اس کا معنی ہے: نکاح کا پیغام دینا۔ "لِتَكْفَأَ" اس میں تاء حرف مضارع مفتوح ہے' کاف ساکن ہے اور فاء اور ہمزہ مفتوح ہیں' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل مضارع معروف' باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: حاصل کرنا' وصول کرنا' پالینا' اس کے شروع میں لام "كَيْ" ہے۔ "صَحْفَةٌ" کا معنی ہے: پیالہ۔

کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کی ممانعت

چونکہ دین خیر خواہی کا نام ہے' اس لیے ہر مسلمان کا مذہبی اور اخلاقی فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی بھلائی چاہے اور ان کو نقصان پہنچانے کی بجائے ان کی مدد کرے جیسا کہ حدیث میں ہے: "خير الناس من ينفع الناس" کہ لوگوں میں بہترین آدمی وہی ہے جو دوسرے انسانوں کو فائدہ پہنچائے' چنانچہ مسند کی اس حدیث میں مسلمانوں کو ایسے تمام کاموں سے منع فرمادیا گیا ہے جو دوسروں کی دل آزاری اور دل شکنی کا باعث ہیں' نیز باہمی جھگڑوں' نفرتوں اور قطع رحمی کا سبب ہیں۔ ان کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے کسی بھائی کے نرخ اور بھاؤ پر اپنا نرخ اور بھاؤ نہ لگائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب فریقین میں باہمی رضامندی سے سودا طے ہوجائے اور قیمت مقرر ہوجائے تو پھر کسی کو اجازت نہیں کہ وہ مشتری سے کہے کہ تم یہ سودا توڑ دو' میں تمہیں اس سے بہتر چیز فروخت کرتا ہوں' یا بائع سے کہے کہ تم یہ سودا توڑ دو' میں تمہیں زیادہ قیمت دے کر خرید لیتا ہوں اور بخاری و مسلم نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے کہ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے نرخ پر نرخ نہ لگائے۔ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ

"ولا ینکح علی خطبة اخیه" اور کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر نکاح نہ کرے اور امام بخاری نے درج ذیل الفاظ کے ساتھ روایت بیان کی ہے: "لا یخطب احدکم علی خطبة أخیه" تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر پیغامِ نکاح نہ دے' یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب فریقین معین مہر پر باہم راضی ہو چکے ہوں اور صرف عقد (ایجاب وقبول) باقی ہو' لیکن اگر فریقین ابھی تک مہر معین پر باہم راضی نہیں ہوئے اور بات چیت جاری ہو تو پیغامِ نکاح دے سکتا ہے' کیونکہ مروی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس' نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ابومعاویہ اور ابوجہم دونوں نے مجھے پیغامِ نکاح بھیجے ہیں' تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اسامہ سے نکاح کر لو اور بعض علماء نے بیان کیا ہے: یہ اس صورت میں ہے جب نکاح کا پیغام دینے والے دونوں ایک جیسے ہوں لیکن اگر پہلا شخص فاسق وفاجر ہو اور دوسرا شخص نیک ہو تو پھر وہ اس ممانعت میں داخل نہیں لیکن یہ ظاہر کے خلاف ہے۔ واللّٰه اعلم بالسرائر!

علامہ نووی نے کہا کہ اگر کسی شخص نے اپنے مسلمان بھائی کے پیغامِ نکاح پر نکاح کا پیغام بھیج دیا تو وہ گنہگار ہوگا لیکن اس کا نکاح صحیح ہوگا اور اسے فسخ نہیں کیا جائے گا' البتہ بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ یہ نکاح جائز نہیں ہوگا۔ اور تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ "ولا تنکح المرأة علی عمتها ولا علی خالتها" اور کسی عورت کا اس کی پھوپھی پر نکاح نہ کیا جائے اور نہ کسی عورت کا اس کی خالہ پر نکاح کیا جائے۔ یعنی پھوپھی اور اس کی بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے اور اسی طرح خالہ اور اس کی بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ عمل قطع رحمی کا سبب بن جاتا ہے۔

اور چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے تا کہ اس کے پیالہ کا حصہ (رزق) خود حاصل کر لے اور اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کی اپنے خاوند کے پاس خوشحال زندگی دیکھ کر رشک کرے اور اس کے خاوند سے مطالبہ کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کے ساتھ شادی کر لے تا کہ اس مطلقہ عورت کا حصہ لے کر خود خوشحال زندگی گزارے اور دوسری صورت یہ ہے کہ عورت اپنی سوکن کے حصہ کا مال ہڑپ کرنے کی خاطر خاوند سے اس کو طلاق دینے کا مطالبہ کرے تا کہ یہ اکیلی خاوند کے گھر اور مال ودولت پر عیاشی کرے اور ان دونوں صورتوں میں اُخت سے دینی بہن مراد ہوگی۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ عورت اپنی حقیقی بہن کو خوشحال اور پُرتعیش زندگی گزارتے دیکھ کر رشک کر کے اس کے خاوند (یعنی اپنے بہنوئی) سے مطالبہ کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس کے ساتھ شادی کر لے تا کہ یہ بھی خوشحال اور پُرتعیش زندگی گزار سکے اور اس صورت میں اُخت سے حقیقی بہن مراد ہوگی اور یہ تینوں صورتیں ناجائز ہیں کیونکہ سب کا اللہ تعالیٰ ہی رازق و مالک اور خالق ہے اور وہی سب کو رزق عطا فرمانے والا ہے' اس لیے ہر شخص خواہ مرد یا عورت وہ اپنی قسمت پر راضی رہے اور کسی دوسرے کی قسمت چھیننے کی کوشش ہرگز نہ کرے۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ بائع کے پاس مختلف اقسام کا سامان ہو بعض اعلیٰ' بعض ادنیٰ اور بعض بہت قیمتی' بعض کم قیمت ہے جبکہ بائع اور مشتری دونوں کی رضامندی سے ایک معین قیمت مثلاً ایک ہزار روپے طے ہو جائے اور یہ طے ہو جائے کہ مشتری پتھر پھینکے گا' جس سامان پر پتھر لگے گا وہ مشتری کا ہوگا' اب اگر وہ پتھر زیادہ قیمتی سامان پر پڑ گیا تو بائع کا نقصان ہوگا اور اگر بائع نے وہ سامان نہ دیا تو مشتری جھگڑے گا اور اگر وہ پتھر کم قیمت سامان پر پڑ گیا تو مشتری کا نقصان ہوگا اور اگر مشتری نہیں خریدے گا تو بائع اس سے جھگڑا کرے گا' سو اس لیے یہ بیع ناجائز قرار دی گئی ہے اور اس حدیث میں آخری مسئلہ یہ ہے کہ جب تم کسی مزدور کو کام پر رکھو تو پہلے اس کی اُجرت ومزدوری مقرر کر لو تا کہ بعد میں باہمی جھگڑا نہ ہو۔

۱۴ - بَابُ الْاِشْتِرَآءِ عَلٰی تَوَکُّلِ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر خریداری کرنا

۳۴۰- **اَبُوْحَنِیْفَةَ** عَنْ مَعْنِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِشْتَرُوْا عَلَی اللّٰهِ قَالُوْا وَکَیْفَ ذٰلِكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تَقُوْلُوْنَ بِعْنَا اِلٰی مَقَاسِمِنَا وَمَغَانِمِنَا.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر خرید وفروخت کیا کرو' صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: تم کہتے ہو: ہم نے اپنے رزقوں کی تقسیم اور اپنے اموالِ غنیمت کے وصول ہونے کے اوقات تک خرید لیا۔

حلِ لغات

"مَقَاسِمُ" یہ "مَقْسَمٌ" کی جمع ہے اور "مَغَانِمُ" یہ "مَغْنَمٌ" کی جمع ہے اور یہ دونوں ظرف زمان ہیں' چنانچہ "مقسم" کا معنی ہے: تقسیم کا زمانہ اور "مغنم" کا معنی ہے: مالِ غنیمت کا زمانہ۔

اللہ تعالیٰ پر توکل کے فوائد

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خرید وفروخت میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہونا چاہیے اور اسی کے بھروسہ پر خرید وفروخت کرنی چاہیے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام مہمات میں کفایت فرماتا ہے اور اس کا ایمان ویقین' کامل اور مستحکم ہو جاتا ہے' نیز خرید وفروخت میں مدت کا واضح تعین ہونا ضروری ہے' تا کہ فریقین کے لیے بے یقینی پیدا نہ ہو اور رزق کی تقسیم کے زمانہ تک اور مالِ غنیمت کی وصولی کے زمانہ تک خرید وفروخت میں مدت کا تعین غیر واضح اور مبہم ہو جاتا ہے' اس لیے ایسی خرید وفروخت جس کی مدت مبہم ہو' وہ شریعت میں ناجائز ہوتی ہے۔

۱۵ - بَابُ الرُّخْصَةِ فِیْ ثَمَنِ کَلْبِ الصَّیْدِ

شکاری کتے کی قیمت لینے میں رخصت

۳۴۱- **اَبُوْحَنِیْفَةَ** عَنِ الْهَیْثَمِ عَنْ عِکْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ ثَمَنِ کَلْبِ الصَّیْدِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے کی قیمت وصول کرنے کی اجازت دی ہے۔

ترمذی(۱۲۸۱) نسائی(۴۳۰۰)

شکاری کتے کی قیمت کا جواز اور کتا رکھنے یا نہ رکھنے کا حکم

امام مسلم' صحیح مسلم میں بیان کرتے ہیں:

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے اور بکریوں یا مویشیوں کی حفاظت کے سوا دیگر کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کھیت کے کتوں کا بھی استثناء کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس کھیت ہے (اس وجہ سے انہوں نے کھیت کا حکم بطورِ خاص یاد رکھا)۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بکریوں' شکار اور کھیت کے کتوں کی اجازت دی۔

(۳) حضرت سالم اپنے والد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے شکاری کتے یا

جانوروں کی حفاظت کے کتوں کے علاوہ کوئی کتا رکھا' اس کے اجر سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کھیت یا بکریوں یا شکار کے علاوہ کوئی اور کتا رکھا' اس کے اجر سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔

نوٹ: امام مسلم نے اس موضوع پر تقریباً پندرہ بیس احادیث سے زائد روایت کی ہیں' جو ''کتاب المساقاة والمزارعة' باب الامر بقتل الکلاب وبیان نسخه الخ'' میں دیکھی جا سکتی ہیں' یہاں اختصار کی وجہ سے صرف چار احادیث کے بیان پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

کتوں کو قتل کرنے کے حکم میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: کاٹنے والے کتے کو قتل کرنے پر اجماع ہو چکا ہے اور جو کتے بے ضرر ہیں' ان میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام الحرمین فرماتے ہیں کہ پہلے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر قسم کے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا' پھر اس حکم کو منسوخ (یعنی ختم) کر دیا اور سیاہ شریر کتے کے سوا باقی کتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ ترمذی' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کتے اُمتوں میں سے ایک اُمت نہ ہوتے تو میں ان سب کو قتل کرنے کا حکم دے دیتا۔ حضرت حسن اور حضرت ابراہیم سیاہ شریر کتے کے شکار کو بھی مکروہ کہتے تھے۔ امام احمد بن حنبل اور بعض شافعیہ کا بھی موقف ہے' وہ کہتے ہیں کہ جب سیاہ کتا شکار کرلے تو وہ حلال نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ' امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک سیاہ شکاری کتے کا شکار کیا ہوا حلال ہے۔ علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں کہ امام مالک اور ان کے اصحاب کا یہ مسلک ہے کہ جن کتوں کا حدیث میں استثناء ہے' ان کے سوا تمام کتوں کو قتل کرنا جائز ہے اور جمہور کا یہ نظریہ ہے کہ سیاہ کتے کے سوا باقی تمام کتوں کو قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے میں فقہاء کا موقف

فقہاء حنبلیہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں' زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حدیث میں تین چیزوں کے لیے کتا رکھنے کی اجازت ہے: شکار کے لیے' کھیت کی حفاظت کے لیے اور جانوروں کے لیے' لہٰذا اس پر قیاس کر کے گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا جائز نہیں ہے۔ فقہاء شافعیہ کے بھی اس مسئلہ میں دو قول ہیں اور زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔

فقہاء مالکیہ کے نزدیک بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے' تاہم بعض فقہاء نے گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے کو جائز قرار دیا ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک دشمن یا چور کے خطرہ کے پیش نظر گھر کی حفاظت کی خاطر گھر میں کتا رکھنا جائز ہے۔

نوٹ: تفصیل اور حوالہ جات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۳۱۲-۳۰۸' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور۔

شکاری کتے کی قیمت وصول کرنے کے جواز میں احادیث

(۱) امام نسائی روایت کرتے ہیں: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے کے سوا کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔ امام ابوعبدالرحمٰن نسائی فرماتے ہیں: یہ حدیث منکر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

امام نسائی نے اس حدیث کو جس سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اس کے تمام راوی ثقہ ہیں' البتہ انہوں نے اس حدیث کی صحت پر اعتراض کیا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ امام نسائی نے اس حدیث کو اس لیے منکر قرار دیا ہو کہ دوسرے راویوں نے شکاری کتے کے استثناء کا ذکر نہیں کیا' لیکن اہل علم پر روشن ہے کہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے جبکہ درایت سے بھی اس زیادتی اور اضافے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جن کتوں کا رکھنا جائز کر دیا ہے' ان کی بیع اور قیمت بھی جائز ہونی چاہیے۔

(۲) امام بیہقی روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فاحشہ عورت کی اُجرت' نر کی جفتی کی اُجرت اور کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے' البتہ شکاری کتے کی بیع سے منع نہیں فرمایا۔

(۳) امام دارقطنی روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے شکاری کتے کے ماسوا کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔

(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے کے سوا کتے اور بلی کی قیمت وصول کرنے سے منع فرمایا۔

(۵) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے کے علاوہ کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔ امام دارقطنی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث تین مختلف اسانید کے ساتھ بیان کی ہے' اختصار کے پیش نظر ہم نے اسانید کا ذکر نہیں کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں بالعموم کتے کی بیع یا اس کی قیمت سے منع کیا ہے' وہ ان کتوں کے ماسوا پر محمول ہیں جن کو رکھنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس تخصیص پر ایک قرینہ تو یہ احادیث ہیں جن میں شکاری کتے کی بیع کی اجازت دی گئی ہے اور دوسرا قرینہ وہ احادیث ہیں جن میں شکاری کتوں اور کھیت اور مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کو رکھنے کی اجازت دی گئی ہے' جن کی صحت پر اتفاق ہے اور اگر ان کتوں کی خرید و فروخت ناجائز ہو تو پھر ان کو رکھنے کی اجازت کا کوئی معنی نہیں ہے۔

[شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۳۰۰-۲۹۸' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

۱۶- بَابُ النَّهْيِ عَنْ شَرْطَيْنِ فِيْ بَيْعٍ

بیع میں دو شرطوں کی ممانعت

۳۴۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ يَعْفُوْرَ عَمَّنْ حَدَّثَهٗ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ عَتَّابَ بْنَ اُسَيْدٍ اِلٰى اَهْلِ مَكَّةَ فَقَالَ اِنْهَهُمْ عَنْ شَرْطَيْنِ فِيْ بَيْعٍ وَّعَنْ بَيْعٍ وَّسَلَفٍ وَّعَنْ رِبْحِ مَالَمْ يُضْمَنْ وَعَنْ بَيْعِ مَالَمْ يُقْبَضْ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے حضرت عتاب بن اسید کو (مکہ مکرمہ کا گورنر بنا کر) اہل مکہ کے پاس بھیجا اور فرمایا: تم انہیں ایک بیع میں دو شرطوں اور بیع اور قرض سے اور غیر ضمانت یافتہ چیز کے منافع سے اور غیر مقبوض چیز کی بیع سے منع کر دو۔

ابوداؤد (۳۵۰۴) ترمذی (۱۲۳۴) نسائی (۴۶۳۳ تا ۴۶۳۵) ابن ماجہ (۲۱۸۸-۲۱۸۹)

حل لغات

''اِنْهَهُمْ'' اس میں ''انه'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل امر معروف' باب فَتَحَ يَفْتَحُ یعنی ''نَهٰى يَنْهٰى'' سے ہے' اس کا معنی ہے: روکنا' منع کرنا اور آخر میں ''هم'' ضمیر جمع مذکر غائب مفعول بہ ہے۔ ''لَمْ يُضْمَنْ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع مجہول نفی جحد بلم بہ معنی فعل ماضی مجہول' باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کفیل ہونا' ضامن ہونا۔ ''لَمْ يُقْبَضْ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع مجہول' نفی جحد بلم بہ معنی فعل ماضی مجہول' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: قبضہ کرنا' کنٹرول میں لینا' ہاتھ

میں لینا۔

چار اقسام کی بیع ممنوع ہے

اس حدیث میں چار قسم کی بیع سے منع فرمایا گیا ہے:

(۱) ایک ہی بیع میں دو شرطیں لگانے سے منع کیا گیا' جس کی ایک صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں نے یہ کپڑا نقد دس روپے میں اور اُدھار پندرہ روپے میں تجھے فروخت کر دیا ہے' سو یہ بیع ناجائز ہے کہ اس بیع میں مبیع کی قیمت معین طور پر معلوم نہیں ہے۔

(۲) بیع اور قرض سے منع فرمایا جس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً بائع مشتری سے کہے کہ میں تمہیں اپنی یہ چیز پانچ سو روپے میں فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تم ایک ہزار روپے مجھے بطور قرض دو۔

(۳) ایسے مبیع کے منافع سے منع کیا گیا ہے جس کا ابھی مشتری کو ضامن نہیں ٹھہرایا گیا مثلاً بائع نے اپنا ایک مکان مشتری کو فروخت کیا' ابھی قبضہ نہیں دیا لیکن مشتری نے وہ مکان کسی کرایہ دار کو کرایہ پر دے کر کرایہ وصول کر لیا' یہ ناجائز ہے کیونکہ اگر مکان ٹوٹ جائے یا کوئی نقصان ہو جائے تو بائع ضامن ہوگا مشتری نہیں' کیونکہ وہ مکان ابھی بائع کے ذمہ ہے' مشتری ضامن نہیں بلکہ وہ تو قبضہ کے بعد ضامن ٹھہرے گا۔

(۴) مبیع پر قبضہ سے پہلے اسے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے' مثلاً زید نے اپنی بکری پانچ سو روپے میں خالد کو فروخت کر دی لیکن قبضہ نہیں دیا تو خالد یہ بکری قبضہ سے پہلے آگے کسی کو فروخت کر دے تو یہ بیع ناجائز ہوگی۔

۳٤۳- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ قَزْعَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ ِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْتَاعُ اَحَدُكُمْ عَبْدًا وَّلَا اَمَةً فِيْهِ شَرْطٌ فَاِنَّهٗ عَقْدٌ فِي الرِّقِّ. مسند الحارثی(۱٦٦)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ایسا غلام یا لونڈی نہ خریدے جس میں کوئی علامت ہو' کیونکہ وہ غلامی میں مضبوط گرہ ہے۔

حل لغات

''شَــرْطٌ'' اس میں شین اور راء کو مفتوح پڑھا جائے تو اس کا معنی ہوگا: علامت اور نشانی' لیکن اگر شین کو مفتوح اور راء کو ساکن پڑھا جائے تو اس کا معنی عام مشہور شرط ہوگا جو جزاء کا مقابل ہے۔

خرید و فروخت میں فاسد شرط کی ممانعت

دراصل ہر وہ شرط جو عقد کا تقاضا ہو' وہ بیع کو فاسد نہیں کرتی جیسے مشتری مبیع میں اپنی ملکیت کی شرط لگائے کیونکہ مبیع خرید لینے کے بعد اس میں بغیر شرط بھی مشتری کے لیے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور ہر وہ شرط جو عقد کا تقاضا نہ ہو اور اس میں عاقدین میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو یا مبیع کا فائدہ ہو اور وہ اہلِ استحقاق میں سے ہو تو اس شرط سے بیع فاسد ہو جاتی ہے جیسے کوئی بائع اپنا غلام فروخت کرتے وقت یہ شرط لگا دے کہ مشتری اس کو فروخت نہیں کرے گا (اس میں مبیع کا فائدہ ہے) کیونکہ یہ شرط ایسی زیادتی ہے جو عرض سے خالی ہے' اس لیے یہ ربا کا سبب ہے' یا اس کی وجہ سے تنازع پیدا ہوگا اور عقد کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک ثقفیہ عورت سے اس کی ایک لونڈی خرید لی اور اس عورت نے آپ پر یہ شرط عائد کر دی کہ یہ لونڈی تم کسی اور آدمی کو فروخت نہ کرنا لیکن اگر بہ وقت ضرورت اس کو فروخت کرنا ہو تو جس قیمت پر تم اسے فروخت کرنا چاہو گے اتنی قیمت کے عوض

یہ لونڈی میرے لیے ہوگی (یعنی میں خریدوں گی)۔ حضرت ابن مسعود نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس بیع کا حکم پوچھا تو آپ نے فرمایا: تم اس لونڈی کے ساتھ قربت نہ کرنا کیونکہ اس عقد میں فاسد شرط لگائی گئی ہے۔ [موطأ امام محمد ص ۳۴۴-۳۴۳' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان]

اس حدیث سے بھی واضح ہو گیا کہ غلام یا لونڈی کی خریداری میں ایسی شرط لگانا جو عقد کا تقاضا نہ ہو تو یہ غلامی میں عقد ہے' اس لیے یہ ناجائز ہے۔

۱۷ - بَابُ النَّظْرَةِ عَنِ الْمُعْسِرِ

تنگ دست کو مہلت دینا

۳٤٤- **حَمَّادٌ** عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ مَالِكِ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ رِبْعِيُّ بْنُ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ يُؤْتٰى بِعَبْدٍ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ اَيْ رَبِّيْ مَا عَمِلْتُ اِلَّا خَيْرًا مَّا اَرَدْتُّ بِهٖ اِلَّا لِقَائَكَ فَكُنْتُ اُوْسِعُ عَلَى الْمُوْسِرِ وَاُنْظِرُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا اَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْكَ فَتَجَاوَزُوْا عَنْ عَبْدِيْ فَقَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدِ ِ الْاَنْصَارِيُّ وَاَشْهَدُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ مِنْهُ. بخاری(۲۰۷۷) مسلم(۳۹۹٤) ترمذی(۱۳۰۷) نسائی (٤٦۹۸) ابن ماجہ(۲٤۲۰) ابن حبان(۵۰٤۳)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور ایک آدمی کو پیش کیا جائے گا' سو وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے دنیا میں جو نیک کام بھی کیا' وہ صرف تیری رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا' چنانچہ میں مال دار پر آسانی کرتا اور تنگ دست کو مہلت دیتا تھا' سو اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تجھ سے زیادہ اس کا حق دار ہوں' پس اے فرشتو! تم میرے اس بندے سے درگزر کرو' چنانچہ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت حذیفہ نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنی ہے۔

۳٤۵- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِيْءٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَدَّدَ عَلٰى اُمَّتِيْ بِالتَّقَاضِيْ اِذَا كَانَ مُعْسِرًا شَدَّدَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ قَبْرِهٖ.
الفوائد المجموعہ للشوکانی(۲٤۳)

حضرت اُم ہانیء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو شخص قرض لینے کے لیے میرے کسی ایسے اُمتی پر سختی کرے گا جو تنگ دست ہو تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر قبر میں سختی کرے گا۔

حل لغات

''اُوَسِّعُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل مضارع معروف مثبت' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: توسیع کرنا' کشادہ کرنا۔ ''اُنْظِرُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل مضارع معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: مہلت دینا۔ ''شَدَّدَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: سختی کرنا۔

نرمی کے فوائد

امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مسلمانوں میں سے سب سے بہتر آدمی وہ ہے جو نرم خو ہو اور لین دین میں نرم رویہ اپناتا ہو۔ امام بخاری اور ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرم خو آدمی پر رحم و کرم فرمائے کہ جب وہ خریداری کرتا ہے تو نرم برتاؤ کرتا ہے' جب فروخت کرتا ہے تو نرمی کرتا ہے اور جب کوئی فیصلہ کرتا ہے تو نرمی کرتا ہے اور جب مقروض سے قرض

کا تقاضا کرتا ہے تو نرمی کرتا ہے۔ امام دیلمی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نرم رویہ مفید و نافع ہوتا ہے اور شدت وسختی اور ظالمانہ رویہ بدبختی ہے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی تنگ دست پر آسانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر دنیا میں بھی اور آخرت میں آسانی کرتا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۴۷۳-۴۷۲ مطبوعہ بیروت]

۱۸ - بَابُ ذَمِّ الْغِشِّ فِی الْبَيْعِ وَالشِّرَآءِ

خرید و فروخت میں دھوکہ دہی کی مذمت

۳۴۶- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّ فِی الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ. مسلم (۲۸۳) ابوداؤد (۳۴۵۲) ترمذی (۱۳۱۵) ابن ماجہ (۲۲۲۴) ابن حبان (۴۹۰۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو خرید و فروخت میں دھوکہ دیتا ہے۔

حل لغات

''غَشَّ'' واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: خلاف ضمیر ظاہر کرنا' دھوکہ دینا' بددیانتی کرنا' خیانت کرنا۔

دھوکہ دینے کی مذمت

علامہ عبداللہ بن محمد یعقوب الحارثی نے مروان بن معاویہ الفرازی کے طریق سے امام صاحب سے اسی طرح اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس حدیث کو امام احمد نے بھی نقل کیا ہے' نیز امام مسلم' ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فی البیع والشراء کے بغیر روایت کیا ہے اور امام حاکم نے المستدرک میں اسے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ ''لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّنَا'' جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہمارے طریقہ یا ہماری جماعت یا ہماری اُمت کے کاملین میں سے نہیں ہے) اور امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طعام (گندم) کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست اقدس ڈھیر کے اندر داخل کیا اور جب باہر نکالا تو آپ کا ہاتھ پانی سے تر تھا' آپ نے فرمایا: اے صاحب طعام! یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس پر بارش برس چکی ہے' آپ نے فرمایا: پھر تم نے گیلی گندم اوپر کیوں نہیں رکھی (بلکہ تم نے تو اوپر خشک غلہ ڈالا ہوا ہے) تاکہ لوگ اس کو دیکھ لیتے' پھر آپ نے فرمایا: ''مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا'' جس نے کسی کو دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے اور امام ترمذی نے کہا کہ اس باب میں یہ حدیث ابن عمر' ابوالحمراء' ابن عباس' بریدہ' ابوبردہ بن نیار اور حذیفہ بن یمان سے بھی مروی ہے اور حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل کیا جاتا ہے اور انہوں نے دھوکہ دہی کو مکروہ (تحریمی) قرار دیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ دھوکہ دینا حرام ہے اور امام دارمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث روایت کی ہے اور اس میں ہے کہ آپ نے صاحب طعام کو ڈانٹا' پھر فرمایا: دھوکہ دینا مسلمانوں کا شیوہ نہیں' جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ [تنسیق النظام ص ۱۷۲' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۱۹ - بَابُ اَوَّلُ مَنْ ضَرَبَ الدَّنَانِيْرَ

سب سے پہلے دیناروں کو ڈھالنے والا

۳۴۷- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ حَمَّادِ بْنِ اَبِیْ سُلَيْمَانَ قَالَ اَوَّلُ مَنْ ضَرَبَ الدِّيْنَارَ تُبَّعٌ وَّهُوَ اَسْعَدُ اَبُوْ كُرْبٍ وَاَوَّلُ مَنْ ضَرَبَ الدَّرَاهِمَ تُبَّعُ الْاَصْغَرُ وَاَوَّلُ مَنْ ضَرَبَ الْفُلُوْسَ وَاَدَارَهَا فِیْ اَيْدِی النَّاسِ نَمْرُوْدُ بْنُ كَنْعَانَ.

حضرت حماد بن ابی سلیمان بیان کرتے ہیں کہ جس نے سب سے پہلے سونے سے دیناروں کو ڈھالا (اور رائج الوقت سکہ جاری کیا) وہ تبع ہے اور یہ ابوکرب اسعد حمیری ہے اور جس نے سب سے پہلے (چاندی سے) درہموں کو ڈھالا وہ تبع اصغر ہے اور جس نے سب سے پہلے (تانبے سے) پیسوں کو ڈھالا اور لوگوں میں رائج کیا وہ نمرود بن کنعان ہے۔

حل لغات

''ضَرَبَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کے کئی معانی آتے ہیں: مارنا' بیان کرنا' سفر کرنا اور ڈھالنا' یہاں آخری معنی مراد ہے۔ ''دِيْنَارٌ'' سونے کا سکہ۔ ''دِرْهَمٌ'' چاندی کا سکہ۔ ''فُلُوْسٌ''، ''فَلْسٌ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: پیسہ خواہ تانبے کا ہو یا سلور وغیرہ کا۔ ''اَدَارَهَا'' اس میں ھا ضمیر مفعول بہ ہے اور ''اَدَارَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: گھمانا' پھرانا' چکر لگوانا' لیکن یہاں اس کا معنی ہے: رائج کرنا۔

یمن کے تبع ابوکرب اسعد حمیری کا اسلام

تبع' یمن کے بادشاہوں کا لقب ہوتا ہے جیسا کہ فارس (ایران) کے بادشاہوں کو کسریٰ اور روم کے بادشاہوں کو قیصر کہا جاتا تھا اور تبع کی جمع تبابعہ ہے اور مکہ مکرمہ میں ایک محل دار التبابعہ تھا (جس میں یمن کے بادشاہ حج کے موسم میں قیام کرتے تھے) اس کے ایک مکان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تھی اور ارشادِ باری تعالیٰ (''اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ'' الدخان: ۳۷) کی تشریح میں ایک طویل قصہ بیان کیا گیا ہے جس کو علامہ امام بغوی (صاحب مشکوٰۃ) نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں ذکر کیا ہے کہ امام ابوحاتم نے حضرت یزید رقاشی سے روایت کیا ہے کہ ابوکرب اسعد الحمیری تبابعہ (یمن کے بادشاہوں) میں سے تھے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آپ کے اعلانِ نبوت سے سات سو سال پہلے ایمان لے آیا تھا اور حضرت یزید رقاشی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت کعب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قومِ تبع کی مذمت بیان کی ہے' لیکن خود تبع کی مذمت بیان نہیں کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: ''لَا تَسُبُّوْا تُبَّعًا فَاِنَّهٗ كَانَ رَجُلًا صَالِحًا'' تم تبع (ابوکرب اسعد الحمیری) کو بُرا نہ کہا کرو کیونکہ وہ نیک آدمی تھا اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تبع ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے بیت اللہ پر غلاف چڑھایا اور امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت سہل نے فرمایا: میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''لَا تَسُبُّوْا تُبَّعًا فَاِنَّهٗ قَدْ كَانَ اَسْلَمَ'' تم تبع کو بُرا نہ کہو کیونکہ وہ اسلام قبول کر چکا تھا۔

[ماخوذ از تفسیر معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی ج ۴ ص ۱۵۳' شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۵۶۷' مطبوعہ بیروت]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۱۸ - كِتَابُ الرَّهْنِ

گروی رکھنے کے احکام

۳۴۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِشْتَرٰی مِنْ يَّهُوْدِیٍّ طَعَامًا وَّرَهَنَهٗ دِرْعًا.

حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ غلہ خریدا' اور (رقم کے عوض میں) اپنی ایک زرہ اس کے پاس گروی رکھی۔

بخاری(۲۰۶۸-۲۹۱۶)مسلم(٤١١٥)نسائی(٤٦٥٤)ابن ماجہ(۲٤۳٦)ابن حبان(۵۹۳۸)

حل لغات

''رَهَنَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: گروی رکھنا' قائم ودائم رکھنا' بند رکھنا' روک رکھنا۔ ''دِرْعًا'' اس کا معنی ہے: زرہ' قمیص' کرتا' دال مکسور ہے۔

رہن کا معنی اور ثبوت

رہن کا لغوی معنی حبس ہے' یعنی کسی چیز کو قید کرنا' روک کر رکھنا' لہٰذا ہر وہ چیز جسے کسی حق کے عوض میں روک کر رکھا جائے وہ رہن ہوگی' بشرطیکہ اس حق کی ادائیگی ممکن ہو' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ''كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ'' ہر شخص اپنی کمائی (یعنی اپنے اعمال) کے عوض میں گروی ہے اور شریعت کی اصطلاح میں رہن یہ ہے کہ مقروض بطور قرض اُدھار لیے ہوئے سامان کے عوض میں حق دار کے پاس اپنی کوئی چیز گروی رکھ دے تا کہ جب یہ حق دار کا حق ادا کر دے تو اپنی چیز واپس لے لے اور رہن قرآن وسنت سے ثابت ہے' چنانچہ قرآن مجید میں ہے: ''وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوْضَةٌ'' اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں دے دیا جائے۔ اور یاد رہے کہ سفر کی قید اتفاقی ہے' احترازی نہیں کیونکہ غالباً سفر میں گواہوں اور دستاویز لکھنے والوں کا ملنا مشکل ہوتا ہے' لہٰذا گھر میں بھی بہ وقت ضرورت رہن رکھا جا سکتا ہے۔ رہن رکھنا سنت سے بھی ثابت ہے جیسا کہ مسند امام کی زیر بحث حدیث' نیز امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی (ابوشحم) سے تیس صاع جو ایک معین مدت تک اُدھار خریدے اور اس کے عوض میں اپنی ایک زرہ اس کے پاس گروہ رکھ دی۔ [اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۱' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر] اور اس حدیث بخاری میں یہ بھی ہے کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا تو اس وقت بھی آپ کی زرہ یہودی کے پاس گروی تھی اور آپ نے آخری ایامِ حیات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رقم ادا کر کے یہودی سے زرہ چھڑانے کی وصیت فرمائی۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۴۳' مطبوعہ دالکتب العلمیہ' بیروت]

اور یہ بات اپنی جگہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام وعدے پورے کیے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے تمام قرضے ادا کر دیئے اور حضرت ابوبکر نے یہ زرہ بھی رقم ادا کر کے یہودی سے چھڑا لی تھی اور یہودی سے لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تھی۔ [مرقات شرح مشکوٰۃ ج ٦ ص ۹۲' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۱۹ - كِتَابُ الشُّفْعَةِ — شفعہ کے احکام

۳٤۹- اَبُوْ مُحَمَّدٍ كَتَبَ اِلَى ابْنِ سَعِيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَارُ اَحَقُّ بِشُفْعَتِهٖ.

حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پڑوسی شفعہ کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔

بخاری(٦٩٧٧)ابوداؤد(۳۵۱٦)ترمذی(۱۳٦۹)نسائی(٤٧٠٦)ابن ماجہ(۲٤۹٤)ابن حبان(۵۱۸۰)مسند احمد(۲٤٦٤٧)

۳۵۰- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ اَرَادَ سَعْدٌ بَيْعَ دَارِهٖ فَقَالَ لِجَارِهٖ خُذْهَا بِسَبْعِمِائَةٍ فَاِنِّيْ قَدْ اُعْطِيْتُ بِهَا ثَمَانَ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَلٰكِنْ اَعْطَيْتُكَهَا لِاَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْجَارُ اَحَقُّ بِشُفْعَتِهٖ.

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد (بن مالک) رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر فروخت کرنا چاہا تو اپنے پڑوسی سے فرمایا: تم اس کو سات سو درہم میں خرید لو کیونکہ مجھے اس کے آٹھ سو درہم مل رہے ہیں لیکن اس کے باوجود میں تمہیں یہ مکان (کم قیمت پر) اس لیے دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پڑوسی شفعہ کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ الْمِسْوَرِ عَنْ رَّافِعِ ابْنِ خُدَيْجٍ قَالَ عَرَضَ عَلَيَّ سَعْدٌ بَيْتًا فَقَالَ لَهٗ خُذْهُ اَمَا اِنِّيْ قَدْ اُعْطِيْتُ بِهٖ اَكْثَرَ مِمَّا تُعْطِيْنِيْ وَلٰكِنَّكَ اَحَقُّ بِهٖ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْجَارُ اَحَقُّ بِشُفْعَتِهٖ.

اور ایک روایت میں حضرت مسور' حضرت رافع بن خدیج سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج نے فرمایا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کو فروخت کرنے کا معاملہ مجھ پر پیش کیا اور فرمایا: تم اس کو خرید لو' اگرچہ اس کا معاوضہ مجھے اس سے زیادہ مل رہا ہے جو تم مجھے دینے لگے ہو' لیکن تم اس کے زیادہ حق دار ہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پڑوسی اس کے شفعہ کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ الْمِسْوَرِ عَنْ رَّافِعٍ مَوْلٰى سَعْدٍ اَنَّهٗ قَالَ لِرَجُلٍ يَّعْنِيْ سَعْدًا خُذْ هٰذَا الْبَيْتَ بِاَرْبَعِمِائَةٍ فَيَقُوْلُ اَمَّا اِنِّيْ اُعْطِيْتُ ثَمَانَ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَلٰكِنِّيْ اَعْطَيْتُكَهٗ لِحَدِيْثٍ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْجَارُ اَحَقُّ بِشُفْعَتِهٖ.

اور ایک روایت میں حضرت مسور' حضرت سعد بن مالک کے دوست حضرت رافع بن خدیج سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد نے (اپنے پڑوس میں رہائشی) ایک آدمی سے فرمایا: تم یہ میرا مکان صرف چار سو درہم میں خرید لو' پھر فرمانے لگے: البتہ مجھے اس کے آٹھ سو درہم مل رہے ہیں' لیکن میں تمہیں یہ مکان (کم قیمت پر) اس حدیث کی بناء پر دے رہا ہوں' جسے میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے' آپ فرماتے ہیں: پڑوسی' شفعہ کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ عَرَضَ بَيْتًا لَّهٗ عَلٰى جَارِهٖ بِاَرْبَعِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَّقَالَ قَدْ اُعْطِيْتُ ثَمَانَ مِائَةٍ وَلٰكِنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْجَارُ اَحَقُّ بِشُفْعَتِهٖ.

اور ایک روایت حضرت سعد بن مالک سے یوں ہے کہ انہوں نے اپنا گھر اپنے پڑوس پر چار سو دراہم میں خریدنے کے لیے پیش کیا اور کہا کہ مجھے اس کے پانچ سو درہم ملتے ہیں لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ پڑوسی شفعہ کا زیادہ حق دار ہے۔

بخاری(۲۲۵۸)ابن حبان(۵۱۸۱-۵۱۸۳)

شفعہ کے مسائل

شفعہ میں شین مضموم ہے اور یہ شفع سے ماخوذ ہے' اس کا لغوی معنی ہے: ملانا اور جوڑنا اور اصطلاح میں اس نام کی وجہ یہ ہے کہ شفعہ کرنے والا فروخت شدہ زمین کو اس کا معاوضہ دے کر اپنی زمین کے ساتھ ملا لیتا ہے' اس لیے اس کو شفیع اور اس سودہ کو شفعہ کہتے ہیں' پھر اس کی دو صورتیں ہیں' پہلی یہ ہے کہ زمین مشترکہ ہو اور ایک فریق اور حصہ دار اپنا حصہ کسی اور آدمی کو فروخت کر دے تو دوسرے حصہ دار فریق کو قربِ شرکت کی بناء پر حق شفعہ حاصل ہے کہ وہ فروخت شدہ حصہ کی قیمت فروخت دے کر اس کو اپنی زمین کے ساتھ ملا

لے اور دوسری صورت یہ ہے کہ زمین مشترکہ نہ ہو بلکہ ہر ایک فریق اپنی زمین کا مستقل مالک ہو' مگر دونوں کی زمینیں ایک دوسرے کے ساتھ متصل اور قریب قریب ہوں اور ان میں سے ایک فریق اپنی زمین کسی اور آدمی کو فروخت کر دے تو دوسرے فریق کو قرب جوار (یعنی قریبی پڑوسی ہونے) کی بناء پر شفعہ کرنے کا حق حاصل ہے کہ وہ قیمت فروخت کر دے کر زمین خرید لے۔ پہلی صورت میں ائمہ اربعہ (یعنی چاروں امام) اس بات پر متفق ہیں کہ مشترکہ زمین میں ہر ایک شریک کو حق شفعہ حاصل ہے لیکن دوسری صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور ایک صحیح قول کے مطابق امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی قرب جوار کی بناء پر پڑوسی کو حق شفعہ حاصل ہے اور پڑوسی کے شفعہ کے حق میں صحیح احادیث وارد ہیں اور جس نے ان احادیث کی صحت میں کلام کیا ہے وہ بے حجت اور بغیر دلیل کلام کیا ہے' جس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ [اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۶۲' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

فائدہ

حق شفعہ کا مقصد یہ ہے کہ شفیع کے پڑوس میں کوئی بُرا شخص نہ آ جائے جو اس کے لیے دردِ سر اور تکلیف و اذیت کا باعث ہو کیونکہ اچھا پڑوسی ملنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور بُرا پڑوسی ملنا اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے' اسی لیے اہل عرب کہتے ہیں: ''الجار قبل الدار''، یعنی گھر بنانے سے پہلے پڑوسی کو دیکھ لو اور خوب تحقیق کر لو تا کہ بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔

احادیثِ شفعہ سے درج ذیل مسائل ثابت ہوتے ہیں:

(۱) شفعہ کرنا جائز ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔
(۲) زمین' مکان اور باغ وغیرہ یعنی غیر منقولہ جائیداد میں شریک وحصہ دار اور پڑوسی دونوں کے لیے حق شفعہ ثابت ہے۔
(۳) حق شفعہ صرف غیر منقولہ جائیداد میں ثابت ہے' منقولہ میں نہیں۔
(۴) شفیع کے لیے واجب ہے کہ وہ کم از کم مبیع کی خرید شدہ قیمت کے برابر رقم ادا کر کے مبیع لے سکتا ہے۔
(۵) اگر کسی شخص نے زمین یا مکان وغیرہ فروخت کیا اور اپنے شریک وحصہ دار کو یا پڑوسی کو اطلاع نہیں دی تو بیع لازم نہ ہو گی بلکہ مشترکہ مبیع میں شریک اور غیر مشترکہ مبیع میں پڑوسی دعویٰ کر کے قیمت دے کر مبیع خود لے سکتا ہے۔
(۶) اگر بیع کی خبر اور اطلاع پا کر شریک یا پڑوسی خاموش رہا اور اپنے ردِ عمل کا اظہار نہ کیا تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اطلاع پاتے ہی کہہ دے کہ میں اس کا شفیع ہوں اور میں اسے خرید لوں گا۔

۱- بَابُ وَضْعِ الْخَشَبَةِ عَلٰى حَائِطِ جَارِهٖ

اپنے پڑوسی کی دیوار پر لکڑی رکھنے کا جواز

۳۵۱- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّضَعَ خَشَبَتَهٗ فِيْ حَائِطِهٖ فَلَا يَمْنَعْهُ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پڑوسی کی دیوار پر اپنی لکڑی وغیرہ رکھنا چاہے تو اس کا پڑوسی اسے منع نہ کرے۔

بخاری (۲٤٦٣) مسلم (٤١٣٠) ابوداؤد (٣٦٣٤) ترمذی (١٣٥٣) ابن ماجہ (٢٣٣٥) ابن حبان (٥١٥)

حل لغات

''خَشَبَةٌ'' اس کا معنی ہے: لکڑی خواہ وہ شہتیر ہو' بالا ہو یا بانس وغیرہ ہو۔ ''حَائِطٌ'' اس کا معنی ہے: دیوار خواہ مکان کی ہو یا

دکان کی ہو۔

پڑوسی کے حقوق

اسلام نے مسلمانوں کو باہمی اخوت و بھائی چارہ' اُلفت و رواداری اور ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت و ادائیگی پر بہت زور دیا ہے' خصوصاً پڑوسی کے حق میں بہت تاکید ہے' کیونکہ پڑوسی کا حق بہت بڑا ہے اور پڑوسیوں پر احسان کرنا ایمان دار ہونے کی علامت ہے' چنانچہ جس شخص کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہوں تو وہ ایمان دار نہیں ہو سکتا' یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم اجمعین کسی شخص کی اصلاح اور نیکیوں کی ترغیب کے دوران اور اس کے رشتہ داروں سے خیر و بھلائی کی تاکید کے وقت اپنے اردگرد کے پڑوسیوں سے حسنِ سلوک کی تعلیم دیا کرتے تھے' بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ما زال جبريل يوصينى بالجار حتّٰى ظننت انه سيورثه'' یعنی حضرت جبریل پڑوسی کے حق اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی مسلسل تاکید کرتے رہے' یہاں تک کہ میں نے گمان کر لیا کہ وہ عنقریب اسے جائیداد میں وارث بنا دیں گے۔ [الادب المفرد للبخاری ص ۳۶' مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ' سانگلہ ہل' بمع تخریج البخاری فی: ۷۸' کتاب الادب: ۲۸' باب الوصاۃ بالجار' مسلم فی: ۴۵' کتاب البر والصلۃ والاداب' حدیث: ۱۴۱] بہرحال گزشتہ حدیث میں پڑوسی کے لیے شفعہ کی اجازت اور اس حدیث میں پڑوسی کی دیوار پر لکڑی رکھنے پر منع نہ کرنے کی تاکید پڑوسی کے حقوق کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں' چنانچہ علامہ سنبھلی لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ کی ایک مرفوع حدیث بخاری اور مسلم میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑھنے سے منع نہ کرے۔ راوی کہتے ہیں: پھر حضرت ابوہریرہ فرمانے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں اس سے روگردانی کرنے والا دیکھ رہا ہوں' سنو! اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اسے تمہارے کندھوں پر رکھ دوں گا اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت سفیان بن عیینہ کے طریق سے امام زہری سے روایت کیا ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پڑوسی سے اس کی دیوار میں لکڑی گاڑنے کی اجازت مانگے تو وہ اسے منع نہ کرے' سو جب حضرت ابوہریرہ نے اپنے مسلمان ساتھیوں کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے اپنے سروں کو نیچے جھکا لیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا ہوا کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس سے اعراض کر رہے ہو' مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اسے تمہارے کندھوں کے درمیان رکھ دوں گا۔ امام ترمذی نے کہا: اس باب میں حضرت ابن عباس اور حضرت مجمع بن جاریہ سے بھی مروی روایات ہیں' حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور بعض اہلِ علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے اور امام شافعی کا یہی قول ہے اور بعض اہلِ علم سے مروی ہے' ان میں سے ایک امام مالک بن انس اصبحی بھی ہیں' انہوں نے کہا ہے کہ مالک مکان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی دیوار میں اپنے پڑوسی کو لکڑی گاڑنے سے منع کر دے اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اگر لکڑی گاڑنے سے دیوار کو نقصان نہیں پہنچتا تو پھر لکڑی گاڑنے کا امر وجوب کے لیے ہے اور امام احمد بن حنبل اور اصحاب الحدیث کا یہی قول ہے اور بعض فقہاء نے فرمایا کہ یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ صرف استحباب کے لیے ہے' امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے یہی فرمایا ہے اور امام مالک کے دو قول ہیں' ایک وجوب کا ہے اور ایک استحباب کا ہے اور ان کا زیادہ صحیح قول استحباب کا ہے۔ [تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۷۶' حاشیہ ۲' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

شیخ محقق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر دیوار کو نقصان نہ پہنچے تو پھر یہ امر وجوب کے لیے ہے' امام احمد اور اصحابِ حدیث کا یہی قول ہے اور بعض فقہاء نے فرمایا: یہ امر استحباب کے لیے ہے' امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی قول ہے اور امام مالک کے اس میں دو قول ہیں' ان میں زیادہ صحیح ترین قول ندب اور استحباب کا ہے۔

[اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۶۳' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۲۰ - كِتَابُ الْمُزَارَعَةِ

کاشت کاری کے احکام

۳۵۲- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُخَابَرَةِ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخابرہ (بٹائی پر کھیتی باڑی کرنے) سے منع فرمادیا۔

مسلم(۳۹۱۰)ابوداؤد(۳۴۰۷)ترمذی(۱۲۹۰)نسائی(۴۵۲۸)

حل لغات

''اَلْمَزَارَعَةُ. اَلْمُخَابَرَةُ'' یہ باب مفاعلہ کے مصدر ہیں جواب بٹائی پر کھیتی باڑی کرنے کا علَم ہوگئے اور یہ دونوں لغوی معنی میں مترادف ہیں کہ دونوں کا معنی ہے: بٹائی پر کاشت کرنا۔ البتہ اصطلاحی اور عرفی معنی کا فرق اور تفصیل تشریح میں آرہی ہے۔

زمینوں اور باغات کو بٹائی پر دینے کا جواز

یاد رہے کہ حل لغات میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ ''مزارعة'' اور ''مخابرة'' دونوں لغوی معنی کے اعتبار سے مترادف ہیں کہ دونوں کا معنی ہے: زمین کو کاشت کاری کے لیے کرایہ پر دینا' لیکن اصطلاح کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے کیونکہ اگر زمین کا مالک اپنی زمین کسی عامل اور مزدور کو زمین کی پیداوار میں سے مقرر کردہ حصہ مثلاً ایک تہائی یا ایک چوتھائی کے عوض کاشت کاری کے لیے دے اور اس میں بیج مالک دے تو یہ مزارعت ہے اور اگر مالک کی بجائے مزدور کاشت کاری کرنے کے ساتھ بیج بھی خود دے تو پھر یہ مخابرہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے یہود کو خیبر کے کھجوروں کے باغات اور وہاں کی زمین اس شرط کے ساتھ کرایہ پر دی کہ وہ اپنے مالوں (آلاتِ زراعت' بیل' بیج وغیرہ) کے ساتھ اس میں کام کریں گے اور اس کی پیداوار کا آدھا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہوگا اور اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور بخاری کی روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے یہود کو وہاں کے باغات وزمینیں اس شرط پر دیئے تھے کہ کام کاج' کھیتی باڑی اور پانی بیج وغیرہ وہ دیں گے اور پیداوار کا آدھا حصہ ان کے لیے ہوگا۔ [مشکوٰۃ ص ۲۵۷' باب المساقات والمزارعۃ' الفصل الاوّل' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی] دراصل جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوت وغلبہ کے ساتھ خیبر کو فتح کرلیا اور وہاں کے مالک بن گئے اور وہاں کے باشندے آپ کے غلام ہوگئے اور آپ نے وہاں سے یہود کو نکالنا چاہا تو انہوں نے درخواست کی کہ انہیں یہیں رہنے دیا جائے' سو آپ نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور فرمایا: یہاں کے باغات اور زمینیں ہماری ہوں گی اور باغبانی اور کاشت کاری تمام لوازمات کے ساتھ تم کرو گے اور اس کی پیداوار آدھی ہماری اور آدھی تمہاری ہوگی۔ [مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۱۳۱' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

مساقات (اپنا باغ کسی کو باغبانی کے لیے مقررہ اُجرت پر دینا) اور مزارعت (نیز مخابرہ) امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک ممنوع و ناجائز ہے جبکہ امام ابویوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی یعنی صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اہلِ علم میں سے امام ابوحنیفہ کے سوا کسی کو نہیں جانتے جس نے ان سے منع کیا ہو' بعض حضرات کہتے ہیں: امام زفر بھی امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہیں۔ [اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۶۴' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر]

مزارعت اور مخابرہ کے بارے میں ملا علی قاری لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ اور امام مالک ان کو مطلقاً ممنوع اور ناجائز قرار دیتے ہیں اور صحابہ کرام میں سے اکثر اہل علم جیسے حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن عباس اور حضرت سعد بن مالک ابی وقاص وغیرہم اور تابعین میں سے اکثر اہلِ علم جیسے حضرت سعید بن مسیب' حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر' حضرت محمد بن سیرین اور حضرت طاؤس وغیرہم اور اسی طرح امام زہری' حضرت عمر بن عبدالعزیز' ابن ابی لیلیٰ' امام احمد' حضرت اسحاق' امام ابویوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہم اللہ تعالیٰ مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں۔

[مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۲۲۹' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

محقق العصر حضرت استاذی المکرم قبلہ لکھتے ہیں:

حضرت ابوجعفر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ خیبر سے نصف پیداوار کے عوض عمل کرایا' پھر حضرت ابوبکر صدیق نے' پھر حضرت عمر نے' پھر حضرت عثمان نے' پھر حضرت علی نے' پھر ان کی آل واولاد آج تک تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض مزارعت کراتے رہے' یہ امر صحیح اور مشہور ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاحیات اس پر عمل کیا' آپ کے بعد خلفائے راشدین اس پر تاحیات عمل کرتے رہے' پھر ان کے اہل کا اس پر عمل رہا اور تمام اہل مدینہ مزارعت کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ پاک نے بھی مزارعت پر عمل کیا۔ امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ خیبر سے اس شرط پر عمل کرایا کہ باغات اور کھیتوں سے جو پیداوار ہوگی اس کا نصف انہیں دینا ہوگا' پھر آپ ازواجِ مطہرات کو ایک سو وسق (پیمانہ) دیتے تھے' اسی وسق کھجوریں اور بیس وسق جَو دیتے تھے' پھر حضرت عمر نے اموالِ خیبر تقسیم کیے تو انہوں نے ازواجِ مطہرات کو اختیار دیا کہ یا تو پانی اور زمین لے کر مزارعت کرائیں یا وہ ان کے لیے وسق جاری کردیں' سو بعض ازواج نے زمین کو اختیار کیا اور بعض نے وسق کو اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے زمین کو اختیار کیا اور اس قسم کی حدیث منسوخ نہیں ہوسکتی کیونکہ نسخ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہوتا تھا لیکن جس چیز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال تک عمل ہوتا رہا' پھر آپ کے بعد خلفائے راشدین کا اس پر عمل رہا اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس پر عمل کیا اور ان میں سے کسی نے مخالفت نہیں کی' اس کا نسخ کیسے جائز ہوگا اور اس کو کب منسوخ کیا جائے گا' اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں ہوا تھا تو پھر آپ نے بعد میں اس پر عمل کیسے کیا اور یہ نسخ کیسے مخفی رہا' جو خلفائے راشدین کو بھی معلوم نہ ہوسکا حالانکہ خیبر کی مزارعت کا قصہ بہت مشہور تھا' پھر وہ نسخ کا راوی کہاں گیا' جس نے ان حضرات کو نسخ کی حدیث نہیں پہنچائی۔ [شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۴۲-۲۴۱' بہ حوالہ المغنی ج ۵ ص ۲۴۲' دار الفکر' بیروت]

نیز مزید لکھتے ہیں کہ بکثرت احادیث' آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے زمین کو بٹائی پر دینے کا جواز چونکہ ثابت ہے' اس لیے فقہاء احناف نے اس مسئلہ میں امام ابویوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے' امام اعظم کے قول پر فتویٰ نہیں دیا۔

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: (ترجمہ) فتویٰ امام ابویوسف اور امام محمد کے قول پر ہے' کیونکہ لوگوں کو مزارعت کی حاجت و ضرورت ہے اور تمام اُمت کا مزارعت پر عمل ہے اور تعامل کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کردیا جاتا ہے۔

[شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۴۷' بہ حوالہ ہدایہ اخیرین ص ۴۲۵' مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ' ملتان]

۳۵۳- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ اَبِىْ حُصَيْنٍ عَنْ رَّافِعِ بْنِ خُدَيْجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ مَرَّ بِحَائِطٍ فَاَعْجَبَهٗ فَقَالَ لِمَنْ هٰذَا فَقُلْتُ لِىْ فَقَالَ مِنْ اَيْنَ

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک باغ کے پاس سے گزرے تو وہ باغ آپ کو اچھا لگا اور فرمایا: یہ باغ کس کا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرا ہے' سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ

هُوَلَكَ قُلْتُ اِسْتَاجَرْتُهُ قَالَ فَلَا تَسْتَاجِرْهُ بِشَيْءٍ مِّنْهُ.

تمہارا کہاں سے ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو اُجرت پر (یعنی کرایہ پر) لیا ہوا ہے' آپ نے فرمایا: سوتم اس کو کسی چیز کے عوض میں کرایہ پر نہ لیا کرو۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِحَائِطٍ فَقَالَ لِمَنْ هٰذَا فَقُلْتُ لِيْ وَقَدْ اِسْتَاجَرْتُهُ فَقَالَ لَا تَسْتَاجِرْهُ. ابوداؤد (۳۴۰۲)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک باغ کے پاس سے گزرے' آپ نے فرمایا کہ یہ باغ کس کا ہے؟ میں نے عرض کیا: میرا ہے اور میں نے اسے کرایہ پر لیا ہوا ہے' آپ نے فرمایا: کسی چیز کو کرایہ پر نہ لیا کرو۔

حل لغات

''فَاَعْجَبَهٗ'' اس میں ''اَعْجَبَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب افعال سے ہے اور ہٗ ضمیر مفعول بہ ہے' اس کا معنی ہے: اچھا لگنا' پسند آنا۔ ''اِسْتَاجَرْتُهٗ'' اس میں ''اِسْتَاجَرْتُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل ماضی معروف مثبت' باب استفعال سے ہے' اور ہٗ ضمیر مفعول بہ ہے اور اس کا معنی ہے: اُجرت پر لینا' کرایہ پر لینا۔

باغبانی اور کاشت کاری کرانے کے عقلی دلائل

گزشتہ حدیث کی تشریح میں مساقات ومزارعت کے جواز اور عدم جواز کی بحث کی گئی ابیہاں صرف امام ابو یوسف اور امام محمد کی عقلی دلیل بیان کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مزارعت اور مساقات میں زمین کی پیداوار میں شرکت ہوتی ہے' سو یہ مضاربت کی طرح صحیح ہے اور اس کی تحقیق دو طرح سے ہے' اوّل یہ کہ مضاربت میں جو نفع ہوتا ہے وہ مال اور عمل دونوں سے حاصل ہوتا ہے' پس ایک جانب سے مال اور دوسری جانب سے عمل کے ساتھ یہ شرکت منعقد ہوتی ہے اور یہاں مساقات ومزارعت میں بھی اسی طرح ہے کیونکہ ایک جانب سے زمین اور بیج ہے اور دوسری جانب سے محنت اور عمل ہے یا ایک جانب سے باغ کے درخت ہیں اور دوسری جانب سے عمل اور محنت ہے اور ثانی اس طرح کہ لوگوں کو عقدِ مضاربت کی اس لیے ضرورت ہوتی ہے کہ بسا اوقات ایک شخص کے پاس مال ہوتا ہے اور وہ کسی وجہ سے خود محنت وعمل نہیں کرسکتا اور بعض لوگ محنت اور عمل کرسکتے ہیں لیکن محنت وعمل اور تصرف کے لیے ان کے پاس مال نہیں ہوتا' پس اس لیے عقدِ مضاربت کو جائز قرار دیا گیا تا کہ دونوں کا مقصد حاصل ہو جائے' یہاں بھی اسی طرح ہے کہ بسا اوقات زمین اور بیج کا مالک عمل نہیں کرسکتا اور جو شخص عمل کرسکتا ہے' بسا اوقات اس کے پاس عمل کے لیے زمین اور بیج نہیں ہوتے' سو اس لیے مزارعت اور مساقات کو جائز قرار دیا گیا ہے تا کہ دونوں کا مقصد حاصل ہو جائے اور مضاربت کی طرح تمام ممالک اور تمام شہروں میں مزارعت اور مساقات کا رواج ہے اور لوگوں کا اس پر تعامل ہے' پس اس کو عرف اور تعامل کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے' خواہ قیاس اس کے خلاف ہو۔

[شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۶۴-۲۶۳' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور' بہ حوالہ المبسوط ج ۲۳ ص ۱۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' ۱۹۹۸ء]

یاد رہے کہ تہائی یا چوتھائی وغیرہ کی اُجرت پر کاشت کاری اور باغبانی کی ممانعت کی بہت سی وجوہات احادیث میں وارد ہیں' بعض میں ہے کہ کسی کو کرایہ پر دینے کی بجائے اپنے مسلمان بھائی کو یوں ہی عاریۃً (مفت) دینا افضل و بہتر ہے جس سے معلوم ہوا کہ کرایہ پر دینا جائز ہے' لیکن افضل و بہتر نہیں۔ بعض میں ہے کہ جب کرایہ پر دینے کی وجہ سے آپس میں فریقین میں جھگڑے بہت بڑھ گئے اور شکایتیں آنے لگیں تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے منع فرمادیا' اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف نہ ہو تو پھر جائز

ہے۔ بعض میں ہے کہ کاشت کاری وغیرہ کی وجہ سے جہاد سے باز نہ رہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد وغیرہ کی رکاوٹ کی بناء پر منع ہے ورنہ نہیں اور بعض میں ہے کہ مالک زمین اور باغ کے حصے مقرر کردے اور کہے کہ زمین کے فلاں حصے کی پیداوار اور فلاں درختوں کی پیداوار میری ہوگی' باقی تیری ہوگی تو اس سے آپ نے منع فرمادیا' خلاصہ یہ ہے کہ بعض صورتوں میں مزارعت اور مساقات جائز ہے' بعض میں مکروہ اور بعض صورتوں میں بالکل ممنوع ہے اور جہاں فریقین کا فائدہ ہو اور اختلاف و افتراق پیدا نہ ہو' وہاں جائز ورنہ ناجائز' لہٰذا تمام احادیث درست ہیں' یا ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں اور جواز کی ناسخ ہیں کیونکہ رسول اللہ' خلفائے راشدین' صحابہ کرام اور تابعین اور عام مسلمان کا جواز کی احادیث پر عمل رہا ہے اور آج تک اسی پر تعامل ہو رہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۲۱- كِتَابُ الْفَضَائِلِ

فضائل کا بیان

۱- بَابُ عُمَرِ النَّبِيِّ وَالشَّيْخَيْنِ عِنْدَ الْوَفَاةِ

وفات کے وقت نبی کریم ﷺ اور شیخین کی عمر کا بیان

۳۵۴- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنِ الْهَيْثَمِ وَرَبِيْعَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ وَقُبِضَ اَبُوْ بَكْرٍ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ وَ قُبِضَ عُمَرُ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ. بخاری (۳۸۵۱) مسلم (۶۰۹۱) ترمذی (۳۶۵۲) ابن حبان (۶۳۸۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو اس وقت ان کی عمر بھی تریسٹھ سال تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو اس وقت ان کی عمر بھی تریسٹھ سال تھی۔

۳۵۵- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ بُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَاْسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرًا وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرًا وَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا فِيْ لِحْيَتِهٖ وَرَاْسِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ. بخاری (۳۵۴۸) مسلم (۶۰۸۹) ترمذی (۳۶۲۳) ابن حبان (۶۳۸۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنی عمر کے) چالیس سال مکمل ہونے پر نبوت ورسالت کا اعلان فرمایا' پھر آپ نے مکہ مکرمہ میں (نزولِ وحی کے اعتبار سے) دس سال قیام فرمایا اور مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت تک آپ کی ڈاڑھی اور سر میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔

حل لغات

''قُبِضَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی مجہول مثبت' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کو ہاتھ میں لینا' پکڑنا' قبضہ کرنا' سمیٹنا' اکٹھا کرنا' مرنا' فوت ہونا۔

آپ ﷺ کی عمر کے بارے میں مختلف اقوال کی توجیہ

اس باب کی پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی عمر تریسٹھ سال بیان کی گئی ہے اور یہی صحیح ہے لیکن دوسری حدیث میں جو بیان

ہوا ہے اس کے مطابق ساٹھ سال عمر بنتی ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اعلانِ نبوت کے بعد آپ مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام پذیر رہے پہلے چھ ماہ میں آپ کو رؤیائے صالحہ (اچھے اور سچے خواب) دکھائے جاتے رہے پھر پہلی وحی کے بعد دو سال چھ ماہ تک وحی بند رہی پھر دس سال مسلسل وحی نازل ہوتی رہی اس لیے دوسری حدیث میں قیامِ مکہ دس سال نزولِ وحی کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے ورنہ اعلانِ نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں آپ کا قیام تیرہ سال رہا ہے اس طرح آپ کی عمر تریسٹھ ہوتی ہے نیز آپ کی عمر کے بارے میں تین مختلف اقوال بیان ہوئے ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تہذیب الاسماء واللغات میں تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا بعض نے پینسٹھ برس اور بعض نے کہا ہے کہ ساٹھ برس کی عمر میں وصال ہوا مگر پہلا قول نہایت ہی صحیح ہے اور یہ تینوں اقوال روایت میں آتے ہیں۔ علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ ان روایات میں توفیق و تطبیق اس طرح ہے کہ جنہوں نے ساٹھ برس روایت کی ہے انہوں نے دہائیوں کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے اور کسور کو نظر انداز کر دیا ہے اور جنہوں نے پینسٹھ برس روایت کی ہے انہوں نے سال ولادت اور سال وفات کو مستقل شمار کیا ہے اور جنہوں نے تریسٹھ برس روایت کی ہے انہوں نے ان دونوں برسوں کو شمار نہیں کیا اور صحیح تریسٹھ برس ہے۔ [انوار غوثیہ شرح الشمائل النبویہ ص۵۵۹-۵۴۸]

نیز علامہ ملا علی قاری جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج ۲ ص ۲۰۰ مطبوعہ مصر میں تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ میرک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

(ترجمہ) رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر کے متعلق تین روایتیں ہیں پہلی یہ کہ آپ کی عمر ساٹھ برس تھی دوسری یہ کہ آپ کی عمر پینسٹھ برس تھی تیسری یہ کہ آپ کی عمر تریسٹھ برس تھی اور یہی زیادہ صحیح و مشہور ہے کہ آپ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس اور حضرت امیر معاویہ سے بھی یہی روایت کی ہے اور امام مسلم نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابن عباس حضرت امیر معاویہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے یہی روایت کی ہے اور علماء کرام رحمہم اللہ اجمعین نے بھی اس پر اتفاق کیا ہے کہ زیادہ صحیح یہی ہے کہ آپ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔

[انوار غوثیہ شرح الشمائل النبویہ المعروف شمائل ترمذی ص ۵۴۶-۵۴۵ مطبوعہ ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی]

۲- بَابٌ يُعْرَفُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرِيْحِ الطِّيْبِ

نبی کریم ﷺ کو خوشبو سے پہچان لیا جاتا

۳۵٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِی الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرَفُ بِرِيْحِ الطِّيْبِ اِذَا اَقْبَلَ مِنَ اللَّيْلِ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب رات کو تشریف لاتے تو خوشبو کی مہک سے پہچان لیے جاتے تھے۔

بخاری(۱۹۷۳-۳۵٦۱)مسلم(٦۰۵۳-٦۰۵٤)ترمذی (۲۱۰۵)ابن حبان(٦۳۰۳-٦۳۰٤)

۳۵۷- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْرَفُ بِاللَّيْلِ اِذَا اَقْبَلَ اِلَى الْمَسْجِدِ بِرِيْحِ الطِّيْبِ. سابقہ(۳۵٦)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کے وقت مسجد میں تشریف لاتے تو خوشبو کی مہک سے آپ پہچان لیے جاتے تھے۔

حل لغات

''يُعْرَفُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے اس کا معنی ہے: پہچاننا جاننا۔

''بِرِيْحِ الطِّيْبِ'' خوشبو کی مہک۔

رسول اللہ ﷺ کا جسم اقدس اور پسینہ خوشبودار تھے

نبی کریم ﷺ کا وجودِ اطہر ہر وقت خوشبوؤں سے معطر اور مہکتا رہتا تھا۔ آپ جب کہیں تشریف لے جاتے تو صحابہ کرام فرماتے کہ آپ کے جسم کی خوشبو اس راستے میں پھیل جاتی اور ہم سمجھ جاتے کہ رسول اللہ ﷺ اسی راستے سے گزرے ہیں لہٰذا ہم اسی خوشبو پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچ جاتے۔ علامہ ملا علی قاری رحمہ الباری جمع الوسائل شرح الشمائل ج ۲ ص ۱ پر ابویعلیٰ اور البزار سے بسند صحیح لکھتے ہیں کہ (ترجمہ) رسول اللہ ﷺ جب کسی راستہ سے گزر جاتے تو لوگ وہاں خوشبو کی مہک محسوس کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ اس راستے سے گزر چکے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت انس کی والدہ (اُم سلیم رسول اللہ کی رضاعی خالہ) کے گھر میں آرام فرما رہے تھے اور آپ کو پسینہ آ رہا تھا انہوں نے اس پسینہ کو ایک شیشی میں نچوڑ کر رکھ لیا سو جب رسول اللہ بیدار ہوئے تو فرمایا: اے اُم سلیم! تم یہ کیوں کرتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم اسے اپنی خوشبو میں جمع کر لیتے ہیں کیونکہ آپ کا یہ پسینہ ہر قسم کی خوشبو سے نفیس اور عمدہ ترین ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اُم سلیم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ کا پسینہ برکت حاصل کرنے کے لیے اپنے بچوں کو لگاتے ہیں آپ نے فرمایا: تم نے اچھا کیا ہے۔

[ماخوذ از انوار غوثیہ شرح الشمائل النبویہ المعروف شمائل ترمذی ص ۲۸٦-۲۸۵ مطبوعہ ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی]

یاد رہے کہ اگرچہ نبی کریم ﷺ کو خوشبو پسند تھی اور آپ کثرت سے خوشبو استعمال کرتے تھے لیکن آپ کا خود جسم اقدس اور پسینہ تخلیقی اور پیدائشی طور پر معطر و خوشبودار تھا اور آپ کو پسینہ تو موسم گرما میں آتا تھا یا پھر نزولِ وحی کے وقت آتا تھا لیکن آپ کا جسم ہمیشہ معطر و خوشبودار رہتا تھا اور آپ کے جسم اقدس کا معطر و خوشبودار رہنا پیدائش ہی سے تھا چنانچہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ثم نظرت اليه واذابه كالقمر ليلة البدر وريحه يسطع كالمسك الاذفر.

[مواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۱۲٦ زرقانی ج ۱ ص ۱۱۵ انوار المحمدیہ ص ۲۴ حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۲۵]

پھر میں نے (آپ کی ولادت باسعادت کے بعد) آپ کی طرف دیکھا اور آپ اس وقت چودھویں رات کے چاند کی مانند حسین و جمیل تھے اور آپ کے جسم کی خوشبو اس طرح مہک رہی تھی جس طرح اذفر نامی عمدہ خوشبو مہکتی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جس راستہ سے گزرتے پھر آپ کے بعد جو شخص وہاں سے گزرتا تو وہ آپ کے جسم کی خوشبو یا آپ کے پسینہ کی خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ اس راستے سے گزر چکے ہیں۔ [مشکوٰۃ المصابیح باب اسماء النبی وصفاتہ الفصل الثانی ص ۵۱۷ مطبوعہ اصح المطابع دہلی] اس حدیث میں ''من طيب عرفه او من ريح عرقه'' قابل غور الفاظ ہیں یعنی آپ کی جسمانی خوشبو یا آپ کے پسینہ کی خوشبو سے راستے مہک جاتے تھے کیونکہ عرفہ فاء کے ساتھ ہو تو معنی ہوتا ہے آپ کے جسم کی خوشبو اور ''عرقه'' قاف کے ساتھ ہو تو معنی ہوتا ہے آپ کے پسینہ کی خوشبو نیز اگر مصنوعی عطر لگانے سے آپ کے جسم سے خوشبو مہکتی اور گلیاں معطر ہو جاتیں تو پھر اس میں آپ کی تخصیص نہیں رہے گی اور نہ یہ فضیلت و معجزہ کا باعث ہوگا کیونکہ مصنوعی خوشبو کوئی شخص لگالے تو اس سے خوشبو بھی آئے گی اور گلیاں بھی معطر و خوشبودار ہو جائیں گی حالانکہ یہ آپ کا خصوصی معجزہ ہے چنانچہ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ علامہ ابن الملک نے فرمایا ہے کہ ''هٰذا من خصآئصه دون سائر الانبياء عليه وعليهم الصلوٰة والسلام'' یعنی یہ آپ کے خصائص میں سے ہے دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ معجزہ نہیں ملا۔

[مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۱۱ ص ۸۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

انبیاءِ سابقین علیہم السلام کے اعتبار سے آپ کے خصائص

(۱) تمام روئے زمین کا آپ کے لیے مسجد ہونا (۲) تمام روئے زمین کا آپ کے لیے آلۂ تیمم ہونا (۳) مالِ غنیمت کا آپ کے لیے حلال ہونا (۴) قربانی کا آپ کے لیے حلال ہونا (۵) قیامت تک تمام لوگوں کے لیے رسول ہونا (۶) آپ کا خاتم النبیین ہونا (۷) اعمالِ اُمت کا آپ پر پیش کیا جانا (۸) آپ کی اُمت کا سب اُمتوں سے زیادہ ہونا (۹) قیامت میں سب سے پہلے اُٹھنا (۱۰) شفاعتِ کبریٰ کا حصول (۱۱) مقامِ محمود کا حصول (۱۲) تمام انبیاءِ سابقین کے معجزات کا حصول (۱۳) آپ کے معجزات کا سب نبیوں کے معجزات سے زیادہ ہونا (۱۴) آپ کے ہمزاد کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جانا (۱۵) تمام مخلوق کی انواع کا آپ پر ایمان لانا (۱۶) سب سے کم بعثت کا زمانہ پانا اور سب سے زیادہ پیروکار چھوڑ کر جانا (۱۷) انگلیوں سے پانی کا جاری کرنا (۱۸) کنکریوں کا آپ کے ہاتھ میں تسبیح کرنا (۱۹) کھجور کے تنے کا آپ کے فراق میں رونا (۲۰) آپ کی شریعت کا تمام سابقہ شرائع کے لیے ناسخ ہونا (۲۱) آپ کی شریعت کا غیر منسوخ ہونا (۲۲) شبِ اسراء میں تمام نبیوں کی امامت فرمانا (۲۳) بہ روزِ قیامت حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہونا (۲۴) تمام نبیوں سے افضل و اعلیٰ اور ان کا قائد ہونا (۲۵) سب سے پہلے جنت میں داخل ہونا (۲۶) قیامت کے دن تمام نبیوں کا گواہ ہونا (۲۷) اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر اس کی گواہی دینا (۲۸) حصولِ وحی کے لیے کسی مخصوص جگہ جانے کا پابند نہ ہونا' بلکہ جہاں اور جس جگہ آپ ہوتے وہیں وحیٔ الٰہی کا نازل ہو جانا (۲۹) حیاتِ انسانی کے ہر شعبہ کے لیے اسوۂ حسنہ اور آئیڈیل ہونا (۳۰) دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل کرنا (۳۱) اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونا۔

[تفسیر تبیان القرآن ج۹ ص ۵۲۰-۵۱۹' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

۳- بَابُ الزِّيَادَةِ عِنْدَ الْقَضَاءِ مِنْ حُسْنِ الْأَدَاءِ

قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دے دینا ادائیگی کا حسن ہے

۳۵۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ لِيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ فَقَضَانِيْ وَزَادَنِيْ.

بخاری (٤٤٣) مسلم (١٦٥٦) ابن حبان (٢٤٩٦)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ پر میرا کچھ قرض تھا' سو آپ نے میرا قرض بھی مجھے ادا کر دیا اور مجھے کچھ زیادہ بھی عطاء فرما دیا۔

حل لغات

''قَضٰى'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ادائیگی' قرض ادا کرنا' فیصلہ کرنا' حکم دینا۔ ''زَادَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل معروف مثبت' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بڑھنا' زیادہ ہونا' زیادہ دینا۔ ''دَيْنٌ'' کا معنی ہے: قرض۔

قرض ادا کرتے وقت کچھ زائد دینے کا ثبوت اور اس کی حکمتیں

امام بخاری اور امام ابوداؤد وغیرہما نے حضرت محارب بن دثار کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ میرا نبی کریم ﷺ پر قرض تھا اور جب آپ نے مجھے میرا قرض ادا کر دیا تو کچھ زیادہ عنایت فرما دیا اور ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں ہے کہ حضرت جابر نے بتایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے ایک قیراط زیادہ عنایت فرمایا' چنانچہ میں

اسے کبھی جدا نہیں کرتا تھا' بلکہ میں اپنی جیب میں رکھتا تھا اور وہ ہمیشہ میرے پاس رہا' یہاں تک کہ (یزید کے دورِ حکومت میں) شامی فوجوں نے مدینہ منورہ میں واقعہ حرہ کے دن لوٹ مار کرتے ہوئے مجھ سے چھین لیا۔

ان احادیث سے چند مسائل معلوم ہوئے:

(۱) مقروض کا قرض ادا کرنے کے بعد قرض خواہ کو کچھ زیادہ دے دینا سود میں شامل نہیں ہے (بشرطیکہ پہلے سے طے نہ ہو)۔

(۲) قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دینا حسن ادائیگی سے ہے۔

(۳) بروقت قرض ادا کرنا حسنِ وفا اور تکمیلِ عہد ہے۔

(۴) چونکہ قرض دینا احسان ہے' اس لیے قرض سے کچھ زیادہ دینا احسان کا بدلہ ہے اور قرض دینے پر قرض دینے والے کا شکر ادا کرنا ہے' لیکن یہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب عمل ہے۔

٤- بَابٌ كَفُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْيَنُ مِنَ الْحَرِيْرِ

نبی کریم ﷺ کی ہتھیلی ریشم سے زیادہ نرم تھی

۳۵۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا مَسَسْتُ بِيَدِيْ خَزًّا وَّلَا حَرِيْرًا اَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ مَا رُئِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَادًّا رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ جَلِيْسٍ لَهٗ قَطُّ. سابقہ (۳۵٦)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی موٹے ریشم اور کسی خالص باریک ریشم کو نہیں چھوا جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہم نشین کے سامنے کبھی پاؤں پھیلا کر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

حل لغات

''مَا مَسَسْتُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل ماضی معروف منفی' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ یا سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: چھونا' ملنا' لاحق کرنا اور پہنچنا۔ ''خَزًّا'' کا معنی ہے: وہ کپڑا جس کو اُون اور ریشم سے مکس کر کے تیار کیا جاتا ہے اور ''حَرِيْرٌ'' کا معنی ہے: خالص ریشم۔ ''اَلْيَنُ'' صیغہ واحد مذکر' اسم تفضیل سے ہے' اس کا معنی ہے: بہت نرم' زیادہ نرم' سب سے نرم۔

نبی کریم ﷺ کے خصائل کا تذکرہ

امام ترمذی نے شمائل ترمذی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی ہے' اس دوران آپ نے مجھے کبھی بھی اُف تک نہیں فرمایا اور نہ کسی کام کے کرنے پر یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا ہے اور نہ کسی کام کے ترک کرنے پر یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ خلق و مروّت کے اعتبار سے تمام انسانوں سے بہت بہتر تھے اور میں نے کبھی کوئی ریشم اور ریشمی کپڑا اور کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم و نازک ہو اور میں نے ہرگز کبھی بھی کسی قسم کا مشک اور عطر نبی کریم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔

شمائل میں اس مقام پر حاشیہ میں لکھا ہے:

(ترجمہ:) یعنی خوب جان لو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ پر اعتراض نہ کرنا' ان اُمور میں تھا جو خدمت و آداب سے متعلق تھے' لیکن ان اُمور میں نہیں جو شرعی احکام سے متعلق تھے کیونکہ شرعی اُمور میں غلطی کرنے پر اعتراض ترک کرنا روا نہیں

ہے۔علامہ محمد عاقل اپنی شرح میں فرماتے ہیں:

(ترجمہ:) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ مکمل فضیلت کے مالک تھے کہ دس سال آپ کی خدمت میں رہ کر خلافِ شرع کسی امر کے کبھی مرتکب نہیں ہوئے' اس لیے کہ خلافِ شرع کام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سکوت و خاموشی اختیار کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ [انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویہ ص ۴۷۲ تا ۴۷۴' مطبوعہ ادارہ تصنیفات امام احمد رضا' کراچی]

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی آدمی سے مصافحہ کرتے تو جب تک وہ آدمی اپنا ہاتھ خود نہ کھینچ لیتا' آپ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نہ نکالتے اور آپ اپنا چہرہ اس سے نہ پھیرتے جب تک وہ خود اپنا منہ نہ پھیر لیتا اور آپ اپنے سامنے بیٹھنے والے آدمی کے آگے اپنے پاؤں نہیں پھیلاتے تھے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۱۷۸' حاشیہ ۵' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۵- بَابٌ فِیْ بَیَانِ اَخْلَاقِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کا بیان

۳۶۰- **اَبُوْحَنِیْفَۃَ** عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ مَسْرُوْقٍ اَنَّہٗ سَاَلَ عَائِشَۃَ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اَمَا تَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ.

حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق کے بارے میں سوال کیا تو آپ فرمانے لگیں: کیا تم قرآن مجید نہیں پڑھتے ہو۔

کامل ابن عدی (ج ۱ ص ۸۹) تفسیر ابن کثیر (ج ۴ ص ۵۱۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کی عظمت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضرت مسروق کے جواب میں یہ فرمانا کہ کیا تم قرآن مجید نہیں پڑھتے۔اس کا یا تو یہ مقصد ہے کہ قرآن مجید آپ کے اخلاق وشمائل کا بیان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جن چیزوں کو کرنے کا حکم دیا ہے' آپ پوری زندگی ان تمام احکام پر عمل کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن کاموں سے منع فرمایا ہے' آپ ان تمام ممنوعات سے زندگی بھر مجتنب اور دور رہے' غرضیکہ آپ کی پوری زندگی قرآن مجید کی عملی تصویر تھی' چنانچہ اگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت واخلاق اور شمائل وخصائل کو جامع مانع کتاب کی صورت میں دیکھنا ہو تو وہ قرآن مجید ہے اور اگر قرآن مجید کو پیکرِ انسانی اور مجسم صورت میں دیکھنا ہو تو وہ پیکرِ مصطفےٰ ہے' یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے مختصر مگر جامع جواب دیتے ہوئے فرمایا: "کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنَ" آپ کا خلق قرآن مجید ہے۔ [صحیح مسلم' کتاب الصلوٰۃ ۱۳۹' باب ۱۸' رقم الحدیث ۷۴۶] یعنی جن محاسن واوصاف اور مکارمِ اخلاق کو اپنانے کا قرآن مجید نے حکم دیا ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کمال درجہ متصف تھے اور جن لغو باتوں اور فضول کاموں سے بچنے کی ترغیب دی ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے مکمل طور پر منزہ ومبرا تھے یا پھر حضرت عائشہ صدیقہ نے اس (درج ذیل) آیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے: "وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" (القلم: ۴) بے شک آپ بہت بڑے خلق پر فائز ہیں O

اور خلق کہتے ہیں کہ انسان کی طبع میں ایسا ملکہ ومہارت اور استعداد وصلاحیت پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے تمام افعالِ حسنہ اور تمام خصائلِ جمیلہ پر عمل کرنا اس قدر آسان اور سہل ہو جائے کہ یہ طبیعت ثانیہ بن جائیں چونکہ جس قدر عمدہ اور اعلیٰ اخلاق تھے وہ سب کے سب آپ میں موجود تھے' اس لیے تو آپ کے خلق کو عظیم فرمایا گیا' کیونکہ آپ تمام کمالات اور تمام مکارمِ اخلاق کے جامع ہیں'

چنانچہ امام مالک نے روایت کیا ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارمِ اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ [موطأ امام مالک: ۱۶۷۷]

انسان کو خلق دو قوتوں سے حاصل ہوتا ہے: (۱) قوتِ علمیہ' اور (۲) قوتِ عملیہ' سو آپ کی قوتِ علمیہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا O (النساء: ۱۱۳)

اور آپ جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم عطاء فرما دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضلِ عظیم ہے O

اور آپ کی قوتِ عملیہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ O (القلم: ۴)

اور بے شک آپ ضرور خلقِ عظیم پر فائز ہیں O

اور ان دونوں قوتوں کے کامل ہونے کے بعد انسان کو اپنے کمال کے لیے کسی اور قوت کی ضرورت نہیں رہتی' سو آپ کا علم بھی فضلِ عظیم ہے اور آپ کا خلق بھی عظیم ہے' پس اس لیے آپ کی ذات اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے افضل واعلیٰ ہے' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاقِ حسنہ کو کوئی انسان کما حقہ بیان نہیں کر سکتا کیونکہ وہ عظیم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو قلیل قرار دیا ہے' چنانچہ فرمایا:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ (النساء: ۷۷)

اے محبوب! فرما دیجئے کہ دنیا کا تمام سامان قلیل ہے۔

لیکن اس کے باوجود کوئی شخص دنیا کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتا' کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا ؕ (ابراہیم: ۳۴)

اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم انہیں شمار نہیں کر سکتے۔

سو جب قلیل کو شمار کرنا ممکن نہیں تو جسے اللہ تعالیٰ عظیم قرار دے دے' اسے بیان کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۱۶۵ تا ۱۷۴' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور)

٦- بَابُ تَوَاضُعِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع

۳٦۱- **اَبُوْحَنِیْفَۃَ** عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُجِیْبُ دَعْوَۃَ الْمَمْلُوْکِ وَیَعُوْدُ الْمَرِیْضَ وَیَرْکَبُ الْحِمَارَ.

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے اور بیمار آدمی کی عیادت و بیمار پرسی فرماتے اور آپ دراز گوش پر سواری کر لیتے تھے۔

ترمذی (۱۰۱۷) ابن ماجہ (٤۱۷۸)

حل لغات

"یُجِیْبُ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: جواب دینا' دعوت قبول کرنا' کسی کی دعا قبول کر کے اس کی حاجت روائی کرنا۔ "یَعُوْدُ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: عیادت کرنا' بیمار پرسی کرنا' عادت بنا لینا' کسی کام کا دوبارہ کرنا۔ "یَرْکَبُ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: سوار ہونا' بڑے زانو والا ہونا۔

نبی کریم ﷺ کی تواضع کا جامع

نبی کریم ﷺ اگرچہ نبوت و رسالت کے عظیم الشان منصب پر فائز ہیں اور بعد از خدا تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں بلکہ تمام انبیاء و رسل کے نبی و رسول اور ان کے سردار و امام اور ان کی اُمتوں کے بھی بالواسطہ اور اس اُمت کے بلاواسطہ نبی و رسول ہیں اور آخرت میں مقامِ محمود شفاعت کبریٰ حوضِ کوثر اور لوائے حمد آپ کو نصیب ہوگا' اس کے باوجود آپ تواضع اور انکساری میں سب سے بڑھ کر تھے' آپ کی عادت تھی کہ کوئی آزاد غلام' کنیز' فقیر اور مسکین و نادار ملتا تو اس کے پاس کھڑے ہو جاتے اور اس سے پوچھتے کہ تمہیں کوئی تکلیف اور ضرورت تو نہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ مجھے آپ سے ضروری کام ہے' تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم مدینہ منورہ کے کسی راستہ پر بیٹھ جاؤ' میں وہاں بیٹھ کر تمہاری بات سننے کے لیے تیار ہوں' جب آپ مجلس میں تشریف لاتے تو جہاں جگہ مل جاتی وہیں بیٹھ جاتے تھے' کبھی ممتاز جگہ پر تشریف فرما نہ ہوتے' آپ مریض کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے جاتے' نمازِ جنازہ میں شریک ہوتے' اگر کوئی مسکین سے مسکین تر آدمی بھی تھوڑے سے کھانے کی دعوت بھی دیتا تو آپ ردّ نہ فرماتے بلکہ ازراہِ تواضع قبول فرما لیتے' کبھی کسی کو حقیر اور کم تر نہ سمجھتے۔ کمزور لاچار اور ضرورت مند کے پاس تشریف لے جا کر ان کی حاجتیں پوری کرتے اور ان کی مشکل کشائی فرماتے۔ گھر کے کام کاج بہ نفس نفیس کرتے اور گھر کے کسی کام میں عار نہ سمجھتے' مہمانوں کی مہمان داری خود فرماتے۔ علامہ یوسف بن اسماعیل نبھانی مصری رحمۃ اللہ علیہ' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بہت بلند حوصلہ تھے' آپ جب گھر تشریف لے جاتے تو عام لوگوں کی طرح گھر کے کام کاج میں مصروف ہو جاتے' اکثر کپڑے وغیرہ خود ہی سی لیتے' گھر کی چیزوں کو خود ہی اُٹھا کے رکھتے' گوشت کاٹتے' خادم کی مدد کرتے' گھر سے باہر جاتے تو گدھے پر سوار ہو کر چلے جاتے' اپنے جوتے خود ہی گانٹھ لیتے' قمیص میں خود ہی پیوند لگا لیتے' چادر پھٹ جاتی تو اسے خود سی لیتے اور فرمایا کرتے کہ جو میرے طریقہ سے روگردانی کرے گا وہ مجھ سے نہیں' اپنے اونٹ خود چَرا لیتے' خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے' آٹا خود گوندھ لیتے اور بازار سے سودا سلف خود اُٹھا کر لے آتے تھے۔

[وسائل الوصول الی شمائل الرسول ص ۱۳' مطبوعہ المعارف گنج بخش روڈ لاہور]

۷- بَابُ فِیْ مَرَضِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نبی کریم ﷺ کے مرض کا بیان

۳۶۲- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی بَیَاضِ قَدَمَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیْثُ اَتَی الصَّلٰوۃَ فِیْ مَرَضِہٖ.

بخاری(۱۹۸)مسلم(۹۳۸)ابن ماجہ(۱۶۱۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں گویا اب بھی رسول اللہ ﷺ کے قدموں کی سفیدی کو دیکھ رہی ہوں' جب آپ اپنے مرضِ وفات میں (مسجد نبوی میں) نماز کے لیے تشریف لے گئے۔

۳۶۳- اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا مَرِضَ الْمَرَضَ الَّذِیْ قُبِضَ فِیْہِ اِسْتَحَلَّ اَنْ یَکُوْنَ

فِیْ بَیْتِیْ فَاَحْلَلْنَ لَہٗ قَالَتْ فَلَمَّا سَمِعْتُ ذٰلِکَ قُمْتُ مُسْرِعَۃً فَکَنَسْتُ بَیْتِیْ وَلَیْسَ لِیْ خَادِمٌ وَّ فَرَشْتُ لَـہٗ فِرَاشًا حَشْوَ مِرْفَقَتِہِ الْاِذْخِرُ فَاُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُھَادٰی بَیْنَ رَجُلَیْنِ حَتّٰی وُضِعَ عَلٰی فِرَاشِیْ.

بخاری(۱۹۸-۶۶۳-۶۶۴-۴۴۴۲)مسلم(۹۳۷)

ابن ماجہ(۱۶۱۸)مسند احمد(۲۴۶۰۴)

اس مرض کی وجہ سے بیمار ہوئے جس میں آپ کا وصال ہوا تو آپ نے میرے گھر میں رہنے کے لیے (اپنی ازواج سے) اجازت طلب کی تو انہوں نے آپ کو بخوشی اجازت دے دی۔ (حضرت عائشہ) فرماتی ہیں: جب میں نے یہ بات سنی تو جلدی سے کھڑی ہوئی اور گھر میں جھاڑو پھیرا' اسے صاف ستھرا کیا اور اس وقت میرے پاس کوئی خادمہ نہیں تھی اور میں نے آپ کے لیے (کپاس کی بجائے) اذخر نامی گھاس سے بھرا ہوا نرم گدیلا بچھا دیا' سو رسول اللہ ﷺ دو آدمیوں کا سہارا لیے ان کے درمیان چلتے ہوئے تشریف لائے یہاں تک کہ آپ کو میرے بستر پر بٹھا دیا گیا۔

حل لغات

''اِسْتَحَلَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: جائز سمجھنا' جائز شمار کرنا' جائز ٹھہرانے کی اجازت چاہنا' اجازت طلب کرنا۔ ''کَنَسْتُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل ماضی معروف مثبت' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: گھر میں جھاڑو دینا۔ ''مِرْفَقَۃٌ'' کا معنی ہے: نرم ہونا' نرمی سے پیش آنا' مہربانی سے پیش آنا۔

دورانِ مرض سہارا دینے والوں کے متعلق مختلف روایات میں تطبیق

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب نبی کریم ﷺ کا مرض بڑھ گیا اور آپ کا دردِ سر شدید ہو گیا تو آپ نے اپنی دیگر ازواجِ مطہرات سے اجازت طلب فرمائی کہ آپ ایامِ مرض میں میرے گھر میں قیام پذیر رہیں گے' سو انہوں نے بہ خوشی آپ کو اجازت دے دی اور آپ حضرت عباس بن عبدالمطلب اور ایک آدمی کے درمیان سہارا لے کر زمین پر پاؤں لگاتے ہوئے تشریف لائے' جس کی وجہ سے زمین پر پاؤں کی لکیریں پڑ گئیں اور حضرت عبداللہ ابن عباس بن عبدالمطلب نے بیان فرمایا کہ دوسرے آدمی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام' حضرت فضل بن عباس اور ایک آدمی کے درمیان سہارا لے کر تشریف لائے اور ایک روایت میں ہے کہ دوسرے آدمی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما تھے اور امام دارقطنی کے نزدیک نبی کریم ﷺ کو سہارا دے کر لانے والے حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید تھے اور ابن سعد کے نزدیک حضرت فضل اور حضرت ثوبان تھے اور امام ابن حبان کے نزدیک حضرت بریرہ اور حضرت ثوبان تھے اور امام ابن حبان کے نزدیک حضرت بریرہ اور حضرت نوبہ تھیں' بہرحال ثقات رواۃ سے ثبوت کی بناء پر ان تمام روایات میں تطبیق یوں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام متعدد بار مختلف آدمیوں کا سہارا لے کر نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے رہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرض کی ابتداء حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہوئی تھی اور یہی معتمد و معتبر قول ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے حاصل ہو جاتی ہے' جس کو امام احمد اور امام نسائی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز جنت البقیع سے نمازِ جنازہ پڑھا کر میرے گھر تشریف لائے اور اس وقت میں اپنے سر میں درد محسوس کر رہی تھی اور میں کہہ رہی تھی: ہائے (میرا) سر! سو آپ نے فرمایا: بلکہ میں کہتا ہوں ہائے سر! پھر فرمایا: اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہو گئی تو تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا کیونکہ میں تمہیں غسل دوں گا اور تمہیں کفن دوں گا اور میں تمہاری نمازِ جنازہ پڑھاؤں گا اور تمہیں دفن کروں گا' میں نے عرض کیا کہ گویا میں محسوس کرتی ہوں' اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر یہی ہو جائے تو آپ ضرور میرے گھر واپس لوٹ کر تشریف لائیں گے تو اس میں آپ اپنی کسی بیوی کے ساتھ آرام فرمائیں گے' اس بات پر آپ مسکرائے' پھر آپ کا وہ مرض شروع ہو گیا جس میں آپ

کی وفات ہوئی۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۵۸-۵۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان]

٨- بَابُ وَفَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی کریم ﷺ کی وفات

٣٦٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ يَّزِيْدَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَبَابَكْرٍ رَاٰى عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِفَّةً فَاسْتَاْذَنَهُ اِلَى امْرَاَتِهٖ بِنْتِ خَارِجَةَ وَكَانَتْ فِيْ حَوَائِطِ الْاَنْصَارِ وَكَانَ ذٰلِكَ رَاحَةَ الْمَوْتِ وَلَا يَشْعُرُ فَاَذِنَ ثُمَّ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَاَصْبَحَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَرَامَوْنَ فَاَمَرَ اَبُوْ بَكْرٍ غُلَامًا يَّسْتَمِعُ ثُمَّ يُخْبِرُهٗ فَقَالَ اَسْمَعُهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَاتَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَدَّ اَبُوْ بَكْرٍ وَّهُوَ يَقُوْلُ وَاَقْطَعَ ظَهْرَاهْ فَمَا بَلَغَ اَبُوْ بَكْرٍ الْمَسْجِدَ حَتّٰى ظَنُّوْا اَنَّهٗ لَمْ يَبْلُغْ وَارْجَفَ الْمُنَافِقُوْنَ فَقَالُوْا لَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ نَبِيًّا لَّمْ يَمُتْ فَقَالَ عُمَرُ لَا اَسْمَعُ رَجُلًا يَّقُوْلُ مَاتَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا ضَرَبْتُهٗ بِالسَّيْفِ فَكَفُّوْا لِذٰلِكَ فَلَمَّا جَاءَ اَبُوْ بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسَجًّى كَشَفَ الثَّوْبَ عَنْ وَّجْهِهٖ ثُمَّ جَعَلَ يَلْثِمُهٗ فَقَالَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُذِيْقَكَ الْمَوْتَ مَرَّتَيْنِ اَنْتَ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ ثُمَّ خَرَجَ اَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَاِنَّ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَا يَمُوْتُ ثُمَّ قَرَاَ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَّسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ○ (آل عمران: ۱۴۴) قَالَ فَقَالَ عُمَرُ لَكَاَنَّا لَمْ نَقْرَاْهَا قَبْلَهَا قَطُّ فَقَالَ النَّاسُ مِثْلَ مَقَالَةِ اَبِيْ بَكْرٍ مِنْ كَلَامِهٖ وَقِرَاءَتِهٖ وَمَاتَ لَيْلَةَ الْاِثْنَيْنِ فَمَكَثَ لَيْلَتَيْنِ وَيَوْمَيْنِ وَدُفِنَ يَوْمَ الثُّلَثَاءِ وَكَانَ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَّاَوْسُ بْنُ خَوْلِيٍّ يَصُبَّانِ وَعَلِيٌّ وَّالْفَضْلُ يَغْسِلَانِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

بخاری (۴۴۵۲ تا ۴۴۵۴) نسائی (۱۸۴۲) ابن ماجہ (۱۶۲۷) ابن حبان (۶۶۲۰) مسند احمد (۲۵۳۷۵)

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کے مرض میں تخفیف محسوس کی تو آپ سے اپنی بیوی بنت خارجہ انصاریہ کے پاس جانے کی اجازت طلب کی اور بنت خارجہ انصار کے باغات کے پاس رہائش پذیر تھیں اور دراصل یہ تخفیف موت کا افاقہ تھا (جو ہر مؤمن کو موت کے قریب حاصل ہوتا ہے) لیکن حضرت ابوبکر اس کو نہ سمجھ سکے' سو آپ نے ابوبکر کو اجازت دے دی (اور وہ چلے گئے)' پھر اسی رات میں رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے' جب صبح ہوئی تو لوگ چپکے سے آپ کے پاس آنے لگے' ادھر حضرت ابوبکر نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ حقیقت حال سن کر انہیں آگاہ کریں' چنانچہ غلام نے کہا: میں نے لوگوں سے سنا ہے' وہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ وصال فرما گئے ہیں' یہ خبر سن کر حضرت ابوبکر بہت غمگین ہو گئے' اور وہ فرمانے لگے: ہائے افسوس! میری کمر ٹوٹ گئی اور حضرت ابوبکر مسجد نبوی میں ابھی نہیں پہنچے تھے یہاں تک کہ لوگوں نے یہ گمان کیا کہ انہیں ابھی تک خبر نہیں پہنچی اور منافقین متزلزل ہو گئے اور کہنے لگے: اگر محمد (ﷺ) نبی ہوتے تو کبھی فوت نہ ہوتے اور حضرت عمر نے (شدتِ غم کی وجہ سے) فرمایا: میں کسی کو یہ کہتے ہوئے نہ سنوں کہ محمد ﷺ انتقال کر گئے ہیں ورنہ میں اس کی گردن تلوار سے مار دوں گا تو لوگ یہ بات سن کر باز آ گئے' پھر جب حضرت ابوبکر حاضر ہوئے تو اس وقت نبی کریم ﷺ کے چہرہ کو ڈھانپ دیا گیا تھا' سو حضرت ابوبکر نے آپ کے چہرہ سے کپڑے کو ہٹایا' پھر آپ کی پیشانی کو چومنے لگے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو دوبارہ موت نہیں چکھائے گا' کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز و مکرم ہیں' پھر حضرت ابوبکر حجرہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: اے لوگو! سن لو جو شخص محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا تو بلاشبہ محمد (ﷺ) وصال فرما چکے ہیں اور جو شخص ربِ محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا تو بلاشبہ ربِ محمد (ﷺ) کبھی فنا نہیں ہوگا' پھر (ابوبکر نے) یہ آیت تلاوت کی: اور حضرت محمد (ﷺ) صرف رسول ہیں (معبود نہیں) بے شک ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں' سو کیا اگر یہ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم اُلٹے پاؤں واپس پلٹ جاؤ گے اور جو شخص اپنے اُلٹے پاؤں واپس پلٹ جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو جزاء عطاء فرمائے گا○ (آل عمران: ۱۴۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیت سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا ہم نے اس سے پہلے یہ آیت کبھی نہیں پڑھی' پھر لوگوں نے بھی اسی طرح کہا' جس طرح حضرت ابوبکر صدیق نے گفتگو فرمائی تھی اور آیت پڑھی تھی اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام (اتوار کے دن کے اختتام پر) پیر کی رات فوت ہوئے اور دو راتیں دو دن آپ کو رکھا گیا (یعنی پیر' منگل رکھا گیا تاکہ دور و نزدیک کے لوگ گروہ در گروہ نمازِ جنازہ پڑھ سکیں) اور بہ روز بدھ آپ کو دفن کیا گیا اور نبی کریم ﷺ کو غسل دینے کے لیے حضرت اسامہ بن زید اور حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہما آپ کے جسمِ اقدس پر پانی بہا رہے تھے اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کو نہلا رہے تھے۔

حل لغات

''حَوَائِطُ'' یہ ''حَائِطٌ'' کی جمع ہے اور ''حائط'' کا معنی ہے: دیوارِ باغ لیکن یہاں خود باغ مراد ہیں۔ ''یَتَرَامَوْنَ'' یہ صیغہ جمع مذکر غائب' فعل مضارع معروف' باب تفاعل سے ہے' یہ ''رَمْی'' سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے: یکے بعد دیگرے گرتے پڑتے کسی جگہ پہنچنا' یہ ہمارے اس موجودہ نسخہ میں ہے جبکہ شرح مسند کے نسخہ میں ''یَتَرَامَسُوْنَ'' ہے اور یہ ''رَمَسَ'' سے مشتق ہے' اس کا معنی ہے: چھپانا' ڈھانپنا' پوشیدہ رکھنا۔ ''اَرْجَفَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: مضطرب ہونا' متزلزل ہو جانا' افواہیں پھیلانا۔ ''كَفُّوْا'' صیغہ جمع مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: رُک جانا' باز آ جانا۔ ''مُسَجًّى'' یہ صیغہ واحد مذکر' اسم مفعول' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: ڈھانپنا' پوشیدہ رکھنا۔ ''كَشَفَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کھولنا۔ ''یَلْثِمُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بوسہ لینا۔

مرض کی ابتداء' تاریخِ وصال' آخری وصیت اور غسل کی فضیلت

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ معلوم ہونا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے مرض کی ابتداء ماہِ صفر کے آخر میں درد سر سے ہوئی جبکہ اس ماہ کی ایک یا دو راتیں باقی تھیں اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ آپ کے مرض کی ابتداء ماہِ ربیع الاوّل کے شروع میں ہوئی۔ علامہ ابن جوزی نے اپنی ایک کتاب الوفاء میں کہا ہے کہ ماہِ صفر کے آخر میں دو راتیں باقی تھیں کہ آپ کے مرض کی ابتداء

ہوئی اور آپ کی وفات بارہ ربیع الاوّل میں ہوئی۔ علامہ سلیمان تیمی جو ثقات یعنی مستند اور محقق علماءِ کرام میں سے ہیں' انہوں نے پورے جزم اور یقین کے ساتھ کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مرض کی ابتداء بہ روز ہفتہ بائیس صفر کو ہوئی تھی اور آپ کا وصال بہ روز پیر دو ربیع الاوّل کو ہوا تھا۔ واللہ اعلم!

اور اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے کہ آپ کا وصال بہ روز پیر دو ربیع الاوّل کو ہوا کیونکہ حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وفات ماہِ رمضان المبارک کی تین تاریخ کو ہوئی تھی اور تمام اہل اسلام علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت خاتونِ جنت سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد چھ ماہ تک بہ قید حیات رہیں۔

اور نبی کریم ﷺ نے ایامِ مرض میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں چالیس غلام آزاد کیے اور مدتِ مرض میں بھی آپ صحابہ کرام کو باجماعت نمازیں پڑھاتے رہے ماسوا تین دن کے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ سترہ نمازیں تھیں' جو آپ کے حکم پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو پڑھائیں' ایک دن آپ ﷺ اپنے حجرہ سے باہر مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا: اے مسلمانو! میں تمہیں الوداع کرتا ہوں اور میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں' میرے بعد وہی تمہارا محافظ و نگہبان ہے' سنو! میں تمہیں تقویٰ پر قائم رہنے اور اطاعتِ الٰہی پر کاربند رہنے کی تلقین و تاکید کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کسی اُمتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی ماسوا حضرت ابوبکر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے اور دورانِ سفر آپ نے حضرت عبدالرحمٰن کی اقتداء میں شامل ہو کر صرف ایک رکعت نماز پڑھی تھی (کیونکہ جب آپ تشریف لائے جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور ایک رکعت ہو چکی تھی) اور دورانِ مرض آپ کی اکثر و بیشتر وصیت نماز پڑھنے اور غلاموں اور خدمت گزاروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی ہوتی تھی اور شواہد النبوت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی قوتِ حافظہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا تو چند قطرے پانی کے آپ کی پلکوں میں رہ گئے تو میں نے انہیں اپنی زبان سے چوس لیا اور پی گیا جس کی وجہ سے میری قوتِ حافظہ بڑھ کر تیز ہوگئی۔

[ماخوذ از اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۶۳ - ۶۲' مطبوعہ نوریہ رضویہ' سکھر]

۹- بَابُ فَضَائِلِ شَيْخَيْنِ

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل

۳۶۵- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِى الزَّعْرَاءِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْتَدُوْا بِالَّذَيْنَ مِنْ بَعْدِىْ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میرے بعد ان دو کی پیروی کرنا' وہ دو ابوبکر اور عمر ہیں۔

ترمذی (۳٦٦۲) ابن ماجہ (۹۷) ابن حبان (٦۹۰۲) مسند احمد (ج ۵ ص ۳۹۹)

حل لغات

''اِقْتَدُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل امر حاضر معروف' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی کی اقتداء کرنا' کسی کی پیروی کرنا۔ ''اَلَّذَيْنِ'' یہ ذال مفتوح کے ساتھ اور یاء ساکن کے ساتھ ہو تو اسم موصول تثنیہ ہوتا ہے اور اگر ذال مکسور اور یاء ساکن کے ساتھ ہو تو اسم موصول جمع ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مختصر سیرت وشان

رسول اللہ ﷺ کے فضائل کے بعد صحابہ کرام کے فضائل کا بیان شروع ہو رہا ہے' یہاں سب سے پہلے حضرت ابوبکر اور

حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل بیان کیے جا رہے ہیں کیونکہ انبیاء و رسل کے بعد بالترتیب یہی دونوں سب سے افضل ہیں اور حضرت ابوبکر تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد آپ کے پہلے بلافصل خلیفہ ہیں' آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی التیمی تھا' آپ کا نسب حضرت مرہ بن کعب پر رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے اور اس نسب نامہ سے واضح ہو گیا کہ آپ کا نام عبداللہ ہے اور آپ کے والد کا نام عثمان اور ان کی کنیت ابوقحافہ ہے جبکہ آپ کی اپنی کنیت ابوبکر ہے اور لقب صدیق اور عتیق ہے اور آپ کی والدہ محترمہ کا نام سلمٰی بنت صخر بن عامر بن عمرو بن کعب تھا اور ان کی کنیت اُم الخیر تھی' حضرت ابوبکر مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دو سال چھوٹے تھے' کپڑے کا کاروبار کرتے تھے اور اسلام سے پہلے بھی بڑے معزز و محترم تھے' بڑے دانا اور معاملہ فہم تھے' لوگوں کے فیصلے کرتے تھے' آپ مکہ کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے' عربوں کی تاریخ اور ان کے نسب ناموں کے بڑے ماہر تھے۔ بت پرستی' شراب نوشی' زناکاری اور دیگر بُرائیوں سے پاک تھے۔ شروع ہی سے سلیم الفطرت اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخلص دوست تھے' آپ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ آپ نے اپنی جان اور دولت نبی کریم ﷺ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آپ کی کوششوں سے بڑے بڑے صحابہ کرام ایمان لائے۔ ہجرتِ مدینہ منورہ میں آپ رسول اللہ کے یارِ غار تھے اور وصال کے بعد رسول اللہ کے یارِ مزار بن گئے۔ تمام غزوات میں شریک رہے۔ رسول اللہ ﷺ کے مشیر خاص تھے اور رسول اللہ نے ۹ ھ میں آپ کو امیر الحجاج مقرر فرمایا۔ وصال سے پہلے آپ ہی کو نمازوں کی امامت کے لیے مقرر فرمایا اور وصالِ نبوی کے بعد صحابہ کرام نے آپ کو متفقہ طور پر پہلا خلیفہ بلافصل منتخب کر لیا۔ یہ بڑا نازک وقت تھا' اسلام کی کشتی ڈگمگانے لگی تھی لیکن آپ نے خوب سنبھالا دیا اور دورانِ خلافت جمع قرآن' مرتدین کی سرکوبی' زکوٰۃ کی باقاعدہ وصولی' جیش اسامہ کی روانگی اور تحفظ مسئلہ ختم نبوت جیسے اہم ترین کاموں کو سرانجام دیا۔ مختصر یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق اسلام کی تعلیمات کا زندہ پیکر اور اخلاقِ نبوی کی مجسم تصویر تھے' آخرکار آپ ۶۳ سال کی عمر میں ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ ھ میں پیر کے دن انتقال فرما گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مختصر سیرت وشان

حضرت ابوبکر کے انتقال کے بعد حضرت عمر خلیفۂ دوم مقرر ہوئے اور آپ کا نسب نامہ (حضرت) عمر بن خطاب بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب ہے' آپ کا نسب حضرت کعب بن لوی پر رسول اللہ سے مل جاتا ہے' آپ کی ولادت ۵۸۳ء میں ہوئی' آپ قریش کی ایک شاخ بنو عدی کے معزز فرد تھے' آپ کا اسم گرامی عمر' کنیت ابوحفص اور لقب فاروق تھا' والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام حنتمہ تھا' حضرت عمر قریش کے ان سترہ آدمیوں میں سے تھے جو لکھنا' پڑھنا جانتے تھے' جسمانی طور پر بہت مضبوط اور طاقتور تھے۔ شہسواری اور پہلوانی کرتے تھے۔ پیشہ تجارت تھا' تقریر اور خطابت میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ قریش کے سفیر تھے' شروع میں اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسلام قبول کر کے مسلمان ہو گئے' رسول اللہ نے ان کے ایمان لانے کے لیے خصوصی دعا فرمائی تھی' ان کے اسلام لانے کی بدولت اسلام اور اہلِ اسلام کو بہت بڑی تقویت نصیب ہوئی' آپ رسول اللہ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے' تمام غزوات میں شریک رہے' اپنا مال بے دریغ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے وصال سے قبل آپ کو صحابہ کرام کے مشورے سے خلیفہ نامزد کیا اور اس انتخاب کو تمام مسلمانوں نے متفقہ طور پر تسلیم کر لیا۔ ساڑھے دس سال خلیفہ رہے۔ عراق کا کچھ حصہ' شام' فلسطین' مصر' ایران' کرمان اور مکران کے علاقے آپ کے عہدِ خلافت میں فتح ہوئے۔ اس طرح آپ کی

حکومت ایشیاء اور افریقہ کے قلب تک پہنچ گئی۔ حضرت عمر اسلام کی شوکت وعظمت کا نشان تھے۔ بڑے بہادر' جری اور نڈر مسلمان تھے' اسلام کے تحفظ اور حق کی خاطر اکثر آپ کی تلوار بے نیازم رہتی' ایک طرف سادگی کا یہ عالم تھا کہ لباس پر سترہ سترہ پیوند لگے ہیں' لیکن دوسری طرف رعب ودبدبہ یہ تھا کہ قیصر وکسریٰ آپ کے نام سے لرزتے اور کانپتے تھے' آپ اپنے آپ کو ایک عام سادہ مسلمان کی سطح پر رکھتے تھے' چنانچہ جب آپ بیت المقدس پہنچے تو اس وقت غلام اپنی باری کی بناء پر اونٹ پر سوار تھا اور آپ امیر المؤمنین ہونے کے باوجود اس اونٹ کی نکیل تھام کر اس کے آگے پیدل چل رہے تھے۔ راشن اپنی کمر پر لاد کر محتاجوں تک لے جاتے اور ان کی ہر طرح سے دیکھ بھال اور خبر گیری کرتے اور فرماتے: اگر دجلہ کے کنارے پر بکری کا ایک بچہ بھی بھوکا مر گیا تو عمر قیامت کے روز اللہ کے سامنے جواب دِہ ہوگا' ہر شخص کو ان پر تنقید کا حق حاصل تھا' آپ کے نزدیک قانون کی نظر میں سب برابر تھے' دروازہ پر کبھی دربان نہیں رکھا تھا' زہد وتقویٰ اور قناعت وکفایت شعاری اور سادگی میں آپ تمام صحابہ میں ممتاز تھے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو انسان محو حیرت ہو جاتا ہے کہ مختصر سے عرصہ میں اسلام کا اقتدار اس قدر بڑھا کہ وہ حدودِ عرب سے باہر نکل کر عراق' ایران' شام' روم اور مصر وغیرہ دور دراز کے مقامات تک پھیل گیا اور ایک عظیم قوت کے طور پر اسلام کو وہ اہمیت حاصل ہوگئی کہ قیصر وکسریٰ کے جابر اور زبردست ممالک اسلام کے سامنے مغلوب ومحکوم ہوگئے۔ آپ ایک نامور فاتح اور بے مثل حکمران تھے۔ آپ ۲۴ھ یکم محرم الحرام کو جامِ شہادت نوش فرما کر واصل بحق ہوگئے۔

۱۰ - بَابُ فَضَائِلِ عَمَّارٍ وَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ

حضرت عمار اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے فضائل

۳٦٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيّ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِىْ اَبِىْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَاهْتَدُوْا بِهَدْىِ عَمَّارٍ وَتَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ.

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میرے بعد ابوبکر صدیق اور عمر کی پیروی کرنا اور عمار بن یاسر کی سیرت وکردار کو اختیار کرنا اور ابن اُم عبد (عبداللہ بن مسعود) کی وصیت کو مضبوطی سے تھام لینا۔

ترمذی (فی المناقب' باب: ۳۴) ابن حبان (٦٩٠٢) مسند احمد (٢٣٦٦٥)

حل لغات

''اِهْتَدُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل امر حاضر معروف' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: ہدایت پانا' کسی کا ہدایت طلب کرنا' ہدایت پر قائم رہنا۔ ''هَدْيَةٌ'' سیرت' طریقہ۔ ''بِعَهْدٍ'' وصیت' ضمان' امان' ذمہ۔

حضرت ابوبکر وعمر کی سیادت

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ سَيِّدُ كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اِلَّا النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ.

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نبیوں اور رسولوں کے علاوہ تمام اگلے پچھلے جنتی بزرگوں کے سردار ہیں۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

[مشکوٰۃ المصابیح' باب مناقب ابی بکر وعمر' الفصل الثانی' ص ۵٦٠' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

حضرت عمار بن یاسر

آپ کا اسم گرامی عمار ہے اور کنیت ابوالیقظان ہے' آپ کے والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ ہے' حضرت عمار قدیم الاسلام مسلمانوں میں سے ہیں' آپ بڑے جلیل القدر اور مشہور ومعروف صحابی ہیں اور غزوۂ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک رہے اور جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے اور اسی جنگ میں باغیوں کے ہاتھوں ۳۷ھ میں شہید ہوگئے' ان کے فضائل بے شمار ہیں' لیکن اختصار کی بناء پر یہاں کنز العمال سے چند احادیث کے بیان پر اکتفاء کیا گیا ہے:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت عمار کو سر سے لے کر ان کے قدموں تک اللہ تعالیٰ نے ایمان سے پُر کر دیا ہے اور ایمان کو ان کے گوشت وخون اور ان کے رگ وریشہ میں ملا دیا گیا ہے اور حضرت عمار حق کے ساتھ چلتے ہیں' جدھر حق ہوتا ہے اُدھر حضرت عمار ہوتے ہیں اور آگ کے لیے جائز نہیں کہ وہ حضرت عمار کے جسم کا کوئی حصہ کھا سکے۔ [رقم الحدیث: ۳۳۵۱٦]

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ افسوس! حضرت عمار کو باغی گروہ قتل کر کے شہید کر دے گا جبکہ آپ انہیں جنت کی طرف بلائیں گے اور وہ لوگ آپ کو دوزخ کی آگ کی طرف بلائیں گے۔ [رقم الحدیث: ۳۳۵۲۷]

(۳) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حضرت عمار سے عداوت ودشمنی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس شخص سے عداوت ودشمنی فرمائے گا اور جو شخص حضرت عمار سے بغض رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس شخص سے ناراض ہو جائے گا۔ [رقم الحدیث: ۳۳۵۳۰]

(۴) حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَا نَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى عَمَّارٍ كَمَا كُنْتِ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ.

یعنی اے آگ! تو حضرت عمار پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا! جس طرح تو حضرت ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی تھی۔

اے عمار! تجھے باغی گروہ شہید کرے گا' یہ آپ نے اس وقت فرمایا: جب مشرکینِ مکہ نے حضرت عمار کو عذاب دینے کے لیے آگ میں ڈال دیا تھا۔ [رقم الحدیث: ۳۳۵۵۸]

(۵) حضرت جابر بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

ابشروا یا آل عمار! فان موعدکم الجنة.

یعنی اے عمار کی آل! تمہیں بشارت ہو کہ تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

[رقم الحدیث: ۳۳۵٦۱] [کنز العمال ج ۱۱ ص ۳۲۳-۳۳۰' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ' ملتان]

حضرت عبداللہ ابن مسعود

حضرت عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ھذلی اکابر صحابہ کرام میں سے ہیں' آپ کی تین کنیتیں ہیں' ایک کنیت ابن مسعود ہے اور یہ آپ کے والد کی نسبت سے ہے اور ماں کی نسبت سے دوسری کنیت ابن اُم عبد ہے کیونکہ آپ کی والدہ کی کنیت اُم عبد ہے اور تیسری کنیت آپ کے بیٹے کی سے نسبت ابوعبدالرحمٰن ہے اور آپ سب سے پہلے ایمان لانے والے سابقین واوّلین مسلمانوں میں سے ہیں' آپ حضرت عمر سے پہلے ایمان لائے بلکہ آپ اسلام کے چھٹے صاحب ہیں' نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاص خادم

تھے‘ اور آپ رسول اللہ کے صاحبِ اسرار تھے اور سفر میں رسول اللہ ﷺ کی نعلین پاک‘ مسواک اور وضو کا برتن آپ کے پاس رہتا تھا اور آپ بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے‘ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے جنتی ہونے کی بشارت و گواہی دی اور فرمایا: میں اپنے لیے وہ چیز پسند کرتا ہوں جو ابن مسعود پسند کریں اور وہ چیز ناپسند کرتا ہوں‘ جو ابن مسعود ناپسند کریں اور آپ اخلاق و عادات میں رسول اللہ ﷺ سے ملتے جلتے تھے‘ حضرت عمر کے زمانہ سے لے کر حضرت عثمان کی خلافت کے شروع تک کوفہ کے حاکم رہے‘ پھر بیت المال کے محافظ مقرر ہوئے‘ پھر مدینہ منورہ واپس آ گئے اور یہیں مدینہ منورہ میں ۳۲ھ میں انتقال فرما گئے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود کے فضائل کے بیان میں کنز العمال کی چند احادیث پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اپنی اُمت کے لیے وہ چیز پسند کرتا ہوں جو ابن اُم عبد میری اُمت کے لیے پسند کرتا ہے۔[کنز العمال:۳۳۴۵۰]

(۲) حضرت سارہ بنت عبداللہ بن مسعود اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! بے شک (حضرت) عبداللہ بن مسعود قیامت کے روز میزان میں اُحد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہوں گے۔[کنز العمال:۳۳۴۵۲]

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اگر میں اپنی اُمت پر کسی کے مشورہ کے بغیر امیر مقرر کرتا تو میں ان پر ابن اُم عبد (حضرت عبداللہ) کو امیر مقرر کر دیتا۔(کنز العمال:۳۳۴۵۱)

(۴) حضرت ابن عباس اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اور میری اُمت کے لیے اور ابن اُم عبد کے لیے پسند کی ہے اور میں وہ چیز ناپسند کرتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اور میری اُمت کے لیے اور ابن اُم عبد کے لیے ناپسند فرمایا ہے۔[کنز العمال:۳۳۴۵۶]

(۵) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص پسند کرتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت اس طرح عمدہ اور مستحکم لہجہ میں سنے‘ جس طرح اسے نازل کیا گیا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ حضرت ابن مسعود سے اس کی تلاوت سنے۔[کنز العمال:۳۳۴۵۷]

۱۱ - بَابُ فَضَائِلِ عُثْمَانَ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل

۳٦٧- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ عَنْ مُوْسٰی بْنِ اَبِیْ كَثِیْرٍ اَنَّ عُمَرَ مَرَّ بِعُثْمَانَ وَهُوَ حَزِیْنٌ قَالَ مَا یُحْزِنُكَ قَالَ اَلَّا اَحْزَنَ وَقَدِ انْقَطَعَ الصِّهْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَذٰلِكَ حَدْثَانَ مَاتَتْ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ تَحْتَهٗ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اُزَوِّجُكَ حَفْصَةَ ابْنَتِیْ فَقَالَ حَتّٰی اَسْتَاْمِرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَاهُ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَّكَ اَنْ اَدُلَّكَ عَلٰی صِهْرٍ هُوَ خَیْرٌ

حضرت موسیٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور اس وقت حضرت عثمان نہایت غمگین و پریشان اور بہت رنجیدہ تھے جس پر حضرت عمر نے فرمایا: تمہیں کس چیز نے اس قدر غمگین و رنجیدہ کر دیا ہے‘ (حضرت عثمان نے) فرمایا: میں غمگین و رنجیدہ کیوں نہ ہوں حالانکہ میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان سسرالی رشتہ ختم ہو گیا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت رقیہ) کی وفات کے ابتدائی ایام تھے اور یہ صاحبزادی ان (حضرت عثمان) کے نکاح میں تھیں‘ سو حضرت عمر نے فرمایا کہ میں اپنی بیٹی (حضرت) حفصہ کا نکاح تم سے کر دیتا ہوں‘ فرمایا:

لَّكَ مِنْ عُثْمَانَ وَاَدُلُّ عُثْمَانَ عَلٰی صِهْرٍ هُوَ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْكَ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ زَوِّجْنِیْ حَفْصَةَ وَاُزَوِّجُ عُثْمَانَ ابْنَتِیْ فَقَالَ نَعَمْ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. ابن ماجہ(۱۱۰) کنز العمال (ج٦ص۳۷۹)

ابھی نہیں یہاں تک کہ میں پہلے رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کر لوں‘ چنانچہ حضرت عمر‘ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور ساری روئیداد بیان کی) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں (حضرت) عثمان سے بہتر داماد بتا دوں اور میں عثمان کے لیے تم سے بہتر سسر بتا دوں؟ حضرت عمر نے عرض کیا کہ جی ہاں! ضرور بتائیے‘ سو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی بیٹی حفصہ کا نکاح مجھ سے کر دو اور (حضرت) عثمان کا نکاح میں اپنی بیٹی سے کر دیتا ہوں‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جی ہاں! بہت بہتر ہے‘ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔

حل لغات

”حَزِیْنٌ“ یہ فعیل کے وزن پر ہے اور فعیل بہ معنی مفعول بھی آتا ہے‘ سو اس لیے ”حَزِیْنٌ“ بہ معنی محزون ہے‘ اس کا معنی ہے: غمگین‘ رنجیدہ اور مغموم۔ ”اَلصِّهْرُ“ اس کا معنی ہے: قرابت‘ سسر‘ داماد‘ بہنوئی۔ ”حَدْثَانٌ“ اس کا معنی ہے: ابتداء‘ آغاز‘ شروع‘ اوائل۔ ”اُزَوِّجُكَ“ صیغہ واحد متکلم‘ فعل مضارع معروف‘ باب تفعیل سے ہے‘ اس کے آخر میں ضمیر ”كَ“ مفعول بہ ہے‘ اس کا معنی ہے: نکاح‘ شادی‘ بیاہ کرانا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مختصر سوانح حیات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف بن قصی بن حکیم بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب قرشی اموی‘ آپ کا تعلق قریش کی مشہور شاخ بنو امیہ سے ہے اور پانچویں پشت میں نسب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مل جاتا ہے‘ آپ ۵۷۶ء میں پیدا ہوئے‘ آپ کے والد کا نام عفان ہے اور کنیت ابوعبداللہ‘ ابویعلیٰ اور ابوعمرو ہے اور لقب ذوالنورین ہے‘ یعنی دو نوروں والے‘ کیونکہ آپ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے رسول اللہ کی دو صاحبزادیاں آئیں‘ لکھنا پڑھنا جانتے تھے‘ تجارت کا کاروبار کرتے تھے‘ آپ اسلام لانے والے چوتھے شخص تھے‘ آپ نے دو ہجرتیں کیں‘ پہلے مکہ مکرمہ سے حبشہ کی طرف اور دوبارہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت عثمان سیرت و کردار کے اعتبار سے ایک بے مثال شخصیت کے مالک تھے‘ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے ایسے اوصاف و کمالات عطاء کیے تھے جن کی بدولت وہ اپنے خاندان میں ایک ممتاز اور منفرد حیثیت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے ہر موقع پر اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کیا اور خاص طور پر جنگوں کے موقعوں پر تو ان کا مالی ایثار مسلمانوں کی بہت سی پریشانیاں دور کرنے میں کام آتا رہا‘ آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے سلسلے میں اس قدر فیاض و سخی اور دریا دل تھے کہ آپ کو غنی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت عثمان کی سیرت کی عظمت و بلندی کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں میں قتل و غارت سے بچنے کے لیے بے پناہ طاقت رکھنے کے باوجود باغیوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھایا حالانکہ ان کے تمام مشیروں کا مشورہ یہی تھا۔ حضرت عثمان کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی سے جو محبت و عقیدت تھی‘ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جان کے خوف سے بھی آپ کا محبوب شہر مدینہ منورہ چھوڑنا پسند نہ کیا اور اپنے اعلیٰ اصولوں کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دی اور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں بھی ان کے لیے اس قدر محبت واُلفت تھی کہ آپ نے اپنی پہلی بیٹی حضرت رقیہ کے دو ہجری میں فوت ہو جانے کے بعد ان کی دلجوئی کے لیے تین ہجری میں اپنی دوسری بیٹی حضرت اُم کلثوم آپ کے نکاح میں دیتے ہوئے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر میری ایک سو بیٹیاں ہوتیں' وہ یکے بعد دیگرے فوت ہوتی جاتیں تو میں یکے بعد دیگرے تمہارے نکاح میں دیتا جاتا' یہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں' جنہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے حکم دے رہا ہے کہ میں اپنی بیٹی اُم کلثوم کا نکاح تیرے ساتھ کر دوں۔ [شرح مسند لملاعلی قاری ص ۴۱۴' مطبوعہ بیروت] حضرت عثمان کو رسول اللہ کے کاتب وحی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا' حضرت عثمان شرم وحیاء کے پیکر تھے' خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے شرم وحیاء کا بہت لحاظ فرماتے تھے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ عثمان کے شرم وحیاء سے فرشتے بھی شرماتے اور حیاء کرتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے: رسول اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے سفارش کر کے عثمان کا حساب وکتاب معاف کرالیا ہے' چنانچہ وہ بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ اپنی دانائی' تواضع' جود وکرم' عبادت وریاضت' خوش خلقی اور مہمان نوازی میں بہت مشہور تھے' آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں چند احادیث کنز العمال سے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میری اُمت میں سب سے زیادہ شرم وحیاء والے حضرت عثمان ہیں۔ [کنز العمال:۳۲۷۸۹]

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک حضرت عثمان باحیاء اور باپردہ انسان ہیں' ان سے فرشتے حیاء کرتے ہیں۔ [کنز العمال: ۳۲۷۹۳]

(۳) بے شک حضرت لوط علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے اپنی اہلیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف حضرت عثمان نے ہجرت کی ہے۔ [کنز العمال: ۳۲۷۹۴]

(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک جو شخص حضرت عثمان سے بغض وکینہ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھے گا (یعنی اس پر غضب ناک رہے گا)۔ [کنز العمال:۳۲۷۹۵]

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں (خلافت کی) قمیص پہنائے گا' پھر اگر منافقین وہ قمیص تجھ سے اتارنا چاہیں تو تم اسے ہرگز نہ اتارنا یہاں تک کہ تم مجھ سے آملو۔ [کنز العمال:۳۲۷۹۹]

(۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عثمان بن عفان دنیا میں میرے ولی اور دوست ہیں اور آخرت میں بھی میرے ولی اور دوست ہیں۔ [کنز العمال:۳۲۸۰۰]

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''عثمان فی الجنة'' یعنی عثمان جنتی ہیں۔ [کنز العمال:۳۲۸۰۱]

(۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لیے اس کی اُمت میں ایک خلیل ہوتا ہے اور بے شک میرا خلیل (بہت چاہنے والا) عثمان بن عفان ہیں۔ [کنز العمال: ۳۲۸۰۴]

(۹) حضرت طلحہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ہر نبی کے لیے جنت میں ایک رفیق ہوگا اور میرا رفیق جنت عثمان بن عفان ہوگا۔ [کنز العمال:۳۲۸۰۵]

(۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت عثمان کی شفاعت کی وجہ سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب جنت میں جائیں گے' جن پر دوزخ کی آگ واجب ہو چکی ہوگی۔ [کنز العمال:۳۲۸۰۶]

(۱۱) حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں دعا مانگی: ''اللّٰھم قد رضیت عن عثمان فارض عنه'' اے اللہ! بے شک میں عثمان سے راضی ہو چکا ہوں' پس تو بھی اس سے راضی ہو جا' دو مرتبہ دہرایا۔ [کنز العمال:۳۲۸۳۸]

(۱۲) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جنت میں جود وسخا نامی ایک درخت ہے اور حضرت عثمان اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہیں اور دوزخ میں لوم وبخل نامی ایک درخت ہے اور ابوجہل اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔ [کنز العمال:۳۲۸۴۹]

(۱۳) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا تو اچانک میں ایک ایسے محل کے پاس پہنچا جو سونے' موتیوں اور یاقوت سے تیار کیا گیا تھا' سو میں نے کہا: یہ محل کس کا ہے؟ تو فرشتوں نے کہا کہ آپ کے بعد ظلم کے ساتھ قتل کیے جانے والے آپ کے خلیفہ حضرت عثمان بن عفان ہیں۔ [کنز العمال:۳۲۸۵۶]

نوٹ: ماخوذ ومنتخب از: کنز العمال ج ۱۱ ص ۲۷۳-۲۶۸' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ' ملتان

۱۲ - بَابُ فَضَائِلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل

۳۶۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ حَيَّةَ الْعَرَبِيِّ وَهُوَ الْهَمْدَانِيُّ مِنْ اَصْحَابِ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُوْلُ اَنَا اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ.

ترمذی (۳۷۳٤-۳۷۳۵)

حضرت حیۃ العربی' یہ ہمدانی ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اصحاب میں سے ہیں' وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''انا اوّل من اسلم'' یعنی سب سے پہلے میں اسلام لایا ہوں۔

سب سے پہلے کون اسلام لایا؟

معلوم ہونا چاہیے کہ اہل سنت میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کون اسلام لایا' بعض کے نزدیک ابوبکر صدیق ہیں' بعض نے کہا: حضرت علی ہیں' جبکہ بعض کے نزدیک حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت بلال ہیں اور بعض نے کہا کہ حضرت زید بن حارثہ ہیں' لیکن جمہور مؤرخین' محدثین اور فقہاء نے فرمایا ہے کہ بالغ اور آزاد مردوں میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے اور عورتوں میں سے سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ ایمان لائیں اور بچوں میں سے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ (دس سال کی عمر میں) ایمان لائے تھے اور آزاد کردہ غلاموں میں سے حضرت زید بن حارثہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے اور غلاموں میں سے حضرت بلال سب سے پہلے ایمان لائے تھے' رضی اللہ عنہم اجمعین۔ آپ کے فضائل ومناقب اگلی حدیث کی تشریح میں بیان کیے جائیں گے۔

۳۶۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرَ اِلٰى عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ ذَاتَ يَوْمٍ فَرَاٰهُ جَائِعًا

حضرت اُم ہانیء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف دیکھا تو آپ نے (بھوک کے آثار سے) انہیں بھوکا خیال کیا اور فرمایا: اے علی! تمہیں کس

فَقَالَ یَاعَلِیُّ مَا اَجَاعَکَ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَمْ اَشْبَعْ مُنْذُ کَذَا وَکَذَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبْشِرْ بِالْجَنَّۃِ.

چیز نے بھوکا رکھا ہے؟ حضرت علی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں اتنے اتنے روز سے اپنا پیٹ نہیں بھر سکا (یعنی کھانا نہیں کھا سکا)، سو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہیں جنت کی بشارت ہو۔

کامل ابن عدی (ج ۱ ص ۱۲۴ ـ ج ۸ ص ۱۴)

حل لغات

''جَائِعًا'' صیغہ واحد مذکر اسم فاعل ہے' اس کا معنی ہے: بھوکا رہنے والا۔ ''مَا اَجَاعَکَ'' اس میں حرف ''مَا'' استفہامیہ (سوالیہ) ہے اور آخر میں کاف (ك) ضمیر مفعول ہے اور ''اَجَاعَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: بھوکا رکھنا' خوراک بند کر دینا' خوراک روک لینا۔ ''اَبْشِرْ'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل امر حاضر معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: بشارت وخوشخبری دینا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مختصر سیرت وشان

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: علی بن ابی طالب المعروف عبدمناف بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن حکیم بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ آپ کا نام علی ہے' کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے اور لقب حیدر کرار' اسد اللہ الغالب ہے۔ باپ کا نام عبدمناف یا عمران ہے اور کنیت ابوطالب ہے اور آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبدمناف ہے' آپ پہلی ہاشمی مسلم خاتون ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رشتہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچازاد بھائی اور داماد بھی ہیں' نیز بچپن سے نبی کریم ﷺ کی تربیت و پرورش میں پلے اور بڑھے۔ آپ سیّدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء کے شوہر اور حسنین کریمین کے والد ماجد ہیں رضی اللہ عنہم۔ آپ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں شامل ہیں' تمام عمر نبی کریم ﷺ کی خدمت اور دین اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ ہجرت مدینہ منورہ کے موقع پر آپ بلاخوف و ڈر بسترِ رسول ﷺ پر لیٹ گئے تاکہ لوگوں کی امانتیں واپس کر سکیں۔ تمام غزوات میں کمال جانبازی کے ساتھ حصہ لیا' جنگ خندق میں عرب کے نامور مشہور پہلوان عمرو بن عبد ودّ کو جہنم رسید کیا۔ آپ فاتح خیبر ہیں' خیبر کے یہودی سردار مرحب کا خاتمہ کیا۔ درحقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ شجاعت و بہادری میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے' آپ کی قوتِ ارادی نہایت مضبوط اور زبردست تھی۔ آپ انتہائی خطرناک حالات میں بھی کبھی ہمت نہیں ہارتے تھے۔ مردِ میدان ہونے کے علاوہ علم وفضیلت کے میدان میں بھی آپ کا بہت حصہ ہے۔ فقہ میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا' فصاحت وبلاغت میں بھی بے مثل تھے' آپ کے خطبات اور مکاتیب کا مجموعہ ''نہج البلاغۃ'' دیکھنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ آپ حکیم العرب' فصیح وبلیغ اور نہایت خوش بیان تھے۔ زہد وریاضت اور فقر وغناء میں آپ اکثر صحابہ کرام میں ممتاز نظر آتے ہیں۔

قرآن مجید کے اسرار ورموز کے حامل اور ایک ایک آیت کے معانی وشانِ نزول سے آگاہ تھے۔ امانت ودیانت میں بھی آپ بے مثال تھے' دشمنوں سے بھی فراخدلی سے پیش آتے تھے' آپ انتہائی ذہین اور مشہور ریاضی دان تھے۔ مشکل ترین مسائل بھی چند لمحوں میں حل کر دیتے' مقدمات کے فیصلے کرنے میں آپ منفرد تھے۔ سیّد الرسل ہادی السبل فخر کل ﷺ نے آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دے کر یمن بھیجا تھا۔ انفاق فی سبیل اللہ آپ کا نمایاں وصف تھا' خود فاقہ سے سو جاتے لیکن سائل ومحتاج کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تھے' لاکھوں کی آمدنی کے باوجود تنگی سے گزارہ کرتے' لباس اور غذا انتہائی سادہ ہوتی تھی' آپ کی زندگی سادگی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آپ تینوں خلفاء کے مشیر اور دست راست کی حیثیت سے ان کے ساتھ کام کرتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مسلمانوں پر بڑا

نازک وقت تھا' لوگوں کے اصرار پر خلافت کی ذمہ داری سنبھالی اور چار سال نو ماہ آپ خلیفہ رہے۔ آپ نے قرآن وسنت کے مطابق خلافت کی' آخرکار آپ ایک خارجی عبدالرحمٰن ابن ملجم کے ہاتھوں ۴۰ھ ماہِ رمضان المبارک میں شہید ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بے شمار احادیث مروی ہیں' لیکن اختصار کے پیش نظر چند احادیث کنزالعمال سے بیان کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے' ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''لَا یُحِبُّکَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضُکَ اِلَّا مُنَافِقٌ'' یعنی تجھ سے صرف مؤمن ہی محبت و پیار کرے گا اور تجھ سے صرف منافق ہی بغض وکینہ رکھے گا۔ [کنزالعمال:۳۲۸۷۵]

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ'' تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ [کنزالعمال:۳۲۸۷۶]

(۳) حضرت جابر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہیں میرے ساتھ وہی حیثیت حاصل ہے جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ کے ساتھ (معاون کی حیثیت) حاصل تھی' مگر یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ [کنزالعمال:۳۲۸۷۸]

(۳) حضرت علی اور حضرت براء رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ'' تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ [کنزالعمال:۳۲۸۷۷]

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

[کنزالعمال:۳۲۸۸۶]

(۵) حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا فَمَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیَاْتِ الْبَابَ'' میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہیں' سو جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ دروازے کے پاس آئے۔ [کنزالعمال:۳۲۸۸۷]

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی سے کر دوں۔ [کنزالعمال:۳۲۸۸۸]

(۸) حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی نسل اس کی اپنی پشت میں رکھی' لیکن میری نسل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت علی بن ابی طالب کی پشت میں رکھا ہے۔

[کنزالعمال:۳۲۸۸۹]

(۹) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ذِکْرُ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ'' یعنی حضرت علی کا ذکر کرنا بھی عبادت ہے۔ [کنزالعمال:۳۲۸۹۱]

(۱۰) حضرت ابن مسعود اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اَلنَّظْرُ اِلٰی وَجْہِ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ'' یعنی حضرت علی کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔ [کنزالعمال:۳۲۸۹۲]

(۱۱) جس نے علی سے عداوت کی' اس نے اللہ تعالیٰ سے عداوت کی۔ [کنزالعمال:۳۲۸۹۶]

(۱۲) جس نے علی کو اذیت دی' اس نے مجھے اذیت دی۔ [کنزالعمال:۳۲۸۹۸]

(۱۳) جس نے علی سے محبت کی' اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے علی سے بغض رکھا' اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ [کنز العمال: ۳۲۸۹۹]

(۱۴) جس نے علی کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کو گالی دی۔ [کنز العمال: ۳۲۹۰۰]

(۱۵) جس کا میں مولا (محبوب ودوست) ہوں' سو اس کا علی مولا ہیں۔ [کنز العمال: ۳۲۹۰۱]

(۱۶) علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے' یہ دونوں ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ یہ دونوں حوض پر وارد ہوں گے۔ [کنز العمال: ۳۲۹۰۹]

(۱۷) علی مجھ سے اس طرح ہیں جس طرح سر بدن سے ہوتا ہے۔ [کنز العمال: ۳۲۹۱۱]

(۱۸) مؤمنوں کے سردار حضرت علی ہیں اور منافقوں کا سردار مال ہے۔ [کنز العمال: ۳۲۹۱۵]

نوٹ: تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: کنز العمال ج ۱۱ ص ۲۸۸-۲۷۵' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ' ملتان

۱۳ - بَابُ فَضَائِلِ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

حضرت امیر حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے فضائل

۳۷۰- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ثُمَّ رَجُلٌ دَخَلَ اِلٰى اِمَامٍ فَاَمَرَهٗ وَنَهَاهُ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَرَجُلٌ قَامَ اِلٰى اِمَامٍ جَائِرٍ فَاَمَرَهٗ وَنَهَاهُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حمزہ بن عبد المطلب قیامت کے دن شہیدوں کے سردار ہوں گے پھر وہ آدمی شہیدوں کا سردار ہوگا' جو کسی حکمران کے پاس جائے اور اسے نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ قیامت کے روز شہیدوں کے سردار حمزہ بن عبد المطلب ہوں گے اور وہ آدمی ہوگا جو کسی ظالم حکمران کے پاس جائے اور اسے نیکی کا حکم دے اور اسے برائی سے منع کرے (پھر حاکم اس کو شہید کرادے)۔

مستدرک للحاکم (ج ۳ ص ۱۱۹) کنز العمال (۳۳۲۶۳)

حضرت امیر حمزہ کی سیرت وشان

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عمارہ اور ابو یعلیٰ ہے اور سیّد الشہداء' اسد اللہ اور اسد الرسول آپ کے مشہور ومعروف القاب ہیں اور حسب ونسب کے لحاظ سے اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد اور حضرت امیر حمزہ آپس میں علاتی بھائی ہیں' دونوں حضرت عبد المطلب بن ہاشم کے لختِ جگر ہیں' اس کے علاوہ دو رشتے اور بھی ہیں' ایک یہ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب زہری اور حضرت امیر حمزہ کی والدہ ہالہ بنت اُھیب (یا وھیب) زہری چچا زاد بہنیں تھیں' اس نسبت سے حضرت حمزہ' رسول اللہ کے خالہ زاد بھائی بھی ہوئے اور دوسری نسبت یہ ہے کہ ابولہب کی لونڈی حضرت ثویبہ نے حضرت امیر حمزہ اور رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا تھا اور اس اعتبار سے حضرت امیر حمزہ رسول اللہ کے رضاعی بھائی بھی ہیں' آپ قدیم الاسلام ہیں کیونکہ آپ رسول اللہ کے اعلانِ نبوت کے دوسرے سال اسلام لے آئے تھے' آپ کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بڑی عزت وتقویت عطاء فرمائی' آپ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے' پھر غزوۂ اُحد میں شریک ہو کر داد شجاعت دیتے ہوئے بہت سے کفار کو جہنم رسید کیا' آخر کار حضرت وحشی بن حرب جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے

تھے' کے ہاتھوں شہید ہو گئے' آپ کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے' آپ کے کان' ناک اور دیگر اعضاء کاٹ دیئے گئے اور آپ کی آنکھیں نکال دی گئیں' آپ کے قلب وجگر کو نکال کر چبایا گیا' جس کی بناء پر آپ کو سیّد الشہداء کا اعزاز بزبانِ رسالت عطاء کیا گیا۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت امیر حمزہ بن عبد المطلب اور وہ آدمی سیّد الشہداء ہیں جس نے ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق بلند کرتے ہوئے اسے نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں سے بچنے کا حکم دیا' جس کی وجہ سے ظالم حاکم نے اس کو حق کی پاداش میں قتل کر کے شہید کر دیا۔ [کنز العمال ج ۱۱ ص ۳۱۰' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ' ملتان]

اس حدیث سے دو مسائل ثابت ہوئے' ایک یہ کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بہ زبانِ رسالت سیّد الشہداء ہیں' جس کا ظہور بروزِ قیامت سب پر عیاں ہو جائے گا اور دوسرا یہ کہ ہر وہ خوش نصیب مسلمان جو ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق بلند کرتے ہوئے اس کو نیکی کا حکم دے گا اور اسے برائی سے منع کرے گا اور اس تبلیغِ حق کی بناء پر ظالم حاکم کے حکم سے شہید کر دیا جائے گا تو وہ بھی سیّد الشہداء کی جماعت میں شامل ہوگا' یہی وجہ ہے کہ سرکارِ مدینہ کے نواسے امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کو سیّد الشہداء کہا جاتا ہے جنہوں نے اپنے وقت کے غاصب وظالم اور فاسق وفاجر حکمران یزید کے مقابلہ میں عزیمت پر عمل کرتے ہوئے دینِ اسلام کی حفاظت وبقاء کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

۱۴ - بَابُ فَضَائِلِ زُبَيْرِ بْنِ عَوَّامٍ

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے فضائل

۳۷۱- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّاْتِيْنَا بِالْخَبَرِ لَيْلَةَ الْاَحْزَابِ فَيَنْطَلِقُ الزُّبَيْرُ فَيَاْتِيْهِ بِالْخَبَرِ كَانَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احزاب کی رات فرمایا کہ دشمن قوم کی خبر ہمارے پاس کون لائے گا؟ تو حضرت زبیر دشمن کی فوج کے پاس گئے اور ان کی خبر لا کر آپ کو پہنچائی۔ آپ کے ارشاد پر حضرت زبیر تین مرتبہ خبر لائے تھے' چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کا ایک حواری (مخلص' مددگار' مصاحب) ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔

بخاری (۲۸۴۶) مسلم (۶۲۴۳) ترمذی (۳۷۴۵) ابن ماجہ (۱۲۲) ابن حبان (۶۹۸۵)

حل لغات

''یَنْطَلِقُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب انفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: روانہ ہونا' چلے جانا' جانا۔

''حَوَارِیٌّ'' اس کے معنی ہیں: نصیحت کرنے والا' کپڑے دھونے والا' دھوبی' رشتہ دار' مددگار' خاص انبیائے کرام کے مددگار۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی سیرت وعظمت

آپ کا نام نامی اسم گرامی زبیر ہے' والد عوام بن خویلد تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب ہیں جو نبی کریم ﷺ کی پھوپھی ہیں اور مشرف بہ اسلام ہوئیں' حضرت زبیر کی کنیت ابو عبد اللہ ہے مگر آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ابو الطاہر کہا کرتی تھیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ آپ کی پھوپھی ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق کی بیٹی اور حضرت عائشہ صدیقہ کی بہن حضرت اسماء آپ کی بیوی تھیں' آپ نے پندرہ سال کی عمر میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت زبیر کو حبشہ اور مدینہ منورہ کی ہر دو ہجرتیں کرنے کا شرف حاصل تھا۔ آپ کے قبولِ اسلام کی وجہ سے آپ کا چچا آپ کو کھجور کی صف میں لپیٹ کر دھواں دیا کرتا تھا' مگر آپ کے ثبات واستقلال میں ذرا فرق نہ آیا' ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں افواہ اُڑی کہ رسول اللہ کو کفار نے قید کر لیا ہے' آپ تلوار سونت کر باہر نکلے۔ نبی

کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کے حق میں دعا فرمائی۔ آپ کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو رسول اللہ کی محبت میں زخمی نہ ہوا ہو۔

حضرت زبیر ان خوش نصیب عشرہ مبشرہ صحابہ کرام میں سے ہیں جن (دس حضرات) کو رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں جنت کی خوشخبری سنائی تھی' نیز آپ ان چھ اصحاب میں سے ہیں' جن کو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے خلافت راشدہ کے لیے پیش کیا۔ حضرت عمر کا ارشاد ہے کہ حضرت زبیر ارکانِ دین میں سے ایک رکن ہیں۔ جنگ بدر میں فرشتے آپ ہی کی صورت میں نازل ہوئے تھے' ایک مرتبہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا کہ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔ جب حضرت زبیر جنگ جمل میں شریک تھے تو حضرت علی نے آپ کو پکار کر اپنے پاس بلایا اور فرمایا: آپ کو یاد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم ان سے (یعنی حضرت علی سے) جنگ کرو گے اور اس دن تم ان پر ظلم کر رہے ہو گے۔ چنانچہ حضرت زبیر کو یہ حدیث فوراً یاد آ گئی اور اسی وقت آپ میدانِ جنگ سے الگ ہو گئے' پھر آپ ایک طرف نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک باغی نے آ کر آپ کو قتل کر کے شہید کر دیا اور آپ کی تلوار لے کر حضرت علی کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک اس تلوار نے نبی کریم ﷺ کے بہت سے مصائب و مشکلات کو دور کیا ہے' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ (حضرت زبیر) ابن صفیہ کے قاتل کو دوزخ کی بشارت دے دینا۔

۱۵- بَابُ فَضَائِلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فضائل

۳۷۲- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَّجُلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ اَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ سَمَرَا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ قَالَ فَخَرَجَا وَخَرَجَ مَعَهُمَا فَمَرُّوْا بِابْنِ مَسْعُوْدٍ وَهُوَ يَقْرَاُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّقْرَاَ الْقُرْاٰنَ كَمَا اُنْزِلَ فَلْيَقْرَاْهُ عَلٰى قِرَاءَةِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ. وَجَعَلَ يَقُوْلُ لَهٗ سَلْ تُعْطَهْ فَاَتَاهُ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ يُبَشِّرَانِهٖ فَسَبَقَ اَبُوْبَكْرٍ عُمَرَ اِلَيْهِ فَبَشَّرَهٗ وَاَخْبَرَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَمَرَهٗ بِالدُّعَاءِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ اِيْمَانًا دَائِمًا لَا يَزُوْلُ وَنَعِيْمًا لَا يَنْفَدُ وَمُرَافَقَةَ نَبِيِّكَ فِيْ جَنَّةِ الْخُلْدِ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما' رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک رات کافی دیر تک باتیں کرتے رہے' پھر جب وہ جانے لگے تو آپ بھی ان کے ساتھ روانہ ہوئے' پھر یہ تینوں حضرات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور اس وقت وہ قرآن مجید پڑھ رہے تھے' چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کی تلاوت سن کر فرمایا کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ قرآن مجید کو اس طرح پڑھے جس طرح وہ نازل کیا گیا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس طرح قرآن مجید پڑھا کرے جس طرح ابن اُم عبد (حضرت عبداللہ بن مسعود) پڑھتے ہیں اور آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ان سے فرمانے لگے: (اے ابن مسعود!) تم مانگو تمہیں عطاء کیا جائے گا' سو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں خوشخبری سنانے کے لیے حضرت ابن مسعود کے پاس آ گئے اور حضرت ابوبکر' حضرت عمر سے پہلے ان کی طرف آگے بڑھ گئے اور انہیں خوشخبری دی اور بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں دعا مانگنے کا حکم دیا ہے' یہ بات سن کر حضرت عبداللہ نے یہ دعا مانگی کہ اے میرے اللہ! میں ہمیشہ قائم و دائم رہنے والے ایمان کا تجھ سے سوال کرتا ہوں اور کبھی ختم نہ ہونے والی نعمتوں کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے خلد کی جنت میں تیرے نبی کریم کی رفاقت کی درخواست کرتا ہوں۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ اَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ سَمَرَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَا وَخَرَجَ مَعَهُمَا فَمَرُّوْا بِابْنِ مَسْعُوْدٍ وَهُوَ يَقْرَاُ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّقْرَاَ الْقُرْاٰنَ غَضًّا كَمَا اُنْزِلَ فَلْيَقْرَاْهُ عَلٰى قِرَاءَةِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ وَّجَعَلَ يَقُوْلُ سَلْ تُعْطَهْ وَذَكَرَ تَمَامَ الْاَوَّلِ.

ابن ماجہ (۱۳۸) ابن حبان (۷۰۶۶-۶۰۶۷)

اور ایک روایت میں حضرت ہیثم نے براہِ راست حضرت عبداللہ بن مسعود سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر' نبی کریم ﷺ کے پاس رات کو کافی دیر تک باتیں کرتے رہے' پھر وہ دونوں روانہ ہوئے اور آپ بھی ان دونوں کے ساتھ باہر تشریف لائے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور اس وقت وہ نماز (تہجد) میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے' سو نبی کریم ﷺ نے (ان کی تلاوت سن کر) فرمایا: جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ قرآن مجید کو عمدہ لہجہ میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھے جیسا کہ قرآن مجید نازل کیا گیا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ابن اُم عبد کی قراءت کی طرح پڑھا کرے اور فرمانے لگے: تم مانگو تمہیں عطاء کیا جائے گا' اور حضرت ہیثم نے آگے حسب سابق مکمل حدیث بیان فرمائی۔

۳۷۳- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَوْنٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَهٗ اَرْسَلَ وَالِدَتَهٗ اُمَّ عَبْدٍ تَنْظُرُ اِلٰى هَدْيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَلِّهٖ وَسَمْتِهٖ فَتُخْبِرُهٗ بِذٰلِكَ فَيَتَشَبَّهُ بِهٖ. بخاری (۳۷۶۲) ترمذی (۳۸۰۷) مسلم (۶۳۲۶) ابن حبان (۷۰۶۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں تشریف لاتے تو حضرت عبداللہ اپنی والدہ اُم عبد کو آپ کے گھر میں بھیج دیتے تھے تاکہ وہ نبی کریم ﷺ کے طریقہ کار' آپ کی سیرت اور ہیئت و کیفیت کو دیکھیں اور واپس آ کر انہیں یہ سب کچھ بتائیں اور یہ آپ کی سیرت و کردار کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کریں۔

۳۷۴- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَوْنٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ كَانَ صَاحِبَ حَصِيْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ عَصَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ رِدَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ الرَّاحِلَةِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ صَاحِبَ سِوَاكِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَاحِبَ الْمِيْضَاةِ وَصَاحِبَ النَّعْلَيْنِ.

مستدرک للحاکم (ج ۳ ص ۳۱۶) طبقات ابن سعد (ج ۳ ص ۱۰۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے مصلّٰی بردار تھے' اور ایک روایت میں ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے عصا بردار بھی تھے' اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے رداء (کالی کملی) بردار بھی تھے' اور ایک روایت میں ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے راحلہ کے محافظ بھی تھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے مسواک' آفتابہ اور نعلین بردار بھی تھے۔

۳۷۵- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ مَعْنٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَاكَذَبْتُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ اِلَّا كِذْبَةً وَّاحِدَةً كُنْتُ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے کبھی جھوٹ نہیں بولا' ماسوا ایک دفعہ کے اور وہ یہ

أُرَحِّلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَحَّالٌ مِّنَ الطَّائِفِ فَسَاَلَنِيْ اَيُّ الرَّاحِلَةِ اَحَبُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ الطَّائِفِيَّةُ الْمَكِّيَّةُ وَكَانَ يَكْرَهُهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُتِيَ بِهَا قَالَ مَنْ رَحَّلَ لَنَا هٰذِهٖ قَالُوْا رَحَّالُكَ قَالَ مُرُوْا ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ فَلْيُرَحِّلْ لَنَا فَاُعِيْدَتْ اِلَى الرَّاحِلَةِ.

مسند ابویعلیٰ (۵۲۱۲) مطالب العالیہ لابن حجر (۲۸۴۴)

کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی سواری پر کجاوہ رکھ کر کس دیا کرتا تھا' سو ایک دفعہ طائف سے کجاوہ بنانے والا ایک شخص آیا اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کو کون سا کجاوہ زیادہ پسند ہے؟ میں نے کہا: طائف اور مکہ مکرمہ کا بنا ہوا کجاوہ آپ کو زیادہ پسند ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ طائف و مکہ کے کجاوے پسند نہیں فرماتے تھے (بلکہ آپ کو صرف مدینہ منورہ کے کجاوے پسند تھے) پھر جب طائف کا تیار کردہ کجاوہ آپ کی اونٹنی پر کس کر اسے لایا گیا تو آپ نے فرمایا: ہماری سواری پر یہ کجاوہ کس نے کسا ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ کجاوہ بنانے والے طائف کے ایک آدمی نے آپ کی سواری پر یہ کجاوہ کس دیا ہے' آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا: تم ابن اُم عبد کو حکم دو کہ وہ ہماری سواری پر کجاوہ کس دے' چنانچہ دوبارہ کجاوہ کسنے کے لیے میرے پاس لایا گیا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِيْءَ بِرَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ فَجَاءَنِي الطَّائِفِيُّ فَقَالَ اَيُّ الرَّاحِلَةِ اَحَبُّ اِلَيْهِ قُلْتُ الطَّائِفِيَّةُ الْمَكِّيَّةُ فَخَرَجَ فَقَالَ مَنْ صَاحِبُ هٰذِهِ الرَّاحِلَةِ قِيْلَ الطَّائِفِيُّ قَالَ لَا حَاجَةَ لَنَا بِهَا.

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے بیان فرمایا کہ طائف کا رہنے والا ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا' حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ پھر طائف کا وہ آدمی میرے پاس آیا اور کہا کہ نبی کریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو کون سا کجاوہ پسند ہے' میں نے کہہ دیا: طائف اور مکہ مکرمہ کا بنا ہوا' پھر جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو فرمایا: یہ کجاوہ کس صاحب کا ہے؟ عرض کیا گیا کہ طائف کے رہنے والے فلاں آدمی کا تیار کردہ ہے' آپ نے فرمایا: ہمیں اس کجاوے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

۳۷۶- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ مَا كَذَبْتُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ اِلَّا وَاحِدَةً كُنْتُ اُرَحِّلُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَحَّالٌ مِّنَ الطَّائِفِ فَقَالَ اَيُّ الرَّاحِلَةِ اَحَبُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ الطَّائِفِيَّةُ الْمَكِّيَّةُ قَالَ وَكَانَ يَكْرَهُهَا فَلَمَّا دَخَلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِهَا قَالَ مَنْ رَحَّلَ لَنَا هٰذِهِ الرَّاحِلَةَ قَالَ رَحَّالُكَ الَّتِيْ اُتِيْتُ بِهٖ مِنَ الطَّائِفِ فَقَالَ رُدُّوا الرَّاحِلَةَ لِابْنِ مَسْعُوْدٍ. مسند ابویعلیٰ (۵۲۱۲) المطالب العالیہ لابن حجر (۲۸۴۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے' کبھی جھوٹ نہیں بولا ماسوا ایک دفعہ کے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے سواری تیار کرتا تھا' چنانچہ ایک دفعہ طائف سے کجاوہ بنانے والا ایک آدمی آیا اور مجھ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو کون سا کجاوہ پسند ہے؟ میں نے کہہ دیا کہ طائف اور مکہ کا بنا ہوا۔ حضرت ابن مسعود بتاتے ہیں حالانکہ آپ یہ کجاوے ناپسند کرتے تھے' پھر جب رسول اللہ ﷺ کے لیے سواری پر طائف کا کجاوہ کس کے سواری کو آپ کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہماری سواری پر یہ کجاوہ کس نے کسا ہے؟ سو آپ کو بتایا گیا کہ طائف کا رہنے والا جو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا' اس نے آپ کے لیے سواری پر اپنا

بنایا ہوا کجاوہ کس دیا ہے' آپ (ﷺ) نے حضرت ابن مسعود کو فرمایا: یہ کجاوہ واپس کر دو۔

حل لغات

''سَمَرَا'' صیغہ تثنیہ مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: رات کو گفتگو کرنا۔ ''سَرَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: خوش ہونا' پسند آنا۔ ''غَضًّا'' اس کا معنی ہے: خوبصورت اور عمدہ لہجہ میں نرم انداز سے تلاوت کرنا۔ ''دَلَّهُ اَیْ سِیْرَتَهُ'' یعنی آپ کی سیرت اور ''سَمْتُهُ'' کا معنی ہے: آپ کی نشست و برخاست' چلنے پھرنے' گفتگو کرنے کی کیفیت وحالت۔ ''اَلرَّاحِلَةُ'' سواری' کجاوہ۔ ''حَصِیْرٌ'' کا معنی ہے: چٹائی' مصلیٰ۔ ''اَلْمِیْضَاةُ'' کا معنی ہے: وضو کا برتن' آفتابہ' لوٹا۔ ''اُرَحِّلُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل مضارع معروف' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: سواری تیار کرنا' اونٹنی کی پشت پر کجاوہ باندھنا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود کے محاسن

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب اس سے پہلے تین سو چھیاسٹھ (۳۶۶) نمبر حدیث کی تشریح میں بیان ہو چکے ہیں' وہیں ملاحظہ فرمائیں' البتہ ان احادیث خمسہ سے ان کے جن فضائل ومحاسن کا اظہار ہو رہا ہے ان کو یہاں بیان کیا جاتا ہے' چنانچہ ان احادیث میں پہلی حدیث سے ایک فضیلت تو یہ ثابت ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود قرآن مجید کو بہت عمدہ اور خوبصورت لہجہ میں صحت تلفظ کے ساتھ صاف اور واضح طور پر ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے تھے کہ زبر' زیر' پیش' شد' مد' ادغام' اظہار' اخفا' غنہ' مخارج اور صفات لازمہ میں کسی قسم کے تغیر وتبدل کے بغیر جیسے قرآن مجید نازل ہوا ویسے تلاوت کرتے تھے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(ترجمہ:) یہ سعادت قوتِ بازو سے حاصل نہیں ہوتی' جب تک بخشش فرمانے والے خدا کی بخشش وعطاء نہ ہو۔

دوسری فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ آپ کو تلاوتِ قرآن کے بعد دعا کی سعادت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا' سو اس لیے یہ عمل ہمارے لیے مستحب ہے کہ حضرت عبداللہ کی سنت ہے' لیکن حضرت عبداللہ کے لیے دعا واجب تھی کہ انہیں خود رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا۔ اور تیسری فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ آپ نے دعا میں ہمیشہ قائم رہنے والے دائمی ایمان کی دعا مانگی اور آخرت کی غیر فانی نعمتوں کی دعا مانگی' لیکن دنیا کی نعمتوں کی دعا نہیں مانگی جس سے آپ کے دنیا سے زہد اور ایمان وآخرت کی طرف رغبت کا اظہار ہوتا ہے' نیز آپ نے جنت خلد میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت ومعیت کی دعا مانگی' جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت شدید محبت وعقیدت تھی۔

اور دوسری حدیث سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ انہیں رسول اللہ کی سیرت وکردار' اقوال و افعال' اخلاق واعمال اور آپ کی زندگی کے اطوار وطرق اور ان کی کیفیات کو اپنانے کی شدید خواہش اور تمنا ہوتی تھی' اس لیے اپنی والدہ کو آپ کے گھر بھیجتے اور آپ کے اطوار واخلاق اور گھریلو رویوں کے متعلق معلومات حاصل کرتے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے تھے' چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن یزید نے بیان کیا ہے کہ ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ ہمیں ایسے شخص کے بارے میں بتائیں جو رسول اللہ ﷺ سے سیرت' کردار' اخلاق واطوار اور زندگی گزارنے کی کیفیات میں سب سے زیادہ قریب ومشابہ اور ملتا جلتا ہو' تا کہ ہم بھی ان سے آپ کی سیرت طیبہ اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو حاصل کر کے اپنا لیں اور اس پر عمل کرنے کی

کوشش کریں۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا: جو شخص سیرت و کردار' اخلاق و اطوار اور گفتار و رفتار میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سب سے زیادہ قریب اور مشابہ ہے' وہ ابن اُم عبد ہیں۔

تیسری حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سفر و حضر میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفیق و مونس اور خادم خاص تھے' اس حدیث میں آپ کے بہت سے فضائل و محاسن اور القابات و اعزازات کو بیان کیا گیا ہے' مثلاً رسول اللہ ﷺ کے مصلّٰی کے حامل آپ ہیں' عصائے نبوی کے حامل آپ ہیں' ردائے نبوی کے حامل آپ ہیں' صاحبِ راحلہ آپ ہیں' آفتابہ بردار آپ ہیں' نعلین پاک اُٹھانے اور پہنانے کے امین آپ ہیں۔ اور آخری دو احادیث میں یہ وضاحت کی گئی کہ حضرت ابن مسعود نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا' البتہ خدمت نبوی کی ایک سعادت سے محروم ہونے کے خوف کی وجہ سے صرف ایک مرتبہ خلافِ واقعہ بات کہہ دی' تاکہ رسول اللہ ﷺ کی سواری کو تیار کرنے اور اس پر کجاوہ کسنے کی سعادت سے محروم نہ ہو جائیں' اس لیے علامہ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ یہ خلافِ واقعہ بات قابلِ مذمت نہیں ہے بلکہ من وجہ قابلِ تحسین ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور رسول اللہ ﷺ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کہہ دی تھی' تاکہ رسول اللہ ﷺ کی سواری کو تیار کرنے اور اس پر کجاوہ باندھنے کی خدمتِ جلیلہ سے محروم نہ ہو جائیں۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ٤٢٧' مطبوعہ مکتبہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

١٦ - بَابُ فَضِيْلَةِ خُزَيْمَةَ الْاَنْصَارِيِّ

٣٧٧- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِىْ عَبْدِ اللّٰهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ خُزَيْمَةَ اَنَّهٗ مَرَّ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْرَابِيٌّ يَجْحَدُ بَيْعَهٗ فَقَالَ خُزَيْمَةُ اَشْهَدُ لَقَدْ بِعْتَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَيْنَ عَلِمْتَهٗ قَالَ تَجِيْئُنَا بِالْوَحْيِ مِنَ السَّمَاءِ فَنُصَدِّقُكَ قَالَ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهٗ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ.

حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی فضیلت

حضرت خزیمہ (بن ثابت) انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرا رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزر ہوا' جبکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک بدوی آدمی اپنی بیع (آپ سے اپنا گھوڑا فروخت کرنے) سے انکار کر رہا تھا۔ حضرت خزیمہ نے اس آدمی سے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ جانور آپ کے ہاتھ میں فروخت کر دیا ہے' اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے عرض کیا: آپ ہمارے پاس آسمانی وحی لاتے ہیں تو ہم اس کی تصدیق و تائید کرتے ہیں (سو اب بھلا ہم زمینی معاملات میں آپ کی تصدیق و تائید کیوں نہ کریں؟) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت خزیمہ کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ مَرَّ بِاَعْرَابِيٍّ وَّهُوَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَجْحَدُ بَيْعًا قَدْ عَقَدَهٗ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ خُزَيْمَةُ اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بِعْتَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَيْنَ عَلِمْتَ ذٰلِكَ فَقَالَ تَجِيْئُنَا بِالْوَحْيِ مِنَ السَّمَاءِ فَنُصَدِّقُكَ قَالَ فَجَعَلَ رَسُوْلَ

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت خزیمہ کا ایک دیہاتی کے پاس گزر ہوا جو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا اور وہ اس وقت اس بیع کا انکار کر رہا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منعقد کر چکا تھا' سو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے دیہاتی سے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تو آپ ﷺ سے یہ سودا کر چکا ہے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: (اے خزیمہ!) تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ (کیونکہ تم اس

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهٗ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ. وَفِىْ رِوَايَةٍ اَجَازَ شَهَادَتَهٗ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ حَتّٰى مَاتَ.

ابوداؤد (٣٦٠٧)

وقت موجود و حاضر نہیں تھے) عرض کیا کہ حضور! آپ ہمارے پاس آسمانی وحی لاتے ہیں تو ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں (تو اب بھلا کیوں نہ تصدیق کریں)' سو رسول اللہ ﷺ نے ان کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دے دیا' اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے مرتے دم تک ان کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دے دیا۔

حل لغات

''یَجْحَدُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف' باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: انکار کرنا۔ ''بِعْتَهٗ'' اس میں ''بِعْتَ'' صیغہ واحد مذکر مخاطب' فعل ماضی معروف مثبت' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بیچنا' فروخت کرنا' آخر میں ''ہٗ'' ضمیر مفعول بہ ہے۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے محاسن

حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری اوسی خطمی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت صالح فطرت عطاء فرمائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے سے پہلے جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اسلام کے داعیٔ اوّل کی حیثیت سے مدینہ منورہ میں بھیجا گیا تو ان کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں قبیلۂ اوس اور قبیلۂ خزرج کے بہت سے گھرانے اسلام قبول کرنے کی سعادت سے مشرف ہو گئے اور اسی زمانہ میں حضرت خزیمہ بھی شرفِ اسلام سے بہرہ یاب ہوئے۔ اور اسلام قبول کرنے کے بعد انہیں شرک و کفر اور بتوں سے ایسی نفرت ہوئی کہ اپنے ایک پُرجوش ساتھی حضرت عمیر بن عدی کو ساتھ لے کر بنو خطمہ کے تمام بت توڑ ڈالے۔ حضرت خزیمہ بن ثابت کا تعلق قبیلہ اوس کی شاخ بنو خطمہ سے تھا' ان کی کنیت ابوعمارہ تھی اور لقب ذوالشہادتین تھا۔ حضرت خزیمہ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ ایک روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! گزشتہ شب میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں آپ کی پیشانی کو چوم رہا ہوں۔ آپ ان کی بات سن کر مسکرائے اور فرمایا: تم اپنے خواب کی تصدیق کر سکتے ہو۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سن کر فرطِ محبت سے بے خود ہو گئے اور والہانہ انداز میں آگے بڑھ کر آپ ﷺ کی جبین سعادت کو چوم لیا۔ دیکھنے والوں کے لیے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا' وہ رشک کرتے تھے کہ کاش! یہ سعادتِ عظمیٰ ان کے حصے میں آئی ہوتی' لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی دین اور عطاء ہے' وہ جس کو چاہے اپنے فضل و کرم کے لیے منتخب فرمالے۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

ایک اور روایت کے مطابق حضرت خزیمہ نے خواب میں اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے سجدہ ریز پایا۔ بیدار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ خواب بیان کیا تو آپ ﷺ نے اپنی جبین ان کی پیشانی سے مَس فرمائی اور فرمایا کہ یہی تمہارے خواب کی تعبیر ہے۔

یہ نصیب اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے

حضرت خزیمہ جنگ صفین ٣٧ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی اور ان کے ساتھ تھے۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ جب

حضرت عمار بن یاسر نے شامی فوج کے ہاتھ سے شہادت پائی تو حضرت خزیمہ کو جوش آ گیا اور جذبۂ حق سے سرشار ہو کر تلوار کو نیام سے نکالا اور دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور بڑی دیر تک نہایت شجاعت و بہادری سے لڑتے رہے' آخر کار شامی فوجوں نے آپ کو نرغے میں لے کر تیروں اور تلواروں کا مینہ برسا دیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ شیر جامِ شہادت نوش فرما کر معبودِ حقیقی سے واصل ہو گیا۔

[ماخوذ از چالیس جان نثار]

امام ابن ابی داؤد نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر اور حضرت زید سے کہا کہ آپ دونوں مسجد نبوی کے دروازہ پر بیٹھ جائیں اور جب دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ یہ آیت کتاب اللہ کی ہے تو اس کو لکھ لیں اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت زید کسی آیت کے صرف اپنے پاس لکھے ہونے پر اکتفاء نہیں کرتے تھے' حتیٰ کہ دو گواہ اس پر گواہی دیں اور یہ چیز ان کی انتہائی احتیاط پر دلالت کرتی ہے۔ علامہ سخاوی نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ دو گواہ اس پر گواہی دیں گے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی یا دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی تھی اور حضرت لیث بن سعد نے کہا کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق نے قرآن جمع کیا اور اس کو حضرت زید بن ثابت نے لکھا اور جب تک دو عادل (نیک) گواہ گواہی نہ دیتے' حضرت زید اس آیت کو مصحف میں درج نہیں کرتے تھے اور سورۂ توبہ کی آخری دو آیات صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس پائی گئیں تو صحابہ کرام نے کہا: ان کو لکھ لو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دیا ہے۔

[الاتقان ج ۱ ص ۵۸ 'ملخصاً' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ]

صحیح بخاری میں بھی اس کی تائید ہے۔

حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مصحف میں آیات درج کر رہا تھا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سورۃ الاحزاب کی ایک آیت کو تلاوت کرتے ہوئے سنا تھا' وہ مجھے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کے پاس نہیں ملی جن کی گواہی کو رسول اللہ ﷺ نے دو گواہیوں کے برابر قرار دیا تھا' وہ آیت یہ تھی: ''مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج الخ'' (الاحزاب: ۲۳)۔ [صحیح البخاری: ۲۸۰۷]

اس سے معلوم ہوا کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا تھا' اس وقت نگاہِ نبوت میں یہ تھا کہ ایک وقت آئے گا جب قرآن مجید کے جمع کے وقت سورۂ توبہ کی آخری دو آیات اور سورۃ الاحزاب کی آیت: ۲۳ پر حضرت خزیمہ کے سوا گواہ نہیں ہوگا اور اگر ان کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار نہ دیا جائے تو سورۂ توبہ اور سورۂ احزاب میں یہ آیتیں درج ہونے سے رہ جائیں گی۔ [تفسیر تبیان القرآن ج ۵ ص ۳۱۲-۳۱۱' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

۱۷ - بَابُ فَضِيْلَةِ خَدِيْجَةَ الْكُبْرٰى
حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

۳۷۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ بُشِّرَتْ خَدِيْجَةُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ لَا صَخَبَ فِيْهَا وَلَا نَصَبَ. بخاری (۱۷۹۲) مسلم (٦٢٧٤) مسند احمد (ج ۳ ص ۳۵۵) ابن حبان (۷۰۰٤)

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں ایسے عالی شان گھر کی بشارت سنائی گئی ہے جس میں نہ تو شور و غل ہوگا اور نہ مشقت و تھکاوٹ ہوگی۔

حل لغات

''بُشِّرَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی مجہول مثبت' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: بشارت دینا' خوشخبری دینا۔

''صَخَبَ'' اس کا معنی ہے: شور و غل کرنا۔ ''نَصَبَ'' اس کا معنی ہے: تکلیف اور تھکاوٹ۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مناقب

امام مسلم نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

(ترجمہ:) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! یہ خدیجہ آپ کے پاس ایک برتن میں سرکہ یا کھانا یا کوئی مشروب لا رہی ہیں (راوی کو شک ہے)' سو جب وہ آپ کے پاس آ جائیں تو انہیں رب تعالیٰ اور میری طرف سے سلام کہہ دینا اور انہیں جنت میں ایسے عالی شان گھر کی بشارت دے دیں جو موتیوں سے تیار کیا گیا ہے' اس میں نہ تو شور و غل ہوگا اور نہ محنت و تھکاوٹ ہوگی۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۲۲۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

اس حدیث کو شیخین وغیرہما نے حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت ابن ابی اوفی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے' چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کی کسی بیوی پر اتنی غیرت نہیں کھائی جتنی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر غیرت کھائی' حالانکہ وہ میرے ساتھ رسول اللہ کی شادی سے پہلے وفات فرما گئی تھیں' یہ اس لیے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ان کا اکثر ذکرِ خیر سنتی رہتی تھی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو حکم دیا کہ آپ انہیں (ان کی زندگی میں) موتیوں سے تیار کردہ جنت کے گھر کی خوشخبری دے دیں اور یہ کہ رسول اللہ ہر سال ان کے ایصالِ ثواب کے لیے ایک بکری ذبح کرتے اور اس کا گوشت ان کی سہیلیوں میں ہدیہ کے طور پر تقسیم فرما دیتے تھے اور سنن ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے اتنا رشک کسی عورت پر نہیں کیا جتنا رشک حضرت خدیجہ پر کیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی وفات کے بعد مجھ سے شادی کی تھی اور یہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ کو ان کی زندگی میں جنت میں ایسے عظیم الشان گھر کی خوشخبری سنائی تھی جو موتیوں سے تیار کردہ ہے' نہ تو اس میں شور شرابہ ہوگا اور نہ تھکاوٹ ہوگی اور امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ قسطلانی نے غیرت و رشک کے تین اسباب بیان کیے ہیں: (۱) حضرت خدیجہ کے وصال کے بعد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان کے ذکرِ خیر کو کثرت سے کرنا (۲) رسول اللہ کا حضرت خدیجہ کو خصوصی طور پر جنت کے مکان کی خوشخبری دینا ہے اور یہ رسول اللہ کی ان کے ساتھ مزید محبت کی دلیل ہے (۳) رسول اللہ ﷺ کا ان کے ایصالِ ثواب کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بکری ذبح کرنا اور اس کا گوشت ان کی سہیلیوں کو ہدیہ کرنا جو ان کی دائمی محبت و یاد کی علامت ہے۔ [تنسیق النظام حاشیہ نمبر ۴' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

نوٹ: حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا تعارف پہلے بیان ہو چکا ہے' تکرار کی ضرورت نہیں۔

۱۸ - بَابُ فَضَائِلِ عَائِشَةَ
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل

۳۷۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ لَيَهُوْنُ عَلَيَّ الْمَوْتُ اِنِّيْ رَاَيْتُكِ زَوْجَتِيْ فِي الْجَنَّةِ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک موت مجھ پر ضرور آسان ہے کیونکہ میں نے جنت میں بھی تمہیں اپنی بیوی دیکھا ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اِنِّيْ رَاَيْتُكِ زَوْجَتِيْ فِي الْجَنَّةِ ثُمَّ الْتَفَتَ وَقَالَ هَوَّنَ عَلَيَّ الْمَوْتُ لِاَنِّيْ رَاَيْتُ عَائِشَةَ فِي الْجَنَّةِ. ترمذی (۳۸۸۹) ابن حبان (۷۰۹۵)

اور ایک روایت میں (اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:) بے شک میں نے جنت میں بھی تمہیں اپنی بیوی دیکھا ہے' پھر آپ (میری طرف سراپا) متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ موت مجھ پر آسان ہو گئی

مسند احمد (۲۵۵۹۰)

ہے اس لیے کہ بے شک میں نے (حضرت) عائشہ کو جنت میں دیکھا ہے۔

۳۸۰- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ کُنَّ لِیْ خِلَالٌ سَبْعٌ لَمْ یَکُنْ لِاَحَدٍ مِّنْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کُنْتُ اَحَبَّهُنَّ اِلَیْهِ اَبًا وَاَحَبَّهُنَّ اِلَیْهِ نَفْسًا وَّتَزَوَّجَنِیْ بِکْرًا وَّمَا تَزَوَّجَنِیْ حَتّٰی اَتَاهُ جِبْرِیْلُ بِصُوْرَتِیْ وَلَقَدْ رَاَیْتُ جِبْرِیْلَ وَمَا رَاٰهُ اَحَدٌ مِّنَ النِّسَاءِ غَیْرِیْ وَکَانَ یَاْتِیْهِ جِبْرِیْلُ وَاَنَا مَعَهٗ فِیْ شِعَارِهٖ وَلَقَدْ نَزَلَ فِیَّ عُذْرٌ کَادَ اَنْ یَّهْلِكَ فِئَامٌ النَّاسِ وَلَقَدْ قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِیْ وَلَیْلَتِیْ وَیَوْمِیْ وَبَیْنَ سَحْرِیْ وَنَحْرِیْ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے سات خوبیاں ایسی ملی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیگر ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو نہیں ملیں: (۱) میں آپ کو اپنے والد کی نسبت سے بھی سب سے زیادہ محبوبہ تھی (کہ میرے والد آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھے) اور میں خود اپنی ذات کے اعتبار سے بھی آپ کو سب سے زیادہ محبوبہ تھی۔ (۲) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صرف مجھ سے باکرہ ہونے کی حالت میں شادی کی اور میرے علاوہ آپ نے کسی باکرہ عورت سے شادی نہیں کی۔ (۳) اور آپ نے مجھ سے نکاح نہیں فرمایا' یہاں تک کہ حضرت جبریل علیہ السلام میری تصویر لے کر آپ کے پاس آئے۔ (۴) اور بے شک میں نے حضرت جبریل کو دیکھا ہے' میرے علاوہ کسی عورت نے انہیں نہیں دیکھا۔ (۵) اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا کرتے تھے حالانکہ میں آپ کے لحاف میں آپ کے ساتھ ہوتی تھی۔ (۶) اور میری برأت کے لیے میرے حق میں کئی آیات نازل کی گئیں' قریب تھا کہ لوگوں کی کئی جماعتیں ہلاک ہو جاتیں۔ (۷) اور میرے گھر میں' میری باری کی رات اور میرے دن میں میرے سینے اور گلے کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر رکھا تھا کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی۔

۳۸۱- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ عَوْنٍ عَنْ عَامِرِ الشَّعْبِیْ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فِیَّ سَبْعُ خِصَالٍ لَیْسَتْ فِیْ وَاحِدَةٍ مِّنْ اَزْوَاجِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَنِیْ وَاَنَا بِکْرٌ وَّلَمْ یَتَزَوَّجْ اَحَدًا مِّنْ نِّسَائِهٖ بِکْرًا غَیْرِیْ وَنَزَلَ جِبْرِیْلُ بِصُوْرَتِیْ قَبْلَ اَنْ یَّتَزَوَّجَنِیْ وَلَمْ یَنْزِلْ بِصُوْرَةٍ وَّاحِدَةٍ مِّنْ نِّسَائِهٖ غَیْرِیْ وَاَرَانِیْ جِبْرِیْلَ وَلَمْ یُرِهٖ اَحَدًا مِّنْ اَزْوَاجِهٖ غَیْرِیْ وَکُنْتُ مِنْ اَحَبِّهِنَّ اِلَیْهِ نَفْسًا وَّاَبًا وَّنَزَلَتْ فِیَّ اٰیَاتٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کَادَ اَنْ یَّهْلِكَ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ وَمَاتَ فِیْ لَیْلَتِیْ وَیَوْمِیْ وَتُوُفِّیَ بَیْنَ سَحْرِیْ وَنَحْرِیْ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میری سات خوبیاں ایسی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیگر ازواج مطہرات میں سے کسی بیوی میں نہیں ہیں: (۱) آپ نے مجھ سے شادی کی جبکہ میں باکرہ تھی اور آپ نے میرے علاوہ کسی باکرہ (کنواری) عورت سے شادی نہیں کی (۲) حضرت جبریل نے آپ کے ساتھ میری شادی سے پہلے میری تصویر لے کر آپ کو دکھائی اور میرے علاوہ آپ کی دیگر ازواجِ مطہرات میں سے کسی عورت کی تصویر لے کر آپ کے پاس نازل نہیں ہوئے (۳) آپ نے مجھے حضرت جبریل کی زیارت کرائی جبکہ آپ نے میرے علاوہ کسی بیوی کو حضرت جبریل کی زیارت نہیں کرائی (۴) میں اپنی ذات کی نسبت سے اور اپنے والد کی نسبت سے آپ کو تمام بیویوں سے زیادہ محبوبہ تھی (۵) اور میرے حق میں قرآن مجید کی بہت سی آیات

نازل ہوئیں' قریب تھا کہ لوگوں کی جماعتیں (سوئے ظن کی وجہ سے) ہلاک ہو جاتیں (۶) آپ کا انتقال میری باری کی رات اور میری باری کے دن ہوا (۷) اور آپ کا وصال اس حال میں ہوا کہ آپ کا سر میرے سینے اور گردن کے درمیان تھا۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّهَا قَالَتْ اِنَّ فِیَّ سَبْعُ خِصَالٍ مَا هُنَّ فِیْ وَاحِدَةٍ مِّنْ اَزْوَاجِهٖ تَزَوَّجَنِیْ بِکْرًا وَّلَمْ یَتَزَوَّجْ بِکْرًا غَیْرِیْ وَاَتَاهُ جِبْرِیْلُ بِصُوْرَتِیْ قَبْلَ اَنْ یَّتَزَوَّجَنِیْ وَلَمْ یَاْتِهٖ جِبْرِیْلُ بِصُوْرَةِ اَحَدٍ مِّنْ اَزْوَاجِهٖ غَیْرِیْ وَکُنْتُ اَحَبَّهُنَّ اِلَیْهِ نَفْسًا وَّاَبًا وَّاُنْزِلَ فِیَّ عُذْرٌ کَادَ اَنْ یَّهْلِكَ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ وَمَاتَ فِیْ یَوْمِیْ وَلَیْلَتِیْ وَبَیْنَ سَحْرِیْ وَ نَحْرِیْ وَاَرَانِیْ جِبْرِیْلَ وَلَمْ یُرِهٖ اَحَدًا مِّنْ اَزْوَاجِهٖ غَیْرِیْ.

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ مجھے سات خوبیاں ایسی عطاء کی گئی ہیں جو آپ کی دیگر ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو عطاء نہیں کی گئیں: (۱) آپ نے صرف مجھ باکرہ (کنواری) سے نکاح فرمایا اور میرے علاوہ کسی باکرہ عورت سے نکاح نہیں فرمایا (۲) آپ کے ساتھ میری شادی سے پہلے حضرت جبریل آپ کے پاس میری شبیہ لے کر آئے اور میرے علاوہ آپ کی کسی بیوی کی تصویر حضرت جبریل آپ کے پاس نہیں لائے (۳) اور میں اپنی ذاتی نسبت سے اور اپنے والد کی نسبت سے آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھی (۴) اور میری معذرت و براءت میں قرآن کی آیات نازل ہوئیں' قریب تھا لوگوں کی کئی جماعتیں ہلاک ہو جاتیں (۵) اور آپ کی وفات میری باری کے دن اور رات میں ہوئی (۶) اور میرے سینے اور گلے کے درمیان آپ کا وصال ہوا (۷) آپ نے مجھے حضرت جبریل کا دیدار کرایا اور میرے علاوہ آپ کی کسی بیوی نے حضرت جبریل کا دیدار نہیں کیا۔

۳۸۲- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ مَسْرُوْقٍ اَنَّهٗ کَانَ اِذَا حَدَّثَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ حَدَّثَتْنِی الصِّدِّیْقَةُ بِنْتُ الصِّدِّیْقِ الْمُبَرَّاَةُ حَبِیْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. ترمذی (۳۸۸۸)

حضرت مسروق جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث بیان کرتے تو کہتے کہ "حَدَّثَتْنِی الصِّدِّیْقَةُ بِنْتُ الصِّدِّیْقِ الْمُبَرَّاَةُ حَبِیْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ" یعنی بہت سچ بولنے والے باپ کی بہت سچ والی بیٹی' ہر تہمت و بہتان سے بَری اور پاک دامن اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوبہ نے مجھ سے حدیث بیان کی۔

۳۸۳- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ عَنْ عِکْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ اِسْتَاْذَنَ عَلٰی عَائِشَةَ لِیَعُوْدَهَا فِیْ مَرَضِهَا فَاَرْسَلَتْ اِلَیْهِ اِنِّیْ اَجِدُ غَمًّا وَّ کُرْبًا فَانْصَرِفْ فَقَالَ لِلرَّسُوْلِ مَا اَنَا بِالَّذِیْ یَنْصَرِفُ حَتّٰی اَدْخُلَ فَرَجَعَ الرَّسُوْلُ فَاَخْبَرَهَا بِذٰلِكَ فَاَذِنَتْ لَهٗ فَقَالَتْ اِنِّیْ اَجِدُ غَمًّا وَّکُرْبًا وَّاَنَا مُشْفِقَةٌ مِّمَّا اَخَافُ اَنْ اَهْجُمَ عَلَیْهِ فَقَالَ لَهَا ابْنُ عَبَّاسٍ اَبْشِرِیْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کی' تاکہ آپ ان کی عیادت و بیمار پرسی کروں' حضرت عائشہ صدیقہ نے معذرت کرتے ہوئے آپ کے پاس قاصد بھیجا کہ میں اس وقت شدید رنج و غم اور سخت تکلیف محسوس کر رہی ہوں' اس لیے آپ ابھی واپس چلے جائیں' حضرت ابن عباس نے قاصد سے فرمایا: میں بغیر ملاقات واپس نہیں جاؤں گا' چنانچہ قاصد نے واپس جا کر آپ کو یہ بات بتائی تو انہوں نے حضرت ابن عباس کو اندر

فَوَاللّٰهِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَائِشَةُ فِي الْجَنَّةِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّزَوِّجَهُ جَمْرَةً مِّنْ جَمْرَةِ جَهَنَّمَ فَقَالَتْ فَرَّجْتَ فَرَّجَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْكَ.

بخاری(۴۷۵۳)ابن حبان(۷۱۰۸)

آنے کی اجازت دے دی (جب وہ اندر آئے) تو آپ نے فرمایا: بے شک میں اس وقت سخت رنج وغم اور بہت تکلیف محسوس کر رہی ہوں اور میں یہ جان کر ڈر رہی ہوں کہ موت مجھ پر حملہ کرنے والی ہے اس پر حضرت ابن عباس نے ان سے کہا: تمہیں بشارت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عائشہ جنت میں جائے گی اور رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مکرم ومعزز اور اس سے بہت بلند و برتر ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ دوزخ کی آگ کی چنگاریوں میں سے کسی چنگاری کا نکاح کر دے۔ سو حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: (اے ابن عباس!) آپ نے میرا رنج وغم دور کر دیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے تمام رنج وغم دور فرما دے۔

حل لغات

''یَهُوْنُ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف مثبت باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: آسان ہونا۔ ''خِلَالٌ'' اس کا معنی ہے: خوبی اچھائی دوستی وغیرہ۔ ''بِکْرًا'' کا معنی ہے: کنواری غیر شادی شدہ۔ ''شِعَارٌ'' کا معنی ہے: بستر لحاف اور اوپر پہننے والی چادر۔ ''سَحَرٌ'' کا معنی ہے: سینہ اور ''نَحْرٌ'' کا معنی ہے: ذبح کرنے کی جگہ یعنی حلقوم اور گلا۔ ''اَلْمَبْرَاَةُ'' کا معنی ہے: بَری ہونا بے قصور ہونا گناہ سے پاک ہونا۔ ''غَمًّا'' رنج اور ''کُرْبًا'' کا معنی ہے: تکلیف۔ ''اِنْصَرِفْ'' صیغہ واحد مذکر حاضر فعل امر معروف باب انفعال سے ہے اس کا معنی ہے: لوٹ جانا واپس چلے جانا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان

حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں ان کا تعارف پہلے بیان ہو چکا ہے اور یہاں اس باب کی تمام احادیث میں ان کے بہت سے فضائل بیان کیے گئے ہیں ان کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے بے حد اور شدید محبت فرماتے تھے یہاں تک کہ ان کے بغیر آپ بے چین ہو جاتے تھے اور ان کے بغیر آپ کو صبر نہیں ہوتا تھا چنانچہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت عائشہ صدیقہ جنت میں بھی آپ کی بیوی دکھائی گئیں تو آپ بے حد خوش ہوئے اور حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا: اب میرے لیے موت آسان ہو گئی ہے کہ تم جنت میں بھی میری بیوی ہو گی کیونکہ محبوب و پیارے کے قرب و معیت اور اس کی نزدیکی ملنے پر موت قابل نفرت نہیں رہتی بلکہ محبوب و پسندیدہ ہو جاتی ہے جیسا کہ اس باب کی پہلی حدیث میں بیان ہوا ہے اور اس باب کی دوسری حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک فضیلت یہ بیان کی ہے کہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ذات کے اعتبار سے بھی اور اپنے والد کی نسبت سے بھی سب سے زیادہ محبوب اور پیاری تھی۔

اصل میں یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جسے امام بخاری امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عاص نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا: ''ایّ الناس احب الیك'' ''لوگوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب اور پیارا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ عائشہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مردوں میں سے کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ان کے والد ہیں۔ [مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر]

حضرت عائشہ صدیقہ رسول اللہ کو محبوب و پیاری کیوں نہ ہوتیں؟ جبکہ علم وفضل اور شرعی وفقہی مسائل میں ان کا مرتبہ اس قدر بلند تھا کہ اس کو بیان کرنے کے لیے سینکڑوں صفحات درکار ہیں۔ بہت سے اہل سیر کے نزدیک علمی کمالات دینی خدمات اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات وارشادات کے نشر واشاعت کے اعتبار سے حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ کا کوئی حریف ومقابل نہیں ہو سکتا سو اگر انہیں ''محسنۂ اُمت'' کہا جائے تو اس میں مطلق کوئی مبالغہ نہ ہوگا چنانچہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام علمی اور فقہی مشکلات حل کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ہر قسم کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو کوئی مشکل ایسی پیش نہ آئی جس کا علم حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس نہ ہو یعنی ہر مسئلہ کے متعلق انہیں رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ معلوم تھا۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں نے قرآن حدیث فقہ تاریخ اور علم الانساب میں حضرت عائشہ صدیقہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ احنف بن قیس اور موسیٰ بن طلحہ کا قول ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ سے بڑھ کر میں نے کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا۔ حضرت امیر معاویہ کا قول ہے کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ سے زیادہ بلیغ زیادہ فصیح اور زیادہ تیز فہم کوئی خطیب نہیں دیکھا۔ عبادتِ الٰہی کی اس قدر پابند تھیں کہ فرض نمازوں کے علاوہ سنتیں اور نوافل بھی کثرت سے پڑھتی تھیں یہاں تک کہ تہجد اشراق چاشت اور اوّابین کی نمازیں کبھی قضاء نہ ہوئیں۔ ماہِ رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی بکثرت رکھتی تھیں اور اسی طرح دیگر عبادات کا حال تھا قناعت وکفایت شعاری زہد وتقویٰ عفت و پاکدامنی شرم وحیاء متانت وسنجیدگی اور معاملہ فہمی ان کے خاص جوہر تھے غرضیکہ آپ اعلیٰ صفات کی مالکہ تھیں۔

۱۹- بَابُ فَضِيْلَةِ الشَّعْبِيِّ

حضرت عامر شعبی کی فضیلت

۳۸۴- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ عَامِرِ نِ الشَّعْبِيِّ قَالَ كَانَ يُحَدِّثُ عَنِ الْمَغَازِيِّ وَابْنُ عُمَرَ يَسْمَعُهُ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ حَدِيْثَهُ اَنَّهُ يُحَدِّثُ كَاَنَّهُ شَهِدَ الْقَوْمَ. تہذیب التہذیب (ج۵ ص۶۷)

حضرت ہیثم فرماتے ہیں کہ حضرت عامر شعبی مغازی (غزوات النبی ﷺ) بیان کرتے تھے اور حضرت ابن عمر اسے سنا کرتے چنانچہ حضرت ابن عمر جب شعبی سے حدیث سنتے تو فرماتے کہ یہ غزوات کی احادیث اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا یہ جہادی قوم کے ساتھ میدانِ جنگ میں حاضر تھے۔

۳۸۵- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ اَبِيْ هِنْدٍ عَنْ عَامِرٍ اَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ عَنْ مَغَازِيِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَلْقَةٍ فِيْهَا ابْنُ عُمَرَ فَقَالَ اَنَّهُ لَيُحَدِّثُ حَدِيْثًا كَاَنْ يَّشْهَدَ. مسند الحارثی (۶۵۶)

حضرت داؤد بن ابوھند بیان کرتے ہیں کہ حضرت عامر شعبی رسول اللہ ﷺ کے غزوات کے متعلق ایک ایسے اجتماع میں احادیث بیان کرتے جس میں حضرت ابن عمر موجود ہوتے اور حضرت ابن عمر ان کا اندازِ بیان سن کر فرماتے: بے شک یہ (حضرت عامر شعبی) اس انداز سے احادیث بیان کرتے گویا یہ غزوات میں موجود اور حاضر تھے۔

حل لغات

''اَلْمَغَازِيْ'' یہ ''اَلْمَغْزِيْ'' کی جمع ہے اس کا معنی ہے: غازیوں کے مناقب بیان کرنا غازیوں کے کارناموں کو بیان کرنا۔ ''شَهِدَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: موجود ہونا حاضر ہونا۔ ''اَلْقَوْمُ'' سے صحابہ کرام مراد ہیں۔ ''حَلْقَةٍ'' ہر وہ اجتماع جو دائرہ کی صورت میں منعقد کیا جائے۔

حضرت عامر شعبی کے فضائل

حضرت ابوعمرو عامر بن شرحبیل شعبی کا تفصیلی تعارف پہلے بیان ہو چکا ہے' البتہ یہاں چند مختصر فضائل ملاحظہ فرمائیں' حضرت عامر شعبی مشہور و معروف فقیہ اور ثقہ راوی ہیں' تیسرے طبقہ سے ہیں' حضرت مکحول نے فرمایا: میں نے حضرت عامر شعبی سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ امام ابن حبان نے ثقات تابعین میں ان کا ذکر کیا ہے۔ امام شعبی نے پانچ سو صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے اور ڈیڑھ سو صحابہ سے روایات بیان کی ہیں' آپ حضرت عمر کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے اور بیاسی سال عمر گزار کر ۱۰۴ھ میں وفات پا گئے۔

حضرت ابن عیینہ نے فرمایا: حضرت ابن عباس اپنے زمانہ کے امام تھے' پھر حضرت عامر شعبی اپنے زمانہ میں امام تھے' پھر حضرت سفیان ثوری اپنے زمانہ میں امام تھے۔

حضرت ابن شہاب زہری نے فرمایا کہ کامل علماء چار ہوئے ہیں' مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن میتب' کوفہ میں حضرت عامر شعبی' بصرہ میں حضرت حسن بصری اور شام میں حضرت مکحول' حضرت عامر شعبی تفسیر' حدیث' فقہ' مغازی اور عبادات کے جامع اور عظیم ترین امام تھے۔ حضرت عامر شعبی کثیر العلم' عظیم الحلم' قدیم الاسلام حافظ الحدیث تھے۔

۲۰ - بَابُ فَضِيْلَةِ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ وَعَلْقَمَةَ بْنِ قَيْسٍ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ

حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت علقمہ بن قیس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی فضیلت کا بیان

۳۸۶- زُفَرُ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا حَنِيْفَةَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ حَمَّادًا يَقُوْلُ كُنْتُ اِذَا نَظَرْتُ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ فَكُلُّ مَنْ رَّاٰى هَدْيَهٗ يَقُوْلُ كَانَ هَدْيُهٗ هَدْيَ عَلْقَمَةَ وَيَقُوْلُ مَنْ رَّاٰى عَلْقَمَةَ يَقُوْلُ كَانَ هَدْيُهٗ هَدْيَ عَبْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُ مَنْ رَّاٰى هَدْيَ عَبْدِ اللّٰهِ كَانَ هَدْيُهٗ هَدْيَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

مسند الحارثی (۳۸۴)

حضرت حماد (بن ابی سلیمان) بیان کرتے ہیں کہ میں جب حضرت ابراہیم نخعی کو دیکھتا ہوں تو ان کی سیرت کو دیکھنے والا ہر آدمی یہی کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی کی سیرت بعینہٖ حضرت علقمہ بن قیس کی سیرت کا مظہر ہے اور حضرت علقمہ بن قیس کی سیرت کو دیکھنے والا ہر آدمی یہی کہتا ہے کہ ان کی سیرت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سیرت کا مظہر ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی سیرت کو دیکھنے والا ہر آدمی کہتا ہے کہ ان کی سیرت تو بعینہٖ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مظہر ہے۔

کامل شاگرد اور کامل مرید کی پہچان

اس روایت سے حضرت ابراہیم نخعی' حضرت علقمہ بن قیس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی فضیلت و بزرگی اور عظیم الشان کمال ثابت ہو رہا ہے کہ یہ حضرات اپنے محسن و مربی' معلم و استاذ اور مرشد و رہنما کی سیرت و کردار کو اپنانے میں کس قدر محنت و کوشش کرتے تھے کہ انہیں دیکھنے والا ہر شخص یہ پکار اُٹھتا کہ یہ اپنے شیخ و مرشد اور اپنے معلم و استاذ کا کمال درجہ متبع اور مکمل پیروکار ہے' اس لیے علمائے اہل سنت اور بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ اپنے مرشد اور اپنے استاذ کا صحیح اور برحق جانشین وہی مرید اور شاگرد ہے جو اپنے مرشد کامل اور استاذ کامل کی سیرت کو اپناتے ہوئے سنت نبوی کا مکمل پابند ہو' لیکن جو شخص قرآن و سنت سے انحراف کرتا ہے اور خلافِ شرع زندگی گزارتا ہے' وہ علم دین رکھنے کے باوجود صحیح اور برحق عالم دین کہلانے کا حق دار نہیں ہے اور وہ اپنے پیر و مرشد کا خادم ہونے یا صاحبزادہ ہونے کے باوجود سجادہ نشین بننے اور کہلانے کا حق دار نہیں ہے بلکہ ایسا ناخلف شاگرد اور ناخلف خادم و صاحبزادہ شیطان کا گماشتہ ہے' اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو ایسے ناخلفوں' نالائق عالموں اور سجادہ نشینوں سے اپنی پناہ میں رکھے اور علماء و مشائخ کے صاحبزادوں اور سجادہ نشینوں کو قرآن و سنت کے علم و عمل سے مالا مال فرمائے۔

آمین ثم آمین!

۲۱- بَابُ تَذْكِرَةِ بَعْضِ كُبَرَاءِ تَابِعِيْنَ مِنْ مَشَائِخِ اِمَامِ اَبِیْ حَنِيْفَةَ

امام ابوحنیفہ کے مشائخ میں سے بعض اکابر تابعین کا تذکرہ

۳۸۷- اَبُوْ حَمْزَةَ الْاَنْصَارِيُّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ دَاوُدَ يَقُوْلُ لِاَبِیْ حَنِيْفَةَ مَنْ اَدْرَكْتَ مِنَ الْكُبَرَاءِ قَالَ الْقَاسِمَ وَسَالِمًا وَطَاوُسًا وَعِكْرِمَةَ وَمَكْحُوْلًا وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ دِيْنَارٍ وَالْحَسَنَ الْبَصْرِيَّ وَعَمْرَو بْنَ دِيْنَارٍ وَاَبَا الزُّبَيْرِ وَعَطَاءً وَقَتَادَةَ وَاِبْرَاهِيْمَ وَالشَّعْبِيَّ وَنَافِعًا وَاَمْثَالَهُمْ.

مسند الحارثی (۳۸۴)

حضرت ابوحمزہ انصاری نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن داؤد (بن عامر ہمدانی) سے سنا ہے' آپ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ سے سوال کیا کہ آپ نے (علمِ دین کے حصول کے لیے) کن کن اکابر علمائے دین کی ملاقات و معیت کا شرف حاصل کیا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا: حضرت قاسم' حضرت سالم' حضرت طاؤس' حضرت عکرمہ' حضرت مکحول' حضرت عبداللہ بن دینار' حضرت حسن بصری' حضرت عمرو بن دینار' حضرت ابوالزبیر المکی' حضرت عطاء' حضرت قتادہ' حضرت ابراہیم نخعی' حضرت عامر شعبی' حضرت نافع اور دیگر ان حضرات جیسے بزرگانِ دین سے شرفِ ملاقات حاصل کیا ہے۔

حل لغات

''اَدْرَكْتَ'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل ماضی معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کو پانا' حاصل کرنا' کسی چیز کو معلوم کرنا۔ ''اَلْكُبَرَاءُ'' یہ کبیر کی جمع ہے اور فعلاء کے وزن پر ہے' اس کا معنی ہے: بڑے لوگ' قوم کے سردار' قوم کے معلمین اور کبیر کی جمع کبار بھی آتی ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مشائخ کا تذکرہ

(۱) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر' مدینہ منورہ کے سات مشہور و معروف فقہاء میں سے ایک بہت بڑے فقیہ ہیں' اکابر تابعین میں سے ہیں اور اپنے زمانہ کے افضل تابعی ہیں' ستر سال عمر گزار کر ایک سو ایک ہجری (۱۰۱ھ) میں فوت ہوئے۔

(۲) حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب قرشی مدنی ہیں' جو فقہائے مدینہ منورہ میں سے ایک بڑے فقیہ ہیں' آپ سادات تابعین' سادات علمائے تابعین اور ثقات تابعین میں سے ہیں' سن ایک سو چھ ہجری (۱۰۶ھ) میں مدینہ منورہ میں وفات پا گئے۔

(۳) حضرت طاؤس بن کیسان یمانی حمیری ہیں' ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہیں' نام ذکوان ہے' لقب طاؤس ہے' آپ ثقہ' فقیہ' فاضل ہیں' تیسرے طبقہ سے ہیں' حضرت عمرو بن دینار نے کہا کہ میں نے طاؤس جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا' آپ علم و عمل میں سب کے رئیس و سردار تھے' آپ مکہ مکرمہ میں ایک سو پانچ ہجری (۱۰۵ھ) میں وصال فرما گئے۔

(۴) حضرت عکرمہ' حضرت عبداللہ بن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں' بربر کے باشندے ہیں' ابوعبداللہ کنیت ہے' آپ مکہ مکرمہ کے فقہاء اور تابعین میں سے ایک بہت بڑے فقیہ اور تابعی ہیں' آپ نے حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ کرام سے روایات بیان کی ہیں' اسّی سال عمر گزار کر ایک سو سات ہجری (۱۰۷ھ) میں انتقال فرما گئے۔

(۵) حضرت مکحول بن عبداللہ شامی ہیں' آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے' غزوۂ کابل میں گرفتار ہو کر آئے' قبیلہ بنی قیس یا قبیلہ بنی لیث کے آزاد کردہ غلام ہیں' امام اوزاعی کے استاذ ہیں۔ امام زہری نے فرمایا: علمائے کاملین چار ہیں: مدینہ منورہ میں سعید بن مسیّب' کوفہ میں عامر شعبی' بصرہ میں حسن بصری' شام میں مکحول۔ حضرت مکحول کے زمانہ میں ان جیسا مفتی کوئی نہیں تھا' آپ فتویٰ دیتے وقت پہلے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" پڑھتے' پھر فتویٰ دیتے' پھر کہتے کہ یہ میری شرعی رائے ہے اور رائے غلط بھی ہو سکتی ہے اور صحیح بھی ہو سکتی ہے' آپ نے بہت سے صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے اور ان سے روایات بیان کی ہیں' آپ سے خلق کثیر نے فیض پایا' آپ ۱۱۸ھ میں فوت ہو گئے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن دینار مدنی ہیں' آپ کی کنیت ابوعبدالرحمان ہے' آپ حضرت عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں' ثقہ ہیں' خیار تابعین میں سے ہیں' آپ حضرت ابن عمر' حضرت انس بن مالک وغیرہ سے روایات بیان کرتے ہیں۔ ابن معین' ابوزرعہ' ابوحاتم' محمد بن سعد اور نسائی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے' ابن سعد نے کہا کہ آپ کثیر الحدیث تھے۔ حافظ ابن حبان نے آپ کا ذکر ثقات تابعین میں کیا ہے' ۱۲۷ھ میں فوت ہو گئے۔

(۷) حضرت حسن بصری کی کنیت ابوالحسن اور ابوسعید ہیں' آپ کے والد کا نام یسار ہے' حضرت عمر کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے' حضرت عمر نے آپ کو تحنیک (پہلی گڑتی) دی' آپ کی والدہ حضرت اُمِ سلمہ اُم المؤمنین کی خدمت کرتی تھیں' جب کبھی آپ کی والدہ کام میں زیادہ مصروف ہو جاتیں اور آپ رونے لگتے تو حضرت اُمِ سلمہ اپنا پستان آپ کے منہ میں دے دیتی تھیں' آپ چوستے رہتے' اگرچہ ان میں دودھ نہیں ہوتا تھا' لیکن ان پستانوں کی برکت آپ کو یہ پہنچی کہ آپ علومِ دین میں وقت کے امام و استاذ بن گئے اور حق یہ ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شرف ملاقات حاصل کیا' ان سے خوب فیوض و برکات بھی حاصل کیے اور آپ حضرت علی کے راہِ سلوک و طریقت میں خلیفہ قرار پائے' چنانچہ طریقت کے تین سلسلے قادریہ' چشتیہ' سہروردیہ آپ سے چلتے ہیں' آپ اپنے وقت میں تمام علوم و فنون' عبادت' زہد اور تقویٰ میں امام تھے' آپ ایک سو دس ہجری (۱۱۰ھ) میں وفات پا گئے۔

(۸) حضرت عمرو بن دینار مکی جمحی ثقہ راوی ہیں' امام ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات تابعین میں کیا ہے' آپ کی کنیت ابومحمد ہے' آپ حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر' حضرت ابن زبیر اور حضرت جابر بن عبداللہ سے روایات لیتے ہیں اور آپ سے ایوب' ابن جریج اور امام ثوری نے روایات لی ہیں' آپ سن چھیالیس (۴۶) ہجری میں پیدا ہوئے اور اسّی سال کی عمر میں سن ایک سو چھبیس (۱۲۶ھ) میں وفات پا گئے۔

(۹) حضرت ابوالزبیر محمد بن مسلم مکی اسدی صدوق (بہت سچ بولنے والے) راوی ہیں' چوتھے طبقہ سے ہیں' البتہ تدلیس کرتے تھے' امام ابن حبان نے ان کا ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے' اس لیے مکہ مکرمہ کے بڑے صدوق تابعی ہیں' آپ نے حضرت جابر بن عبداللہ' حضرت عائشہ' حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر سے احادیث کا سماع کیا ہے' آپ حافظ الحدیث اور ثقہ راوی ہیں اور سن ایک سو اٹھائیس (۱۲۸ھ) میں وفات پا گئے۔

(۱۰) امام اعظم کے اساتذہ میں تین عطاء کا ذکر ہے' ایک حضرت عطاء بن ابی رباح ہیں' جن کی کنیت ابومحمد ہے' آپ مکہ معظمہ کے بہت بڑے فقیہ تھے' آپ ہاتھ پاؤں اور ایک آنکھ سے معذور ہونے کے باوجود قرآن و سنت کے علوم کے خزانہ تھے' امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: علم کا خزانہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے عطاء فرما دے' اگر علم نسب سے ملتا ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی

اس کی سب سے زیادہ مستحق ہوتیں' دیکھو حضرت عطاء بن ابی رباح حبشی تھے' مگر انہیں علم کے خزانے ملے۔
دوسرے حضرت عطاء بن یسار ہلال مدنی ہیں' ان کی کنیت بھی ابومحمد ہے' آپ فاضل و ثقہ راوی ہیں' تیسرے طبقہ سے ہیں اور آپ مشاہیر علماء کبار اور اکابر تابعین میں سے ہیں' ابن معین' ابوزرعہ اور نسائی وغیرہم نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ علامہ زرقانی نے کہا کہ حضرت عطاء' حضرت سلیمان' حضرت عبداللہ اور حضرت عبدالملک کے بھائی ہیں اور یہ چاروں حضرات اُم المؤمنین حضرت میمونہ کے مکاتب غلام تھے اور ان سب نے آپ سے بھی علمِ دین حاصل کیا ہے' مگر حضرت عطاء نے سب سے زیادہ احادیث کا علم حاصل کیا اور یہ تمام بھائی ثقہ ہیں۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ حضرت عطاء بن یسار ہلالی مدینہ منورہ کے مشہور تابعین میں سے ہیں اور کثیر الروایۃ ہیں' خصوصاً حضرت ابن عباس سے اور آپ حضرت ابن عباس' حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ سے روایات لیتے ہیں' آپ سے امام ابوحنیفہ' حضرت زید بن اسلم' حضرت عمرو بن دینار اور حضرت عمرو بن عطاء نے روایات بیان کی ہیں' آپ چوراسی سال عمر گزار کر ۹۷ھ میں وفات پا گئے۔
تیسرے حضرت ابومحمد عطاء بن سائب ثقفی کوفی ہیں' صدوق ہیں' امام مسلم اور اصحابِ سنن اربعہ نے آپ سے احادیث رقم کی ہیں' حضرت عطاء بن سائب ثقفی تابعی اور ثقہ راوی ہیں' البتہ عمر کے آخری حصہ میں ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔ امام ابن حبان نے آپ کا ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے۔ آپ ۱۳۶ھ میں وفات پا گئے۔

(۱۱) حضرت قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری ثقہ راوی ہیں' کنیت ابوالخطاب ہے' نابینا پیدا ہوئے' چوتھے طبقہ سے ہیں' امام ابن حبان نے ثقات تابعین میں ان کا ذکر کیا ہے۔ حضرت بکر بن عبداللہ المزنی نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ القرآن والحدیث عالم کو دیکھنا چاہے وہ حضرت قتادہ بصری کو دیکھ لے۔ حضرت قتادہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میرے دونوں کان جو کچھ سنتے ہیں' اسے میرا دل محفوظ کر لیتا ہے اور فرمایا کہ کوئی قول بغیر عمل کے قبول نہیں ہوتا اور جو شخص اچھے اور نیک عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قول کو بھی قبول فرما لیتا ہے۔ حضرت قتادہ نے حضرت انس بن مالک انصاری' حضرت عبداللہ بن سرجس اور حضرت سعید بن مسیّب وغیرہم سے روایات بیان کی ہیں اور آپ سے امام ابوحنیفہ' حضرت ایوب سختیانی' حضرت شعبہ' حضرت ابوعوانہ وغیرہم نے روایات لی ہیں' آپ ایک سو سات ہجری (۱۰۷ھ) میں وفات پا گئے۔

(۱۲) حضرت ابراہیم نخعی بن یزید بن قیس بن اسود کوفی ہیں' آپ بڑے فقیہ اور ثقہ راوی ہیں' البتہ ارسال کیا کرتے تھے۔ آپ اہل کوفہ کے مفتی اور فقیہ تھے' آپ بہت نیک اور زاہد بزرگ تھے۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی جلیل القدر تابعی تھے' دوسری جگہ کہا کہ آپ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ امام ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات تابعین میں کیا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہما سے حدیث کا سماع کیا ہے۔ حضرت اعمش نے فرمایا ہے کہ آپ حدیث کی روایت کرنے میں سب سے بہترین عالم تھے' آپ سن پچاس (۵۰ھ) ہجری میں پیدا ہوئے اور سن چھیانویں ہجری (۹۶ھ) میں فوت ہوئے۔

(۱۳) حضرت ابوعامر عامر بن شرحبیل الشعبی مشہور و معروف فقیہ' فاضل اور ثقہ راوی ہیں۔ حضرت مکحول نے کہا: میں نے امام شعبی سے بڑا فقیہ کہیں نہیں دیکھا۔ حضرت ابن عیینہ نے کہا ہے کہ صحابہ کرام کے بعد حضرت عامر شعبی اپنے زمانہ کے تمام لوگوں میں بڑے فقیہ تھے۔ ابن حبان نے ثقات تابعین میں ان کا ذکر کیا ہے۔ حضرت شعبی نے ایک سو پانچ صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے۔ امام زہری نے کہا: چار علماء دین سب سے کامل ہوئے ہیں: حضرت سعید بن مسیّب مدینہ منورہ میں' حضرت عامر شعبی

کوفہ میں' حضرت حسن بصری بصرہ میں' حضرت مکحول شام میں' حضرت عامر شعبی سن بیس ہجری (۲۰ ھ) میں پیدا ہوئے اور اسّی سال سے زیادہ عمر گزار کر ایک سو پانچ ہجری (۱۰۵ ھ) میں وصال فرما گئے۔

(۱۴) حضرت ابوعبداللہ نافع مدنی حضرت عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں اور مشہور و معروف فقیہ اور ثقہ راوی ہیں۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ آپ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ ابن حبان نے آپ کا ذکر ثقات تابعین میں کیا ہے۔ آپ نے حضرت ابن عمر' حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت ابوہریرہ' حضرت اُم سلمہ' حضرت رافع بن خدیج اور ایک گروہ سے روایات لی ہیں' آپ سے آپ کے بیٹے عبداللہ' ابوبکر' عمر اور امام زہری' امام ابوحنیفہ' امام مالک' موسیٰ بن عقبہ' لیث' امام اوزاعی' ایوب اور ابن جریج وغیرہم نے روایات لی ہیں اور آپ سن ایک سو سترہ ہجری (۱۱۷ ھ) میں وفات پا گئے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۲۲- كِتَابُ فَضْلِ اُمَّتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے فضائل

۳۸۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَدْعُوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ يَّسْجُدُوْا سَجَدَتْ اُمَّتِىْ مَرَّتَيْنِ قَبْلَ الْاُمَمِ طَوِيْلًا قَالَ فَيُقَالُ اِرْفَعُوْا رُؤُوْسَكُمْ فَقَدْ جَعَلْتُ عَدُوَّكُمُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى فِدَائَكُمْ مِّنَ النَّارِ. مسلم (۷۰۱۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن قائم ہوگا تو اس دن تمام لوگوں کو سجدہ کرنے کے لیے بلایا جائے گا' سو کفار سجدہ نہیں کر سکیں گے جبکہ میری اُمت دیگر تمام اُمتوں سے پہلے دو مرتبہ طویل اور لمبے سجدے کرے گی' آپ نے فرمایا کہ پھر ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنے سروں کو اُٹھا لو کیونکہ میں نے تمہارے دشمن یہود و نصاریٰ کو دوزخ کی آگ کے لیے تمہارا فدیہ مقرر کر دیا ہے۔

۳۸۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُعْطٰى كُلُّ رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ رَجُلًا مِّنَ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى فَيُقَالُ هٰذَا فِدَائُكَ مِنَ النَّارِ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن قائم ہوگا تو ہر مسلمان کو یہود و نصاریٰ میں سے ایک ایک آدمی عطاء کیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا کہ یہ آدمی دوزخ کی آگ سے نجات کے لیے تمہارا فدیہ ہے۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْطَى اللّٰهُ تَعَالٰى كُلَّ رَجُلٍ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ رَجُلًا مِّنَ الْكُفَّارِ فَيُقَالُ هٰذَا فِدَائُكَ مِنَ النَّارِ.

اور ایک روایت میں ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس اُمت مسلمہ کے ہر مسلمان آدمی کو کفار میں سے ایک ایک آدمی عطاء فرمائے گا اور اسے کہا جائے گا: یہ کافر دوزخ سے نجات کے لیے تمہارا فدیہ ہے۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ اذا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ دُفِعَ اِلٰى كُلِّ رَجُلٍ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فَقِيْلَ لَهٗ هٰذَا فِدَاؤُكَ مِنَ النَّارِ.

اور ایک روایت میں ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اس اُمت مسلمہ کے ہر آدمی کو اہل کتاب میں سے ایک آدمی دیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا: یہ آدمی دوزخ کی آگ سے نجات کے لیے تمہارا فدیہ ہے۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ اُمَّةٌ مَّرْحُوْمَةٌ عَذَابُهَا بِاَيْدِيْهَا. مسلم (۷۰۱۱)

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ اُمت مرحومہ (رحمت شدہ) اُمت ہے' اس کا عذاب اسی کے ہاتھوں ہوگا۔

حل لغات

''يَدْعُوْنَ'' صیغہ جمع مذکر غائب' فعل مضارع مجہول مثبت' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: دعوت دینا' بلانا' پکارنا۔ ''عَدُوٌّ'' کا معنی ہے: دشمن' مخالف۔ ''فِدَآءٌ'' اس کا معنی ہے: فدیہ دینا' بدلہ دینا' معاوضہ دینا۔

اس اُمتِ مرحومہ کی مزید شان

پہلی حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب قیامت کا دن قائم ہوگا تو اللہ تعالیٰ حجاب اور پردے کو ہٹا دے گا اور تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کرنے کے لیے بلایا جائے گا' سو کفار اس دن اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہیں کر سکیں گے' البتہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت تمام اُمتوں سے پہلے دو طویل اور دراز سجدے کرے گی جیسا کہ ان کے مذہب میں نماز کے اندر دو سجدے لازم و واجب تھے اور اس اُمت مسلمہ کے دو سجدے کرنے کی وجہ اور حکمت یہ ہوگی کہ ایک سجدہ تعمیل حکم کے عوض میں اور دوسرا سجدۂ شکر ادا کرنے کے عوض میں ہوگا اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی اُمتوں سے پہلے یہ اُمت سجدہ کرے گی' اس لیے حدیث میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نحن الآخرون السابقون'' ہم دنیا میں تشریف لانے میں سب کے آخر ہیں لیکن درجات اور اعمالِ صالحہ میں ہم سب سے آگے ہیں اور طویل و دراز سجدوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد و ثناء خوب بڑھ چڑھ کر بیان کی جائے گی' پھر انہیں کہا جائے گا کہ تم اپنے سروں کو اُٹھا لو کیونکہ بلاشک و شبہ اہل کتاب میں سے کفار یہود و نصاریٰ کو تمہارا فدیہ مقرر کر دیا ہے' یعنی تمہیں دوزخ کے عذاب سے نجات دے کر تمہاری جگہ یہود و نصاریٰ کو تمہارا فدیہ مقرر کر دیا گیا ہے' پس اہل کتاب کے کفار کو دگنا عذاب دیا جائے گا اور دوسری حدیث کی ایک روایت میں یہ ہے کہ بے شک یہ اُمت' اُمتِ مرحومہ ہے' اس کو عذاب اسی کے ہاتھوں ہوگا' چنانچہ امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ سجدہ میں جا کر تین دعائیں مانگیں' سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دو دعائیں قبول فرما لیں اور ایک دعا سے آپ کو روک دیا' چنانچہ آپ نے (ایک دعا یہ مانگی) اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ آپ کی اُمت پر کسی غیر مسلم دشمن کو مسلط کر کے انہیں مغلوب و مقہور نہ کرے' سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ درخواست قبول فرما لی اور دوسری درخواست یہ کی کہ آپ کی اُمت کو قحط سالی اور خشک سالی کے ذریعے ہلاک نہ کیا جائے' سو اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست بھی قبول فرما لی اور تیسری درخواست آپ نے یہ پیش کی کہ میری اُمت آپس کے باہمی جنگ و جدال اور قتل و غارت کے ذریعے ایک دوسرے کو ہلاک نہ کریں' سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع فرما دیا۔

[ماخوذ از شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۲۸۲-۲۸۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

۱- بَابٌ فِىْ اَنْ يَّكُوْنَ ثُلُثَا اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنْ اُمَّتِهٖ

دو تہائی جنتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت سے ہوں گے

۳۹۰- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز اپنے صحابہ سے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کا

يَوْمًا لِأَصْحَابِهِ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُوْنُوْا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ أَبْشِرُوْا فَإِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةُ صَفٍّ أُمَّتِيْ مِنْ ذٰلِكَ ثَمَانُوْنَ صَفًّا.

چوتھائی حصہ بنو؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ بنو؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کا نصف حصہ بنو؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! سو آپ نے فرمایا: تمہیں بشارت ہو کیونکہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی' ان میں سے میری اُمت کی اسّی (۸۰) صفیں ہوں گی۔

بخاری(٦٦٤٢) مسلم(٥٣٠) ترمذی(٢٥٤٧-٢٥٤٧) ابن ماجہ(٤٢٨٣-٤٢٨٩) ابن حبان(٧٤٥٨-٧٤٥٩)

حل لغات

"أَتَرْضَوْنَ" اس میں ہمزہ استفہام کا ہے اور "تَرْضَوْنَ" صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل مضارع معروف مثبت' باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: خوش ہونا' راضی ہونا۔ "رُبُعٌ" کا معنی ہے: چوتھائی۔ "ثُلُثٌ" کا معنی ہے: تہائی۔ "نِصْفٌ" کا معنی ہے: آدھا۔

آپ ﷺ کی اُمت کی عظمت

امام ترمذی نے محارب بن دثار کے طریق از بریدہ از ابیہ ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے' جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی' ان میں سے اسّی صفیں اس اُمت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی تمام اُمتوں کی ہوں گی۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ علامہ ملاعلی قاری نے کہا ہے کہ امام احمد' امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: تم کیسے خوش نصیب مسلمان ہو کہ اہل جنت میں سے ایک چوتھائی جنتی تم ہی ہوگے اور باقی تمام (اُمتوں کے) لوگ تین چوتھائی ہوں گے' تم کیسے خوش نصیب ہو کہ ایک تہائی جنتی تم ہی ہوگے' تم کیسے خوش نصیب ہو کہ نصف جنتی تم ہوگے' تم کیسے خوش نصیب ہو کہ قیامت کے دن اہل جنت کی ایک سو بیس (۱۲۰) صفیں ہوں گی' جن میں سے اسّی (۸۰) صفیں تمہاری ہوں گی۔

امام ابن ابی حاتم اور امام طبرانی نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میری اُمت کی تین تہائیاں ہوں گی' چنانچہ میری اُمت کی ایک تہائی بغیر حساب وعذاب کے جنت میں داخل ہوگی اور ایک تہائی اُمت سے بالکل آسان حساب لیا جائے گا' پھر وہ بھی جنت میں داخل ہو جائے گی اور ایک تہائی کو امتحان وآزمائش میں ڈالا جائے گا اور ان کا کھرا پن ظاہر کیا جائے گا' پھر فرشتے حاضر ہوں گے اور وہ گواہی دیں گے کہ ہم نے ان کو "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" کہتے ہوئے پایا ہے' سو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے ان بندوں نے سچ کہا ہے' میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' پس ان کو اس کلمہ پڑھنے کی برکت سے جنت میں لے جاؤ۔ [تنسیق النظام ص ۱۹۰' حاشیہ: ۳]

۲- بَابٌ كَيْفَ يَكُوْنُ فَنَاءُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ

یہ اُمت کس طرح فناء ہوگی؟

۳۹۱- أَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُمَّتِيْ أُمَّةٌ مَرْحُوْمَةٌ عَذَابُهَا بِأَيْدِيْهَا فِي الدُّنْيَا. وَزَادَ فِيْ

حضرت ابو بردہ (اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے) بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میری اُمت (آخرت میں) اُمت مرحومہ ہوگی' اس کو دنیا میں اسی کے

رِوَايَةٍ بِالْقَتْلِ. ابوداؤد(٤٢٧٨)

ہاتھوں سزا دی جائے گی اور ایک روایت میں بالقتل زیادہ روایت کیا گیا ہے (یعنی میری اُمت کو دنیا میں باہمی قتل وغارت اور کشت وخون کے ذریعہ سزا دی جائے گی)۔

۳۹۲- أَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ زِيَادٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ فَنَاءُ أُمَّتِيْ بِالطَّعْنِ وَالطَّاعُوْنِ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ الطَّعْنُ عَرَفْنَاهُ فَمَا الطَّاعُوْنُ قَالَ وَخْزُ أَعْدَائِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَفِيْ كُلٍّ شَهَادَةٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَفِيْ كُلٍّ شُهَدَاءُ.

مسند احمد(٢٥٥٣٢-٢٥٦٣١-٢٦٧١٢)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اُمت کی ہلاکت طعن (باہمی نیزہ زنی) اور طاعون کے ذریعہ ہوگی' سو آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! بے شک ہم طعن کا معنی تو جانتے ہیں لیکن طاعون کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے دشمن جنات کا نیزے مارنا ہے اور ہر صورت میں شہادت کا درجہ ملے گا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ہر صورت میں شہداء کا درجہ نصیب ہوگا۔

۳۹۳- أَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَنَاءُ أُمَّتِيْ بِالطَّعْنِ وَالطَّاعُوْنِ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذَا الطَّعْنُ قَدْ عَلِمْنَاهُ فَمَا الطَّاعُوْنُ قَالَ وَخْزُ أَعْدَائِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَفِيْ كُلٍّ شَهَادَةٌ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری اُمت کی ہلاکت طعن اور طاعون کے ذریعہ ہوگی' سو آپ سے عرض کیا گیا: یارسول اللہ! ہم طعن کا معنی تو جانتے ہیں' لیکن طاعون کیا وباء ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارے دشمن جنات کا تمہیں نیزے مارنا ہے اور ہر صورت میں شہادت کا درجہ ملے گا۔

حل لغات

"بِأَيْدِيْهَا" اس کے شروع میں حرف باء جار ہے اور آخر میں ھاء ضمیر ہے' جبکہ "أَيْدِيْ"' "يَدٌ" کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: ہاتھ۔ "اَلطَّعْنُ" نیزہ بازی' نیزہ مارنا' نیزہ چبھونا۔ "وَخْزٌ" اس کا معنی ہے: نیزے سے وار کرنا۔ "فِيْ كُلٍّ" خبر مقدم ہے اور "شَهَادَةٌ" مبتداء مؤخر ہے۔

باہمی قتل وغارت کی نحوست

اس باب کی پہلی حدیث کے متعلق علامہ ملاعلی قاری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو ابوداؤد اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور امام حاکم اور طبرانی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ

امتی ھذہ امۃ مرحومۃ لیس علیھا عذاب فی الاخرۃ' انما عذابھا فی الدنیا الفتن والزلازل والقتل والبلایا۔ [شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۲۸۲-۲۸۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

میری یہ اُمت مرحومہ اُمت ہے (یعنی رحمت یافتہ اُمت) آخرت میں اس کو عذاب نہیں ہوگا' البتہ دنیا میں اس کو فتنوں' زلزلوں' باہمی قتل وغارت' کشت وخون اور آفتوں' مصیبتوں کے ذریعے عذاب دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے احکام سے سرتابی کر کے انسان امن وعافیت کی زندگی بسر نہیں کر سکتا' کبھی اوپر سے بجلی کڑک رہی ہے۔ موسلا دھار بارشیں سیلاب کی صورت اختیار کر کے قیامت ڈھا رہی ہیں۔ توپیں آگ اُگل رہی ہیں' بلند پرواز طیارے اور راکٹ' بم اور ایٹم برسا رہے ہیں' کبھی نیچے سے بارودی سرنگیں پھٹ رہی ہیں۔ آبدوز کشتیاں سمندر کی گہرائیوں سے اُبھر کر بھاری بھر

کم جہازوں کو اُڑا رہی ہیں' کہیں زلزلے آباد شہروں کو کھنڈرات میں بدل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سخت تر عذاب یہ ہے کہ آپس میں انتشار اور بے اتفاقی کی وبا پھوٹ پڑتی ہے۔ ایک قوم کے فرزند' ایک ملت کے افراد مختلف ٹولیوں اور فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ کہیں مذہب وجہ فساد بن جاتا ہے اور کہیں سیاست باعث انتشار ہے' اپنوں کی عزت کو اپنے ہاتھوں خاک میں ملا دینا بڑا کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔ اوروں کو رہنے دیجئے' اپنے گھر کا حال دیکھئے جب سے ہم نے صراطِ مستقیم سے انحراف کیا ہے' ہم کن پستیوں میں دھکیل دیئے گئے ہیں۔ ایک خدا' ایک رسول' ایک کتاب اور ایک کعبہ پر ایمان رکھنے والے کس نفاق اور انتشار کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال زار پر رحم فرمائے۔ آمین بجاہ طٰہٰ ویٰس علیہ الصلوٰۃ والسلام! [تفسیر ضیاء القرآن ج ۱ ص ۵۷۶' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۲۳-كِتَابُ الْاَطْعِمَةِ وَالْاَشْرِبَةِ وَالضُّحَايَا وَالصَّيْدِ وَالذَّبَائِح

کھانے پینے کی چیزوں' قربانیوں' شکار اور ذبیحوں کا بیان

۳۹۴- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُّحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ كُلِّ ذِىْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر کچلی دار شکاری درندے (کا گوشت کھانے) سے منع فرمادیا ہے۔

بخاری (۵۵۳۰) مسلم (۴۹۹۴) ابوداؤد (۳۸۰۵) ترمذی (۱۴۷۸) نسائی (۴۳۳۰) ابن ماجہ (۳۲۳۴) ابن حبان (۵۲۷۹)

۳۹۵- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُّحَارِبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ اَكْلِ كُلِّ ذِىْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے دن پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا۔

ابن حبان (۵۲۸۰) سنن دارمی (ج ۲ ص ۸۵)

حل لغات

''نَابٌ'' جو دانت رباعی کے متصل اوپر اور نیچے ہوتے ہیں' انہیں ''اَنْيَابٌ'' کہا جاتا ہے' اس کا واحد ''ناب'' ہے' اس کا معنی ہے: کچلی والا دانت' کیونکہ یہ دانت نوکیلے اور قدرے دراز ہوتے ہیں۔ ''مِخْلَبٌ'' کا معنی ہے: درندوں اور پرندوں کی انگلیوں کے ناخن کا کونہ اور طرف' لیکن اس سے پرندوں کے پنجے مراد ہیں' جن سے وہ شکار کرتے ہیں۔

حرام جانوروں کی نشاندہی

اس باب کی پہلی حدیث کے اعتبار سے ہر کچلی والا درندہ حرام ہے' جیسے شیر' چیتا' بھیڑیا' ریچھ' ہاتھی' بندر وغیرہ اور بجو اور لومڑی بھی اس عمومی حکم میں شامل ہیں' اس لیے یہ دونوں ہمارے نزدیک جائز نہیں ہیں۔ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو کتب ستہ (بخاری' مسلم' سنن ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ' نسائی) کے اصحاب نے بعینہٖ حضرت ابوثعلبہ سے روایت کیا ہے۔

ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گھوڑے' خچر اور گدھے اور ہر کچلی والے درندے کے گوشت کھانے سے منع فرمادیا ہے اور امام ابوحنیفہ نے بھی یہی فرمایا' البتہ قاضی

ابویوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی نے فرمایا: گھوڑے کے گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ امام بخاری نے غزوۂ خیبر میں اور امام مسلم نے کتاب الذبائح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے دن گھریلو پالتو گدھے کے گوشت سے منع فرمایا ہے اور گھوڑے کے گوشت میں اجازت دی ہے۔

(شرح مسند امام اعظم ص ۲۷۰' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

اس کا جواب یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے اس حدیث اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی بناء پر گھوڑے کے گوشت کو مکروہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ط وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ O (النحل:۸)

اور (اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے) گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زیب و زینت اور سجاوٹ ہیں' اور وہ ایسی چیزیں پیدا کرتا رہے گا جنہیں تم ابھی نہیں جانتے O

اور یہ گھوڑے جہاد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں' سو ان کے ذبح کرنے کی اجازت دینا' اس عظیم و اہم ترین کام کے لیے مضر اور نقصان دِہ ہے اور حدیث اذن میں تاویل کا احتمال ہے کیونکہ اجازت و جواز حرمت کے مقابل میں ہوسکتا ہے یعنی گھوڑے کا گوشت جائز ہے حرام نہیں' جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک مذکورہ بالا وجوہ پر گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے' نیز جب محرم اور مبیح جمع ہو جائے تو محرم کو غالب اور قابل ترجیح قرار دیا جاتا ہے' لہٰذا امام اعظم نے احوط کو اختیار کیا ہے' سو اس لیے ان پر نصوصِ صریحہ کی مخالفت کا الزام اور طعن جائز نہیں' اور اس کی دوسری حدیث کے تحت علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد' مسلم' ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچلی سے شکار کرنے والے ہر درندے کے کھانے سے اور پنجے سے شکار کرنے والے ہر پرندے کے کھانے سے منع فرمادیا جیسے باز' شاہین' شکرا' گدھ' چیل وغیرہ جو بھی پنجے سے شکار کرنے والے پرندے ہیں' وہ سب اس ممانعت کی وجہ سے حرام ہیں۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۲۷۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

۱- بَابُ النَّهْيِ عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ

گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے کی ممانعت

۳۹۶- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ اِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھریلو پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا ہے۔

بخاری (۴۲۱۹) مسلم (۵۰۲۲) ابوداؤد (۳۷۸۸) نسائی (۴۳۴۱) ابن ماجہ (۳۱۹۱) ابن حبان (۵۲۷۳) مسند احمد (۱۴۹۵۱)

حل لغات

''اَلْحُمُرُ الْاَهْلِيَّةِ'' اس کا معنی ہے: گھر کے پالتو گدھے۔ دراصل ''اَلْاَهْلِيَّةِ'' کے لفظ کی قید کی وجہ ''اَلْوَحْشِيَّةُ'' سے احتراز ہے کیونکہ جنگلی گدھوں کو الحمر الوحشیۃ کہا جاتا ہے اور فارسی میں انہیں گورخر کہا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے سال گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے اور عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمادیا۔ علامہ ملا علی قاری اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ گھریلو گدھوں کا گوشت اکثر اہل علم کے نزدیک حرام ہے اور علامہ ابن عبدالبر نے اس کے حرام ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

حافظ عبدالعظیم المنذری نے یہ افادہ فرمایا ہے کہ گھریلو گدھوں کی تحریم دومرتبہ منسوخ ہوئی ہے اور قبلہ دومرتبہ منسوخ ہوا' نیز متعہ کا نکاح دومرتبہ منسوخ ہوا ہے اور احادیث میں ''الاھلیۃ'' کی قید ''الوحشیۃ'' سے احتراز ہے کیونکہ اھلی یعنی گھریلو پالتو گدھے حرام ہیں' لیکن وحشی گدھے یعنی جنگلی گدھے کا گوشت حلال ہے۔ (شرح مسند امام اعظم) صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حمار وحشی (گورخر) یعنی جنگلی گدھا دیکھا' اس کا شکار کیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اس کے گوشت کا کچھ حصہ ہے' عرض کی: جی ہاں! اس کی ران ہے' اس کو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمالیا اور کھایا۔

[بہارِ شریعت' حصہ پانزدہم (۱۵)' ص ۱۲۵' مطبوعہ شیخ غلام علی' کشمیری بازار لاہور]

۲- بَابُ النَّهْيِ عَنْ خِشَاشِ الْأَرْضِ — زمین کے کیڑے مکوڑے کی حرمت کا بیان

۳۹۷- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نُهِيْنَا عَنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ. ابوداؤد (۳۷۹۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمیں زمین کے کیڑے مکوڑے کھانے سے منع کر دیا گیا ہے۔

حل لغات

''نُهِيْنَا'' صیغہ جمع متکلم' فعل ماضی مجہول' باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: منع کرنا' روکنا۔ ''خِشَاشٌ'' اس کا معنی ہے: کیڑے مکوڑے' چھوٹے چھوٹے جانور۔

عبداللہ بن سباء کا فتنہ

کتاب المغنی میں کہا ہے کہ غالی شیعوں کا ایک گروہ عبداللہ بن سباء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور عبداللہ بن سباء مقام صنعاء کا یہودی تھا' پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ شخص اسلام لے آیا اور بہ ظاہر مسلمان بن گیا اور یہ وہی شخص ہے جس نے اہل مصر کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر اُبھارا اور انہیں آپ کے قتل پر برانگیختہ کیا اور انہیں اُکسایا اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت وعقیدت کا اظہار کیا اور یہ شخص بہ ظاہر اسلام کا دعویٰ کرتا تھا لیکن باطن میں خبیث تھا اور اس کی غرض مسلمانوں میں فساد ڈالنا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ نے اپنی مسند میں کتاب الفتن میں اس کی سخت تکلیف دِہ گفتگو کے بارے میں ذکر کیا ہے' ممکن ہے' یہ بدبخت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صحابہ کرام پر تفضیل یا الوہیت علی کے متعلق بکواس کرتا ہو۔

علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ فرقہ سبائیہ غالی شیعوں کا پہلا فرقہ ہے جو عبداللہ بن سباء کے شاگردوں' ساتھیوں اور ہم عقیدہ لوگوں کا ہے' یہ کہتے تھے کہ حضرت علی معبود حقیقی ہیں' وہ شہید نہیں ہوئے' بلکہ ابن ملجم نے ایک شیطان کو مارا ہے جو آپ کی شکل اختیار کر گیا تھا (نعوذ باللہ) بھلا شیطان لعین آپ کی شکل میں کیسے منتقل ہو سکتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علی ابر میں پوشیدہ ہیں اور یہ بجلی کا کڑکنا آپ کی آواز ہے اور بجلی آپ کا کوڑا ہے۔ اسی لیے جب یہ لوگ بادل کی گرج سنتے ہیں تو کہتے ہیں: ''الصلوٰۃ والسلام علیك یا امیر المؤمنین'' ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ آپ ایک مدت کے بعد نزول فرمائیں اور اپنے دشمنوں کو زیر و زبر کر ڈالیں گے' ان لوگوں کے کلمات باہم ایک دوسرے کا رد کرتے ہیں' نیز لایعنی اور بے ہودہ ہیں' اس لیے کہ ابر کی سخت کڑک اور بجلی گرا کر جب آپ ایک عالَم کو مار سکتے ہیں تو اپنے دشمنوں کے بارے میں یہ ڈھیل کیوں اور یہ انتظار کس کا؟

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۴' دارالاشاعت' کراچی)

حشرات الارض کے حرمت کی حکمتیں

امام ابوداؤد نے حشرات الارض کے کھانے کی ممانعت کے بیان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث تخریج کی ہے کہ نبی

کریم ﷺ کے پاس خارپشت (یعنی سیہ' بلی کے برابر ایک خاردار جانور جس کے جسم پر تکلے کی طرح کانٹے ہوتے ہیں اور خطرہ کے وقت ان کو پھیلا کر ان میں چھپ جاتا ہے) کا حکم پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ ناپاک چیزوں میں سے ایک ناپاک چیز ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ. (الاعراف:۱۵۷)

اور آپ (نبی کریم) ان کے لیے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں اور خبیث وناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔

سو مذکورہ بالا حدیث اور قرآن مجید کی آیت سے معلوم ہو گیا کہ حرمت کی علت اور وجہ خباثت وناپاکی ہے اور یہ علت تمام حشرات الارض میں پائی جاتی ہے' اس لیے تمام زمینی کیڑے مکوڑے حرام ہیں' جیسے چوہا' گرگٹ' چھپکلی' سانپ' بچھو' مچھر' پسو' کھٹمل' مکھی' چچڑی' مینڈک' نیولا گوہ اور کوا وغیرہ۔ (تنبیہ) دراصل گوشت یا جو غذا کھائی جاتی ہے وہ جزو بدن ہو جاتی ہے اور اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور چونکہ بعض جانوروں میں مذموم صفات پائی جاتی ہیں' اُن جانوروں کے کھانے میں اندیشہ ہے کہ انسان بھی ان بُری صفات کے ساتھ متصف ہو جائے' اس لیے ان جانوروں کو حرام قرار دے کر انسان کو کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

۳- بَابُ النَّهْيِ عَنْ قَتْلِ ضِفْدَعٍ — مینڈک کو مارنے کی ممانعت

۳۹۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ ضِفْدَعًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ مُّحْرِمًا كَانَ اَوْ حَلَالًا. ابن ماجہ (۳۲۲۳)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مینڈک کو قتل کر دے تو اس پر ایک بکری واجب ہے خواہ وہ محرم ہو یا حلال ہو۔

حل لغات

''قَتَلَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے اس کا معنی ہے: قتل کرنا' مار ڈالنا۔ ''ضِفْدَعٌ'' اس کا معنی ہے: مینڈک۔ ''شَاةٌ'' کا معنی ہے: بکری۔ ''مُحْرِمٌ'' احرام باندھنے والا۔

مینڈک کے حرام ہونے کی علت

یہ حدیث بعینہٖ کامل ابن عدی میں حضرت عبدالرحمٰن بن سعد بن عثمان بن سعد القرظی مؤذن رسول اللہ ﷺ کے ترجمہ کے تحت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مرفوع بیان کی گئی ہے۔ حضرت سفیان نے فرمایا کہ کہا جاتا ہے کہ حیوانات میں مینڈک سے بڑھ کر کوئی اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی تسبیح بیان نہیں کرتا بلکہ مینڈک سب سے زیادہ کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہے۔ حضرت حماد بن عبید کے ترجمہ کے تحت کامل ابن عدی میں ہے کہ حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ مینڈک پر اللہ تعالیٰ کا اس قدر خوف و ڈر طاری ہوا کہ اس نے اپنے آپ کو آگ میں گرا لیا' سو اللہ تعالیٰ کو اس پر رحم آ گیا اور تمام مینڈکوں کو اس کے بدلے میں آگ کی گرمی سے نکال کر پانی کی ٹھنڈک میں رکھ دیا اور اس کے ٹرٹرانے کی آواز کو تسبیح قرار دیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مینڈک کو قتل کرنے سے منع فرمادیا ہے۔

اور مسند ابوداؤد طیالسی' سنن ابوداؤد' سنن نسائی اور حاکم میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان التیمی نے نبی کریم ﷺ سے بیان کیا ہے کہ ایک طبیب نے کسی دوا میں مینڈک استعمال کرنے کی اجازت لینے کے لیے آپ سے سوال کیا تو آپ نے اسے مینڈک مارنے سے منع فرمادیا' سو ممانعت کی یہ احادیث اس بات پر دلالت ورہنمائی کرتی ہیں کہ مینڈک کا کھانا حرام ہے اور یہ پانی

کے ان جانوروں میں داخل نہیں ہے' جن کا کھانا مباح اور جائز ہے (جیسے مچھلی) اور مینڈک کو مارنے والے شخص نے احرام باندھ رکھا ہو یا عام حالت میں ہو' اس پر بکری کا واجب ہونا محض ڈرانے دھمکانے اور ڈانٹنے کے لیے ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ١٦٩-١٦٨' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

٤- بَابُ كَرَاهَةِ اَكْلِ الضَّبِّ

گوہ کھانا مکروہ ہے

٣٩٩- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهُ اُهْدِىَ لَهَا ضَبٌّ فَسَاَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَهَاهَا عَنْ اَكْلِهٖ فَجَآءَ سَائِلٌ فَاَمَرَتْ لَهٗ بِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُطْعِمِيْنَ مَالَا تَاْكُلِيْنَ.

ابوداؤد (٣٧٩٢) طحاوی (٦٢٢٢)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ انہیں ایک گوہ ہدیہ میں دی گئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے بارے پوچھا' سو آپ نے انہیں اس کے کھانے سے منع فرمایا اور اسی دوران ایک سائل آ گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ نے خادم کو حکم دیا کہ یہ گوہ اس سائل کو دے دو' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جو چیز خود نہیں کھاتیں وہ دوسروں کو کھلاتی ہو؟

حل لغات

''اُهْدِىَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی مجہول' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: ہدیہ دینا' گفٹ اور تحفہ دینا۔ ''ضَبٌّ'' ضاد معجمہ مفتوح اور باء مشدد ہے' اس کا معنی ہے: گوہ' جبکہ فارسی میں اسے سوسمار کہتے ہیں' یہ چھپکلی کی طرح کا ایک جانور ہے جو جسم میں چھپکلی سے زیادہ بڑا ہے جبکہ قد میں اس سے لمبا ہوتا ہے۔

گوہ کے متعلق چند انکشافات اور حرمت کے دلائل

علامہ کمال الدین دمیری لکھتے ہیں:

گوہ جنگل کا ایک مشہور جانور ہے' یہ کبھی پانی کے گھاٹ پر نہیں جاتی' اہلِ عرب کا محاورہ ہے کہ میں اس کام کو اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک کہ گوہ پانی پر نہ چلی جائے۔ ابن خالد نے یہ لکھا ہے کہ گوہ پانی نہیں پیتی اور سات سو یا اس سے زیادہ سال تک زندہ رہتی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ چالیس دن کے بعد ایک قطرہ پیشاب کرتی ہے اور اس کے دانت نہیں گرتے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے دانت الگ الگ نہیں ہوتے بلکہ سالم ایک ٹکڑا ہوتا ہے' پانی کے اعتبار سے مچھلی اور گوہ بالکل متضاد ہوتی ہیں' گرگٹ' چھپکلی' سانپ کی چھتری اور گوہ سب کی شکل ملتی جلتی ہے۔ گوہ میں نر کے دو ذکر ہوتے ہیں اور مادہ کی دو فرجیں ہوتی ہیں' اس کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے اور اس لحاظ سے یہ سانپ کے مشابہ ہوتی ہے۔ [شرح صحیح مسلم ج ٦ ص ١١١' فرید بک سٹال' لاہور]

علامہ شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس ایک گوہ کا ہدیہ آیا' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے کھانے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے اس کو ناپسند فرمایا' پھر ایک سائل آیا' حضرت عائشہ صدیقہ نے چاہا کہ وہ گوہ اس سائل کو کھلا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم وہ چیز کھلا رہی ہو جس کو تم خود نہیں کھاتیں۔ (علامہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں:) ہم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ گوہ کا کھانا جائز نہیں ہے' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ گوہ کھانا حلال ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گوہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ ہماری قوم کا طعام نہیں ہے' اس وجہ سے میں اپنے دل میں اس سے کراہت پاتا ہوں' میں اس کو حلال کرتا ہوں نہ حرام کرتا ہوں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دسترخوان پر گوہ کو کھایا گیا اور کھانے والوں میں حضرت ابوبکر بھی تھے اور ہمارا اعتماد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر ہے' جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گوہ نہ کھانا اس کی حرمت کی بناء پر تھا' اس بناء پر نہیں کہ آپ اس کو ناپسند کرتے تھے۔ (علامہ سرخسی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جو روایت بیان کی ہے' اس میں حرمت کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ کراہت کے الفاظ ہیں' اللہ تعالیٰ علامہ سرخسی پر رحمت فرمائے' یہاں ان سے تسامح ہو گیا۔ سعیدی غفرلہ) کیا تم نہیں دیکھتے کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ کو گوہ صدقہ کرنے سے منع فرمایا اور اگر کھانے کی کراہت حرمت کی وجہ سے نہ ہوتی تو آپ اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیتے' جیسا کہ آپ نے انصاری کی بکری کو صدقہ کرنے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اسے قیدیوں کو کھلا دو' اور جس حدیث میں اباحت کی دلیل ہے' وہ ثبوتِ حرمت سے پہلے کے واقعہ پر محمول ہے' نیز قاعدہ یہ ہے کہ جب دو دلیلیں متعارض ہوں' ایک حرمت کو واجب کرتی ہو اور دوسری اباحت کو تو حرمت والی دلیل کو ترجیح دینا واجب ہے۔ بعض متاخرین نے یہ کہا ہے کہ گوہ مسخ کیے جانے کی وجہ سے حرام ہے جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ بعض نافرمانی کرنے والے یہودیوں کو بندر' خنزیر اور گوہ بنا دیا گیا لیکن یہ روایت غیر مشہور ہے اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ جن کو مسخ کیا جاتا ہے' ان کی نسل آگے نہیں چلتی' پس یہ گوہ جو اب پائی جاتی ہے' یہ ان میں سے نہیں ہے اگرچہ اس کی جنس میں مسخ کیا گیا تھا لیکن یہ خبیث ہے' اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مکروہ قرار دیا اور گوہ کے حرام ہونے کی یہ وجہ بھی ہے کہ یہ خبیث ہے اور باقی حشرات الارض کی طرح طبیعت اس سے متنفر ہوتی ہے' لہٰذا یہ ''يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ'' سے حرام ہے۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن عبدالرحمٰن بن شبل ان رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نهى عن اكل الضب.

حضرت عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

ہر چند کہ صحیح بخاری' صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ایسی احادیث بہ کثرت ہیں' جن میں گوہ کھانے کے جواز کا پتا چلتا ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ یہ احادیث مقدم ہوں اور ممانعت کی حدیث مؤخر ہو اور یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ یہ بات کسی حدیث میں نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود گوہ کو تناول فرمایا بلکہ اس کے برعکس گوہ سے آپ کی کراہت و ناپسندیدگی اور نفرت کا ذکر بکثرت احادیث میں ہے' علاوہ ازیں اس کا حشرات الارض میں سے ہونا اور طبائع سلیمہ کے نزدیک اس کا قابل نفرت اور خبیث ہونا بھی بدیہی ہے۔ اس لیے دیگر حشرات الارض کی طرح اس کا مکروہ تحریمی ہونا ہی صحیح قول ہے۔

[شرح صحیح مسلم ج ٦ ص ١١٣-١١٢' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار' لاہور]

٥- بَابُ صَيْدِ الْكِلَابِ الْمُعَلَّمَةِ

سدھائے ہوئے کتوں کے شکار کا بیان

٤٠٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَبْعَثُ الْكِلَابَ الْمُعَلَّمَةَ فَنَاْكُلُ مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْنَا فَقَالَ اِذَا ذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا مَالَمْ يَشْرَكْهَا كَلْبٌ غَيْرُهَا قُلْتُ وَاِنْ قَتَلَ قَالَ وَاِنْ قَتَلَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا' سو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک ہم سدھائے ہوئے کتوں کو شکار پر چھوڑتے ہیں تو (کیا) ہم وہ شکار کھا لیا کریں جو وہ ہمارے لیے روک لیتے ہیں' آپ نے فرمایا: جب تم اس کو چھوڑتے وقت بسم اللہ' اللہ اکبر پڑھ لو اور کوئی دوسرا کتا' اس کے ساتھ شریک نہ ہو تو تب تم اسے کھا سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ

اَحَدُنَا یَرْمِیْ بِالْمِعْرَاضِ قَالَ اِذَا رَمَیْتَ فَسَمَّیْتَ فَخَرَقَ فَکُلْ وَاِنْ اَصَابَ بِعَرْضِهٖ فَلَا تَاْکُلْ.

بخاری(٥٤٧٦-٥٤٧٧)مسلم(٤٩٧٢)ابوداؤد(٢٨٤٧) ترمذی(١٤٦٥)نسائی(٤٢٧٠)ابن ماجہ(٣٢١٤)

اسے مار ڈالے؟ فرمایا: اگرچہ وہ اسے مار ڈالے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی آدمی بغیر پَر کے تیر شکار پر پھینکتا ہے (تو اس کا کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا: جب تم نے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر تیر شکار پر پھینکا اور وہ تیر شکار میں گھس کر اس کو پھاڑ دے تو اسے کھالو اور اگر تیر چوڑائی میں لگا تو اسے نہ کھاؤ۔

حل لغات

''اَلْکِلَابُ الْمُعَلَّمَةُ'' سدھائے ہوئے کتے' شکار کرنے کے لیے تربیت یافتہ کتے۔ ''اَمْسَکْنَ'' صیغہ جمع مؤنث غائب' فعل ماضی معروف' مثبت باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: روکنا۔ ''اَلْمِعْرَاضُ'' کا معنی ہے: پَر والا تیر۔ ''خَرَقَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: چیر دینا' پھاڑ دینا۔

تربیت یافتہ شکاری جانوروں کا شکار حلال ہے

دراصل یہ حدیث شکار کے معاملہ میں قرآن مجید کے ایک بنیادی حکم کی ترجمانی کر رہی ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُکَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰهُ فَکُلُوْا مِمَّآ اَمْسَکْنَ عَلَیْکُمْ وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ○ (المائدہ:٤)

اور وہ شکاری جانور جن کو تم نے سدھالیا ہے' درآں حالیکہ تم انہیں تعلیم دے کر شکار پر چھوڑتے ہو' تم انہیں اس طرح تعلیم دیتے ہو جس طرح اللہ نے تمہیں تعلیم دی ہے' سو اس (شکار) میں سے کھاؤ' جس کو شکاری جانور نے پکڑلیا ہے اور تم اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے○

شانِ نزول

یہ آیت عدی بن حاتم اور زید بن مہلہل کے حق میں نازل ہوئی' جن کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید الخیر رکھا تھا' ان دونوں صاحبوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم لوگ کتے اور باز کے ذریعہ شکار کرتے ہیں' کیا یہ ہمارے لیے حلال ہے' تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مذکورہ بالا حدیث میں حضرت عدی بن حاتم کے سوال پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی آیت کی ترجمانی کرتے ہوئے وضاحت فرمائی۔ اور اس آیت میں شکاری جانوروں سے عام مراد ہے' خواہ وہ درندوں میں سے ہوں جیسے شکاری کتے اور چیتے یا شکاری پرندوں میں سے ہوں جیسے شکرا' باز' شاہین وغیرہ جب انہیں تربیت کے ذریعہ اس طرح سدھالیا جائے کہ وہ جو شکار کریں اس میں سے وہ خود نہ کھائیں اور جب انہیں شکاری چھوڑے تب شکار پر جائیں اور جب انہیں بلالے تو واپس آجائیں' ایسے شکاری جانوروں کو معلم کہتے ہیں۔ اور اس آیت سے جو حکم مستفاد ہوتا ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے کتا یا شکرا وغیرہ کوئی شکاری جانور شکار پر چھوڑا تو اس کا شکار چند شرطوں کے ساتھ حلال ہے: (١) شکاری جانور مسلمان کا ہو اور سکھایا ہوا ہو (٢) اس نے شکار کو زخم لگا کر پکڑا ہو (٣) شکاری جانور پر بسم اللہ' اللہ اکبر کہہ کر چھوڑا گیا ہو (٤) اگر شکاری کے پاس شکار زندہ پہنچا ہو تو اس کو بسم اللہ' اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے' سو اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو حلال نہ ہوگا' مثلاً اگر شکاری جانور معلم (سکھایا اور سدھایا ہوا) نہ ہو یا اس نے زخم نہ کیا ہو یا شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ' اللہ اکبر نہ پڑھا' یا شکار زندہ پہنچا ہو اور اس کو ذبح نہ کیا ہو یا معلم کے ساتھ غیر معلم شکار میں شریک ہوگیا ہو' یا ایسا شکاری جانور شریک ہوگیا ہو جس کو چھوڑتے وقت بسم اللہ' اللہ اکبر نہ پڑھا گیا ہو' یا وہ شکاری جانور مجوسی یا

کافر کا ہو' ان سب صورتوں میں وہ شکار حرام ہے۔

مسئلہ

تیر (یا بندوق) سے شکار کرنے کا بھی یہی حکم ہے' اگر بسم اللہ' اللہ اکبر کہہ کر تیر مارا (یا بندوق چلائی) اور اس سے شکار مجروح ہو کر مر گیا تو حلال ہے اور اگر نہ مرا تو دوبارہ اس کو بسم اللہ' اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرے' اگر اس پر بسم اللہ' اللہ اکبر نہ پڑھی یا تیر وغیرہ کا زخم اس کو نہ لگا یا زندہ پانے کے بعد اس کو ذبح نہ کیا تو ان سب صورتوں میں حرام ہے۔

[ماخوذ از تفسیر خزائن العرفان ص ١٩٣' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور]

٦- بَابُ حُکْمِ اَکْلِ الْحُوْتِ

مچھلی کھانے کا حکم

٤٠١- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ عَطِیَّةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا جَزَرَ عَنْهُ الْمَآءُ فَکُلْ. ابوداؤد(٣٨١٥)ابن ماجہ(٣٢٤٢)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر وہ مچھلی جس سے پانی ہٹ جائے تو اسے کھالو۔

حل لغات

''جَزَرَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: الگ ہوجانا' ہٹ جانا' منکشف ہوجانا۔

مچھلی کے حلال ہونے کا ثبوت

معلوم ہونا چاہیے کہ مچھلی کے سوا پانی کے باقی تمام جانور حرام ہیں' کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبَآئِثَ'' (الاعراف:١٥٧) اور آپ (نبی کریم) ان پر خبیث ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

اور مچھلی کے سوا سب چیزیں خبیث و ناپاک ہیں' چنانچہ امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان القرشی سے روایت کیا ہے کہ ایک طبیب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوا میں مینڈک کو استعمال کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مینڈک کو مارنے سے منع فرمادیا۔ اور امام احمد اور ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسانید میں اور امام حاکم نے المستدرک میں اس کو روایت کیا اور کہا کہ یہ صحیح الاسناد حدیث ہے اور امام منذری نے کہا کہ یہ حدیث مینڈک کے حرام ہونے کی دلیل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور کسی جاندار کے قتل سے ممانعت یا تو حرمت سے ممانعت یا تو حرمت وعزت کی بناء پر ہوتی ہے جیسے آدمی کے قتل کی ممانعت کہ یہ محترم و معظم ہے یا اس کے حرام ہونے کی بناء پر ہوتی ہے اور مینڈک محترم و مکرم تو ہے نہیں' سو اس کے قتل کی ممانعت اس کے حرام ہونے کی بناء پر کی گئی ہے' پھر ہمارے علمائے احناف نے مچھلی میں یہ قید لگائی ہے کہ وہ اپنی طبعی موت مر کر پانی کی سطح پر تیرنے والی نہ ہو کہ اس کا کھانا مکروہ ہے کیونکہ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس مچھلی کو سمندر باہر پھینک دے یا پانی وہاں سے ہٹ کر دور ہوجائے تو اس مچھلی کو کھالو اور جو پانی میں مر کر اوپر تیرنے لگے تو اسے نہ کھاؤ۔

اور ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے اپنی مصنفات میں پانی میں مر کر سطح آب پر تیرنے والی مچھلی کی کراہت میں جابر بن عبداللہ' حضرت علی' ابن عباس' ابن المسیب' ابراہیم نخعی' طاؤس اور زہری سے روایت کیا ہے۔ پھر ٹڈی کی طرح مچھلی کی تمام اقسام بغیر ذبح حلال ہیں' کیونکہ ابن ماجہ نے کتاب الاطعمۃ میں حضرت ابن عمر کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے لیے

دو مردار اور دو خون حلال کر دیئے گئے ہیں' دو مردار مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون جگر اور تلی ہیں۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۲۹۸-۲۹۹' بیروت]

٧- بَابُ جَوَازِ اَكْلِ الْجَرَادِ
ٹڈی کے کھانے کا جواز

٤٠٢- اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ عَجْرَدٍ تَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرُ جُنْدِ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ الْجَرَادُ لَا اٰكُلُهٗ وَلَا اُحَرِّمُهٗ. ابوداؤد(٣٨١٣) ابن ماجہ(٣٢١٩)

امام ابوحنیفہ نے بیان فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ بنت عجرد کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا لشکر ٹڈی دل کا ہے' نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ اسے حرام کرتا ہوں۔

حل لغات

''جُنْدٌ'' لشکر' فوج۔ ''اَلْجَرَادُ'' ٹڈی جو بہت بڑے لشکر کی صورت میں آتی ہے اور کھیتوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ ''لَا اٰكُلُهٗ'' صیغہ واحد متکلم' فعل مضارع معروف' منفی باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کھانا۔ ''لَا اُحَرِّمُهٗ'' صیغہ مذکورہ بالا باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: حرام قرار دینا' حرام کرنا۔

ٹڈی کے حلال ہونے پر اجماع

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ ٹڈی کا کھانا حلال ہے' چنانچہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے سات غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کیے اور ان میں ہم ٹڈی کھاتے رہے اور امام بخاری' امام ابوداؤد اور امام ابونعیم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے' اس میں یہ ہے کہ آپ ہمارے ساتھ ٹڈی تناول فرمالیتے' یعنی کبھی کبھی' سو یہ آپ کے ارشاد ''لا آكله'' کے منافی نہیں ہے کہ اس کا معنی ہے کہ میں اسے ہمیشہ نہیں کھاتا' یا میں اس وقت نہیں کھاتا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کے نہ کھانے کو حضر (گھر میں رہنے) پر محمول کیا جائے اور آپ کے کھانے کو سفر پر محمول کیا جائے یا ضرورت پر یا حاضرین کی موافقت پر محمول کیا جائے۔

اور ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات باری باری ٹڈیاں پلیٹوں میں لے جاتی تھیں اور اس کو امام ابن المنذر نے بھی ذکر کیا ہے' لیکن اس سے آپ کا ٹڈی کو کھانا یقین سے ثابت نہیں ہوتا (البتہ اس کا حلال ومباح ہونا یقیناً ثابت ہوتا ہے) پھر ائمہ اربعہ نے کہا کہ اس کا کھانا حلال ہے خواہ طبعی موت مر جائے یا ذبح کر دیا جائے (اگرچہ ضروری نہیں) اور اسی طرح کسی اور طریقے پر مر جائے۔

امام احمد سے مروی ہے کہ اگر ٹڈی سردی کی وجہ سے مر جائے تو اسے کھانا جائز نہیں اور امام مالک کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس کا سر کاٹ دیا جائے تو حلال ہے' ورنہ حرام ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملاعلی القاری ص ۵۹۱' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

٨- بَابُ ذَكَاةِ الْاِضْطِرَارِيَّةِ
اضطراری ذبح کا بیان

٤٠٣- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ عَبَايَةَ ابْنِ رِفَاعَةَ عَنْ رَّافِعِ بْنِ خُدَيْجٍ اَنَّ بَعِيْرًا مِّنْ اِبِلِ الصَّدَقَةِ نَدَّ فَطَلَبُوْهُ فَلَمَّا اَعْيَاهُمْ اَنْ يَّاْخُذُوْهُ رَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَاَصَابَ فَقَتَلَهٗ فَسَاَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ بِاَكْلِهٖ وَقَالَ اِنَّ لَهَا اَوَابِدَ كَاَوَابِدِ الْوُحُوْشِ فَاِذَا خَشِيْتُمْ مِّنْهَا فَاصْنَعُوْا مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ بِهٰذَا الْبَعِيْرِ ثُمَّ كُلُوْهُ.

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ سرکش ہو کر بھاگ گیا اور لوگ اس کی تلاش میں نکلے لیکن جب اس نے ان کو پکڑنے سے تھکا کر عاجز کر دیا تو ایک آدمی نے اسے تیر مارا جو اسے جا لگا اور اس کو مار ڈالا' سو لوگوں نے نبی کریم ﷺ

سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے انہیں اس کو کھانے کی اجازت دے دی اور فرمایا: بے شک بعض اوقات یہ اونٹ بھی وحشی جانوروں کی طرح بدک جاتے ہیں' سو جب تمہیں ان سے خوف و ڈر لاحق ہونے لگے تو تم اسی طرح کرو جس طرح تم نے اس اونٹ کے ساتھ کیا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ بَعِيْرًا مِّنْ اِبِلِ الصَّدَقَةِ نَدَّ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَقَتَلَهٗ فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَكْلِهٖ فَقَالَ كُلُوْهُ فَاِنَّ لَهَا اَوَابِدَ كَاَوَابِدِ الْوَحْشِ. بخاری(٥٤٩٨) مسلم(٥٠٩٢) ترمذی(١٤٩٢) ابن ماجہ(٣١٨٣) نسائی(٤٣٠٢) ابن حبان(٥٨٨٦)

اور ایک روایت میں ہے کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بدک کر بھاگ پڑا تو ایک آدمی نے اس کو تیر مارا' اور اسے قتل کر دیا' پھر اس کے کھانے کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اسے کھالو کیونکہ یہ اونٹ بھی وحشی جانوروں کی طرح بدکنے والے ہوتے ہیں۔

حل لغات

''نَدَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بھڑک جانا' پھر جانا' بدک جانا۔ ''اَعْيٰى'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: تھکا دینا' عاجز کر دینا۔ ''سَهْمٌ'' اس کا معنی ہے: تیر۔ ''اَوَابِدَ'' اس کا معنی ہے: بدکنا' غضب ناک ہونا۔ ''خَشِيْتُمْ'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل ماضی معروف' باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ڈرنا۔

ذبح کی اقسام

فقہاء نے ذبح کی دو قسمیں بیان کی ہیں: ذکاۃ اضطراری اور ذکاۃ اختیاری۔ جب مسلمان شخص جانور کے گلے پر چھری پھیرنے کی قدرت رکھتا ہو اور بسم اللہ' اللہ اکبر پڑھ کر اس کو ذبح کر سکتا ہو تو یہ ذکاۃ اختیاری ہے اور اگر وہ اس کے گلے پر چھری پھیر کر ذبح نہ کر سکے تو پھر یہ ذکاۃ اضطراری ہے' مثلاً وہ وحشی جانور ہو اور اس کی گرفت میں نہ آئے یا پالتو جانور ہو لیکن بھاگ گیا ہو' مثلاً مرغی درخت پر چڑھ گئی ہو' یا جانور بھاگ جائے اور اس کی گرفت میں نہ آئے یا جانور کنوئیں یا کسی گڑھے میں گر جائے یا جانور کے مرنے کا خطرہ ہو اور بروقت ذبح کا آلہ دستیاب نہ ہو' یہ تمام صورتیں اضطراری ہیں' سو ایسی صورتوں میں کسی بھی دستیاب آلہ سے جانور کے بدن کے کسی حصہ کو زخمی کر کے خون بہا دیا جائے تو وہ جانور حلال ہو گا' البتہ ناخن اور ہڈی سے احتراز ضروری ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

ذکاۃ اضطراری کی تعریف

ذکاۃ اضطراریہ کا رکن یہ ہے کہ جانور کے بدن کے کسی حصہ کو زخمی کر دیا جائے' ذکاۃ اضطراریہ شکار میں ہوتی ہے یا اگر اونٹ' گائے یا بکری بھاگ جائے اور انسان اس کے پکڑنے پر قادر نہ ہو۔ ہر چند کہ یہ پالتو جانور ہیں لیکن اس صورت میں یہ بھی شکار کے حکم میں ہیں' خواہ یہ پالتو جانور شہر میں بھاگیں یا جنگل میں۔ امام محمد سے اسی طرح مروی ہے' اسی طرح اگر جانور کنوئیں میں گر جائے اور اس میں سے نکال کر ذبح یا نحر کرنے پر قدرت نہ ہو تو اس صورت میں بھی اس کی اضطراری ذکاۃ جائز ہے۔ ذکاۃ اضطراریہ میں تیر پھینکتے وقت (یا بندوق سے فائر کرتے وقت) یا شکار پر جانور چھوڑتے وقت بسم اللہ' اللہ اکبر پڑھے۔

٩- بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْمُجَثَّمَةِ

جانورکو تیراندازی کا نشانہ بنانے سے ممانعت

٤٠٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُجَثَّمَةِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانورکو باندھ کر تیراندازی کے لیے نشانہ بنانے سے منع فرمایا۔

ترمذی(١٤٧٣)نسائی(٤٤٤٣)

حل لغات

''اَلْمُجَثَّمَةُ'' واحد مؤنث اسم مفعول کا صیغہ ہے جس میں میم مضموم جیم مفتوح اور ثاء مشدد مفتوح ہے نیز دوسری میم مفتوح ہے یہ باب تفعیل سے ہے اس کا معنی ہے کہ کسی جان دار کو باندھ کر تیراندازی وغیرہ کا نشانہ بنانا۔

جانوروں پر ظلم کی ممانعت

امام ترمذی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجثمہ جانور کے کھانے سے منع فرمایا اور یہ وہ جانور ہوتا ہے جسے باندھ کر نشانہ بازی کرتے ہوئے تیراندازی کے ذریعہ قتل کردیا جاتا ہے اور مجثمہ کی تفسیر میں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ وضاحت صحابی کی طرف سے ہو یا ان کے بعد کسی راوی کی طرف سے ہو۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی القاری ص ۱۸۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

حضرت ہشام بن زید بن انس بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ حکم بن ایوب کے گھر آیا وہاں کچھ لوگ مرغی کو باندھ کر اس پر تیراندازی کی مشق کررہے تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرت انس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کا قریش کے چند نوجوانوں پر گزر ہوا جو ایک پرندے کو باندھ کر اس پر تیراندازی کی مشق کررہے تھے اور انہوں نے پرندے والے سے یہ طے کرلیا تھا کہ جس کا تیر نشانہ پر نہیں لگے گا وہ اس کو کچھ دے گا جب انہوں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا تو اِدھر اُدھر ہو گئے حضرت ابن عمر نے فرمایا: جو شخص یہ کام کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو کسی جان دار کو نشانہ بنائے۔

[صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء کراچی]

١٠- بَابُ جَوَازِ الذِّبْحِ بِالْمِرْوَةِ

پتھر کے ساتھ ذبح کرنے کا جواز

٤٠٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ غُنَيْمَةً كَانَتْ لَهَا رَاعِيَةٌ فَخَافَتْ عَلٰى شَاةٍ مِّنْهَا الْمَوْتَ فَذَبَحَتْهَا بِمِرْوَةٍ فَاَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَكْلِهَا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! ایک عورت بکریوں کا ایک ریوڑ چرا رہی تھی کہ اسے ایک بکری کے مرجانے کا خوف لاحق ہوا تو اس نے ایک پتھر کے ساتھ بکری کو ذبح کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کھانے کی اجازت دے دی۔

بخاری(٢٣٠٤)ابن ماجہ(٣١٨٢)ابن حبان(٥٨٩٣)

٤٠٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ

جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ خَرَجَ غُلَامٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ قِبَلَ اُحُدٍ فَمَرَّ فِيْ طَرِيْقِهٖ فَاصْطَادَ اَرْنَبًا فَلَمْ يَجِدْ مَا يَذْبَحُهَا فَذَبَحَهَا بِحَجَرٍ فَجَاءَ بِهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَلَّقَهَا بِيَدِهٖ فَاَمَرَهٗ بِاَكْلِهَا.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک لڑکا اُحد پہاڑ کی طرف نکلا سو اس نے راستے میں گزرتے ہوئے ایک خرگوش شکار کیا اور اسے ذبح کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ملی تو اس نے ایک نوکیلے پتھر کے ساتھ اسے ذبح کردیا پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ وہ خرگوش کو اپنے ہاتھ میں لٹکائے ہوئے تھا آپ نے اسے کھانے کا حکم دیا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَجُلًا اَصَابَ اَرْنَبَيْنِ فَذَبَحَهُمَا بِمِرْوَةٍ يَعْنِي الْحَجَرَ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَكْلِهَا.

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک آدمی نے دو خرگوش پکڑے اور ان کو ایک پتھر کے ساتھ ذبح کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ان کے کھالینے کا حکم دیا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَصَابَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ سَلَمَةَ اَرْنَبًا بِاُحُدٍ فَلَمْ يَجِدْ سِكِّيْنًا فَذَبَحَهَا بِحَجَرٍ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَكْلِهَا. ابوداؤد(٢٨٢٢)ترمذی(١٤٧٢)نسائی(٤٤٠٤)ابن ماجہ(٣١٧٥)ابن حبان(٥٨٨٥)

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ بنو سلمہ کے ایک آدمی نے اُحد پہاڑ کے پاس ایک خرگوش پکڑا اور اس نے وہاں کوئی چھری وغیرہ نہ پائی تو اس نے پتھر سے اسے ذبح کیا سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس کو کھانے کا حکم دیا۔

٤٠٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ مِنْ ذَبِيْحَةِ امْرَاَةٍ وَّنَهٰى عَنْ قَتْلِ الْمَرْاَةِ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کا ذبیحہ تناول فرمایا اور آپ نے عورت کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

بخاری(٣٠١٥)مسلم(٤٥٤٧)ابوداؤد(٢٦٦٨)ترمذی(١٥٦٩)ابن ماجہ(٢٨٤١)

حل لغات

''غُنَيْمَةٌ'' اسم تصغیر ہے اس میں غین مضموم اور نون مفتوح یاء ساکن اور میم مفتوح ہے اور اس کا معنی ہے: بکریوں کا چھوٹا سا ریوڑ۔ ''مِرْوَةٌ'' کا معنی ہے: پتھر۔ ''ذَبَحَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے اس کا معنی ہے: ذبح کرنا۔ ''اِصْطَادَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب افتعال سے ہے اس کا معنی ہے: شکار کرنا۔ ''اَرْنَبًا'' اس کا معنی ہے: خرگوش۔

عورت کا ذبیحہ حلال ہے

یادرہے کہ اس باب کی پہلی دونوں احادیث میں ذکاۃ اضطراری کا ذکر ہے جس کی تفصیل حدیث: ۴۰۳ کے ماتحت میں بیان ہوچکی ہے یہاں جو مسائل ثابت ہوتے ہیں ان کو بیان کیا جاتا ہے چنانچہ اس باب کی پہلی اور تیسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا ذبیحہ حلال ہے یہی وجہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورت کے ذبیحہ کا گوشت تناول فرمایا۔ نیز ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ذبيحة المسلم حلال'' یعنی مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اور اس حدیث کو امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں روایت کیا ہے اور اس پر تمام علمائے اسلام کا اجماع ہے کہ عاقل مسلمان جو ذبح کرسکتا ہو اس کا ذبیحہ حلال ہے اس میں مرد اور عورت

برابر و یکساں ہیں اور اس باب کی تیسری اور آخری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ حالت جنگ میں عورت کو قیدی بنالیا جائے مگر اسے قتل نہ کیا جائے' البتہ جب وہ کسی ملک کی ملکہ اور بادشاہ ہو' یا کسی ملکہ کی مشیر خاص ہو تو پھر اسے قتل کر دیا جائے' اس پر سب ائمہ دین کا اتفاق ہے اور توبہ قبول نہ کرنے کی صورت میں مرتدہ عورت کے قتل کے بارے میں اختلاف ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسی عورت کو قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ توبہ کر کے دوبارہ اسلام قبول کر لے اور ان کے علاوہ کے نزدیک توبہ قبول نہ کرنے پر مرتدہ عورت کو قتل کیا جائے گا' لیکن رہا قصاص کا مسئلہ تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ قاتلہ عورت کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔[شرح مسند امام اعظم ص ۴۰-۳۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ اضطراری ذبح میں جانور کو ہر آلہ کے ساتھ ذبح کرنا جائز ہے' جس کے ذریعہ جانور کا خون بہہ جائے' چنانچہ علامہ ملا علی قاری اس باب کی پہلی حدیث کے ماتحت لکھتے ہیں کہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر اس چیز کے ساتھ ذبح کرنا جائز اور صحیح ہے جو خون کو بہا دے اور اس سے خون کا بہنا یقینی ہو' مثلاً چھری' چاقو' تلوار' شیشہ' پتھر' بانس اور کانا جس سے قلم بنائے جاتے ہیں وغیرہم' البتہ دانت اور ناخن کے ساتھ ذبح کرنے میں اختلاف ہے' سو امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے ساتھ ذبح کرنا صحیح نہیں ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب دانت اور ناخن جسم سے الگ ہو چکے ہوں تو ان کے ساتھ ذبح کرنا صحیح اور جائز ہے۔[شرح مسند امام اعظم ص ۲۰۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

تیسرا مسئلہ یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نابالغ عاقل و سمجھدار لڑکے کا ذبیحہ بھی حلال ہے' جیسا کہ اس باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ اُحد پہاڑ کے راستے میں ایک لڑکے نے خرگوش شکار کیا اور پتھر سے اسے ذبح کیا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ذبیحہ کو کھانے کا حکم دے دیا۔ چوتھا مسئلہ اسی حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ خرگوش حلال ہے' چنانچہ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ تم یہ جان رکھو کہ بلاشبہ تمام علمائے دین کے نزدیک خرگوش کھانا حلال ہے ماسوا عبداللہ بن عمرو بن عاص اور ابن ابی لیلیٰ' کیونکہ ان دونوں کے نزدیک خرگوش کھانا مکروہ ہے' لیکن ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے امام اعظم ابوحنیفہ اور محدثین کی ایک جماعت نے حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' حضرت انس نے کہا کہ مر الظہر ان کے پاس اچانک ایک خرگوش ہمارے سامنے سے گزرا تو لوگ اس کے تعاقب میں دوڑے اور اس کو گھیر لیا' پس میں نے اس کو پکڑ لیا اور حضرت ابوطلحہ کی خدمت میں لے آیا' آپ نے اسے ذبح کیا اور اس کی سرین اور ایک ران رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دی' سو آپ نے اسے قبول فرما لیا اور صحیح البخاری میں کتاب الھبۃ میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے قبول فرما لیا اور اس میں سے کھایا۔

امام احمد' امام نسائی' امام ابن ماجہ' امام حاکم اور امام ابن حبان نے حضرت محمد بن صفوان سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ دو خرگوش شکار کیے اور ان کو ذبح کیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اس کو ان کے کھانے کا حکم فرمایا۔

ابن ابی لیلیٰ اور ان کے موافقین نے اس حدیث سے استدلال کیا جسے امام ترمذی نے حبان بن جزء از برادر خود خزیمۃ بن جزء سے روایت کیا ہے کہ حضرت خزیمہ بن جزء نے کہا: میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ خرگوش کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''لا أكله ولا أحرّمه'' میں اسے نہ تو کھاتا ہوں اور نہ اسے حرام قرار دیتا ہوں' میں نے عرض کیا: کیوں' یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: سو میں اس کے کھانے سے پرہیز کرتا ہوں کیونکہ اسے خون آتا ہے یعنی اسے حیض آتا ہے' اور اس حدیث کی غرض و غایت یہ ہے کہ اس کا کھانا تو جائز ہے لیکن اس سے گھن آتی ہے اور یہ حدیث نہ تو خرگوش کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے اور نہ اس کے مکروہ ہونے پر دلالت کرتی ہے' بلکہ اس کے حلال ہونے پر دلالت کرتی ہے' کیونکہ آپ نے فرمایا: ''لا أحرمه'' یعنی میں اس کو

حرام نہیں کرتا۔[شرح مسند امام اعظم' ص ۴۰۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

۱۱ - بَابُ فَضِيْلَةِ اَيَّامِ عَشْرَةِ ذِى الْحَجِّ

ذی الحج کے پہلے دس دنوں کی فضیلت

۴۰۸- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ مِخْوَلِ بْنِ رَاشِدٍ عَنْ مُسْلِمِ الْبُطِيْنِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ اَيَّامٍ اَفْضَلُ عِنْدَاللّٰهِ مِنْ اَيَّامِ عَشْرِ الْاَضْحٰى فَاَكْثِرُوْا فِيْهِنَّ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى.

مسند احمد (۵۴۴۶-۶۱۵۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کے دس دنوں سے افضل (زیادہ فضیلت و بزرگی والے) کوئی دن نہیں ہیں' سو تم ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو۔

حل لغات

''اَكْثِرُوْا'' صیغہ جمع مذکر مخاطب' فعل امر حاضر معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: کثرت کرنا' زیادہ کرنا۔

عشرہ ذی الحج کی عظمت

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ذی الحج کے عشرہ (دس دنوں) سے زیادہ فضیلت و بزرگی والے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور کوئی نہیں ہیں۔ علامہ ملا علی قاری اس کے تحت لکھتے ہیں:

اس سے بہ ظاہر یہ مراد ہے کہ ماہِ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے بعد باقی دنوں سے ذی الحج کا عشرہ افضل و اعلیٰ ہے۔

امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

ما من أيام احب الى الله تعالى ان يتعبد به فيها من عشر ذى الحجة يعدل صيام كل يوم منها بصيام سنة وقيام كل ليلة بقيام ليلة القدر.

[شرح مسند امام اعظم ص ۵۳۱' مطبوعہ بیروت]

یعنی جن دنوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے' ان میں سے اللہ تعالیٰ کو ذی الحج کے عشرہ سے زیادہ پیارے اور محبوب اور کوئی دن نہیں کہ ان میں سے ہر دن کے روزے سال بھر کے روزوں کے برابر ہوتے ہیں اور اس عشرہ کی ہر رات کا قیام شب قدر کے قیام کے برابر ہوتا ہے۔

۱۲ - بَابُ اُضْحِيَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اُمَّتِهٖ

نبی کریم ﷺ کا اپنی اُمت کے لیے قربانی کرنا

۴۰۹- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنِ الْهَيْثَمِ عن عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَابِطٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحّٰى بِكَبْشَيْنِ اَشْعَرَيْنَ اَمْلَحَيْنِ اَحَدُهُمَا عَنْ نَفْسِهٖ وَالْاٰخَرُ عَمَّنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ اُمَّتِهٖ. وَفِىْ رِوَايَةٍ نَحْوَهٗ وَلَمْ يَذْكُرْ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیاہ اور سفید مخلوط رنگ کے بالوں والے دو مینڈھوں کی قربانی کی' ان میں سے ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی اُمت کے ہر کلمہ گو مسلمان کی طرف سے اور ایک اور روایت میں اسی طرح ہے' لیکن اس میں حضرت جابر بن عبداللہ کا ذکر نہیں ہے۔

بخاری(۵۵٦۵)مسلم(۵۰۸۸)ابوداؤد(۲۷۹٤)ترمذی(۱٤۹٤)ابن ماجہ(۳۱۲۰)نسائی(٤۳۹۲)ابن حبان(۵۹۰۰)سنن دارمی (ج۲ص۷۵)

حل لغات

''ضَحّٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: قربانی کرنا۔ ''اَشْعَرَیْنِ'' بہت زیادہ بالوں والے دو جانور۔ ''اَمْلَحَیْنِ'' بعض بال کالے سیاہ اور بعض بال سفید' جسے اُردو میں چتکبرا کہتے ہیں۔ ''کَبْشَیْنِ'' دو مینڈھے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی کے فوائد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ذبح النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یوم الذبح کبشین املحین اقرنین موجوئین فلما وجههما الی القبلة قال انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض علٰی ملة ابراهیم حنیفا وما انا من المشرکین. ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰه رب العالمین لا شریك له وبذالك أمرت وانا من المسلمین اللّٰهم منك ولك عنه محمد وامته بسم اللّٰه اللّٰه اکبر ثم ذبح وفی روایة اللّٰهم هذا عنی وعمن لم یضح من أمتی. [مشکوٰۃ' باب فی الاضحیۃ' الفصل الثانی' ص ۱۲۸' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

نبی کریم ﷺ نے دس ذی الحج کو مدینہ منورہ میں دو مینڈھے ذبح کیے جو سیاہ رنگ والے' سینگ دار اور خصی کیے ہوئے تھے' جب آپ نے ان دونوں کو قبلہ رخ لٹایا تو اس وقت یہ پڑھا کہ میں نے اپنے منہ کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا' میں ملت ابراہیم علیہ السلام پر ہوں' جو باطل سے منہ موڑ کر حق کی طرف متوجہ ہونے والے تھے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں' بے شک میری نماز اور قربانی' میری زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے' جس کا کوئی شریک نہیں ہے مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں مطیع وفرمانبردار لوگوں میں سے ہوں' اے اللہ! قربانی کی توفیق تیری طرف سے ہے اور یہ عبادت صرف تیرے لیے ہے۔ یہ قربانی محمد (ﷺ) اور اس کی اُمت کی طرف سے قبول فرما' بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا' پھر ذبح کیا اور ایک روایت میں ہے کہ اے اللہ! یہ قربانی میری طرف سے ہے اور میری اُمت کے ان افراد کی طرف سے ہے جو غربت وافلاس کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکتے۔

تنبیہ اوّل

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری اُمت یا مفلس و نادار افراد کو اپنے ساتھ قربانی کے ثواب میں شریک فرمایا تو اس احسان و اکرام کا تقاضا یہ ہے کہ اُمتی بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قربانی کریں اور اس کا ثواب آپ کی بارگاہ میں پیش کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ دو مینڈھے ذبح کیا کرتے تھے۔ جب پوچھا گیا کہ آپ دو جانور کیوں ذبح کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا:

اوصانی خلیلی ان أضحی عنه فانا أضحی عنه.

میرے محبوب ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کی طرف سے قربانی کروں' اس لیے میں دوسرا جانور ان کی طرف سے ذبح کیا کرتا ہوں۔

تنبیہ ثانی

رسول اللہ ﷺ نے قربانی اپنی اُمت کی طرف سے فرمائی خواہ وہ موجود تھے یا نہ تھے' بلکہ بعد میں پیدا ہونے والے تھے یا پہلے وفات پا چکے تھے' تو معلوم ہوا کہ کسی بھی مسلمان کی طرف سے صدقہ کرنا اور اپنے ثواب میں اسے شریک کرنا' خواہ وہ زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو یا ابھی پیدا بھی نہ ہوا ہو' بالکل جائز اور کارِ ثواب بلکہ سنتِ مصطفےٰ ﷺ ہے۔

[کوثر الخیرات لسید السادات' ص ۳۵۸' مطبوعہ مکتبہ قادریہ' لاہور]

۱۳ - بَابُ الْاُضْحِیَّةِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ

نمازِ عید سے پہلے قربانی کر لینا

٤۱۰- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ وَالشَّعْبِیِّ عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ بْنِ نِیَارٍ اَنَّهٗ ذَبَحَ شَاةً قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَذُکِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تُجْزِیْ عَنْكَ وَلَا تُجْزِیْ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ.

حضرت ابوبردہ بن نیار بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ نمازِ عید سے پہلے (صبح سویرے) ایک بکری ذبح کر لی' پھر نبی کریم ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے (حضرت ابوبردہ سے) فرمایا کہ تمہاری طرف سے یہ کافی ہو جائے گی اور تمہارے بعد کسی کی طرف سے کفایت نہیں کرے گی۔

بخاری(۹۸۳)مسلم(۵۰۷۰)ابوداؤد(۲۸۰۰)نسائی(٤٤۰۰)ابن حبان(۵۹۱۰)

حل لغات

''تُجْزِیْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل مضارع معروف' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی کو بدلہ دینا' کسی کا حق ادا کرنا' کسی چیز کا کسی کے لیے کافی ہونا' کسی چیز کا کفایت کرنا۔

نمازِ عید سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ امام احمد' شیخین (بخاری و مسلم) اور تین اصحابِ سنن حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم آج (عید کے دن) سب سے پہلے جو کام کریں گے' وہ یہ ہے کہ ہم پہلے نمازِ عید پڑھیں گے' پھر (خطبہ و دعا کے بعد) اپنے گھروں میں واپس لوٹ جائیں گے اور قربانیاں کریں گے' سو جو شخص یہ طریقہ اپنائے گا وہ ہماری سنت کو پالے گا اور جو شخص نمازِ عید سے پہلے اپنا جانور ذبح کر لے گا تو وہ صرف گوشت ہے جو اس نے اپنے اہل وعیال کے لیے پہلے تیار کر لیا ہے لیکن اس کا قربانی سے کوئی تعلق نہیں۔

امام احمد' شیخین' نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کر لیا ہے' وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ضرور ذبح کرے اور جس نے پہلے ذبح نہیں کیا تو اسے چاہیے کہ وہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۳٦' مطبوعہ بیروت]

مسند امام اعظم کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ کے لیے نمازِ عید سے پہلے ذبح کی گئی بکری کو قربانی قرار دے دیا جبکہ صحیح بخاری میں یوں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبردہ کو نمازِ عید کے بعد قربانی دینے کے لیے دوبارہ جانور ذبح کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس اب صرف چھ ماہ کا بکری کا بچہ ہے جو سال بھر کے بکرے سے بہتر ہے' آپ نے فرمایا: تم اسی چھ ماہ کے بچے کو ذبح کر دو' یہ تمہاری طرف سے قربانی کے لیے کافی ہے' لیکن تمہارے بعد کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے' بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ اختیار دیا ہے کہ آپ عمومی احکام

سے جس فرد کو چاہیں خاص کرلیں' چھ ماہ کے بکرے کی قربانی بالعموم جائز نہیں ہے' لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی اجازت دے دی۔ مسجد نبوی میں کسی کے گھر کے (چھوٹے) دروازہ کی اجازت نہیں' لیکن حضرت ابوبکر کو دروازہ رکھنے کی اجازت دے دی۔ حرم مکہ کے درختوں کو کاٹنا عموماً ممنوع ہے لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے اذخر کاٹنے کی اجازت دے دی۔ ہر عورت کو شوہر کی وفات کے بعد چار ماہ دس دن سوگ کرنا لازم ہے' لیکن حضرت اسماء بنت عمیس پر یہ سوگ معاف فرما دیا۔ مہر شرعی کا کم از کم دس درہم از قبیل مال ہونا ضروری ہے لیکن ایک صحابی کے لیے ناداری کی وجہ سے صرف تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا۔ ایک صحابی اور ایک صحابیہ کا باہمی رضامندی سے بغیر کسی مہر کے نکاح فرما دیا۔ روزہ کے کفارہ میں صدقہ کرنا واجب ہے لیکن ایک صحابی کے لیے ناداری کی وجہ سے روزہ کے کفارہ کو خود انہیں کے لیے کھانا جائز قرار دیا۔ دو سال کی عمر کے بعد دودھ پینے سے بالعموم رشتۂ رضاعت ثابت نہیں ہوتا لیکن حضرت سالم کو بلوغت کے بعد جوانی میں حضرت سہلہ بنت سہیل نامی صحابیہ کا دودھ پینے کی اجازت دے دی اور حضرت سہلہ کو ان کی رضاعی ماں بنا دیا۔ مردوں کے لیے ریشم پہننے کو بالعموم حرام فرمایا لیکن حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہما کو خارش کی بناء پر ریشم پہننے کی اجازت دے دی۔ مردوں کے لیے سونا بالعموم حرام فرمایا لیکن حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہننے کی اجازت دی۔ بغیر جہاد کیے کسی شخص کو مالِ غنیمت سے حصہ نہیں ملتا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا (آپ ﷺ کی صاحبزادی) کی تیمارداری میں مشغول رہنے کی بناء پر غزوۂ بدر میں شرکت کے بغیر مالِ غنیمت میں سے حصہ عطاء فرمایا۔ قاضی کے لیے تحائف لینا بالعموم جائز نہیں لیکن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو تحائف لینے کی اجازت دے دی۔ ہر مسلمان پر پانچ نمازیں فرض ہیں' لیکن آپ نے ایک صحابی کا اسلام اس شرط پر قبول کرلیا کہ وہ صرف دو نمازیں پڑھے گا۔ ہر مسلمان پر روزہ طلوعِ فجر سے شروع ہوتا ہے لیکن آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو طلوعِ آفتاب کے وقت روزہ رکھنے کی اجازت دے دی۔ رمی جمرات کے دوران منیٰ میں رات گزارنا ضروری ہے لیکن بنو عباس اور بنو ہاشم کے ذمہ زمزم کا پانی پلانے کی خدمات تھیں' اس لیے آپ نے انہیں ان ایام میں رات کو منیٰ سے جانے کی اجازت دے دی۔ نکاح کے لیے کم از کم دس درہم مہر ضروری ہے لیکن حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کے لیے صرف ابوطلحہ کے اسلام قبول کرنے کو مہر قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صرف حالت جنگ میں نماز کو قصر کرنے کی اجازت دی (النساء:١٠١) لیکن آپ نے ہر سفر شرعی میں قصر کو واجب کر دیا خواہ حالت جنگ میں ہوں یا حالت امن میں ہوں۔ قرآن مجید میں ہر نماز الگ الگ وقتِ معین میں فرض کی گئی ہے لیکن آپ نے دورانِ حج عرفات میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مزدلفہ میں مغرب کو عشاء کے وقت میں جمع کرنا فرض کر دیا۔ قرآن مجید نے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی لازم کر دی (البقرہ:٢٨٢) لیکن آپ نے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اکیلی اور تنہا گواہی کو کافی قرار دیا۔ قرآن مجید نے ہر مسلمان مرد کو اپنی پسند کی چار عورتوں سے شادی کی اجازت دی۔ (النساء:٣) لیکن آپ نے حیاتِ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوجہل کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے سے روک دیا۔ قرآن مجید نے وضو میں پیروں کو دھونا فرض قرار دیا ہے (المائدہ:٦) لیکن آپ نے پیروں کو دھونے کی جگہ موزوں پر مسح کو بھی جائز قرار دیا۔ قرآن مجید نے حالت جنابت (جب غسل فرض ہو) میں مسجد میں داخل ہونے سے بالعموم منع فرما دیا (النساء:٤٣) لیکن آپ نے اپنے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی حالتِ جنابت میں مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی۔

[مزید تفصیل اور حوالہ جات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شرح صحیح مسلم ج ٢ ص ٢٨٦ - ٢٨٤' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار لاہور]

١٤ - بَابُ تَوْجِيْهِ النَّهْيِ عَنْ لُحُوْمِ الْاَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ

تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت کی وجہ

٤١١ - **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ وَ حَمَّادٍ اَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ اِنَّمَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْاَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ لِيُوَسِّعَ مُوْسِعُكُمْ عَلٰى فَقِيْرِكُمْ. ترمذی (١٥١٠)

حضرت عبداللہ بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں نے تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے صرف اس لیے منع کیا تھا کہ تمہارے مال دار لوگ تمہارے تنگ دستوں اور نادار لوگوں پر وسعت و کشادگی کریں۔

حل لغات

''لِيُوَسِّعَ'' اس کے شروع میں لام حرف ''کی'' کے معنی میں ہے اور ''يُوَسِّعُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: کشادہ کرنا' وسیع کرنا' کھلا کرنا۔

قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے کی اجازت

امام ترمذی نے سفیان کے طریق سے از علقمہ بن مرثد از سلیمان بن بریدہ از والد خود مرفوع حدیث بیان کی ہے' جس میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں تین دن سے زائد قربانیوں کا گوشت ذخیرہ کرنے سے منع کیا تھا تا کہ مال دار وخوشحال لوگ ان لوگوں پر کشادگی کرسکیں جن کے پاس مال و دولت نہیں' سو اب تم جس طرح مناسب سمجھو کھاؤ اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔ امام ترمذی نے کہا کہ اس باب میں ابن مسعود' عائشہ صدیقہ' نبیشہ' ابوسعید خدری' قتادہ بن نعمان' انس بن مالک اور اُم سلمہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ اور حضرت بریدہ کی یہ حدیث حسن صحیح ہے اور صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اسی پر عمل ہے' انتہیٰ۔ پھر عابس بن ربیعہ نے از حضرت عائشہ حدیث کی تخریج کی ہے' اس میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ کیا رسول اللہ نے قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے منع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! لیکن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا ہے کہ لوگوں میں سے جو حضرات قربانیاں کرتے ہیں' ان سے میں یہ چاہتا اور پسند کرتا ہوں کہ وہ قربانی کا گوشت ان لوگوں کو بھی کھلائیں جو قربانی نہیں کر سکتے' چنانچہ ہم قربانی کے پائے اُٹھا کر رکھ دیتے' پھر دس دن کے بعد ہم انہیں پکا کر کھاتے۔ امام ترمذی نے اس کی تحسین کی اور اس کو صحیح قرار دیا۔ امام بخاری نے حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ کے طریق سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے بیان فرمایا کہ ہم مدینہ منورہ میں قربانی کے گوشت کو بھون کر اس پر نمک لگاتے اور وہی گوشت ہم نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کرتے تھے' سو ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ تم قربانی کا گوشت تین دن تک کھایا کرو' اور یہ وجوبی حکم نہیں تھا لیکن آپ چاہتے تھے کہ قربانی کا گوشت تنگ دستوں اور غریبوں کو بھی کھلایا جائے' واللہ اعلم! اور اس حدیث کو امام ابوداؤد نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام احمد' عبد بن حمید' بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ١٩٨' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

١٥ - بَابُ فَضِيْلَةِ الْخَلِّ

سرکہ کی فضیلت

۴۱۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ وَمِسْعَرٌ عَنْ مُحَارِبِ ابْنِ دِثَارٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلَيْهِ وَقَرَّبَ اِلَيْهِ خُبْزًا وَّخَلًّا ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا عَنِ التَّكَلُّفِ وَلَوْ لَا ذٰلِكَ لَتَكَلَّفْتُ لَكُمْ وَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْاِدَامُ الْخَلُّ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت محارب بن دثار رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے روٹی اور سرکہ ان کے سامنے پیش کیا' پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں تکلف سے منع فرمایا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہارے لیے ضرور تکلف کرتا اور بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سرکہ بہترین سالن ہے۔

مسلم(۵۳۵۰)ابوداؤد(۳۸۲۱)ترمذی(۱۸۳۹)ابن ماجہ(۳۳۱۷)مصنف عبدالرزاق(۱۹۵۶۹)سنن داری(ج ۲ص ۱۰۱) مستدرک للحاکم(ج ۴ص ۵۴)

۴۱۳- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سرکہ بہترین سالن ہے۔

حل لغات

''دَخَلَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: داخل ہونا اور اس کا فاعل حضرت محارب کی طرف لوٹنے والی ''هُوَ'' ضمیر ہے۔ ''قَرَّبَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: قریب کرنا' نزدیک کرنا۔ ''اَلْاِدَامُ'' کا معنی ہے: سالن۔ ''اَلْخَلُّ'' کا معنی ہے: سرکہ۔

تکلف کی ممانعت

امام بخاری' حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ'' نهينا عن التكلف ''یعنی ہمیں تکلف کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہو جاتی ہے' جسے امام حاکم نے المستدرک میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہمان کے لیے تکلف کرنے سے منع کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۝(ص:۸۶)

سو میں تم سے اس (تبلیغِ دین) پر کوئی اُجرت طلب نہیں کرتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۝

اور مسند الفردوس میں حضرت زبیر بن العوام کی مرفوع حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: سن لو! بے شک میں اور میری اُمت کے صالحین تکلف سے بَری اور بیزار ہیں۔ اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت زبیر بن عوام سے روایت کیا ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں:

اللّٰهم انی وصالحی أمتی براء من كل تكلف.

اے اللہ! بے شک میں اور میری اُمت کے صالحین ہر قسم کے تکلف سے بَری ہیں۔

اور ابن عساکر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بیٹے حضرت زبیر بن ابی ہالہ سے روایت بیان کی ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں کہ

وانا وأمتى براء من التكلف.

اور میں اور میری اُمت تکلف سے بَری ہیں۔

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ تکلف سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ مہمان کی آمد پر میزبان تکلف کی وجہ سے پریشان نہ ہو اور اس کے دل میں مہمان کے لیے کراہت ونفرت اور تنگی پیدا نہ ہو۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی القاری ص ۲۶۶' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

۱۶- بَابُ الْفَرْقِ بَيْنَ الْكَافِرِ وَالْمُؤْمِنِ فِي الْاَكْلِ

کھانے میں کافر ومؤمن کے درمیان فرق

۴۱۴- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَافِرُ يَاْكُلُ فِيْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ وَالْمُؤْمِنُ يَاْكُلُ فِيْ مِعًى وَّاحِدٍ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مؤمن صرف ایک آنت میں کھاتا ہے۔

بخاری(۵۳۹۶)مسلم(۵۳۷۲)ترمذی(۱۸۱۸)ابن ماجہ(۳۲۵۷)

حل لغات

''يَاْكُلُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کھانا۔ ''اَمْعَآءَ'' یہ جمع ہے اور اس کا واحد ''مِعًى'' ہے' اس کا معنی ہے: آنت۔

زیادہ کھانا کھانے کے نقصانات

اس حدیث کو بعینہٖ امام احمد' شیخین' ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ کافر دنیا میں مکمل اور پورا فائدہ اور نفع حاصل کرتا ہے جو آخرت میں اس کی محرومی کا موجب بنے گا اور یہ کافر کے بہت زیادہ حریص ہونے کی طرف اور مؤمن کے قناعت ومیانہ روی اور دنیا سے زہد وتقویٰ کی طرف اشارہ ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۱۹۸' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' آپ نے فرمایا: تم پیٹ کو کھانے پینے کے ساتھ بھرنے سے بچاؤ کیونکہ کثرتِ خوراک جسم کو فاسد وخراب کر دیتی ہے اور نماز پڑھنے سے سست اور کاہل بنا دیتی ہے اور تم اپنے اوپر کم کھانا پینا لازم کر لو' کیونکہ یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کی عبادت کے لیے مفید ومؤثر ہے اور اسراف وفضول خرچی سے بہت دور ہے اور اللہ تعالیٰ موٹے بدن کو ناپسند کرتا ہے اور کوئی آدمی اس وقت تک تباہ وبرباد نہیں ہوتا جب تک اس کی نفسانی خواہشات اس کے دین پر غالب نہیں ہو جاتیں۔ [تفسیر مظہری ج ۳ص ۳۴۷' حاشیہ:۲' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' ادارہ اشاعت العلوم]

امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کے پیٹ سے بڑھ کر کسی برتن کو بھرنا بُرا نہیں۔ ابن آدم کے لیے چند لقمے کافی ہیں' جن سے اس کی کمر قائم رہ سکے اور اگر اس نے لامحالہ زیادہ کھانا ہو تو (پیٹ کا) تہائی حصہ کھانے کے لیے رکھے اور تہائی حصہ پانی کے لیے اور تہائی حصہ سانس لینے کے لیے رکھے۔ [تفسیر تبیان القرآن ج ۴ص ۱۰۵' فرید بک سٹال' لاہور]

۱۷- بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْاَكْلِ مُتَّكِئًا

ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت

۴۱۵- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنْ اَبِي

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

حُجَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا اَنَا فَلَا اٰكُلُ مُتَّكِئًا اٰكُلُ كَمَا یَاْكُلُ الْعَبْدُ وَاَشْرَبُ كَمَا یَشْرَبُ الْعَبْدُ وَاَعْبُدُ رَبِّیْ حَتّٰی یَاْتِیَنِی الْیَقِیْنُ.

بخاری(٥٣٩٩)ترمذی(١٨٣٠)

فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا بلکہ میں اس طرح (عاجزی کے ساتھ) کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے اور اس طرح پیتا ہوں جس طرح غلام پیتا ہے اور میں تو اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتا رہوں گا' یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے۔

حل لغات

"اَشْرَبُ" صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معروف مثبت' باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: پانی پینا' پانی کا گھونٹ لینا' سیراب ہونا۔ "مُتَّكِئًا" اس کا معنی ہے: تکیہ لگا کر بیٹھنا' ٹیک لگا کر بیٹھنا۔ "اَلْیَقِیْنُ" اس کا معنی یہاں موت ہے' چونکہ موت ٹلنے والی نہیں بلکہ یقینی طور پر آتی ہے' اس لیے یقین بہ معنی موت ہے۔

کھانا کھانے کے مکروہ طریقے

نبی کریم ﷺ ہر معاملہ میں تواضع' انکساری' عاجزی اور سادگی کو پسند فرماتے تھے جبکہ تکبر وغرور' رفعت و بڑائی' نام ونمود اور تکلف وتصنع کو بے حد ناپسند فرماتے تھے' سو اس لیے آپ دیگر کاموں کی طرح کھانا کھانے میں بھی تواضع اور انکساری پیش نظر رکھتے اور متکبر لوگوں کی طرح ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ آپ دو زانو بیٹھ کر (تشہد کی حالت میں) یا دونوں زانوؤں کو کھڑا کر کے' یا داہنے زانو کو کھڑا کر کے بائیں زانو کو لٹا کر اس پر بیٹھ کر کھانا تناول فرما لیتے تھے' کیونکہ ٹیک لگانے کی چار صورتیں ہیں: (۱) دونوں یا ایک پہلو پر تکیہ لگا کر بیٹھے (۲) دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو زمین پر رکھ کر ٹیک لگائے (۳) کسی گدے وغیرہ پر چوکڑی مار کر گاؤ تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھے (۴) کمر (یعنی پشت) دیوار یا تکیہ وغیرہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے۔ یہ چاروں قسمیں کھانے کے دوران مذموم ہیں کیونکہ ان میں تکبر وغرور کا اظہار ہوتا ہے' جس طرح ٹیک لگا کر کھانا پینا مذموم ومکروہ ہے' اسی طرح بلاضرورت کھڑے ہو کر کھانا پینا بھی مذموم ومکروہ ہے' چنانچہ حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں: ہم نے پوچھا: (کھڑے ہو کر) کھانا کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو حضرت انس نے کہا: یہ اس سے زیادہ بُرا یا بدترین عمل ہے۔ [صحیح مسلم کتاب الاشربۃ باب کراھیۃ الشرب قائما' رقم الحدیث: ٥١٥٨]

١٨ - بَابُ النَّهْیِ عَنِ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ فِیْ آنِیَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلُبْسِ الْحَرِیْرِ

سونے چاندی کے برتن میں کھانے پینے اور ریشم پہننے سے ممانعت

٤١٦- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَشْرَبَ فِیْ آنِیَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَاَنْ نَاْكُلَ فِیْهَا وَاَنْ نَلْبَسَ الْحَرِیْرَ وَالدِّیْبَاجَ قَالَ وَهِیَ لِلْمُشْرِكِیْنَ فِی الدُّنْیَا وَلَكُمْ فِی الْاٰخِرٰی.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سونے چاندی کے برتن میں کھانے اور پینے اور ریشم اور دیباج پہننے سے منع فرمایا ہے' آپ نے فرمایا: یہ چیزیں دنیا میں مشرکین کے لیے ہیں اور آخرت میں تمہارے لیے ہوں گی۔

بخاری(٥٦٣٣)مسلم(٥٤٠٠)ابن ماجہ(٣٥٩٠)مسند احمد(٢٣٦٥٨)

٤١٧- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ نَزَلْنَا مَعَ حُذَیْفَةَ عَلٰی دِهْقَانٍ بِالْمَدَائِنِ فَاَتٰی بِطَعَامٍ فَطَعِمْنَا ثُمَّ دَعَا حُذَیْفَةُ بِشَرَابٍ فَاَتٰی بِشَرَابٍ فِیْ اِنَاءِ فِضَّةٍ فَضَرَبَ بِهٖ وَجْهَهٗ فَسَآءَنَا مَاصَنَعَ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ لِمَا صَنَعْتُ بِهٖ هٰذَا فَقُلْنَا لَا فَقَالَ اِنِّیْ نَزَلْتُ عَلَیْهِ فِی الْعَامِ الْمَاضِیْ فَدَعَوْتُ بِشَرَابٍ فَاَتَانِیْ بِشَرَابٍ فِیْهِ فَاَخْبَرْتُهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا اَنْ نَاْكُلَ فِیْ اٰنِیَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَاَنْ نَشْرَبَ فِیْهَا وَاَنْ نَلْبَسَ الْحَرِیْرَ وَالدِّیْبَاجَ فَاِنَّهَا لِلْمُشْرِكِیْنَ فِی الدُّنْیَا وَهِیَ لَنَا فِی الْاٰخِرَةِ.

مسلم(٥٣٩٤)ابوداؤد(٣٧٢٣)ترمذی(١٨٧٨) نسائی(٥٣٠٣)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدائن میں ایک کسان کے پاس مہمان بن کر ٹھہرے' سو وہ کھانا لے کر آیا اور ہم نے کھایا' پھر حضرت حذیفہ نے پانی منگوایا تو وہ آدمی چاندی کے ایک برتن میں پانی لے کر آیا' حضرت حذیفہ نے وہ برتن اس آدمی کے منہ پر دے مارا' سو ہمیں بہت بُرا لگا کہ آپ نے یہ کیا کر دیا' حضرت حذیفہ نے خود فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اس کے ساتھ یہ عمل کیوں کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا: نہیں! (ہمیں کچھ معلوم نہیں) آپ نے فرمایا کہ میں پچھلے سال بھی اس کے پاس آ کر ٹھہرا تھا اور میں نے اس سے پانی منگوایا تھا تو یہ میرے پاس چاندی کے برتن میں پانی لے کر آیا تھا اور میں نے اس کو بتلایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے پینے سے اور ریشم اور دیباج پہننے سے منع فرمایا ہے' کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں مشرکین کے لیے ہیں اور آخرت میں ہمارے لیے ہوں گی۔

٤١٨- حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ فَرْوَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ اِسْتَسْقٰی حُذَیْفَةُ بْنُ الْیَمَانِ مِنْ دِهْقَانٍ فَاَتٰی بِشَرَابٍ فِیْ اِنَاءِ فِضَّةٍ فَاَخَذَ الْاِنَاءَ فَضَرَبَ بِهٖ وَجْهَهٗ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی اَنْ نَشْرَبَ فِیْ اٰنِیَةِ الْفِضَّةِ.

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن الیمان نے ایک کسان سے پانی طلب کیا تو وہ چاندی کے برتن میں پانی لے کر آیا' آپ نے برتن لیا اور اسے اس کسان کے منہ پر مار دیا اور فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں چاندی کے برتن میں پینے سے منع فرمایا ہے۔

مسلم(٥٣٩٤)ابوداؤد(٣٧٢٣)ترمذی(١٨٧٨)نسائی(٥٣٠٣)

٤١٩- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ كُنَّا مَعَ حُذَیْفَةَ بِالْمَدَائِنِ فَاسْتَسْقٰی دِهْقَانًا فَاَتَاهُ بِهٖ فِیْ جَامٍ فِضَّةٍ فَرَمٰی بِهٖ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ اٰنِیَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَقَالَ هِیَ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا وَلَكُمْ فِی الْاٰخِرَةِ.

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم مدائن میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے' سو آپ نے ایک کسان سے پینے کے لیے پانی طلب کیا تو وہ چاندی کے گلاس میں پانی لے کر آیا' آپ نے اسے پھینک دیا' پھر فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے سونے اور چاندی کے برتن سے منع فرمایا ہے' اور فرمایا ہے کہ دنیا میں یہ چیزیں ان (مشرکوں) کے لیے ہیں اور آخرت میں تمہارے لیے ہوں گی۔

حل لغات

"اٰنِیَةٌ" اس کا معنی ہے: برتن اور اس کی جمع "اَوَانِیْ" آتی ہے۔ "دِهْقَانٌ" ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس میں دال مکسور اور مضموم دونوں طرح پڑھی جاتی ہے' اس کا معنی ہے: کسان۔ "فَسَآءَ نَا" اس میں فا حرف عطف ہے اور ساء صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بُرا لگنا' ناگوار گزرنا۔ "اِسْتَسْقٰی" یہ صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی

معروف' باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: پانی طلب کرنا۔

سونے چاندی کے برتنوں اور ریشمی لباس کی ممانعت

امام بخاری اور امام مسلم نے اس باب کی پہلی حدیث کو حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

لا تلبسوا الحرير ولا الديباج ولا تشربوا في آنية الذهب والفضة' ولا تأكلوا في صحافهما فانها لهم في الدنيا ولكم في الآخرة.

تم نہ ریشم پہنو اور نہ دیباج' تم سونے چاندی کے برتن میں پانی وغیرہ نہ پیٔو اور نہ ان کے پیالوں میں کھانا کھاؤ' کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں ان (مشرکین) کے لیے ہیں اور آخرت میں تمہارے لیے ہیں۔

اور بخاری و مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یوں ہے:

لا تلبسوا الحرير فانه من يلبسه في الدنيا لم يلبسه في الآخرة.

تم ریشم نہ پہنا کرو کیونکہ جو شخص اسے دنیا میں پہنے گا وہ اسے آخرت میں نہیں پہنے گا۔

امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت معاویہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے چاندی کے برتن میں پینے سے اور سونے اور ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے۔

امام مسلم نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ بے شک جو شخص چاندی کے برتن میں کھائے گا اور پیٔے گا' اس کے پیٹ میں دوزخ کی آگ جوشِ حرارت میں آوازیں نکالے گی۔ طبرانی نے مزید روایت کیا ہے کہ "الا ان يتوب" مگر یہ کہ وہ توبہ کر لے۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ١٠٣-١٠٢' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

واضح رہے کہ سونے چاندی اور ریشم کا استعمال صرف مردوں کے لیے ممنوع ہے لیکن عورتوں کے لیے ان کا استعمال ممنوع نہیں' کیونکہ یہ چیزیں زیب و زینت اور آرائش و سنگھار حاصل کرنے کے لیے پہنی جاتی ہیں جو عورتوں کے لیے ہی مناسب و موزوں ہیں' چنانچہ علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ سورۃ الزخرف کی آیت اٹھارہ کے تحت لکھتے ہیں کہ اس آیت سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عورتوں کو زیور پہنانا جائز ہے۔ حدیثِ نبوی سے بھی اس کی تائید ملتی ہے' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لبس الحرير والذهب حرام على ذكور أمتي وحلال لاناثها.

یعنی ریشم اور سونے کا استعمال میری اُمت کے مردوں پر حرام ہے اور عورتوں کے لیے حلال ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ عہد نبوت سے لے کر آج تک عورتیں زیور پہنتی آئی ہیں اور کبھی کسی نے اس کو ناجائز و حرام نہیں کہا' اس لیے اخبارِ آحاد سے عورتوں کے لیے زیور کی ممانعت ثابت نہیں ہو سکتی۔ [احکام القرآن ج ٣]

نوٹ: ماخوذ از تفسیر ضیاء القرآن ج ٤ ص ٤٠٦

١٩- بَابُ النَّهْيِ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ

کدو کے برتن اور سبز مٹکے کے استعمال کی ممانعت

٤٢٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کدو سے تیار کردہ برتن اور سبز مٹکا کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔

بخاری(٥٥٩٤) مسلم(٥١٧٦) ابوداؤد(٣٦٩٠) نسائی(٥٦٤٠)

حل لغات

"دُبَّا" اس کا معنی ہے: کدو' گھیا' تونبی۔ "اَلْحَنْتَمُ" اس کا معنی ہے: سبز رنگ کے ہرے گھڑے اور مٹکے۔

ان برتنوں کے استعمال کی ممانعت منسوخ ہے

دراصل اسلام کے ابتدائی دور میں جب مدینہ منورہ میں شراب کو حرام قرار دیا گیا تو جن برتنوں میں شراب بنا کر رکھی جاتی تھی اور جن برتنوں میں شراب پی جاتی تھی' ان کے استعمال کو بھی ممنوع قرار دیا گیا کیونکہ اگر یہ برتن استعمال ہوتے رہتے تو ممکن تھا کہ مسلمانوں کو چھوٹی ہوئی شراب پھر دوبارہ یاد آ جاتی' اس لیے شروع میں ان کا استعمال بھی حرام کر دیا گیا' پھر جب لوگوں کے ذہنوں میں شراب سے مکمل نفرت راسخ اور پختہ ہو گئی تو پھر ان برتنوں کی حرمت منسوخ ہو گئی اور ان کا استعمال جائز قرار دے دیا گیا جیسا کہ آگے احادیث میں اس کا بیان آ رہا ہے' بہر حال چار قسم کے برتن شراب کے لیے استعمال ہوتے تھے: (١) دُبَّاءٌ (٢) حَنتَم (٣) مُزَفَّت (٤) نَقِير۔ "دُبَّاءٌ" سے وہ برتن مراد ہیں جو پکے کدو کو اندر سے کھوکھلا کر کے تیار کیے جاتے تھے' جگ اور صراحی وغیرہ کی طرح استعمال کیے جاتے تھے۔ "الحنتم" سے وہ مٹکے اور گھڑے مراد ہیں' جن پر سبز رنگ پھیر کر شراب کے لیے مخصوص کر لیا جاتا تھا۔ "مُزَفَّت" سے وہ برتن مراد ہیں جن پر تار کول جسے لُک بھی کہا جاتا ہے' مل کر مضبوط بنایا جاتا۔ "نقیر" سے وہ برتن مراد ہیں جو درختوں کی جڑوں کو چھید کر اندر سے کھوکھلا کیا جاتا اور ہموار و ملائم کر کے برتن بنا لیا جاتا تھا۔

٢٠- بَابُ فِيْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ وَلُحُوْمِ الْاَضَاحِيْ وَالظُّرُوْفِ

قبروں کی زیارت' قربانی کے گوشت اور شراب کے برتنوں کے احکام

٤٢١- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَهَيْنَاكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَقَدْ اُذِنَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ زِيَارَةِ قَبْرِ اُمِّهٖ فَزُوْرُوْهَا وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا وَعَنْ لُحُوْمِ الْاَضَاحِيِّ اَنْ تُمْسِكُوْا فَوْقَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ وَاِنَّا نَهَيْنَاكُمْ لِيُوَسِّعَ مُوْسِرُكُمْ عَلٰى فَقِيْرِكُمْ وَالْاٰنَ قَدْ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَكُلُوْا وَتَزَوَّدُوْا وَعَنِ الشُّرْبِ فِي الْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ النَّقِيْرِ وَالدُّبَّاءِ فَاشْرَبُوْا فِيْ كُلِّ ظَرْفٍ شِئْتُمْ فَاِنَّ الظَّرْفَ لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهٗ وَلَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا.

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا' سو اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت عنایت کی گئی ہے' پس اب تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو لیکن وہاں تم کوئی بے ہودہ بات نہ کہنا اور بے شک ہم نے تمہیں تین دن سے زیادہ قربانیوں کا گوشت روک کر رکھنے سے منع کیا تھا کہ تم میں سے مال دار خوشحال لوگ تمہارے تنگ دستوں اور غریبوں پر کشادگی کر سکیں اور اب اللہ تعالیٰ نے تم سب کو خوشحال کر دیا ہے' پس اب تم کھاؤ اور ذخیرہ بھی کر لو۔ اور تمہیں حنتم' مزفت' نقیر اور دباء نامی برتنوں میں پینے سے منع کیا گیا تھا' سو اب تم ہر برتن میں جس میں چاہو پیا کرو کیونکہ برتن کسی چیز کو نہ حلال کرتے ہیں اور نہ کسی چیز کو حرام کرتے ہیں لیکن تم نشہ آور چیز ہرگز نہ پینا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّا نَهَيْنَاكُمْ عَنْ ثَلٰثٍ عَنْ

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ہم نے تمہیں تین

زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا وَنَهَيْنَاكُمْ اَنْ تُمْسِكُوْا لُحُوْمَ الْاَضَاحِيّ فَوْقَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَاَمْسِكُوْهَا وَتَزَوَّدُوْهَا فَاِنَّمَا نَهَيْنَاكُمْ لِيُوَسِّعَ غَنِيُّكُمْ عَلٰى فَقِيْرِكُمْ وَنَهَيْنَاكُمْ اَنْ تَشْرَبُوْا فِی الدُّبَّاءِ وَالْمُزَفَّتِ فَاشْرَبُوْا فِيْمَا بَدَالَكُمْ فَاِنَّ الظَّرْفَ لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَّلَا يُحَرِّمُهٗ وَلَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا.

چیزوں سے منع کیا تھا: (۱) زیارتِ قبور سے (منع کیا تھا) سواب تم ان کی زیارت کیا کرو (۲) اور ہم نے تمہیں تین سے زائد قربانیوں کا گوشت روک کر رکھنے سے منع کیا تھا' سواب تم اس کو رکھ سکتے ہو اور جمع بھی کر سکتے ہو اور بے شک ہم نے تمہیں اس لیے منع کیا تھا تاکہ تمہارے مال دار لوگ تمہارے غریبوں' محتاجوں پر کشادگی کریں (۳) اور ہم نے تمہیں دباء اور مزفت برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا' سو اب تم جس میں مناسب سمجھو اس میں پی لو' کیونکہ برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتے ہیں اور نہ کسی چیز کو حرام کرتے ہیں لیکن تم نشہ آور چیز مت پینا۔

وَفِیْ رِوَايَةٍ نَحْوَهٗ وَ فِيْهِ عَنِ النَّبِيْذِ فِی الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ فَاشْرَبُوْا فِیْ كُلِّ ظَرْفٍ وَّلَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا.

اور ایک روایت اسی طرح ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ہم نے تمہیں دباء' حنتم اور مزفت برتنوں میں نبیذ پینے سے منع کیا تھا' سواب تم ہر قسم کے برتن میں پی سکتے ہو لیکن تم نشہ آور چیز ہرگز نہ پینا۔

مسلم(٥١١٤)ابوداؤد(٣٦٩٨)نسائی(٥٦٥٦)

٤٢٢- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ و حَمَّادٍ حَدَّثَاهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اشْرَبُوْا فِیْ كُلِّ ظَرْفٍ فَاِنَّ الظَّرْفَ لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَّلَا يُحَرِّمُهٗ.

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: تم ہر برتن میں پی سکتے ہو کیونکہ برتن نہ کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور نہ کسی چیز کو حرام کرتا ہے۔

مسلم(٥٢٠٨)ترمذی(١٨٦٩)ابن ماجہ(٣٤٠٦)

حل لغات

''فَزُوْرُوْهَا'' اس میں ''زُوْرُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل امر معروف حاضر مثبت' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: زیارت کرنا' ملاقات کرنا۔ آخر میں ھا ضمیر مفعول بہ ہے۔ ''هِجْرًا'' بہ معنی بے ہودہ بات کرنا' بُری بات کہنا۔ ''تَزَوَّدُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل امر معروف حاضر مثبت' باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے: ذخیرہ کرنا' جمع کرنا۔

زیارتِ قبور اور قربانی کے گوشت ذخیرہ کرنے کی اجازت

شروع اسلام میں زیارتِ قبور مسلمان مردوں' عورتوں کو منع تھی کیونکہ لوگ نئے نئے اسلام لائے تھے' اس وقت اندیشہ تھا کہ بت پرستی کے عادی ہونے کی وجہ سے اب قبر پرستی شروع کر دیں' جب ان میں اسلام اور عقیدۂ توحید راسخ ہو گیا تو یہ ممانعت منسوخ ہو گئی اور زیارتِ قبور کی اجازت دے دی گئی اور اسی طرح جب شراب حرام ہوئی تو شراب کے برتن استعمال کرنا بھی ممنوع ہو گیا تاکہ لوگ برتن دیکھ کر پھر شراب یاد نہ کر لیں لیکن جب لوگ ترکِ شراب کے عادی ہو گئے اور ان کے ذہنوں میں شراب کی نفرت مکمل راسخ ہو گئی تو پھر برتنوں کے استعمال کی ممانعت منسوخ ہو گئی اور ہر قسم کے برتنوں میں کھانے پینے کی اجازت دے دی گئی' نیز شروع اسلام میں مسلمانوں پر غربت وافلاس کا غلبہ تھا' اس لیے قربانی کرنے والوں کو حکم تھا کہ جس قدر گوشت تم تین دن کے اندر کھا سکو وہ کھا لو باقی غرباء میں خیرات کر دو' پھر جب اللہ تعالیٰ نے کاروبار اور اموالِ غنیمت وغیرہ سے مسلمانوں کو خوشحال بنا دیا اور عام مسلمان بھی قربانی

کرنے لگے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا' اب چاہے سال بھر تک قربانی کا گوشت کھاؤ۔

[ماخوذ از مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۵۲۳-۵۲۲' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات]

٢١- بَابٌ فِیْ جَوَازِ شُرْبِ النَّبِيْذِ
نبیذ پینے کا جواز

٤٢٣- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ رَاَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ وَهُوَ يَاْكُلُ طَعَامًا ثُمَّ دَعَا بِنَبِيْذٍ فَشَرِبَ فَقُلْتُ رَحِمَكَ اللّٰهُ تَشْرَبُ النَّبِيْذَ وَالْاُمَّةُ تَقْتَدِیْ بِكَ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ النَّبِيْذَ وَلَوْلَا اَنِّیْ رَاَيْتُهٗ يَشْرَبُ مَا شَرِبْتُهٗ.

حضرت علقمہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ کھانا کھا رہے ہیں' پھر آپ نے نبیذ منگوایا اور اسے پی لیا تو میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے! کیا آپ نبیذ پی رہے ہیں؟ حالانکہ اُمت تو آپ کی اقتداء کرتی ہے۔ سو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا ہے اور اگر میں نے آپ کو یہ پیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں اسے کبھی نہ پیتا۔

مسلم(٥٢٣٢)ابوداؤد(٣٧١١)ترمذی(١٨٧١)

٤٢٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ وَمِسْعَرٌ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَبِيْذِ الزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَالتَّمْرِ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منقّی اور کھجور سے (مخلوط) اور کچی اور پکی کھجور کی (مخلوط) نبیذ سے منع فرمایا۔

بخاری(٥٦٠١)مسلم(٥١٤٥)ابوداؤد(٣٧٠٣)ابن ماجہ(٣٣٩٥)

٤٢٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ وَّحَمَّادِ بْنِ اَبِیْ سُلَيْمَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بن بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا. سابقہ(٤٢١)

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تم نشہ آور چیز ہرگز نہ پیا کرو۔

حل لغات

''نَبِيْذٌ'' اس کا لغوی معنی ہے: پھینکنا' لیکن مراد یہ ہے کہ رات کو چند کھجوریں یا چھوہارے پانی میں ڈال دیئے جائیں' صبح کو اس کا میٹھا پانی پی لیا جائے' اس پانی کو نبیذ کہتے ہیں۔ ''تَقْتَدِیْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: اقتداء کرنا' پیروی کرنا۔ ''اَلزَّبِيْبُ'' اس کا معنی ہے: کشمش' منقی۔ ''اَلْبُسْرُ'' کچی کھجور۔

نبیذ کا معنی' فائدہ' پینے کی شرط اور جواز کا ثبوت

پانی میں حسب خواہش کھجوریں' چھوہارے یا منقی یعنی کشمش وغیرہ ڈال کر بھگو دیا جائے' پھر تقریباً سات آٹھ گھنٹے کے بعد جب ان چیزوں کی مٹھاس پانی میں اثر کر جائے اور میٹھا شربت تیار ہو جائے تو اس کو پی لیا جائے' اس کو نبیذ کہتے ہیں' یہ مقوی' مفرح اور ہاضمہ کے لیے بڑا مفید ہوتا ہے' البتہ نبیذ پینے کے جواز میں یہ شرط لازمی ہے کہ وہ اس قدر گاڑھا نہ ہو جائے کہ اس کا بہاؤ ختم ہو جائے اور وہ جھاگ چھوڑنے لگے اور نشہ آور ہو جائے کیونکہ ایسی صورت میں اس کا پینا جائز نہیں ہے۔ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

شمائل ترمذی میں حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' آپ (رسول اللہ کے مخصوص پیالہ کی طرف اشارہ کر کے) فرماتے ہیں کہ بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پیالہ میں پینے کی تمام قسم کی اشیاء پانی' نبیذ' شہد اور دودھ وغیرہ سب

چیزیں پلائی ہیں۔

اور صحیح مسلم میں ہے کہ رات کے پہلے حصہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے نبیذ بنائی جاتی تھی (کھجوریں وغیرہ پانی میں بھگو دی جاتی تھی) جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی رات کے بعد آنے والی صبح کو نوش فرماتے اور دوسرے دن عصر تک اس کو رکھ دیا جاتا اور اسے استعمال کیا جاتا' پھر اس میں سے باقی ماندہ کو خدام استعمال کر لیتے تھے یا اس کو تلف کر دیا جاتا تھا اور یہ نبیذ اس پر محمول ہے کہ اس کو آگ پر ہلکا جوش دے کر تھوڑا سا پکایا جائے۔

اور الخلاصہ میں ہے کہ کھجور کی نبیذ یا کشمش کی نبیذ کو جب ہلکا سا پکایا جائے' پھر وہ قدرے سخت ہو جائے (یعنی گاڑھا ہو جائے) تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے فرمان کے مطابق اس کا پینا جائز ہے بشرطیکہ وہ نشہ آور نہ ہو جبکہ اس کو پینے سے مقصود کھانے کا ہاضمہ ہو' لیکن لذتِ نفس اور کھیل تماشا نہ ہو۔ اور امام محمد نے فرمایا: اس کا پینا جائز نہیں' ایسے نبیذ کی قلیل مقدار بھی حرام ہے اور کثیر مقدار بھی حرام ہے۔ فقیہ ابو اللیث نے کہا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور جب اس کو لھو ولعب اور لذت وراحت کے لیے پیا جائے تو پھر تھوڑی مقدار بھی حرام ہے اور زیادہ مقدار بھی حرام ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۳۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

اس باب کی دوسری حدیث میں کشمش اور کھجوروں سے نبیذ بنانے اور کچی کھجور اور پکی کھجور یا چھواروں سے نبیذ بنانے سے منع کیا گیا ہے' جس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ چیزوں میں سے اکیلی چیز سے نبیذ بنانا تو جائز ہے لیکن دو چیزوں سے جسے خلیطین کہتے ہیں' نبیذ بنانا جائز نہیں جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ دو چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ جب ان کا الگ الگ نبیذ بنانا جائز ہے تو ملا کر نبیذ بنانا بھی جائز ہے حالانکہ علامہ نووی شافعی کہتے ہیں کہ اس قول سے صحیح احادیث کا ترک لازم آتا ہے۔

جواب

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ پر احادیثِ صحیحہ کے ترک کرنے کا الزام غلط ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ نے جو دو چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانے کو جائز کہا ہے تو یہ محض اپنی رائے سے نہیں کہا بلکہ امام ابوحنیفہ نے احادیث کی بناء پر اس کو جائز کہا ہے' وہ احادیث حسب ذیل ہیں:

(۱) امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کشمش اور چھواروں کو پانی میں ڈال کر نبیذ تیار کیا جاتا تھا۔

(۲) امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت صفیہ بنت عطیہ' قبیلہ عبد القیس کی عورتوں کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور ان سے کھجوروں اور کشمش کے متعلق سوال کیا' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں ایک مٹھی میں چھوہارے لیتی اور ایک مٹھی میں کشمش لیتی اور ان کو پانی میں ڈال کر نبیذ بناتی' پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پلاتی۔

(۳) امام محمد بن حسن اپنی سند کے ساتھ کتاب الآثار میں روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ابن زیاد نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس روزہ افطار کیا' حضرت ابن عمر نے ان کو ایک مشروب پلایا' دوسرے دن ابن زیاد نے کہا: آپ نے مجھے کیا پلایا تھا؟ لگتا تھا کہ مجھے اپنے گھر کا راستہ بھی نہیں ملے گا! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم نے تم کو صرف عجوہ (سب سے عمدہ کھجور) اور کشمش کا نبیذ پلایا تھا۔

شیخ ابن حزم نے ان احادیث کی اسانید پر جرح کی ہے لیکن تعددِ اسانید کی وجہ سے یہ احادیث ایک دوسرے کی تقویت وتائید

کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دو چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے' اس کی حکمت میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ جب شروع شروع میں تنگ دستی اور قحط کا زمانہ تھا تو اس وقت آپ نے قناعت کے پیش نظر دو چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا تھا' اب یہ منسوخ ہے۔ [شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۲۴۳' بہ حوالہ عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ]

۲۲- بَابُ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ وَالْمُسْكِرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ

شراب اور ہر نشہ آور مشروب حرام ہے

٤٢٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِىْ عَوْنٍ مُحَمَّدٍ الثَّقَفِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ شَدَّادٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ قَلِيْلُهَا وَكَثِيْرُهَا وَالسُّكْرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شراب حرام کر دی گئی ہے' اس کی تھوڑی سی مقدار بھی اور اس کی زیادہ مقدار بھی اور ہر نشہ آور مشروب حرام کر دیا گیا ہے۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ قَلِيْلُهَا وَكَثِيْرُهَا وَالسُّكْرُ مِنْ كُلِّ شَرَابٍ.

نسائی (٥٦٨٦تا٥٦٨٩)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ شراب حرام کر دی گئی' اس کی تھوڑی اور زیادہ مقدار بھی اور ہر نشہ آور مشروب۔

خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت میں اختلاف

کتب لغت کو بہ طریق انصاف دیکھنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خمر (شراب) انگور کے نشہ آور (کچے) شیرہ کو کہتے ہیں' عرب کا یہی محاورہ تھا اور قرآن مجید چونکہ لغتِ عرب میں نازل ہوا ہے' اس لیے قرآن مجید میں بھی انگوروں پر خمر کا اطلاق کیا گیا ہے' اس لیے اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ ہی کی رائے صحیح ہے جبکہ ائمہ ثلاثہ اور دیگر فقہاء کی رائے میں ہر نشہ آور مشروب کو خمر کہتے ہیں' اس اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک خمر یعنی انگور کے نشہ آور کچے شیرہ کی حرمت قطعی اور یقینی ہے اور باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت ظنی ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب خمر ہے اور اس کی حرمت قطعی ہے' یہ واضح رہے کہ اس اختلاف کے باوجود تمام ائمہ اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے' البتہ حرمت کی نوعیت میں اختلاف ہے' چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک خمر کی حرمت قطعی ہے' اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے خواہ نشہ آور ہو یا نہ ہو' اور اس کے پینے پر حد مطلقاً واجب ہے' خواہ خمر کو بہ قدر نشہ پیا جائے یا اس سے کم اور باقی مشروبات جس مقدار میں نشہ آور ہوں' اس مقدار میں پیے جائیں تو حرام ہیں اور نشہ ہونے پر حد واجب ہے اور اگر نشہ آور مشروبات کو اس سے کم مقدار میں پیا جائے تو پھر نہ حرام ہیں' نہ نجس و پلید ہیں اور نہ ان پر حد واجب ہے' اس کے برخلاف باقی ائمہ کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب خمر ہے اور اس کو پینا مطلقاً حرام ہے' خواہ بہ قدر نشہ پیا جائے یا اس سے کم۔

[شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۱۸۰-۱۸۱' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات کی قلیل مقدار کے جواز پر قرآن مجید سے استدلال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ (النحل:٦٧)

اور کھجور اور انگور کے کچھ پھل ہیں (کہ پانی میں ڈال کر) تم ان سے نبیذ اور اچھا رزق بناتے ہو۔

علامہ سید محمود آلوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فقہاء احناف نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبیذ کی غیر نشہ آور مقدار کو پینا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے پیدا کرنے کو اپنے بندوں پر احسان قرار دیا ہے اور احسان اسی چیز کا ہو سکتا ہے جو حلال ہو' لہٰذا یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ جب تک نبیذ نشہ آور نہ ہو' اس کا پینا جائز ہے اور جب وہ نشہ کی حد کو پہنچ جائے تو پھر اس کا پینا جائز نہیں ہے اور اس استدلال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے' جسے امام دارقطنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خمر کو بعینہٖ حرام کیا گیا ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) کو حرام کیا گیا ہے' ابراہیم نخعی' امام ابوجعفر طحاوی اور سفیان ثوری وغیرہ کا یہی مذہب ہے کہ نبیذ جب تک نشہ کی حد کو نہ پہنچے' اس کا پینا جائز ہے' نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَـٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (المائدہ:۹۱-۹۲)

اے ایمان والو! شراب' جوا' بت اور فال کے تیر پلید ہیں' صرف شیطانی کام ہیں' سو تم ان کاموں سے بچو تاکہ کامیاب ہو سکو ۝ بے شک شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے اور نماز پڑھنے سے روک دے تو کیا تم (ان کاموں سے) باز آنے والے ہو ۝

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نشہ آور چیز کی قلیل مقدار حرام نہ ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خمر کو حرام کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ خمر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے اور بغض اور عداوت پیدا کرتی ہے اور نشہ آور مشروب کو قلیل مقدار میں پینے سے یہ اوصاف پیدا نہیں ہوتے اور اگر ہم ظاہر آیت کا لحاظ کریں تو قلیل مقدار میں خمر بھی حرام نہیں ہونی چاہیے' لیکن ہم نے خمر کی قلیل مقدار میں قیاس کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خمر مطلقاً حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔ البتہ خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات میں ظاہر آیت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ ان کی قلیل مقدار اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکتی ہے' نہ نماز سے روکتی ہے اور نہ بغض اور عداوت پیدا کرتی ہے۔

خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات کی قلیل مقدار کے حلال و جائز ہونے پر امام اعظم ابوحنیفہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے' ان میں سے ایک حدیث تو یہی ہے جو آپ نے اس مسند میں ابوعون محمد ثقفی اور عبداللہ بن شداد کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے اور اس حدیث کو امام ابویوسف نے کتاب الآثار میں' امام ابن ابی شیبہ نے المصنف میں' حافظ نورالدین الہیثمی نے سنن دارقطنی میں اور امام نسائی نے پانچ سندوں کے ساتھ سنن نسائی میں اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے سنن کبریٰ میں روایت کیا ہے' اس لیے ان تمام احادیث کو مختلف اسناد اور عربی متن کے ساتھ بیان کرنے کے بعد میرے مشفق و مربی استاذی المکرم لکھتے ہیں:

ہم نے حضرت ابن عباس کی اس روایت کے مستند کتب احادیث سے دس طرق بیان کیے ہیں' لہٰذا اس حدیث کے مشہور ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اس حدیث کی بعض اسانید کے تمام راوی صحیح ہیں جیسا کہ حافظ الہیثمی نے تصریح کی ہے اور یہ حدیث حکماً مرفوع ہے' اس لیے فقہاء احناف کا اس حدیث سے استدلال بالکل صحیح ہے کہ خمر کے علاوہ جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو' اس کی قلیل مقدار حلال ہے و راس کا پینا بالکل جائز ہے۔

نوٹ: تفصیلی بحث' عربی متن اور حوالہ جات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شرح صحیح مسلم ج ٦ ص ۱۹۲-۱۸۹' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار' لاہور۔

۲۳- بَابُ حُرْمَةِ شُرْبِ الْخَمْرِ وَبَيْعِهَا وَاَكْلِ ثَمَنِهَا

شراب پینے' اس کی خرید و فروخت کرنے اور اس کی قیمت کھانے کی حرمت

٤٢٧- اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ الْهَمْدَانِيِّ عَنْ اَبِيْ عَامِرٍ الثَّقَفِيِّ اَنَّهُ كَانَ يُهْدِيْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كُلِّ عَامٍ رَاوِيَةً مِّنْ خَمْرٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ ثَقِيْفٍ يُكْنٰى اَبَا عَامِرٍ كَانَ يُهْدِيْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّ عَامٍ رَاوِيَةً مِّنْ خَمْرٍ فَاَهْدٰى فِي الْعَامِ الَّذِيْ حُرِّمَتْ فِيْهِ الْخَمْرُ رَاوِيَةً كَمَا كَانَ يُهْدِيْ لَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا عَامِرٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ حَرَّمَ الْخَمْرَ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِيْ خَمْرِكَ قَالَ خُذْهَا فَبِعْهَا فَاسْتَعِنْ بِثَمَنِهَا عَلٰى حَاجَتِكَ فَقَالَ يَا اَبَا عَامِرٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ حَرَّمَ شُرْبَهَا وَبَيْعَهَا وَاَكْلَ ثَمَنِهَا.

حضرت ابوعامر ثقفی بیان کرتے ہیں: وہ ہر سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شراب کی ایک بڑی مشک ہدیہ بھیجا کرتا تھا اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ بنوثقیف کا ایک آدمی جس کی کنیت ابوعامر تھی' وہ ہر سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک بڑی مشک شراب کی ہدیہ بھیجا کرتا تھا' پھر جس سال میں شراب کو حرام قرار دیا گیا تھا' اس سال بھی وہ ایک بڑی مشک شراب کی ہدیہ لے کر حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوعامر! بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دے دیا ہے' سو ہمیں تمہاری شراب کی ضرورت نہیں' اس نے عرض کیا: آپ اسے لے لیں اور فروخت کر دیں اور اپنی ضرورت میں اس کی قیمت سے فائدہ اُٹھائیں' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوعامر! بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کا پینا' اس کی خرید و فروخت اور اس کی قیمت کھانا حرام قرار دے دیا ہے۔

مسلم(٤٠٤٤)مسند احمد(٢٠٤١)مسند حمیدی(١٠٣٤)

حل لغات

''يُهْدِيْ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: ہدیہ دینا۔ ''رَاوِيَةٌ'' اس کا ایک معنی ہے: چمڑے کی بڑی مشک۔ ''فَاسْتَعِنْ'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل امر معروف مثبت' باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: مدد مانگنا۔

شراب پینا' فروخت کرنا' خریدنا اور اس کی قیمت لینا حرام ہے

اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ جس طرح حرمت کے بعد شراب پینا حرام ہے' اس طرح اس کی خرید و فروخت اور اس کا کاروبار کرنا بھی حرام ہے اور اس کی قیمت وصول کر کے استعمال کرنا بھی حرام ہے اور دوسرا یہ مسئلہ بھی اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ کسی چیز کو بطور ہدیہ دینا اور لینا سنت ہے کہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے حضرت ابوعامر ثقفی ہر سال نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شراب کی ایک بڑی مشک ہدیہ کے طور پر بھیجا کرتے تھے اور آپ اس ہدیہ کو قبول فرما لیتے اور حضرت ابوعامر ثقفی کی حوصلہ افزائی فرماتے' ورنہ آپ کو شراب کی کوئی ضرورت نہ تھی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ و معصوم رکھا' آپ نے نہ اعلانِ نبوت سے پہلے کبھی شراب پی اور نہ اعلانِ نبوت کے بعد کبھی شراب پی' بلکہ شبِ معراج جب آپ کے سامنے جنتی شراب اور دودھ پیش کیا گیا تو آپ نے دودھ لے کر نوش فرمایا اور شراب کی بجائے دودھ کو ترجیح دی' البتہ حضرت ابوعامر ثقفی کی طرف سے شراب کا ہدیہ قبول فرما لیتے تھے' پھر

یہ شراب اپنی طرف سے بطور ہدیہ کسی کو صدقہ میں دے دیتے تھے۔

[التعلیق الممجد علی موطأ امام محمد ص ۳۱۴' حاشیہ: ۱۰' مطبوعہ مطبع مجتبائی' ۱۵ ہسپتال روڈ' لاہور]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۲۴- كِتَابُ اللِّبَاسِ وَالزِّيْنَةِ

لباس اور زینت کے احکام

۱- بَابٌ فِيْ لُبْسِ الْقَلَنْسُوَةِ

ٹوپی پہننے کا ثبوت

۴۲۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَلَنْسُوَةٌ شَامِيَّةٌ وَّفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَلَنْسُوَةٌ بَيْضَاءُ شَامِيَّةٌ. المطالب العالیہ لابن حجر (۲۱۹۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (کے پہننے) کے لیے ملک شام کی بنی ہوئی ٹوپی تھی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عطاء' حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پہننے کے لیے ملک شام کی بنی ہوئی سفید ٹوپی تھی۔

حل لغات

''قَلَنْسُوَةٌ'' اس کا معنی ہے: ٹوپی جو سر پر پہنی جاتی ہے اور اس کی جمع ''قَلَانِسُ'' آتی ہے۔ ''بَيْضَاءَ'' اس کا معنی ہے: سفید' یہ اسم تفضیل ابیض کا مؤنث ہے۔

ٹوپی اور عمامہ پہننے کا استحباب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عمامہ کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور عمامہ کے بغیر بھی ٹوپی پہنتے تھے اور عمامہ بغیر ٹوپی کے بھی پہنتے تھے اور آپ یمنی ٹوپی پہنتے تھے اور جنگ میں کانوں والی ٹوپی پہنتے تھے' بعض اوقات اپنی ٹوپی اتار کر اس کو سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے۔

علامہ مناوی لکھتے ہیں کہ حافظ عراقی نے جامع ترمذی کی شرح میں لکھا ہے کہ ٹوپیوں کے متعلق سب سے عمدہ سند کی حدیث یہ ہے: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سفر میں کانوں والی ٹوپی پہنتے تھے اور حضر (گھر) میں شامی ٹوپی پہنتے تھے۔

علامہ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں:

ٹوپی پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے کہ نبی کریم ﷺ ٹوپی پہنتے تھے' علامہ کردری نے وجیز میں اسی طرح لکھا ہے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نماز میں عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ سر ڈھانپنے کا حکم دیتے تھے اور ننگے سر نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے۔

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی ٹوپی کے ساتھ اور کبھی بغیر ٹوپی کے عمامہ پہنتے تھے اور کبھی بغیر عمامہ کے ٹوپی پہنتے تھے۔

علامہ محمد نور اللہ نعیمی فقیہ اعظم بصیر پوری لکھتے ہیں:

ٹوپی پر عمامہ کا ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق بننا یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اور کوئی فرق ہے ہی نہیں' بلکہ حقیقت واقعیہ یہ ہے کہ ہر علامت اسلام ہی فرق ہے تو اگر اکیلی ٹوپی بھی کسی زمانہ میں علامتِ اسلام بن جائے تو وہ بھی فرق بن جائے گی' چنانچہ کافی مدت سے قادری ٹوپی اور ترکی ٹوپی علامتِ اسلام ہیں اور موجودہ دور میں جناح کیپ' تو ایسی ٹوپی کا پہننا جبکہ علامت اسلام ہے اور فرق ہے تو اس حدیث کے منشاء کے مخالف کیسے ہوسکتا ہے؟ ہاں! گاندھی ٹوپی وغیرہ جو شعارِ کفر ہیں وہ چونکہ علامت کفر ہیں' لہٰذا ممنوع ہیں۔

(نوٹ: عربی متن اور حوالہ جات کے لیے ملاحظہ فرمائیں شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۲۷-۳۷۱-۳' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار' لاہور)

۲- بَابٌ فِيْ كَرَاهَةِ السَّدْلِ

بدن پر کپڑا لٹکانے کی کراہت

۴۲۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عن عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنِ ابْنِ جُحَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِرَجُلٍ سَادِلٍ ثَوْبَهٗ فَاَعْطَفَهٗ عَلَيْهِ.

حضرت ابن جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جس نے اپنا کپڑا دونوں جانب کندھوں پر لٹکایا ہوا تھا' سو آپ نے اس پر شفقت فرماتے ہوئے اس کا کپڑا اس کے کاندھے پر رکھ دیا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْاَقْمَرِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْقَطِعًا.

اور ایک روایت میں نبی کریم ﷺ سے حضرت علی بن اقمر کی روایت کرتے ہیں' یہ روایت منقطع ہے۔

سنن بیہقی (ج ۲ ص ۲۴۳) مصنف عبدالرزاق (ج ۱ ص ۳۶۳)

حل لغات

''سَادِلٌ'' ملا علی قاری کہتے ہیں کہ ''سَادِلٌ'' میں دال مکسور ہے' اس طرح یہ صیغہ واحد مذکر' اسم فاعل' باب نَصَرَ يَنْصُرُ یا ضَرَبَ يَضْرِبُ دونوں سے آتا ہے' اس کا معنی ہے: کپڑے کو کندھوں پر اس طرح لٹکانا کہ اس کے پلو دونوں جانب زمین کی طرف نیچے لٹک رہے ہوں۔ ''فَاَعْطَفَهٗ'' اس میں ''اَعْطَفَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب افعال سے ہے اور ''ہ'' ضمیر مفعول بہ ہے' اس کا معنی ہے: جھکا دینا' موڑ دینا' دُہرا کرنا' واپس کرنا۔

سَدَل کی کراہت کا ثبوت

حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر سے باہر نکلے اور مسجد میں جا کر دیکھا کہ لوگ اپنے کپڑوں کے ساتھ سدل کر کے نماز پڑھ رہے ہیں' آپ نے فرمایا: گویا یہ یہودی ہیں جو اپنے کنیسوں اور گرجوں سے باہر نکلے ہیں۔

[کنز العمال: ۲۲۵۲۷-ج ۸ ص ۹۴' مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ' ملتان]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں سدل کرنے سے منع فرمایا ہے اور نمازی کو اپنے منہ پر سر اور گردن سمیت ڈھاٹے کی طرح کپڑا لپیٹنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ (اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے اپنی اپنی سنن میں روایت کیا ہے)۔

ف: سدل کے معنی ہیں کہ نمازی چادر یا رومال کو اپنے کندھوں پر اس طرح ڈالے کہ دونوں کناروں کو لٹکتا ہوا چھوڑ دے اور وہ سمٹے ہوئے نہ ہوں' یا قباء یا عبا کو اس طرح اوڑھ لے کہ اس کی آستینوں میں ہاتھ نہ ڈالا جائے یا ایک چادر یا کسی کپڑے میں سارے بدن کو اس طرح لپیٹ لے کہ دونوں ہاتھ اسی چادر یا کپڑے میں داخل کر لیے ہوں' جیسا کہ یہود کا دستور تھا' ان چیزوں سے نماز مکروہ

ہوتی ہے۔[مرقات اشعۃ اللمعات] اور عمدۃ الرعایۃ میں لکھا ہے کہ اگر چادر کے ایک کنارے کو لٹکتا ہوا چھوڑ دے اور دوسرے کنارے کو سمیٹ کر دوسرے کندھے پر ڈال لیا جائے تو یہ سدل نہیں کہلائے گا اور اس سے نماز مکروہ نہیں ہوتی۔

ف: آج کل ہمارے اس زمانہ میں اہل عرب خصوصاً سدل کرتے ہیں' اس کی صورت یہ ہے کہ سر پر رومال رکھ کر اس کے دونوں اطراف سینے کی جانب لٹکا لیتے ہیں۔ حالت نماز ہو یا غیر حالت نماز اسی طرح وہ لٹکائے رکھتے ہیں جو کہ قطعاً غلط و ممنوع ہے کیونکہ یہ سدل ہے اور سدل سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ رومال لٹکانے کی بجائے سر پر عمامہ باندھنے کا حکم ہے' نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میری اُمت عموماً اور اہلِ عرب خصوصاً اپنے سر پر عمامہ (پگڑی) باندھیں گے تو عزت و توقیر ہوگی۔ جب وہ اپنے سر سے عمامہ اتار دیں گے تو ذلیل و خوار ہوں گے' آج عرب میں کہیں بھی عمامہ نظر نہیں آتا ہے اور دنیا کے امیر ترین ممالک ہونے کے باوجود غیر مسلم اقوام کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں۔ یہود کا چھوٹا سا خطہ اسرائیل انہی عرب سے چھینا ہوا ہے' ان پر غالب ہے' فرمانِ رسول ﷺ سچ ہے۔[زجاجۃ المصابیح المعروف حنفی مشکوٰۃ ج ا ص ۵۴۱-۵۴۰' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

مسئلہ: رومال یا شال یا رضائی یا چادر کے کنارے دونوں مونڈھوں سے لٹکتے ہوں' یہ ممنوع و مکروہ تحریمی ہے اور ایک کنارہ دوسرے مونڈھے پر ڈال دیا اور دوسرا لٹک رہا ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر ایک مونڈھے پر اس طرح ڈالا کہ ایک کنارہ پیٹھ پر لٹک رہا ہے' دوسرا پیٹ پر جیسے عموماً اس زمانہ میں مونڈھوں پر رومال رکھنے کا طریقہ ہے تو یہ بھی مکروہ ہے۔

[بہار شریف' حصہ سوم ص ۱۴۵' عنوان: مکروہات کا بیان' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور]

۳- بَابُ النَّهْيِ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ
ریشم پہننے کی ممانعت

۴۳۰- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ اَبِيْ لَيْلٰى عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَقَالَ اِنَّمَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهٗ.

حضرت حذیفہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ریشم اور دیباج پہننے سے منع فرمایا ہے اور آپ نے فرمایا: بے شک یہ کام صرف وہ شخص کرتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔

مسلم (۵۴۱۷) ابوداؤد (۴۰۴۲) ترمذی (۱۷۲۱) ابن ماجہ (۳۵۹۳) ابن حبان (۵۴۴۱)

دنیا میں مردوں کے لیے ریشم پہننا حرام

(۱) امام احمد' شیخین' ابوداؤد اور نسائی' حضرت عمر ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

انما یلبس الحریر فی الدنیا من لا خلاق له فی الآخرۃ. بے شک دنیا میں صرف وہ شخص ریشم پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔

(۲) امام احمد' شیخین' نسائی اور ابن ماجہ' حضرت انس ؓ سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ "من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسه فی الآخرۃ" یعنی جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا وہ اسے آخرت میں نہیں پہن سکے گا۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۲۶۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

(۳) امام ترمذی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ

حرم لباس الحریر والذھب علٰی ذکور اُمتی واحل لاناثھم. یعنی میری اُمت کے مردوں پر سونا اور ریشم پہننا حرام کر دیا گیا ہے اور ان کی عورتوں کے لیے حلال کیا گیا ہے۔

امام ترمذی نے کہا: اس باب میں حضرت عمر' علی' عقبہ بن عامر' اُم ہانی' انس بن مالک انصاری' حذیفہ بن یمان' عبد اللہ بن عمرو' عمران بن حصین' عبد اللہ بن زبیر' جابر' ابی ریحانہ' ابن عمر اور براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے بھی یہ حدیث مروی ہے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔[تنسیق النظام حاشیہ: ۳' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

٤- بَابُ اِخْرَاجِ التَّصَاوِيْرِ وَالْكَلْبِ مِنَ الْبَيْتِ
گھر سے تصویروں کو مٹانا اور کتے کو نکالنا

۴۳۱- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ حَمْزَةَ عَنْ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ اَنَّهٗ كَانَ عُلِّقَ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتْرًا فِيْهِ تَمَاثِيْلُ فَاَبْطَاَ جِبْرِيْلُ ثُمَّ اَتَاهُ فَقَالَ لَهٗ مَا اَبْطَاَكَ عَنِّيْ قَالَ اِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَّلَا تَمَاثِيْلُ فَاَبْسِطِ السِّتْرَ وَلَا تُعَلِّقْهُ وَاقْطَعْ رُءُوْسَ التَّمَاثِيْلِ وَاَخْرِجْ هٰذَا الْجِرْوَ.

مسلم (۵۵۱۳) ابوداؤد (۴۱۵۷) ابن حبان (۵۸۵۶)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے گھر پر ایک پردہ لٹکایا گیا جس میں چند تصویریں تھیں' جن کی بناء پر حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر ہونے میں تاخیر کر دی' پھر جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم نے میرے پاس آنے میں تاخیر کیوں کی؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ بے شک ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا جانداروں کی تصویریں ہوں' سو آپ اس پردہ کا بستر بنا لیجئے اور اس کو مت لٹکائیے اور ان تصویروں کے سر کاٹ دیجئے اور اس پلے (کتے کے بچہ) کو گھر سے باہر نکال دیجئے۔

حل لغات

"عُلِّقَ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی مجہول' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: لٹکانا۔ "فَاَبْطَاَ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: تاخیر کرنا' دیر لگانا۔ "فَاَبْسِطْ" صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل امر حاضر معروف' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بچھانا' پھیلانا' دراز کرنا۔ "اَلسِّتْرُ" پردہ۔ "تَمَاثِیْلُ" یہ "تِمْثَالٌ" کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: تصویر' مجسمہ' فوٹو۔ "اَلْجِرْوُ" پلہ' قتورا' کتے یا شیر کا بچہ۔

تصویر اور کتے کی نحوست

(۱) حضرت علی ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام' نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' پھر وہ واپس جانے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے آج سلام نہیں کیا' پھر تم اوپر بھی جا رہے ہو' اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: بے شک میں اس گھر میں داخل نہیں ہوتا جس میں کسی جاندار کی تصویر ہو یا وہاں کتا ہو۔

(۲) امام احمد' شیخین' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوطلحہ ؓ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جس گھر میں کتا ہو اور تصویریں ہوں' اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۲۴۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

یہاں ملائکہ سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں۔ حافظین' کاتبین اور عذاب کے فرشتے تو ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ کتے سے مراد غیر ضروری کتا ہے اور تصاویر سے مراد جاندار کی تصویریں ہیں' جو محض شوقیہ بلا ضرورت ہوں اور احترام سے رکھی جائیں' یہ قیدیں ضرور یاد رہیں' لہٰذا نوٹ' روپیہ' پیسہ کی تصاویر جو ضروری ہیں اور فرش و بستر پر تصاویر جو پاؤں سے روندی جائیں' جائز ہیں' ان کی وجہ سے فرشتے آنے سے نہیں رُکتے۔[مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۶ ص ۱۹۴' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک پردہ خریدا جس میں (جانداروں کی) تصویریں تھیں اور جب انہیں رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہو گئے' اندر نہ آئے' سو میں نے آپ کے چہرہ میں ناپسندیدگی محسوس کی' آپ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں' میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس پردے کا کیا مقصد ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ پردہ میں نے آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور آپ اس پر تکیہ لگائیں' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک ان تصویروں کے بنانے والے لوگ قیامت کے دن عذاب دیئے جائیں گے' نیز ان سے کہا جائے گا کہ تم نے جو کچھ بنایا ہے' اب انہیں زندہ کرو' اور آپ نے فرمایا: بے شک جس گھر میں (کسی جاندار کی) تصویر ہو' اس میں فرشتے نہیں آتے۔ [متفق علیہ]

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اشد الناس عذابًا عند اللہ المصورون" [متفق علیہ] اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ سخت عذاب والے تصویریں بنانے والے ہیں۔

[مشکوٰۃ المصابیح' باب التصاویر' الفصل الاول]

۵- بَابُ الْخِضَابِ بِالْحِنَاءِ وَالْكَتَمِ
بالوں کو مہندی اور وسمہ سے خضاب کرنا

۴۳۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْضِبُوْا شَعَرَكُمْ بِالْحِنَاءِ وَخَالِفُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بالوں کو مہندی سے رنگ لیا کرو اور تم اہل کتاب کی مخالفت کیا کرو۔

بخاری(۳۴۶۲)مسلم(۵۵۱۰)ابوداؤد(۴۲۰۳)ترمذی(۱۷۵۲)نسائی(۵۰۷۵)ابن ماجہ(۳۶۲۱)ابن حبان(۵۴۷۰)

۴۳۳- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْكِنْدِيِّ عَنْ اَبِي الْاَسْوَدِ عَنْ اَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ الْحِنَاءُ وَالْكَتَمُ.

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک تم جس چیز کے ساتھ اپنے سفید بالوں کو تبدیل کرتے ہو' اس میں سب سے بہتر چیز مہندی اور وسمہ ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اَحْسَنُ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّعَرَ الْحِنَاءُ وَالْكَتَمُ.

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ سب سے بہترین چیز جس سے تم بالوں کو تبدیل کرتے ہو' مہندی اور وسمہ ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ مِنْ اَحْسَنِ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ اَلْحِنَاءُ وَالْكَتَمُ. ابوداؤد(۴۲۰۵)ترمذی(۱۷۵۳)نسائی(۵۰۸۰تا۵۰۸۵)ابن ماجہ(۳۶۲۲)ابن حبان(۵۴۷۴)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ سب سے بہترین چیز جس سے تم اپنے بالوں کی سفیدی کو تبدیل کرتے ہو' وہ مہندی اور وسمہ ہے۔

۴۳۴- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ رَجُلٍ اَنَّ اَبَا قُحَافَةَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِحْيَتُهُ قَدِ انْتَشَرَتْ فَقَالَ لَوْ اَخَذْتُمْ وَاَشَارَ اِلٰى نَوَاحِيْ لِحْيَتِهٖ. مسلم(۵۵۰۹)ابوداؤد(۴۲۰۴)نسائی(۵۰۷۹)ابن ماجہ(۳۶۲۴)ابن حبان(۵۴۷۱)مسند الحارثی(۶۶۶)

ایک صحابی مرد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوقحافہ' نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس وقت ان کی ڈاڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے' راوی نے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: کاش! تم اسے کتر لیتے اور آپ نے ان کی ڈاڑھی کے اطراف کی طرف اشارہ فرمایا۔

حل لغات

"اِخْضَبُوْا" صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل امر معروف حاضر' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: رنگنا' خضاب لگانا۔ "اِنْتَشَرَتْ" صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی معروف' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: بکھر جانا' پھیل جانا۔ "اَلشَّيْبُ" بالوں کا سفید ہونا' بڑھاپا۔ "نَوَاحِيْ" یہ "نَاحِيَةٌ" کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: کنارہ۔ "اَلْحِنَاءُ" اس کا معنی ہے: مہندی۔ "اَلْكَتَمُ" اس کا معنی ہے: وسمہ' جس سے بال ہلکے براؤن ہو جاتے ہیں۔

سفید بالوں کے رنگنے میں اختلاف

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سفید بالوں کے متغیر کرنے اور رنگنے کو ناپسند کرتے تھے' امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے اسلام میں بال سفید ہوئے وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور ہوں گے مگر یہ کہ وہ ان کو اکھاڑ لے یا ان کو رنگ لے' اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہندی اور کتم (عنابی رنگ) کے ساتھ اپنے بالوں کو رنگا' اور حضرت عمر مہندی کے ساتھ بالوں کو رنگتے تھے اور حضرت علی' حضرت ابن عمر' حضرت مغیرہ' حضرت جریر بجلی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم' اور عطاء' ابووائل' حسن بصری' طاؤس اور سعید بن مسیب زرد رنگ کے ساتھ بالوں کو رنگتے تھے۔

علامہ محب طبری نے کہا ہے کہ بالوں کو متغیر نہ کرنے اور بالوں کو رنگنے کے متعلق نبی کریم ﷺ سے جو آثار مروی ہیں وہ سب صحیح ہیں لیکن بعض عام ہیں اور بعض خاص ہیں' بالوں کو رنگنے کی جو احادیث ہیں وہ خاص ہیں' یعنی جس شخص کے حضرت ابوقحافہ کی طرح تمام بال سفید ہو جائیں' اس کو رنگنے کا حکم دیا ہے اور جس کے بال مخلوط ہوں' اس کو سفیدی متغیر نہ کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ دو متضاد حکم دیں اور چونکہ کوئی حدیث ناسخ نہیں ہے' اس لیے ان احادیث کو جمع کرنا متعین ہے' سو جن صحابہ نے سفید بالوں کو رنگا' وہ اس پر محمول ہے کہ ان کے تمام بال سفید ہو چکے تھے اور جنہوں نے نہیں رنگا' ان کے بال سیاہ اور سفید دونوں طرح مخلوط تھے۔ علاوہ ازیں بالوں کو رنگنے کا حکم فرضیت کے لیے نہیں ہے' بلکہ صرف استحباب کے لیے ہے اور سفید بالوں کو متغیر و تبدیل کرنے کی ممانعت بھی تنزیہ کے لیے ہے' تحریم کے لیے نہیں ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان یہ ہے کہ سفید بالوں کو متغیر کرنے کی ممانعت' اس حدیث سے منسوخ ہو گئی جس میں سفید بالوں کو رنگنے کا اور اہل کتاب کی مخالفت کرنے کا حکم ہے۔ (علاوہ ازیں رنگنے کے حکم کی احادیث کی اسانید زیادہ صحیح اور قوی ہیں' یہ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں اور سفیدی کو متغیر نہ کرنے کی احادیث سنن ابوداؤد اور طبرانی میں ہیں جو صحیحین کے پائے کی نہیں ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

خضاب لگانے میں مذاہب اربعہ کا خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک سفید بالوں کو رنگنا مستحب ہے اور سیاہ خضاب مکروہ تحریمی ہے' امام مالک کے نزدیک بھی سفید بالوں کو رنگنا مستحب ہے اور سیاہ خضاب خلاف اولیٰ ہے' امام احمد کے نزدیک بھی سفید بالوں کو رنگنا مستحب ہے اور سیاہ خضاب مکروہ ہے' فقہاء احناف کے نزدیک بھی سفید بالوں کو رنگنا مستحب ہے اور اکثر فقہاء کے نزدیک سیاہ خضاب مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔

چونکہ احادیث میں سیاہ خضاب لگانے پر وعید آئی ہے' اس لیے صحیح یہی ہے کہ غیر حالت جنگ میں سیاہ خضاب لگانا مکروہ تحریمی

ہے' بعض صحابہ اور تابعین سے جو سیاہ خضاب لگانا منقول ہے' ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس ان کی کوئی توجیہ اور تاویل ہو' بہر حال ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات مقدم ہیں' امام اعظم کا یہی مذہب ہے کہ جب احادیث رسول اور آثارِ صحابہ میں تعارض ہو تو احادیث کو آثار پر ترجیح دی جائے گی۔ [شرح صحیح مسلم ج٦ ص ۴۲۳-۴۲۱]

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم اپنے بالوں کو مہندی سے رنگا کرو کیونکہ یہ عمدہ خوشبو جو تسکین دیتی ہے اور گھبراہٹ دور کرتی ہے اور اس کو بزار اور ابونعیم نے کتاب الطب میں روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم اپنے بالوں کو مہندی سے رنگا کرو کیونکہ یہ تمہارے شباب و جوانی اور حسن و جمال کو بڑھاتی ہے اور تمہارے نکاح کے لیے رغبت کا باعث بن سکتی ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۱۹۵' ملاعلی قاری]

علامہ ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صحابہ کرام سے یہ فرمانا کہ کاش! تم حضرت ابوقحافہ کی بکھری ہوئی طویل و عریض ڈاڑھی کو کترا لیتے۔ سو اس کا مقصد یہ ہے کہ کاش! تم حضرت ابوقحافہ کی ڈاڑھی کے اطراف کو طول و عرض میں کچھ کترا لیتے اور مستحب مقدار کو ترک کر دیتے اور وہ ایک مشت ڈاڑھی ہے اور یہ دونوں مذموم طرفوں کے درمیان متعدل مقدار اور متوسط حد ہے کیونکہ مطلقاً ڈاڑھی کو چھوڑ دینا اور بالکل نہ ترشوانا بھی مذموم ہے اور مطلقاً منڈ وانا بھی مذموم ہے۔

سنن ترمذی کی حدیث ہے جسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ڈاڑھی طول و عرض میں ترشوا لیتے تھے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۴۲۴-۴۲۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

٦- بَابُ النَّهْيِ مِنْ وَصْلِ الشَّعْرِ بِالشَّعْرِ

بالوں کے ساتھ بال ملانے کی ممانعت

٤٣٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ اُمِّ ثَوْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ لَا بَاْسَ اَنْ تَصِلَ الْمَرْاَةُ شَعْرَهَا بِالصُّوْفِ اِنَّمَا نَهٰى بِالشَّعْرِ وَفِیْ رِوَايَةٍ لَا بَاْسَ بِالْوَصْلِ اِذَا لَمْ يَكُنْ شَعْرٌ بِالرَّاْسِ.

مسند الحارثی (٦٥٧)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عورت کے لیے اپنے بالوں کو اُون کے ساتھ ملانے میں کوئی حرج نہیں ہے' بے شک آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے صرف بالوں کے ساتھ ملانے سے منع فرمایا ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب عورت کے سر پر بال نہ ہوں تو پھر ایسی عورت کے لیے بالوں کے ملانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حل لغات

''تَصِلَ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل مضارع معروف' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ملانا۔ ''اَلصُّوْفُ'' اس کا معنی ہے: اُون۔

اپنے بالوں میں دوسرے کے بال ملانے کی حرمت کی وجہ

بعض عورتیں اپنے بال دراز اور لمبے ظاہر کرنے کے لیے اپنے بالوں میں کسی دوسرے انسان کے بال ملا لیتی ہیں' جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ علامہ ملاعلی قاری اپنی شرح میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ عمل فریب اور دھوکے کی جنس سے ہے' اس لیے منع ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''من غشنا فلیس منا'' یعنی جس نے ہمارے (مسلمانوں کے) ساتھ دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ امام احمد اور صحاح ستہ کے اصحاب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لعن الله الواصلة والمستوصلة' والواشمة والمستوشمة.

یعنی اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے بال ملانے والی' ملوانے والی اور گودنے والی' گودوانے والی پر۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۴۱۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

''وَاصِلہ'' وہ عورت جو اپنے سر کے بالوں میں دوسری عورت کے بال ملا کر دراز کرے۔ ''مُسْتَوْصِلہ'' وہ عورت جو دوسری عورت کے سر میں بال جوڑے یا اپنے سر کے بال کاٹ کر اسے ملانے کے لیے دے دے' یہ دونوں کام حرام ہیں جن پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ ''وَاشِمَہ'' وہ عورت جو سوئی وغیرہ کے ذریعہ اپنے اعضاء میں گود کر سوراخ بنائے' تاکہ ان میں سرمایا نیل وغیرہ بھر لے جیسا کہ ہندو عورتیں اور بعض ہندو مرد کرتے ہیں۔ اور ''مُسْتَوْشِمہ'' وہ عورت جو دوسری عورت کے اعضاء میں گودے' دونوں پر لعنت فرمائی' حرام کام فاعل و مفعول دونوں کی لعنت کا باعث ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ اگر بالوں میں دھاگہ لگا کر انہیں دراز کر لیا جائے تو جائز ہے' جسے موباف کہتے ہیں۔ [مرأۃ المناجیح بہ حوالہ مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج٦ ص ۱۵۳' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

٢٥- كِتَابُ الطِّبِّ وَفَضْلِ الْمَرَضِ وَالرُّقٰى وَالدَّعْوَاتِ

طب کے احکام اور بیماری' دَم اور دعاؤں کی فضیلت

١- بَابُ اَجْرِ الْمَرَضِ لِلْمَرِيْضِ

بیمار کو بیماری پر اجر و ثواب ملنے کا بیان

٤٣٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَيَكْتُبُ لِلْاِنْسَانِ الدَّرَجَةَ الْعُلْيَا فِی الْجَنَّةِ وَلَا يَكُوْنُ لَهٗ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَبْلُغُهَا فَلَا يَزَالُ يَبْتَلِيْهِ اللّٰهُ حَتّٰى يَبْلُغَهَا. مسند الحارثی (٣٥٧)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ انسان کے لیے جنت میں بلند و بالا درجہ لکھ دیتا ہے اور اس کا کوئی عمل ایسا نہیں ہوتا جو اسے اس درجہ تک پہنچا دے' سو اس لیے اللہ تعالیٰ اس کو کسی مصیبت وغیرہ میں مسلسل مبتلا رکھتا ہے' یہاں تک کہ وہ اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔

٤٣٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ وَهُوَ عَلٰى طَائِفَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لِمَلَائِكَتِهٖ اُكْتُبُوْا لِعَبْدِیْ مِثْلَ اَجْرِ مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَحِيْحٌ.

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ بیمار ہو جاتا ہے اور وہ کچھ نیک کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ تم میرے بندے کے لیے اس نیک عمل کا اجر و ثواب اسی طرح لکھتے رہو جو وہ تندرستی کی حالت میں کرتا تھا۔

زَادَ فِیْ رِوَايَةٍ مَعَ اَجْرِ الْبَلَاءِ.

ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ بیماری پر صبر کرنے کا اجر و ثواب بھی اس کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

وَفِیْ رِوَايَةٍ اُكْتُبُوْا لِعَبْدِیْ مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَحِيْحٌ.

اور ایک روایت میں ہے کہ تم میرے بندے کے لیے وہ عمل لکھتے رہو' جو وہ تندرستی کی حالت میں کرتا تھا۔

وَفِیْ رِوَايَةٍ اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ وَهُوَ عَلٰى عَمَلٍ

اور ایک روایت یوں ہے کہ جب کوئی بندہ بیمار ہو جاتا ہے جبکہ

مِنَ الطَّاعَةِ فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لِحَفَظَتِهٖ اُكْتُبُوْا لِعَبْدِيْ اَجْرَ مَاكَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَحِيْحٌ.

ابوداؤد (۳۰۹۱) ابن ابی شیبہ (۱۰۸۱۲)

اطاعت وفرماں برداری کا عمل کرتا ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ عمل لکھنے والے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ تم میرے بندے کے اس عمل کا اجر وثواب لکھتے رہو جو وہ اس سے پہلے اس وقت کرتا تھا جب وہ تندرست تھا۔

حل لغات

''يَبْتَلِيهِ'' اس میں ''يَبْتَلِي'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: مبتلا کرنا' آزمائش کرنا' آخر میں ۂ ضمیر مفعول بہ ہے۔

جسمانی بیماریاں بشرط صبر' اجر وثواب کا باعث ہیں

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کسی مسلمان کو کوئی تھکاوٹ یا جسمانی تکلیف یا کوئی غم ورنج یا کوئی بیماری یا خوف لاحق ہوتا ہے (جس پر وہ صبر کرتا ہے) یہاں تک کہ کوئی کانٹا بھی اسے چبھ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی جسے مرگی کی بیماری تھی' سو اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے شفاء عطاء فرما دے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہتی ہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفاء دے دے اور اگر تم چاہو تو اس پر صبر کرو اور (قیامت کے دن) تجھ سے حساب نہ ہو' اس عورت نے کہا: بلکہ میں صبر کروں گی اور مجھ سے حساب نہ ہو۔

(۳) حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہوتی ہے' پھر آدمی جس قدر زیادہ فضیلت رکھتا ہے اسی قدر آزمائش ہوتی ہے' پھر جس قدر فضیلت ہوگی اس قدر آزمائش ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر آدمی کو اس کے دین کے مطابق آزماتا ہے' سو اگر اس کے دین میں استحکام اور مضبوطی ہو تو اسے اسی قدر سخت آزمایا جاتا ہے اور اگر اس کے دین میں کمزوری ہو تو اسے ہلکی اور کم مصیبت میں آزمایا جاتا ہے' یہ آزمائش کا سلسلہ جاری رہتا ہے' یہاں تک کہ آدمی زمین پر چلتا پھرتا ہے لیکن آزمائش میں صبر کی وجہ سے اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں رہتا۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر وثواب اتنا زیادہ بڑا ہوگا جتنی مصیبت اور آزمائش بڑی ہوگی' سو اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت وپیار کرتا ہے تو آزمانے کے لیے اسے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے' پس جو قوم راضی رہتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی رہتا ہے اور جو قوم ناراض ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو جاتا ہے۔

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مؤمن مرد اور مؤمنہ عورت کو مسلسل آزماتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو اس کے ذمے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

(۶) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کی عجیب شان ہے' اگر اسے کوئی خیر وبھلائی ملتی ہے تو وہ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اس کی تعریف کرتا ہے' الحمد للہ کہتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو پھر بھی الحمد للہ پڑھ کر حمد وثناء کرتا ہے اور اس مصیبت پر صبر کرتا ہے' لہٰذا مؤمن کو اس کے کام میں اجر وثواب

عطاء کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس لقمہ میں بھی اسے اجر وثواب عنایت کیا جاتا ہے جو وہ اُٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں دیتا ہے۔

[تفسیر معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی ج ۱ ص ۱۳۲-۱۳۱' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت]

۲- بَابُ الدَّوَآءِ لِكُلِّ دَآءٍ
ہر بیماری کے لیے دوا ہے

۴۳۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ وَمُقَاتِلُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ دَآءٍ جَعَلَ اللّٰهُ دَوَاءً فَاِذَا اَصَابَ الدَّاءَ دَوَاؤُهٗ بَرِئَ بِاِذْنِ اللّٰهِ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوا پیدا کی ہے' سو جب دوا بیماری کو پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مریض تندرست ہو جاتا ہے۔

مسلم (۵۷٤۱) مسند احمد (۱٤٦٥۱) ابن حبان (٦۰٦۳) مستدرک للحاکم (ج ۴ ص ۱۹۹)

۴۳۹- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ دَوَاءً اِلَّا السَّامَ وَالْهَرَمَ فَعَلَيْكُمْ بِاَلْبَانِ الْبَقَرِ فَاِنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ شَجَرٍ. بخاری (٥٦٧٨) ابوداؤد (۳۸۵۵) ترمذی (۲۰۳۸) ابن ماجہ (۳٤۳٦-۳٤۳۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں رکھی مگر اس کے لیے دوا بھی رکھی ہے ماسوا موت اور بڑھاپے کے' سو تم اپنے اوپر گائے کا دودھ پینا لازم کر لو کیونکہ اس کا دودھ ہر قسم کے درخت کی خوراک سے مل کر پیدا ہوتا ہے۔

۴٤۰- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ طَارِقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُنْزِلِ اللّٰهُ دَاءً اِلَّا وَاَنْزَلَ مَعَهُ الدَّوَاءَ اِلَّا الْهَرَمَ فَعَلَيْكُمْ بِاَلْبَانِ الْبَقَرِ فَاِنَّهَا تَرُمُّ مِنَ الشَّجَرِ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اُتاری مگر اس کے ساتھ اس کی دوا بھی اُتار دی ہے' سوائے بڑھاپے کے' سو تم پر گائے کا دودھ پینا لازم ہے کیونکہ وہ ہر قسم کا چارہ کھاتی ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَجْعَلْ فِي الْاَرْضِ دَاءً اِلَّا جَعَلَ لَهٗ دَوَاءً اِلَّا الْهَرَمَ وَالسَّامَ فَعَلَيْكُمْ بِاَلْبَانِ الْبَقَرِ فَاِنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ.

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر کوئی بیماری پیدا نہیں کی' مگر اس کے لیے دوا بھی پیدا کر دی ہے' سوائے بڑھاپے اور موت کے' سو تم پر گائے کا دودھ پینا لازم ہے کیونکہ اس کی خوراک درخت وغیرہ ہر قسم کے چارہ جات سے مخلوط ہوتی ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ دَاءٍ اِلَّا اَنْزَلَ مَعَهُ دَوَاءً اِلَّا السَّامَ وَالْهَرَمَ فَعَلَيْكُمْ بِاَلْبَانِ الْبَقَرِ فَاِنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ.

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اُتاری مگر اس کے ساتھ دوا بھی اُتاری ہے سوائے موت اور بڑھاپے کے' سو تم پر گائے کا دودھ پینا لازم ہے کیونکہ اس کی خوراک درخت وغیرہ ہر قسم کے چارہ جات سے مخلوط ہوتی ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَضَعْ فِي الْاَرْضِ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ شِفَاءً اَوْ دَوَاءً فَعَلَيْكُمْ بِاَلْبَانِ الْبَقَرِ فَاِنَّهَا تَخْلِطُ مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ عَلَيْكُمْ

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر کوئی بیماری نہیں رکھی مگر اس کے لیے شفاء یا دوا بھی رکھی ہے' سو تم پر گائے کا دودھ لازم ہے کیونکہ اس کی خوراک ہر قسم کے نباتات سے مخلوط ہوتی

بِاَلْبَانِ الْبَقَرِ فَاِنَّهَا تَرُمُّ مِنْ كُلِّ شَجَرَةٍ وَّفِيْهَا شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ. بخاری(۵۶۷۸)ابوداؤد(۳۸۵۵)ترمذی (۲۰۳۸)ابن ماجہ(۳۴۳۶-۳۴۳۹)

ہے، تم پر گائے کا دودھ واجب ہے کیونکہ وہ ہر قسم کا چارہ کھاتی ہے اور اس کے دودھ میں ہر بیماری کے لیے شفاء ہے۔

نوٹ: اس حدیث کی روایات اس لیے مختلف ہیں کہ ان میں بعض الفاظ وکلمات مختلف ہیں، مثلاً کہیں "لَمْ يُنْزِلْ" ہے، کہیں "لَمْ يَجْعَلْ" ہے، کہیں "لَمْ يَضَعْ" ہے، کہیں "مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ" ہے، وغیرہ وغیرہ۔

حل لغات

"بَرِئَ" صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف، باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے، اس کا معنی ہے: تندرست ہوجانا، صحیح سلامت ہوجانا۔ "تَرُمُّ" صیغہ واحد مؤنث غائب، فعل مضارع معروف، باب نَصَرَ يَنْصُرُ، ضَرَبَ يَضْرِبُ دونوں سے آتا ہے، اس کا معنی ہے: چرنا، چارہ کھانا، چارہ بننا۔ "دَآءٌ" بیماری۔ "دَوَآءٌ" علاج۔ "اَلْهَرَمُ" بڑھاپا۔ "اَلسَّامُ" موت۔ "اَلْبَانٌ" یہ "لبن" کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: دودھ۔

دوا سے بیماری کا علاج کرنا مسنون ہے مگر شافی صرف اللہ تعالیٰ ہے

اس باب کی پہلی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب دوا بیماری تک پہنچ جاتی ہے تو مریض اللہ تعالیٰ کے حکم سے تندرست وشفاء یاب ہوجاتا ہے۔ باذن اللہ کی قید کا مقصد یہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرلے کہ دوا مستقل مؤثر وشفاء دینے والی ہے، بلکہ مستقل مؤثر وشفاء دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، دوا تو صرف ظاہری سبب ہے، بیمار تو اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کے قضاء وفیصلے اور اس کی قدرت کاملہ سے تندرست وشفایاب ہوتا ہے کیونکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اس کا اچھا ہونا، بُرا ہونا اور نفع بخش ہونا، ضرر رساں ہونا اور اس کا شیریں ہونا، اس کا تلخ ہونا، سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ امام حمیدی کی کتاب طب اہل بیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ہر بیماری کے لیے دوا پیدا کی گئی ہے، سو جب اللہ تعالیٰ کسی مریض کی صحت یابی نہیں چاہتا تو فرشتے کو ایک حجاب کے ساتھ مریض کے پاس بھیجتا ہے اور وہ فرشتہ اس حجاب کو بیماری اور دوا کے درمیان حائل وآڑ کردیتا ہے، پھر جب بیمار آدمی دوا پیتا ہے تو دوا بیماری تک نہیں پہنچتی (جس کی وجہ سے بیمار صحت یاب نہیں ہوتا)۔ اور جب اللہ تعالیٰ بیمار آدمی کی تندرستی وصحت یابی کا ارادہ کرلیتا ہے تو فرشتہ کو حکم دیتا ہے تو وہ حجاب اُٹھالیتا ہے پھر بیمار آدمی دوا پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب بیمار آدمی کو صحت یاب کرتے ہوئے اسے نفع عطاء فرمادیتا ہے۔

امام ابوداؤد نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ان اللّٰہ جعل لکل دآء دوآء فتداووا ولا تداووا بحرام.

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوا پیدا کی ہے، سو تم دوا دارو اور علاج معالجہ کیا کرو، لیکن حرام چیز کے ذریعہ علاج نہ کرنا۔

امام بخاری نے الادب المفرد میں اور امام احمد، اصحاب سنن اربعہ، ابن خزیمہ اور امام حاکم نے حضرت اسامہ بن شریک سے مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کو امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تداووا یا عباد اللہ فان اللہ لم یضع داءً الا وضع لہ شفاء الا داء واحد وھو الھرم وفی لفظ الا السام" اے اللہ کے بندو! تم دوا کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں رکھی مگر اس کے لیے شفاء بھی رکھی، ماسوا ایک بیماری کے اور وہ بڑھاپا ہے اور ایک روایت میں "الا السام" کا لفظ ہے یعنی ماسوا موت کے۔ [شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۱۶۹-۱۷۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان]

۳- بَابٌ اَلشِّفَاءُ فِيْ خَمْسَةِ اَشْيَاءَ
پانچ چیزوں میں شفاء ہے

۴۴۱- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُعِلَ الشِّفَاءُ فِي الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ وَالْحَجَامَةِ وَالْعَسَلِ وَمَاءِ السَّمَاءِ. بخاری(۵۶۸۸-۵۶۹۷)مسلم(۵۷۶۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کلونجی، سینگی، شہد اور آسمان کے پانی (یعنی بارش) میں شفاء پیدا کردی ہے۔

۴۴۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ عَمْرٍو وَّالْجَرْشِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنَ الْمَنِّ الْكَمْاَةُ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِّلْعَيْنِ.

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بے شک کھنبی، من سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے۔

بخاری(۵۷۰۸)مسلم(۵۳۴۲)ترمذی(۲۰۶۷)ابن ماجہ(۳۴۵۳)

حل لغات

"اَلْحَبَّةُ السَّوْدَاءُ" اس کا معنی ہے: کالا دانہ، مراد کلونجی ہے۔ "اَلْحَجَامَةُ" اس کا معنی ہے: پچھنے لگانا، سینگی لگانا، فاسد خون نکالنا سرنج سے۔ "اَلْمَنُّ" اس کا معنی ہے: احسان، انعام، میٹھا گوند، میٹھا پکوان لیکن یہاں اس سے مراد بنی اسرائیل پر نازل ہونے والا میٹھا پکوان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ادویات کو شفاء کا ذریعہ بنایا ہے

علامہ ملاعلی قاری لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بیماریوں کے لیے چار چیزوں میں دوا پیدا کردی ہے: (۱) کلونجی، چنانچہ امام ابونعیم، کتاب الطب میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

الحبۃ السوداء فیھا شفاء من کل داء الا الموت.

یعنی کلونجی میں موت کے سوا ہر بیماری کی شفاء پائی جاتی ہے۔

(۲) سینگی بھرنا، پچھنے لگانا اور فصد کرنا۔ جب کسی مریض کو سینگی لگاتے ہیں تو پہلے مرض کی جگہ نشتر مارتے ہیں، پھر سینگی رکھ کر چوستے ہیں، پھر وہاں سینگی جم جاتی ہے، جب اسے اکھیڑا جاتا ہے تو تمام فاسد اور گندا خون نکل جاتا ہے اور مریض شفایاب ہوجاتا ہے (آج کل بدن میں سرنج لگا کر فاسد خون نکال لیتے ہیں) امام دیلمی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

الحجامۃ تنفع من کل داء الا فاحتجموا.

یعنی سینگی لگانا ہر بیماری میں فائدہ دیتی ہے سنو پس تم سینگی لگایا کرو۔

(۳) شہد ہے، جس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ" (النحل:۶۹) یعنی شہد میں تمام لوگوں کے لیے شفاء ہے (۴) آسمان کا پانی یعنی بارش ہر بیماری کے لیے شفاء ہے، قرآن مجید میں

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۝ (الفرقان:۴۸)

اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا. (ق:۹) اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۳۵ دار الکتب العلمیہ بیروت]

نیز اس باب کی دوسری حدیث کے تحت علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ کھنبی 'من' میں سے ہے یعنی اس من کی جنس سے ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى. (البقرہ:۵۷) اور (اے بنی اسرائیل!) ہم نے تم پر من اور سلویٰ نازل کیا ہے۔

''الکماۃ'' جس کا معنی کھنبی ہے یہ ایک خودرو پودا ہے جو زمین کے نیچے پایا جاتا ہے یہ پودا موسم بہار میں خود بہ خود اُگتا ہے اس کی جڑ گول ہوتی ہے یہ ایک مشہور پودا ہے جس کا نہ تنا ہوتا ہے نہ پتے ہوتے ہیں نہ رگیں۔ کھنبی دو قسم کی ہوتی ہے ایک چھتری نما اور ایک مولی کی طرح لمبی ہوتی ہے یہاں دوسری قسم مراد ہے اس کا پانی آنکھوں کے درد اور ضعف کے لیے شفاء ہے۔

امام طبرانی نے حضرت محمد بن منکدر کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کھنبیاں کثرت سے اُگنے لگیں تو ایک قوم نے کھنبیوں کو کھانا ترک کر دیا اور کہا: یہ زمین کی چیچک ہے یہ خبر آپ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: بے شک کھنبی زمین کی چیچک ہرگز نہیں ہے یاد رکھو کھنبی 'من' میں سے ہے اور اس کو من میں سے کہنے کی وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل پر بغیر محنت و مشقت کے من کی صورت میں نہایت لذیذ و مفید کھانا اُترا تھا اسی طرح بغیر محنت و مشقت کے نہایت لذیذ و مفید کھنبی ہمیں مل جاتی ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۲۴۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان]

٤- بَابُ وَظِيْفَةِ التَّعَوُّذِ بِاللّٰهِ
اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنے کا وظیفہ

٤٤٣- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ لَمْ يَضُرَّهٗ عَقْرَبٌ حَتّٰى يُمْسِیَ وَمَنْ قَالَ حِيْنَ يُمْسِیْ لَمْ يَضُرَّهٗ عَقْرَبٌ حَتّٰى يُصْبِحَ

وَفِیْ رِوَايَةٍ مَّنْ قَالَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ حِيْنَ يُصْبِحُ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ لَّمْ يَضُرَّهٗ عَقْرَبٌ يَوْمَئِذٍ وَاِذَا قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِیْ لَمْ يَضُرَّهٗ عَقْرَبٌ لَيْلَتَهٗ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ ''اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ'' پڑھ لے تو اس کو شام تک دن بھر کوئی بچھو نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور جو شخص شام کے وقت یہی کلمات پڑھ لے تو اس کو صبح تک رات بھر کوئی بچھو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

اور ایک روایت میں ہے: جو شخص صبح سورج طلوع ہونے سے پہلے تین مرتبہ ''اعوذ بکلمات اللہ التامات'' پڑھے گا اسے اس دن بچھو نقصان نہیں دے گا اور جس نے شام کے وقت یہ کلمات کہے اسے اس رات بچھو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

ابوداؤد (۳۸۹۸-۳۸۹۹) ابن ماجہ (۳۵۱۸)

حل لغات

''لَمْ يَضُرَّهٗ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف نفی جحد بلم بمعنی ماضی منفی باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: ضرر پہنچانا نقصان دینا۔ ''يُصْبِحُ وَيُمْسِیْ'' دونوں صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب افعال سے ہیں ''يُصْبِحُ'' کا معنی ہے: صبح کرنا اور ''يُمْسِیْ'' کا معنی ہے: شام کرنا۔ ''عَقْرَبٌ'' اس کی جمع ''عَقَارِبُ'' ہے اس کا معنی ہے: بچھو۔

اللہ تعالیٰ کی پناہ میں نجات ہے

اللہ تعالیٰ کے کلمات تامات کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلمات جامع اور کامل ہیں اور وہ قرآنی آیات ہیں جو معجزات پر مشتمل ہیں اور ان کو تامات اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ کلمات تمام بلیات و آفات کے لیے کافی ہیں صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں کل رات ایک بچھو کے قریب سے گزرا تو اس نے مجھے ڈنگ مار دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو شام ہوتے ہی

اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق. یعنی میں اللہ تعالیٰ کے کامل و جامع کلمات کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوق کے شر سے کہہ لیتا تو تجھے وہ نقصان نہ پہنچاتا۔

جامع ترمذی کی روایت میں سند حسن کے ساتھ مروی ہے کہ جو شخص یہ کلمات شام کے وقت تین مرتبہ پڑھ لے تو اس رات اسے سانپ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا حضرت سہیل نے بیان فرمایا کہ ہمارے گھر والے ان کلمات کو ہر رات پڑھ لیتے تھے سو ان میں سے ایک لونڈی کو کسی چیز نے ڈس لیا لیکن ان کلمات کی وجہ سے اس کو کچھ درد وغیرہ نہ ہوا۔

حافظ ابونعیم نے تاریخ اصبہان میں اور المستغفری نے کتاب الدعوات میں اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے آپ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دفعہ بچھو نے ڈس لیا اور آپ اس وقت نماز میں مشغول تھے سو جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ بچھو پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہ نہ نمازی کو چھوڑتا ہے اور نہ غیر نمازی کو اور یہ نہ نبی کو چھوڑتا ہے نہ غیر نبی کو مگر اسے ڈس لیتا ہے اور آپ نے اپنی نعل کو اُٹھایا اور اس کے ساتھ بچھو کو مار ڈالا پھر آپ نے پانی اور نمک منگوایا اور پانی اور نمک کو ملا کر زخم پر بہانے لگے اور سورۂ اخلاص سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھ کر اس پر دم کرنے لگے۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس وقت آپ نے بچھو کے ڈسنے کی وجہ سے اپنی انگلی پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۴۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

٥- بَابُ دُعَاءِ وَقْتِ الْعِيَادَةِ
مریض کی عیادت کے وقت دعا کرنا

٤٤٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِیَ بِمَرِيْضٍ يَدْعُوْ لَهٗ يَقُوْلُ اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ اِشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بے شک جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بیمار کی عیادت کرنے کے لیے اس کے پاس تشریف لے جاتے تو آپ اس کے لیے دعا کرتے ہوئے فرماتے: اے انسانوں کے پروردگار! تو (اس مریض کی) تکلیف کو دور فرما دے! اسے شفاء عطاء فرما! تو ہی شفاء دینے والا ہے تیری شفاء کے سوا کوئی شفاء نہیں ہے ایسی مکمل شفاء عطاء فرما جو کسی بیماری کو نہ چھوڑتی ہو۔

بخاری (۵۶۷۵) مسلم (۵۷۱۰) ابوداؤد (۳۸۹۰) ترمذی (۳۵۶۵) ابن ماجہ (۳۵۲۰) ابن حبان (۲۹۷۲)

مریض کے لیے دعا کرنا سنت ہے

امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر والوں میں سے بعض کی عیادت فرماتے تو اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ اس کو چھوتے اور فرماتے:

اللّٰھم رب الناس اشفه انت الشافی لا شفاء اے اللہ! تمام لوگوں کے رب! اس کو شفاء عطا فرما کیونکہ تو ہی شفاء

الا شفاء لك شفاء لا يغادر سقما.

دینے والا ہے' تیری شفاء کے سوا کوئی شفا نہیں ہے' ایسی مکمل شفاء عطا فرما جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔

امام ترمذی' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ کو بیماری کی شکایت ہے؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں! حضرت جبریل نے کہا:

بسم الله ارقيك من كل شيء يؤذيك من شر كل نفس وعن حاسد بسم الله ارقيك والله يشفيك. [تنسیق النظام' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ پر دَم کرتا ہوں' ہر ایسی چیز کی وجہ سے جو آپ کو اذیت و تکلیف دے' ہر سرکش نفس کے شر اور ہر حاسد کے حسد سے' میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ پر دَم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ آپ کو شفاء عطاء فرمائے۔

٦- بَابُ النَّهْيِ عَنِ التَّعَرُّضِ بِالْبَلَاءِ مَا لَا يُطِيقُ

طاقت سے بڑھ کر آزمائش کے درپے ہونے سے ممانعت

٤٤٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهٗ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهٗ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ مَالَا يُطِيْقُ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی مؤمن کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کرے' عرض کیا گیا: یارسول اللہ! مؤمن اپنے آپ کو کیسے ذلیل کرسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کسی ایسی آزمائش کے پیچھے پڑ جائے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔

بخاری (٥٨٦١) مسلم (١٨٢٧) ابوداؤد (١٣٦٨) ابن ماجہ (٩٤٢) ابن حبان (٢٥٧١) مصنف عبدالرزاق (٢٠٧٢١)

حل لغات

''يُذِلُّ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: ذلیل کرنا' رسوا کرنا۔ ''يَتَعَرَّضُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کے درپے ہونا' کسی چیز کو طلب کرنا' کسی چیز کے پیچھے پڑ جانا۔ ''لَا يُطِيْقُ'' یہ باب افعال سے مذکورہ بالا صیغہ ہے لیکن یہ مضارع منفی ہے' اس کا معنی ہے: طاقت نہ رکھنا' قوت و ہمت نہ رکھنا۔

ہمت سے بڑھ کر مشقت اُٹھانا منع ہے

عبادات دو قسم کی ہیں: (۱) فرض عبادات (۲) نفلی عبادات۔ سو فرض عبادات میں کمی و بیشی نہیں ہوسکتی' مثلاً دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں' اب کوئی آدمی یہ کہہ کر کہ میں پانچ نمازیں نہیں پڑھ سکتا' بَری نہیں ہوسکتا بلکہ ہر عاقل و بالغ مسلمان کو پوری پانچ نمازیں پڑھنی ہوں گی' اسی طرح دیگر فرائض کا حکم ہے' البتہ نفل عبادات جتنی زیادہ ادا کی جائیں اتنا زیادہ قرب و ثواب حاصل ہوگا لیکن اس میں بھی اعتدال ضروری ہے' مسلمان میں جتنی ہمت و طاقت ہو اتنی عبادت کرے کیونکہ بعض اوقات ہمت و طاقت سے زیادہ عبادت کرنا' محنت و مشقت اور تھکاوٹ و پریشانی کا باعث بن جاتا ہے' اس لیے فرض کے علاوہ نفل عبادت اتنی کرے جتنی ہمت و طاقت ہو اور بغیر مشقت و تھکاوٹ کے آسانی سے کرسکے' بلکہ نفل عبادت تھوڑی ادا کرے' لیکن ہمیشہ کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ چند دن یا کچھ عرصہ بہت زیادہ عبادت کرے اور اپنے آپ کو مشقت و تھکاوٹ میں ڈال لے' پھر اُکتا کر اور تھک ہار کر بالکل ترک کر

دے' چنانچہ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خذوا من الاعمال ما تطيقون فان الله لا يمل حتى تملوا.

یعنی تم اعمال میں سے اتنا لو جتنی تم طاقت رکھتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ (تمہاری عبادت سے) نہیں اُکتائے گا یہاں تک کہ تم خود اُکتا جاؤ گے۔

امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ دین آسان ہے اور کوئی شخص دین میں شدت و سختی ہرگز اختیار نہیں کرتا مگر دین اس پر غالب ہوجاتا ہے' سو تم اعتدال کی راہ اختیار کرو اور قربِ الٰہی حاصل کرو اور جنت کی بشارت سنو اور صبح و شام اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ اور اس حدیث کو یہاں اس لیے درج کیا گیا ہے کہ عبادت میں مشقت' تکلیف مالایطاق اور تھکاوٹ و پریشانی اُٹھانا اور شدائد کو برداشت کرنا مختلف بیماریوں کو جنم دیتا ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ اور دائمی طور پر عبادت کو ادا کرنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ چنانچہ امام احمد' امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: تم اسی عمل کے لیے مکلف بنو جس کی تم طاقت رکھتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں اُکتائے گا یہاں تک کہ تم خود اُکتا جاؤ گے۔

وان احب العمل الى الله تعالى ادومه وان قل.

اور بے شک اللہ تعالیٰ کو وہی نفلی عمل زیادہ پسند ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ کم ہو۔

شیخین (بخاری' مسلم) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم وصال کے روزوں سے پرہیز کرو کیونکہ تم میرے جیسے نہیں ہو' میں تو اللہ تعالیٰ کے پاس رات گزارتا ہوں' وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے' سو تم اتنی قدر زحمت اُٹھاؤ جس قدر تم طاقت رکھتے ہو۔ [تنسیق النظام حاشیہ: ا' مسند امام اعظم' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

٧- بَابُ كَثْرَةِ الصَّدَقَةِ وَالْاِسْتِغْفَارِ لِطَلَبِ الْوَلَدِ

صدقہ و استغفار کی کثرت سے بچوں کا حصول

٤٤٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا رُزِقْتُ وَلَدًا قَطُّ وَلَا وُلِدَلِيْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَيْنَ اَنْتَ مِنْ كَثْرَةِ الْاِسْتِغْفَارِ وَكَثْرَةِ الصَّدَقَةِ تُرْزَقُ بِهِمَا فَكَانَ الرَّجُلُ يُكْثِرُ الصَّدَقَةَ وَيُكْثِرُ الْاِسْتِغْفَارَ قَالَ جَابِرٌ فَوُلِدَ لَهٗ تِسْعَةُ ذُكُوْرٍ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اور عرض کیا: یارسول اللہ! ابھی تک مجھے اولاد عطاء نہیں کی گئی اور نہ میرے ہاں کوئی بیٹا ہوا ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم کثرت استغفار اور کثرت صدقہ و خیرات سے کیوں غافل رہے ہو' ان دونوں کی برکت سے تمہیں اولاد عطاء کی جائے گی' پھر وہ آدمی کثرت سے صدقہ و خیرات دینے لگا اور کثرت سے استغفار کرنے لگا' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سو اس آدمی کے ہاں نو لڑکے پیدا ہوئے۔

حل لغات

''رُزِقْتُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل ماضی مجہول' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: رزق دینا' روزی دینا' کسی کو رزق پہنچانا۔ ''يُكْثِرُ'' صیغہ واحد مذکر' فعل مضارع معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: زیادہ کرنا' زیادہ دینا' کثرت میں غالب آنا' مال دار ہوجانا' بہت لانا' کثرت مال پر فخر کرنا۔

اولاد کے حصول کے لیے صدقہ اور استغفار کی کثرت کرنا

الربیع بن صبیح بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت حسن بصری سے قحط سالی کی شکایت کی' اس سے حضرت حسن نے کہا: تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو' پھر دوسرا شخص آیا' اس نے ان سے فقر وفاقہ کی شکایت کی' حضرت حسن نے اس سے بھی یہی کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو' پھر ایک اور شخص آیا' اس نے ان سے شکایت کی کہ میرے باغات خشک ہو گئے ہیں۔ حضرت حسن نے اس سے بھی یہی کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو' پھر ایک اور شخص آیا' اس نے ان سے کہا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بیٹا دے۔ انہوں نے اس شخص سے بھی یہی کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو' ہم نے ان سے کہا کہ آپ کے پاس مختلف لوگ مختلف شکایات لے کر آئے اور آپ نے سب کو استغفار کرنے کا حکم دیا ہے' حضرت حسن بصری نے فرمایا: میں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی' بلکہ میں نے تو قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت نوح نے اپنی قوم سے فرمایا:

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا O يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا O وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا O (نوح: ۱۲-۱۰)

تم اپنے رب تعالیٰ سے مغفرت وبخشش طلب کرو' بے شک وہ بہت مغفرت فرمانے والا ہے O وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا O اور وہ مالوں اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے گا اور وہ تمہارے لیے باغات اُگائے گا اور وہ تمہارے لیے دریا بہادے گا O

انسان چاہتا ہے کہ آخرت کے اجر وثواب کے علاوہ اس کو دنیا میں بھی آرام اور راحت نصیب ہو' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرو' کیونکہ تم کو معافی بھی ملے گی اور دنیا کی راحت بھی نصیب ہوگی' استغفار کرنے سے بارش ہوگی' مال ودولت اور اولاد میں اضافہ ہوگا' کھیتوں اور باغات کی پیداوار میں اضافہ ہوگا اور تمہارے لیے دریا رواں دواں ہو جائیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام بنیادی اور اصولی نعمتیں استغفار کرنے سے حاصل ہوتی ہیں' سو ہمیں چاہیے کہ ہم بہ کثرت استغفار کیا کریں تا کہ ہماری ہر حاجت پوری ہو۔ [تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۲۵۱' مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار' لاہور]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

الصدقة تطفیء غضب الرب. صدقہ وخیرات دینا اللہ تعالیٰ کے غضب کو مٹا دیتا ہے۔

ملا علی قاری نے کہا کہ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص بہت زیادہ استغفار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر غم ورنج سے کشادگی اور ہر تنگی سے نجات کا راستہ پیدا فرما دے گا اور اس کو وہاں سے رزق عطاء فرمائے گا' جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا' اس کو امام احمد اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ [تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۲۰۸' حاشیہ: ۲' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۸- بَابُ الْغُفْرَانِ وَالسَّلَامِ
مغفرت وسلامتی کا بیان

۴۴۷- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِيءٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُلَهٗ فَهُوَ مَغْفُوْرٌ لَّهٗ. سابقہ (۱۸۷)

حضرت اُم ہانیء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا تو اسے بخش دیا جائے گا۔

۴۴۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ، عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ. سابقہ (۱۱۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ ہی سلام ہے اور اسی سے سلامتی ملتی ہے۔

مغفرت وسلامتی طلب کرنے کی ترغیب

امام بخاری' امام مسلم اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جب کوئی بندہ کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! میں نے ایک گناہ کر لیا ہے' سو تو مجھے بخش دے! تو رب تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ کیا میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ کو بخش دیتا ہے اور وہ گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے' سو میں نے اپنے اس بندہ کو بخش دیا ہے' پھر وہ بندہ کچھ عرصہ رُکا رہتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے' پھر وہ گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے اور (پشیمان ہو کر) کہتا ہے: اے میرے رب! میں نے ایک اور گناہ کر لیا ہے' سو مجھے بخش دے! تو رب تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخش دیتا ہے اور اس پر پکڑ بھی کرتا ہے' سو میں نے اپنے اس بندہ کو بخش دیا ہے' پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ بندہ رُکا رہتا ہے' پھر وہ گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ اے میرے رب! میں نے ایک اور گناہ کر لیا ہے' سو آپ مجھے بخش دیں! تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ بے شک اس کا رب ہے جو گناہ کو معاف کر دیتا ہے اور اس پر گرفت بھی کر لیتا ہے' سو میں نے تیسری دفعہ بھی اپنے اس بندے کو بخش دیا ہے' پس وہ جو چاہے عمل کرتا پھرے' اور دراصل یہ انسان کی معروف عادت کے درجے ہیں کہ انسان بار بار گناہ میں پڑ جاتا ہے اور ہر بار نادم ہو کر توبہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ شریعت کی مخالفت کو جائز سمجھ کر کرتا ہے جیسا کہ میں نے حصن حصین کی شرح میں اس کی وضاحت بیان کر دی ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۷۵-۴۷۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد کہ "ان اللّٰہ ھو السلام" یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ہی سلام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں تمام تغیرات وآفات اور تمام عیوب ونقائص سے سلامت اور پاک ہے' وہی جس کو چاہتا ہے بغیر ملامت وغیرہ کے سلامتی عطاء کرتا ہے' اور "ومنہ السلام" اور اسی سے سلامتی ملتی ہے' یعنی اسی سے سلامتی ملنے کی اُمید کی جاتی ہے اور اسی سے سلامتی کی بخشش طلب کی جاتی ہے اور ہر جگہ ہر زمانہ میں اسی سے سلامتی کی توقع کی جاتی ہے۔ امام مسلم اور سنن اربعہ کے اصحاب نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ان کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ "اللّٰھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام" علامہ ملا علی قاری نے کہا: شیخ مشائخنا الجزری نے التصحیح میں فرمایا ہے کہ "ومنك السلام" کے بعد جتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے جیسے "والیك یرجع السلام فحینا ربنا بالسلام وأدخلنا دار السلام" تو ہمارے علمائے کرام کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سلام پھیرنے کے بعد صرف "اللّٰھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام" کے پڑھنے کی مقدار بیٹھتے تھے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۹۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۲۶- كِتَابُ الْاَدَبِ
ادب کے احکام

۱- بَابٌ فِيْ حُقُوْقِ الْوَالِدَيْنِ
ماں باپ کے حقوق

۴۴۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ، عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ. ابوداؤد(٣٥٣٠)ابن ماجہ(٢٢٩١) ابن حبان(٤١٠-٤٢٦٢)

تو اور تیرا مال تیرے والد کے لیے ہے۔

٤٥٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرُ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يُّرِيْدُ الْجِهَادَ فَقَالَ اَحَيٌّ وَّالِدَاكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ. بخاری(٣٠٠٤)مسلم(٦٥٠٤)ترمذی(١٦٧١) ابوداؤد(٢٥٢٩)نسائی(٣١٠٥)ابن حبان(٣١٨)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جو جہاد میں جانے کا ارادہ رکھتا تھا' سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پس تم ان کے معاملات میں ہی جہاد کرو۔

حل لغات

''اَحَيٌّ'' اس میں ہمزہ استفہام کا (سوالیہ) ہے اور ''حَيٌّ'' کا معنی ہے: زندہ۔ ''فجاهد'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل امر حاضر معروف' باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: جہاد کرنا' کفار سے جنگ کرنا۔

والدین کے حقوق کی اہمیت

اس باب کی پہلی حدیث کو ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے' طبرانی نے حضرت سمرہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن شعیب کے دادا سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' سو اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! بے شک میرا مال بھی ہے اور میری اولاد بھی ہے اور میرا والد میرے مال کا محتاج بھی ہے (اس کا کیا حکم ہے؟) سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انت ومالك لوالدك'' یعنی تو خود اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے' بے شک تمہاری اولاد تمہاری کمائی میں سے ہے' سو تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ۔ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک سب سے زیادہ پاکیزہ مال وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کھاتا ہے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی میں سے ہے۔

اور اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ والد اپنی جان کی حفاظت کے لیے اپنے بیٹے کے مال میں سے اس کی رضامندی کے بغیر بھی خرچ کر سکتا ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ٢١٦' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا. (البقرہ:٨٣)

تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔

حضرت صدر الافاضل مراد آبادی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم فرمانے کے بعد والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی خدمت بہت ضروری ہے اور والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ایسی کوئی بات نہ کہے اور ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے انہیں ایذاء ہو اور اپنے بدن اور مال سے ان کی خدمت میں دریغ نہ کرے بلکہ جب انہیں ضرورت ہو تو ان کے پاس حاضر رہے اور ان کی ضرورت پوری کرے۔

مسئلہ: اگر والدین اپنی خدمت کے لیے نوافل چھوڑنے کا حکم دیں تو نوافل چھوڑ دے کیونکہ ان کی خدمت کرنا نفل عبادت سے

مقدم ہے۔ مسئلہ: واجبات اور فرائض والدین کے حکم سے ترک نہیں کیے جا سکتے۔ والدین کے ساتھ احسان کے طریقے جو احادیث سے ثابت ہیں' یہ ہیں کہ تہ دل سے ان کے ساتھ محبت وعقیدت رکھے۔ رفتار وگفتار میں اور نشست وبرخاست میں ان کے ادب و احترام کو لازم جانے' ان کی شان میں تعظیم وتکریم کے الفاظ کہے اور ان کو راضی کرنے کی سعی اور کوشش کرتا رہے' اپنے نفیس وعمدہ مال کو ان سے نہ بچائے بلکہ ان پر خرچ کرے اور ان کے مرنے کے بعد ان کی وصیتیں جاری کرے' ان کے لیے فاتحہ' صدقات وخیرات' تلاوتِ قرآن مجید سے ایصالِ ثواب کرے اور اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کی دعا کرے' ہفتہ وار ان کی قبر کی زیارت کرے۔ [فتح العزیز] والدین کے ساتھ بھلائی کرنے میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر وہ گناہوں کے عادی ہوں یا کسی بدمذہبی میں گرفتار ہوں تو ان کو نرمی کے ساتھ اصلاح وتقویٰ اور عقیدۂ حقہ کی طرف لانے کی کوشش کرتا رہے۔

[تفسیر خزائن العرفان ص ٢٢' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور]

٢- بَابُ الْاَمْرِ بِالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ

ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا حکم

٤٥١- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ زِيَادٍ يَّرْفَعُهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ اَمَرَ بِالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. بخاری(٥٧)مسلم(٢٠٠)ترمذی(١٩٢٥)

حضرت زیاد بن علاقہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی کرنے کا حکم دیا ہے۔

کن کے ساتھ خیر خواہی کرنا واجب ہے؟

حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''الدين النصيحة'' یعنی دین خیر خواہی ہے' آپ نے تین مرتبہ فرمایا' ہم نے عرض کیا: کس کی؟ فرمایا:

لله ولكتابه ولرسوله ولائمة المسلمين وعامتهم. [صحیح مسلم]

اللہ تعالیٰ کی' اس کی کتاب کی' اس کے رسول کی' مسلمانوں کے ائمہ کی اور عام مسلمانوں کی۔

''النصيحة''، ''نصح'' سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: خالص ہونا۔ عرب کہتے ہیں: ''نصحت العسل عن الشمع'' میں نے شہد کو موم سے خالص کر لیا ہے' اور عرف واصطلاح میں کسی مسلمان ساتھی کے ساتھ قول یا فعل کے ذریعہ خالص خیر خواہی کرنا جس میں بدخواہی کا شائبہ نہ ہو یا خلوصِ دل سے کسی کی بھلائی چاہنا نصیحت ہے' یہ کلمہ بھی جامع کلمات میں سے ہے کیونکہ یہ ایک کلمہ دین و دنیا کی تمام بھلائیوں کا جامع ہے' اس ایک لفظ میں لاکھوں مفید چیزیں شامل ہیں' حتیٰ کہ اعتقاد کو کفر سے خالص کرنا عبادات کو ریا اور دکھاوے سے پاک وصاف کرنا اور معاملات کو خرابیوں سے بچانا سب ہی نصیحت میں داخل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے نصیحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت' اس کی ذات اور اس کی ثبوتی وسلبی صفات کے متعلق خالص اسلامی عقیدہ رکھنا' خلوص دل سے اس کی عبادت کرنا' اس کے محبوبوں سے محبت اور دشمنوں سے عداوت کرنا' اس کی خلق پر شفقت کرنا' اس کے اوامر واحکام بجالانا اور اس کے نواہی وممنوعات سے پرہیز کرنا اور اس کے متعلق اپنے عقیدے خالص رکھنا' اس کی شرح بہت وسیع ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے لیے نصیحت وخیر خواہی یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور اس کو کلامِ الٰہی اور اس کی طرف سے نازل شدہ وحی تسلیم کیا جائے اور اس کو مخلوق کی قدرت واختیار سے ماوراء بے مثل کتابِ الٰہی تسلیم کیا جائے اور تلاوت میں اس کے حروف کو صحیح مخارج سے صحیح طرح ادا کیا جائے اور اس کے وعدوں اور وعیدوں کی تصدیق کی جائے اور اس کے مواعظ سے عبرت حاصل کی جائے اور اس کے عجائب میں غور وفکر کیا جائے اور اس کے محکمات پر عمل کیا جائے اور اس کے متشابہات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے۔ علامہ

خطابی نے یہی ذکر کیا ہے۔

اور بعض محققین نے فرمایا کہ کتاب سے قرآن مجید مراد ہے' یعنی قرآن مجید کے کتاب اللہ ہونے پر ایمان رکھنا' اس کی تلاوت کرنا اور اس کے عجائب و مفاہیم اور معانی میں بہ قدر طاقت غور وفکر کرنا' اس پر صحیح عمل کرنا اور اس پر مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دینا' غلط تاویلوں اور تحریفوں کی تردید کرنا' یہ سب قرآن مجید کی خیرخواہی میں داخل ہیں اور قرآن مجید پر ایمان لانا چونکہ تمام کتب سماویہ کو متضمن ہے' اس لیے کتاب سے قرآن کریم مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے لیے نصیحت وخواہی یہ ہے کہ ان کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنا اور ان کی تعلیمات کو تسلیم کرنا' ان کے اوامر پر عمل کرنا اور ان کے نواہی سے پرہیز کرنا اور ان کی دعوت قبول کرنا' ان کی اطاعت کرنا اور ان سے اپنی جان و مال' اولاد' والدین اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبت و پیار کرنا اور یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوں تو آپ کو آخری نبی و رسول ماننا اور تمام انبیاء و رسل سے افضل ماننا بھی آپ کے ساتھ خیرخواہی میں شامل ہے اور یا جنس رسول مراد ہو' تاکہ فرشتوں کو بھی یہ لفظ شامل ہو جائے کیونکہ یہ انبیائے کرام کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسل ہوتے ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا'' (فاطر:۱) اور فرمایا: ''اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ'' (الحج:۷۵) اور ائمہ مسلمین سے یا اسلامی حکام مراد ہیں یا علماء دین مجتہدین مراد ہیں' ان کی نصیحت وخیرخواہی یہ ہے کہ ہر جائز کام میں بہ قدر طاقت ان کی تعمیل کرنا اور لوگوں کو ان کی جائز اطاعت کے لیے ترغیب دینا اور اسلامی حکام کو نرمی کے ساتھ وعظ و نصیحت کرنا اور غلط اقدام پر ٹوکنا اور ائمہ مجتہدین کی تقلید کرنا' ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا اور ان کا ادب واحترام کرنا اور عام مسلمانوں کے لیے نصیحت وخیرخواہی یہ ہے کہ ان کی خدمت کرنا' ان سے دینی و دنیاوی مصیبتیں دور کرنا' ان سے محبت وشفقت کرنا' ان میں علم دین پھیلانا' نیکی کی تلقین کرنا' بُرائی سے منع کرنا اور جو چیز اپنے لیے پسند نہ کرے ان کے لیے پسند نہ کرنا اور مشکل میں ان کی مدد کرنا غرضیکہ ان کی ہر طرح بھلائی چاہنا۔

[مرقاۃ المفاتیح ج۹ ص۲۲۵-۲۲۴' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' مرأۃ المناجیح ج۶ ص۵۵۸-۵۵۷' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

۳- بَابٌ فِى الْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظْمَةِ لِلّٰهِ

بزرگی اور بڑائی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے

۴۵۲- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِىْ مُسْلِمِ الْاَغَرِّ صَاحِبِ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِىْ وَالْعَظْمَةُ اِزَارِىْ فَمَنْ نَازَعَنِىْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا اَلْقَيْتُهٗ فِىْ جَهَنَّمَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے' سو جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کو مجھ سے چھینے گا تو میں اس کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔

مسلم(۶۶۸۰) ابوداؤد(۴۰۹۰) ابن ماجہ(۴۱۷۴) ابن حبان(۵۶۷۱)

حل لغات

''رِدَآءِیْ'' اوپر اوڑھنے والی بڑی چادر۔ ''اِزَارِیْ'' نیچے ستر کے لیے باندھنے والی تہبند۔ ''نَازَعَنِیْ'' اس میں ''نَازَعَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: جھگڑا کرنا' چھیننا' باہم اختلاف کرنا' کھینچنا' آخر میں نون وقایہ اور یائے متکلم ضمیر مفعول بہ ہے۔ ''اَلْقَيْتُهٗ'' ''اَلْقَيْتُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل ماضی معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: ڈال دینا۔ آخر میں ہٗ ضمیر مفعول بہ ہے۔

کبریائی اور عظمۃ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات ہیں

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ازار وہ چادر ہے جس کو کمر پر باندھتے ہیں اور رداء وہ چادر ہے جس کو کندھوں پر ڈالتے ہیں' یہ دونوں چادریں لباس ہیں اور لباس اجسام کے خواص میں سے ہے اور اللہ عزوجل جسم سے منزہ اور پاک ہے' لہٰذا ان چادروں سے مراد اس کی مخصوص صفات ہیں' یعنی عظمت اور کبریائی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات ہیں' جو شخص ان صفات سے متصف ہونے کی کوشش کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دینے کے لیے دوزخ میں ڈال دے گا۔

[ماخوذ از شرح صحیح مسلم ج۷ ص۲۳' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کہ ''کبر میری رداء (چادر) ہے اور عظمت میری ازار (تہبند) ہے'' یہ ایک مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ کبر اور عظمت کی صفت کے ساتھ منفرد اور اکیلا متصف ہے' یعنی یہ دو صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں' کسی شخص کو ان میں شرکت کی مجال نہیں ہے اور کوئی شخص ان دو صفات کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا جیسا کہ جود و کرم اور مہربانی یہ صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں اور بندوں کو بھی اس سے حصہ عطاء کیا گیا ہے' اس لیے جواد' کریم اور رحیم صفات کے ساتھ بطور مجاز بندوں کو بھی متصف کرنا جائز ہے لیکن کبر اور عظمت دونوں صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی بندے وغیرہ کو متصف کرنا جائز نہیں ہے' جس طرح اوپر پہننے والی چادر اور نیچے کمر پر باندھنے والا تہبند کوئی شخص پہن لے تو اب وہ چادر اور تہبند کسی دوسرے کے لیے پہننا ناممکن ہے' اسی طرح کبر اور عظمت دونوں صفات اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص اور ثابت ہو چکی ہیں' سو اس لیے اب کوئی شخص ان دو مخصوص صفات کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا اور لغت میں ان دونوں صفات کا معنی ایک ہے (یعنی کبر اور عظمۃ دونوں مترادف ہیں)' ان کا معنی ہے: بزرگی اور بزرگ ہونا اور حدیث کے ظاہر کے اعتبار سے دونوں میں فرق نظر آتا ہے کہ ایک کو رداء کے ساتھ اور دوسرے کو ازار کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' چنانچہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ کبر اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اور عظمۃ اضافی صفت ہے' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں کبیر و متکبر ہے خواہ کوئی اور اسے کبیر و متکبر جانے یا نہ جانے اور عظمۃ کا مطلب ہے کہ لوگ اسے بڑا جانیں' اس لیے ضروری ہے کہ ذاتی صفت اضافی صفت سے ارفع و اعلیٰ ہو اور رداء بھی ازار سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ اوپر پہنی جاتی ہے جبکہ ازار نیچے کمر پر باندھا جاتا ہے' پس اس اعتبار سے کبر کو رداء کے ساتھ اور عظمۃ کو ازار کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

[اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج۴ ص۱۶۳' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر' مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۹ ص۳۰۹' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

۴- بَابٌ فِىْ ذَمِّ الْكِبْرِ

تکبر کی مذمت

۴۵۳- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ الْمُتَكَبِّرَ رَاْسُهٗ بَيْنَ رِجْلَيْهِ حَيْثُ كَانَ يَرْتَفِعُ بِرَاْسِهٖ فِىْ تَابُوْتٍ مِّنْ نَّارٍ مُّقَفَّلٍ عَلَيْهِ وَلَا يَخْرُجُ اَبَدًا مِّنَ النَّارِ.

حضرت محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ متکبر کا سر اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہوگا کیونکہ وہ (دنیا میں) اپنا سر اُٹھا کر اکڑتا تھا' وہ آگ کے ایک تابوت میں بند ہوگا جس پر تالا لگا ہوگا اور وہ کبھی دوزخ کی آگ سے نہیں نکل سکے گا۔

حل لغات

''يَرْتَفِعُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: اُٹھانا' بلند کرنا' اوپر کرنا۔ ''مُقَفَّلٌ'' صیغہ واحد مذکر اسم مفعول' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: تالا لگانا' بند کرنا' جمع کرنا' خشک کرنا۔

تکبر کرنے کا انجام دوزخ کا عذاب ہے

کبر کا معنی ہے: عجب یعنی بڑائی' اپنی ذات وصفات کو اچھا جاننا اور اس کا لوگوں کے سامنے اظہار کرنا تکبر ہے جو بدترین عادت ہے اور اس کے مقابلہ میں تواضع اور انکساری ہے' جو بہت اچھی عادت ہے' بہرحال تکبر اگرچہ بُرا عمل ہے لیکن بعض دفعہ اچھا بھی ہوتا ہے' مثلاً مسلمان کا اپنے آپ کو کفار سے اچھا جاننا اور انہیں حقیر و ذلیل خیال کرنا' تا کہ ان کی ہیبت ہمارے دلوں میں نہ آئے' یہ تکبر اچھا ہے' البتہ مسلمان بھائی سے اپنے آپ کو بڑا اور اچھا سمجھنا اور انہیں ذلیل وحقیر اور کمتر سمجھنا یہ بدترین تکبر ہے۔ یاد رہے کہ نبی کے مقابلہ میں تکبر کرنا کفر ہے جیسے شیطان مردود نے حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں تکبر کیا تو کافر ہو گیا' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ O'' (البقرہ:٣٤) اور شیطان نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا O دراصل اللہ تعالیٰ ہی متکبر ہے کیونکہ وہی سب سے بڑا' سب سے عالی' سب سے بلند ہے۔

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کوئی شخص دوزخ کی آگ میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا اور ایسا کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر تکبر وغرور ہوگا۔ [صحیح مسلم]

(۲) انہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایسا شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر وغرور ہوگا' سو ایک آدمی نے عرض کیا کہ ایک شخص پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا لباس وغیرہ خوبصورت اور اچھا ہو اور اس کے جوتے اچھے ہوں تو آپ نے فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ'' بے شک اللہ تعالیٰ حسین وجمیل ہے اور وہ حسن وجمال کو پسند فرماتا ہے جبکہ تکبر وغرور حق وسچ کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر وذلیل سمجھنا ہے۔ [رواہ مسلم]

(۳) حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تکبر کرنے والے لوگوں کو چیونٹیوں کی طرح آدمیوں کی صورت میں جمع کیا جائے گا جن پر ہر جگہ سے ذلت ورسوائی چھا جائے گی' انہیں دوزخ کے ایک قید خانہ کی طرف ہانکا جائے گا جس کا نام بولس رکھا گیا ہے' ان لوگوں کو آگوں کی آگ گھیر لے گی' انہیں دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی' یعنی فاسد وگندی بدبودار نچوڑی ہوئی پیپ' اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

[مشکوٰۃ المصابیح ص ٤٣٤-٤٣٣' مطبوعہ اصح المطابع' دہلی]

٥- بَابُ فَضِيْلَةِ الرِّفْقِ وَالْخُلُقِ الْحَسَنِ

نرمی اور حسنِ خلق کی فضیلت

٤٥٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ زِيَادٍ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ شَهِدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَعْرَابُ يَسْاَلُوْنَهُ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خَيْرُمَا اُعْطِيَ الْعَبْدُ قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ.

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' جبکہ اس وقت کچھ دیہاتی لوگ آپ سے یہ سوال کر رہے تھے' انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! بندے کو جو کچھ عطاء کیا گیا ہے اس میں سب سے بہتر کیا چیز عطاء کی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: اچھا خلق۔

ابوداؤد (٣٨٥٥) ترمذی (٢٠٣٨) ابن ماجہ (٣٤٣٦) ابن حبان (٦٠٦١) مسند احمد (١٨٦٤٥) مستدرک للحاکم (ج ١ ص ١٢١)

٤٥٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ الرِّفْقَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ يُرٰى لَمَا رُئِيَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى خَلْقٌ اَحْسَنُ مِنْهُ وَلَوْ اَنَّ الْخُرْقَ خَلْقٌ يُرٰى لَمَا رُئِيَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَقْبَحُ مِنْهُ. مسند الحارثی (٥٢٤)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نرمی اور حسن خلق کو جسمانی قالب میں دکھایا جائے تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی مخلوق حسن خلق سے بہتر نظر نہیں آئے گی اور اگر بدخلقی کو جسمانی شکل میں دکھایا جائے تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس سے بدترین کوئی مخلوق نظر نہیں آئے گی۔

حل لغات

''خُلُقٌ'' خاء پر ضمہ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے: نرم خو ہونا' طبعی عادت' مروّت' خصلت' رویہ' اگر انسان کا رویہ' رہن سہن' میل جول' گفتار وکردار دوسرے لوگوں کے ساتھ اچھا اور مثالی ہو تو اسے حسنِ خلق کہا جاتا ہے' جس کی جمع اخلاقِ حسنہ ہے اور اگر یہ چیزیں بری ہوں اور قابلِ نفرت ہوں تو اسے سوئے خلق اور بدخلقی کہا جاتا ہے' جمع میں اخلاقِ سیئہ اور بداخلاق کہا جاتا ہے۔ ''یُرٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع مجہول مثبت' باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: دیکھنا۔ ''لَمَا'' میں لام ابتدائیہ ہے اور ما نافیہ ہے۔

حسن خلق کا انعام جنت ہے

خلق کا لغوی معنی اور اس کا مفہوم حل لغات میں قدرے بیان کر دیا گیا ہے' یہاں صرف یہ یاد رکھنا ہے کہ حسن خلق یعنی عمدہ اور اچھے خلق کا خلاصہ یہ ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے والا انسان ہی حسن خلق کا مالک اور اس کا حق دار ہے اور اس کے برعکس دونوں یا کسی ایک کو ترک کرنے والا انسان اس خوبی سے محروم ہو جاتا ہے' دونوں حقوق کو ترک کرنے والا انسان تو بدخلق اور نالائق و بدنصیب ہے اور کسی ایک کو ترک کرنے والا انسان بھی پچاس فی صد بدخلق اور بدنصیب ہے۔ اس مضمون پر بہت زیادہ احادیث مروی ہیں لیکن یہاں اختصار کے پیش نظر چند احادیث بیان کی جا رہی ہیں' ملاحظہ فرمائیں اور اپنا ایمان اور علم تازہ فرمائیں:

(۱) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مؤمن کے میزان میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری عمل حسن خلق ہوگا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ فحش گو' بدخلق آدمی سے بغض وعداوت رکھتا ہے' اسے امام ترمذی نے سنن ترمذی میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک جو عمل سب سے زیادہ لوگوں کو جنت میں لے جائے گا' وہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور حسن اخلاق ہے۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک مسلمان اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے رات بھر عبادت کرنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا درجہ اور مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔

[رواہ ابوداؤد]

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ پیارا اور پسندیدہ وہ ہے جس کے اخلاق تم میں سے سب سے زیادہ اچھے ہیں۔ [تفسیر مظہری ج ١٠ ص ٣٣' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی]

٦- بَابُ اِخْلَاقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَوَاضُعِهٖ مَعَ اَصْحَابِهٖ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اور صحابہ کے ساتھ تواضع اختیار کرنے کا ثبوت

٤٥٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی

اَخْرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ يَدَىْ جَلِيْسٍ لَّهٗ قَطُّ بَلْ يَقْعُدُ مُسَاوِيًا لَّهُمْ وَلَا تَنَاوَلَ اَحَدٌ يَدَهٗ فَيَتْرُكُهَا قَطُّ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ يَدَعُهَا وَمَا جَلَسَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدٌ قَطُّ فَقَامَ حَتّٰى يَقُوْمَ قَبْلَهٗ وَمَا وَجَدْتُّ شَيْئًا قَطُّ اَطْيَبَ مِنْ رِّيْحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (شمائل ترمذی)

اپنے گھٹنے اپنے ہم جلیس سے آگے نکال کر نہیں بیٹھے بلکہ آپ ان کے برابر بیٹھتے تھے اور کبھی کسی شخص نے آپ کا ہاتھ نہیں پکڑا کہ آپ نے اسے چھڑا لیا ہو یہاں تک کہ وہ شخص خود آپ کا ہاتھ چھوڑ دیتا اور کبھی کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر نہیں بیٹھا کہ آپ کھڑے ہو گئے ہوں' یہاں تک کہ وہ خود آپ سے پہلے کھڑا ہو جاتا اور میں نے رسول اللہ ﷺ کے جسم کی ذاتی خوشبو سے زیادہ خوشبودار کبھی کوئی چیز نہیں پائی۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ مَا قَامَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فِىْ حَاجَةٍ فَانْصَرَفَ عَنْهُ قَبْلَهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ.

ابوداؤد(٤٧٩٤)ترمذی(٢٤٩٠)ابن ماجہ(٣٧١٦)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی آدمی اپنی کسی حاجت وضرورت کے لیے کھڑا نہیں ہوا کہ آپ نے اس سے پہلے اس سے منہ پھیر لیا ہو' یہاں تک کہ وہ آدمی خود اپنا منہ پھیر کر چلا جاتا۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَافَحَ اَحَدًا لَا يَتْرُكُ يَدَهٗ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ هُوَ الَّذِىْ يَتْرُكُ. ترمذی(٢٤٩٠)سابقہ(٣٥٩)

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص سے مصافحہ کرتے تو آپ اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے مگر یہ کہ وہ خود آپ کا ہاتھ چھوڑ دیتا۔

٤٥٧- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا نَادٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ مَنْزِلِهٖ فَقَالَ لَبَّيْكَ قَدْ اَجَبْتُكَ فَخَرَجَ اِلَيْهِ.

بخاری(٦٣)ابوداؤد(٤٨٦)ابن ماجہ(١٤٠٢) ابن حبان(١٥٤)مسند الہیثمی (ج٩ص٢٠)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو بلند آواز سے پکارا جبکہ آپ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے' سو آپ نے فرمایا: ''لَبَّيْكَ قَدْ اَجَبْتُكَ'' میں حاضر ہوں! بے شک میں نے تمہارا بلاوا قبول کر لیا ہے' پھر آپ باہر اس کے پاس تشریف لے آئے۔

حل لغات

''**يَقْعُدُ**'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بیٹھنا۔ ''**لَا تَنَاوَلَ**'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف منفی' باب تفاعل سے ہے' اس کا معنی ہے: پانا' حاصل کرنا' وصول کرنا' مراد پکڑنا ہے۔ ''**مَا صَافَحَ**'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف منفی' باب مفاعلہ سے ہے' اس کا معنی ہے: مصافحہ کرنا' ایک دوسرے کے ساتھ باہم ہاتھ ملانا۔ ''**اَجَبْتُكَ**'' صیغہ واحد متکلم' فعل ماضی معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: جواب دینا' ایجاب کرنا۔

اخلاقِ نبوی ﷺ کی جھلک

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی مصری لکھتے ہیں:

نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم فرمایا کرتے: اے اللہ! جس طرح تو نے میرے جسم کو خوبصورت بنایا ہے' اسی طرح میرے اخلاق و اطوار کو بھی سنوار دے۔ (امام احمد وغیرہ) امام مسلم نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے دعا کی: اے اللہ! تو میری بہترین اخلاق کی طرف رہنمائی فرما! کیونکہ تیرے بغیر اور کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ چونکہ نبی کریم ﷺ میں وہ تمام اخلاقِ حسنہ موجود تھے جنہیں نہ تو شمار

کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کی حد مقرر کی جا سکتی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کو فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍO (القلم:٤) اور بے شک آپ ضرور بہت بڑے خلق پر فائز ہیںO

اور حسن خلق ایسی ذاتی خوبی ہے کہ جس کی وجہ سے موصوف سے نہایت عمدہ افعال اور بہترین اعمال صادر ہوتے ہیں اور چونکہ آپ کی ذاتِ اقدس میں بہترین اخلاق جمع تھے' اس لیے آپ کا خلق عظیم تھا' نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہترین اخلاق اور عمدہ افعال سے سرفراز فرمایا۔ (طبرانی) امام مالک نے موطأ میں تحریر کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میں بہترین اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں' حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں: ''كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ'' آپ کا خلق قرآن ہے' یعنی جس طرح الفاظِ قرآن کے معانی کی کوئی حد نہیں' اسی طرح آپ کے اوصاف جمیلہ اور اخلاقِ حسنہ کی کوئی حد نہیں کیونکہ ہر حالت میں نبی کریم ﷺ سے کوئی نہ کوئی عمدہ خصلت اور پاکیزہ عادت کا ظہور ہوتا رہتا تھا اور آپ پر مختلف علوم ومعارف کا اللہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً جو فیضان ہوتا رہتا تھا' اس کا علم اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کسی کو نہیں ہو سکتا' نیز آپ کے اوصافِ جمیلہ اور کمالاتِ حمیدہ کا احاطہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے' کیونکہ آپ کی فطرت کی تخلیق ہی اخلاقِ کریمہ پر ہوئی تھی اور ان عادات واطوار کا اکتساب نفس کی ریاضت اور کوشش کا ثمرہ نہیں تھا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم تھا' یہی وجہ ہے کہ معارفِ الٰہیہ کے انوار آپ کے دل پر ہمیشہ جلوہ ریز ہوتے تھے' یہاں تک کہ آپ نہایت بلند وبالا اور اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ گئے۔

[الانوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ' عربی' ص ٢٢٠' مطبوعہ بیروت' مترجم ص ٢٨٦' مطبوعہ مکتبہ نبویہ' لاہور]

٧- بَابٌ فِىْ عَدَمِ جَوَازِ الْمُصَافَحَةِ بِالنِّسَآءِ

عورتوں کے ساتھ مصافحہ کرنا جائز نہیں

٤٥٨- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ اُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ قَالَتْ اَتَيْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَايِعَهٗ فَقَالَ اِنِّىْ لَسْتُ اُصَافِحُ النِّسَآءَ.

حضرت اُمیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ میں آپ سے بیعت کروں' سو آپ نے فرمایا: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

بخاری(٢٧١٣)مسلم(٤٨٣٤)ابوداؤد(٢٩٤١)ترمذی(٣٣٠٦)ابن ماجہ(٢٨٧٥)ابن حبان(٥٥٨٠)مسند احمد (٢٥٣٣٤) مسند حمیدی(٣٤١)طبقات ابن سعد(٩٥٥٤)

عورتوں سے بیعت کا طریقہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیعت کے جواز کے بارے میں فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِىْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO (الممتحنۃ:١٢)

اے غیب کی خبریں بتانے والے (پیغمبر)! جب آپ کی خدمت میں مسلمان عورتیں حاضر ہوں تاکہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ جھوٹا الزام لگائیں گی جو انہوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیا ہے اور نہ کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو (اے محبوب!) آپ

انہیں بیعت فرمالیں اور آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگیں'
بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہے O

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے کئی بار بیعت لی لیکن آپ نے کبھی کسی عورت کے ساتھ بیعت لیتے وقت مصافحہ نہیں کیا۔ کبھی تو زبانی کلامی ان اُمور کی پابندی کا وعدہ لیا اور کبھی پانی سے بھرے ہوئے پیالہ میں اپنا ہاتھ ڈالا اور اس کے بعد بیعت ہونے والی عورتوں کو اپنا ہاتھ رکھنے کا حکم دیا۔ کبھی کپڑا ہاتھ میں لے کر عورتوں سے بیعت لی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے: جو عورتیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ہجرت کر کے آتی تھیں' ان کا امتحان اسی آیت سے ہوتا تھا' جو عورت اس آیت کی تمام باتوں کا اقرار کر لیتی' اسے رسول اللہ زبانی فرمادیتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی' یہ نہیں کیا کہ آپ ان کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ ملاتے ہوں' قسم اللہ کی! آپ نے کبھی بیعت کرتے ہوئے کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا' آپ صرف زبانی فرمادیتے کہ میں نے ان باتوں پر تمہاری بیعت لے لی۔ جامع ترمذی' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ اور مسند امام احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت اُمیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں کئی اور عورتوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئی تو آپ نے قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہم سے عہد و پیمان لیا کہ ہم نیک اور اچھی باتوں میں رسول اللہ کی نافرمانی نہیں کریں گی' اسی اقرار کے وقت فرمایا: تم یہ بھی کہہ لو کہ جہاں تک تمہاری طاقت ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ہمارا خیال ہم سے بہت زیادہ ہے اور ان کی مہربانی بھی ہم پر خود ہماری مہربانی سے بڑھ چڑھ کر ہے' پھر ہم نے عرض کیا: آپ ہم سے مصافحہ نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں غیر عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا' میرا ایک عورت سے کہہ دینا سو عورتوں کی بیعت کے لیے کافی ہے' بس بیعت ہو چکی۔ امام ترمذی اس حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں' مسند احمد میں اتنا اضافہ اور بھی ہے کہ آپ نے ہم میں سے کسی عورت کے ساتھ مصافحہ نہیں کیا۔ [تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۹' مترجم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی]

٨- بَابُ الْوِزْرُ عَلٰى مَنْ لَّمْ يَقْبَلْ عُذْرَ الْمُسْلِمِ

جو مسلمان کی معذرت قبول نہ کرے' وہ گناہ گار ہے

٤٥٩- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَقْبَلْ عُذْرَ مُسْلِمٍ يَّعْتَذِرُ اِلَيْهِ فَوِزْرُهٗ كَوِزْرِ صَاحِبِ مُكْسٍ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا صَاحِبُ مُكْسٍ قَالَ عَشَّارٌ. ابن ماجہ (٣٧١٨)

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کی معذرت قبول نہیں کرتا جو اس سے معذرت کر رہا ہو تو اسْ کا گناہ صاحبِ مکس کے گناہ کی طرح ہے' سو عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ! صاحب مکس کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ عشر (ٹیکس) کی وصولی میں زیادتی کرنے والا۔

٤٦٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اعْتَذَرَ اِلَيْهِ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ فَلَمْ يَقْبَلْ عُذْرَهٗ فَوِزْرُهٗ كَوِزْرِ صَاحِبِ مُكْسٍ يَعْنِىْ عَشَّارًا. ابن ماجہ (٣٧١٨)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے سامنے اس کے کسی مسلمان بھائی نے معذرت پیش کی اور اس نے اس کی معذرت قبول نہیں کی تو اس کا گناہ صاحبِ مکس کے گناہ کی طرح ہے' یعنی عشر وصول کرنے میں زیادتی کرنے والے کی طرح ہے۔

حل لغات

''لَمْ يَقْبَلْ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف نفی جحد بلم بہ معنی ماضی منفی' باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: قبول کرنا' کفیل بننا' ذمہ داری لینا۔ ''يَعْتَذِرُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: عذر چاہنا' معذرت کرنا' عذر پیش کرنا۔ ''وِزْرٌ'' گناہ۔ ''مُكْسٍ'' کا معنی ہے: ظلم و زیادتی کرنا۔ ''عَشَّارٌ'' عشر وصول کرنے میں ظلم و زیادتی کرنے والا۔

معاف کرنے کی فضیلت

ان احادیث سے ثابت ہو گیا ہے کہ اگر کسی سے غلطی ہو جائے اور وہ اپنی غلطی پر نادم و شرمندہ ہو کر معذرت پیش کرے تو اس کی معذرت قبول کرنا اور اسے معاف کر دینا واجب ولازم ہے' ورنہ معاف نہ کرنے والا خود گنہگار ہو جائے گا لیکن یہ مطلق نہیں کیونکہ بندوں کے حقوق کی تفصیل یہ ہے کہ بعض چیزوں میں ان سے تساہل اور درگزر کرنا مستحسن ہے۔ اور بعض چیزوں میں ان سے اغماض اور چشم پوشی کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی شخص کو کوئی ذاتی نقصان پہنچائے تو اس کو معاف کر دینا مستحسن ہے اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرے اور حدود اللہ کو پامال کرے اور رسول اللہ ﷺ کی توہین کرے تو اس کے ساتھ مداہنت کرنا جائز نہیں ہے' سو اس لیے معاف کرنے کے حکم کا تعلق انسان کے ذاتی معاملات سے ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت و سرکشی اور روگردانی کا معاملہ ہو' وہاں نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے ٹوکنا اور روکنا ضروری ہے اور اگر نیکی کا حکم دینے پر کوئی شخص بدتمیزی اور جہالت سے پیش آئے تو پھر اس سے اعراض کرنے کا حکم ہے۔ امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

جب یہ آیت:

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ O (الاعراف:١٩٩)

آپ عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کیجئے اور نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے O

نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا: اے جبریل! اس کا کیا معنی ہے؟ حضرت جبریل نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتاؤں گا' پھر واپس آ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم دیتا ہے کہ جو آپ پر ظلم و زیادتی کرے آپ اس کو معاف کر دیں' جو آپ کو محروم کرے اس کو عطاء کریں اور جو آپ سے تعلق توڑے' آپ اس سے تعلق جوڑیں۔

امام احمد روایت کرتے ہیں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے عقبہ بن عامر! جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو اور جو تم کو محروم کرے اس کو عطاء کرو اور جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کرو' میں دوبارہ ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: اے عقبہ بن عامر! تم اپنی زبان پر قابو رکھو' اپنے گناہوں پر رویا کرو اور تمہارے گھر میں گنجائش رہنی چاہیے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے غضب کے تقاضے پورے کرنے پر قادر ہو' اس کے باوجود وہ اپنے غصہ کو ضبط کر لے اور معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اس کو یہ اختیار دے گا کہ وہ جس بڑی آنکھوں والی حور کو چاہے لے لے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے قدرت و اختیار کے باوجود کسی کو معاف کر دیا تو تنگی کے دن اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔

نوٹ: تفصیل اور حوالہ جات دیکھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر تبیان القرآن ج ۴ ص ۵۰۷-۵۰۵ ' مطبوعہ فرید بک سٹال ' اُردو بازار' لاہور۔

۹- بَابُ النَّهْيِ عَنْ رَدِّ الطِّيْبِ — خوشبو قبول نہ کرنے کی ممانعت

۴۶۱- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اُتِيَ اَحَدُكُمْ بِطِيْبٍ فَلْيُصِبْ مِنْهُ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو خوشبو دی جائے تو اسے چاہیے کہ خوشبو قبول کر لے۔

مسلم (۵۸۸۳) ابوداؤد (۴۱۷۲) نسائی (۵۲۶۱) ابن حبان (۵۱۰۹) ابن عدی (۲۱۹/۴۶)

حل لغات

''طِيْبٌ'' یہ اسم مصدر ہے' اس کا معنی ہے: خوشبو اور اس کی جمع ''اَطْيَابٌ'' اور ''طُيُوْبٌ'' آتی ہے۔ ''فَلْيُصِبْ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل امر معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: درست پانا' درست کرنا' وصول کرنا' پانا' پہنچنا' پہنچانا۔

ہدیہ اور خوشبو قبول کرنا مستحب عمل ہے

امام ترمذی' الشمائل النبویہ میں حضرت ثمامہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خوشبو کا ہدیہ واپس نہیں کرتے تھے اور فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوشبو کا ہدیہ واپس نہیں فرمایا کرتے تھے' یعنی جو خوشبو ہدیۃً اور تحفۃً دی جائے' اس کو قبول کر لینا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قسم کے تحفہ کو قبول فرماتے تھے اور ردّ نہیں فرماتے تھے' خوشبو کے ہدیہ کو قبول کرنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ ہدیہ اتنا زیادہ قیمتی نہیں ہوتا کہ پیش کرنے والے کو گراں گزرے' دوسرا یہ کہ تھوڑی مقدار میں ہوتا ہے کہ لینے والے کی طبیعت کو محسوس نہیں ہوتا' نیز امام ترمذی اس حدیث کو جامع ترمذی میں روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت مسلم بن جندب نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ تین چیزوں کو ردّ نہ کیا جائے: تکیہ' خوشبودار تیل' خوشبو اور دودھ' اور جامع ترمذی میں تین چیزوں کا ذکر ہے: تکیہ' تیل اور دودھ' امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے۔

حضرت حنان' حضرت ابوعثمان سے مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ جب تمہیں ریحان (خوشبو) پیش کی جائے تو اسے واپس نہ کیا جائے کیونکہ یہ جنت سے نکلی ہے۔ امام ترمذی نے جامع ترمذی میں کہا کہ یہ حدیث غریب حسن ہے اور ہم حنان کو اس حدیث کے علاوہ نہیں جانتے اور ابوعثمان کا نام عبدالرحمٰن نہدی ہے' انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا ہے' لیکن آپ سے کوئی حدیث روایت نہیں کی اور آپ سے ان کا سماع ثابت نہیں' سو اس لیے یہ تابعین میں سے ہیں' انہوں نے یہ حدیث عمرو بن مسعود اور ابوموسیٰ اشعری سے سماع کی ہے' لہٰذا اس شرط پر یہ حدیث مرسل ہے' معلوم ہوا کہ جس چیز کی اصل جنت سے آئی ہو وہ رحمت ہوتی ہے' لہٰذا جو شخص تحفۃً یا ہدیۃً خوشبو دے تو اسے ردّ نہیں کرنا چاہیے' دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس کے رکھنے یا لے جانے میں کوئی محنت یا مشقت نہیں اُٹھانا پڑتی' کیونکہ یہ ایک ہلکی پھلکی چیز ہوتی ہے' تیسری بات یہ ہے کہ اسے قبول نہ کر کے دینے والے کا دل دُکھانا مناسب نہیں' نیز فرمایا کہ یہ جنت سے نکلی ہے' اس لیے بھی اس تحفہ کو ردّ نہ کرو یعنی شوق اور رغبت دلانا مقصود ہے کہ اعمال صالحہ میں بہت کوشش کرو تا کہ جنت کی نعمتوں سے مالا مال ہو جاؤ۔ امام مسلم اور امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ جس شخص کو ریحان اور ایک روایت میں ہے کہ طیب (خوشبو) پیش کی جائے تو وہ اسے ردّ نہ کرے کیونکہ اٹھانے میں محنت و

مشقت کم ہے' خوشبو بہترین ہے۔

[تنسیق النظام شرح مسند امام ص ۲۱۱ ' انوار غوثیہ شرح شمائل نبویہ ص ۲۸۸ ' نیز ۲۹۱ ' مطبوعہ ادارہ تصنیفات امام احمد رضا' کراچی]

۱۰- بَابُ النَّهْيِ عَنِ النَّظْرِ فِي النُّجُوْمِ — ستاروں میں غور وفکر کرنے سے ممانعت

۴۶۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّظْرِ فِي النُّجُوْمِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (قسمت معلوم کرنے کے لیے) ستاروں میں دیکھنے اور غور وفکر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

کنز العمال (۲۹۴۳۶) ابن عدی (ج ۵ ص ۱۹۱۶) الدر للسیوطی (ج ۳ ص ۳۵)

حل لغات

''اَلنَّظْرُ'' اس کا معنی ہے: غور سے دیکھنا' سوچنا' غور وفکر کرنا' اندازہ کرنا' نگاہ' دانائی' علم النظر والا استدلال۔ ''اَلنُّجُوْمُ'' اس کے معنی ہیں: ستارے' یہ ''نجم'' کی جمع ہے اور ''نجم'' کے معانی ہیں: ستارہ' ثریا' مقررہ وقت' بے ساق بیل' پودا' نباتات' اصل کلمہ۔

ستاروں میں غور وفکر کرنے کی ممانعت کی وجوہ

یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطلقاً ستاروں میں نظر وفکر اور دیکھنے سے منع نہیں فرمایا کیونکہ قرآن مجید میں عقل سلیم رکھنے والے اور اُٹھتے' بیٹھتے' لیٹتے اور ہر دم اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری وساری رکھنے والے محبوب بندوں کی ایک خوبی یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ کائنات کی تخلیق وتشکیل میں غور وفکر کرتے ہیں تو وہ خداداد استعداد وصلاحیت سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے تخلیق کردہ نظامِ فطرت کے یکساں پابند ہیں اور احکامِ خداوندی سے سرمو سرتابی کی جرأت نہیں کرتے' وہ تخلیق کائنات کے ان سربستہ اسرار ورموز کے آشکارا ہو جانے پر پکار اُٹھتے ہیں: ''رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا'' اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ (سب کچھ حکمت ومصلحت اور تدبیر کے بغیر محض) باطل وبے کار پیدا نہیں فرمایا' بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستاروں کی چال سے بارش کا وقت' آندھیاں چلنا' سردی گرمی' ارزانی گرانی' تنگ دستی وخوشحالی اور مستقبل کے حوادثات وحالات معلوم کرنے کے لیے ان میں غور وفکر کرنے اور دیکھنے سے منع فرمایا ہے' کیونکہ یہ علومِ غیبیہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' نیز دنیا کے انتظامات' مخلوق کی موت وحیات' تنگ دستی وخوشحالی اور بارش وخشکی یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے' وہی ان کا مدبر ومؤثر ہے' پس ستاروں کو مدبر ومؤثر ماننا کفر وشرک ہے' البتہ ان سے اوقات' رات کے سفر میں راستے' منزل کی سمت اور قبلہ معلوم کرنا بالکل حق ہے کیونکہ رات کے وقت صحرائی اور سمندری سفر میں منزل کی طرف سمت اور قبلہ کا تعین قطب ستارے پر موقوف ہیں' نیز مساجد کی قبلہ رخ بنیاد قطب ستارے سے رکھی جاتی ہے' بہر حال ان کے صدہا فوائد ہیں لیکن یہ کسی چیز میں مؤثر نہیں ہیں بلکہ یہ صرف علامات واسباب ہیں۔

(۱) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین مقاصد کے لیے پیدا فرمایا ہے: (۱) ان کو آسمان کے لیے زینت (۲) اور شیاطین کو آگ کا شعلہ مار کر بھگانے والا (۳) اور علامات ونشانیاں بنایا ہے جن سے رہنمائی لی جاتی ہے۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا — اور بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے مزین

رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ. (الملک:٥) کیا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے لیے سنگسار کرنے والا بنایا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ (الانعام:٩٧) اور وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعہ خشکی اور تری کے اندھیروں میں منزل کی راہ پالو۔

(٢) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ستاروں میں غور سے دیکھنے والا شخص اس طرح ہے جس طرح عین سورج کو دیکھنے والا' جب اس کی نظر سورج میں سخت تیز ہو جائے گی تو اس کی بصارت ضائع ہو جائے گی۔

(٣) ابن مردویہ اور دار قطنی نے کتاب النجوم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ تم ستاروں کا علم اتنا سیکھو جس کے ذریعہ تم صحرائی اور سمندری سفر کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کر سکو پھر باز آ جاؤ۔

(٤) امام احمد' مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جس شخص نے علم نجوم کا حصہ حاصل کیا' اس نے جادو کا حصہ حاصل کیا' جس قدر اس نے علم نجوم زیادہ حاصل کیا اسی قدر اس نے جادو کا حصہ زیادہ حاصل کیا۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ١٧٣' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

١١ - بَابُ النَّهْيِ عَنْ دُخُوْلِ الْحَمَّامِ اِلَّا بِمِيْزَرٍ

بغیر تہبند حمام میں داخل ہونے کی ممانعت

٤٦٣- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يَّدْخُلَ الْحَمَّامَ اِلَّا بِمِيْزَرٍ وَّلَمْ يَسْتُرْ عَوْرَتَهٗ مِنَ النَّاسِ كَانَ فِيْ لَعْنَةِ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْخَلْقِ اَجْمَعِيْنَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی ایسے آدمی کے لیے جائز نہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے کہ وہ تہبند کے بغیر حمام میں داخل ہو اور جو شخص لوگوں سے اپنی شرم گاہ کو نہ چھپاتا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ' فرشتوں اور تمام مخلوق کی لعنت میں ہوتا ہے۔

ابوداؤد (٤٠١١) ترمذی (٢٨٠١) ابن ماجہ (٣٧٤٨) مسند احمد (٨٢٥٨)

حل لغات

''بِمِيْزَرٍ'' اسم آلہ کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے: تہبند۔ ''عَوْرَةٌ'' اس کا معنی ہے: شرمگاہ۔ ''لَمْ يَسْتُرْ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف' نفی جحد بلم بمعنی ماضی منفی' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: چھپانا۔

ننگا نہانے کی ممانعت کی حکمت

اس حدیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مطلقاً ہے خواہ وہاں کوئی اجنبی آدمی ہو یا نہ ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے شرم و حیاء کی جائے اور تہبند وغیرہ پہن کر غسل کیا جائے اور اس لیے بھی کہ حمام شیاطین کی اجتماع گاہ ہوتی ہے اور ان کے سامنے ننگا نہانا جائز نہیں' اس لیے وارد ہے کہ جب کوئی شخص اپنی شرمگاہ کھولنے پر مجبور ہو جائے تو وہ بسم اللہ پڑھ لیا کرے کیونکہ بسم اللہ جنوں کی آنکھوں اور بنی آدم کی شرمگاہوں کے درمیان حائل ہو کر پردہ بن جاتی ہے۔ امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو وہ تہبند کے بغیر حمام میں داخل نہ ہو اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنی بیوی کو حمام میں نہ جانے دے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ١٧١' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

محدث شیرازی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث تخریج کی ہے کہ جو شخص تہبند کے بغیر حمام میں داخل ہوتا ہے تو وہ مکان اس پر لعنت کرتا ہے۔ [عین السطور مسند امام اعظم ص ٢١٢' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

١٢ - بَابُ اَحَبِّ الْاَسْمَآءِ

پسندیدہ ناموں کا بیان

٤٦٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ اَحَبُّ الْاَسْمَاءِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللّٰهِ وَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ناموں میں سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمان تھے۔

مسلم (٥٥٨٧) ابوداؤد (٤٩٤٩) ترمذی (٢٨٣٣) ابن ماجہ (٣٨٢٨) کنز العمال (٤٥١٩٤) مستدرک للحاکم (ج ٤ ص ٢٧٤) سنن بیہقی (ج ٩ ص ٣٠٦) مسند احمد (٦١٢٢)

پیارے نام رکھنا

انہی ناموں کی طرح عبدالرحیم اور عبدالکریم ہیں اور ان جیسے وہ تمام نام جن میں عبد کی نسبت اللہ تعالیٰ کے کسی صفاتی نام کی طرف کی گئی ہو۔ اور اس حدیث کو امام مسلم' ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمان ہیں اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اظہار ہو۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ١٩٢' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

امام بخاری نے الادب المفرد میں' ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابو وہب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نبیوں کے ناموں پر نام رکھا کرو' اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمان ہیں اور سب سے زیادہ سچے نام حارث اور ہمام ہیں اور سب سے زیادہ بدترین نام حرب اور مُرّہ ہیں۔ [تنسیق النظام حاشیہ: ٣' بر مسند امام اعظم' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

١٣ - بَابٌ فِيْ مَدْحِ الْبِرِّ وَذَمِّ الْاِثْمِ

نیکی کی تعریف اور گناہ کی برائی

٤٦٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبِرُّ لَا يَبْلٰى وَالْاِثْمُ لَا يُنْسٰى.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیکی کبھی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ کبھی بھلایا نہیں جاتا۔

کنز العمال (٤٣٦٧٢) مصنف عبدالرزاق (٢٠٢٦٢)

حل لغات

''لَا يَبْلٰى'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع مجہول' باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بوسیدہ ہونا' پرانا ہونا۔ ''لَا يُنْسٰى'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع مجہول' باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بھول جانا۔ ''اَلْاِثْمُ'' اس کا معنی ہے: گناہ۔

نیکی اور گناہ کا انجام

''اَلْبِرُّ'' یعنی نیکی سے مراد ہے: اللہ کی مخلوق کے ساتھ احسان کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرنا کیونکہ نیک ہونے کے لیے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا کرنے ضروری ہیں ''اور نیکی پرانی نہیں ہوتی'' کا مطلب ہے کہ وہ ضائع نہیں ہوتی بلکہ اس کا

فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ نیکی کرنے سے انسان میں شرافت پروان چڑھتی ہے' خدا خوفی اور لوگوں کے ساتھ رواداری اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور نیکی اور گناہ دونوں کو دنیا و آخرت میں یاد رکھا جاتا ہے کیونکہ دنیا میں لوگوں میں نیکی کا ہمیشہ اچھا تذکرہ جاری وساری رہتا ہے اور گناہ کا ہمیشہ بُرا تذکرہ اور نفرت کا اظہار ہوتا رہتا ہے جبکہ آخرت میں نیکی پر بہترین اجر وثواب عطاء کیا جائے گا اور گناہ پر بدترین عذاب اور سزا دی جائے گی۔ امام عبدالرزاق نے حضرت ابوقلابہ سے مرسل حدیث روایت کی ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں: ''البر یا یبلی والذنب لا ینسی والدیّان لا یموت اعمل ما شئت' کما تدین تدان ''یعنی نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ بھلایا نہیں جاتا اور دیّان فنا نہیں ہوگا' تم جو چاہو عمل کرو جیسا کرو گے ویسا تمہیں بدلہ دیا جائے گا۔

[ماخوذ از شرح مسند امام اعظم ص ١٩٤' مطبوعہ بیروت]

١٤ - بَابُ اٰدَابِ الْمَجْلِسِ — آدابِ مجلس کا ذکر

٤٦٦- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَعَدْنَا حَيْثُ انْتَهَى الْمَجْلِسُ.

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ہم وہاں بیٹھ جاتے جہاں مجلس ختم ہوتی (یعنی آخر میں)۔

ابوداؤد (٤٨٢٥) ترمذی (٢٧٢٥) ابن حبان (٦٤٣٣) مسند احمد (٢١١٤٥)

حل لغات

''اِنْتَهٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: انتہاء کو پہنچنا' اختتام پذیر ہونا' ختم ہونا۔

آدابِ مجلس کے مسائل

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا. (المجادلہ:١١)

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کشادہ ہو جاؤ تو تم کشادہ ہو جایا کرو' سو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی پیدا فرمادے گا اور جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو تم کھڑے ہو جایا کرو۔

شانِ نزول

محدث بغوی لکھتے ہیں کہ حضرت مقاتل بن حیان نے بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ مہاجرین وانصار میں سے اہلِ بدر کی تعظیم وتکریم کرتے تھے' ایک دن ان میں سے چند بدری صحابہ کرام آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور مجلس میں پہلے سے آئے ہوئے لوگ آگے بیٹھے تھے' سو وہ حضرات نبی کریم ﷺ کے سامنے (مجلس کے آخر میں) کھڑے ہو گئے اور آپ کو سلام کیا تو آپ نے جواب عنایت فرمایا' پھر انہوں نے باقی اہل مجلس کو سلام کیا تو انہوں نے بھی سلام کا جواب دیا اور وہ اس انتظار میں تھے کہ ان کے لیے جگہ میں کشادگی کر کے ان کے بیٹھنے کی جگہ بنائی جائے مگر لوگوں نے کشادگی پیدا کر کے ان کے بیٹھنے کے لیے جگہ نہیں دی تو یہ بات رسول اللہ کو بہت گراں گزری' سو آپ نے اپنے اردگرد غیر بدری صحابہ کرام سے فرمایا: اے فلاں! تم اُٹھو' اے فلاں! تم اُٹھو' چنانچہ آپ نے اسی قدر غیر بدری صحابہ کو اپنے قریب سے اُٹھا دیا جس قدر بدری صحابہ آئے ہوئے تھے' سو جن لوگوں کو اپنی جگہ سے اُٹھایا گیا تھا ان کو یہ اُٹھانا ناگوار گزرا' اور نبی کریم ﷺ نے ان کے چہروں سے ناگواری کو پہچان لیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اے

ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ کشادہ ہو جاؤ تو تم کشادہ ہو جایا کرو اور جب تم سے کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو تم کھڑے ہو جایا کرو۔

(١) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص مجلس میں سے کسی آدمی کو اُٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھے لیکن تم لوگوں کے لیے جگہ میں کشادگی اور وسعت پیدا کرو۔

(٢) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن اپنے مسلمان بھائی کو اس کی جگہ سے اُٹھا کر خود اس کی جگہ پر ہرگز نہ بیٹھے لیکن وہ کہے کہ جگہ کشادہ کرو۔

[تفسیر معالم التنزیل ج ٤ ص ٣٠٩' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' تفسیر مظہری ج ٩ ص ٢٢٤' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی]

اگرچہ آدابِ مجلس کا یہی طریقہ ہے کہ جو شخص مجلس میں پہلے آ کر بیٹھ چکا ہو اس کو اس کی جگہ سے نہ اُٹھایا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بہت سی احادیث میں منع فرمایا ہے لیکن شانِ نزول کے بارے میں حضرت مقاتل بن حیان کی بیان کردہ حدیث سے معلوم ہوا کہ اصحابِ فضل کے لیے امیر مجلس دوسروں کو ان کی جگہوں سے اُٹھا کر اپنے قریب بٹھا سکتا ہے' البتہ اصحابِ فضل کو از خود دوسروں کو ان کی جگہوں سے اُٹھا کر خود بیٹھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

امیر مجلس اور منتظم اعلیٰ کو چاہیے کہ وہ عام لوگوں کو صف اوّل سے اُٹھا کر پیچھے بٹھائے اور اصحابِ فضل علماء اور معزز لوگوں کو اگلی صف (یا اسٹیج پر) بٹھائے' اس پر ان احادیث میں دلیل ہے:

(١) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو ان کے مراتب اور مناصب کے مطابق بٹھاؤ۔

[سنن ابوداؤد: ٤٨٤٢]

(٢) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بوڑھے مسلمان کی تعظیم کرنا اور ایسے حامل قرآن کی تعظیم کرنا جو قرآن میں غلو نہ کرے اور اس کے احکام پر عمل کرے اور عادل سلطان کی تعظیم کرنا' اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے سے ہے۔ [سنن ابوداؤد: ٤٨٤٣] [ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ١١ ص ٧٨٥ - ٧٨٤' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

١٥ - بَابُ التَّشَكُّرِ لِلّٰهِ وَلِعِبَادِهٖ — اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کا شکر ادا کرنا

٤٦٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَّا يَشْكُرُ النَّاسَ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں ہے جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔

ابوداؤد (٤٨١١) ترمذی (٢٠٣٨) ابن حبان (٢٠٧٠) مسند الطیالسی (٣٤٩١) مسند احمد (٧٩٢٦)

حل لغات

''لَا یَشْکُرُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف منفی' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی کے احسان پر اس کی تعریف کرنا' شکریہ ادا کرنا' شکر کرنا۔

شکر ادا کرنے کی فضیلت

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص (لوگوں کے) قلیل احسان پر شکر ادا نہیں کرتا وہ (اللہ تعالیٰ کے) کثیر و جزیل احسانات پر بھی شکر ادا نہیں کرے گا' یا اس لیے کہ لوگوں کے احسان اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں عطاء

فرمائیں تو ان کی ناشکری اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے اور حدیث میں وارد ہے کہ جس پر کسی نے کوئی احسان کیا تو اس نے محسن سے کہا: ''جزاك الله خیرًا'' کہ تمہیں اللہ تعالیٰ بہترین جزائے خیر عطاء فرمائے' سو اس نے یقیناً شکر ادا کرلیا اور یہ احسان کے مقابلہ میں کم از کم شکر ہے۔

اس حدیث کو امام احمد' امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ

من لم یشکر الناس لم یشکر الله. یعنی جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا' وہ اللہ تعالیٰ کا (بھی) شکر ادا نہیں کرتا۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ترمذی میں روایت مروی ہے کہ

من لا یشکر الناس لا یشکر الله. جو لوگوں کا شکر گزار نہیں' وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ١٩٧-١٩٦' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

اس حدیث کا ایک معنی یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کے احسان کا شکر ادا نہ کرے اور ان کی نیکیوں کا انکار کرے' سو اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے شکر کو قبول نہیں کرتا اور اس حدیث کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جس شخص کی عادت ہو کہ وہ لوگوں کے احسانات کو فراموش کر دیتا ہو اور ان کی نیکیوں کا شکر ادا نہ کرتا ہو تو وہ اپنی عادت اور اپنی طبیعت کے تقاضے سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بھی ناشکری کرے گا اور ان کا بھی شکر ادا نہیں کرے گا اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کی نیکیوں کا شکر ادا نہیں کرتا تو اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا بھی کرے' پھر بھی وہ اس طرح ہے جیسے اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا۔

[تفسیر تبیان القرآن ج ٦ ص ١٤٧' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

١٦- بَابُ النَّهْيِ عَنِ الظُّلْمِ

ظلم وزیادتی کی ممانعت

٤٦٨- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكَ وَالظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. بخاری (٢٤٤٧) مسلم (٦٥٧٦) ترمذی (٢٠٣٠)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن بہت سے اندھیروں کا موجب ہوگا۔

حل لغات

''اَلظُّلْمُ'' اس کا معنی ہے: کسی پر زیادتی کرنا' کسی کا حق مارنا یا کم کرنا' بے قصور کو سزا دینا' راہِ راست سے ہٹ جانا' کسی چیز کو اس کے مخصوص محل سے ہٹا کر غیر محل میں رکھنا جیسے غیر اللہ کی عبادت کرنا۔ ''ظُلُمَاتٌ'' یہ ''ظُلْمَةٌ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: تاریکی' اندھیرا۔

ظلم کے نقصانات

حدیث میں ہے: ''الدنیا مزرعة الآخرة'' یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے جو کچھ بوؤ گے وہی کاٹو گے' ظلم خواہ کسی قسم کا ہو قیامت کے دن ظالم کے لیے تاریکیوں اور اندھیروں کا سبب بنے گا اور ظالم راہِ نجات نہیں پائے گا' جبکہ دنیا میں عدل و انصاف پر قائم رہنے والے مسلم کا نور اس کی راہنمائی کرے گا اور وہ ایمان کی برکت سے راہِ نجات پالے گا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ'' (التحریم:٨) مؤمنوں کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑتا ہوگا۔ ظلمات سے یا تو شدائد و

مصائب اور دنیاوی سختیاں مراد ہیں' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ. اے محبوب! فرما دیجئے کہ (اے کافرو!) تمہیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟ (الانعام:٦٣)

یعنی دنیا کی مصیبتوں' سختیوں اور تکلیفوں سے تمہیں کون نجات دیتا ہے یا پھر آخرت کی عقوبات و سزائیں مراد ہیں' اس لیے کہ ظالم دوزخ میں مختلف مظالم پر مختلف عذابوں اور مختلف سزاؤں میں مبتلا ہوگا کیونکہ کفر و شرک بھی ظلم ہے۔ بدکاری و شراب نوشی اور دیگر کبیرہ گناہ بھی ظلم ہیں' نیز کسی کو ستانا' کسی کا حق مارنا اور کسی پر زیادتی کرنا بھی ظلم ہے' غرضیکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کوتاہی کرنا بھی ظلم ہے۔ [مرقات المفاتیح ج ٩ ص ٣١٩' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' اشعۃ اللمعات ج ٤ ص ١٦٨' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر' مرأۃ المناجیح ج ٦ ص ٦٦٩' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ' گجرات]

١٧- بَابُ حُكْمِ اَخْذِ الْمَالِ بِغَيْرِ اِذْنِ مَالِكِهٖ

مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال کو لینے کا حکم

٤٦٩- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَارَ قَوْمًا مِّنَ الْاَنْصَارِ فِيْ دِيَارِهِمْ فَذَبَحُوْا لَهٗ شَاةً وَّصَنَعُوْا لَهٗ مِنْهَا طَعَامًا فَاَخَذَ مِنَ اللَّحْمِ شَيْئًا فَلَاكَهٗ فَمَضَغَهٗ سَاعَةً لَّا يُسِيْغُهٗ فَقَالَ مَا شَانُ هٰذَا اللَّحْمِ فَقَالُوْا شَاةٌ لِفُلَانٍ ذَبَحْنَاهَا حَتّٰى يَجِيْءَ فَنُرْضِيَهٗ مِنْ ثَمَنِهَا قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْعِمُوْهَا الْاُسَرَآءَ.

حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کی ایک قوم سے ملاقات کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے' سو انہوں نے آپ کی ضیافت کے لیے ایک بکری ذبح کی اور اس سے آپ کے لیے کھانا تیار کیا (اور آپ کے سامنے رکھا) تو آپ نے گوشت میں سے ایک بوٹی اُٹھائی اور منہ میں ڈال کر چبائی' پھر کچھ دیر تک آپ اس کو خوب چباتے رہے لیکن آپ اسے اپنے حلق میں نیچے نہ اتار سکے اور فرمایا کہ اس گوشت کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ بکری فلاں شخص کی ہے جسے ہم نے (اس کی اجازت کے بغیر) ذبح کرلیا ہے یہاں تک کہ جب وہ واپس آئے گا تو ہم اسے بکری کی قیمت دے کر راضی کرلیں گے' تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہ گوشت قیدیوں کو کھلا دو۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ بِمَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ طَعَامًا فَدَعَاهُ فَقَامَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُمْنَا مَعَهٗ فَلَمَّا وُضِعَ الطَّعَامُ تَنَاوَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِضْعَةً مِّنْ ذٰلِكَ اللَّحْمِ فَلَاكَهَا فِيْ فِيْهِ طَوِيْلًا فَجَعَلَ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّاْكُلَهَا فَاَلْقَاهُ مِنْ فِيْهِ وَاَمْسَكَ عَنِ الطَّعَامِ فَقَالَ اَخْبِرْنِيْ عَنْ لَحْمِكَ هٰذَا مِنْ اَيْنَ هُوَ قَالَ يَارَسُوْلَ

اور ایک روایت جو حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد سے بیان کرتے ہیں' اس میں یوں ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک آدمی نے آپ کی دعوت کی اور آپ کو (گھر میں) بلایا اور کھانا تیار کیا' سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آدمی کے پاس تشریف لے گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ روانہ ہو گئے' پھر جب کھانا رکھا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گوشت میں سے بوٹی کا ایک ٹکڑا اُٹھایا اور منہ میں ڈالا اور کافی دیر تک اسے چباتے رہے' لیکن آپ اس کو کھا نہ سکے تو آپ نے اپنے منہ سے نکال کر اسے باہر پھینک دیا اور کھانا کھانے سے رُک گئے اور فرمایا

اللّٰهِ شَاةٌ كَانَتْ لِصَاحِبٍ لَّنَا فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَنَا فَنَشْتَرِيَهَا مِنْهُ وَعَجَّلْنَا بِهَا وَذَبَحْنَاهَا وَوَضَعْنَاهَا لَكَ حَتّٰى يَجِيْءَ فَنُعْطِيَ ثَمَنَهَا فَاَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَفْعِ هٰذَا الطَّعَامِ وَاَمَرَ اَنْ يُّطْعِمَهُ الْاُسَرَاءَ قَالَ عَبْدُ الْوَاحِدِ قُلْتُ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ مِنْ اَيْنَ اَخَذْتَ هٰذَا الرَّجُلُ يَعْمَلُ فِيْ مَالِ الرَّجُلِ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ يَتَصَدَّقُ بِالرِّبْحِ قَالَ اَخَذْتُهٗ مِنْ حَدِيْثِ عَاصِمٍ. ابوداؤد (٣٣٣٢) دارقطنی (ج ۴ ص ٢٨٥)

کہ تم مجھے اس گوشت کے بارے میں بتاؤ کہ یہ کہاں سے حاصل کیا گیا ہے؟ اس آدمی (یعنی میزبان) نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ بکری ہمارے ایک ساتھی کی ہے جو اس وقت ہمارے ساتھ نہیں ہے کہ ہم اس سے خرید لیتے اور ہم نے جلدی میں اس کو ذبح کیا اور تیار کر کے آپ کے سامنے رکھ دیا' یہاں تک کہ جب وہ واپس آئے گا تو ہم اسے بکری کی قیمت دے دیں گے' سو نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ اس کھانے کو یہاں سے اُٹھالو اور آپ نے حکم دیا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دیا جائے۔

حضرت عبدالواحد نے کہا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے عرض کیا کہ آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے حاصل کیا ہے کہ اگر ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کر لے تو وہ اس کا نفع صدقہ کر دے؟ آپ نے فرمایا: میں نے یہ مسئلہ حضرت عاصم کی اس حدیث سے حاصل کیا ہے۔

حل لغات

"فَلَاكَهٗ" میں "لاك" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب نَصَرَ يَنْصُرُ (لَاكَ يَلُوْكُ لوکًا) سے ہے' اس کا معنی ہے: چبانا' منہ میں لقمہ گھمانا۔ "لَا يُسِيْغُهٗ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف منفی' باب افعال سے ہے' اس کا منفی معنی ہے: آسانی کے ساتھ گلے سے نیچے نہ اترنا' جائز نہ ہونا' موافق نہ آنا۔ دونوں کے آخر میں "ہٗ" ضمیر مفعول کی ہے۔ "نُرْضِيَهٗ" صیغہ جمع متکلم مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: راضی کرنا۔ "اَلْاُسَرَاءُ" اسیر کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: قیدی۔

اس حدیث کے فوائد

اس حدیث سے چند مسائل ثابت ہو رہے ہیں:

(١) بزرگوں کی دعوت کرنا صحابہ کرام کی سنت ہے۔

(٢) دعوت قبول کرنا رسول اللہ کی سنت ہے خواہ دعوت دینے والا خادم اور چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

(٣) مشکوک و مشتبہ کھانا نہ کھانا بھی رسول اللہ کی سنت ہے۔

(۴) کسی دوسرے آدمی کی کوئی قیمتی چیز اس کی اجازت کے بغیر لینے اور اس میں تصرف کرنے پر غاصب اس کی قیمت ادا کرنے کا ضامن ہوگا۔

(۵) کسی غیر کی قیمتی چیز غصب کرنے پر غاصب اس چیز کا مالک بن جائے گا مگر یہ ملک خبیث و ناجائز ہوگا' اس لیے اس چیز کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

(٦) اصل مالک کا ملک غصب کے بعد ختم ہو جائے گا کیونکہ اگر اس کا ملک غصب کے بعد باقی رہتا تو رسول اللہ غصب شدہ بکری کے گوشت کو صدقہ کرنے کا حکم نہ دیتے بلکہ اس کو واپس کرنے کا حکم دیتے یا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت اصل مالک کے لیے محفوظ رکھنے کا حکم دیتے کیونکہ امیر المؤمنین کو ضرورت و حاجت کے وقت کسی انسان کی چیز فروخت کرنے کا حق حاصل

ہے۔

(٧) غصب شدہ چیز سے نفع اُٹھانا حرام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے غصب شدہ بکری کا گوشت نہ خود کھایا اور نہ اپنے ساتھ صحابہ مہمانوں کو کھانے کی اجازت دی بلکہ سارا گوشت قیدیوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

(٨) جب غاصب اس چیز کا معاوضہ ادا کر دے گا تو اس کا ملک بھی صحیح ہو جائے گا اور اس چیز سے نفع اُٹھانا بھی صحیح ہو جائے گا۔

(٩) اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی فضیلت و عصمت ثابت ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مشتبہ لقمہ کو آپ کے جسم کا حصہ نہیں بننے دیا اور آپ کو اس سے محفوظ و معصوم رکھا' اس لیے آپ کا کلام آپ کی ہدایات و تعلیمات شیطانی آمیزش سے پاک اور شکوک و شبہات سے منزہ ہیں اور آپ کے اصحاب و آل بدعقیدگی اور فسق و فجور سے محفوظ و مبرا ہیں۔

١٨- بَابُ الدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ

نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے

٤٧٠- **اَبُوْ حَنِيْفَةَ** عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ.

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والا (اجر و ثواب میں) خود نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔

٤٧١- **اَبُوْ حَنِيْفَةَ** عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ. ترمذی (٢٦٧٠) مسند احمد (٢١٧٧١) مسند البزار (١٥٧٠) مسند ابویعلی (٤٢٣٤)

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔

٤٧٢- **اَبُوْ حَنِيْفَةَ** عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاءَهٗ رَجُلٌ فَاسْتَحْمَلَهٗ فَقَالَ مَا عِنْدِيْ مَا اَحْمِلُكَ عَلَيْهِ وَلٰكِنْ سَاَدُلُّكَ عَلٰى مَنْ يَّحْمِلُكَ اِنْطَلِقْ اِلٰى مَقْبَرَةِ بَنِيْ فُلَانٍ فَاِنَّ فِيْهَا شَابًّا مِّنَ الْاَنْصَارِ يَتَرَامٰى مَعَ اَصْحَابٍ لَّهٗ وَمَعَهٗ بَعِيْرٌ لَّهٗ فَاسْتَحْمِلْهُ فَاِنَّهٗ سَيَحْمِلُكَ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ فَاِذَا بِهٖ يَتَرَامٰى مَعَ اَصْحَابٍ لَّهٗ فَقَصَّ عَلَيْهِ الرَّجُلُ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَحْلَفَهٗ بِاللّٰهِ لَقَدْ قَالَ هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَفَ لَهٗ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا ثُمَّ حَمَلَهٗ فَمَرَّ بِهٖ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَاَخْبَرَهُ الْخَبَرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْطَلِقْ فَاِنَّ الدَّالَّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ.

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے' وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور آپ سے سواری کی درخواست کی' سو آپ نے فرمایا: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کر دوں لیکن میں ایک ایسے آدمی کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہوں جو تمہیں سواری دے دے گا' تم فلاں قبیلہ کے قبرستان کے پاس چلے جاؤ' وہاں ایک انصاری نوجوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیراندازی کا مقابلہ کر رہا ہوگا اور اس کے پاس ایک اونٹ ہے' سو تم اس سے سواری طلب کرنا' بے شک وہ تمہیں سواری دے دے گا' چنانچہ وہ آدمی چلا گیا اور وہاں جا کر دیکھا کہ وہ نوجوان اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیراندازی کر رہا ہے' پس اس آدمی نے اس نوجوان کو اپنا سارا واقعہ بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کا فرمان سنایا اور اس نوجوان نے اس آدمی سے اللہ تعالیٰ کے نام پر حلف لیا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ نے یہی بات فرمائی ہے' چنانچہ اس آدمی نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ قسم اُٹھائی'

پھر اس نوجوان نے اس کو اپنا اونٹ دے کر سوار کر دیا اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا تو آپ کو سارا واقعہ سنایا' اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب تم جاؤ اور سنو! بے شک نیکی کے کام پر رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَهٗ یَسْتَحْمِلُهٗ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا عِنْدِیْ مِنْ شَیْءٍ اَحْمِلُكَ عَلَیْهِ وَلٰكِنْ اِنْطَلِقْ فِیْ مَقْبَرَةِ بَنِیْ فُلَانٍ فَاِنَّكَ سَتَجِدُ ثَمَّةَ شَابًّا مِّنَ الْاَنْصَارِ یَتَرَامٰی مَعَ اَصْحَابٍ لَّهٗ فَاسْتَحْمِلْهُ فَاِنَّهٗ سَیَحْمِلُكَ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ حَتّٰی اَتَی الْمَقْبَرَةَ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَصَّ عَلَیْهِ الْقِصَّةَ فَاسْتَحْلَفَهٗ فَقَالَ وَاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَنِیْ اِلَیْكَ فَاَعْطَاهُ بَعِیْرًا لَّهٗ فَانْطَلَقَ بِهِ الرَّجُلُ فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْطَلِقْ فَاِنَّ الدَّالَ عَلَی الْخَیْرِ كَفَاعِلِهٖ.

مسلم(٤٨٩٩) ترمذی(٢٦٧١) ابوداؤد(٥١٢٩) مسند احمد(٢٣٤١٥)

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ایک آدمی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس حاضر ہوا' اور آپ سے سواری کا مطالبہ کرنے لگا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کر دوں لیکن تم بنی فلاں کے قبرستان میں چلے جاؤ' وہاں تمہیں ایک انصاری نوجوان ملے گا جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیراندازی کر رہا ہو گا' سو تم اس سے سواری کی درخواست کرنا وہ ضرور تمہیں سواری دے دے گا' چنانچہ وہ آدمی چل پڑا یہاں تک کہ وہ اس قبرستان پہنچ گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بتایا تھا اور اس نوجوان کو سارا واقعہ بیان کیا اور اس نوجوان نے اس آدمی سے قسم اٹھانے کا مطالبہ کیا تو اس آدمی نے کہا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے! بے شک مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے تو اس نوجوان نے اسے اونٹ عطاء کر دیا' سو وہ آدمی اونٹ لے کر چل پڑا' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے فرمایا: اب تم جاؤ! بے شک نیک کام پر رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔

حل لغات

''اَلدَّالُّ'' صیغہ واحد مذکر' اسم فاعل' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: رہنمائی کرنا۔ ''اِسْتَحْمَلَهٗ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: سواری طلب کرنا' سواری مانگنا۔ ''یَتَرَامٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب تفاعل سے ہے' اس کا معنی ہے: تیراندازی کرنا' تیر نشانہ پر پھینکنا۔ ''قَصَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: واقعہ بیان کرنا۔ ''اِسْتَحْلَفَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: حلف لینا' قسم کا مطالبہ کرنا۔

نیکی کی تبلیغ وتلقین کرنے کے فوائد

چونکہ نیکی کی تعلیم دینا' نیکی کی تلقین کرنا اور اس کا لوگوں کو حکم دینا' نیز نیکی کی رہنمائی کرنا' نیکی پھیلانا اور برائی سے منع کرنا' یہ نیکیاں ہیں' ان پر اجر وثواب عطاء کیا جائے گا' اس لیے فرمایا کہ نیکی کی رہنمائی کرنے والا (اجر وثواب پانے میں) نیکی کرنے والے کی طرح ہے کہ جس طرح نیکی کرنے والے کو نیکی کرنے پر ثواب ملے گا' اسی طرح نیکی کی رہنمائی کرنے والے کو نیکی کی رہنمائی کرنے پر

ثواب ملے گا۔

علامہ ملا علی قاری نے اس باب کی پہلی حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ اس کو طبرانی اور بزار نے حضرت ابن ابی مسعود اور سہل بن سعد سے روایت کیا ہے اور امام احمد اور ابو یعلیٰ نے بھی اس حدیث کو حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور مزید یہ روایت کیا ہے کہ

و اللّٰه یحب اعانة اللهفان. یعنی اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ شخص کی مدد کو بہت پسند کرتا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ٢٢٧ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

اور دوسری حدیث کے تحت لکھا کہ اس حدیث کو بزار نے حضرت انس اور حضرت ابن مسعود سے اور طبرانی نے حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابو مسعود سے روایت کیا ہے اور علامہ البارزی نے اس کو اپنی مختصر جامع الاصول میں ذکر کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے کتاب العلم میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ''ان الدال علی الخیر کفاعله'' یعنی بے شک نیکی پر رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے اور علامہ العسکری اور دارقطنی وغیرہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً اس کو روایت کیا ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں:

کل معروف صدقة' والدال علی الخیر کفاعله' و اللّٰه یحب اغاثة اللهفان. ہر نیکی صدقہ ہے اور نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی مدد کو پسند کرتا ہے۔

اور صحیح مسلم' مسند امام احمد' سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی میں حضرت ابو مسعود سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

من دل علی خیر فله مثل أجر فاعله. جس شخص نے کسی نیک کام پر رہنمائی کی تو اس کے لیے نیکی کرنے والے کے ثواب کے برابر ثواب ہے۔

اور حدیث:

الدال علی الشر کفاعله. برے کام پر رہنمائی کرنے والا' برائی کرنے والے کی طرح ہے۔

اس کو ابو منصور الدیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت انس سے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

نوٹ: ضعیف حدیث فضائل اعمال میں مقبول ہوتی ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ٥٨٣-٥٨٢ 'مطبوعہ بیروت]

١٩ - بَابُ اَفْضَلِ الْجِهَادِ
افضل جہاد کا ذکر

٤٧٣- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ.

ترمذی(٢١٧٤) نسائی(٤٢١٤) ابن ماجہ(٤٠١١)

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا افضل ترین جہاد ہے۔

حق بات کہنا افضل جہاد ہے

چونکہ کفار سے جہاد مسلمانوں کے غلبہ' قوت وشوکت اور رعب ودبدبہ کے حصول کے وقت کیا جاتا ہے لیکن مسلمانوں کی کمزوری

کے وقت کفار سے جہاد نہیں کیا جا سکتا جبکہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے والا اس کے مقابلہ میں ہر حال میں کمزور ہوتا ہے' نیز کفر سے جہاد کے وقت مجاہدین کا قتل ہونا یقینی نہیں ہوتا بلکہ شہید اور غازی دونوں کا امکان ہوتا ہے لیکن ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنے پر ہلاکت وموت یقینی ہوتی ہے کیونکہ ظالم بادشاہ ظلم کا عادی ہوتا ہے وہ اپنے مزاج کے خلاف حق بات کہنے والے کو برداشت نہیں کر سکتا اور اسے کسی صورت میں چھوڑنا پسند نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کو عبرت دلانے اور انہیں مرعوب وخوف زدہ رکھنے کے لیے ہر حالت میں اپنے خلاف حق بات کہنے والے کو نیست ونابود کرنا واجب وضروری خیال کرتا ہے' اس لیے فرمایا: ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا افضل ترین جہاد ہے۔ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو بعینہٖ ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری سے اور امام احمد' طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابوامامہ سے اور نسائی وغیرہ نے حضرت طارق بن شہاب سے روایت کیا ہے اور ابن النجار کی روایت میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ ''افضل الجهاد ان يجاهد الرجل نفسه وهواه'' یعنی افضل ترین جہاد یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس اور اپنے نفس کی خواہشات سے جہاد کرے اور یہی جہادِ اکبر ہے جس پر جہادِ اصغر مرتب ہوتا ہے اور خلق اللہ کے فائدے کے لیے ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا جہادِ اکبر میں سے ہے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۳۷۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

امام ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ

ان من اعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر.

یعنی کسی ظالم وجابر بادشاہ کے سامنے حق وانصاف کی بات کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔

امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس باب میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے اور اس طریق سے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ [تنسیق النظام فی مسند الامام ص ۲۱۵' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

٢٠- بَابُ الْاِسْتِشَارِ بِالرُّشْدِ

اچھے مشورہ کی اہمیت

٤٧٤- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَمَّنْ حَدَّثَهٗ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَشَارَكَ فَاَشِرْهُ بِالرُّشْدِ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَقَدْ خُنْتَهٗ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص تم سے مشورہ طلب کرے تو تم اسے اچھا مشورہ دو' سو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو بلاشبہ تم نے اس سے خیانت کی۔

ترمذی (۲۸۲۲) ابوداؤد (۵۱۲۸) مسند احمد (۸۲۴۹)

حل لغات

''اِسْتَشَارَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: مشورہ طلب کرنا' مشورہ مانگنا۔ ''فَاَشِرْهُ'' اس میں ''اَشِرْ'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل امر معروف مخاطب' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: مشورہ دینا۔ ''خُنْتَ'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل ماضی معروف مثبت' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: خیانت کرنا۔

مشورہ کی اہمیت

امام ترمذی' کتاب العلم میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ ''المستشار مؤتمن'' یعنی جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہو (تاکہ مشورہ دینے میں خیانت نہ کرے)۔ امام ترمذی نے کہا کہ اس باب میں حضرت ابن مسعود' ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث مروی ہے' لیکن یہ حدیث حضرت اُم سلمہ کی حدیث سے غریب ہے' پھر انہوں نے

حضرت ابوسلمہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل مرفوع حدیث بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ وہ حدیث ہے جس کو بہت سے لوگوں نے حضرت شیبان بن عبدالرحمان نحوی سے روایت کیا ہے اور حضرت شیبان صاحبِ کتاب اور صحیح الحدیث بزرگ ہیں' ان کی کنیت ابومعاویہ ہے' انتہی' اور یہ امام ابوحنیفہ کی اسناد ہے اور حضرت شیبان بن عبدالرحمٰن وہ بزرگ ہیں جن کی امام ترمذی نے توثیق وتوصیف کی ہے اور اس حدیث میں یہی امام ابوحنیفہ کے شیخ ہیں۔ [تنسیق النظام فی مسند الامام ص ۲۱۵' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''ما خاب من استشار وما ندم من استخار'' یعنی وہ شخص ناکام نہیں ہوگا جو (پہلے) مشورہ کر لے گا اور وہ شخص نادم وپشیمان نہیں ہوگا جو (کام کرنے سے پہلے) استخارہ کر لے گا۔ اور امام ابن ماجہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ

اذا استشار احدكم اخاه فليشر عليه.

جب تم میں سے کوئی شخص مسلمان بھائی سے مشورہ طلب کرے تو وہ اس پر (اچھا) مشورہ پیش کرے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۵۱۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

٢١- بَابُ تَمْثِيْلِ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ

باہمی محبت میں مسلمانوں کی مثال

٤٧٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ كَمَثَلِ جَسَدٍ وَّاحِدٍ اِذَا اشْتَكٰى الرَّاْسُ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُهٗ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى.

امام شعبی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت واُلفت کرنے میں اور ایک دوسرے پر رحم وکرم کرنے میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے' جب سر میں درد اُٹھتا ہے تو اس کا پورا جسم بیداری اور بخار میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔

بخاری (۶۰۱۱) مسلم (۶۵۸۶) ترمذی (۲۱۷۳) ابن ماجہ (۳۹۸۴) ابن حبان (۲۳۳-۲۹۷)

حل لغات

''تَوَادِّهِمْ'' یہ باب تفاعل کا مصدر ہے' اس کا معنی ہے: ایک دوسرے کے ساتھ محبت واُلفت کرنا۔ ''اِشْتَكٰى'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: شکایت کرنا' بیمار ہونا' دُکھی ہونا' تکلیف میں مبتلا ہونا۔ ''تَدَاعٰى'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب تفاعل سے ہے' اس کا معنی ہے: ایک دوسرے کی موافقت کرنا' ایک دوسرے کو بلانا' ایک دوسرے کا ساتھ دینا۔ ''اَلسَّهَرُ'' اس کا معنی بیدار رہنا' رات بھر جاگتے رہنا۔ ''اَلْحُمّٰى'' اس کا معنی ہے: بخار۔

مسلمانوں کی باہمی محبت ومودّت

(۱) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشدّ بعضه بعضًا وشبّك بين اصابعه. [رقم الحدیث: ۲۲۴]

یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے اسی طرح ہے جیسے دیوار کہ اس کی اینٹیں ایک دوسرے کو مضبوط بناتی ہیں' پھر آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بوسہ لیا' آپ کے پاس اقرع بن حابس بیٹھے تھے' عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! میرے دس بیٹے ہیں' لیکن میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا' نبی کریم ﷺ

نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''من لا یرحم لا یرحم'' جو شخص (کسی پر) رحم نہیں کرتا' اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

[رقم الحدیث:۲۲۷]

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

(۱) المسلم اخوا المسلم لا یظلمه ولا یسلمه. — مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔

(۲) من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته — جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے۔

(۳) ومن فرّج عن مسلم كربةً فرّج الله عنه بها كربةً من كرب يوم القيامة. — اور جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکلیفوں میں سے اس کی ایک تکلیف کو دور کر دے گا۔

(۴) ومن ستر مسلمًا ستره الله يوم القيامة. — اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ [رقم الحدیث:۲۳۵]

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس سے خیانت کرتا ہے اور نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اس کو ذلیل و رسوا کرتا ہے' ہر مسلمان کی عزت' اس کا مال اور اس کا خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے (اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا: تقویٰ یہاں ہے کسی آدمی کے لیے اس قدر بُرائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ [رقم الحدیث:۲۳۶]

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا يؤمن أحدكم حتّٰى يحب لأخيه ما يحب لنفسه. [رقم الحدیث:۲۳۸] — تم میں سے کوئی شخص ایمان دار نہیں ہو سکتا' یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(۶) انہیں سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انصر أخاك ظالمًا او مظلومًا. — تم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔

سو اس آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب وہ مظلوم ہو تب تو میں اس کی مدد کروں' لیکن آپ مجھے بتائیں کہ اگر وہ ظالم ہو تو میں اس کی مدد کیسے کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اسے ظلم سے باز رکھو' یا یہ فرمایا کہ تم اسے ظلم سے منع کرو کیونکہ یہ بھی اس کی مدد ہے۔ [رقم الحدیث:۲۳۹]

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حق المسلم على المسلم خمس' رد السلام' وعيادة المريض' واتباع الجنائز' واجابة الدعوة' وتشميت العاطس. [رقم الحدیث:۲۴۰] — ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: سلام کا جواب دینا' مریض کی عیادت کرنا' جنازے کے ساتھ جانا' بلاوے کا جواب (یا دعوت قبول کرنا) اور چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کہہ کر دعا دینا۔

نوٹ: ریاض الصالحین ج ا ص ۱۶۱-۱۵۷' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور

۲۲- بَابُ وَصِيَّةِ جِبْرِيْلَ بِالْجَارِّ — پڑوسی کے حق میں حضرت جبریل علیہ السلام کی وصیت

۴۷۶- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حَزْمٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ يُوَرِّثُهٗ وَمَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّ خِيَارَ اُمَّتِيْ لَا يَنَامُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام پڑوسی کے حق میں مجھے مسلسل وصیت کرتے رہے' یہاں تک کہ میں نے گمان کر لیا کہ بے شک وہ اسے وارث بنا دیں گے اور حضرت جبریل علیہ السلام شب بیداری کے بارے میں مجھے مسلسل وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کر لیا کہ بے شک میری اُمت میں بہترین وہ لوگ ہوں گے جو رات کو بہت تھوڑا سوئیں گے۔

بخاری (۶۰۱۴) مسلم (۶۶۸۷) ترمذی (۱۹۴۲) ابن ماجہ (۳۶۷۳) ابن حبان (۵۱۱-۵۱۲) ابوداؤد (۵۱۵۲)

حل لغات

''یُوْصِیْنِیْ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کے آخر میں نون وقایہ اور یائے متکلم ہے' اس کا معنی ہے: وصیت کرنا' کسی چیز کی تاکید کرنا۔ ''یُوَرِّثُ'' یہ بھی مذکورہ صیغہ ہے' البتہ یہ باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: کسی کو کسی چیز کا وارث بنانا۔

پڑوسی اور شب بیداری کی فضیلت

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بعینہٖ امام احمد' شیخین (بخاری اور مسلم)' ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور امام احمد اور اصحاب ستہ نے اس کو حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت کیا ہے اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے اصل کے ساتھ مزید یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام مجھے غلام کے بارے میں مسلسل وصیت کرتے رہے' یہاں تک کہ میں نے یہ خیال کیا کہ وہ اس کے لیے ایک مدت اور وقت مقرر کر دیں گے' جب وہ اس مدت اور وقت کو پہنچے گا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۵۵۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

طبرانی' خرائطی اور ابوالشیخ نے حضرت معاویہ بن حیدہ سے پڑوسی کے حقوق کے بارے میں ایک مرفوع حدیث تخریج کی ہے کہ اگر پڑوسی بیمار ہو جائے تو تم اس کی عیادت کرو' اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرو' اگر وہ تم سے قرض طلب کرے تو تم اسے قرض دے دو' اگر وہ تنگ دست و بدحال ہو جائے تو تم اس کی ستر پوشی کرو' اگر اس کو کوئی خیر و خوشی نصیب ہو جائے تو تم اسے مبارک دو' اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو تم اس سے تعزیت کرو' اور تم اپنا مکان اس کے مکان سے اونچا نہ بناؤ کہ کہیں اس سے ہوا رک جائے اور تم اپنے کوڑے کرکٹ سے اس کو اذیت نہ دو۔ خرائطی اور طبرانی نے اسی کی مثل ایک مرفوع حدیث حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے' اس میں مزید یہ بھی ہے کہ اگر وہ تم سے مدد مانگے تو تم اس کی مدد کرو' اگر وہ محتاج و ضرورت مند ہو تو تم اپنے مال میں سے اسے عطاء کرو' اگر وہ بالکل فقیر و غریب ہو جائے تو تم اسے دوبارہ عطاء کرو' اگر تم پھل خریدو تو اسے ہدیہ بھیجو اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو تم اپنا پھل چھپا کر لاؤ اور اپنے بچے کو ظاہر کر کے نہ دو' کہیں پڑوسی کا بچہ دیکھ کر للچانے لگے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۲۱۵' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

اور اس حدیث میں جس دوسری چیز کی مسلسل وصیت کی گئی ہے' وہ شب بیداری اور رات کو اُٹھ کر نمازِ تہجد' عبادت و ریاضت اور تلاوتِ قرآن اور ذکر و فکر کرنا ہے۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

افضل الصلوٰة بعد المفروضة صلوٰة فی جوف الليل. فرائض کے بعد افضل ترین نماز درمیانی رات کی نماز ہے۔

(۲) انہیں سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور عرض کیا: یارسول اللہ! فلاں شخص رات کو نماز پڑھتا ہے' پھر جب صبح ہوتی ہے تو وہ چوری کرتا ہے' آپ نے فرمایا: اس کو نماز اس چیز سے عنقریب روک دے گی جو تم کہہ رہے ہو۔

(۳) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم رات کو اُٹھ کر نماز پڑھنا اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ یہ تم سے پہلے نیک بزرگوں کا طریقہ ہے اور یہ ربِ کریم کی طرف قرب ونزدیکی کا ذریعہ ہے اور بُرائیوں کو مٹانے اور گناہوں سے بچنے کا سبب ہے۔

(۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے بندوں سے خوش ہوتا ہے: (۱) جب کوئی آدمی رات کو اُٹھ کر نماز پڑھتا ہے (۲) جب کوئی قوم نماز میں صف بندی کرتی ہے (۳) اور جب کوئی (مسلم) قوم دشمن سے جنگ میں صف آراء ہوتی ہے۔

(۵) حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ربِ تعالیٰ آخری رات کے وسط میں بندے کے بہت قریب ہوتا ہے' سو اگر تم اس وقت اللہ تعالیٰ کے ذاکرین میں سے بن سکو تو ضرور بنو۔

[مشکوٰۃ ص ۱۱۰-۱۰۹ 'مطبوعہ اصح المطابع (المکتبۃ الرشیدیۃ)' دہلی]

٢٣- بَابٌ فِيْ اِغَاثَةِ اللَّهْفَان — مظلوم کی فریادرسی کرنا

٤٧٧- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اِغَاثَةَ اللَّهْفَانِ.

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ مظلوم کی فریادرسی کو پسند کرتا ہے۔

حل لغات

''اِغَاثَةٌ'' یہ باب افعال کا مصدر ہے' اس کا معنی ہے: مدد کرنا' فریادرسی کرنا' دادرسی کرنا۔ ''اَللَّهْفَانَ'' اس کا معنی ہے: مظلوم' مضطر' فریادی' غمگین۔

مظلوم کی بددعا سے بچو

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِيَّاكَ وَ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّمَا يَسْئَالُ اللّٰهَ حَقَّهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْنَعُ ذَا حَقٍّ حَقَّهٗ.

مظلوم کی بددعا سے بچو' سو وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کسی حق والے کا حق نہیں روکتا۔

[مشکوٰۃ المصابیح' باب الظلم' ص ۴۳۶-۴۳۵ 'مطبوعہ اصح المطابع (المکتبۃ الرشیدیۃ)' دہلی]

علامہ ملاعلی قاری مرقات میں لکھتے ہیں کہ علامہ سمویہ نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں کہ

اِيَّاكَ وَدَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ وَاِنْ كَانَتْ مِنَ الْكَافِرِ

یعنی مظلوم کی بددعا سے بچو' اگرچہ وہ کافر ہی کی طرف سے ہو' کیونکہ

فَاِنَّهٗ لَيْسَ لَهَا حِجَابٌ دُوْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.

اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے لیے کوئی حجاب اور پردہ حائل نہیں ہوتا۔

امام احمد بن حنبل اور ابویعلیٰ نے اس حدیث کو اپنی اپنی مسند میں اور الضیاء نے حضرت انس بن مالک سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ

اِتَّقُوْا دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ وَاِنْ كَانَ كَافِرًا فَاِنَّهٗ لَيْسَ لَهَا دُوْنَهٗ حِجَابٌ.

یعنی مظلوم کی بددعا سے ڈرو اور بچو' اگرچہ وہ (مظلوم) کافر ہو کیونکہ اس بددعا کے لیے اس کے سامنے کوئی حجاب اور پردہ حائل نہیں ہوتا۔

اور امام حاکم نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ

اِتَّقُوْا دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهَا تَصْعَدُ اِلَى السَّمَآءِ كَاَنَّهَا شَرَارَةٌ.

یعنی مظلوم کی بددعا سے ڈرو اور بچو کیونکہ وہ آسمان کی طرف اس طرح چڑھتی ہے کہ گویا آگ کا شعلہ ہے۔

[مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۹ ص ۳۲۷ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

(۲) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام لوگوں میں بدترین درجہ والا وہ بندہ ہوگا جس نے دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت برباد کرلی (جیسے ظالم حکام رعایا پر ظلم کرکے ناجائز ذریعوں سے بادشاہ کے خزانے بھرتے ہیں)۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (گنہگار بندوں کے) دفتر اور اعمال نامے تین قسم کے ہوں گے' ایک وہ دفتر جسے اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشے گا' وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر وشرک کرنا ہے' خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ. بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا۔

اور دوسرا دفتر جسے اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا وہ بندوں کے آپس میں ایک دوسرے پر ظلم ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان میں بعض کا بعض سے بدلہ لے گا اور تیسرا دفتر جس کی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرتا' وہ ہے جو بندوں کے درمیان اور خود اللہ تعالیٰ کے درمیان حق تلفی وزیادتی ہے' اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو (اپنے حقوق کی حق تلفی پر) اسے سزا دے گا اور اگر چاہے گا تو اس سے درگزر فرما دے گا۔ [مشکوٰۃ المصابیح' باب الظلم' ص ۴۳۵ 'مطبوعہ اصح المطابع (المکتبۃ الرشیدیۃ)' دہلی]

٢٤- بَابُ النَّهْيِ عَنْ سَبِّ الدَّهْرِ — زمانہ کو بُرا کہنے کی ممانعت

٤٧٨- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ.

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم زمانہ کو بُرا نہ کہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ (کا خالق) ہے۔

بخاری (٦١٨١) مسلم (٥٨٦٦) ابوداؤد (٥٢٧٤)

حل لغات

''لَا تَسُبُّوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل نہی معروف' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: سب بکنا' گالی دینا' بُرا کہنا۔ ''اَلدَّهْرُ'' اس کا معنی ہے: زمانہ اور اس کی جمع ''دُهُوْرٌ'' آتی ہے۔

زمانہ کو بُرا نہ کہنے کی وجوہات

کتاب النہایۃ میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگوں کی عادت تھی کہ وہ مصائب و آلام اور حوادث کے نزول کو زمانہ کی طرف منسوب کر کے اس کو گالیاں دیتے تھے اور کہتے تھے کہ زمانہ نے ایسا کر دیا ہے اور ایسا کر دیا ہے اور ان کے آباء و اجداد بھی اسی طرح زمانہ کو بُرا کہتے تھے حالانکہ زمانہ دنیا کے حوادثات وغیرہ میں بے اثر ہے' تمام اُمور کا اصل فاعل اللہ تعالیٰ ہے' لہٰذا ان اُمور کے اصل فاعل کو بُرا نہ کہو' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ (الجاثیہ:٢٤)

اور انہوں نے کہا کہ ہماری دنیا کی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں ہے ہم (اسی دنیا میں) مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں زمانہ کے سوا کوئی ہلاک نہیں کرے گا۔

اور طویل زمانہ اور دنیا کی زندگی کا نام دھر ہے' سو نبی کریم ﷺ نے زمانہ کو گالیاں دینے اور اس کو بُرا کہنے سے منع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم ان چیزوں کے بنانے والے اللہ تعالیٰ کو بُرا نہ کہو کیونکہ زمانے وغیرہ کو جب تم گالی دو گے تو یہ گالی اللہ تعالیٰ پر واقع ہوگی کہ وہی مصنوعات و مخلوقات کا خالق و مالک اور مؤثر حقیقی ہے' اس لیے کہ وہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اس حدیث کو امام مسلم نے بعینہٖ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ٣٨٩-٣٨٨' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ

قال اللّٰہ تعالٰی یؤذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل والنھار۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن آدم مجھے ایذاء دیتا ہے کہ زمانہ کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ زمانہ (مؤثر حقیقی) تو میں ہوں' ہر چیز میرے قبضہ میں ہے' میں رات اور دن کو پھیرتا رہتا ہوں۔ [متفق علیہ] [مشکوٰۃ ص ١٣' المکتبۃ الرشیدیہ' دہلی]

"انا الدھر" میں مضاف محذوف ہے" ای انا خالق الدھر او مصرف الدھر او مقلبہ او مدبر الامور التی نسبوھا الیہ فمن سبہ بکونہ فاعلھا عادسبہ الی لانی انا الفاعل لھا" یعنی زمانے کا خالق میں ہوں' میں زمانے میں تصرف کرنے والا ہوں' میں اسے پھیرنے والا ہوں اور میں ان تمام چیزوں کی تدبیر کرنے والا ہوں جن کو لوگ زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں' سو جس نے یہ خیال کر کے زمانہ کو گالیاں دیں کہ وہ ان چیزوں کا فاعل ہے تو اس کی گالیاں میری طرف لوٹتی ہیں کیونکہ ان تمام چیزوں کا فاعل میں خود ہوں۔ [حاشیۃ المشکوٰۃ]

٢٥ - بَابٌ فِيْ تَاْثِيْرِ الْحُبِّ
محبت کی تاثیر کا بیان

٤٧٩ - قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وُلِدْتُّ سَنَةَ ثَمَانِيْنَ وَقَدِمَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُنَيْسٍ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكُوْفَةَ سَنَةَ اَرْبَعٍ وَّتِسْعِيْنَ وَرَاَيْتُهٗ وَسَمِعْتُ مِنْهُ وَاَنَا ابْنُ اَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ. ابوداؤد (٥١٣٠)

امام ابو حنیفہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اسی ہجری (٨٠ھ) میں پیدا ہوا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ چورانوے ہجری (٩٤ھ) میں کوفہ تشریف لائے اور میں نے ان کی زیارت کی اور ان سے حدیث بھی سنی اور میں اس وقت چودہ (١٤) سال کا تھا' انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: کسی چیز کی محبت تمہیں (اس میں عیب دیکھنے سے) اندھا اور (اس کے متعلق عیب سننے سے) بہرا کر دیتی ہے۔

حل لغات

"حُبُّكَ الشَّيْءَ" اس میں "حُبٌّ" مصدر ہے' اس کا معنی ہے: پیار کرنا' پسند کرنا' چاہنا۔ "كَ" یہ واحد مذکر حاضر ضمیر اس کا فاعل ہے' اس کا معنی ہے: تیرا' تمہارا۔ "اَلشَّيْءَ" یہ حب کا مفعول بہ ہے' اس لیے یہ منصوب ہے' اس کا معنی ہے: چیز' یعنی تمہارا کسی چیز سے محبت و پیار کرنا۔ "يُعْمِيْ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: اندھا کرنا' نابینا کرنا۔ "يُصِمُّ" یہ بھی مذکورہ باب سے مذکورہ صیغہ ہے' اس کا معنی ہے: بہرا کرنا۔

اس حدیث کی تائید و تصدیق

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے سنن ابوداؤد میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے اور صنعانی کو وہم ہوا تو انہوں نے اس حدیث پر وضع کا حکم لگا دیا' چنانچہ امام سخاوی نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ امام ابوداؤد کا اس حدیث پر سکوت' ہمیں کفایت کرتا ہے کہ یہ حدیث نہ تو موضوع ہے اور نہ شدید ضعف ہے بلکہ یہ حدیث حسن ہے۔

اور امام جلال الدین سیوطی کی الجامع الصغیر میں ہے کہ اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے اور امام ابوداؤد نے حضرت ابو الدرداء سے اور علامہ خرائطی نے اعتلال القلوب میں حضرت ابو برزہ' حضرت ابن عباس اور حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے اور صدر الائمہ المکی اور السید الحافظ الدیلمی اور برھان الاسلام نے ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت عبد اللہ بن انیس سے ملاقات کی ہے۔ علامہ کردری نے ذکر کیا ہے کہ ابوداؤد طیالسی سے سند کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سن چورانوے (٩٤ھ) میں حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ہمارے ہاں کوفہ میں تشریف لائے تھے اور میں اس وقت چودہ (١٤) سال کا تھا' چنانچہ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حبك الشيء يعمي ويصم.

یعنی کسی چیز کی محبت تمہیں اس میں عیب دیکھنے سے اندھا اور اس کے متعلق عیب سننے سے بہرا کر دیتی ہے۔

امام ابو حنیفہ کی ملاقات پر اعتراض کا جواب

امام ابو حنیفہ کی حضرت عبد اللہ بن انیس الجہنی سے ملاقات پر یہ اشکال و اعتراض ہے کہ اہل سیر اور اہل تواریخ اس بات پر متفق ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی ولادت سے کئی سال پہلے حضرت عبد اللہ بن انیس الجہنی مدینہ منورہ میں سن چوّن (٥٤) ہجری میں وفات پا گئے تھے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ عبد اللہ بن انیس نام کے چار صحابہ کرام ہوئے ہیں اور اشکال تو صرف حضرت عبد اللہ بن انیس الجہنی سے ملاقات پر وارد ہوتا ہے' جبکہ ممکن ہے کہ امام ابو حنیفہ کی ملاقات عبد اللہ بن انیس الجہنی کے علاوہ دیگر تین صحابہ عبد اللہ بن انیس نامی میں سے کسی ایک عبد اللہ بن انیس سے ہوئی ہو۔

"الحب" کی توضیح

معلوم ہونا چاہیے کہ رغبت و میلان' اُنس و محبت اور اُلفت و چاہت کی وجہ سے کسی چیز کے ساتھ دل کے تعلق و ربط کے قائم ہونے کو حب کہتے ہیں' پھر دل کی کدورت اور صفائی کے اختلاف سے مائلین و راغبین اور محبین کے قلوب مختلف ہوتے ہیں' بعض محب حق ہوتے ہیں اور بعض محب باطل ہوتے ہیں' چنانچہ حق کے محب اپنے مولیٰ اور آقا کی محبت سے سرشار ہو کر اپنے مولیٰ کے غم سے

گونگے، بہرے اور اندھے ہو جاتے ہیں۔ زبان رکھنے کے باوجود محبوب کے علاوہ کسی کی صفت بیان نہیں کرتے اور کان رکھنے کے باوجود اپنے محبوب ومولیٰ کی شان کے علاوہ کسی کی شان پر کان نہیں دھرتے اور آنکھیں رکھنے کے باوجود کسی غیر کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھتے اور باطل کے محب اپنی خواہشات ومرغوبات کے سوا کسی کی نہ سنتے ہیں اور نہ کسی کی طرف دیکھتے ہیں' وہ صرف اپنی خواہش وپسند کے غلام ہوتے ہیں اور اہل اللہ کی تمام توانائیاں اور ہمتیں فرائض وسنن کی تکمیل میں مصروف رہتی ہیں اور ان کے باطن ظاہر سے زیادہ نیک اور پاکیزہ ہوتے ہیں' کیونکہ وہ ہمہ اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ومائل اور اس کی یاد میں مشغول رہتے ہیں' پس وہ غیر اللہ سے بہرے' گونگے اور اندھے ہوتے ہیں' اس لیے وہ غیر اللہ کی طرف کبھی نہیں لوٹتے۔ یہی سعادت مند و نیک بخت لوگ ہیں جن پر قیامت کے روز نہ خوف وڈر طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جن کے دلوں کا تعلق اپنے مولیٰ کی بجائے غیر اللہ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے وہ بدنصیب ان صفاتِ کمالیہ سے خالی ہوتے ہیں' کیونکہ وہ صرف اپنی خواہشات کے پجاری بن جاتے ہیں اور دوزخ کی آگ میں جا گرتے ہیں' اس لیے کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ ان کے دل اندھے ہوتے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نور مقرر نہیں فرمایا' اس کے لیے کوئی نور نہیں ہوتا۔

[شرح مسند امام اعظم لملاعلی قاری ص ۵۸۵ - ۵۸۴ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

اور جتنی محبت مشرکین اپنے بتوں سے کرتے ہیں' اس سے کہیں زیادہ محبت مؤمنین اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں' بلکہ مؤمن سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور اس کی تعظیم وتقدیس اور اطاعت کرتا ہے' پھر رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہے اور آپ کی تعظیم وتکریم اور اطاعت واتباع کرتا ہے' پھر والدین کی تعظیم کرتا ہے' اور جائز اُمور میں ان کی اطاعت کرتا ہے' اس کے بعد اپنے آپ سے محبت کرتا ہے' پھر اس کے بعد اپنے اہل وعیال' اقرباء' پڑوسیوں اور عام مسلمانوں سے محبت کرتا ہے' اسی طرح پہلے تعظیم وتکریم اور محبت میں قرآن مجید کا مرتبہ ہے' پھر احادیث کا' پہلے مسجد حرام کا مرتبہ ہے' پھر مسجد نبوی کا' مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے زیادہ افضل ہے' لیکن رسول اللہ ﷺ کی دعا کے مطابق مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے زیادہ محبوب ہے اور جس جگہ رسول اللہ ﷺ کا جسد اطہر آرام فرما ہے' وہ جگہ کائنات کی ہر جگہ سے افضل ومحبوب ہے' پھر اس کے بعد دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے مقابر ومزارات کے مراتب ہیں اور حدود شرع کے مطابق ان کی تعظیم وتکریم کرنا برحق ہے۔

[تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ٦٥٦ 'مطبوعہ فرید بک سٹال' اُردو بازار' لاہور]

٢٦- بَابُ النَّهْيِ عَنِ الشَّمَاتَةِ

کسی کی مصیبت پر خوش ہونے کی ممانعت

٤٨٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ وَاثِلَةَ بْنَ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُظْهِرَنَّ شَمَاتَةً لِاَخِيْكَ فَيُعَافِيْهِ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ اللّٰهُ. ترمذی (٢٥٠٦)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرو' ورنہ اللہ تعالیٰ اسے خیر وعافیت عطاء فرمائے گا اور تمہیں اس میں مبتلا فرما دے گا۔

حل لغات

''لَا تُظْهِرَنَّ'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل نہی معروف بانون ثقیلہ' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: ظاہر کرنا' عیاں کرنا۔ ''شَمَاتَةً'' کسی کی مصیبت پر خوش ہونا۔ ''يُعَافِيْهِ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب مفاعلہ سے ہے' آخر میں ''ہ'' ضمیر مفعول ہے' اس کا معنی ہے: عافیت عطاء کرنا' تندرستی عطاء کرنا' صحت عطاء کرنا۔

کسی مصیبت زدہ آدمی کی مدد کرنے کے فوائد

کسی مصیبت زدہ شخص کی مصیبت پر خوش ہونا اور لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کرنا حسنِ اخلاق' عقلِ سلیم اور اسلامی تعلیمات کے نہ صرف خلاف ہے بلکہ انتہائی گھٹیا حرکت ہے کیونکہ حسنِ اخلاق اور اسلامی تعلیم کا تقاضا یہ ہے کہ مصیبت زدہ شخص کی مصیبت و تکلیف کو دور کیا جائے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے' چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ الخ.

جو شخص دنیا کی مصیبتوں میں سے کسی دنیاوی مصیبت کو مسلمان سے دور کر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت اس سے دور فرما دے گا اور جو شخص کسی تنگی والے پر آسانی کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا وآخرت میں آسانی فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا وآخرت میں پردہ پوشی فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد پر رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد پر رہتا ہے۔

اور جو شخص علم کی طلب میں کوئی راستہ طے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس پر جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں قرآن مجید پڑھنے اور آپس میں قرآن مجید سیکھنے سکھانے کے لیے جمع ہوتی ہے تو ان پر سکون و اطمینان اور دلوں کا چین اترتا ہے اور انہیں رحمت الٰہی ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ اس قوم کا اس جماعت میں ذکر کرتا ہے جو اس کے پاس ہے (یعنی فرشتوں میں) اور جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے کر دیا تو اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔

[مشکوۃ المصابیح' کتاب العلم' الفصل الاوّل]

علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ترمذی نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں کہ

لا تظهر الشماتة لاخيك فيرحمه الله ويبتليك.

یعنی تم اپنے کسی مسلمان کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرنا' سو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم وکرم فرما کر اسے نجات وعافیت اور صحت عطاء فرما دے اور تمہیں اس میں مبتلا کر دے۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ [تنسیق النظام ص ۲۱٦ 'مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۲۷- كِتَابُ الرِّقَاقِ

دلوں کو نرم کرنے والی احادیث

۱ - بَابُ مَدَارِ الْاَعْمَالِ عَلَى الْقَلْبِ

اعمال کا دارومدار دل پر ہے

۴۸۱- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ فِي الْاِنْسَانِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ بِهَا سَائِرُ الْجَسَدِ وَاِذَا سَقُمَتْ سَقُمَ بِهَا سَائِرُ الْجَسَدِ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بے شک انسان میں ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ جب وہ صحیح ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے باقی سارا جسم صحیح ہو جاتا ہے اور جب وہ بیمار ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے باقی سارا جسم بیمار ہو جاتا ہے' سنو وہ دل ہے۔

بخاری (۵۲) مسلم (۴۰۹۴) ابن ماجہ (۳۹۸۴)

حل لغات

''مُضْغَةً'' اس کا معنی ہے: گوشت کا لوتھڑا' گوشت کا ٹکڑا۔ ''صَلُحَتْ'' صیغہ واحد مؤنث' فعل ماضی معروف مثبت' باب کَرُمَ یَکْرُمُ' فَتَحَ یَفْتَحُ' نَصَرَ یَنْصُرُ تینوں سے آتا ہے' اس کا معنی ہے: درست ہونا' ٹھیک ہونا' صحیح سلامت ہونا' نیک ہونا۔ ''سَقُمَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی معروف' باب کَرُمَ یَکْرُمَ اور سَمِعَ یَسْمَعُ دونوں سے آتا ہے' اس کا معنی ہے: بیمار ہو جانا۔

دل کا تعارف اور اس کی اہمیت

قلب ایک جوہرِ نورانی ہے جو مادہ سے مجرد ہے۔ یہ روح اور نفس حیوانی کے درمیان برزخ ہے' قلب ہی حقیقتِ انسانیہ ہے' اس کا باطن روح ہے اور اس کا ظاہر نفس حیوانی ہے۔ قلب و دل روح سے کم لطیف ہے اور نفس حیوانی سے زیادہ لطیف ہے' حکماء اور فلاسفر لوگ دل کو نفسِ ناطقہ کہتے ہیں' انسانیت کا دارومدار اسی قلب پر ہے۔ تفسیر نعیمی میں ہے کہ قلب' کلیجی کی شکل میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے' جسے صنوبری قلب بھی کہتے ہیں اور روح اسی گوشت والے دل میں ہوتی ہے اور رگوں کے ذریعہ جسم کے ہر حصے میں پہنچ جاتی ہے' اسی لطیفۂ قلب پر انسانیت موقوف ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور شریعت کی پابندی ہوتی ہے' جس طرح بدن کے ساتھ جان قائم ہے' اسی طرح لطیفۂ قلب کے ساتھ ایمان قائم ہے' اسی پر الہام ہوتا ہے اور یہی دلائل سے نتیجہ معلوم کرتا ہے۔

قرآن مجید میں ''لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ'' (قٓ:۳۷) ایسے معنوں میں آیا ہے' جیسے ہم کہتے ہیں کہ فلاں بڑا دل والا آدمی ہے' یہی دل ذوق و شوق اور کشف و مشاہدہ کا سرچشمہ ہے۔ نصیحت اور ہدایت آمیز کلام جسم کے مختلف حصوں (کان' آنکھ وغیرہ) کے ذریعہ دل تک پہنچتا ہے اور جب دل اس کو مان لے تو انسان ایمان لے آتا ہے' لہٰذا دل بادشاہ ہوا' جبکہ باقی تمام اعضاء اس کے خادم ہوئے۔ قلب کی اصلاح کے لیے اسلام نے مسلمانوں کو خاص طور پر آگاہ کیا ہے' جیسا کہ اس حدیث میں فرمایا کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے' جب تک یہ ٹھیک رہتا ہے تو بدن ٹھیک رہتا ہے' اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے اور وہ دل ہے اور صوفیائے کرام نے تو تصوف کے تمام احوال کو دل سے ہی متعلق ہونا قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام صفائے قلب کو اوّلیت دیتے ہیں اور اس کی درستگی کے لیے بڑے بڑے مجاہدات اور ریاضتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ دل کی

بصیرت اور جلا ذکر سے حاصل ہوتی ہے اور ذکر پر قدرت تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے' گویا تقویٰ ذکر کا دروازہ ہے اور ذکر کشف کا دروازہ ہے (تقویٰ سے ذکر اور ذکر سے کشف ملتا ہے) اور کشف فوز کبیر کی کنجی ہے۔ حدیث میں ہے:

لكل شيء صقالة وصقالة القلب ذكر الله.

ہر چیز کے لیے صیقل (زنگ و میل دور کرنے) والی چیز ہوتی ہے اور قلب و دل کو صیقل کرنے والا ذکر الٰہی ہے۔

کوئی چیز عذابِ الٰہی سے بچانے والی ذکر الٰہی سے بہتر نہیں ہے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسم ذات اور ذکر الٰہی کی تاثیر سے قلب و دل میں دس صفات پیدا ہوتی ہیں:

(۱) قلب و دل آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے' جس سے وجود میں تاریکی نہیں رہتی۔

(۲) قلب گہرے دریا کی مانند ہو جاتا ہے یعنی کسی غلاظت سے گدلا نہیں ہوتا (آپ کا فرمان ''دل دریا سمندروں ڈونگے'' اسی نوعیت سے ہے)۔

(۳) دل عشق کی آگ سے لبریز ہو جاتا ہے جو ماسوا اللہ کو جلا دیتا ہے۔

(۴) دل چشمۂ آبِ حیوان بن جاتا ہے اور حیات اَبدی حاصل کرتا ہے' ذاکر کا دل زندہ اور نفس مردہ ہو جاتا ہے اور ایسے دل کو قلب خضر بھی کہتے ہیں۔

(۵) دل ظاہر و باطن میں معبود برحق کی عبادت میں مستغرق ہو جاتا ہے۔

(۶) دل طلسماتِ روحانی بن جاتا ہے جس کی وجہ سے دل بغیر محنت و مشقت کے عرفانِ الٰہی کا خزانہ پالیتا ہے۔

(۷) ہر حقیقت کو آئینہ کی طرح دیکھ لیتا ہے۔

(۸) دل روشن چراغ کی طرح چمکنے لگتا ہے جس سے جسم بھی روشن ہو جاتا ہے۔

(۹) مردہ دل ذکر الٰہی کی برکت سے مردہ گھاس کی طرح سرسبز ہو جاتا ہے جس پر بارانِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

(۱۰) قربِ الٰہی کا واصل بن جاتا ہے اور ہمیشہ رب تعالیٰ اس کے پیش نظر رہتا ہے اور ایسے دل کو قلب حضوری کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں قلب کے حسبِ ذیل نام بیان کیے گئے ہیں:

(۱) قلب سلیم

اس سے مراد مؤمن کا دل ہے۔ سلیم سے مراد سلامتی ہے اور سلامتی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کثرتِ ذکر اور مراقبہ نہ ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ O (الشعراء:۸۹)

مگر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے حضور میں قلب سلیم لے کر آیا O

یاد رکھو! جب تک دل ماسوا اللہ کی قید سے آزاد نہ ہو' وہ کفر و نفاق کی بیماریوں سے پاک نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کافر کو اس کے مال خرچ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد کی دعا کا فائدہ ہوگا' اگرچہ وہ مسلمان ہو گئے ہوں' البتہ قلب سلیم رکھنے والے مسلمان کو مال خرچ کرنے اور اس کی نیک اولاد کی دعا کا فائدہ ہوگا' جو اس کے گناہوں میں بخشش اور درجات میں بلندی کا باعث ہوگا۔ قیامت کے روز ان کی شفاعت' ان کے والدین کے حق میں قبول ہوگی۔ علامہ ابوالحیان اور علامہ مظہری نے ایسا ہی لکھا ہے۔

(۲) قلب شہید

قلب شہید سے توحیدِ حقیقی اور ہر ذرے میں شہود ذات حق حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝ (ق:۳۷)

(بے شک اس میں اس کے لیے نصیحت ہے) جس کا دل بینا ہو یا جس نے کان لگایا ہو اور وہ حاضر ہو کر سنے ۝

حضرت ابوبکر شبلی بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ قرآنی نصائح سے فیض حاصل کرنے کے لیے قلب شہید یعنی حاضر و دانا دل چاہیے جو ہمہ وقت متوجہ ہو جس میں لحہ بھر کے لیے بھی غفلت نہ ہو۔

علامہ زجاج کہتے ہیں کہ قلب شہید والا آدمی جب سن رہا ہوتا ہے تو اس کا دل حاضر اور متوجہ ہوتا ہے۔ یہ قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اس کی وسعت لامحدود ہے اور لامکاں کی اس میں سمائی ہے۔

(۳) قلب مجاز

یہ سینہ کا دل ہے جو مغضہ (گوشت) کا بنا ہوا ہے اس کو مجازاً قلب کہتے ہیں۔

(۴) قلبِ منیب

اس قلب سے مراد وہ دل ہے جو اخلاص کے ساتھ اطاعت کی طرف متوجہ رہے ایسا دل رکھنے سے خطرات ردی اور نیک کام ظاہر ہوتے ہیں جیسے تقویٰ مجاہدہ عبادت و ریاضت اور ورع وغیرہ ایسے لوگوں کا دل ہر وقت اپنے ربِ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے اسی کی طرف مائل و راغب رہتا ہے اسی کی یاد میں منہمک رہتا ہے خواہ مصائب و آلام کتنا ہی پریشان کیوں نہ کریں ان کے دل کی کیفیت نہیں بدلتی۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ۝ (ق:۳۳)

جو رحمٰن سے بن دیکھے ڈرتا رہا اور ایسا دل لے کر آیا جو یادِ الٰہی کی طرف متوجہ رہنے والا ہے ۝

حدیث میں ہے:

ان اللّٰہ لا ینظر الٰی صورکم والٰی اموالکم ولکن ینظر الٰی قلوبکم واعمالکم.

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نہ تو تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہارے اموال کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال (کردار) کو دیکھتا ہے۔ [ماخوذ و انتخاب از حضور قلب مطبوعہ جنگ پبلشرز لاہور]

۲- بَابُ بَيَانِ مَعِيْشَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گزر اوقات کا بیان

۴۸۲- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعْنَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا مِنْ خُبْزٍ مُتَتَابِعًا حَتّٰى فَارَقَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا زَالَتِ الدُّنْيَا عَلَيْنَا كُدْرَةً عُسْرَةً حَتّٰى فَارَقَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم نے مسلسل تین دن اور تین رات تک کبھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں کھائی یہاں تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے داغِ مفارقت دے گئے اور دنیا ہم پر ہمیشہ تلخ اور تنگ رہی یہاں تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے جدا ہو گئے پھر جب

مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا فَلَمَّا فَارَقَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا صُبَّتْ عَلَيْنَا صَبًّا.

آپ دنیا سے انتقال فرما گئے تو دنیا ہم پر کثرت سے بہا دی گئی۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ صُبَّ الدُّنْيَا عَلَيْنَا صَبًّا وَفِيْ رِوَايَةٍ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ مُتَوَالِيَةٍ مِنْ خُبْزِ الْبُرِّ. مسلم(۷۴۴۴) ترمذی (۲۳۵۸) ابن حبان (٦۳٤٦) مسند احمد (۹٦۰۹)

اور ایک روایت میں ہے کہ دنیا ہم پر کثرت سے بہا دی گئی۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متواتر تین دن تک گندم کی روٹی سے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

حل لغات

''مَا شَبِعْنَا'' اس میں حرف ''مَا'' نافیہ ہے اور ''شَبِعْنَا'' صیغہ جمع متکلم فعل ماضی معروف منفی باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے اس کا معنی ہے: سیراب ہونا پیٹ بھرنا۔ ''مُتَتَابِعًا'' اس کا معنی ہے: مسلسل لگاتار متواتر۔ ''فَارَقَ'' صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف مثبت باب مفاعلہ سے ہے اس کا معنی ہے: جدا ہونا الگ ہونا۔ ''صُبَّتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی مجہول مثبت باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے اس کا معنی ہے: بہانا انڈیلنا اوپر سے نیچے ڈالنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بہت سادہ تھی

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ تو میز پر کھانا کھایا اور نہ چھوٹی پیالی میں اور نہ آپ کے لیے چپاتی (باریک روٹی) پکائی گئی۔ حضرت قتادہ سے کہا گیا کہ یہ حضرات کس چیز پر کھانا کھاتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ دستر خوانوں پر۔ [بخاری مشکوٰۃ کتاب الاطعمۃ الفصل الاوّل]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ میز پر کھانا کھانا متکبرین او جبارین کا طریقہ ہے کہ وہ تکبر و غرور کی بناء پر میز پر کھانا کھاتے ہیں تا کہ انہیں کھانے کے آگے جھکنا نہ پڑے اور چھوٹی پیالی میں سالن وغیرہ کھانا بھی متکبروں کا طریقہ ہے تا کہ ان کے ساتھ کوئی دوسرا شامل نہ ہو یا پھر بخیلوں کا طریقہ ہے تا کہ کوئی دوسرا آدمی ساتھ نہ کھا سکے سارا سالن اکیلے کھائیں سو اس حدیث میں یہی بتایا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متکبروں اور بخیلوں کے اس طریقہ پر ہرگز کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام کپڑے یا چمڑے یا کھجور کے پتوں سے تیار کردہ چٹائی کے دستر خوانوں پر کھانا کھاتے تھے اور میز پر کھانا بدعت ہے مگر جائز ہے جبکہ زمین پر دستر خوان بچھا کر اس پر کھانا سنت ہے اور آپ کے لیے کبھی چپاتی روٹی نہیں پکائی گئی بلکہ آپ کی روٹی قدرے موٹی اور اَن چھنے آٹے سے پکائی جاتی تھی۔ [مرقات شرح مشکوٰۃ ج۸ ص۱۶۵ - ۱۶۴ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بہت سادہ تھی آپ کھانے پینے میں سادہ خوراک پسند فرماتے تھے لباس ہمیشہ سیدھا سادہ ہوتا تھا لیکن صفائی ستھرائی کا بہت خیال رکھتے تھے جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے اور اس سلسلے میں زمین چٹائی یا فرش کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ اپنے گھر کے اکثر کام آپ خود کر لیتے مویشیوں کو چارا بھی ڈال دیتے تھے اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ لیتے بکری کا دودھ دوہ لیتے خود بازار سے سودا خرید لاتے چھوٹے بڑوں کو خود سلام کرتے بچوں سے نہایت نرمی و شفقت اور مہربانی کا سلوک فرماتے ہر امیر اور غریب کی دعوت قبول کر لیتے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے یہاں تک کہ اگر اپنی نعلین پھٹ جاتی تو اسے بھی خود گانٹھ لیتے تھے۔ خانہ کعبہ مسجد نبوی کی تعمیر اور جنگ خندق کے موقعوں پر خود معماروں اور مزدوروں کے ساتھ ہر قسم کا کام کرتے رہے الغرض نبی کریم

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی اس قدر سادہ تھی کہ ناواقف لوگ آپ کو پہچان نہیں سکتے تھے۔ آپ کے فقر وغناء کا یہ عالم تھا کہ برابر ایک ایک ماہ چولہا روشن نہ ہوتا تھا صرف پانی اور کھجوروں پر گزارہ ہوتا تھا۔ آپ نے تین دن تک متواتر گندم کی روٹی کبھی نہیں کھائی۔ آپ اکثر جَو کی روٹی تناول فرماتے تھے۔ اور آپ کا یہ طرزِ عمل اختیاری تھا' اضطراری نہیں تھا تاکہ آپ کی اُمت کے غریب افراد آسانی سے آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو سکیں اور کفایت شعاری کو اپنا سکیں۔

۳- بَابُ بَيَانِ اَشَدِّ النَّاسِ بَلَاءً

سب سے زیادہ آزمائش والے انسان

۴۸۳- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ شَكَاةٍ شَكَاهَا فَاِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى عِبَاءَةٍ قُطْوَانِيَّةٍ وَّ مِرْفَقَةٍ مِّنْ صُوْفٍ حَشْوُهَا اِذْخِرٌ فَقَالَ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كِسْرٰى وَقَيْصَرُ عَلَى الدِّيْبَاجِ فَقَالَ يَا عُمَرُ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَكُمُ الْاٰخِرَةُ ثُمَّ اِنَّ عُمَرَ مَسَّهٗ فَاِذَا وَهُوَ فِيْ شِدَّةِ الْحُمّٰى فَقَالَ تُحَمُّ هٰكَذَا وَاَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَشَدَّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَلَاءً نَبِيُّهَا ثُمَّ الْخَيْرُ ثُمَّ الْخَيْرُ وَكَذٰلِكَ كَانَتِ الْاَنْبِيَاءُ قَبْلَكُمْ وَالْاُمَمُ.

بخاری (۴۹۱۳) مسلم (۳۶۹۱) ترمذی (۲۴۶۱)

ابن حبان (۶۳۶۲) ترمذی (۲۳۹۸)

حضرت اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں بیماری کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے' جس کی آپ کو شکایت تھی' سو آپ اس وقت (کوفہ کے علاقہ قطوان کی تیار کردہ) قطوانیہ کھردری چادر پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ نے اس وقت ایک ایسا تکیہ لگا رکھا تھا جس کا ظاہر اُون کا تھا اور اس کے اندر اذخر نامی گھاس بھری ہوئی تھی' حضرت عمر نے (یہ حالت دیکھ کر) عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! کسریٰ اور قیصر تو ریشم پر آرام کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: اے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے فانی دنیا ہے اور تمہارے لیے دائمی آخرت ہے' پھر حضرت عمر نے آپ کے جسم کو چھوا تو آپ اس وقت سخت بخار میں مبتلا تھے' حضرت عمر نے عرض کیا: آپ کو بھی اس طرح بخار ہوتا ہے' حالانکہ آپ تو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' سو آپ نے فرمایا کہ اس اُمت میں سب سے زیادہ تکلیف اور آزمائش اس کے نبی کی ہوگی' پھر اس کے بعد سب سے بہترین لوگوں کی' پھر اس کے بعد سب سے بہترین لوگوں کی تکلیف و آزمائش بہت سخت ہوگی اور تم سے پہلے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی اُمتیں بھی اسی طرح (سخت تکلیف و امتحان میں آزمائی گئی) تھیں۔

حل لغات

''شَكَاةٍ'' اس کا معنی ہے: بیماری' محنت ومشقت۔ ''عِبَاءَةٍ'' اس کا معنی ہے: کھردری چادر' جبہ' چوغہ' دراز کوٹ۔ ''قُطْوَانِيَّةٌ'' کوفہ کے ایک موضع قطوان کی طرف منسوب ہے۔ ''مَسَّهٗ'' اس میں ''مَسَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کے آخر میں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول بہٖ ہے اور اس کا معنی ہے: چھونا۔ ''تُحَمُّ'' صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل مضارع مجہول مثبت' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بخار میں مبتلا کرنا' گرم کرنا۔ ''اَلْخُيَّرُ'' خیر کی جمع ہے' بہ معنی بہترین لوگ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اختیاری فقر کی جھلک

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ

انما كان فراش رسول الله صلى الله عليه وسلم ينام عليه من ادم حشوه ليف.

جس بستر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سوتے تھے وہ صرف چمڑے کا ہوتا تھا' جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نرم وگداز بستر کو پسند نہیں فرماتے تھے' چونکہ آپ نے اپنی اُمت کو عبادت و ریاضت' زہد وتقویٰ' محنت و جدوجہد اور مسلسل تبلیغ اسلام کی راہ میں مشقت اُٹھانے اور ہر وقت خدمت خلق کرنے کی تعلیم دینی تھی۔ اس لیے آپ نے خود بھی عیش و آرام اور تنعم و آسائش سے پُر زندگی ترک فرما دی تھی' یہاں تک کہ نیند بھی سخت بستر پر فرماتے اور آرام دہ گدیلے اور لحاف پر سونا پسند نہ فرماتے۔ امام بیہقی نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے کہ میرے پاس انصار کی ایک عورت آئی اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بستر دیکھا جو کہ چمڑا کو دُہرا کر کے بچھا رکھا تھا ''فبعث الى بفراش حشوة صوف'' وہ عورت گئی اور اس نے روئی سے بھری ہوئی تو شک (لحاف یا گدیلا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے میرے پاس بھیج دیا' جب رسول اللہ تشریف لائے اور اس کو دیکھا تو فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ انصار کی فلاں عورت نے آپ کا بستر دیکھا تو گھر جا کر آپ کے لیے روئی سے بھرا ہوا گدا بھیج دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! یہ اسے واپس کر دے۔ ''واللّٰه لو شئت اجرى اللّٰه معى جبال الذهب والفضة'' (آپ نے فرمایا:) اللہ تبارک وتعالیٰ کی قسم! اگر میں چاہوں تو اللہ جل جلالہ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ رواں کر دے' یعنی میں خوب آرام' عیش اور تنعم کی زندگی بسر کروں مگر میں تو راحت و آسائش کے ہر قسم کے سامان کو ہیچ سمجھتا ہوں اور درحقیقت راحت اور آرام تو وہ ہے جو آخرت میں نصیب ہو' چنانچہ امام احمد اور ابوداؤد طیالسی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ ''فاثر فى جنبه'' آپ کے جسم پر اس بوریے کے نشان پڑے ہوئے تھے' عرض کیا گیا کہ کیا ہم آپ کے لیے کوئی نرم بستر نہ لائیں' تو ارشاد فرمایا:

ما لى وللدنيا انما انا والدنيا كراكب استظل تحت شجرة ثم راح وتركها.

مجھے دنیاوی آرام سے کیا کام' میری مثال تو مسافر کی طرح ہے جو راستے میں کسی درخت کے نیچے ذرا آرام کرلے اور پھر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جائے۔

وسائل الوصول الی شمائل الرسول میں علامہ یوسف النبہانی' امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ اس وقت چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے' جسم پر بوریے کے نشان نظر آ رہے تھے۔ حجرہ کی یہ حالت تھی کہ ایک طرف تھوڑے سے جَو پڑے ہوئے تھے۔ دیوار پر کھال لٹکی ہوئی تھی (نماز پڑھنے کے لیے)' میں نے یہ حال دیکھا تو میرے آنسو نکل آئے۔ آپ نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے محترم نبی! میں اب بھی نہ روؤں' اس چٹائی نے آپ کے جسم پر نشان ڈال دیئے ہیں۔ مفتوحہ علاقوں سے جو مال و دولت آ رہی ہے' کیا اس میں آپ کا حصہ نہیں؟ دوسری طرف یہ قیصر وکسریٰ ہیں جو دنیا کی بے اندازہ نعمتوں میں کھیل رہے ہیں اور آپ اللہ کے نبی و رسول اور محبوب ہیں' پھر بھی اس تنگدستی میں گزر بسر ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ آخرت کی اَبدی نعمتیں ہمارے لیے ہوں اور دنیا کی چند روزہ آسائشیں انہیں دے دی جائیں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں یہی کچھ آسائشیں دے کر بہلا دیا گیا ہے جن کی مدت بہت مختصر ہے اور ہم وہ لوگ ہیں جو آخرت میں ایسی نعمتوں سے نوازے جائیں گے جو کبھی ختم نہ ہوگی۔

[وسائل الوصول مترجم ص ۷۱ 'مطبوعہ المعارف' گنج بخش روڈ' لاہور]

شرح السنۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے:

یرکب الحمار العری ویجیب دعوۃ المملوک وینام علی الارض ویجلس علی الارض ویاکل علی الارض.

آپ برہنہ پشت گدھے پر سواری فرماتے' غلاموں کی دعوت قبول فرماتے' زمین پر سوتے' زمین پر بیٹھتے اور زمین پر کھانا کھاتے۔

[انوار غوثیہ شرح الشمائل النبویہ ص ۴۲۳-۴۲۱ 'مطبوعہ ادارہ تصنیفات امام احمد رضا' کراچی]

یاد رہے کہ مصائب وآلام اور تکالیف وشدائد میں مبتلا ہونے پر عام مسلمانوں کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور انہیں اجر وثواب دیا جاتا ہے جبکہ انبیائے کرام علیہم السلام اور مقربین وصالحین کو کئی گنا زیادہ اجر وثواب ملتا ہے اور ان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۲۸ - کِتَابُ الْجِنَايَاتِ — جنایات کے احکام

۱ - بَابُ حُصُوْلِ الْجَنَّةِ مِنْ عَفْوِ دَمِ الْمُسْلِمِ — مسلمان کا خون معاف کرنے پر جنت کا ملنا

۴۸۴ - **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَفَا عَنْ دَمٍ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کا خون معاف کر دیا تو اس کا اجر وثواب صرف جنت ہے۔

کنز العمال (۳۹۸۵۴) ابوداؤد (۴۴۹۷) نسائی (۴۷۸۷) ابن ماجہ (۲۶۹۲)

حل لغات

''عَفَا'' یہ صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: معاف کرنا' درگزر کرنا۔

معاف کرنے' عبادت کی مشقت پر صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کا انعام

حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی نداء کرے گا کہ اہلِ فضل کھڑے ہو جائیں' پھر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے' ان سے کہا جائے گا کہ تم جنت کی طرف چلے جاؤ' راستہ میں ان سے فرشتے ملیں گے اور کہیں گے: تم کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے: جنت کی طرف' فرشتے کہیں گے: حساب سے پہلے؟ وہ کہیں گے: ہاں! فرشتے پوچھیں گے: تم کون ہو؟ وہ کہیں گے: ہم اہلِ فضل ہیں' فرشتے پوچھیں گے: تمہاری کیا فضیلت ہے' وہ کہیں گے: جب کوئی ہم سے جاہلانہ بات کرتا تو ہم بردباری سے کام لیتے اور جب کوئی ہم پر ظلم وستم کرتا تو ہم معاف کر دیتے اور جب کوئی ہمارے ساتھ زیادتی کرتا تو ہم درگزر سے کام لیتے اور معاف کر دیتے۔ فرشتے کہیں گے: تم جنت میں داخل ہو جاؤ' نیک کام کرنے والوں کے لیے کیا خوب اجر وثواب ہے' پھر ایک منادی نداء کرے گا کہ صبر کرنے والے کھڑے ہو جائیں' چنانچہ کچھ لوگ کھڑے ہوں گے' ان سے کہا جائے گا کہ تم جنت کی طرف چلے جاؤ' راستہ میں ان کو فرشتے ملیں گے' ان سے بھی اسی طرح مکالمہ ہوگا' وہ کہیں گے: ہم اہل صبر ہیں' فرشتے پوچھیں گے: تم نے کس چیز پر صبر کیا؟ وہ کہیں گے: ہم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشقت پر صبر کیا اور ہم صبر کر کے اللہ تعالیٰ کی

معصیت ونافرمانی سے بچے رہے' فرشتے کہیں گے: تم جنت میں داخل ہو جاؤ' نیک کام کرنے والوں کا کیا خوب اجر وثواب ہے' پھر ایک منادی نداء کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے پڑوسی کھڑے ہو جائیں' پھر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے اور وہ بہت کم لوگ ہوں گے' ان سے کہا جائے گا کہ تم جنت کی طرف چلے جاؤ' راستہ میں ان کو فرشتے ملیں گے اور ان سے بھی اسی طرح مکالمہ ہوگا' فرشتے پوچھیں گے: تم کس سبب سے اللہ تعالیٰ کے پڑوسی بنے؟ وہ کہیں گے: ہم اللہ عزوجل کی رضا کے لیے لوگوں سے ملتے تھے' ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مجلس میں شریک ہوتے تھے اور ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرتے تھے' فرشتے کہیں گے: تم جنت میں داخل ہو جاؤ' پس نیک عمل کرنے والوں کا کیا خوب اجر وثواب ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) ایک منادی دوبار نداء کرے گا کہ جس شخص کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے' وہ جنت میں داخل ہو جائے تو جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو معاف کر دیا ہوگا' وہ اُٹھ کر کھڑا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ. (الشوریٰ: ۴۰)

جس شخص نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔

[تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۶۲۳-۶۲۲ 'مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار' لاہور]

۲ - بَابُ دِيَةِ اَهْلِ الْكِتَابِ — اہل کتاب کی دیت (خون بہا) کا بیان

۴۸۵ - **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دِيَةُ الْيَهُوْدِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ مِثْلُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: یہودی اور نصرانی کی دیت (خون بہا) مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔

دیت کا معنی اور اس کے احکام

وہ مال جو مقتول کے ورثاء کو مقتول کی جان کے عوض میں دیا جاتا ہے' اس کو دیت کہتے ہیں' اگر مسلمان مقتول کے قرابت دار کافر ہوں تو ان کو دیت نہیں دی جائے گی کیونکہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا' مسلمان مقتول کے جو وارث مسلمان ہوں ان کو دیت ادا کی جائے گی۔ علامہ فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے لکھا ہے کہ دیت کا معنی ہے: مقتول کا حق۔ [القاموس ج ۴ ص ۵۷۹] اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی مسلمان یا ذمی کو ناحق قتل کرنے یا اس کے کسی عضو کو ناحق تلف کرنے کی وجہ سے جو شرعاً مالی تاوان لازم آتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں اور بعض اوقات جان کے تاوان کو دیت اور عضو کے تاوان کو ارش کہتے ہیں۔

[ماخوذ از: تفسیر تبیان القرآن ج ۲ ص ۵۶۷ 'مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ امام طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ ''دیۃ الذمی دیۃ المسلم'' یعنی ذمی کی وہی دیت ہے جو مسلمان کی دیت ہے لیکن یہ اس حدیث کے معارض ہے' جسے ابوداؤد نے حضرت ابن عمر سے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ معاہد کی دیت آزاد کی دیت کا نصف ہے اور سنن ترمذی میں ہے کہ کافر کی دیت مسلم کی دیت کا نصف ہے۔ اور علماء دین کا اتفاق ہے کہ آزاد مسلمان مرد کی دیت معاہد قاتل کے مال میں سو اونٹ ہے' جب دیت پر صلح ہو' پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ دیت نقد ادا ہوگی یا مہلت کے ساتھ سوا امام مالک' امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا: یہ

دیت نقد ادا کرنا ہوگی اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: یہ دیت مہلت کے ساتھ تین سال میں ادا کی جائے گی۔ اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی دیت میں اختلاف ہے' امام ابوحنیفہ نے فرمایا: ان کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے' خواہ قصداً قتل ہوا یا غلطی سے ہوا اور امام احمد نے فرمایا: اگر یہودی یا نصرانی نے معاہدہ کیا ہوا ہے اور اسے کسی مسلمان نے قصداً قتل کر دیا تو اس کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہوگی اور اگر اسے غلطی سے قتل کیا گیا تو دو روایتیں ہیں' ایک روایت میں مسلمان کی دیت کا نصف ہوگا اور خرقی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور امام احمد کی دوسری روایت میں ہے کہ مسلمان کی دیت کا ایک تہائی ہوگی اور قرآن مجید کا ظاہر امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق ہے' کیونکہ قرآن نے مسلم اور کافر کے بارے میں قصداً اور غلطی سے قتل ہونے میں فرق نہیں کیا۔ واللہ اعلم بالسرائر!

[شرح مسند امام اعظم ص ۲۰۹-۲۰۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

امام زہری نے یہ حدیث حضرت سعید بن میتب کے واسطہ سے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے بلکہ اصح ہے اور جب امام اعظم ابوحنیفہ کو یہ صحیح ترین بلکہ اصح حدیث پہنچ گئی تو ان کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کی مخالفت کریں اور اس حدیث سے امام مالک اور امام شافعی کے مذہب کی تردید ہو جاتی ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم ہے' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے' آپ نے فرمایا کہ ہر صاحب عہد کی دیت اس کے عہد کے دوران ایک ہزار دینار ہے (امام اعظم کا بھی یہی مؤقف ہے)۔ علامہ عینی نے بنایہ میں فرمایا ہے کہ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو مراسیل میں بیان کیا ہے کہ حضرت سعید بن میتب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر صاحب عہد کی دیت اس عہد کے دوران ایک ہزار دینار ہے اور امام شافعی نے اپنی مسند میں اس حدیث کو حضرت سعید بن میتب پر موقوف قرار دیا ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی نے حضرت سعید بن میتب سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر ذی عہد کی دیت اس کے عہد کے دوران ایک ہزار دینار ہے اور سب کا اتفاق ہے کہ حضرت سعید بن میتب کی مراسیل مقبول ہیں اور اسی طرح موقوف حدیث مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کیونکہ یہ حدیث قیاس کے مخالف ہے کہ اس میں مماثلت کا ظہور نہیں' نیز ہمارے مذہب میں احتیاط پر عمل کیا جاتا ہے جیسا کہ عام مسائل میں ہمارے امام ابوحنیفہ کا طریقہ ہے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام' حاشیہ: ۴' ص ۲۱۷' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ روایت کرتے ہیں: ابراہیم نخعی نے کہا: ذمی مرد کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ [کتاب الآثار: ۹۶۹]

زہری نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل ذمہ کی دیت آزاد مسلمان کے برابر ہے۔

[کتاب الآثار: ۹۷۲]

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابوالہیثم روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ذمی کی دیت آزاد مسلمان کے برابر ہے۔ [کتاب الآثار: ۵۸۷]

زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے نصرانی کی دیت اور یہودی کی دیت کو آزاد مسلمان کے برابر قرار دیا' امام محمد نے کہا: ہمارا اسی حدیث پر عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ [کتاب الآثار: ۵۸۹]

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ذمی کی دیت مسلم کی دیت کے مثل ہے۔
[المعجم الاوسط: ۷۹۵]

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابوکرز ضعیف ہے لیکن باقی احادیث اور آثار صحیحہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف پر قوی دلیل ہیں اور ظاہر قرآن بھی آپ کے مؤقف پر دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید نے مسلم اور کافر کی دیت عمد اور دیت خطا میں کوئی فرق نہیں کیا۔

[ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۲ ص ۷۶۱' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

۳- بَابُ وَقْتِ الْقِصَاصِ مِنَ الْجِرَاحِ

زخموں میں قصاص لینے کا وقت

۴۸۶- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُسْتَقَادُ مِنَ الْجِرَاحِ حَتّٰى تَبْرَاَ. مسند احمد (۷۰۳۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زخموں میں قصاص نہیں لیا جائے گا یہاں تک کہ زخم درست ہو جائے۔

حل لغات

''لَا يُسْتَقَادُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع مجہول منفی' باب استفعال سے ہے' اس کا معنی ہے: قصاص کا مطالبہ کرنا' کسی کا مطیع ہونا' قیادت کی خواہش کرنا' متواضع ہونا۔ ''تَبْرَاَ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل مضارع معروف' باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: درست ہونا' اچھا ہونا' بَری ہونا' نجات پانا۔ ''اَلْجِرَاحُ'' جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے اور یہ ''جِرَاحَةٌ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: زخم' جراح کا پیشہ' گناہ۔

احناف کے دلائل

ائمہ اربعہ میں سے صرف امام شافعی نفس کے قصاص پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زخم میں بھی فوراً جارح سے قصاص و بدلہ لیا جائے گا' لیکن ان کے قیاس کے جواب میں مسند امام اعظم کی صحیح الاسناد یہ صحیح حدیث حجت کے لیے کافی ہے اور ہمارے مؤقف کی تائید کے لیے مزید نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ زخموں میں ایک سال تک تاخیر کی جائے۔ اور اس لیے بھی کہ زخموں میں انجام کا اعتبار ہوتا ہے حال کا نہیں' کیونکہ زخموں کا حکم فی الحال معلوم نہیں ہو سکتا' اس لیے کہ ممکن ہے کہ سخت اور گہرا زخم ٹھیک ہو جائے اور ہلکا اور کم گہرا زخم بگڑ جائے اور جان لیوا ثابت ہو جائے' لیکن ایک سال تک تاخیر کرنے میں زخم کے ٹھیک ہونے پر جارح سے اسی وقت قصاص لیا جائے گا جس قدر مجروح کو زخم لگایا گیا اور یہی عدل و انصاف ہے۔ علامہ عینی نے اس حدیث کی تخریج میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کو دارقطنی نے اپنی سنن میں یزید بن عیاض سے از ابی الزبیر از جابر روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زخموں میں اندازہ لگایا جائے گا اور ایک سال تک تاخیر کی جائے گی (تاکہ زخم ٹھیک ہو جائے)' پھر مجروح کے زخم کی مقدار کے مطابق جارح سے قصاص لینے کا فیصلہ کیا جائے گا۔

دارقطنی نے کہا ہے کہ یزید بن عیاض ضعیف و متروک ہے اور بیہقی نے اس حدیث کو ابن لہیعہ سے از ابی الزبیر از جابر مرفوع روایت کیا ہے' لیکن ابن لہیعہ کو معلول قرار دیا ہے' انتہیٰ۔ جواب: مذہب حنفی کے استدلال کے لیے کئی وجوہات ہیں' پہلی وجہ تو وہ صحیح حدیث ہے جسے امام ابوحنیفہ نے اپنی مسند میں حضرت عامر شعبی کے واسطے سے حضرت جابر سے مرفوع روایت کیا ہے اور یہ صحیح الاسناد

حدیث حجت کے لیے کافی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ابن لہیعہ صدوق (بہت سچ بولنے والے) راوی ہیں' اس لیے ان کی روایت مقبول ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ دار قطنی اور بیہقی کی روایت کردہ دونوں روایات کو اگر ضعیف تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی یہ دونوں روایتیں متعدد اور کثرتِ طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے ضعف کے درجہ سے نکل حسن کے درجہ پر ترقی کر چکی ہیں اور حجت کی صلاحیت رکھتی ہیں اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ قیاس بھی ہماری تائید و توثیق کرتا ہے جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے' پھر ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ زخم ٹھیک ہونے سے پہلے قصاص نہ لیا جائے' لیکن جب زخم ٹھیک ہو جائے تو پھر مجروح کے زخم کی مقدار کے مطابق جارح سے قصاص لیا جائے تا کہ عدل و انصاف میں کمی و بیشی نہ ہو جائے۔ امام مالک' امام احمد بن حنبل اور اکثر اہلِ علم اسی کے قائل ہیں۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام' حاشیہ:۴' ص ۲۱۸' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

علامہ ابن کثیر نے مسند امام احمد کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں چوٹ ماری اور وہ شخص نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! آپ مجھے بدلہ دلوایئے' آپ نے فرمایا: پہلے تو تندرست ہو جا' لیکن پھر آ کر عرض کیا کہ آپ مجھے بدلہ دلوایئے' سو آپ نے اس کو بدلہ دلوا دیا' وہ آدمی پھر آیا' عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! میں تو (زخم بگڑنے کی وجہ سے) لنگڑا ہو گیا ہوں' آپ نے فرمایا: میں نے تجھے منع کیا تھا لیکن تو نے میری بات نہیں مانی' سو اب تمہارے لنگڑے پن کا کچھ بدلہ نہیں' پھر اس کے بعد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زخم ٹھیک ہونے سے پہلے بدلہ لینے سے منع فرما دیا۔

[مختصر تفسیر ابن کثیر' عربی' ج ا ص ۵۲۲' مطبوعہ دار القرآن الکریم' بیروت' مترجم' ج ا ص ۱۰۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی]

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۲۹ - كِتَابُ الْاَحْكَامِ

فیصلوں اور مقدموں کی اہمیت

١ - بَابُ الْاِمَارَةِ

حکومت کی اہمیت و ذمہ داری کا بیان

۴۸۷- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ الْاِمَارَةُ اَمَانَةٌ وَّهِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَّنَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَهَا مِنْ حَقِّهَا وَاَدَّى الَّذِيْ عَلَيْهِ وَاَنّٰى ذٰلِكَ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! حکومت و منصب امانت ہے اور یہ قیامت کے دن ذلت و رسوائی اور ندامت و شرمندگی کا سبب ہوگی' سوائے اس شخص کے جس نے اسے حق کے ساتھ لیا اور جو ذمہ داریاں اس پر شریعت میں لازم تھیں' انہیں پوری طرح ادا کیا اور یہ کہاں ہوتا ہے؟

وَ فِيْ رِوَايَةٍ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ عَنْ اَبِيْ غَسَّالٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِمَارَةُ اَمَانَةٌ وَّهِيَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خِزْيٌ وَّنَدَامَةٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَهَا مِنْ حَقِّهَا وَاَدَّى الَّذِيْ عَلَيْهِ وَاَنّٰى ذٰلِكَ يَا اَبَا ذَرٍّ. مسلم (۴۷۱۹) مسند احمد (۲۱۸۴۵)

اور ایک روایت میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: حکومت و عہدہ امانت ہے اور یہ قیامت کے دن ذلت و رسوائی اور ندامت و شرمندگی کا باعث ہوگی' ماسوا اس شخص کے جس نے اسے حق کے ساتھ لیا اور جو ذمہ داریاں شرعاً اس پر لازم تھیں' انہیں پوری طرح ادا کیا اور اے ابوذر! یہ کہاں ہوتا ہے؟

حل لغات

''اَلْاِمَارَةُ'' اس سے مراد حکومت' عہدہ' سرداری' منصب ہے۔ ''خِزْيٌ'' اس کا معنی ہے: ذلت' رسوائی۔ ''نَدَامَةٌ'' اس کا معنی

ہے: شرمندگی۔

حکومت و قضاء اہم ذمہ داری اور امانت ہے

علامہ ملا علی قاری اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''الامارة امانة'' کا مطلب ہے کہ حکومت و سرداری بہت بڑی ذمہ داری ہے کیونکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں اس کے ساتھ متعلق ہیں' ایک طرف اسلامی حدود و قوانین کے مکمل نفاذ و اجراء کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے تو دوسری طرف بندوں کے حقوق کا مکمل تحفظ اور ان میں عدل و انصاف قائم کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے' سو اس لیے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ○ (الاحزاب:۷۲)

بے شک ہم نے ایک امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی' سو انہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور وہ اس (کی ذمہ داری) سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اُٹھا لیا' بے شک یہ حد سے بہت بڑھنے والا بڑا نادان ہے ○

میں امانت سے یہی حکومت و سرداری کی ذمہ داری پوری کرنا مراد ہو اور اس کی تائید نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ.

یعنی تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

ہاں البتہ حکمرانوں اور نگہبانوں کے مراتب مختلف ہیں۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۴۲۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

اس حدیث میں لفظ ''راعی'' استعمال کیا گیا ہے' جس کا لفظی معنی ہے: چرواہا' جو بھیڑ بکریاں چراتا ہے اور ان کی دیکھ بھال کرتا ہے' سو جس طرح چرواہا اپنے ریوڑ کا رکھوالا اور نگہبان ہے' اسی طرح ہر شخص اپنے زیر اثر لوگوں کا نگہبان اور ذمہ دار ہے جن کے بارے میں وہ جواب دِہ ہے' قیامت کے روز ہر شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی رعیت اور اپنے ماتحت لوگوں کے بارے میں جواب دِہ ہو گا' مثلاً والد اپنے خاندان اور اولاد کے لیے ذمہ دار ہے' قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تم نے اپنے خاندان اور اولاد کو اسلام کی راہ پر چلایا تھا یا شیطان کے راستے پر؟ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کیسی کی؟ انہیں حلال روزی کھلائی یا حرام؟ اسی طرح شوہر اپنی بیوی کا ذمہ دار ہے' اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے اپنی بیوی کا حق کیسے ادا کیا؟ اسے شرعی احکامات کا پابند بنایا' یا اسے شترِ بے مہار کی طرح چھوڑ دیا تھا؟ اس سے پردے اور شرم و حیاء کی پابندی کہاں تک کرائی؟ اسی طرح بڑا بھائی اپنے بہن بھائیوں کا ذمہ دار ہے کہ وہ انہیں غلط راستے پر نہ چلنے دے' آج کل عورتوں میں جس قدر وسیع پیمانے پر بے پردگی دیکھنے میں آ رہی ہے' اس کی ذمہ داری براہِ راست والدین' شوہر' بھائیوں اور دیگر اعزہ و اقارب پر عائد ہوتی ہے' اگر یہ لوگ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور محسوس کریں تو اس قسم کی بے راہ روی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

ہر محکمے کا افسر اپنے محکمے کا ذمہ دار ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس سے اس کے محکمے کا حساب لے گا' ڈپٹی کمشنر اپنے ضلع کا' کمشنر اپنی کمشنری کا' گورنر اپنے صوبے کا' وزیر اپنے محکمے کا اور ملک کا صدر پورے ملک کا ذمہ دار ہے۔ گویا جوں جوں دائرۂ اثر بڑھتا جائے گا' اسی قدر ذمہ داری میں اضافہ ہوتا جائے گا' بہر حال اگر ہر فرد اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے اور اسے صحیح طور پر سرانجام دے تو معاشرہ صحیح بنیادوں پر استوار ہو سکتا ہے اور پورا ملک امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

(۱) امام بخاری' امام احمد اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بے شک تم عنقریب امارۃ وحکومت اور سرداری کی خواہش کرو گے حالانکہ وہ قیامت کے روز ندامت وشرمندگی کا باعث ہوگی۔

(۲) طبرانی اور بزار نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عوف بن مالک سے روایت کیا ہے کہ حکومت وسرداری کا پہلا وبال ملامت ہے' دوسرا ندامت ہے اور تیسرا قیامت کے روز عذاب ہے' ماسوا اس شخص کے جس نے اپنے دورِ حکومت میں عدل وانصاف کو قائم رکھا۔

(۳) نیز طبرانی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: حکومت وسرداری اس شخص کے لیے بہت اچھی چیز ہے' جس نے اس کو حق کے ساتھ لیا اور اس کی ذمہ داریوں کو پورا کیا اور یہ حکومت وسرداری اس شخص کے لیے بہت بُری چیز ہے' جس نے اس کو ناحق طریقہ (ظلم ودھاندلی) سے لیا کیونکہ یہ چیز قیامت کے دن اس کے لیے حسرت وافسوس اور ندامت وشرمندگی کا باعث ہوگی۔

(۴) امام مسلم نے حضرت ابوذر غفاری سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھے کسی علاقہ کا حاکم کیوں نہیں بناتے؟ آپ نے اپنا ہاتھ میرے کندھوں پر رکھا' پھر فرمایا: اے ابوذر! بے شک تم ضعیف وکمزور آدمی ہو اور حکومت وسرداری قیامت کے دن ذلت ورسوائی اور ندامت وشرمندگی کا باعث ہوگی' سوائے اس آدمی کے جس نے اسے حق کے ساتھ لیا اور اس کی ذمہ داریوں کو پورا کیا۔

(۵) ابوالقاسم بن بشر نے اپنی امالی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص میری اُمت کے معاملات کو چلانے کے لیے حکمران بنا' اسے قیامت کے روز پل صراط پر کھڑا کیا جائے گا اور فرشتے اعمال ناموں کے صحیفے کھولیں گے' سو اگر وہ شخص عادل ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کے عدل کے سبب اسے نجات دے دے گا اور اگر وہ ظالم ہوا تو اس کے اعضاء توڑ کر الگ الگ کیے جائیں گے' یہاں تک کہ اس کے اعضاء میں سے ہر دو اعضاء کے درمیان سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہوگا' پھر اسے دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

(۶) الخطیب نے اپنی تاریخ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس حاکم وسردار نے اپنی رعایا سے حکومت وسرداری طلب کی' پھر اس نے اپنی رعایا کے ساتھ نصیحت' خیر خواہی اور امانت ودیانت کا برتاؤ نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کو تنگ کر دے گا حالانکہ اس کی رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام حاشیہ: ۲' ص ۲۱۹' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

۲- بَابٌ الْإِمَامُ الْعَادِلُ أَرْفَعُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

قیامت کے دن عادل بادشاہ سب سے زیادہ بلند درجہ پر فائز ہوگا

۴۸۸- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَرْفَعَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِمَامٌ عَادِلٌ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک قیامت کے دن تمام لوگوں سے زیادہ بلند درجہ پر عادل بادشاہ فائز ہوگا۔

ترمذی (۱۳۲۹) مسند احمد (۱۱۱۹۰) شعب للبیہقی (۷۳۶۶) سنن الکبریٰ للبیہقی (۱۹۹۵۶)

عادل بادشاہ کی فضیلت

عادل بادشاہ کا درجہ اس لیے سب سے زیادہ بلند ہوگا کہ اس نے دنیا میں اپنی ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حق (عدل و انصاف کی ذمہ داری) کو پورا کیا اور اس کی مخلوق میں عدل وانصاف قائم کر کے ان کے حقوق کو بھی پورا کیا۔

(۱) امام احمد' ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابواسحاق کے واسطے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ تین قسم کے آدمی ہیں جن کی دعارد نہیں کی جاتی: (۱) عادل ومنصف بادشاہ (۲) روزہ دار جب روزہ افطار کرتا ہے (۳) اور مظلوم کی دعا۔

(۲) امام حاکم اور دیلمی کی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ تین آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنا سایہ عطاء فرمائے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کسی کا سایہ نہیں ہوگا: (۱) امانت دار تاجر (۲) اعتدال کی راہ پر چلنے والا عادل بادشاہ (۳) اور دن کو (نماز کے لیے) سورج کا خیال رکھنے والا۔

(۳) امام احمد' ترمذی اور بیہقی کی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے روز نشست کے اعتبار سے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ محبوب ومقرب عادل بادشاہ ہوگا' اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام لوگوں میں سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے زیادہ سخت عذاب پانے والا ظالم بادشاہ ہوگا۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۲۹۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

۳- بَابٌ الْقُضَاةُ ثَلَاثَةُ اَنْوَاعٍ

قاضیوں کی تین اقسام ہیں

۴۸۹- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ خُبَيْبِ بْنِ اَبِىْ ثَابِتٍ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقُضَاةُ ثَلٰثَةٌ قَاضِيَانِ فِى النَّارِ وَقَاضٍ يَقْضِىْ فِى النَّاسِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيُوْكِلُ بَعْضَهُمْ مَالَ بَعْضٍ وَّقَاضٍ يَتْرُكُ عِلْمَهٗ وَيَقْضِىْ بِغَيْرِ الْحَقِّ فَهٰذَانِ فِى النَّارِ وَقَاضٍ يَقْضِىْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ فِى الْجَنَّةِ.

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قاضیوں (ججوں) کی تین قسمیں ہیں' دو دوزخی ہیں اور (ایک) قاضی وہ ہے جو قرآن وسنت کے علم کے بغیر فیصلے کرتا ہے اور (ناحق فیصلہ کر کے) ایک کا مال دوسرے کو کھلاتا ہے اور (دوسرا) قاضی وہ ہے جو اپنے علم پر عمل کرنے کو ترک کر دیتا ہے اور غلط وناحق فیصلے کرتا ہے' سو یہ دونوں دوزخ میں جائیں گے اور (تیسرا) قاضی وہ ہے جو کتاب اللہ (قرآن وسنت) کے مطابق فیصلے کرتا ہے' سو یہ قاضی جنت میں جائے گا۔

ترمذی (۱۳۲۲م) ابوداؤد (۳۵۷۳) ابن ماجہ (۲۳۱۵)

حل لغات

"اَلْقُضَاةُ" یہ قاضی کی جمع مکسر ہے' اس کا معنی ہے: مقدمات کا فیصلہ کرنے والا جج۔ "یُوْکِلُ" یہ صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: کھلانا۔

منصب قضاء کی اہمیت

اکثر علماء اور مصنفین نے منصب قضاء سے احتراز کو بیان کرنے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور منصب قضاء سے اعراض اور فرار کی بہت فضیلت بیان کی ہے' حتیٰ کہ بہت سے فقہاء اور صالحین کے دماغوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ جس نے منصب قضاء کو قبول کر لیا' اس کا دین خطرہ میں پڑ گیا اور اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لیا' یہ بات بالکل غلط ہے اور اس سے رجوع اور توبہ کرنا واجب

ہے' بلکہ اس عظیم منصب کی تعظیم کرنا ضروری ہے' انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مظلوم تک اس کا حق پہنچایا جائے' اللہ تعالیٰ کی حدود کو نافذ و قائم جائے اور عدل و انصاف کو پھیلایا جائے اور اسے عام کیا جائے' تاکہ ظلم و ستم کا خاتمہ کیا جائے اور اس عدل و انصاف کی وجہ سے ہی زمین و آسمان قائم ہیں' قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ میں قضاء کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے (جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں) اور جن احادیث میں قاضیوں پر وعید کا ذکر ہے' وہ ظالم اور جاہل قاضیوں کے متعلق ہیں اور جس حدیث میں ہے کہ جس شخص کو قاضی بنا دیا گیا' اس کو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ [ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ' دارقطنی وغیرہ] بعض علماء نے کہا: اس حدیث میں منصب قضاء کو قبول کرنے سے اجتناب اور احتراز کی ہدایت دی گئی ہے۔ اور بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث منصب قضاء کی فضیلت ہے اور عظمت کی دلیل ہے کیونکہ جو شخص منصب قضاء قبول کرتا ہے' وہ اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرتا ہے اور جو شخص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ گویا راہ حق میں بغیر چھری کے ذبح کر دیا جاتا ہے کیونکہ جو شخص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرتا ہے تو اہل ہوا' اور باطل پرست اس کے دشمن ہو جاتے ہیں' کبھی قاضی کا فیصلہ کسی بہت مال دار اور صاحبِ اثر و رسوخ کے خلاف ہوتا ہے اور کبھی اس کا فیصلہ حکومتِ وقت کے خلاف ہوتا ہے اور ان کے خلاف فیصلہ کرنا اپنی جان' مال اور عزت کو خطرہ میں ڈالنا ہے اور انگاروں سے کھیلنا ہے' پس قاضی حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کر کے راہِ حق میں ذبح ہو کر شہداء کے ساتھ واصل ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود حضرت علی بن ابی طالب' حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہم کو قاضی مقرر فرمایا' لہٰذا قضاء سے بچنے کے بارے میں جو احادیث ہیں وہ ظالمانہ' جاہلانہ فیصلے اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں کے بارے میں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قاضیوں کی تین قسمیں ہیں: دو قسم کے قاضی جہنم میں جائیں گے اور ایک قاضی جنت میں جائے گا' جو قاضی حق کے مطابق فیصلہ کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو قاضی جہالت سے فیصلہ کرے گا اور اہلِ علم سے پوچھنے میں عار محسوس کرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ یہ حدیث ظالم اور جاہل قاضی کے متعلق ہے لیکن جو شخص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرنے کی کوشش کرے اور کوشش کے باوجود اس کو فیصلہ میں خطاء اور غلطی لاحق ہو جائے تو وہ مجرم نہیں ہے بلکہ اس کو بھی اپنی کوشش کرنے کا ایک اجر ملے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَأَ فَلَهٗ اَجْرٌ.

[صحیح مسلم' کتاب الاقضیۃ' رقم الحدیث: ۴۳۷۳]

جب حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ (عند اللہ) صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر وہ اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ (عند اللہ) غلط ہو تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ O فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫.

(الانبیاء: ۷۸-۷۹)

اور (اے محبوب! یاد کیجئے) داؤد اور سلیمان جب دونوں ایک کھیت کے متعلق فیصلہ کر رہے تھے جبکہ ایک قوم کی بکریاں رات کے وقت اس میں چرنے چھوٹ گئیں اور ہم ان کے فیصلہ کے شاہد تھے O سو ہم نے اس کا صحیح حل سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے ان دونوں کو نبوت اور علم سے نواز دیا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ O (العنکبوت: ۶۹)

اور جو لوگ ہماری رضا جوئی میں کوشش کرتے ہیں' ہم ان کو ضرور اپنے راستے دکھاتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ضرور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے O

[شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۵۵-۵۴' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

٤- بَابٌ لَا يَقْضِى الْحَاكِمُ فِى الْغَضَبِ

حاکم غضب کی حالت میں فیصلہ نہ کرے

٤٩٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ اَبِىْ بَكْرَةَ اَنَّ اَبَاهُ كَتَبَ اِلَيْهِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَقْضِى الْحَاكِمُ وَهُوَ غَضْبَانُ.

حضرت ابوبکرہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نے انہیں ایک خط لکھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی جج غضب کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

بخاری (۶۷۳۹) مسلم (۴۴۹۰) ابوداؤد (۳۵۸۹) ترمذی (۱۳۳۴) ابن ماجہ (۲۳۱۶) نسائی (۵۴۰۸)

حل لغات

''غَضْبَانٌ'' یہ اسم صفت ہے' باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: غضب ناک ہونا' ناراض ہو جانا' بغض رکھنا اور بلاسبب غصہ ہونا۔

حالتِ غضب میں فیصلہ کرنے کی ممانعت کی وجہ

قاضی کو حالت غضب میں فیصلہ کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ غضب اور غصہ کے وقت قاضی فریقین کے مقدمہ میں صحیح غور و فکر نہیں کر سکتا کیونکہ حالت غضب میں انسان کی عقل اور نفس پر غصہ غالب ہوتا ہے اور اس کا مزاج اعتدال کی حالت میں نہیں رہتا' ایسی صورت میں حق سے تجاوز کرنے اور غلط فیصلہ کرنے کا امکان بڑھ جاتا ہے' چنانچہ ہر وہ حالت جس میں قاضی کا دل و دماغ کسی معاملہ کی وجہ سے پریشان ہو' جیسے بھوک' پیاس' سخت گرمی' سخت سردی' بیماری' غم و رنج یا بہت زیادہ خوشی وغیرہ' سو ان حالات میں قاضی کا فیصلہ نافذ تو ہو جائے گا مگر یہ فیصلہ مکروہ ہوگا۔ [شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۷۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۷ ص ۲۳۶' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان' اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۳۲۰' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر' مرأۃ شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۳۷۶' مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات' شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۵۳' مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار' لاہور]

یاد رہے کہ مسند امام اعظم کے موجودہ نسخہ میں اور شرح ملا علی قاری میں از عبدالملک از ابی بکرۃ ہے' لیکن صحیح اور درست روایت از عبدالملک بن عمیر از ابن ابی بکرۃ از والد خود ہے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں از شعبۃ از عبدالملک بن عمیر اور امام ترمذی نے از ابی عوانۃ از عبدالملک روایت کیا ہے اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں:

قال سمعت عبد الرحمٰن بن ابی بکرة قال کتب ابی ابو بکرة الٰی ابنه وکان بسجستان بان لا تقضی بین اثنین وانت غضبان فانی سمعت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول لا یقضی حاکم بین اثنین وھو غضبان.

عبدالملک نے کہا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ سے سنا ہے' انہوں نے کہا ہے کہ میرے والد ابوبکرہ نے اپنے بیٹے کی طرف لکھا جو بجستان میں قاضی تھا کہ تم دو آدمیوں کے درمیان اس وقت ہرگز فیصلہ نہ کرنا جبکہ تم غضب ناک ہو چکے ہو۔

اور امام ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:

قال كتب ابى الى عبيد الله بن ابى بكرة وهو قاض ان لا تحكم بين اثنين وانت غضبان فانى سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول لا يحكم الحاكم بين اثنين وهو غضبان.

عبدالرحمٰن نے کہا ہے کہ میرے والد نے عبیداللہ بن ابی بکرہ کی طرف لکھا اور وہ قاضی تھے کہ تم دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرنا جبکہ تم غضب ناک ہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قاضی دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور ابوبکر کا نام نفیع ہے اور امام مسلم نے بھی یہ حدیث از ابی عوانہ از عبدالملک بن عمیر از عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ روایت کی ہے نیز ابوداؤد نے باب القضاء میں اور نسائی نے فی القضایا میں اور ابن ماجہ نے فی الاحکام میں یہ حدیث اسی طرح بیان کی ہے۔[تنسیق النظام حاشیہ:۱۰' برمسند امام اعظم ص ۲۲۰' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

٥- بَابُ رَفْعِ الْقَلَمِ عَنْ ثَلَاثَةِ اَشْخَاصٍ
تین شخصوں سے قلم اُٹھالیا گیا ہے

٤٩١- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلٰثَةٍ عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَكْبُرَ وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يُفِيْقَ وَعَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے (شریعت کی ذمہ داری کا) قلم اُٹھالیا گیا ہے: (۱) بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے' (۲) دیوانہ یہاں تک کہ وہ تندرست ہو کر عقل و ہوش والا ہو جائے' (۳) سویا ہوا شخص یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ حَمَّادٍ عن سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلٰثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يُفِيْقَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ.

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں سے (شرعی تکلیف کا) قلم اُٹھالیا گیا ہے: (۱) سویا ہوا شخص یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے' (۲) دیوانہ آدمی یہاں تک کہ وہ عقل و ہوش میں آ جائے' (۳) بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے۔

ابوداؤد(٤٤٠٣)ترمذی(١٤٢٣)ابن ماجہ(٢٠٤١)ابن حبان(١٤٢)مستدرک للحاکم(ج ۲ص ۵۹)مسند احمد(٥٢٢٠١)

حل لغات

''رُفِعَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی مجہول مثبت' باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی ہے: اُٹھانا' اوپر لے جانا' بلند کرنا۔ ''يَكْبُرُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب كَرُمَ يَكْرُمُ سے ہے' اس کا معنی ہے: بڑا ہونا' بلند مرتبہ ہونا' عمر رسیدہ ہونا۔ ''يُفِيْقُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: افاقہ' دیوانگی کے بعد عقل کا لوٹ آنا' صحت یاب ہونا' نشہ سے ہوش میں آنا۔

مجنون اور نابالغ بچہ کے مکلّف نہ ہونے کی وجہ

اس حدیث میں تین قسم کے آدمیوں کو غیر ذمہ دار قرار دیا گیا اور مرفوع القلم کا بھی یہی معنی ہے کہ یہ لوگ شرعی طور پر نہ تو فرائض کی ادائیگی کے پابند ہیں اور نہ حدود و محرمات میں سے کسی چیز کی خلاف ورزی کرنے پر سزا کے مستحق ہیں اور نہ ان کے معاملات معتبر

ہیں' البتہ بچہ جب بالغ ہو جائے گا اور مجنون و دیوانہ صحت یاب و عقل مند ہو جائے گا اور سویا ہوا شخص بیدار ہو جائے تو مذکورہ بالا تمام چیزوں کی پابندی ان پر لازم اور واجب ہو جائے گی۔ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

امام احمد' امام ابوداؤد اور امام حاکم نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور ان دونوں راویوں کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

رفع القلم عن ثلاثة' عن المجنون المغلوب على عقله حتى يبرأ وعن النائم حتى يستيقظ وعن الصبى حتى يحتلم.

تین قسم کے افراد سے شرعی تکلیف کا قلم اُٹھالیا گیا ہے: (۱) مجنون و دیوانہ جس کی عقل پر دیوانگی اور پاگل پن غالب ہو یہاں تک کہ وہ تندرست و صحت یاب ہو جائے اور (۲) سویا ہوا شخص یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے اور (۳) بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۴۸۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

اور دراصل شریعت کی تکلیف اور ذمہ داری کا دار و مدار عقل اور بلوغت پر ہے' چنانچہ جب تک کوئی آدمی عقل مند اور بالغ و جوان نہیں ہو جاتا' اس وقت تک وہ شرعی احکام کا پابند نہیں ہوتا' سو اس لیے مجنون و دیوانہ آدمی اور نابالغ بچہ شرعی تکلیف کے پابند نہیں ورنہ تکلیف مالا یطاق (کہ انسانی طاقت سے بڑھ کر اسے ذمہ داری کا پابند بنانا) لازم آئے گا جو شرعاً جائز نہیں' کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط (البقرہ:۲۸۶)

اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اس کی وسعت و طاقت سے زیادہ تکلیف (ذمہ داری) نہیں دیتا۔

باقی رہا سویا ہوا شخص تو وہ بھی حالت نیند میں عقل و ہوش سے بیگانہ ہوتا ہے' اس لیے نیند کی حالت میں وہ شرعی تکلیف کا پابند نہیں رہتا۔

٦- بَابُ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ اَوْلٰى بِالْيَمِيْنِ
مدعیٰ علیہ قسم اُٹھانے کا زیادہ حق دار ہے

٤٩٢- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ اَوْلٰى بِالْيَمِيْنِ اِذَا لَمْ يَكُنْ بَيِّنَةٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مدعیٰ علیہ اس وقت قسم کھانے کا زیادہ حق دار ہو جاتا ہے جب (مدعی کے پاس) گواہ نہ ہوں۔

ابوداؤد(٣٦١٩)مصنف عبدالرزاق(١٤٧٤١)ابن عدی(٢٥٤)

حل لغات

''اَلْمُدَّعٰى عَلَيْهِ'' اس کا معنی ہے وہ شخص جس کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہے اور مدعی وہ شخص ہوتا ہے جو دعویٰ کرتا ہے۔ ''اَلْيَمِيْنُ'' اس کا معنی ہے: قسم۔ ''اَلْبَيِّنَةُ'' اس کا معنی ہے: گواہ' دلیل اور حجت۔

مدعی پر گواہ اور مدعیٰ علیہ پر قسم کا وجوب

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

(۱) امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے' جس کے الفاظ یہ ہیں:

المدعی علیه اولٰی بالیمین الا ان تقوم علیه البیّنة.

مدعیٰ علیہ قسم کھانے کا زیادہ حق دار ہے مگر یہ کہ مدعی کے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش ہو جائیں۔

یعنی اگر مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کر دے تو اس کے حق میں فیصلہ سنا دیا جائے گا اور اب مدعیٰ علیہ سے قسم لینے کی ضرورت نہیں۔

(۲) امام ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث روایت کی ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه.

یعنی گواہ پیش کرنا مدعی پر لازم ہیں اور قسم دینا مدعیٰ علیہ پر لازم ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لو یعطی الله الناس بدعواهم لادّعٰی رجال اموال قوم ودمائهم لٰکن البیّنة علی المدعی والیمین علی من انکر.

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو محض ان کے دعویٰ پر دے دیتا تو البتہ بہت سے آدمی لوگوں کے مال اور ان کے خون بہا لے لیتے لیکن مدعی پر (اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے) گواہ پیش کرنا واجب و لازم ہے اور منکر (مدعیٰ علیہ) پر قسم اُٹھانا واجب ہے۔

امام بیہقی وغیرہ نے اس حدیث کو حسن اور عمدہ اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۷۸-۷۷ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت]

اس باب کی حدیث میں احکامِ شریعت کے قواعد میں سے ایک اہم قاعدہ بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی انسان کا قول صرف اس کے دعویٰ کی وجہ سے قبول نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے قبول ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ یا تو وہ اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرے یا مدعیٰ علیہ اس کے دعویٰ کی تصدیق کر دے' اور نبی کریم ﷺ نے یہ بیان فرما دیا ہے کہ محض کسی شخص کے دعویٰ کی وجہ سے اس کو اس کا حق نہیں دیا جائے گا کیونکہ اگر ایسا ہو تو ہر قوم دوسری قوموں کی جانوں اور مالوں پر اپنے حق کا دعویٰ کرے گی اور مدعیٰ علیہ کی جان اور مال کی حفاظت ممکن نہیں رہے گی اور مدعی کی حفاظت تو گواہوں کے ذریعہ ممکن ہے۔ نیز اس حدیث میں امام شافعی اور جمہور فقہاء اسلام کے اس مؤقف پر دلیل ہے کہ ہر وہ شخص جس کے خلاف دعویٰ کیا جائے اس پر قسم کھانا لازم ہے' عام ازیں کہ اس کے اور مدعی کے درمیان کوئی ربط و اختلاط اور میل ملاپ ہو یا نہ ہو' اس کے برخلاف امام مالک' جمہور فقہاء مالکیہ اور فقہاء مدینہ کی یہ رائے ہے کہ ہر مدعیٰ علیہ پر قسم کھانا لازم نہیں ہے ورنہ اہل غرض اور جہلاء' شرفاء پر جھوٹے دعوے کر کے ایک دن میں ان پر کئی کئی قسمیں لازم کر دیں گے۔ سو اس لیے مدعیٰ علیہ پر قسم کے لزوم کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ میں کسی قسم کا کوئی ربط و تعلق اور اختلاط و ملاپ ہو' جس کی وجہ سے دعویٰ کی صحت کا غالب گمان ہو سکے۔ اور اختلاط کی تفسیر میں فقہاء مالکیہ کا اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ ایک یا دو آدمیوں کی شہادت سے یہ ثابت ہو کہ ان کے درمیان کوئی معاملہ یا قرض کا لین دین ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ باہمی معاملہ کا صرف شبہ کافی ہے اور جمہور فقہاء اسلام کی دلیل اس باب کی حدیث ہے جس کی رو سے مطلقاً ہر مدعیٰ علیہ پر قسم لازم ہے خواہ ان کے درمیان کسی قسم کا ربط و تعلق اور اختلاط و ملاپ ہو یا نہ ہو' اور کتاب' سنت اور اجماع میں اختلاط و رابطہ کی اصل پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

[شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۷۴ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی]

مدعی پر گواہ اور مدعیٰ علیہ پر قسم کے لزوم کی حکمت

مدعی پر گواہ لازم کرنے کی حکمت تو وہ ہے جس کا خود اس حدیث میں بیان ہے کہ اگر صرف مدعی کے دعویٰ کی بناء پر اس کی تصدیق کر دی جائے تو ہر شخص دوسرے شخص کی جان اور مال پر دعویٰ کرے گا' اس لیے ضروری ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ کی صداقت پر گواہ پیش کرے اور مدعیٰ علیہ چونکہ اس دعویٰ کا منکر ہوتا ہے' لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وہ قسم کھا کر اپنی براءت کو ثابت کرے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مدعی کی جانب ضعیف ہوتی ہے کیونکہ وہ اس کا دعویٰ کر رہا ہے جو دوسرے شخص کے قبضہ میں ہے اور ظاہر حال کا تقاضا یہ ہے کہ چیز اسی کی ہے جس کے قبضہ میں ہے' اس لیے مدعی کی جانب ظاہر حال کے خلاف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہوتی ہے' اس لیے اس پر گواہ پیش کرنا لازم ہے اور مدعیٰ علیہ کی جانب قوی ہوتی ہے کیونکہ ظاہر حال اس کا مؤید ہے' اس وجہ سے اس کے لیے قسم کھانا کافی ہے۔ [شرح صحیح مسلم ج ۵ ص ۷۳ 'مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

۷- بَابُ حُكْمِ اِخْتِلَافِ الْمُتَبَايِعِيْنَ

خرید و فروخت کرنے والوں کے باہمی اختلاف کا حکم

۴۹۳- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ اَنَّ رَجُلًا حَدَّثَهٗ اَنَّ الْاَشْعَثَ بْنَ قَيْسٍ اِشْتَرٰى مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَقِيْقًا فَتَقَاضَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ فَقَالَ الْاَشْعَثُ ابْتَعْتُ مِنْكَ بِعَشْرَةِ اٰلَافٍ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ بِعْتُ مِنْكَ بِعِشْرِيْنَ اَلْفًا فَقَالَ اِجْعَلْ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ مَنْ شِئْتَ فَقَالَ الْاَشْعَثُ اَنْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اُخْبِرُكَ بِقَضَاءٍ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ فِي الثَّمَنِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمَا بَيِّنَةٌ وَّالسِّلْعَةُ قَائِمَةٌ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ الْبَائِعُ اَوْ يَتَرَادَّانِ.

ابوداؤد (۳۵۱۱) ابن ماجہ (۲۱۸۶) نسائی (۴۶۵۳) مسند احمد (۴۴۴۷)

حضرت حماد سے روایت ہے کہ انہیں ایک آدمی نے بیان کیا کہ حضرت اشعث بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک غلام خریدا' پھر حضرت عبداللہ نے اس سے قیمت کا مطالبہ کیا تو حضرت اشعث نے کہا کہ میں نے آپ سے دس ہزار کے بدلے میں خریدا ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں نے تجھ سے بیس ہزار کے بدلے میں فروخت کیا ہے اور تم جس آدمی کو چاہو میرے اور اپنے درمیان قاضی مقرر کر لو' سو حضرت اشعث بن قیس نے کہا کہ آپ ہی میرے اور اپنے درمیان قاضی اور حکم ہیں' اس پر حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ فیصلہ بتاتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے' چنانچہ آپ فرماتے ہیں: جب خرید و فروخت کرنے والے قیمت کی مقدار میں جھگڑ پڑیں اور ان دونوں کے پاس گواہ نہ ہوں اور فروخت شدہ سامان بھی موجود ہو تو بات وہی معتبر و مقبول ہوگی جو بائع (یعنی فروخت کرنے والا) کہے گا یا وہ دونوں اس بیع کو فسخ کر کے نئے سرے سے بیع (سودا) کریں۔

۴۹۴- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ الْاَشْعَثَ بْنَ قَيْسٍ اِشْتَرٰى مِنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَقِيْقًا مِّنْ رَّقِيْقِ الْاِمَارَةِ فَتَقَاضَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ فَاخْتَلَفَا فِيْهِ فَقَالَ الْاَشْعَثُ اِشْتَرَيْتُ مِنْكَ بِعَشْرَةِ اٰلَافٍ

حضرت قاسم اپنے والد کے ذریعہ سے اپنے دادا سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت اشعث بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے خمس کے غلاموں میں سے ایک غلام خرید لیا' پھر حضرت عبداللہ نے حضرت اشعث سے غلام کی قیمت طلب کی' سو قیمت کی مقدار میں

دِرْهَمٍ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بِعْتُ مِنْكَ بِعِشْرِيْنَ اَلْفًا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اِجْعَلْ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ رَجُلًا فَقَالَ الْاَشْعَثُ فَاِنِّيْ اَجْعَلُكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ نَفْسِكَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَاِنِّيْ سَاَقْضِيْ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بِقَضَاءٍ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اخْتَلَفَ الْبَائِعَانِ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ الْبَائِعُ فَاِمَّا اَنْ يَّرْضَى الْمُشْتَرِيْ بِهٖ اَوْ يَتَرَادَّانِ الْبَيْعَ.

دونوں کا اختلاف ہو گیا' حضرت اشعث نے کہا: میں نے آپ سے دس ہزار درہم کے عوض میں یہ غلام خریدا ہے اور حضرت عبداللہ نے فرمایا: میں نے تجھے بیس ہزار کے بدلے میں فروخت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ تم میرے اور اپنے درمیان کسی آدمی کو حکم اور ثالث بنا لو' حضرت اشعث نے کہا: سو میں آپ کو اپنے اور آپ کے درمیان عادل وحاکم اور ثالث مقرر کرتا ہوں' حضرت عبداللہ نے فرمایا: پھر تو میں اپنے اور تمہارے درمیان وہ فیصلہ کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے' آپ فرماتے ہیں: جب بائع اور مشتری کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو بات وہی مقبول ہوگی جو بائع کہے گا اور مشتری (یعنی خریدار) یا تو اس کی بات پر راضی ہو جائے یا وہ دونوں اس بیع (سودے) کو فسخ کر کے نئے سرے سے بیع کر لیں۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ فَالَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اخْتَلَفَ الْبَائِعَانِ وَالسِّلْعَةُ قَائِمَةٌ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ اَوْ يَتَرَادَّانِ. زَادَ فِيْ رِوَايَةِ الْبَيْعِ.

اور ایک روایت میں حضرت قاسم اپنے والد (عبدالرحمٰن) کی وساطت سے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن مسعود) سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بائع اور مشتری کا آپس میں اختلاف ہو جائے اور سامان (مبیع) موجود ہو تو بائع کی بات مقبول ہوگی یا وہ دونوں بیع ردّ کر دیں۔ اور ایک روایت میں یہ زائد ہے کہ یا وہ دونوں بیع کو فسخ کر دیں۔

فِيْ رِوَايَةٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اِنَّ الْاَشْعَثَ اِشْتَرٰى مِنْهُ رَقِيْقًا فَتَقَاضَاهُ وَاخْتَلَفَا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بِعِشْرِيْنَ اَلْفًا وَقَالَ الْاَشْعَثُ بِعَشْرَةِ الْاٰفٍ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اخْتَلَفَ الْبَائِعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ اَوْ يَتَرَادَّانِ. ابوداؤد(۳۵۱۱) ابن ماجہ(۲۱۸٦) نسائی(٤٦٥۳) مسند احمد(٤٤٤٧)

اور ایک روایت حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ حضرت اشعث نے ان سے ایک غلام خرید لیا تو انہوں نے ان سے قیمت کا تقاضا کیا اور دونوں میں قیمت کی مقدار میں اختلاف ہو گیا' کیونکہ حضرت عبداللہ نے فرمایا: قیمت بیس ہزار ہے اور حضرت اشعث نے کہا: دس ہزار ہے' حضرت عبداللہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے' آپ نے فرمایا: جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے تو بات بائع کی معتبر ومقبول ہوگی' یا وہ دونوں بیع کو رد کر کے فسخ کر دیں۔

حل لغات

''رَقِيْقًا'' اس کا معنی ہے: غلام' پتلا' نرم' کمزور۔ ''تَقَاضَاهُ'' اس میں تَقَاضَا صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب تفاعل سے ہے' اس کا معنی ہے: تقاضا کرنا' مطالبہ کرنا' مانگنا اور ''ہٗ'' ضمیر آخر میں مفعول بہ ہے۔ ''اَلْبَيِّعَانِ'' اس کا مطلب ہے: بائع اور مشتری۔ ''اَلسِّلْعَةُ'' اس کا معنی ہے: سامان اور مبیع (فروخت شدہ چیز)۔ ''يَتَرَادَّانِ'' اس میں دال مشدد ہے' یہ صیغہ تثنیہ مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب تفاعل سے ہے' اس کا معنی ہے: باہم لوٹا لینا' ایک دوسرے کو واپس کرنا' رد کرنا۔

بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف کی صورت میں بائع کی بات معتبر ہوگی

امام ترمذی نے از عون بن عبداللہ از عبداللہ بن مسعود روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اذا اختلف البيعان فالقول قول البائع والمبتاع بالخيار.

یعنی جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے تو بات بائع کی معتبر ومقبول ہوگی اور مشتری کو اختیار ہے' چاہے تو اس پر راضی ہو جائے اور چاہے تو بیع فسخ کر دے۔

امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے' کیونکہ عوف بن عبداللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے ملاقات نہیں کی اور یہ حدیث قاسم بن عبدالرحمان از ابن مسعود از نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مروی ہے اور یہ حدیث بھی مرسل ہے۔ ابن منصور نے کہا: میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا ہے کہ جب بائع اور مشتری میں اختلاف وجھگڑا پیدا ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ سو آپ نے فرمایا: مالکِ سامان (یعنی بائع) جو کہے گا وہی معتبر ومقبول ہوگا' یا پھر وہ دونوں بیع فسخ کر دیں۔

[تنسیق النظام ص ۲۲۲' حاشیہ: ۴' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

علامہ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ مسند امام اعظم کی اس حدیث کو ابوداؤد' نسائی' حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ

اذا اختلف البيعان وليس بينهما بيّنة فهو ما يقول رب السلعة او يتاركان.

یعنی جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے اور ان دونوں کے پاس گواہ بھی نہ ہوں تو وہی بات معتبر ومقبول ہوگی جو سامان کا مالک (بائع) کہے گا یا پھر وہ دونوں اس بیع کو ترک کر دیں۔

اور ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود سے یوں روایت کیا ہے کہ

اذا اختلف البيعان فالقول قول البائع والمبتاع بالخيار.

جب بائع اور مشتری میں جھگڑا ہو جائے تو بائع کی بات معتبر ہوگی اور مشتری کے لیے اختیار ہے' چاہے اس پر راضی ہو جائے چاہے بیع فسخ کر دے۔

اور انہیں سے ابن ماجہ کی روایت میں یوں مروی ہے:

اذا اختلف البيعان وليس بينهما بيّنة والمبيع قائم بعينه فالقول ما قال البائع او يترادان.

جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے اور ان دونوں کے پاس گواہ بھی نہ ہوں اور مبیع (فروخت شدہ چیز) بعینہٖ موجود ہو تو بات وہی معتبر ومقبول ہوگی جو بائع کہے گا' یا وہ دونوں بیع کو فسخ کر دیں۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۱۲۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان' تنسیق النظام شرح مسند امام ص ۲۲۲' حاشیہ: ۴' مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

ان دونوں احادیث سے درج ذیل چند مسائل معلوم ہوئے:

(۱) صحابہ کرام باہمی اختلاف کو اَنا کا مسئلہ نہیں بناتے تھے بلکہ حق کی طرف رجوع کرتے تھے۔

(۲) باہمی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے دشمن نہیں بن جاتے تھے بلکہ ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے' صحیح رائے کو اہمیت دیتے تھے۔

(۳) اختلاف کی صورت میں اپنی اپنی رائے پر قائم رہنے اور اس پر ڈٹ جانے کی بجائے معتبر ومعتمد آدمی کو ثالث بنا لیتے تھے اور اس

کے فیصلے پر راضی ہو جاتے تھے۔

(۴) باہمی اختلاف کی صورت میں صحابہ کرام من مانی نہیں کرتے تھے' بلکہ قرآن وسنت کی طرف رجوع کرتے تھے اور احادیث نبوی سے استدلال کرتے تھے جیسے یہاں حضرت عبداللہ نے حضرت اشعث کو فرمانِ نبوی سنایا تو وہ آپ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے اور کسی قسم کی کوئی حیل وحجت نہیں کی۔

(۵) یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ اگر کبھی بائع اور مشتری کے درمیان کسی لین دین اور خرید وفروخت میں اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں بائع کی بات تسلیم کی جائے گی کہ حدیث میں اسی کی بات کو معتبر قرار دیا گیا ہے' اب اگر مشتری پسند کرے تو بائع کی طلب کے مطابق قیمت دے کر چیز لے لے ورنہ بیع کو فسخ کر دے۔

(۶) اس واقعہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا عادل ومنصف اور ایماندار ودیانت دار ہونا اور صحابہ کرام میں معتبر ومعتمد ہونا بھی ثابت ہو گیا کیونکہ حضرت اشعث بن قیس نے کسی اور صحابی کی طرف رجوع کرنے کی بجائے آپ کو اپنا ثالث وحکم مقرر کر لیا' حالانکہ انہیں آپ سے قیمت کی مقدار میں اختلاف بھی تھا' اس کے باوجود آپ کو ثالث مقرر کرنا آپ کی عظمت وبزرگی اور آپ کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی دلیل بھی ہے۔

۸- بَابُ الْمَمْلُوْكُ الْمُتَنَازِعُ لِلَّذِیْ فِیْ یَدِهٖ

متنازع مملوک قابض کی ہوگی

۴۹۵- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلَیْنِ اخْتَصَمَا اِلَیْهِ فِیْ نَاقَةٍ وَّقَدْ اَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَنَّهَا نُتِجَتْ عِنْدَهٗ فَقَضٰی بِهَا لِلَّذِیْ فِیْ یَدِهٖ. مسند الحارثی (۳۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو آدمی حاضر ہوئے' جنہوں نے ایک اونٹنی کی ملکیت میں باہم جھگڑا کیا تھا اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنی ملکیت کے ثبوت میں گواہ بھی پیش کر دیئے کہ یہ اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی تھی' سو آپ نے اس اونٹنی کا فیصلہ اس شخص کے حق میں کر دیا جس کے قبضہ میں تھی۔

۴۹۶- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنِ الْهَیْثَمِ عَنْ رَّجُلٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اِخْتَصَمَ رَجُلَانِ فِیْ نَاقَةٍ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا یُقِیْمُ الْبَیِّنَةَ اَنَّهَا نَاقَةٌ نَتَجَهَا فَقَضٰی بِهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِیْ هِیَ فِیْ یَدِهٖ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے ایک اونٹنی کی ملکیت میں جھگڑا کیا (اور) ان دونوں میں سے ہر ایک نے گواہ بھی پیش کر دیئے کہ یہ اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی تھی' سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اونٹنی کا فیصلہ اس شخص کے حق میں کر دیا جس کے قبضہ میں تھی۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ رَجُلَیْنِ اَتَیَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ نَاقَةٍ فَاَقَامَ هٰذَا الْبَیِّنَةَ اَنَّهٗ نَتَجَهَا وَاَقَامَ هٰذَا الْبَیِّنَةَ اَنَّهٗ نَتَجَهَا فَجَعَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِیْ هِیَ فِیْ یَدِهٖ. مسند الحارثی (۳۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک اونٹنی کا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے' ایک آدمی نے اس بات پر گواہ پیش کیے کہ یہ اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی ہے اور دوسرے آدمی نے بھی اس پر گواہ پیش کر دیئے کہ یہ اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اونٹنی کا فیصلہ اس آدمی کے حق میں کر دیا جس

کے وہ قبضہ میں تھی۔

حل لغات

''اِخْتَصَمَا'' صیغہ تثنیہ مذکر غائب' فعل ماضی معروف' مثبت' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: جھگڑنا' مخالفت کرنا' نزاع کرنا' اختلاف کرنا۔ ''نَاقَةٌ'' اس کا معنی ہے: اونٹنی۔ ''نُتِجَتْ'' صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی مجہول مثبت' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: پیدا کرنا' بچہ جننا' نتیجہ نکلنا۔

بائع اور مشتری کے درمیان متنازع صورتیں

یہاں اس باب کی دونوں احادیث میں متنازع فیہ چیز کی ایک صورت بیان کی گئی ہے کہ متنازع چیز دو مدعیوں میں سے ایک کے قبضہ میں ہے اور ان دونوں کے پاس اپنی ملکیت کے ثبوت کے لیے گواہ موجود ہیں تو اس صورت میں قابض کے حق میں فیصلہ کیا گیا' اس لیے کہ جب دونوں کے گواہ تعارض کی وجہ سے ساقط ہو گئے تو اصل کی طرف رجوع کیا گیا اور وہ قبضہ ہے کیونکہ ظاہر حال میں قبضہ قابض کی ملکیت کی دلیل ہوتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ متنازع چیز دونوں مدعیوں میں سے کسی کے قبضہ میں نہیں ہے بلکہ کسی ثالث کے قبضہ میں ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس متنازع چیز کا اصل مالک کون ہے اور دونوں دعویداروں نے اپنے اپنے حق میں گواہ پیش کر دیئے تو اس صورت میں وہ چیز دونوں دعویداروں میں نصف نصف تقسیم کر دی جائے گی اور تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں دعویداروں کے پاس گواہ بھی نہیں ہیں اور ثالث جس کے پاس متنازع چیز ہے وہ بھی اصل مالک کو نہیں جانتا تو اس صورت میں بھی متنازع چیز دونوں دعویداروں میں برابر تقسیم کی جائے گی' چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں اپنی اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے دو دو گواہ پیش کیے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ اونٹ ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا۔ [رواہ ابوداؤد] یعنی وہ دونوں مالک کی حیثیت سے اس اونٹ سے مشترکہ کام لیں یا اس کی قیمت دونوں نصف نصف تقسیم کر لیں۔ اور ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں (یہ بھی) ہے کہ دو آدمیوں نے ایک اونٹ کا دعویٰ کیا اور ان دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ اونٹ ان دونوں کے درمیان برابر تقسیم کر دیا۔ [مشکوٰۃ المصابیح' باب الاقضیۃ والشہادات' الفصل الثانی]

اور چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کسی قوم کے خلاف دعویٰ کر دے اور اس مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو اس قوم کے افراد کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی' جس شخص کے نام کا قرعہ نکلے گا وہ قسم کھائے گا' چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے (مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی بناء پر) ایک قوم پر قسم پیش کی اور انہوں نے قسم کھانے میں جلد بازی کی تو آپ نے حکم دیا کہ قسم لینے میں ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے کہ ان میں سے کون شخص قسم کھائے گا۔ رواہ البخاری
[مشکوٰۃ المصابیح' باب الاقضیۃ والشہادات' الفصل الاوّل کی آخری حدیث]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۳۰- كِتَابُ الْفِتَنِ

فتنوں کا تذکرہ

۱- بَابُ مَنْ سَلَّ السَّیْفَ عَلٰی اُمَّتِیْ فَلَهٗ جَهَنَّمُ

میری اُمت پر تلوار چلانے والا دوزخی ہے

۴۹۷- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ يَحْيٰى عَنْ حُمَيْدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَّ السَّيْفَ عَلٰى اُمَّتِيْ فَاِنَّ لِجَهَنَّمَ سَبْعَةَ اَبْوَابٍ بَابٌ مِّنْهَا لِمَنْ سَلَّ السَّيْفَ. مسلم(۲۸۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میری اُمت پر تلوار چلائے گا تو (وہ یاد رکھے کہ) دوزخ کے سات دروازے ہیں' ان میں سے ایک دروازہ اس شخص کے لیے مخصوص ہے جو میری اُمت پر تلوار چلائے گا۔

حل لغات

''سَلَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: سونتنا' کھینچنا' نیام سے باہر نکالنا مراد تلوار چلانا اور قتل وغارت گری کرنا۔ ''اَلسَّيْفُ'' اس کا معنی تلوار' سمندری مچھلی۔

مسلمان کو عمداً قتل کرنے والا دوزخی ہے

امام ترمذی نے حضرت حماد بن سلمہ اور حضرت ابوالزبیر کی وساطت سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار کو نیام سے نکال کر چلانے سے منع کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس باب میں حضرت ابوبکرہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے اور یہ حدیث حسن غریب ہے اور حضرت جنید نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں' ان میں سے ایک دروازہ ہر اُس شخص کے لیے مخصوص ہے جو میری اُمت پر' یا فرمایا کہ اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار چلائے گا۔ اور امام بخاری نے از نافع از ابن عمر مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص ہمارے خلاف اسلحہ اُٹھائے گا وہ ہم میں سے نہیں ہوگا۔ [تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۲۲۴' مکتبہ رحمانیہ لاہور]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ امام احمد اور امام مسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص ہمارے خلاف تلوار چلائے گا وہ ہم میں سے نہیں ہوگا۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۵۰۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

۲- بَابٌ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابًا

قیامت سے پہلے تیس کذاب ہوں گے

۴۹۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِى الْجَلَّاسِ قَالَ كُنْتُ مِمَّنْ سَمِعَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ السَّبَائِيِّ كَلَامًا عَظِيْمًا فَاَتَيْنَا بِهٖ عَلِيًّا وَنَحْنُ نَهُزُّ عُنُقَهٗ فِيْ طَرِيْقِهٖ فَوَجَدْنَاهُ فِي الرَّحْبَةِ مُسْتَلْقِيًا عَلٰى ظَهْرِهٖ وَاضِعًا اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى فَسَاَلَهٗ عَنِ الْكَلَامِ فَتَكَلَّمَ بِهٖ فَقَالَ اَتَرْوِيْهِ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَوْ عَنْ كِتَابِهٖ اَوْ عَنْ رَّسُوْلِهٖ فَقَالَ لَا قَالَ فَعَمَّا تَرْوِيْ قَالَ عَنْ نَّفْسِيْ قَالَ اَمَّا اَنَّكَ لَوْ رَوَيْتَ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَوْ عَنْ كِتَابِهٖ اَوْ عَنْ رَّسُوْلِهٖ ضَرَبْتُ عُنُقَكَ وَلَوْ رَوَيْتَهٗ عَنِّيْ اَوْ جَعَتُكَ عُقُوْبَةً فَكُنْتَ كَاذِبًا وَّلٰكِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ ثَلٰثُوْنَ كَذَّابًا وَّاَنْتَ مِنْهُمْ.

حضرت ابوالجلاس بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے عبداللہ بن سباء سے ایک بڑی سنگین بات سنی' چنانچہ ہم اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے اور ہم راستے میں اس کی گردن کو مارتے کھینچتے رہے اور ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسجد کے صحن میں چت لیٹے ہوئے پایا کہ آپ نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا تھا' سو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے وہ بات پوچھی تو اس نے وہ بات کہی جس پر آپ نے فرمایا: کیا تم یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا اس کی کتاب سے یا اس کے رسول کی طرف سے بیان کرتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں! آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تم کس سے روایت کرتے ہو؟ اس نے کہا: اپنے دل سے! آپ نے فرمایا: یاد رکھ! اب اگر تو نے یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا اس کی کتاب سے یا اس کے رسول کی طرف سے کسی کو بیان کی تو میں تیری گردن اُڑا دوں گا اور اگر تو نے یہ میری طرف سے بیان کی تو میں تجھے دردناک سزا دوں گا' کیونکہ تو جھوٹ بولتا ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت سے پہلے تیس کذاب وجھوٹے آئیں گے اور تو ان ہی میں سے ہے۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ اَبِى الْجَلَّاسِ قَالَ كُنْتُ فِيْمَنْ سَمِعَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ السَّبَائِيِّ كَلَامًا عَظِيْمًا فَاَتَيْنَا بِهٖ عَلِيًّا فَوَجَدْنَاهُ فِي الرَّحْبَةِ مُسْتَلْقِيًا ظَهْرَهٗ وَاضِعًا اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى فَسَاَلَهٗ عَنِ الْكَلَامِ فَتَكَلَّمَ فَقَالَ اَتَرْوِيْهِ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَوْ عَنْ كِتَابِهٖ اَوْ عَنْ رَّسُوْلِهٖ قَالَ لَا قَالَ فَعَمَّنْ تَرْوِيْهِ قَالَ عَنْ نَّفْسِيْ قَالَ اَمَا اِنَّكَ لَوْ رَوَيْتَ عَنِ اللّٰهِ اَوْ عَنْ كِتَابِهٖ اَوْ رَسُوْلِهٖ ضَرَبْتُ عُنُقَكَ وَلَوْ رَوَيْتَ عَنِّيْ اَوْ جَعْتُكَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ ثَلٰثُوْنَ كَذَّابًا فَاَنْتَ مِنْهُمْ. مسند احمد(۱۰۶۰۵) مصنف ابن ابی شیبہ(۳۱۶۹۴) مسند ابوعوانہ(۷۵۰۹)

اور ابوالجلاس کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں ان لوگوں میں شامل ہوں جنہوں نے عبداللہ سبائی سے بڑی سنگین بات سنی تو ہم اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے اور ہم نے آپ کو اس وقت مسجد کے صحن میں چت لیٹے ہوئے پایا اور آپ نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا تھا' سو آپ (رضی اللہ عنہ) نے اس سے سنگین بات کے متعلق پوچھا تو اس نے وہ بات بیان کر دی اور آپ نے فرمایا کہ کیا تم یہ بات اللہ تعالیٰ یا اس کی کتاب یا اس کے رسول کی طرف سے روایت کرتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تو پھر تم کس سے روایت کرتے ہو؟ اس نے کہا: میں یہ بات اپنے نفس اور اپنے دل سے کہتا ہوں' آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: یاد رکھ! اگر اب تو نے یہ بات اللہ تعالیٰ یا اس کی کتاب یا اس کے رسول کی طرف سے بیان کی تو میں تیری گردن مار دوں گا (یعنی ارتداد کی بناء پر قتل کر دوں گا) اور اگر تو نے یہ بات میری طرف سے کہی تو میں تجھے دردناک سزا دوں گا (کیونکہ تو جھوٹ بولتا ہے) اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' آپ فرماتے ہیں کہ قیامت سے پہلے تیس کذاب ہوں گے' سو تو بھی ان میں سے ہے۔

حل لغات

''نَهُزُّ'' صیغہ جمع متکلم' فعل مضارع مثبت' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: حرکت دینا' ہلانا' کھینچنا' دبانا' مارنا۔ ''رَحْبَةٌ'' اس کا معنی ہے: صحن' کشادہ جگہ' وسیع میدان۔ ''اَوْجَعْتُ'' صیغہ واحد متکلم' فعل ماضی معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: سزا دینا' دُکھ دینا' دردناک مار مارنا۔

نبوت کے دعویدار تیس جھوٹے دجال ہوں گے

(۱) صاحبِ مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ المصابیح' کتاب الفتن' الفصل الثانی' ص ۴۶۵ میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے' جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے:

وانه سيكون في اُمتي كذّابون ثلاثون كلهم

اور بے شک عنقریب میری اُمت میں تیس جھوٹے ہوں گے' وہ

یزعم انه نبی الله وانا خاتم النبیین لا نبیّ بعدی.

سب گمان کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں حالانکہ میں آخری نبی ہوں' میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ یہ تیس جھوٹے نبی وہ ہیں جنہیں لوگوں نے نبی مان لیا اور ان کا فتنہ اور فساد بہت پھیل گیا جبکہ دوسری قسم کے مدعی نبوت جنہیں کسی نے نہیں مانا وہ بکواس کر کے مر گئے' وہ تو بہت ہوئے ہیں' دیکھو ہمارے ملک میں مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت کا فتنہ بہت پھیلا۔ اس کے علاوہ ہم نے بہت سے مدعی نبوت دیکھے جن کی طرف کسی نے توجہ ہی نہ دی' اپنے آپ کو نبی کہتے کہتے مر گئے' لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اب تک جھوٹے مدعی نبوت سو سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ [مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۷ ص ۲۱۹' مطبوعہ کتب خانہ نعیمی' گجرات]

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تقوم الساعة حتی تقتتل فئتان عظیمتان تکون بینهما مقتلة عظیمة دعواهما واحدة وحتی یبعث دجالون کذابون قریب من ثلاثین کلهم یزعم انه رسول الله. متفق علیه. [مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۶۵' مطبوعہ اصح المطابع (کتب خانہ رشیدیہ)' دہلی]

یعنی قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ دو بڑی جماعتیں آپس میں جنگ کریں گی' ان کے درمیان بہت بڑی قتل و غارت گری ہوگی' ان دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا اور یہاں تک کہ تقریباً تیس جھوٹے دجال اور فریبی اُٹھیں گے' وہ یہ گمان کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دونوں جماعتیں اسلام کی ماننے والی اور دونوں مسلمان ہوں گی اور دونوں جماعتیں حق دار ہونے کا دعویٰ کریں گی اور ہر ایک یہ عقیدہ رکھتی ہوگی کہ وہ حق پر ہے' چنانچہ محدثین نے فرمایا کہ ان دو جماعتوں سے حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ اور ان کے ساتھی مراد ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اخواننا بغوا علینا" یہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں' جنہوں نے ہم پر بغاوت کر دی اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خوارج کا یہ قول باطل ہے کہ مسلمانوں کی دونوں جماعتیں باہمی جنگ و قتال کی وجہ سے کافر ہیں اور اسی طرح روافض کا یہ قول باطل ہے کہ حضرت علی کے مخالف کافر ہیں۔

[اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۲۹۶' مطبوعہ نوریہ رضویہ' سکھر]

۳- بَابُ اَنَّ النَّاسَ يَتَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ لِشِدَّةِ الزَّمَنِ

زمانے کی سختی کی وجہ سے لوگ موت کی آرزو کریں گے

۴۹۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عن عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِیْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَّخْتَلِفُوْنَ اِلَى الْقُبُوْرِ فَيَضَعُوْنَ بُطُوْنَهُمْ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ وَدِدْنَا لَوْ كُنَّا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَيْفَ يَكُوْنُ قَالَ لِشِدَّةِ الزَّمَانِ وَكَثْرَةِ الْبَلَايَا وَالْفِتَنِ. بخاری (۷۱۱۵) مسلم (۷۳۰۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ کثرت سے قبروں کے پاس آئیں گے اور ان پر اپنے پیٹ رکھ دیں گے اور کہیں گے کہ ہم چاہتے ہیں کاش! ہم اس قبر میں چھپ جاتے' آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ زمانہ کی سختی اور مصیبتوں اور فتنوں کی کثرت کی وجہ سے۔

حل لغات

"يَخْتَلِفُوْنَ" صیغہ جمع مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب افتعال سے ہے' اس کا معنی ہے: اختلاف کرنا' آمد و رفت کرنا' آنا جانا۔ "بُطُوْنٌ" یہ بطن کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: پیٹ۔ "وَدِدْنَا" صیغہ جمع متکلم' فعل ماضی معروف مثبت' باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: پسند کرنا' چاہنا' آرزو کرنا۔ "اَلْبَلَايَا" یہ "بَلِيَّةٌ" کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: آزمائش' مصیبت' امتحان۔

قربِ قیامت میں فتنوں کی کثرت کی وجہ سے موت کی تمنا

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ یہ حدیث آخر زمانہ میں واقع ہونے والی خبروں میں سے غیب کی ایک خبر ہے' جو آپ نے پہلے بیان فرما دی ہے اور صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ ایک آدمی کسی آدمی کی قبر کے پاس سے گزرے گا تو کہے گا: اے کاش! آج میں اس کی جگہ میں ہوتا' یعنی میں مر کر اس جگہ مدفون ہو جاتا' یہاں تک کہ میں ان مصیبتوں اور تکلیفوں سے نجات پا لیتا اور میں یہ مختلف قسم کی تکلیفیں اور مصیبتیں نہ دیکھتا جو اب میں دیکھ رہا ہوں۔

(۲) امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان میں اپنے دین پر صبر کرنے والا انگاروں پر چلنے والے کی طرح ہوگا (۳) ابن عساکر نے بھی انہیں سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مؤمن اس زمانہ میں سب سے زیادہ ذلیل ہوگا (۴) امام احمد' امام بخاری اور امام نسائی نے بھی انہیں سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: تم پر کوئی سال اور دن نہیں آئے گا مگر اس کے بعد اس سے بھی بدترین آئے گا یہاں تک کہ تم اپنے رب تعالیٰ سے ملو گے۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۲۲۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۳۱- كِتَابُ التَّفْسِيْرِ

قرآن مجید کی آیات کی وضاحت

۱- بَابُ تَفْسِيْرِ الٓمّٓ

"الٓمّٓ" کے معنی کا بیان

۵۰۰- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ فَرْوَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِی الضُّحٰى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِهٖ عَزَّوَجَلَّ الٓمّٓ قَالَ اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ وَاَرٰى.

تفسیر ابن کثیر (ج ۱ ص ۵۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ارشادِ باری تعالیٰ: "الٓمّٓ" کا معنی ہے: "انا اللّٰہ اعلم" یعنی میں اللہ ہی خوب جانتا ہوں۔

حروفِ مقطعات کے معانی کی تحقیق

تفسیر سراج منیر میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ "الٓمّٓ" کا معنی ہے: "انا اللّٰہ اعلم" میں اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہوں۔ اور "الٓر" کا معنی ہے: "انا اللّٰہ اریٰ" میں اللہ تعالیٰ ہی خوب دیکھتا ہوں۔ اور "الٓمّٓر" کا معنی ہے: "انا اللّٰہ اعلم واریٰ انتھٰی" میں اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہوں اور خوب دیکھتا ہوں اور "الٓمّٓ" میں ہمزہ سے "انا" کی طرف اور لام سے اسم جلالہ (اللہ) کی طرف اور میم سے "اعلم" کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس مسند کے موجودہ نسخہ میں "انا اللّٰہ اعلم" کے ساتھ "اریٰ" بھی زیادہ کیا گیا ہے' سو یہ دراصل سورۃ الرعد کے آغاز میں "الٓمّٓر"

کے بارے میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے' پس ممکن ہے کہ کاتب کی غلطی سے یہاں ''ادنی'' زیادہ لکھ دیا گیا ہو یا ''الٓمٓ'' میں میم کے نقش کو نیچے کی طرف لمبا کر دیا گیا ہو جبکہ مناسب یہ تھا کہ آگے کی طرف لمبا کیا جاتا یہاں تک کہ حرف راء پیدا ہو جاتا (اور ''الٓمٓر'' بن جاتا) یا ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس سے یہاں بھی یہی منقول ہو' پھر یہاں حروفِ مقطعات کے معانی کے متعلق مفسرین وغیرہ کے اور بہت سے اقوال ہیں' بعض اہل علم نے کہا ہے: ان اقوال کی تعداد ستر تک پہنچ جاتی ہے لیکن حروفِ مقطعات کی تفسیر میں جمہور کے نزدیک ان میں خلفائے اربعہ بھی شامل ہیں' معتمد و معتبر قول یہ ہے کہ ان حروف کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ (اور اس کا رسول) ہی جانتا ہے۔[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۲۲۵' حاشیہ: ۲' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور]

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کی مراد یہ ہے کہ یہ حروفِ مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان اسرار اور رموز ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو ان حروفِ مقطعات پر مطلع کرنے کا قصد نہیں کیا گیا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی ان حروف کے معانی کا علم نہ ہو' ورنہ لازم آئے گا کہ غیر مفید کلام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے اور یہ بہت بعید ہے۔[انوار التنزیل مع الخفاجی ج ۱ ص ۱۷۸' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۲۸۳ھ]

علامہ سید محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں: ظنِ غالب یہ ہے کہ حروفِ مقطعات کا علم مخفی ہے' علماء اس کی تاویل سے عاجز ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر کتاب کے اسرار ہوتے ہیں اور قرآن مجید کے اسرار اوائل سور ہیں' امام شعبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اسرار کا کھوج نہ لگاؤ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی معرفت صرف اولیاء کرام کو ہے جو وارثِ علمِ رسول ہیں' ان کو اسی دربار سے معرفت حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ حروف خود ان کو اپنا معنی بتا دیتے ہیں' نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں میں سنگریزوں نے تسبیح کا نطق (کلام) کیا اور گوہ اور ہرن نبی کریم ﷺ سے ہم کلام ہوئے۔ بعض علماء نے کہا: اگر ان حروف کا کوئی معنی نہ ہو تو یہ مہمل ہوں گے۔ یہ قول صحیح نہیں ہے اور اگر یہ مراد ہو کہ تمام لوگوں کو ان حروف کا معنی معلوم ہو تو یہ ضروری نہیں اور اگر یہ مراد ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کا معنی معلوم ہو تو کوئی مؤمن اس میں شک نہیں کر سکتا اور ہر صاحبِ ایمان کا یہ ایمان ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان حروف کے معنی معلوم ہیں۔[روح المعانی ج ۱ ص ۱۰۱-۱۰۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت]

حروفِ مقطعات متشابہات میں سے ہیں اور فقہاء شافعیہ اور حنفیہ کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دنیا میں متشابہات کا علم عطاء فرما دیا ہے۔

علامہ ملا احمد جیون لکھتے ہیں: متشابہ کا حکم یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس کی مراد حق ہے' اگرچہ قیامت سے پہلے ہم کو وہ مراد معلوم نہیں ہے اور قیامت کے بعد متشابہ ہر ایک پر منکشف ہو جائے گا اور یہ اُمت کے حق میں ہے' لیکن نبی کریم ﷺ کو ہر حال میں متشابہات کا علم قطعی اور یقینی طور پر حاصل ہے' ورنہ آپ کو ان سے خطاب کرنے کا فائدہ باطل ہو جائے گا اور یہ مہمل کلام سے خطاب کرنے کی طرح ہو گا' جیسے حبشی کے ساتھ عربی میں گفتگو کی جائے اور یہ تقریر ہمارے (احناف کے) نزدیک ہے اور امام شافعی کے نزدیک تو تمام راسخین فی العلم کو متشابہات کا علم ہے۔[نور الانوار ص ۹۳' مطبوعہ ایچ۔ایم سعید اینڈ کمپنی' کراچی]

قاضی ثناء اللہ مظہری نقشبندی لکھتے ہیں:

میرے نزدیک حق یہ ہے کہ حروفِ مقطعات متشابہات میں سے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان اسرار ہیں اور ان حروف سے عام لوگوں کو سمجھانے کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ صرف رسول اللہ ﷺ کو ان حروف کے معانی بتانا مقصود تھا یا آپ اپنے کامل متبعین میں سے جن کو چاہیں ان کا معنی سمجھا دیں۔ (الی قولہ) علامہ سجاوندی نے کہا ہے کہ یہ حروفِ مقطعات اللہ تعالیٰ اور

اس کے محترم نبی ﷺ کے درمیان اسرار ہیں اور کبھی محبین کے درمیان کچھ کلمات بطور معمہ ہوتے ہیں' ان میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ ان کلمات کو محرمانِ راز کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ ایک قول یہ ہے کہ حروفِ مقطعات اور متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے ساتھ مخصوص کر لیا ہے' ان کا علم نبی کریم ﷺ کو عطاء کیا ہے اور نہ آپ کے متبعین کو' لیکن یہ قول بہت بعید ہے' کیونکہ خطاب افہام کے لیے ہوتا ہے' اگر ان حروف سے افہام و تفہیم نہ ہو تو ان سے خطاب کرنا مہمل کلمات سے خطاب کرنے کی طرح ہو گا یا جیسے عربی کے ساتھ ہندی میں خطاب کیا جائے۔ نیز پورا قرآن مجید بیان اور ہدایت نہیں رہے گا۔ (کیونکہ جب ان الفاظ کا کوئی مفہوم حاصل نہ ہو تو ان سے ہدایت کیسے حاصل ہو گی) اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ وعدہ فرمایا ہے: ''ثُمَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ O'' (القیامۃ:۱۹) پھر اس قرآن کا بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہےO اس وعدہ کا خلاف لازم آئے گا۔ (اسی طرح ''اَلرَّحْمٰنُ O عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ O'' کا بھی خلاف لازم آئے گا کیونکہ حروفِ مقطعات بھی قرآن ہیں اور رحمان نے ان کو نہیں سکھایا) اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن خواہ محکم ہو یا متشابہ ہو' نبی کریم ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بیان کرنا واجب اور ضروری ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں راسخین فی العلم میں سے ہوں اور میں ان علماء میں سے ہوں جن کو ان کی تاویل کا علم ہے۔ اسی طرح حضرت مجاہد سے مروی ہے' حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر حروفِ مقطعات کی تاویل و مفہوم کو ظاہر فرما دیا ہے اور ان کے اسرار کو بیان کر دیا ہے لیکن عام لوگوں کے لیے ان کا بیان ممکن نہیں ہے کیونکہ ان کا بیان کرنا ان کے اسرارِ الٰہیہ ہونے کے منافی ہے۔[تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۵-۱۴' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو' کوئٹہ]

نوٹ: ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۱ ص ۲۴۹-۲۴۸' فرید بک سٹال' لاہور

۲- بَابُ مَعْنٰى اِحْسَانِ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

حضرت یوسف علیہ السلام کے احسان کا معنی

۵۰۱- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ نُبَيْطٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ الضَّحَّاكِ ابْنِ مُزَاحِمٍ فَيَسْاَلُهٗ رَجُلٌ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ اِنَّا نَرٰكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَO مَا كَانَ اِحْسَانُهٗ قَالَ كَانَ اِذَا رَاٰى رَجُلًا مُضَيَّقًا عَلَيْهِ وَسَّعَ عَلَيْهِ وَاِذَا رَاٰى مَرِيْضًا قَامَ عَلَيْهِ وَاِذَا رَاٰى مُحْتَاجًا سَاَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهٖ. (تفسیر بغوی)

حضرت سلمہ بن عبیط بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ضحاک بن مزاحم کے پاس تھا' سو ایک آدمی نے آ کر آپ سے سورۂ یوسف کی آیت ''اِنَّا نَرٰكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ'' کے بارے میں سوال کیا کہ اس میں حضرت یوسف کے احسان سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کسی قیدی کو تنگی میں دیکھتے تو آپ اس کی تنگی دور کر کے اس پر وسعت و کشادگی کر دیتے اور جب کسی کو بیمار دیکھتے تو اس کی تیمارداری اور دیکھ بھال کے لیے کمربستہ ہو جاتے اور جب آپ کسی محتاج کو دیکھتے تو اس کی حاجت پوری کرنے کے لیے اس سے اس کی ضرورت دریافت کرتے۔

حل لغات

''مُضَيَّقًا'' صیغہ واحد مذکر' اسم مفعول' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: جس پر تنگ دستی و محتاجی مسلط کر دی گئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے احسان کی وضاحت

علامہ بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ حضرت ضحاک بن مزاحم سے ''اِنَّا نَرٰكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ'' میں احسان

یوسف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی قید خانہ میں بیمار ہو جاتا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس کی تیمارداری کرتے اور اس کی دل جوئی کرتے' اس کی دیکھ بھال کرتے اور اس کی خوب خدمت کرتے اور جب کسی کی مجلس و آرام گاہ اس پر تنگ ہوتی تو آپ اسے کشادہ کر دیتے اور جب کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو آپ وہ چیز اسے مہیا کر دیتے اور آپ ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی' خیر و بھلائی اور نیک سلوک کرتے اور اس کے باوجود آپ عبادت الٰہیہ میں خوب محنت و ریاضت اور کوشش کرتے رہتے اور آپ ساری رات نماز پڑھتے رہتے تھے۔

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ سخت مصیبت میں مبتلا ہیں' ان کی سزا بہت سخت تھی' وہ لوگ رہائی سے نا اُمید و مایوس ہو چکے تھے اور ان کے غم و رنج طویل ہو چکے تھے' سو آپ انہیں تسلی دیتے اور فرماتے: تم صبر کرو اور بشارت قبول کرو' تمہیں صبر و تحمل پر اجر ملے گا' انہوں نے کہا: اے نوجوان! اللہ تعالیٰ آپ کی برکتوں سے ہمیں مالا مال کرے' آپ کس قدر حسین و جمیل ہیں' آپ کا چہرہ بہت خوبصورت ہے اور آپ کس قدر نیک اور اچھی باتیں کرتے ہیں' ہمیں آپ کے قرب میں یقیناً برکتیں ملیں گی' سوائے نوجوان! آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کا بیٹا یوسف ہوں' چنانچہ جیل کے منتظم نے کہا: اے نوجوان! اللہ کی قسم! اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں ابھی آپ کو رہا کر دیتا لیکن میں آپ کے ساتھ حسنِ سلوک ضرور کروں گا' پس جیل کے مکانات میں سے جس مکان میں آپ چاہیں ٹھہر جائیں۔[تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۴۲۶' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان]

۳- بَابُ بَیَانِ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ

مؤمن کی بصیرت کا بیان

۵۰۲- حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَطِیَّةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی ثُمَّ قَرَأَ' اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ○(الحجر:۷۵) اَلْمُتَفَرِّسِیْنَ.

ترمذی(۳۱۲۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم مؤمن کی فراست و بصیرت سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ'' (الحجر:۷۵) بے شک اس میں دل سے غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

حل لغات

''فِرَاسَةٌ'' اس کا معنی ہے: ایسا قلبی اور باطنی نور جس کی روشنی میں مؤمن بعض مخفیات و مغیبات چیزوں کو جان اور پہچان لیتا ہے' اسی کو کرامت کہتے ہیں۔

فراست کے مختلف معانی

علامہ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں' امام ترمذی نے اپنی جامع میں' امام حاکم' امام سمویہ' امام طبرانی اور امام ابن عدی نے بعینہٖ اس حدیث کو حضرت ابوامامہ سے روایت کیا ہے اور علامہ ابن جریر نے اس کو حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے۔[شرح مسند امام اعظم ص ۵۶۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

علامہ جزری نے کہا: فراست کے دو معنی ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے دل میں ایک نور ڈالتا ہے جس کی برکت سے انہیں بعض لوگوں کے احوال کا علم ہو جاتا ہے' یہ کبھی کرامت سے ہوتا ہے' کبھی صحیح گمان سے اور کبھی حدس سے ہوتا ہے (اچانک کسی چیز کے یاد آنے کو حدس کہتے ہیں) (۲) دلائل' تجربہ' ظاہری صورت کی کیفیت اور باطنی اوصاف کی مدد سے لوگوں کے احوال کو جان لینا

[النھایۃ]

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: فراست اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس کا دل پاک اور صاف ہو اور دنیاوی تفکرات و خیالات سے خالی ہو اور وہ شخص گناہوں کے میل' بُرے اخلاق کی کدورتوں اور بے معنی کاموں سے مبرا اور خالی ہو۔

بعض صوفیاء کا گمان یہ ہے کہ فراست کرامت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ فراست کسی چیز پر علامات سے استدلال کرنا ہے' بعض علامتیں وہ ہوتی ہیں جو پہلی نظر میں ہی ہر شخص کو نظر آ جاتی ہیں اور بعض علامتیں مخفی اور دقیق ہوتی ہیں' وہ ہر شخص پر منکشف ہوتی ہیں اور نہ بادی النظر میں ان کا پتہ چلتا ہے۔ امام شافعی اور امام محمد بن حسن سے مروی ہے کہ وہ دونوں کعبہ معظمہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص مسجد کے دروازہ پر تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ یہ شخص بڑھئی ہے' دوسرے نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ یہ شخص لوہار ہے۔ اس شخص سے پوچھا گیا تو اس نے کہا: پہلے میں بڑھئی تھا اور اب میں لوہار ہوں۔ روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس مذحج کی ایک قوم آئی' ان میں اشتر بھی تھا۔ حضرت عمر نے اس شخص کو سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا' پھر فرمایا: یہ شخص کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ مالک بن حارث ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرے! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں پر ایک سخت مصیبت کا دن آئے گا' پھر اس کے فتنہ سے جو ہوا تھا وہ ہوا (یہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں سے تھا)۔ روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بازار گئے اور ایک اجنبی عورت کو نظر بھر کر دیکھا' پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عثمان نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہمارے پاس اس حال میں آتا ہے کہ اس کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ حضرت انس نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی وحی نازل ہونے لگی ہے؟ حضرت عثمان نے فرمایا: نہیں! بلکہ یہ برہان اور فراست و بصیرت ہے' اور صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم سے ایسی بہت سی مثالیں منقول ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن)

ملا علی قاری لکھتے ہیں: امام یافعی نے ایک حکایت بیان کی ہے کہ امام الحرمین ابوالمعالی ابن الامام ابو محمد الجوینی ایک دن صبح کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھے ہوئے درس دے رہے تھے' اسی دوران شیوخ الصوفیہ اپنے اصحاب کے ساتھ کہیں دعوت میں جاتے ہوئے گزرے۔ امام جوینی نے دل میں سوچا کہ ان صوفیاء کو سوائے کھانے اور رقص کرنے کے اور کیا کام ہے۔ وہ شیخ الصوفیہ دعوت سے واپسی پر پھر اس مقام سے گزرے اور امام جوینی سے فرمایا: اے فقیہ! اس شخص کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے جو حالتِ جنابت میں صبح کی نماز پڑھا دے اور پھر اسی حال میں مسجد میں بیٹھ کر علوم کا درس دے اور لوگوں کی غیبت کرے۔ تب امام الحرمین کو یاد آیا کہ ان پر تو غسل واجب تھا' پھر اس کے بعد صوفیہ کے متعلق ان کا اعتقاد اچھا ہو گیا۔ [مرقات ج ۳ ص ۱۹' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ' ملتان]

نوٹ: ماخوذ از تفسیر تبیان القرآن ج ۶ ص ۳۰۶-۳۰۵' فرید بک سٹال' لاہور

٤- بَابُ یُسْئَلُ النَّاسُ عَنْ كَلِمَةِ التَّوْحِیْدِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ

قیامت کے دن لوگوں سے کلمۂ توحید کے متعلق سوال کیا جائے گا

۵۰۳- حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ○(الحجر:۹۲-۹۳) قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.

ترمذی(۳۱۲۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادِ باری تعالیٰ: پس آپ کے ربِ تعالیٰ کی قسم! ہم ان سب سے ضرور پوچھیں گے○ ان اعمال کے متعلق جو وہ کرتے تھے○(الحجر:۹۲-۹۳) کی تفسیر کے بارے میں فرمایا: اس سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے۔

قیامت کے دن لوگوں سے سوال کرنے یا نہ کرنے کی آیات میں تطبیق

علامہ بغوی نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمام لوگوں سے ان اعمال کے بارے میں سوال کرے گا جو وہ دنیا میں کرتے رہے تھے اور سورۃ الحج کی ان دونوں آیات کا یہی معنی ہے اور حضرت محمد بن اسماعیل بخاری نے کہا ہے کہ بعض اہل علم نے کہا ہے: ان آیات میں: جس چیز کے بارے میں سوال کرنے کا ذکر ہے وہ کلمہ توحید (ورسالت) لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) ہے' پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت اور سورۂ رحمٰن کی آیت ''فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّO'' (الرحمٰن:۳۹) سواس دن انسانوں اور جنوں سے ان کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گاO ان کے درمیان موافقت و مطابقت کیسے ہوگی؟

جواب: (ا) اس کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ تم نے کیا کیا عمل کیے ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے زیادہ بہتر ان کے اعمال کو جانتا ہے' اس کو ہر چیز کا علم ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو ان سے یہ سوال کرے گا کہ تم نے یہ عمل اس طرح کیوں کیا' وہ عمل اس طرح کیوں کیا۔ علامہ قطرب نے اسی پر اعتماد کیا ہے اور کہا ہے کہ سوال دو قسم کے ہوتے ہیں' ایک سوال جاننے اور معلوم کرنے کے لیے ہوتا ہے اور سورۂ رحمٰن میں اسی سوال کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال معلوم کرنے کے لیے سوال نہیں کرے گا کہ تم نے کیا کیا عمل کیے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز معلوم ہے اور دوسرا سوال صرف جھڑکنے اور ڈانٹنے کے لیے ہوتا ہے' سو سورۂ حجر کی آیت میں اسی سوال کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جھڑکنے اور ڈانٹنے کے لیے سوال کرے گا کہ تم نے فلاں فلاں عمل کیوں کیے تھے اور تم نے ہمارے رسولوں کی اور ہماری کتابوں کی نافرمانی کیوں کی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے ان آیات کی توجیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بے شک قیامت کا دن ایک طویل' دراز اور بہت لمبا دن ہوگا' اس دن مختلف مواقف اور مختلف احوال ہوں گے' چنانچہ بعض مواقف اور بعض احوال میں اللہ تعالیٰ لوگوں سے کوئی سوال نہیں کرے گا نہ کوئی کلام کرے گا اور نہ کوئی حساب لے گا (اور یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ زبردست غضب وجلال میں ہوگا اور فرمائے گا: ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ'' (المؤمن:۱۶) آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر خود ہی فرمائے گا: ''لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِO'' (المؤمن:۱۶) صرف اللہ تعالیٰ کی جو ایک ہے' سب پر غالب ہےO)۔ اور بعض مواقف اور بعض احوال میں اللہ تعالیٰ لوگوں سے سوال کرے گا' ان سے کلام بھی کرے گا اور ان سے حساب بھی لے گا (یہ اس وقت ہو گا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں جا کر اللہ تعالیٰ کی خوب حمد و ثناء کریں گے اور اسے راضی کریں گے) اور اس کی نظیر یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَO'' (المرسلات:۳۵) یہ وہ دن ہے جس میں لوگ بول نہیں سکیں گے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا: ''ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَO'' (الزمر:۳۱) پھر قیامت کے دن تم اپنے ربِ تعالیٰ کے پاس ضرور جھگڑو گےO [تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۹-۵۸' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' تفسیر مظہری ج ۵ ص ۳۱۸' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' شرح مسند امام اعظم ص ۵۷۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

٥- بَابُ حَبْسِ نُزُوْلِ جِبْرِيْلَ

٥٠٤- حَمَّادٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ زَرٍّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجِبْرِيْلَ مَالَكَ تَزُوْرُنَا اَكْثَرَ مَا تَزُوْرُنَا قَالَ فَاَنْزَلَتْ بَعْدَ لَيَالٍ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ

حضرت جبریل علیہ السلام کے نزول کی رکاوٹ کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: تم جس قدر ہماری ملاقات کے لیے آتے ہو' اس سے زیادہ تم ہم سے ملاقات کرنے کیوں نہیں آتے؟ حضرت ابن عباس نے کہا کہ پھر چند راتوں کے بعد یہ آیت نازل

رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا. (مریم:۶۴) ہوئی: اور ہم آپ کے رب تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں اُترتے ہمارے آگے اور پیچھے جو کچھ بھی ہے اسی کی ملکیت میں ہے۔ (مریم:۶۴)

بخاری (۴۷۳۱) ترمذی (۳۱۵۸)

حل لغات

''مَالَكَ'' اس میں حرف 'مَا' نافیہ نہیں ہے بلکہ یہ استفہامیہ (سوالیہ) ہے۔ ''تَزُوْرُنَا'' اس میں ''تَزُوْرُ'' صیغہ واحد مذکر حاضر فعل مضارع معروف مثبت' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: زیارت کرنا' ملاقات کرنا' ملنا اور آخر میں ضمیر ''نَا'' مفعول ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کے نزول کا ضابطہ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: اے جبریل! جس قدر تم ہماری ملاقات کے لیے آتے ہو' اس سے زیادہ ہماری ملاقات کے لیے تمہیں کون سی چیز مانع ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ [صحیح بخاری:۵۵:۴۷]

نزول کے دو معنی ہیں: ایک تو دیر سے اور وقفہ سے اترنا اور دوسرا معنی ہے: مطلق اترنا' سو یہاں پہلا نزول اور اترنا مراد لینا زیادہ مناسب ہے' یعنی ہمارے نازل ہونے اور اترنے کے اوقات اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوتے ہیں' وقفہ کا حکم ہوتا ہے تو ہم وقفہ کر لیتے ہیں اور نزول کا حکم ہوتا ہے تو ہم نازل ہو جاتے ہیں۔ [تفسیر مدارک التنزیل' مترجم ج ۲ ص ۴۹۱' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ مسند امام اعظم کی اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بعینہٖ اسی طرح روایت کیا ہے۔

اور حضرت عکرمہ' ضحاک' قتادہ' مقاتل اور کلبی نے بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی قوم قریشِ مکہ نے اصحابِ کہف' ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں کل تمہیں بتادوں گا اور آپ نے ان شاء اللہ نہیں فرمایا' جس کی وجہ سے حضرت جبریل علیہ السلام کا نزول رُک گیا' یہاں تک کہ نزولِ وحی کا فراق اور حضرت جبریل کی جدائی کا صدمہ آپ پر بہت شاق اور بھاری گزرا' پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت جبریل نازل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم نے میرے پاس آنے میں اتنی تاخیر کردی یہاں تک کہ میرا ظن وخیال ناساز ہو گیا اور تمہاری ملاقات کا اشتیاق بہت بڑھ گیا' حضرت جبریل نے عرض کیا کہ میں بھی آپ کی ملاقات کا بہت شوق رکھتا تھا' لیکن میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند بندہ ہوں' جب مجھے بھیجا جاتا ہے تو میں اُترتا ہوں اور جب مجھے روک دیا جاتا ہے تو میں رُک جاتا ہوں' پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ'' (مریم:۶۴) اور سورت والضحیٰ نازل ہوئی۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۵۷۱-۵۷۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

٦- بَابُ تَفْسِيْرِ مُنْكَرِ قَوْمِ لُوْطٍ

٥٠٥- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِىءٍ قَالَتْ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ الْمُنْكَرُ الَّذِىْ كَانُوْا يَاْتُوْنَ فِىْ نَادِيْهِمْ قَالَ كَانُوْا يَخْذِفُوْنَ النَّاسَ بِالنَّوَاةِ وَالْحَصَاةِ وَيَسْخَرُوْنَ مِنْ اَهْلِ الطَّرِيْقِ.

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بُرائی

حضرت اُمِّ ہانی ء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ کون سی بُرائی ہے جو قومِ لوط کے لوگ اپنی مجلسوں میں کیا کرتے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگوں کو گٹھلیاں اور کنکریاں مارا کرتے تھے اور وہ مسافروں' راہ گیروں اور آنے جانے والوں کا مذاق اُڑاتے تھے۔

ترمذی (۳۱۹۰) مسند احمد (۲۷۴۲۹)

حل لغات

''نَادِی'' صیغہ اسم فاعل' واحد مذکر ہے' اس کا معنی ہے: مجلس۔ ''یَخْذِفُوْنَ'' صیغہ جمع مذکر غائب' فعل مضارع معروف' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے ہے' اس کا معنی ہے: کنکریاں مارنا۔ ''اَلنَّوَاۃُ'' کا معنی ہے: گٹھلی۔ ''اَلْحَصَاۃُ'' کا معنی ہے: کنکری۔ ''یَسْخَرُوْنَ'' صیغہ جمع مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے' اس کا معنی ہے: مذاق اُڑانا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمان قوم کی چند گھناؤنی بُرائیاں

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ قوم لوط کے لوگ اپنی مجلسوں میں بیٹھ جاتے تھے اور ان میں سے ہر ایک آدمی کے پاس ایک پیالہ ہوتا تھا جس میں کنکریاں بھری ہوتیں' پھر جب ان کے پاس سے کوئی راہ گیر گزرتا تو یہ لوگ اسے کنکریاں مارتے' جس کی کنکری اسے لگ جاتی اس کو بہتر خیال کیا جاتا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کی قوم کا آدمی راہ گیر کے پاس جو کچھ ہوتا اسے چھین لیتا تھا اور اس مسافر کے ساتھ بدفعلی کرتا اور اس کو تاوان اور چٹی میں تین درہم پکڑا دیتا اور یہ ان کے قاضی کا فیصلہ تھا۔

(۱) حضرت قاسم بن محمد نے کہا کہ وہ لوگ اپنی مجلسوں میں گوز مارتے تھے (یعنی دُبر سے بآوازِ بلند ہوا خارج کرتے تھے)۔

(۲) حضرت مجاہد نے کہا کہ وہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے آپس میں بدفعلی کرتے تھے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: وہ لوگ ایک دوسرے کے اوپر تھوکتے تھے۔

(۴) حضرت مکحول سے مروی ہے کہ قوم لوط کے اخلاق اتنے بد تھے کہ وہ لوگ سب کے سامنے گوند چباتے اور دنداسہ کرتے تھے' انگلیوں میں مہندی لگاتے اور انہیں چٹخاتے رہتے اور سب کے سامنے تہبند کھول دیتے تھے اور سیٹیاں بجاتے تھے' مسافروں پر کنکریاں پھینکتے تھے اور لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرتے تھے۔ [تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۶۶' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۰۰' مطبوعہ ندوۃ المصنفین' دہلی' تفسیر روح المعانی' الجزء العشرون ص ۱۵۳' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' لاہور' تفسیر مدارک التنزیل' مترجم' ج ۳ ص ۹۴۵' مطبوعہ فرید بک سٹال' لاہور' شرح مسند امام اعظم للملا علی قاری ص ۲۷۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

۷- بَابُ الْقِرَاءَۃِ فِیْ ضُعْفٍ — لفظ ضعف کی قراءت

۵۰۶- **اَبُوْحَنِیْفَةَ** عَنْ عَطِیَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَرَاَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّ شَيْبَةً فَرَدَّ عَلَيْهِ وَقَالَ قُلْ مِنْ ضُعْفٍ. (الروم:۵۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ''اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ'' ''اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہیں کمزور حالت میں پیدا کیا' پھر کمزوری کے بعد قوت دی' پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا''۔ (والی آیت میں تینوں جگہ ضاد کو فتح کے ساتھ) پڑھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ردّ کرتے ہوئے فرمایا: تم (فتح کی بجائے ضمہ کے ساتھ) ''مِنْ ضُعْفٍ'' پڑھا کرو۔

ترمذی (۲۹۳۶) ابوداؤد (۳۹۷۸) ابن کثیر (ج ۳ ص ۵۷۶)

حل لغات

''ضُعْفٍ'' ضاد پر فتح اور ضمہ کی صورت میں اس کا معنی ہوتا ہے: کمزور ہونا' کمزوری' بڑھاپا اور ضاد کے نیچے کسرہ اور جر کی صورت میں اس کا معنی ہے: زیادہ کرنا' دوگنا کرنا' دوچند کرنا اور کسی چیز کو بڑھانا۔

''ضعف'' میں دو قراءتیں ہیں

''ضعف'' کو تینوں جگہ میں ابوبکر کوفی' حمزہ' شعبہ اور عاصم نے ضاد کو مفتوح پڑھا ہے اور یہ قبیلہ تمیم کی لغت ہے' جبکہ قاری حفص اور باقی قراء نے ضاد کو تینوں جگہ میں مضموم پڑھا ہے اور یہ قریش کی لغت ہے اور یہی مختار اور اقویٰ اور افصح لغت ہے' اسی لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابن عمر کو ٹوکا اور ضاد کو مضموم پڑھنے کی تاکید کی۔

۸- بَابٌ قَدْ مَضٰى بَعْضُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ — قیامت کی بعض علامات گزر چکی ہیں

۵۰۷- **اَبُوْحَنِیْفَةَ** عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَدْ مَضَى الدُّخَانُ وَالْبَطْشَةُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دھویں کا ظہور اور سخت گرفت کا عذاب (دونوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری عہد میں گزر چکے ہیں۔

بخاری (۴۷۷۴) مسلم (۷۰۶۸) ترمذی (۳۲۵۴)

حل لغات

''مَضٰی'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب ضَرَبَ یَضْرِبُ اور نَصَرَ یَنْصُرُ دونوں سے آتا ہے اور اس کا معنی ہے: گزر جانا' کا پورا کرنا۔ ''اَلدُّخَانُ'' اس کا معنی ہے: دھواں۔ ''اَلْبَطْشَةُ'' اس کا معنی ہے: گرفت کرنا' پکڑ لینا' سزا دینا۔

قیامت کی علامت دھویں کے ظہور میں اختلاف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الدخان:۱۰)
سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا ۝

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝ (الدخان:۱۶)
جس دن ہم سب سے بڑی پکڑ پکڑیں گے' بے شک ہم بدلہ لینے والے ہیں ۝

واضح ہو کہ علمائے اسلام کا دخان کے ظہور اور بطش کبریٰ کے وقوع میں اختلاف ہے' چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت محمد بن کثیر نے سفیان بن منصور اور اعمش سے سوال کیا تو انہوں نے از ابی الضحیٰ از مسروق بیان کیا کہ حضرت مسروق نے کہا کہ کندہ میں ایک آدمی بیان کرنے لگا کہ دھویں کا ظہور قیامت کے دن ہوگا اور یہ دھواں کفار و منافقین کے کانوں اور ان کی آنکھوں کو اپنی گرفت میں لے لے گا اور انہیں مدہوش کر دے گا' لیکن اس دھویں سے مؤمن کی حالت ایسی ہو جائے گی جیسے زکام ہو جاتا ہے' سو ہم اس بات کو سن کر گھبرا گئے' اور (حضرت مسروق کہتے ہیں کہ) میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا اور آپ اس وقت تکیہ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے اور میری بات سن کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ جو شخص جو کچھ جانتا ہو' اسے چاہیے کہ وہ لوگوں سے بیان کرے اور جو شخص نہیں جانتا' اسے یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کیونکہ یہ بھی علم میں شامل ہے کہ آدمی جو چیز نہ جانتا ہو' اس کے بارے میں کہہ دے کہ میں نہیں جانتا' بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے

رسول ﷺ کے لیے فرمایا:

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ O (ص:۸۶) اے محبوب! فرما دیجئے کہ (اے لوگو!) میں اس قرآن پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا اور میں تکلف و بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں O

اور دراصل بات یہ ہے کہ قریشِ مکہ نے اسلام قبول کرنے میں بہت تاخیر کر دی اور کفر و شرک پر ڈٹے رہے اور دینِ اسلام کی مخالفت کرتے رہے تو نبی کریم ﷺ نے ان کے خلاف دعائے ضرر فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

اللّٰھم اعنی علیھم بسبع کسبع یوسف. اے اللہ! کفار پر سات سال تک قحط و خشک سالی مسلط فرما کر میری ان کے خلاف مدد فرما۔

جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال کا قحط بھیجا تھا' یہ دعا مستجاب ہوئی اور قحط سالی نے کفارِ مکہ کو اپنی گرفت میں لے لیا اور یہ قحط سالی اتنی سخت پڑی کہ بہت سے لوگ اس میں ہلاک ہو گئے اور باقی لوگ مردار اور ہڈیاں کھا گئے اور بھوک کی وجہ سے اس حال کو پہنچ گئے کہ جب ان میں سے کوئی آدمی آسمان کی طرف نگاہ اُٹھاتا تو اسے زمین و آسمان کے درمیان دھواں ہی دھواں نظر آتا اور قحط سے زمین خشک ہو گئی' خاک اُڑنے لگی' غبار نے ہوا کو مکدر کر دیا' یہاں تک کہ ابوسفیان (جو اس وقت دینِ اسلام کا بدترین دشمن تھا' بعد میں مسلمان ہو گیا تھا) مدینہ منورہ میں حاضر ہوا' اور کہنے لگا: اے محمد (ﷺ)! آپ تو صلہ رحمی کرنے اور رشتہ داروں کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کا حکم دیتے ہیں' سو آپ کی قوم بھوک کی وجہ سے ہلاک ہو رہی ہے' آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے خوشحالی کی دعا کیجئے' پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی کہ ''فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ O'' (الدخان:۱۰)
چنانچہ قحط سالی کا عذاب ان سے دور ہو گیا اور خوشحالی لوٹ آئی لیکن کفارِ مکہ پھر اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے اور سرکشی دکھانے لگے' یہاں تک کہ غزوۂ بدر کے دن انہیں سخت گرفت میں لے کر بڑے بڑے سرداروں کو ہلاک کر دیا گیا اور ان کے باقی لوگ شکست کھا کر ناکام و نامراد لوٹ گئے اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ج'' علامہ بغوی نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور اکثر علمائے اسلام کا یہی مؤقف ہے کہ دھویں کا ظہور قحط سالی کے دوران ہو چکا ہے اور بڑی گرفت و پکڑ کا وقوع غزوۂ بدر میں کفار کی قتل و غارت اور ان کی شکست کی صورت میں ہو چکا ہے اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ ''يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ج'' سے قیامت کا دن مراد ہے اور حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: دھویں کے ظہور کا دن قیامت کے وقوع سے پہلے ہوگا اور بعد میں دھواں ظہور پذیر نہیں ہوگا' چنانچہ یہ دھواں کفار اور منافقین کے کانوں میں داخل ہو جائے گا (اور انہیں مدہوش کر دے گا) اور یہ مؤمن کو اس طرح پہنچے گا جس طرح زکام ہوتا ہے اور تمام روئے زمین اس گھر کی طرح (گرم اور سرخ) ہو جائے گی جس میں آگ جلائی گئی ہو اور یہ حضرت ابن عباس' ابن عمر اور حسن بصری کا قول ہے۔

اور صحیح بخاری میں حضرت ربعی بن حراش سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (قیامت کی) نشانیوں میں سے پہلی نشانی دھواں ہے اور (دوسری نشانی) حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کا نزول ہے اور (تیسری نشانی) وہ آگ ہے جو یمن کے شہر عدن کے ایک گہرے گڑھے سے نکلے گی' وہ لوگوں کو ہانک کر میدانِ محشر میں لے جائے گی۔ حضرت حذیفہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دخان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے یہ آیت

تلاوت کر کے سنائی:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ O سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان ایک ظاہر و عیاں دھواں لائے گا O (الدخان:۱۰)

چنانچہ یہ مشرق اور مغرب کے درمیان تمام فضاء کو بھر دے گا اور یہ دھواں چالیس دن رات ٹھہرے گا لیکن مؤمنین کو اس سے زکام لاحق ہوگا اور بس' البتہ کفار (و منافقین) اس سے بے ہوش لوگوں کی طرح ہو جائیں گے اور ان کے نتھنوں' ان کے کانوں اور ان کی دُبر (پچھلی شرمگاہ) سے دھواں نکلے گا اور کسی شخص پر یہ بات مخفی نہیں ہوگی' حضرت ابن مسعود کا قول اس آیت مذکورہ بالا کی تفسیر میں زیادہ واضح ہے کیونکہ اس کے بعد ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ O (الدخان:۱۵) بے شک ہم تھوڑی مدت کے لیے عذاب کھولنے والے ہیں (پھر) تم یقیناً (کفر کی طرف) لوٹ جاؤ گے O

یہ آیت تو حضرت ابن مسعود کے مقصد کی تصریح کر رہی ہے' کیونکہ آخرت کے عذاب کا کھلنا نہ تھوڑی مدت کے لیے متصور ہو سکتا ہے اور نہ زیادہ مدت کے لیے متصور ہو سکتا ہے اور اسی طرح کفار کا قیامت کے دن شدید کفر کی طرف لوٹنا غیر متصور ہے' پس معین ہو گیا کہ یہ آیت دنیا کے عذاب پر محمول ہے اور کفارِ مکہ اپنا عہد توڑ کر دنیا میں کفر کی طرف لوٹ گئے تھے۔ نیز اس کی تائید اس آیت سے ہو جاتی ہے کہ

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ج (الدخان:۱۶) ہم اس دن بڑی پکڑ پکڑیں گے۔

کیونکہ یہ بڑی پکڑ غزوۂ بدر کے دن ہوئی تھی اور آیت کو عام معنی پر محمول کرنا بھی کوئی بعید نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۴۲۶-۴۲۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

۹- بَابُ الْوَلَدُ مِنْ كَسْبِ الرَّجُلِ — اولاد آدمی کی کمائی ہوتی ہے

۵۰۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِّنْ كَسْبِكُمْ وَهِبَةُ اللّٰهِ لَكُمْ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمہاری اولاد تمہاری کمائی میں سے ہے اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کا تحفہ ہے وہ جس کے لیے چاہتا ہے لڑکیاں عطاء کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے لڑکے عطاء کرتا ہے۔

ابوداؤد (۳۵۲۸) ترمذی (۱۳۵۸) ابن ماجہ (۲۲۹۰) نسائی (۴۴۵۴ تا ۴۴۵۷) مسند احمد (۲۴۵۳۳) ابن حبان (۴۲۶۰)

محنت و کمائی اور اولاد کی اہمیت

اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے اسی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ابوحنیفہ نے از حماد از ابراہیم از الاسود از عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس روایت کو ان الفاظ میں بھی بیان کیا ہے کہ

اِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهٖ وَاِنَّ ابْنَهٗ مِنْ كَسْبِهٖ. بے شک سب سے زیادہ پاکیزہ کھانا وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی میں سے کھاتا ہے اور بے شک اس کا بیٹا بھی اس کی کمائی میں سے ہے۔

اور امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ

اِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ.

بے شک سب سے زیادہ پاکیزہ کھانا وہ ہے جسے تم نے اپنی کمائی میں سے کھایا ہے۔

امام ترمذی' ابن ماجہ اور ابن حبان نے امام احمد کے روایت کردہ الفاظ میں اس حدیث کو روایت کیا ہے اور امام ابوحاتم اور امام ابوزرعہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور امام حاکم نے امام ابوحنیفہ کی سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام حاکم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ

ان اولادكم هبة لكم يهب لمن يشآء اناثا ويهب لمن يشآء الذكور.

بے شک تمہاری اولاد تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کا تحفہ اور انعام ہے وہ جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔

اور اس حدیث کو امام بیہقی نے صحیح قرار دیا ہے۔ [تنسیق النظام علی مسند الامام ص ۲۲۷' حاشیہ: ۳' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

۱۰- بَابُ بَيَانِ وُسْعَةِ رَحْمَةِ اللّٰهِ
اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا بیان

۵۰۹- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مَكِّيِّ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِىْ لُهَيْعَةَ عَنْ اَبِىْ قَبِيْلٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْمُزَنِىَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ ثَوْبَانَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِىَ الدُّنْيَا بِمَا فِيْهَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ قُلْ يَا عِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (الزمر: ۵۳) فَقَالَ رَجُلٌ وَّمَنْ اَشْرَكَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ وَمَنْ اَشْرَكَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ وَمَنْ اَشْرَكَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اَلَا وَمَنْ اَشْرَكَ. مسند احمد (۲۲۷۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: مجھے دنیا اور اس کے تمام ساز و سامان کے مقابلے میں یہ آیت زیادہ پسند ہے (جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اے محبوب) آپ فرمادیجئے کہ اے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کرنے والے میرے غلامو! تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس و نا اُمید نہ ہو جاؤ' بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ (الزمر: ۵۳) سو ایک آدمی نے عرض کیا: اور جس نے شرک کیا ہے (کیا یہ انعام اس کو بھی شامل ہے؟) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے' پھر اس نے عرض کیا کہ اور جس نے شرک کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے' پھر اس نے عرض کیا: اور جس نے شرک کیا ہے؟ تو پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے' پھر فرمایا کہ سن لو! یہ انعام اس کو بھی شامل ہے جس نے شرک کیا (پھر توبہ کر کے اسلام قبول کرلیا)۔

حل لغات

"اَسْرَفُوْا" صیغہ جمع مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: زیادتی کرنا' حد سے تجاوز کرنا' فضول خرچی کرنا۔ "لَا تَقْنَطُوْا" صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل نہی معروف' باب نَصَرَ يَنْصُرُ' ضَرَبَ يَضْرِبُ' كَرُمَ يَكْرُمُ تینوں سے آتا ہے' اس کا معنی ہے: مایوس ہونا' نا اُمید ہونا۔

قرآن مجید کی آیت اور حدیث کے چند جملوں کی وضاحت

"لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت اور اس کے فضل و کرم سے مایوس و نا اُمید ہو جانا کفر ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قہر و جبر اور اس کی گرفت و پکڑ سے بے خوف اور پُر امن ہو جانا کفر ہے اور "اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے توبہ کرنے پر ان کے تمام گناہ معاف فرمادے گا اس صورت میں یہ اپنے عموم پر سب گناہوں کی مغفرت کو شامل ہوگی' لیکن بغیر توبہ کے مسلمانوں میں سے بعض گنہگاروں کے گناہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو معاف فرما دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد سے ثابت ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: ۴۸-۱۱۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کو نہیں بخشے گا اور اس کے علاوہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اور سائل کے سوال پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاموشی اختیار کرنا یا تو وحی کے انتظار میں تھا' یا پھر کتاب اللہ کے حکم کے استنباط میں اجتہاد کرنے کے لیے تھا اور آخر میں ارشاد "اَلَا مَنْ اَشْرَكَ" کا معنی یہ ہے کہ تم آگاہ ہو جاؤ کہ جب کوئی مشرک آدمی گناہوں سے توبہ کرلے اور ایمان قبول کرلے تو وہ بھی اس آیت کے عموم میں شامل ہو جاتا ہے اور اس صورت میں حرف "اَلَا" تنبیہ کے لیے ہوگا اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ حرف "اِلَّا" استثنائیہ ہو لیکن پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ کئی مشرکوں نے بہت قتل و غارت گری کی' زنا کاری' شراب نوشی کثرت سے کی' لیکن جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ہمیں جس دین کی دعوت دیتے ہیں' یہ بہت اچھا ہے' کاش! آپ ہمیں ایسے اعمال بتادیں جو ہمارے گناہوں کا کفارہ بن جائیں' تو ان کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل کی گئی۔ [شرح مسند امام اعظم ص ۵۰۰' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

۱۱- بَابُ كَيْفِيَّةِ اِسْلَامِ الْوَحْشِيِّ
حضرت وحشی کے اسلام قبول کرنے کی کیفیت

۵۱۰- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ الْكَلْبِيِّ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ وَحْشِيًّا لَمَّا قَتَلَ حَمْزَةَ مَكَثَ زَمَانًا ثُمَّ وَقَعَ فِىْ قَلْبِهِ الْاِسْلَامُ فَاَرْسَلَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَدْ وَقَعَ فِىْ قَلْبِهِ الْاِسْلَامُ وَقَدْ سَمِعْتُكَ تَقُوْلُ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ○ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا (الفرقان: ۶۸-۶۹) فَاِنِّىْ قَدْ فَعَلْتُهُنَّ جَمِيْعًا فَهَلْ لِّىْ رُخْصَةٌ. قَالَ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْ لَهٗ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (الفرقان: ۷۰) قَالَ فَاَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذِهٖ فَلَمَّا قُرِاَتْ عَلَيْهِ قَالَ وَحْشِىٌّ اِنَّ فِىْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ شُرُوْطًا وَاَخْشٰى اَنْ لَّا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت وحشی (بن حرب) نے (زمانہ کفر میں غزوۂ اُحد میں) حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو کچھ عرصہ تک کفر پر قائم رہے' پھر ان کے دل میں اسلام کی محبت و حقانیت جاگزیں ہوگئی' چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ میرے دل میں اسلام کی محبت موجزن ہوگئی ہے اور میں نے سنا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت بیان فرماتے ہیں: (ترجمہ) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور کسی آدمی کو ناحق قتل نہیں کرتے جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور وہ زنا کاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا وہ ضرور سزا پائے گا ○ کہ قیامت کے دن اس کے عذاب کو کئی گنا بڑھا دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتا رہے گا ○ سو میں نے یہ سب کام کیے ہیں تو کیا میرے لیے کوئی رخصت ہے؟ راوی نے کہا کہ اس موقع پر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اس سے فرمایئے کہ مگر جو شخص توبہ کرلے اور ایمان قبول کرلے اور نیک کام کرلے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی بُرائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ○ راوی

اٰتِیَ بِهَا وَلَا اُحَقِّقُ اَنْ اَعْمَلَ عَمَلًا صَالِحًا اَمْ لَا فَهَلْ عِنْدَكَ شَیْءٌ اَلْیَنُ مِنْ هٰذَا یَا مُحَمَّدُ قَالَ فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ قَالَ فَكَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ وَبَعَثَ اِلٰی وَحْشِیٍّ.

نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے ساتھ ایک قاصد اس کے پاس بھیجا' جب یہ آیت اسے پڑھ کر سنائی گئی تو وحشی نے کہا کہ اس آیت میں کچھ شرطیں ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ میں ان پر عمل نہیں کر سکوں گا اور مجھے یقین نہیں کہ میں نیک عمل کر سکوں گا یا نہیں' تو کیا آپ کے پاس اس سے زیادہ نرم حکم موجود ہے؟ راوی نے بیان فرمایا کہ پھر حضرت جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے: (ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کو نہیں بخشے گا اور اس سے کم گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

قَالَ فَلَمَّا قُرِاَتْ لَهٗ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاَنَا لَا اَدْرِیْ لَعَلِّیْ اَنْ لَّا اَكُوْنَ فِیْ مَشِیَّتِهٖ اِنْ شَآءَ فِی الْمَغْفِرَةِ وَلَوْ كَانَتِ الْاٰیَةُ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلَمْ یَقُلْ لِمَنْ شَآءَ كَانَ ذٰلِكَ فَهَلْ عِنْدَكَ شَیْءٌ اَوْسَعُ مِنْ ذٰلِكَ یَا مُحَمَّدُ فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ (الزمر: ۵۳) قَالَ فَكَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَبَعَثَ بِهَا اِلٰی وَحْشِیٍّ فَلَمَّا قُرِاَتْ عَلَیْهِ قَالَ اَمَّا هٰذِهِ الْاٰیَةُ فَنِعَمْ ثُمَّ اَسْلَمَ فَاَرْسَلَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ قَدْ اَسْلَمْتُ فَاْذَنْ لِّیْ فِیْ لِقَائِكَ فَاَرْسَلَ اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ وَارِعَنِّیْ وَجْهَكَ فَاِنِّیْ لَا اَسْتَطِیْعُ اَنْ اَمْلَا عَیْنِیْ مِنْ قَاتِلِ حَمْزَةَ عَمِّیْ قَالَ فَسَكَتَ وَحْشِیٌّ حَتّٰی كَتَبَ مُسَیْلَمَةُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ مِنْ مُّسَیْلَمَةِ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَشْرَكْتُ فِی الْاَرْضِ فَلِیَ نِصْفُ الْاَرْضِ وَلِقُرَیْشٍ نِصْفُهَا غَیْرَ اَنَّ قُرَیْشًا قَوْمٌ یَّعْتَدُوْنَ قَالَ فَقَدِمَ بِكِتَابِهٖ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت لکھ کر وحشی کے پاس بھیج دی' جب اس کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تو اس نے کہا: اس آیت میں تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرک کے علاوہ جس کو چاہے گا اسے بخش دے گا اور میں نہیں جانتا' ممکن ہے اس کی مشیت میں میری مغفرت نہ ہو اور اگر یہ آیت صرف "وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ" ہوتی اور "لِمَنْ یَّشَآءُ" نہ ہوتا تو پھر بات بن جاتی' سو کیا اے محمد (ﷺ)! آپ کے پاس اس سے زیادہ گنجائش ہے؟ اس پر حضرت جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے: (ترجمہ) اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر لی ہے تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ' بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا' بے شک وہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو لکھا اور وحشی کے پاس بھیج دیا' جب اس کے سامنے اس آیت کو پڑھا گیا تو اس نے کہا: لیکن یہ آیت تو سب سے زیادہ بہتر ہے' پھر اس نے اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا اور عرض کیا: یارسول اللہ! بے شک میں نے اسلام قبول کر لیا ہے' سو اب آپ اپنی ملاقات کے لیے مجھے حاضری کی اجازت عنایت کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے وحشی کے پاس پیغام بھیجا کہ تم میری ملاقات کے وقت اپنا چہرہ مجھ سے چھپا کر رکھنا کیونکہ میں اپنے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا' راوی نے کہا کہ حضرت وحشی یہ پیغام سن کر خاموش رہے یہاں تک کہ مسیلمہ کذاب نے رسول اللہ ﷺ کی طرف لکھا: اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے اللہ کے رسول (حضرت)

رَجُلَانِ فَلَمَّا قُرِیَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْكِتَابُ قَالَ لِلرَّسُوْلَیْنِ لَوْلَا اَنَّكُمَا رَسُوْلَانِ لَقَتَلْتُكُمَا ثُمَّ دَعَا بِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ اُكْتُبْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی مُسَیْلَمَةَ الْكَذَّابِ السَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ. قَالَ فَلَمَّا بَلَغَ وَحْشِیًّا مَّا كَتَبَ مُسَیْلَمَةُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَخْرَجَ الْمِدْرَاعَ فَصَقَلَهٗ وَهَمَّ بِقَتْلِ مُسَیْلَمَةَ فَلَمْ یَزَلْ عَلٰی عَزْمِ ذٰلِكَ حَتّٰی قَتَلَهٗ یَوْمَ الْیَمَامَةِ.

بخاری(۴۰۷۲) الجواہر المنیفہ (ج ۱ ص ۲۰۰)

محمد ﷺ کی طرف' امابعد! مجھے زمین میں آپ کا شریک قرار دیا گیا ہے' سو اس لیے نصف زمین میری ہے اور نصف قریش کے لیے ہے' مگر قریش کی قوم نے حق سے تجاوز کر کے ساری زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ مسیلمہ کا یہ خط دو آدمی لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے' جب یہ خط رسول اللہ ﷺ کے سامنے پڑھا گیا تو آپ نے دونوں قاصدوں سے فرمایا: اگر تم دونوں قاصد نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کروا دیتا' پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: تم لکھو: اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے' اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف' ہدایت کی پیروی کرنے والے پر سلامتی ہو' امابعد! بے شک تمام زمین اللہ تعالیٰ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ پر رحمت کاملہ نازل فرمائے۔ راوی نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ کی طرف مسیلمہ کذاب کے خط کی خبر وحشی کو پہنچی تو اس نے اپنا حربہ نکالا اور اس کی دھار تیز کی اور مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا یہاں تک کہ جنگ یمامہ میں اس کو قتل کر کے جہنم رسید کر دیا۔

حل لغات

"لَا اُحَقِّقُ" صیغہ واحد متکلم' فعل مضارع معروف منفی' باب تفعیل سے ہے' اس کا معنی ہے: تحقیق کرنا' ثابت کرنا' محقق کرنا' یقین کرنا۔ "وَارِعَنِّیْ" اس میں "وَارِ" صیغہ واحد مذکر حاضر' فعل امر معروف حاضر' باب مفاعلہ "وَارٰی یُوَارِیْ" سے ہے' اس کا معنی ہے: چھپانا' پوشیدہ کرنا اور "عنی" میں "عن" حرف جار ہے اور "ی" ضمیر متکلم ہے۔ "اَمْلَأُ" صیغہ واحد متکلم' فعل مضارع معروف مثبت' باب فَتَحَ یَفْتَحُ سے ہے' اس کا معنی بھرنا' پُر کرنا۔ "اَلْمِدْرَاعُ" اس کا معنی ہے: حربہ' چھوٹا نیزہ۔ "صَقَلَ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب نَصَرَ یَنْصُرُ اور سَمِعَ یَسْمَعُ دونوں سے آتا ہے' اس کا معنی ہے: چمکانا' تیز کرنا۔ "هَمَّ" صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: ارادہ کرنا۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شان

روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوۂ اُحد کے اختتام پر جب امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں اپنے خیمہ سے باہر نکلے تو آپ نے انہیں بطن الوادی میں پایا' جہاں ان کا سینہ چاک کیا گیا اور جگر نکال کر اسے چبایا گیا اور ان کا مثلہ کیا گیا' ان کا ناک اور دو کان کاٹ دیئے گئے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے پہلے کبھی کوئی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا جس کے سبب آپ کے دل کو اس قدر صدمہ اور رنج پہنچا ہو جس قدر شدید ترین غم و رنج حضرت امیر حمزہ کی لاش دیکھنے سے آپ کو پہنچا' آپ نے انتہائی صدمہ کی

حالت میں شہید اسلام حضرت امیر حمزہ کی میت کو مخاطب کر کے فرمایا: تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت برستی رہے کیونکہ تم خیر و بھلائی کے کام بہت کرنے والے تھے اور رحم و کرم اور شفقت و مہربانی کی پناہ گاہ تھے' لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تمہارے عوض ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا' سو اس کہنے کی وجہ سے آپ پر سورۂ نحل کی آخری آیات نازل ہوئیں تو آپ نے صبر اختیار فرمالیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا اور اپنے ارادے سے رُک گئے۔

حضرت محمد بن سیرین نے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ

سیّد الشهداء يوم القيامة حمزة بن عبد المطلب.

یعنی قیامت کے دن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب شہداء کے سردار ہوں گے۔

اور ابن شاذان' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی اس قدر شدید روتے ہوئے نہیں دیکھا جس قدر آپ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر روئے' آپ نے ان کو قبلہ رخ رکھا اور ان کی میت کے پاس کھڑے ہو گئے اور ان کی خاندانی شرافت و بزرگی اور سیادت و فیاضی بیان کرتے رہے' یہاں تک کہ رونے اور آہ و بکا کرنے کی وجہ سے آپ بے ہوش ہونے کے قریب پہنچ گئے اور آپ بار بار فرماتے رہے: اے حمزہ! اے رسول اللہ کے چچا! اے رسول اللہ کے شیر! اے حمزہ! اے خیر و بھلائی کے کام کرنے والے! اے حمزہ! اے تکلیفوں اور مصیبتوں کو دور کرنے والے! اے رسول اللہ کے سامنے سینہ سپر ہو کر ان کا دفاع کرنے والے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کی نمازِ جنازہ پڑھتے تو اس پر چار تکبیریں پڑھتے لیکن حضرت امیر حمزہ کی نمازِ جنازہ پر آپ نے ستر تکبیریں پڑھیں' اس حدیث کو امام بغوی نے اپنی معجم میں روایت کیا ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص۲۲۶-۲۲۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

۱۲ - بَابٌ اَلشَّفَاعَةُ لِاَهْلِ الْاِيْمَان

اہل ایمان کے لیے شفاعت

۵۱۱- **اَبُوْحَنِيْفَةَ** عَنْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِي الزَّعْرَاءِ مِنْ اَصْحَابِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخْرَجَنَّ بِشَفَاعَتِيْ مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ مِنَ النَّارِ حَتّٰى لَا يَبْقٰى فِيْهَا اَحَدٌ اِلَّا اَهْلُ هٰذِهِ الْاٰيَةِ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَO قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ O وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَO وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَO وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِO حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُO فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَO (المدثر:۴۲-۴۸)

ابوزعراء جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے ہیں' وہ ان سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت کی برکت سے ایمان والوں کو دوزخ کی آگ سے نکالا جائے گا یہاں تک کہ اس میں کوئی ایمان دار باقی نہیں رہے گا' ماسوا ان (درج ذیل) آیات والوں کے: (ترجمہ) تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لے آئی؟O وہ کہیں گے: ہم نماز نہیں پڑھتے تھے O اور نہ ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے O اور ہم تو باطل اور لغو باتوں میں مشغول رہتے تھے O اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے O یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی O سو ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہیں دے گی O

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ يُعَذِّبُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَقْوَامًا مِّنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى لَا يَبْقٰى اِلَّا مَنْ ذَكَرَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَO قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَO وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَO وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَO اِلٰى فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَO (المدثر:۴۲-۴۸) (سراج المنیر)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان میں سے کچھ قوموں کو عذاب میں مبتلا کرے گا' پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی برکت سے انہیں عذابِ دوزخ سے نکال لے گا یہاں تک کہ کوئی مسلمان دوزخ میں باقی نہیں رہے گا' ماسوا ان لوگوں کے جن کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان آیات میں ذکر فرمایا ہے: (ترجمہ) تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لے آئی؟O وہ کہیں گے: ہم نماز نہیں پڑھتے تھے O اور نہ ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے O اور ہم تو باطل اور لغو باتوں میں مشغول رہتے تھے O اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے O یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی O سو ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہیں دے گی O

حل لغات

''سَلَكَكُمْ'' اس میں ''سَلَكَ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: داخل ہونا' راستے پر چلنا' کسی چیز کو داخل کرنا۔ آخر میں ''كُمْ'' ضمیر مخاطب متصل مفعول کی ہے۔ ''سَقَرَ'' قاف مفتوح پڑھا جائے تو اس کا معنی ہے: دوزخ اور اگر قاف ساکن پڑھا جائے تو اس کا معنی ہے: شکرا' تپش' سورج کی گرمی۔ ''نَخُوْضُ'' صیغہ جمع متکلم' فعل مضارع معروف مثبت' باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے' اس کا معنی ہے: گھسنا' داخل ہونا' مشغول ہونا۔

۵۱۲- **حَمَّادٌ** عَنْ اَبِيْهِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَا يَبْقٰى فِي النَّارِ اِلَّا مَنْ ذَكَرَهُ اللّٰهُ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ اِلَى الشّٰفِعِيْنَ. (سراج المنیر)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی مسلمان دوزخ کی آگ میں باقی نہیں رہے گا' ماسوا ان لوگوں کے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان (درج ذیل) آیات میں کیا ہے: ''مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ'' سے ''الشّٰفِعِيْنَ'' تک۔

شفاعت کی اہمیت

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ شفاعت کے باب میں بہت زیادہ احادیث بیان کی گئی ہیں اور قریب ہے کہ یہ احادیث متواتر ہوں' جیسا کہ ہمارے بزرگ و شیخ حضرت علامہ امام جلال الدین سیوطی نے ''بدور السافرة فی احوال الآخرة'' میں ان احادیث کو بیان کیا ہے اور یہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مقتداء اور امام و پیشوا ہیں اور فساق و نافرمان مسلمانوں کو کچھ عرصہ کے لیے دوزخ کی آگ کے عذاب میں ذلیل و رسوا کیا جائے گا' پھر انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور انہیں دوزخ کی آگ میں ہمیشہ کے لیے نہیں رکھا جائے گا ماسوا کفار کے۔ اور یہ فائدہ اس (درج ذیل) آیت سے حاصل ہوا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء:۴۸-۱۱۶)

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کرنے والے کو ہرگز نہیں بخشے گا اور اس سے کم گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

سو یہ آیت خوارج اور معتزلہ دونوں فرقوں کے قول کے باطل و غلط ہونے کی واضح دلیل ہے' کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہوں والے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور یہ آیت مرجئہ فرقہ کے قول کے فساد کی بھی واضح دلیل ہے' کیونکہ ان کے نزدیک جس نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صدقِ دل سے ایک دفعہ پڑھ لیا' وہ کبھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا' اگرچہ وہ فاسق و فاجر اور گنہگار ہو اور اس تقریر سے ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ کے اعتقاد کی صحت و حقانیت واضح ہو گئی ہے اور جنہوں نے آپ کو مرجئہ کی طرف منسوب کیا' ان کے قول کا بطلان بھی واضح ہو گیا۔ [شرح مسند امام اعظم ص۴۹۷-۴۹۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت]

۱۳ - بَابُ بَيَانِ مَعْنَى الْحُقْبِ

حقب کے معنی کا بیان

۵۱۳- حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ قَالَ الْحَقْبُ ثَمَانُوْنَ سَنَةً مِّنْهَا سِتَّةُ اَیَّامٍ عَدَدَ اَیَّامِ الدُّنْیَا. ابن کثیر (ج ۴ ص ۵۹۵)

حضرت ابوصالح بیان کرتے ہیں کہ ایک حقب اسّی سال ہوگا' جس میں سے چھ دن دنیا کے تمام دنوں کی تعداد کے برابر ہوں گے۔

حقب کی مقدار میں اختلاف

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ احقاب' حقب کی جمع ہے' اور حقب مدتِ دراز اور طویل و لمبے زمانے کو کہتے ہیں اور مفسرین کا اس کی مقدار میں اختلاف ہے:

(۱) چنانچہ علامہ ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ ھلال ہجری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے کہا: ایک حقب' اسّی سال کا ہوتا ہے' ہر سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے' ہر مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔

(۲) حضرت حسن بصری اور امام سُدی سے مروی ہے کہ ایک حقب' ستّر سال کا ہوتا ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ ایک حقب' چالیس سال کا ہوتا ہے' جس کا ہر دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے جسے تم دنیا میں گنتے ہو۔

(۴) حضرت بشیر بن کعب نے کہا کہ ایک حقب' تین سو سال کا ہوتا ہے اور سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے اور نیز ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہوتا ہے اور ہر دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوتا ہے' جسے تم گنتے ہو۔

(۵) حضرت سُدی نے کہا: ارشادِ باری تعالیٰ ''لٰبِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًا'' میں احقاب سے سات سو حقب مراد ہیں جبکہ ہر ایک حقب ستّر سال کا ہوتا ہے' ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہوتا ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے جسے تم گنتے ہو۔

(۶) حضرت خالد بن معدان نے کہا: یہ آیت اور آیت ''اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ'' یعنی جب تک رب تعالیٰ چاہے گا جہنمی جہنم میں رہیں گے' یہ دونوں آیتیں اہل توحید کے بارے میں ہیں۔

(۷) امام ابن جریر نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ احقاب کی کوئی انتہاء اور اختتام نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت سالم سے مروی ہے کہ میں نے حضرت حسن سے سنا ہے' آپ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''لٰبِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًا'' کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: احقاب کی کوئی تعداد اور انتہاء نہیں ہے بلکہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنا مراد ہے' البتہ اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ ایک حقب' ستّر سال کا ہوتا ہے' جس کا ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے جسے تم گنتے ہو۔

(۸) اور حضرت قتادہ نے بیان کیا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''لٰبِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًا'' سے غیر محدود اور بے انتہاء زمانہ مراد ہے' جس کا انقطاع اور اختتام نہیں ہوگا کیونکہ ایک حقب گزر جائے گا تو اس کے بعد دوسرا حقب شروع ہو جائے گا اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔

(۹) حضرت ربیع بن انس نے ''لٰبِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًا'' میں کہا کہ احقاب کی مدت کو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی نہیں جانتا اور ہمیں تو یہ بتایا گیا ہے کہ ایک حقب' اسّی سال کا ہوتا ہے اور ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ہوتا ہے اور اس کا ہر دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوتا ہے جسے تم گنتے ہو۔ [مختصر تفسیر ابن کثیر جلد ثالث ص ۵۹۲' مطبوعہ دار القرآن الکریم' بیروت' لبنان' نیز تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۵ ص ۶-۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی]

۱۴- بَابُ بَیَانِ مَعْنَی الْحُسْنٰی

حسنٰی کے معنی کا بیان

۵۱۴- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ قَالَ قُرِاَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (تفسیر سراج المنیر)

حضرت ابوالزبیر بیان کرتے ہیں کہ ارشادِ باری تعالیٰ ''وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تلاوت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس سے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی تصدیق اور اقرار کرنا مراد ہے۔

''وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی'' سے توحید و رسالت کی تصدیق مراد ہے

یہ آیت سورۃ اللیل کی ہے' جس کی تفسیر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کلمہ توحید و رسالت کی تصدیق و تائید اور اقرار کے ساتھ کی ہے' حضرت ابوعبدالرحمٰن السلمی اور حضرت ضحاک نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے اور حضرت عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر روایت کی ہے اور حضرت مجاہد نے اس کی جنت کے ساتھ تفسیر کی ہے' لیکن پہلی تفسیر ہی اتم اور اکمل ہے۔

[شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۱۶۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

حسنٰی کے متعدد مصداق

اس آیت میں ''حُسْنٰی'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: حسن اور خوبی' اچھائی' عمدگی' نیکی اور سچائی۔

اس آیت میں نیک باتوں کے حسبِ ذیل محامل (معانی) ہیں:

(۱) حسنٰی سے مراد ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کی تصدیق ہے' یعنی جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور تقویٰ اختیار کیا اور توحید و رسالت کی تصدیق کی کیونکہ کفر و شرک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور گناہوں سے بچنے کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۲) حسنٰی سے مراد بدنی عبادات اور مالی عبادات کے فرائض ہیں' یعنی جس شخص نے بدنی اور مالی عبادات کے فرائض کو ادا کیا اور احکامِ شرعیہ کی تصدیق کی۔

(۳) حسنٰی سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس مال کا عوض اور بدل عطاء فرماتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ج (سباء: ۳۹)

اور تم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہو' اللہ تعالیٰ اس کا پورا بدل عطاء فرمائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کو اُٹھتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں' ان میں سے ایک دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس مال کا بدل عطاء فرما اور دوسرا فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! بخیل کے مال کو ضائع کر دے۔ [صحیح البخاری: ۱۴۴۲' صحیح مسلم: ۱۰۱۰' السنن الکبریٰ: ۹۱۷۸]

(۴) حسنٰی سے مراد اجر و ثواب ہے۔

(۵) حسنٰی سے مراد جنت ہے۔

(۶) حسنٰی سے مراد ہر اچھی اور نیک خصلت ہے کیونکہ حسنٰی ایسا لفظ ہے جو ہر اچھی اور نیک خصلت کی گنجائش رکھتا ہے۔

[تفسیر تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۷۸۴-۷۸۳' مطبوعہ فرید بک سٹال' اردو بازار' لاہور]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۳۲-کِتَابُ الْوَصَایَا وَالْفَرَائِضِ

وصیتوں اور وراثت کے احکام

۵۱۵- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِيْهِ عن سَعْدِ بْنِ اَبِىْ وَقَّاصٍ قَالَ دَخَلَ عَلَىَّ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُ فِىْ مَرَضٍ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُوْصِىْ بِمَالِىْ كُلِّهٖ قَالَ لَا قُلْتُ فَبِنِصْفِهٖ قَالَ لَا قُلْتُ فَثُلُثِهٖ قَالَ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ لَّا تَدَعْ اَهْلَكَ يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری بیماری کے دوران میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اپنے کل مال کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے عرض کیا: تو نصف (آدھے) مال کی (وصیت کردوں)؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے عرض کیا: ایک تہائی مال (کی وصیت کردوں)؟ آپ نے فرمایا: ایک تہائی بہت ہے' تم اپنے اہل وعیال کو اس حال میں نہ چھوڑ جانا کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جائیں۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى سَعْدٍ يَعُوْدُهٗ قَالَ اَوْصَيْتَ قَالَ نَعَمْ اَوْصَيْتُ بِمَالِىْ كُلِّهٖ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَاقِصُهٗ حَتّٰى قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ.

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے' آپ نے فرمایا: تم نے کوئی وصیت کی ہے؟ حضرت سعد نے عرض کیا: جی ہاں! میں نے اپنے تمام مال کی وصیت کر دی ہے' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کمی کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: صرف ایک تہائی اور ایک تہائی بہت ہے۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ سَعْدٍ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُنِىْ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُوْصِىْ بِمَالِىْ كُلِّهٖ قَالَ لَا قُلْتُ فَبِالنِّصْفِ قَالَ لَا قُلْتُ فَبِالثُّلُثِ قَالَ فَبِالثُّلُثِ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ اَنْ تَدَعَ اَهْلَكَ بِخَيْرٍ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَّتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ.

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عطاء اپنے والد کے واسطے سے اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں' وہ حضرت سعد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سعد نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنے تمام مال کی وصیت کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: نہیں! تو میں نے عرض کیا: نصف مال کی (میں وصیت کرتا ہوں)؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے عرض کیا: تو ایک تہائی کی؟ آپ نے فرمایا: ایک تہائی بہت ہے (یعنی کافی ہے) اگر تم اپنے گھر والوں کو مال دار چھوڑ جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو محتاج وفقیر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جائیں۔

بخاری (۱۲۹۵) مسلم (۴۲۰۹) ابوداؤد (۲۸۲۴)
ترمذی (۱۱۶) نسائی (۳۶۵۶ تا ۳۶۶۵) ابن ماجہ (۲۷۰۸)
مسند احمد (۱۴۸۲) ابن خزیمہ (۲۳۵۵)

حل لغات

''اُوْصِىْ'' صیغہ واحد متکلم' فعل مضارع معروف مثبت باب افعال سے ہے' اس سے پہلے ہمزہ استفہام محذوف ہے' اس کا

معنی ہے: وصیت کرنا' عہد لینا' حکم دینا' وصیت جاری کرنے والا مقرر کرنا۔ ''یتکففون'' صیغہ جمع مذکر غائب' فعل مضارع معروف مثبت' باب تفعل سے ہے' اس کا معنی ہے: ہاتھ' انگلیوں سمیت ہتھیلی پھیلانا' دراز کرنا' مانگنے کے لیے ہاتھ پھیلانا۔

ورثاء کے علاوہ باقی قرابت داروں کے لیے ایک تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے

میراث کے حکم سے پہلے ابتدائے اسلام میں وصیت کرنا واجب تھا' یہی قول صحیح اور ٹھیک ہے' لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا' اب ہر وارث اپنا مقررہ حصہ بغیر وصیت کے لے لے گا' سنن وغیرہ میں حضرت عمرو بن خارجہ سے حدیث مروی ہے' کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے' سو اب کسی وارث کے لیے کوئی وصیت جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سورۂ بقرہ کی تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے تو فرمایا: یہ آیت منسوخ ہے۔ [مسند احمد]

اور بعض مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے اور جن کا ورثہ مقرر نہیں ہے' ان کے حق میں وصیت کا حکم باقی اور ثابت ہے' ابن عباس' حسن' مسروق' طاؤس' ضحاک' مسلم بن یسار اور علاء بن زیاد کا مذہب بھی یہی ہے لیکن ان حضرات کے اس قول کی بناء پر پچھلے فقہاء کی اصطلاح میں یہ آیت منسوخ نہیں ٹھہرتی' اس لیے کہ میراث کی آیت سے وہ لوگ اس حکم سے مخصوص ہو گئے' جن کا حصہ شریعت نے خود مقرر کر دیا ہے اور وہ اس سے پہلے اس آیت کے حکم کی رو سے وصیت میں داخل تھے کیونکہ قرابت دار عام ہیں خواہ ان کا ورثہ مقرر ہو یا نہ ہو' سو اب وصیت صرف ان ہی کے لیے باقی رہے گی جو وارث نہیں اور ان لوگوں کے حق میں وصیت باقی نہیں رہی' جو وارث ہیں' یہ قول اور بعض دیگر حضرات کا یہ قول کہ وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا اور وہ بھی واجب اور ضروری نہیں' ان دونوں کا مطلب تقریباً ایک ہو گیا' البتہ جو لوگ وصیت کے اس حکم کو واجب کہتے ہیں اور عبارت کی روانی اور سیاق کلام سے بھی بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے' ان کے نزدیک تو یہ آیت منسوخ ہی ٹھہرے گی جیسا کہ اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کرام کا قول ہے' پس والدین اور ورثہ پانے والے قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا بالاجماع منسوخ ہے' بلکہ ممنوع ہے کیونکہ حدیث میں آ چکا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے' اب وارث کے لیے کوئی وصیت جائز نہیں' آیت میراث کا حکم مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ واجب اور فرض ہے' باقی رہ گئے وہ قرابت دار جن کا ورثہ مقرر نہیں' ان کے لیے ایک تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے۔ [ماخوذ از مختصر تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۵۷' مطبوعہ دار القرآن الکریم' بیروت' لبنان' نیز تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۱' پارہ دوم' ص ۳۰-۲۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہے کہ تمہارا اپنی وفات کے قریب اپنے مال میں سے ایک تہائی مال بطور وصیت اللہ تعالیٰ کے لیے دینا تمہارے لیے اجر وثواب کے اضافہ کا باعث بنے گا' اس کو امام طبرانی نے خالد بن عبید سلمی سے روایت کیا ہے اور صحیح مسلم کی روایت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ وصیت ایک تہائی مال تک ہے اور ایک تہائی بہت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تمہارا اپنا مال خرچ کرنا صدقہ ہے اور تمہارا اپنے بچوں پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے اور اپنی بیوی کو اپنے مال میں سے کھلانا بھی صدقہ ہے' اگر تم اپنے اہل خانہ کو مال دار چھوڑ جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو اس حال میں چھوڑ جاؤ کہ وہ غربت کے مارے لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔

اور مسند احمد' شیخین اور سنن اربعہ کی روایت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ وصیت ایک تہائی مال میں ہے اور ایک تہائی بہت ہے کیونکہ اگر تم اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑ جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج وغریب چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے

سامنے دست سوال دراز کرتے پھریں' بے شک تم جو کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کرو گے اس پر تمہیں اجر وثواب عنایت کیا جائے گا یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں دو گے اس پر بھی تمہیں اجر وثواب عنایت کیا جائے گا۔[شرح مسند امام اعظم ص ۳۲۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

۱ - بَابٌ هَلْ يَرِثُ الْمُسْلِمُ النَّصْرَانِيَّ

کیا مسلمان نصرانی کا وارث بن سکتا ہے

۵۱۶- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اَبِی الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ النَّصْرَانِيَّ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدَهٗ اَوْ اَمَتَهٗ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان نصرانی کا وارث نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ نصرانی اس کا غلام ہو یا لونڈی ہو۔

بخاری(٦٧٦٤) مسلم(٤١٤٠) ابوداؤد(۲۹۱۱) ترمذی(۲۱۰۷) ابن ماجہ(۲۷۲۹-۲۷۳۱) دار قطنی (ج ۴ ص ۷۴-۷۵)

حل لغات

''لَا يَرِثُ'' صیغہ واحد مذکر غائب' فعل مضارع منفی' باب ضَرَبَ يَضْرِبُ اور حَسِبَ يَحْسَبُ دونوں سے آتا ہے' اس کا معنی ہے: وارث بننا۔

وراثت کے لیے اتحاد دین ضروری ہے

علم میراث میں وراثت کے اصولوں میں ایک اصول اتحاد دین ہے' یعنی وراثت تب جاری ہوگی جب وارث اور مورث دونوں کا دین متحد اور ایک ہوگا' لیکن اختلاف دین کی صورت میں وراثت جاری نہیں ہوگی' چنانچہ امام بخاری نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ ''لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم'' یعنی مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا' اور اس حدیث کو دیگر ارباب صحاح نے بھی حضرت اسامہ سے نقل کیا ہے۔ اور ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں ہے کہ علمائے اسلام نے کہا ہے کہ عیسائی غلام فوت ہو جائے تو اس کا ترکہ اس کے مولیٰ اور آقا کو غلام کی غلامیت کی بناء پر ملے گا' کیونکہ غلام کا ملک صحیح نہیں بلکہ خود غلام اور اس کا مال وغیرہ اس کے آقا کی ملکیت میں ہوتا ہے' سو اس لیے اس کے ترکہ کا مستحق اس کا آقا ہوگا' لیکن بطور میراث نہیں بلکہ بطور عبدیت وغلامیت حق دار ہوگا' چنانچہ مسند امام اعظم کی اس حدیث میں اسی کا اثبات کیا گیا ہے' پھر مسلم وکافر کے درمیان توارث کے مسئلہ میں صورت حال یہ ہے کہ اس بات پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا' البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں' سو صحابہ کرام' تابعین عظام اور دیگر علمائے اسلام میں سے جمہور (یعنی اکثر) کا مذہب یہ ہے کہ جس طرح کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا' اسی طرح مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں بن سکتا اور ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے' البتہ حضرت معاذ بن جبل' حضرت امیر معاویہ' حضرت سعید بن مسیب اور حضرت مسروق کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ''الاسلام يعلو ولا يُعلٰى'' یعنی اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا اور یہ صحیح حدیث ہے' لیکن یہ انہیں مفید نہیں ہے کیونکہ اس میں تو صرف اسلام کی فضیلت وعظمت اور اس کی حقانیت بیان کی گئی ہے' اس حدیث کا وراثت سے کوئی تعلق نہیں۔

۲- بَابُ اِلْحَاقِ الْفَرَائِضِ بِاَهْلِهَا

وراثت ذوی الفروض کو دینا

۵۱۷- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ طَاؤسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا بَقِیَ فَلِاَوْلٰی رَجُلٍ ذَكَرٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم وراثت کے مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دو اور جو باقی بچ جائے' وہ سب سے زیادہ قرابت دار مرد کو دے دو۔

بخاری(٦٧٤٦) مسلم(٤١٤١) مسند احمد(٢٦٥٧)

حل لغات

''اَلْحِقُوْا'' صیغہ جمع مذکر حاضر' فعل امر معروف حاضر' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: لاحق کرنا' ملانا' دینا۔ ''اَلْفَرَائِضُ'' یہ ''فَرِيْضَةٌ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: فرض' زکوٰۃ' مقرر کردہ حصہ' یہاں آخری معنی مراد ہے۔

وراثت کی تقسیم کا طریقہ

یاد رہے کہ میت کے مال کو میراث اور ترکہ کہا جاتا ہے' یہاں ترکہ بمعنی متروکہ ہے' یعنی میت کا چھوڑا ہوا مال اور اس کے ساتھ چار حقوق متعلق ہوتے ہیں:

(۱) سب سے پہلے میت کے ترکہ میں سے اس کی تجہیز وتکفین میانہ روی کے ساتھ عمل میں لائی جائے گی۔
(۲) اس کے بعد باقی مال میں سے میت کا قرضہ اگر کچھ ہو تو ادا کیا جائے گا۔
(۳) پھر اس کے بعد میت نے وصیت کی ہو تو وہ اس کے ثلث مال یا اس کے اندر ادا کی جائے گی۔
(۴) پھر اس کے بعد باقی مال کو سب سے پہلے میت کے ان ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا جن کا وارث ہونا کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے' انہیں کو اصحاب فروض اور ذوی الفروض کہا جاتا ہے۔ (باقی ورثاء کی تفصیل سراجی میں ملاحظہ فرمائیں)

اور یہ کل بارہ اشخاص ہیں اور ان میں سے چار مرد ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) باپ (۲) دادا یعنی باپ کا باپ' چاہے اوپر کا درجہ ہو (۳) اخیافی بھائی یعنی ماں شریک بھائی (۴) شوہر۔ اور آٹھ عورتیں ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) بیوی (۲) بیٹی (۳) پوتی چاہے نیچے درجہ کی ہو (۴) حقیقی بہن (۵) باپ شریکی بہن یعنی علاتی بہن (۶) ماں شریکی بہن یعنی اخیافی بہن (۷) ماں (۸) جدہ صحیحہ' یعنی باپ کی ماں' دادا' دادی کی ماں' نیز ماں کی ماں یعنی نانی اور نانی کی ماں' یعنی ماں کی نانی جہاں تک اوپر ہو سکے' اگر ذوی الفروض کو دینے کے بعد ترکہ میں سے کچھ مال باقی بچ جائے تو پھر میت کے سب سے زیادہ قرابت دار مرد کو حصہ دیا جائے گا جیسے باپ کا ذوی الفروض کی بناء پر چھٹا حصہ بنتا ہے' وہ اس کو دے دیا گیا اور دوسرے وارثوں کو بھی ان کا مقرر کردہ حصہ دے دیا گیا' لیکن ترکہ میں سے کچھ مال بچ گیا تو اب چونکہ تمام مذکورہ ورثاء کی نسبت میت کا باپ اس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے' اس لیے عصبہ ہونے کی بناء پر باقی بچہ ہوا مال بھی اسی کو دے دیا جائے گا۔

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ مسند کی اس حدیث کو بعینہٖ امام احمد' بخاری ومسلم اور ترمذی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[شرح مسند امام اعظم ص ۱۸۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

۳- بَابُ حُكْمِ مِيْرَاثِ الْعَبْدِ الْمُعْتَقِ

آزاد کردہ غلام کی میراث کا حکم

۵۱۸- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ اَنَّ ابْنَةً لِحَمْزَةَ اَعْتَقَتْ مَمْلُوْكًا فَمَاتَ فَتَرَكَ اِبْنَةً فَاَعْطَى النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِبْنَةَ

حضرت عبد اللہ بن شداد نقل کرتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ کی بیٹی نے ایک غلام آزاد کیا' پھر وہ فوت ہو گیا اور اپنی ایک بیٹی چھوڑ گیا' پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ترکہ میں سے آدھا مال اس کی بیٹی کو دے

اَلنِّصْفَ وَاَعْطٰی اِبْنَةَ حَمْزَةَ النِّصْفَ.

دیا اور آدھا مال حضرت امیر حمزہ کی بیٹی کو دے دیا۔

ابن ماجہ (۲۷۳٤)

مذکورہ بالا تقسیم کی وجہ

واضح رہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن شداد حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی جن کا نام فاطمہ اور بعض روایات کے مطابق عمارہ ہے کے اخیافی بھائی ہیں کیونکہ ان دونوں کی والدہ حضرت سلمٰی بنت عمیس ہیں، جو پہلے حضرت امیر حمزہ کے نکاح میں تھیں اور ان سے صرف یہی ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی، پھر غزوۂ اُحد میں حضرت امیر حمزہ کی شہادت کے بعد حضرت سلمٰی بنت عمیس نے حضرت شداد بن الھاد سے نکاح کرلیا اور ان سے حضرت عبداللہ پیدا ہوئے، سو اس لیے یہ دونوں اخیافی بہن بھائی، یعنی ماں شریک بہن بھائی ہیں اور چونکہ اس مرنے والے غلام کی صرف ایک بیٹی تھی اور قرآن مجید نے میت کی صرف ایک بیٹی ہونے کی صورت میں اس کا کل مال میں سے نصف حصہ مقرر کیا ہے، سو اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو نصف مال دیا اور چونکہ اس کا کوئی دوسرا رشتہ دار موجود نہیں تھا، اس لیے آپ نے حضرت امیر حمزہ کی بیٹی کو عصبہ سببی کی بناء پر بقیہ نصف مال عنایت فرما دیا، کیونکہ امام احمد اور امام طبرانی نے حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''الولاء لمن اعتق'' یعنی ولاء (غلام کا ورثہ) اسی شخص کا حق ہے جس نے غلام کو آزاد کیا۔ [شرح مسند امام اعظم لملا علی قاری ص ۲۶۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان]

٤- بَابُ اَكْلِ مَالِ الْيَتِيْمِ بِغَيْرِ حَقٍّ ظُلْمٌ

یتیم کا مال ناحق کھانا ظلم ہے

٥١٩- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنِ الْهَيْثَمِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا○ (النساء:۱۰) عَدَلَ مَنْ كَانَ يَعُوْلُ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى فَلَمْ يَقْرَبُوْهَا وَشَقَّ عَلَيْهِمْ حِفْظُهَا وَخَافُوا الْاِثْمَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ فَنَزَلَتِ الْاٰيَةُ فَخَفَّفَتْ عَلَيْهِمْ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ (البقرہ:۲۲۰) الْاٰيَةَ. ابوداؤد (۲۸۷۱) نسائی (۳٦۹۹) مسند احمد (۳۰۰۲) مستدرک للحاکم (ج ۲ ص ۲۷۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی: بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں بلاشبہ وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھرتے ہیں اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے ○ تو وہ لوگ جو یتیموں کی سرپرستی کرتے تھے وہ (ظلم کے خوف سے) الگ تھلگ ہو گئے اور وہ ان کے نزدیک نہ جاتے اور ان پر اس مال کی حفاظت و دیکھ بھال مشکل ہو گئی اور انہیں اپنے آپ پر گناہ کا اندیشہ ہو گیا، پھر یہ (درج ذیل) آیت نازل ہوئی تو ان پر تخفیف کر دی گئی: اور وہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ (ان سے) فرمائیے: ان کی اصلاح بہتر ہے اور اگر تم ان سے مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔

حل لغات

''يَعُوْلُ'' صیغہ واحد مذکر غائب، فعل مضارع معروف مثبت، باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے، اس کا معنی ہے: کفالت کرنا، خبرگیری کرنا، دیکھ بھال کرنا۔ ''شَقَّ'' صیغہ واحد مذکر غائب، فعل ماضی معروف مثبت، باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے، اس کا معنی ہے: کام کا دشوار ہونا، کسی کو مشقت میں ڈالنا، مشکل میں پڑنا۔

یتیم کے منتظمین کے لیے تخفیف

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے کہ پہلے یہ حکم نازل ہوا کہ ''وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ'' یعنی تم یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو سب سے بہترین طریقہ ہو، نیز یہ فرمایا گیا تھا کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا○ (النساء:۱۰)

بے شک جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ بھڑکتی ہوئی جہنم میں عنقریب داخل ہوں گے ○

سو ان آیتوں کو سن کر ان لوگوں نے جو یتیموں کے والی اور سرپرست تھے، یتیموں کا کھانا، ان کا پانی اپنے گھر کے کھانے اور اپنے گھر کے پانی سے بالکل جدا اور الگ کر دیا، اب اگر اس کا پکا ہوا کھانا بچ جاتا تو اسے الگ روک کر رکھ دیا جاتا یہاں تک کہ وہ خود ہی اسے دوسرے وقت کھا لے یا خراب ہو جائے، اس طرح ایک طرف تو ان یتیموں کا نقصان ہونے لگا، دوسری جانب یتیموں کے سرپرست و منتظمین بھی تنگ آ گئے کہ کب تک ایک ہی گھر میں اس طرح رکھ رکھاؤ کیا کریں، چنانچہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس تنگی اور پریشانی کا ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: ''وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ'' اور انہیں نیک نیتی اور دیانت داری کے ساتھ یتیموں کے مال کو اپنے مال میں ملا لینے کی اجازت دی گئی، ابوداؤد، نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں موجود ہیں اور سلف کی ایک بہت بڑی جماعت نے اس کا شانِ نزول یہی بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یتیم کے ذرا ذرا سے مال کی اس طرح حفاظت و دیکھ بھال کرنا سخت مشکل ہے کہ اس کا کھانا الگ ہو اور اس کا پینا الگ ہو اور ''قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ'' سے یہی علیحدگی مراد ہے لیکن پھر ''وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ'' فرما کر ان کے کھانے پینے کو اپنے کھانے پینے میں ملا جلا کر رکھنے کی اجازت دی گئی، اس لیے کہ وہ بھی دینی بھائی ہیں، البتہ نیت نیک ہونی چاہیے، قصد اور ارادہ اگر یتیم کی نقصان رسانی کا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور اگر یتیم کی بھلائی اور اس کے مال کی حفاظت و نگہبانی ہے تو اسے بھی وہ علام الغیوب خوب جانتا ہے، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں تکلیف و مشقت میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا جو تنگی اور حرج تم پر یتیم کا کھانا پینا بالکل جدا رکھنے میں تھا، وہ اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیا اور تم پر تخفیف کر دی اور ایک ہنڈیا رکھنا اور ملا جلا کر کام کرنا تمہارے لیے مباح قرار دے دیا، بلکہ یتیم کا والی اگر فقیر و مسکین ہو تو وہ دستور کے مطابق اپنے خرچ میں لا سکتا ہے اور اگر کسی مال دار نے بہ وقت ضرورت اس کی کوئی چیز کام میں لے لی تو پھر ادا کر دے۔ [مختصر تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۲-۱۹۳، عربی، مطبوعہ دار القرآن الکریم، بیروت، تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۱ ص ۸۳، پارہ دوم، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی]

٥- بَابٌ مَتٰى يَكُوْنُ الْيَتِيْمُ

یتیم کب تک رہتا ہے

٥٢٠- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُتْمَ بَعْدَ الْحُلُمِ.

ابوداؤد (۲۸۷۳) ابن عدی (۲٤۳۲) مسند شہاب (۷۸۲)

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بالغ ہو جانے کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی۔

حل لغات

''لَا يُتْمَ'' اس میں یاء مضموم اور تاء ساکن ہے اور یہ یتیم کا مصدر میمی ہے، یعنی یتیم میں بلوغت کے بعد یتیمی کا وصف باقی نہیں

رہتا اور یتیم اس نابالغ بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ فوت ہو چکا ہو۔ ''اَلْحُلُمُ'' اس میں حاء اور لام دونوں مضموم ہیں اور اس کا معنی ہے: بالغ ہونا' بلوغت' بلوغ۔

یتیمی بلوغت تک ہے

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: احتلام کے بعد یتیمی نہیں اور نہ چپ رہنا ہے سارا دن رات تک اور یہ (درج ذیل) آیت سے مستفاد ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ (النساء:٦) یعنی تم یتیموں کو نکاح کی عمر تک آزماتے رہو' یعنی بالغ ہونے تک۔

[شرح مسند امام اعظم ص۲۱۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہاں نکاح سے مراد بلوغت ہے' حضرت مجاہد کا یہی قول ہے اور جمہور علماء کے نزدیک لڑکے کی بلوغت کبھی احتلام کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ لڑکا خواب میں دیکھے کہ آلہ تناسل سے بچے کی پیدائش کا مادہ خاص پانی اُچھل کر نکلتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان خوب یاد کر رکھا ہے کہ احتلام کے بعد یتیمی نہیں اور نہ سارا دن رات تک خاموش رہنا ہے۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دوسری حدیث میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں سے (مکلّف و ذمہ دار بنانے کا) قلم اُٹھا لیا گیا ہے: (۱) بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے (۲) سوتے ہوئے آدمی سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے (۳) اور مجنون (دیوانے) سے یہاں تک کہ وہ ہوش میں آ جائے۔ پس ایک علامت بلوغت ہے اور دوسری علامت پندرہ سال ہے اور یہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے' جس میں آپ فرماتے ہیں کہ اُحد کی لڑائی کے دن مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا اور اس وقت میری عمر چودہ سال تھی' سو آپ نے مجھے اجازت نہیں دی اور غزوۂ خندق کے دن میری عمر پندرہ سال تھی تو آپ نے مجھے شرکت کی اجازت دے دی اور جب یہ حدیث حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: بالغ اور نابالغ کی یہی حد ہے اور بلوغت کی تیسری علامت زیر ناف بالوں کا نکلنا ہے' چنانچہ غرائب ابی عبیدہ میں ہے کہ ایک لڑکے نے ایک نوجوان لڑکی کی نسبت کہا کہ میں نے اس سے بدکاری کی ہے اور دراصل یہ تہمت تھی' حضرت عمر نے اس پر حد لگانا چاہی لیکن فرمایا: دیکھ لو! اگر اس کے زیر ناف بال اُگ آئے ہوں تو اس پر حد لگاؤ' ورنہ نہیں۔ [تفسیر مختصر ابن کثیر ج۱ ص۳۵۸' مطبوعہ دارالقرآن الکریم' بیروت]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے

۳۳- کِتَابُ الْقِیٰمَةِ وَصِفَةِ الْجَنَّةِ

قیامت کا منظر اور جنت کی صفات

۵۲۱- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِیْلَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِیْءٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ذُوْ حَسْرَةٍ وَّ نَدَامَةٍ.

حضرت اُم ہانی ء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک قیامت کا دن حسرت و افسوس اور ندامت و پشیمانی کا دن ہوگا۔

مسند الحارثی (۷۵۷)

۵۲۲- اَبُوْحَنِیْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِیْلَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِیْءٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْقِیٰمَةَ ذُوْ حَسْرَةٍ وَّ نَدَامَةٍ.

حضرت اُم ہانی ء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک قیامت کا دن حسرت و افسوس اور ندامت و شرمندگی کا دن ہوگا۔

قیامت کا دن کفار کے لیے حسرت وندامت کا دن ہوگا

یاد رہے کہ صحاح میں ایسی بہت سی احادیث وارد ہیں جو ان مذکورہ بالا دونوں احادیث کے مضمون کی تائید و تصدیق کرتی ہیں اور ان دونوں کے معانی کا افادہ کرتی ہیں۔ علامہ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ یہ مفہوم و معنی اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد سے مستفاد ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (مریم:۳۹)

اور (اے محبوب!) آپ انہیں حسرت کے دن کا ڈر سناتے رہیں' جب ہر معاملہ کا فیصلہ کیا جائے گا حالانکہ (آج) وہ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے ○

اور احادیث میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن جنتی حضرات حسرت و افسوس نہیں کریں گے' مگر انہیں اوقات پر جن میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا ہوگا' اسے امام طبرانی اور امام بیہقی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ درحقیقت اس دن حسرت و افسوس اور غم و رنج صرف کفار و مشرکین کو ہوگا' کیونکہ انہیں کفر و شرک کی بناء پر ہمیشہ ذلت و رسوائی اور عذاب دوزخ میں مبتلا رکھا جائے گا اور ان کے بعد فاسقوں' فاجروں اور نافرمانوں کو اپنے بدترین اور بُرے اعمال کرنے پر حسرت و ندامت اور رنج و غم لاحق ہوگا' لیکن جنتی حضرات کو بہ ظاہر تھوڑا سا افسوس ہوگا جس پر ان کے حق میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قیامت کا دن ان کے لیے حسرت و ندامت کا دن ہوگا' پھر معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے ہاں مسند امام اعظم کے موجودہ نسخوں میں اسناد اور متن کے تکرار کے ساتھ اسی طرح موجود ہے' اس لیے ہم نے اس کو بعینہٖ نقل کیا ہے اور ان دونوں احادیث کے اسناد اور متن میں بہ ظاہر کوئی فرق نہیں' البتہ پہلی حدیث میں لفظ ''یوم'' موجود ہے یعنی ''اِنَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ'' ہے جبکہ دوسری حدیث میں لفظ ''یوم'' کے بغیر صرف ''ان القیامة'' ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ احادیث کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر اور ترتیب کا بھی لحاظ رکھتے ہیں' بھلا آپ الفاظ میں حروف کا لحاظ کیوں نہیں رکھیں گے جیسا کہ تم اس مسند میں اوّل سے آخر تک دیکھ لو گے اور یہی بات تکرار متن وغیرہ کا باعث ہے۔

[تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص۲۳۴' حاشیہ ۲' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

علامہ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی لکھتے ہیں:

جب حساب سے فراغت کے بعد جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔

(۱) چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: موت کو سرمئی مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور منادی نداء دے گا: اے اہل جنت! تو وہ اپنی گردنیں اُٹھا کر دیکھیں گے' سو منادی ان سے کہے گا: کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں! یہ موت ہے اور سب لوگ اس کو دیکھ چکے ہیں' پھر منادی نداء دے گا: اے اہل دوزخ! سو وہ بھی اپنی گردنیں اُٹھا کر دیکھیں گے تو منادی ان سے کہے گا: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں! یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ چکے ہیں' پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا' پھر وہ منادی کہے گا: اے اہل جنت! اب دوام و ہمیشگی ہے' پس موت نہیں' اے اہل دوزخ!

اب دوام وہیشگی ہے' پس موت نہیں' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ O" (مریم:۳۹)۔

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا یہاں تک کہ اسے جنت اور دوزخ کے درمیان کر دیا جائے گا' پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا' پھر ایک منادی نداء دے گا: اے اہل جنت! اب موت نہیں رہی' اور اے اہل جہنم! اب موت نہیں رہی' چنانچہ یہ اعلان سن کر اہل جنت کئی گنا زیادہ خوش ہوں گے اور دوزخی کئی گنا زیادہ غمگین و رنجیدہ ہو جائیں گے۔

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر جنتی کو پہلے دوزخ میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جائے گا کہ اگر وہ بُرے کام کرتا (تو اس کا یہ ٹھکانہ ہوتا)' پھر اسے جنت میں داخل کیا جائے گا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرے اور ہر دوزخی کو پہلے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جائے گا کہ اگر وہ نیک کام کرتا (تو اس کا یہ ٹھکانہ ہوتا)' پھر اس کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا تاکہ اسے حسرت و افسوس ہو۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص فوت ہوتا ہے تو وہ نادم و شرمندہ ضرور ہوتا ہے' صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کس بات پر نادم و شرمندہ ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر وہ نیک ہوتا ہے تو وہ اس بات پر نادم ہوتا ہے کہ اس نے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کیں اور اگر وہ بُرا ہوتا ہے تو وہ اس بات پر نادم ہوتا ہے کہ وہ (گناہوں سے) باز کیوں نہیں آیا۔ [تفسیر معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۹۶-۱۹۷' مطبوعہ دار المعرفۃ' بیروت' لبنان]

١ - بَابُ صِفَةِ مَدِيْنَةِ الْجَنَّةِ وَالْحُوْرِ الْعِيْنِ

جنت کے ایک شہر اور حورِ عین کی صفت

۵۲۳- اَبُوْحَنِيْفَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اُمِّ هَانِيءٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ مِنَ الْجَنَّةِ مَدِيْنَةً مِّنْ مِّسْكٍ اَذْفَرَ مَاؤُهَا السَّلْسَبِيْلُ وَ شَجَرُهَا خُلِقَتْ مِنْ نُّوْرٍ فِيْهَا حُوْرٌ حِسَانٌ عَلٰى كُلِّ وَاحِدَةٍ سَبْعُوْنَ ذُؤَابَةً لَوْ اَنَّ وَاحِدَةً مِّنْهَا اَشْرَقَتْ فِي الْاَرْضِ لَاَضَاءَتْ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَمَلَاَتْ مِنْ طِيْبِ رِيْحِهَا مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَنْ هٰذَا قَالَ لِمَنْ كَانَ سَمْحًا فِي التَّقَاضِيْ.

حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت میں مشک کا ایک شہر پیدا کر رکھا ہے' جس کی خوشبو بہت پاکیزہ اور عمدہ ہے' اس کا پانی سلسبیل نہر کا ہے اور اس کے درخت نور سے پیدا کیے گئے ہیں' جس میں بہت خوبصورت حوریں ہیں' ہر حور کی ستر لٹیں ہیں' اگر ان میں سے صرف ایک لٹ زمین میں روشن ہو جائے تو مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز کو وہ ضرور چمکا دے گی اور اس کی بہترین پاکیزہ اور عمدہ خوشبو کی وجہ سے زمین و آسمان کے درمیان ساری فضاء ضرور بھر جائے گی' سو صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ نعمتیں کس لیے ہے ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قرض کا تقاضا کرنے میں نرمی اختیار کرے گا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ لَوْ اَنَّ وَاحِدَةً مِّنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ اَشْرَقَتْ لَاَضَاءَتْ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَمَلَاَتْ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ مِنْ طِيْبِهَا .

اور ایک روایت میں ہے کہ اگر حورِ عین کی صرف ایک لٹ روشن ہو جائے تو مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز کو چمکا دے اور آسمان و زمین کی تمام فضاء بھر جائے۔

47

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَدِيْنَةً خُلِقَتْ مِنْ مِسْكٍ اَذْفَرَ مُعَلَّقَةً تَحْتَ الْعَرْشِ وَشَجَرٌ مِّنَ النُّوْرِ وَمَاؤُهَا السَّلْسَبِيْلُ وَحُوْرٌ عِيْنُهَا خُلِقَتْ مِنْ نَّبَاتِ الْجِنَانِ عَلٰى كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سَبْعُوْنَ ذُؤَابَةً لَوْ اَنَّ وَاحِدَةً مِّنْهُنَّ عُلِّقَتْ فِي الْمَشْرِقِ لَاَضَاءَتْ اَهْلَ الْمَغْرِبِ.

بخاری(۲۷۹۶) ترمذی(۱۶۵۱) مسند الحارث(۷۴۵)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت اُم ہانی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا ایک شہر ہے جسے عمدہ خوشبو سے پیدا کیا گیا ہے جو عرش کے نیچے لٹک رہا ہے اور اس کے نور کے درخت ہیں اور اس کا پانی سلسبیل نہر کا ہے اور حوریں ہیں ان کی آنکھیں جنت کے پودوں سے پیدا کی گئیں' ان میں سے ہر ایک کی ستر لٹیں ہیں اگر ان کی ایک لٹ شرق میں لٹکا دی جائے تو وہ اہل مغرب کو روشن کر دے۔

حل لغات

"مِسْكٌ" مشہور خوشبو جسے مشک بھی کہا جاتا ہے۔ "حَسِيْنًا" حسین و جمیل' خوبصورت۔ "ذُؤَابَةٍ" چوٹی' پیشانی کے بال' جوڑا' مینڈھیاں' بالوں کی لٹیں۔ "لَاَضَاءَتْ" اس میں لام ابتدائیہ برائے تاکید اور "اَضَاءَتْ" صیغہ واحد مؤنث غائب' فعل ماضی معروف مثبت' باب افعال سے ہے' اس کا معنی ہے: روشن کرنا' چمکانا' اجالا کرنا۔ "سَمْحًا" سہل و آسان ہونا' نرم ہونا' فیاض و سخی ہونا۔

جنت اور حوروں کی صفات

حوروں کی صفات میں بہت سی احادیث وارد ہیں' جیسے:

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث منقول ہے کہ حورِ عین کو زعفران سے پیدا کیا گیا ہے' اسے ابن مردویہ اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں تخریج کیا ہے۔

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حورِ عین کو فرشتوں کی تسبیح سے پیدا کیا گیا ہے' اسے ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔

(۳) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں ہے کہ حورِ عین کو زعفران سے پیدا کیا گیا ہے' اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم الکبیر میں تخریج کیا ہے۔

(۴) امام بخاری نے جنت اور دوزخ کی صفت میں حضرت اُم حارثہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ اگر جنتی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو زمین و آسمان کے درمیان کی ساری فضاء روشن ہو جائے اور ان کی ساری فضاء خوشبو سے بھر جائے اور اس کا ایک دوپٹہ تمام دنیا اور اس کے ساز و سامان سے زیادہ خوبصورت و عمدہ اور بہترین ہے۔

(۵) ارشاد الساری شرح بخاری میں بیان فرمایا ہے کہ ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کی ہے کہ اگر جنتی خاتون اپنا دوپٹہ دنیا میں ظاہر کر دے تو اس کے حسن کے مقابلہ میں سورج اس طرح ماند پڑ جائے گا جس طرح سورج کے سامنے چراغ کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے اور اگر وہ اپنے حسین و جمیل چہرے کو عیاں کر دے تو اس کا حسن و جمال زمین و آسمان کے درمیان ساری فضاء کو روشن کر دے گا اور اگر وہ اپنی ہتھیلی کو ظاہر کر دے تو تمام خلائق اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو جائے گی۔ [تنسیق النظام فی شرح مسند الامام ص ۲۳۴' مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ' لاہور]

علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

(۶) امام طبرانی اور الضیاء نے حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ اگر جنتی عورتوں میں سے کوئی ایک عورت زمین پر اپنی روشنی ڈال دے تو تمام روئے زمین مشک کی خوشبو سے بھر جائے گی اور شمس وقمر کی روشنی رخصت ہو جائے گی۔

(۷) امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ اگر جنت کی حسین وجمیل چیزوں میں سے کوئی ایک چیز دنیا کے سامنے لائی جائے تو زمین' آسمانوں اور پہاڑوں کی ہر جگہ روشن وآراستہ اور خوبصورت ہو جائے اور اگر جنتی آدمی اپنے ہاتھوں میں پہنے ہوئے کنگنوں میں سے صرف ایک کڑا ظاہر کر دے تو وہ سورج کی روشنی کو اس طرح مٹا دے گا جس طرح سورج کی روشنی ستاروں کی روشنی کو مٹا دیتی ہے۔

(۸) امام غزالی نے اپنی کتاب منہاج العابدین میں ذکر کیا ہے کہ امام سفیان ثوری کے بعض شاگردوں نے آپ کی دینی مسائل میں مصروفیت اور اجتہادی تحقیقات میں شدید محنت ومشقت اور خوفِ الٰہی کی وجہ سے آپ کی حالت زار دیکھی تو انہوں نے آپ سے بات چیت کی اور عرض کیا کہ اے ہمارے استاذِ محترم! اگر اس قدر شدید محنت ومشقت قدرے کم کر دیں تو پھر بھی ان شاء اللہ العزیز آپ اپنی مراد کو حاصل کر لیں گے' آپ نے یہ بات سن کر فرمایا: میں اپنی محنت وکوشش کیوں نہ جاری رکھوں حالانکہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جنتی حضرات اپنے جنت کے محلات میں ہوں گے کہ ان پر ایک عظیم الشان نور جلوہ گر ہوگا جس کی وجہ سے آٹھوں جنتیں جگمگا اُٹھیں گی' سو جنتی حضرات یہ خیال کریں گے کہ یہ رب تعالیٰ کے نور کی تجلی ہے' چنانچہ وہ سب رب تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جائیں گے تو انہیں پکار کر کہا جائے گا کہ تم اپنے سروں کو اوپر اُٹھالو کیونکہ یہ وہ نور نہیں ہے جو تم خیال کر رہے ہو بلکہ یہ تو جنتی لونڈی کا نور ہے جو اپنے شوہر کے سامنے مسکرا پڑی ہے۔

[شرح مسند امام اعظم ص ۴۷۱-۴۷۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' لبنان]

قال جامعه الشيخ المحقق العلامة الفهامة مولانا الشيخ محمد عابد السندی الانصاری هذا آخر ما وجدته من رواية الحصكفی فی مسند الامام الاعظم ابی حنيفة النعمان رحمۃ اللہ علیہ والحمد لله الذی عم نواله علی العباد والصلوٰة علی رسوله محمد المصطفٰی وعلی آله واصحابه الامجاد فقط.

اس کتاب کے جامع اور مؤلف شیخ محقق علامہ فہامہ' مولانا شیخ محمد عابد سندھی انصاری نے فرمایا کہ مسند امام اعظم ابی حنیفہ نعمان رحمۃ اللہ علیہ کی یہ آخری روایت ہے جو مجھے امام حصکفی کی روایت سے ملی ہے' اس پر اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے جس کے احسانات وانعامات تمام بندوں کو شامل ہیں اور اس کے آخری رسول حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمتِ کاملہ اور سلامتی کا ہمیشہ نزول ہوتا رہے اور آپ کے آل وصحابہ کرام پر۔

اظہارِ تشکر

اللہ تعالیٰ کا بے حد وبے شمار شکر ہے جس نے اپنے خصوصی فضل وکرم سے مجھ جیسے کم علم عاصی اور مسکین وفقیر کو اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے ترجمہ وتشریح کی خدمت کا موقع عطاء فرمایا اور اس مسند کے اوّل سے لے کر آخر تک ہر مشکل میں مدد فرمائی' سو اس لیے آج بروز جمعۃ المبارک بتاریخ ۵ ذی الحج ۱۴۳۱ھ بمطابق ۱۲ نومبر ۲۰۱۰ء صبح آٹھ بجے مسند امام اعظم کا ترجمہ اور اس کی شرح کی تصنیف کا کام مکمل ہوگیا ہے۔ فالحمد لله علی ذٰلك!

قارئین کرام سے التماس ہے کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس فقیر پُرتقصیر کو جوڑوں کے درد اور دمہ کے مرض سے مکمل شفاء

عطاء فرمائے۔ فقیر کی طرف سے دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تمام مخلص معاونین وقارئین کو دارین کی خیر وعافیت عطاء فرمائے۔

آمین ثم آمین! بجاہ النبی الکریم الرؤف الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

!!! ☆☆☆ اہل حق کے لیے عظیم خوش خبری ☆☆☆ !!!

یہ ایک حقیقت ہے کہ عقائد و معمولاتِ اہلسنّت خصوصاً میلاد و قیامِ میلاد اور فاتحہ وغیرہ کے موضوع پر تحریر کی گئی اپنی نوعیت کی بے مثال کتاب ''انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ'' مدتوں سے موقوف الاشاعت رہی، اور اربابِ علم و دانش کے علاوہ عام قارئین کی نگاہوں سے عرصہ سے اوجھل رہی۔ جائے افسوس ہے کہ اس کے جواب میں لکھی گئی رسوائے زمانہ کتاب ''براہین قاطعہ'' تو ہزاروں ہزار کی تعداد میں متعدد ایڈیشنوں کے چولے پہن کر منظر عام پر آئی، اور دلائل و تحقیقات کے اُجالے بکھیر بکھیر دینے والی کتاب ''انوارِ ساطعہ'' گوشہ گمنامی میں پڑی رہی! اسے اپنوں کی بے اعتنائی کے علاوہ اور کیا نام دیا جائے؛ لیکن الحمدللہ اب غفلت کے دھند حلکے چھٹنے لگے ہیں اور انوارِ ساطعہ کی اشاعت کا مبارک سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ حال ہی میں اصل متن کی تصحیح کے ساتھ دو نسخے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے نباضِ وقت طلبہ اور المجمع الاسلامی مبارکپور کی طرف سے طبع ہو کر مارکیٹ میں آئے ہیں اور اب یہ تیسرا نسخہ ہماری سعی پیہم سے تخریج و تحقیق سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ تسہیل و تجدید کی قبا زیب تن کر کے منظرِ عام پر آیا چاہتا ہے۔

''انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ'' جہاں تفریق بین المسلمین کی تاریخ اور اس کے اَسباب و عوامل پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے وہیں علم غیب، مسئلہ حاضر و ناظر اور دوسرے اہم علمی و فقہی مسائل و مباحث کی گرہیں بھی کھولتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انوارِ ساطعہ اپنی سلاست و سادگی، عبارت کی دل نشینی و پختگی اور تحقیق کی ندرت و عمدگی کے اعتبار سے آج بھی ایک مفید اور زندہ و تابندہ کتاب ہے، اور فاضل مصنف کے زمانے کی علمی، ادبی، تحقیقی اور ثقافتی بوقلمونیت کا منہ بولتا ثبوت بھی۔ تاہم اس کے بعض الفاظ و فقرے ضرور تشریح طلب تھے، نیز فاضل مصنف کے زمانے کا طریق املا کچھ اور تھا، خصوصاً علاماتِ اوقاف کے استعمال کا تو پہلے کوئی دستور ہی نہ تھا، پھر بعد میں طریق املا تدریجاً اصلاح پاتا رہا، لہٰذا ضروری تھا کہ قدیم طریق املا چھوڑ کر جدید رسم املا اختیار کیا جاتا اور جا بجا اوقاف لگا دیے جاتے تا کہ عبارت عام فہم بن جائے اور کتاب کی افادی حیثیت بڑھ جائے۔ ہم نے بحمد اللہ اس کتاب کے اندر تحقیق و تخریج کی بابت جہاں عالم عرب کا اُسلوبِ جدید اپنایا ہے وہیں تسہیل و تجدید کے سلسلے میں فاضل مصنف کے عہد کا طریق املا چھوڑ کر مروجہ طریق املا بھی اختیار کیا ہے۔ مثلاً :

☆ فاضل مصنف کے زمانے میں بعض الفاظ ملا کر لکھنے کا دستور تھا جیسے: ''جانکر''، ''تمکو'' وغیرہ، پیش نظر کتاب میں ہر لفظ جدا جدا لکھا گیا ہے۔ ''جان کر''، ''تم کو''۔ یوں ہی اس سے ملتے جلتے اور بھی بہت سے الفاظ۔ جیسے ''ہو'' اور ''جائے'' کو ''ہووے'' اور ''جاوے'' لکھا جاتا تھا۔ پیش نظر کتاب میں موجودہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

☆ پوری کتاب میں جا بجا اوقاف لگا دیے گئے ہیں تا کہ فقرے اور جملے ممتاز رہیں، اس سلسلے میں بعض مقامات سے ''اور'' یا اس قسم کے دوسرے الفاظ حذف کر دیے گئے ہیں جو دراصل الٹے واؤ (کاما) اور وقفے (ڈیش) کا بدل تھے۔

ہمارے نزدیک ان میں سے کسی بھی چیز کو متن میں تبدیلی قرار نہیں دیا جا سکتا، اسے صرف طریق املا کا فرق کہنا چاہیے۔

☆ جن الفاظ یا فقرات کا مفہوم توضیح طلب تھا ان کی توضیح حاشیے میں کر دی گئی ہے یا متن میں قوسین کے اندر ایک لفظ یا چند الفاظ بڑھا دیے گئے ہیں۔

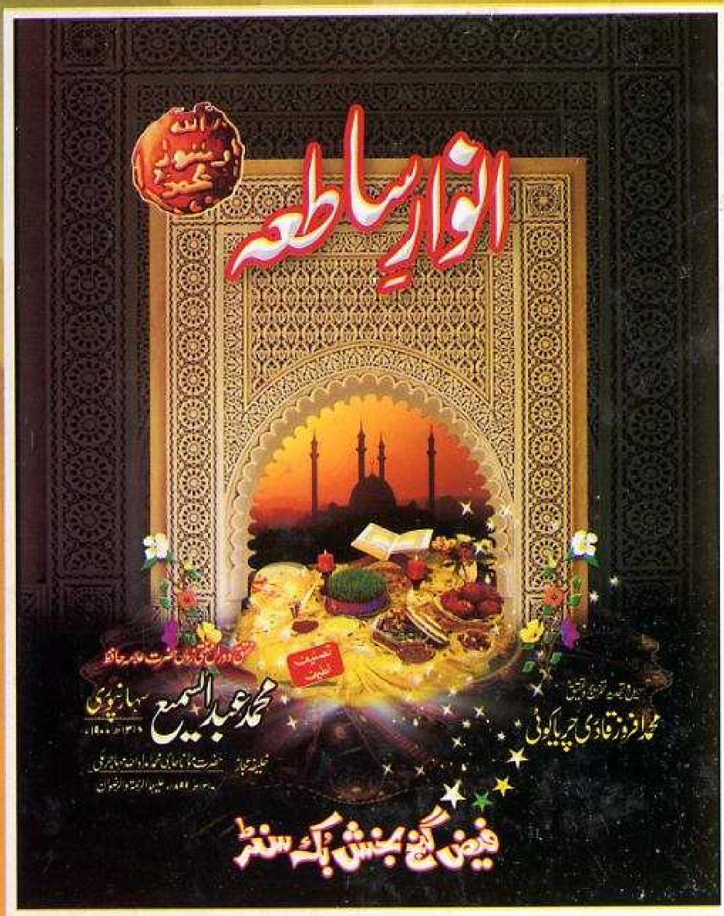
☆ جو احادیث متن میں جزوی طور پر نقل تھیں انھیں حاشیے میں مکمل لکھ دیا گیا ہے ساتھ ہی ان کا عربی متن بھی قید تحریر میں آ گیا ہے۔ نیز اس مفہوم کی دوسری روایتیں بھی درج کر دی گئی ہیں۔

☆ فاضل مصنف کے عہد میں فارسی کا عام رواج تھا شاید اسی لیے پوری کتاب میں کہیں فارسی اقتباسات کے ترجمے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی مگر ہم نے فارسی بیزار دورِ حاضر کو دیکھتے ہوئے ان کا ترجمہ کر دیا ہے۔ یوں ہی عربی کی بہت سی عبارتیں بھی تشنہ تھیں جن کی تکمیل کر دی گئی ہے۔

☆ فاضل مصنف نے بعض آیات کے ترجمے میں صرف مطالب قرآنی اور اپنا مقصد پیش نظر رکھا ہے اور بعض چھوڑ دی ہیں، ہم نے ہر جگہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا ترجمہ قرآن کنز الایمان درج کر دیا ہے۔

امید ہے کہ ہماری یہ کوشش قارئین کرام سے خراجِ تحسین وصول کرے گی۔ فیض گنج بخش بک سنٹر لاہور، پاکستان اسے مرحلہ طباعت سے گزار کر وقت کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل کر رہا ہے۔

محمد افروز قادری چریاکوٹی
پروفیسر: دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ
afrozqadri@gmail.com



فیض گنج بخش بُک سنٹر

دربار مارکیٹ داتا دربار لاہور

0321 4021 314